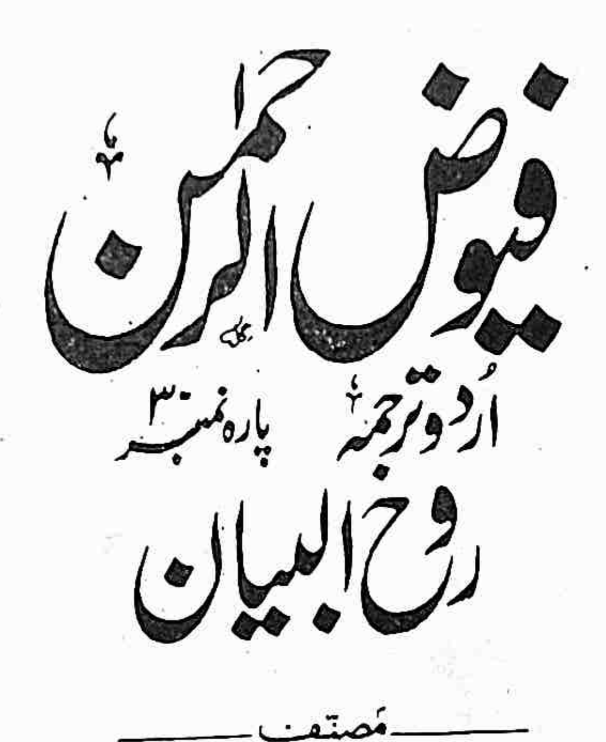


مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب . . . . . فیوض الرحمٰن اُردو ترجمہ تفسیر روح البیان
پارہ نمبر ۳۰
مصنف . . . . . سراج العلماء والفضلاء علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ
مترجم . . . . . شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی
تصیح . . . . . الحاج چودھری مشتاق محمد خاں لاہور
سن طباعت . . . . سنہ ۱۹۹۱ء بار دوم سنہ ۱۹۹۳ء
ناشر . . . . . مکتبہ اویسیہ رضویہ - سیرانی روڈ بہاول پور
با اہتمام :- عطاالرسول اویسی

فہرست تفسیر فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان پارہ ۳۰

مضمون	صفحہ



سُوْرَۃُ النَّبَاِ

رُکُوْعَاتُہَا ۲	سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ (۸۰)	اٰیَاتُہَا ۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ○ الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ ○ کَلَّا
سَیَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ○ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا ○ وَّالْجِبَالَ
اَوْتَادًا ○ وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ○ وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا ○ وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ○
وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا ○ وَّبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا ○ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّھَّاجًا ○
وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ○ لِّنُخْرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ○ وَّ جَنّٰتٍ
اَلْفَافًا ○ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا ○ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ○

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ
مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا
شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝
وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ
نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝

ترجمہ: سورۃ النباء مکیہ ہے اس کی چالیس یا اکتالیس آیات ہیں اس کے دو رکوع ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ یہ آپس میں کا ہے کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں بڑی خبر کی جس میں وہ کئی راہ ہیں ہاں ہاں اب جان جائینگے پھر ہاں ہاں جان جائینگے کیا ہم نے زمین کو بچھونا کیا اور پہاڑوں کو میخیں اور تمہیں جوڑے بنایا اور تمہاری نیند کو آرام کیا اور رات کو پردہ پوش کیا اور دن کو روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط پہاڑیاں چنائیاں اور ان میں ایک نہایت چمکتا چراغ رکھا اور پھر بدلیوں سے زور کا پانی اتارا کہ اس سے پیدا فرمائیں اناج اور سبزہ اور گھنے باغ، بے شک فیصلہ کا دن ٹھہرا ہوا وقت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوجوں کی فوجیں اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائینگے کہ جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکا دیتا بیشک جہنم تاک میں ہے سرکشوں کا ٹھکانا اس میں قرنوں رہیں گے اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں اور نہ کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ جیسے کو تیسا بدلا، بیشک انہیں حساب کا خوف نہ تھا اور انہوں نے ہماری آیتیں حد بھر جھٹلائیں اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب۔

تفسیر عالمانہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا ہے

عَمَّ (کا ہے کی) یہ در اصل عَنْ مَا تھا، نون میم میں مدغم ہوا کیونکہ یہ غُنّہ میں مشترک ہیں عَمَّا ہوا پھر الف لِمَ، بِمَ، فِيْمَ، الٰی م و علیٰ م کی طرح الف بھی گر گیا کیونکہ یہ بھی در اصل لِمَا، بِمَا، فیما، الیٰ ما، علیٰ ما تھے استفہامیہ وغیرہ کے درمیان فرق کے لیے یا کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیفاً۔ العشر میں غیر محذوف میں آیا ہے جیسے ابو البقا نے کہا مبہم اس لیے ہے تاکہ مسؤل عنہ

(جس کے بارے میں کفار کرتے تھے) کے شان فخیم معلوم ہو کہ وہ کیسی ہے اور اجناس معہودہ سے خارج ہے گویا وہ اپنی ہم جنس سے خارج ہے اسی لیے اس کے متعلق پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ یہ استفہام اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ محض تفخیم کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ (مسئول عنہ) مجہول نہیں کیونکہ اس سے کون سی شے مخفی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کتنی عظیم الشان شے سے سوال کرتے ہیں۔ یَتَسَآءَلُوْنَ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں یعنی اہلِ مکہ مرنے کے بعد اٹھنے اور حشر جسمانی کے متعلق آپس میں پوچھ گچھ کرتے اور گفت گو کرتے اور انکار و استہزاء کے پیرایہ میں ایک دوسرے سے سوال کرتے یعنی وہ آپس میں اس کی حقیقت اور مسمّٰی سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے وقوع سے جو اس کے احوال میں سے ایک حال اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کے متعلق پوچھ گچھ کرتے اگرچہ ما کی وضع حقائق الاشیاء و اسماء کے مسمیات کی طلب کے لیے ہے جیسے ما الملك، ما الروح (فرشتہ و روح کیا ہے) یعنی ان کی حقیقت اور ان کے مسمّٰی کیا ہیں لیکن کبھی شے کا حال و وصف کے متعلق بھی آتا ہے جیسے ما زید۔ زید (کی وصف) کیا ہے؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے عالمٌ یا طبیبٌ۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ (بڑی خبر کی) النبا وہ خبر جو بڑی شان و خطر بھری ہو۔ یہ مسئول عنہ کے شان کا بیان اور جواب ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ کا ہے کی پوچھ گچھ کرتے ہیں، کیا میں تمہیں اس کی خبر دوں۔ اس کے بعد بطریق جواب کے کہا گیا عن النبا العظیم اس بڑی خبر سے جو دائرۂ خلق کے علوم سے خارج ہے، پوچھ گچھ کرتے ہیں یہ لمن الملك الیوم للہ الواحد القہار (آج شاہی کس کی، اللہ واحد قہار کی) کے طریق پر ہے۔

ف: اس طریق سے سوال و جواب کا ایک فائدہ ان کے سمجھانے اور وضاحت کے زیادہ قریب ہے عن اس مدلول کے متعلق ہے جس پر مذکور دلالت کرتا ہے وہ مضمر ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ مقدر ہو سکے، اس کے بعد بیان میں جلدی اور سوال کی ترتیب کے لیے۔ اس لیے جار اپنے متعلق سے مقدم ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ عن النبا العظیم ایک دوسرا استفہام ہے کہ دراصل اعن النبا العظیم، ام وغیرہ تھا (کیا بڑی خبر سے یا اس کے غیر سے) مذکور (استفہام) کی وجہ سے دوسرا استفہام محذوف ہو گیا اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے: افان مت فھم الخالدون۔ دراصل افھم الخالدون تھا (کیا اگر میں مر جاؤں تو کیا وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے)۔

الَّذِیْ ھُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (جس میں وہ کئی راہ ہیں) یہ نبا کی صفت کے بعد صفت ہے۔ پہلی صفت عظیم ہے اس کے خطرناک ہونے کی تاکید کے بعد تاکید ہے اور آگاہ کرنا ہے کہ ان کی پوچھ گچھ کا مدار یہی ہے فیہ مختلفون کے متعلق ہے اس پر مقدم ہے اس کے اہتمام اور فواصل کی رعایت کی وجہ سے

اور صلہ جملہ اسمیہ ثبوت کی دلالت کے لیے ہے یعنی وہ اختلاف میں راسخ (پکے) ہیں کیونکہ ان کے بعض جو قیامت کے انکاری اور اسے محال سمجھنے میں راسخ اور پختہ یقین رکھتا ہے وہ کہتا ہے بس یہی حیات دنیا ہی ہے مریں گے جئیں گے اور ہمیں دہر ہی ہلاک کرے گا پھر ہم نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اور ان کے بعض اقراری ہیں لیکن ان کا گمان ہے کہ ان کے بت ان کی سفارش کریں گے۔ چنانچہ کہتے ہیں :

ھٰؤلاء شفعائنا عند اللہ ۔ (اللہ کے ہاں یہی بت ہماری سفارش کریں گے)

ان کے بعض شک میں تھے، چنانچہ کہتے :

ما ندری ما الساعۃ ان نظن الا ظنا و ما نحن بمستقنین (ہمیں معلوم نہیں کہ قیامت کیا ہے ہمیں تو صرف اس کا گمان ہی ہے ہمیں اس کا کوئی یقین نہیں)

تفسیر صوفیانہ اس میں قیامتِ کبریٰ کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے فناء کے بعد بقاء، یا بعث القلب کی طرف جو نفس کی موت کے بعد ہوتا ہے روح اور اس کے قویٰ تو اس کا اقرار کرتے ہیں لیکن نفس اور اس کی صفات انکاری ہیں کیونکہ یہ جاہل ہیں چہ جائیکہ انھیں اس کا کوئی ذوق نصیب ہو جو جس کا ذائقہ نہیں چکھتا وہ اس سے انکار کرتا ہے۔ حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

زاہد تعجب گر کند از عشق تو پرہیز
لیکن لذت ایں بادہ چہ داند کہ نخوردا ست

ترجمہ : زاہد اگر تعجب کرتا ہے عشق سے، تو تو اس سے دور رہ کیونکہ جو اس شراب کی لذت نہ جانے وہ کیا پیئے گا۔

حقیقت کے بادہ خوروں کو مبارک اور محروموں کو حسرت ہی حسرت۔

تفسیر عالمانہ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (ہاں ہاں اب جان جائیں گے) کلّا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انہیں زجر ہے اور وعید ہے جیسے سیعلمون سے ثابت ہوتا ہے یعنی بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کوئی امر نہیں کہ اس کے انکار یا شک کرنے سے نہ ہو کہ اس سے انکار یا شک کرکے پوچھ گچھ کرتے ہیں اس لیے کہ جس کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں وہ حق ہے اُسے کوئی دفع نہیں کر سکتا اس نے واقع ہونا ہے لاریب۔ یقیناً اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (پھر ہاں ہاں جان جائیں گے) زجر و وعید کا تکرار تاکید و تشدید میں مبالغہ کے لئے ثُمَّ میں دلیل ہے کہ وعید ثانی شدید تر ہے یعنی ثم کی وضع تراخی زمانی کے لئے ہے لیکن مجازاً کبھی تراخی رتبی کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی شدۃ و فظاعۃ میں معطوفین کے درمیان تباعد کے لئے، اس میں تباعد رتبی کو تراخی زمانی سے تشبیہ کی وجہ سے کہ وہ مطلق

تباعد بین الامرین پر مشتمل ہیں اور یہاں مجازی معنیٰ مراد ہے کیونکہ تشدید و تہدید کا مقام ہے اور اس پر محمول کرنے میں زیادہ تاکید ہے اگرچہ بعض نے اسے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے اور یہ کہا کہ تم اس کی حقیقت نزع روح کے وقت جانو گے پھر مدتِ مدید کے بعد یومِ قیامت میں، اور ظاہر ہے کہ یوم القیمۃ نزع روح کے بڑی مدت کے بعد واقع ہوگا یا یہ معنی ہے کہ تم جانو گے بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کی حقیقت، جب قبروں سے اٹھو گے پھر بحسب العمل جزاء کی حقیقت (حق ہونا)۔

ف : بعض نے ان کے اختلاف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف پر محمول کیا۔ ہے پھر اختلاف میں صدور الفعل از متعدد کا اعتبار ہے نہ کہ ان کی آپس میں مخالفت جانبین سے اس لیے کہ وہ سارے کے سارے اگرچہ زجر و وعید کے مستحق تھے لیکن یہ استحقاق ہر دو جانب کی وجہ سے جانب آخر سے مخالفت کے لیے نہیں اس لیے کہ ان کی مخالفت میں حقیقت تو ہے نہیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کی مخالفت سے مواخذہ ہو بلکہ مواخذہ ہے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے۔ اس تقریر پر کلّا کی زجرا نہیں پوچھ گچھ اور دونوں معنیٰ مذکورہ سے اختلاف کی وجہ سے ہے، اور سیعلمون بطریق استیناف انہیں وعید اور زجر کی تعلیل ہے اور سین تقریب و تاکید کا ہے اس کا کوئی مفعول نہیں جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی پوچھ گچھ والی شے کے وقوع اور جس میں اختلاف کر رہے ہیں کے وقوع میں نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے کہ جو اس کی گوناگوں ہولناکیاں اور عقوبات پائیں گے اور تساءل و اختلاف کے بالمقابل اس کے وقوع کے پانے کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں چاہیئے کہ ایسے غلط سوال سے باز آجائیں کیونکہ عنقریب وہ جو حلول کرنے والی ہے اسے جان لیں گے جب ان پر عذاب و عقاب نازل ہوا۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا) جملہ مستانفہ ہے نبأ اور متسأل عنہ کی تحقیق ہے بعض متعدد ایسے شواہد سے جو اس کی حقیقت پر ناطق ہیں اور اس کے کہ اس پر زجر و وعید سے متنبہ فرمایا۔ یہاں سے واضح ہوگیا کہ متسأل عنہ بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) ہے نہ کہ قرآن و نبوت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا۔ ہمزہ تقریر کے لیے ہے۔ المهاد یعنی بچھونا و فراش، جیسے دوسری آیت میں فرمایا: جعل لکم الارض فراشا (تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا)

حلِ لغات

ابن الشیخ نے فرمایا المهاد مصدر ہے ماهدت بمعنی مهدتُ، جیسے سافرت بمعنی سفرت ہے۔ اس کا اطلاق زمین ممهود (بچھائی ہوئی) پر ہوتا ہے یعنی کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا کہ اس پر تم چلتے پھرتے ہو جیسے کوئی اپنے بچھونے پر چلتا پھرتا ہے تاکہ وہ زمین تمہاری قرارگاہ اور چلنے پھرنے کی جگہ ہو۔ مهادًا، جَعَلَ کا مفعول ثانی ہے اگر جعل بمعنی تصییر ہو، اس کا حال

مقدر ہے اگر بمعنی غلق "ہو، یہ بھی ہے کہ مہد کی جمع ہے جیسے کعب کی جمع کعاب ہے اس کی جمعیت (جمع ہونا) زمین کے مختلف اماکن کی وجہ سے، جیسے بستیاں، بلاد (شہر) وغیرہ یا اس میں تصرف کی وجہ سے کہ اس کے بعض کھیتی کے لئے، بعض سکونت کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

ف : اسے مهد بھی پڑھا گیا ہے بچّے کے گہوارے سے تشبیہ دے کر، یعنی بچّے کا وُہ بچھونا جس پر وہ نیند کرتا ہے۔ تسمیۃ المفعول بالمصدر کے قبیل سے ہے یعنی مهد بمعنی ممهود۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (اور پہاڑوں کو میخیں) اوتاد سے اس کے لنگر مراد ہیں تاکہ ساکن ہو اور اپنے اوپر مقیمین کو کہیں نہ لے جائے جیسے وہ پانی پر ہچکولے کھا رہی تھی، جیسے گھر کو میخوں سے مضبوط کیا جاتا ہے تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے۔

حل لغات اوتاد، وتد کی جمع ہے۔ وُہ شے جو گاڑی جائے اور اس سے متزلزل و متحرک شے کو مضبوط کیا جائے، جیسے تختہ وغیرہ کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یعنی میخ (کیل)۔

سوال : اللہ تعالیٰ کا ارادہ و قدرت زمین کو روکنے کے لیے کافی نہ تھی کہ اس نے پہاڑوں سے زمین کو ہلنے سے روکا؟

جواب : ضرور تھی لیکن وہ مسبب الاسباب ہے، اور یہ بھی اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

اولیاء کرام کی شان ہم اہلسنّت والجماعت کہتے ہیں کہ دنیا اللہ والوں کے طفیل بس رہی ہے اسے ہمارے دَور کے معتزلہ (وہابی، نجدی، دیوبندی) شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دو صدی پہلے یہی عقیدہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے بیان فرمایا، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

قال بعضهم الاوتاد على الحقيقة سادات الاولياء وخواص الاصفياء فانهم جبال ثابتة وبهم تثبت ارض الوجود۔ (روح البیان ج ۱، ص ۲۹۶)[1]

بعض نے کہا کہ اوتاد درحقیقت سادات اولیاء اور خواص اصفیاء ہیں، اس لیے کہ وہ جبال ثابتہ ہیں کہ ان سے ہی ارض الوجود ثابت ہے۔

اوتاد و ابدال میں فرق حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ سے اوتاد و ابدال کے متعلق سوال ہوا کہ ان میں کون افضل ہے؟ فرمایا: اوتاد۔ عرض کی گئی: وُہ کیسے؟ فرمایا کہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ابدال، ایک سے دوسرے حال کی طرف بدلتے رہتے ہیں۔ اور اوتاد ان تک انتہا، اور ان سے ارکان ثابت ہیں ان پر ہی خلق کا قوام (دارومدار) ہے۔

ف : حضرت ابنِ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اوتاد اہلِ استقامت اور اہلِ صدق ہیں ان کے احوال متغیر نہیں ہوتے وہ مقامِ تمکین میں ہوتے ہیں۔

اوتاد کی تعداد

دنیا میں کل چار اوتاد ہوتے ہیں :

(۱) مشرق کی حفاظت کرتا ہے اس کا اسم گرامی عبدالحیّ ہے۔

(۲) مغرب کا محافظ ہے اس کا اسم گرامی عبدالعلیم ہے۔

(۳) شمال کی نگرانی کرتا ہے اس کا نام عبدالمرید ہے۔

(۴) جنوب کی حفاظت کرتا ہے اس کا نام عبدالقادر ہے۔

ابدال کی ڈیوٹی

ابدال سات ہیں، وہ ہفت اقلیم کے کُرہ کی علواً و سفلاً حفاظت کرتے ہیں۔ ان کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہوجائے تو چہل تن میں سے ایک ابدال کی جگہ پر لایا جاتا ہے وہ چہل تن نجباء ہیں اور نجباء کی تکمیل سی صد (۳۰۰) نقباء میں سے ایک سے ہوتی ہے، اور نقباء کی تکمیل صلحاء سے کی جاتی ہے۔ ابدال ایک جگہ پر مقیم نہیں رہتے مگر وہ کمزور ہوتے ہیں علاج معالجہ کرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں، کپڑے پہنتے ہیں، ابدال بننے سے پہلے نکاح کرتے ہیں، قطب الابدال کی نظیر سہیل ستارہ ہے ایسے ہی قطب الارشاد کی نظیر جدی (ستارہ) ہے۔

ابدال زمانہ سابق کے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں حضرت عصام الدین قرنی حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے ان کے وصال کے بعد حضرت ابن عطاء احمد رضی اللہ عنہ جو مکہ معظمہ و یمن کے درمیان کسی گاؤں میں رہتے تھے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ابدالِ سبعہ میں سے ایک تھے اور سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ اوتادِ اربعہ میں سے ایک تھے[1]

---

[1] ہمارے دور میں بعض بدقسمت فرقے "ابدال" کے وجود اور ان کی اس اصطلاح اور ان کے تصرفات و کمالات و کرامات کے منکر ہیں۔ امام اجل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر ایک بہترین کتاب لکھی ہے، فقیر (محمد فیض احمد اویسی) نے بھی ان کے فیض سے ایک کتاب تحریر کی، اس کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے : (باقی برصفحہ آئندہ)

وَخَلَقْنٰكُمْ (اور ہم نے تمہیں پیدا کیا) اس کا عطف مضارع بکم پر ہے اور اسی کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بھی اما جعلنٰکم کی قوۃ میں ہے یا اس پر جو انکار تقریر کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تحقیق ابدال ابدال دراصل رجال اللہ میں سے ایک مخصوص مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے متعلق احادیث مبارکہ میں بکثرت ارشادات وارد ہیں قرآن مجید میں انھیں رجال اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ وہ مردانِ حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادِ خداوندی سے غافل نہیں کرتی۔

ان کا وجودِ مسعود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک رہا ہے اور حضور کے عہدِ مبارک سے لے کر ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام اور نظام کا دارومدار انہی مردانِ خدا پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ انہی کی تعلیمات و ہدایات پر قایم ہے۔ امورِ تکوینی کے انصرام اور تصرفات کونیہ کی قدرت سے مشرف ہوتے ہیں ان کی برکات سے بارشیں برستی ہیں۔ نباتات پر سرسبزی آتی ہے کائنات ارضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی انہی کی نگاہِ کرم کی مرہونِ منت ہے۔ شہری آبادیاں تغلب احوال و تحول اقبال، سلاطین کے عروج و زوال، انقلابات زمانہ اغنیاء و مساکین کے حالات میں ردّ و بدل اصاغر و اکابر کی ترقی و تنزل جنود و عساکر کا اجتماع و انتشار، بلاؤں اور وباؤں کا رفع و دفع ہونا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔ آفتاب عالم تاب خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو روشن رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیب الغیب سے ایک نوران حضرات پر وارد کرتا ہے جس سے وہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ اولیائے ظاہرین
۲۔ اولیائے مستورین

(۱) اولیائے ظاہرین کے سپرد مخلوقِ خدا کی ہدایت و اصلاح ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلوقِ خدا کی ہدایت اور اصلاح کے لئے زندگیاں وقف کر دیتے ہیں اور اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ دشوار ترین حالات کے سامنے بھی اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

(۲) اولیائے مستورین کے سپرد انصرامِ تکوینی ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہوں (نگاہِ ظاہرین) سے مستور

(باقی اگلے صفحہ پر)

مقتضی ہے ۔کیونکہ وہ اس قوت میں ہے کہ کہا جائے قد جعلنا کم ازواجا ۔جوڑے درانحالیکہ تم کئی قسم ہو یعنی نر و مادہ ، تاکہ ہر صنف اپنی دوسری صنف سے تسکین پائے اور معاشرہ و معاش کا معاملہ منتظم ہو اور نسل کا سلسلہ بڑھے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور پوشیدہ ہوتے ہیں ، مگر یہ بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں ۔انہیں اپنے انصرامی امور کی سرانجام دہی کے سلسلے میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی ، انھیں اصطلاح صوفیہ میں رجال الغیب اور مردانِ غیب کہا جاتا ہے ۔ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں ان کے قدم بہ قدم چل کر عالمِ شہادت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور مستوی الرحمٰن کا مقام پاتے ہیں ، وہ نہ تو پہچانے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ عام انسانی شکل میں رہتے ہیں اور عام انسانوں میں صبح و شام مصروفِ کار رہتے ہیں ۔انہی کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ہے :

اَولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی ۔ میرے ولی میری قدرت کی قبا میں ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا ۔
(روح البیان)

ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنے اپنے مقامات پر متعین ہیں ۔عالمِ احساس میں جب انسان کی شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں لوگوں کو پردۂ غیب سے پیچھے کی خبریں دیتے ہیں ۔ پوشیدہ امور سے بعض اوقات پردہ اٹھا دیتے ہیں اور پھر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو تمام کائناتِ ارضی پر پھرتے ہیں ، لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہیں اور پھر آناً فاناً غیب ہو جاتے ہیں ، ان سے باتیں کرتے ہیں ، ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں اور جنگلوں ، پہاڑوں ، صحراؤں اور سمندروں میں قیام کرتے ہیں ایسے حضرات میں سے قوی تر حضرات شہروں میں بھی قیام کرتے ہیں صفاتِ بشری کے ساتھ صبح شام بسر اوقات کرتے ہیں ، آبادیوں میں اعلیٰ مکانات میں رہائش پذیر ہوتے ہیں ۔احباب کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے ہیں ۔لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک کرتے ہیں ، بیمار پڑتے ہیں تو اپنے حلقۂ احباب سے عیادت کرواتے ہیں ، علاج کرواتے ہیں ، اولاد و اسباب ، اموال و املاک رکھتے ہیں ۔لوگوں کی دشمنیوں ، بدگمانیوں ، ایذا رسانیوں اور حسد و بغض کے اثرات برداشت کرتے ہیں ۔مگر اللہ تعالیٰ ان کے حسنِ احوال اور کمالاتِ باطنی کو اغیار کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے ۔صاحبانِ نظر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں ، صاحبانِ احوال ان کی زیارت کو آتے ہیں ۔انہی میں سے تھے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ جن کی زیارت کے لئے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن کی بستی قرن میں تشریف لے گئے تھے ۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حلِ لغات زوج دونوں جوڑوں کی ہر دوسری قسم کو کہا جاتا ہے وہ حیوان ہو یا غیر حیوان، جیسے موزہ، جوتا۔ اسی لئے دو کو زوج نہیں کہا جاسکتا بلکہ زوجاین کہا جاسکتا ہے۔ اسی لیے لائق ہے کہ کہا جائے قرضتہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱)

رجال اللہ کے اقسام رجال اللہ (مردانِ خدا) کو بارہ۱۲ اقسام میں منقسم کیا گیا ہے:

(۱) اقطاب　(۲) غوث　(۳) امامان

(۴) اوتاد　(۵) ابدال　(۶) اخیار　(۷) ابرار

(۸) نُقبا　(۹) نُجبا　(۱۰) عمد　(۱۱) مکتوبان

(۱۲) مفردان

اقطاب: ہر زمانہ میں صرف ایک قطب ہوتا ہے۔ یہ قطب سب سے بڑا ہوتا ہے، اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ قطب عالم، قطب کبریٰ، قطب الارشاد، قطبِ مدار، قطب الاقطاب، قطبِ جہاں اور جہانگیر عالم، عالم علوی اور عالم سفلی میں اسی کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیض و برکت سے قائم ہوتا ہے، اگر قطبِ عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ قطبِ عالم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے احکام و فیض حاصل کرتا ہے اور ان فیوض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے۔ وُہ دنیا کے کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے، بڑی عمر پاتا ہے۔ نورِ خاتم مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات ہر سمت سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر، تنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے، ولی کو معزول کرنا، ولایت کو سلب کرنا، ولی کو مقرر کرنا، اس کے درجات میں ترقی دینا اسی کے فرائض میں ہے۔ وہ ولایت شمس پر فائز ہوتا ہے لیکن اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے۔ قطب عالم اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی تجلی کا منظہر ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہرِ خاص تجلی الولایت ہیں۔ قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اور اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مقامِ فردانیت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقامِ محبوبیت ہے، رجال اللہ میں اس قطب عالم کا نام عبداللہ بھی ہے۔

اقطاب کی قسمیں اقطاب کی کئی قسمیں ہیں۔ یہ اقطاب تمام کے تمام قطبِ عالم کے ماتحت ہوتے ہیں، قطب ابدال، قطب اقالیم، قطبِ ولایت وغیرہ وغیرہ۔ بعض اوقات مختلف افراد کی تربیت کے لیے ایک ایک قطب کا تعین کیا جاتا ہے۔ قطب زہاد، قطب عباد، قطب عرفا، قطب متوکلان۔ یہ اقطاب شہروں، قصبوں، گاؤں غرضیکہ جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں وہاں ایک قطب مقرر ہے جو اس کی محافظت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وُہ بستی مومنوں سے آباد ہو خواہ کافروں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

بالمقراضین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا) وقصصتہ بالمقصین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مگر قطب اپنے فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے۔ مومنوں کی بستیوں میں اسم ہادی کی تجلی سے کام لیا جاتا ہے اور کافروں کی پرورش یا نگرانی اسم مضل کے ماتحت ہوتی ہے۔

غوث بعض صوفیہ نے غوث اور قطب ایک ہی شخصیت کو قرار دیا ہے، مگر حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے نزدیک قطب الاقطاب اور غوث میں بڑا فرق ہے۔ بعض اوقات قطب اور غوث کے اوصاف ایک ہی شخصیت میں جمع ہوجاتے ہیں۔ قطبیت کی وجہ سے قطب الاقطاب اور غوث غوثیت کے اعتبار سے غوث العالم کہلاتا ہے۔

امامان قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنہیں امامان کہتے ہیں۔ ایک قطب کے داہنے ہاتھ رہتا ہے جس کا نام عبدالملک ہے۔ اور دوسرا بائیں ہاتھ بیٹھتا ہے، اس کا نام عبدالرب ہے۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے پاتا ہے اور عالم علوی سے افاضہ کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے مگر عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک بائیں ہاتھ والے امام کا رتبہ دائیں ہاتھ والے امام سے بلند تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والا ترقی پاتا ہے اور اس کی جگہ دائیں ہاتھ والا مقرر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کون و فساد میں انتظام کرنا اور امن برقرار رکھنا زیادہ مشکل ہے۔ اس عالم میں معاشرہ اپنی خواہشات غیظ و غضب اور فساد و شر کی وجہ سے سخت انصرام و انتظام کی ضرورت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے یہ وزیر زیادہ مستعد، تجربہ کار اور مضبوط رکھا جاتا ہے۔ اس کی نسبت عالم علوی کے احوال زیادہ اصلاح یافتہ ہیں جہاں مشکلات کا سامنا کم ہوتا ہے۔

اوتاد دنیا میں چار اوتاد ہوتے ہیں یہ عالم کے چاروں آفاق (گوشوں) پر متعین ہیں۔

۱۔ مغربی افق والے اوتاد کا نام عبدالودود،

۲۔ مشرقی افق والے کا نام عبدالرحمٰن،

۳۔ جنوبی افق والے کا نام عبدالرحیم،

۴۔ شمالی افق والے کا نام عبدالقدوس ہوتا ہے۔

قیام عالم میں یہ اوتاد میخوں کا کام دیتا ہے اور پہاڑوں کی طرح زمین پر امن برقرار رکھنے کا کام دیتے ہیں۔

الم نجعل الارض مہاداً والجبال اوتاداً۔ — کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو اوتاد نہیں بنایا؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس لیے کہ وہ دو ہیں، اسی لیے صرف المقراض و المقص نہ کہا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں صوفیا ئے کرام نے اوتاد حضرات کے مقامات، فرائض، مراتب اور قیام امن میں ان کے کردار کو تفصیلی طور پر بیان فرمایا ہے۔

ابدال انھیں بدلاء بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا میں بیک وقت سات ہوتے ہیں اور سات اقالیم پر متعین ہوتے ہیں۔ یہ سات انبیاء کے مشرب پر کام کرتے ہیں، یہ لوگوں کی روحانی امداد کرتے ہیں اور عاجزوں اور بیکسوں کی فریاد رسی پر مامور ہیں:

۱- ابدال اقلیم اول	برقلب ابراہیم علیہ السلام	نام عبدالحیّ
۲- ابدال اقلیم دوم	برقلب موسیٰ علیہ السلام	نام عبدالعلیم
۳- ابدال اقلیم سوم	برقلب ہارون علیہ السلام	نام عبدالمرید
۴- ابدال اقلیم چہارم	برقلب ادریس علیہ السلام	نام عبدالقادر
۵- ابدال اقلیم پنجم	برقلب یوسف علیہ السلام	نام عبدالقاہر
۶- ابدال اقلیم ششم	برقلب عیسیٰ علیہ السلام	نام عبدالسمیع
۷- ابدال اقلیم ہفتم	برقلب آدم علیہ السلام	نام عبدالبصیر

مندرجہ بالا سات ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر کو ان مقامات، ممالک اور اقوام پر مسلط کیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہونا ہوتا ہے، یہ مقہوری بنتے ہیں۔ ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا ابدال کے علاوہ پانچ ابدال اور بھی ہوتے ہیں جو یمن میں رہتے ہیں اور پورے شام پر ان کی حکومت ہوتی ہے انہیں قطب ولایت کہتے ہیں۔ قطب عالم کا فیض قطب اقالیم پر اور قطب اقالیم کا فیض قطب ولایت پر، اور قطب ولایت کا فیض تمام اولیائے جہاں پر وارد ہوتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں تین سو پچاس (۳۵۰) ابدال اور بھی ہوتے ہیں جن میں سے تین سو (۳۰۰) قلب آدم علیہ السلام پر ہیں۔ میر سید محمد جعفر مکی نے چار سو چار (۴۰۴) تعداد بتائی ہے، جو مختلف انبیاء علیہم السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

مفردان افراد کو کہتے ہیں جو قطب عالم ترقی کرتا ہے وہ فرد ہو جاتا ہے۔ مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ قطب مدار عرش سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ف : الجوہری نے درۃ الغواص میں اور صاحب قاموس نے فرمایا کہ دوؔ کے لیے کہا جاتا ہے زوجان د. صمان وج ۔ ممکن ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور فرد متحقق ہوتا ہے ۔ یاد رہے کہ تصرف اور تحقق میں بڑا فرق ہے ۔ قطب مدار تو علی الدوام تجلّی صفات میں رہتا ہے مگر خود تجلی ذات میں ہوتا ہے ۔ قطب مدار خاص ہے فرد اخص ہے ۔ فردانیت مقامِ انبساط و محبت ہے ۔ یہاں پہنچ کر مراد باقی نہیں رہتی ۔ بعض اولیاء کو تجلّی فعالی ہوتی ہے بعض کو تجلّی اسمائی بعض کو تجلی آثاری ۔ بعض مقامِ صحو میں ہوتے ہیں بعض مقامِ سُکر میں ، بعض بیک وقت دونوں مقامات پر ۔ مقاماتِ اولیاء اللہ خارج از حد و حصر ہوتے ہیں مگر اہلِ فردانیت تمام مقامات سے برتر ہوتے ہیں ۔ تنزل کی ایک ہے مگر عروج و ترقی حدود و انتہا سے مبرا ہے ۔ افراد ترقی کرکے جب فردانیت میں کامل ہوتے جاتے ہیں تو ان کا رتبہ محبوبیت آجاتا ہے ۔ پھر محبوبیت بھی مقبولانِ بارگاہ میں خاص امتیاز ذات کے ہوتی ہے ۔ حضرت غوث الثقلین سید عبد القادر جیلانی ، سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہما اسی مقامِ محبوبیت کے مالک تھے ۔ بحر المعانی میں لکھا ہے :

"روزے ایں فقیر در کشتی دریائے نیل مصر با حضرت خضر علیہ السلام مصاحب بود ۔ سخن درمیان شاہدان لایزالی می رفت ۔ خضر علیہ السلام می فرمود کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ، شیخ نظام الدین بدایونی در مقام معشوقی بودند کہ امثالِ ایشان دیگرے نہ رسید ۔" [1]

ایک دن یہ فقیر دریائے نیل مصر میں کشتی میں حضرت خضر علیہ السلام سے رفاقت پذیر ہوا ، شاہدان لایزالی کے متعلق گفت گو شروع ہوئی ۔ فرمایا کہ شیخ عبد القادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقامِ معشوقی میں تھے ان کے سوا اور کوئی اس مقام پر نہ پہنچ سکا ۔

اخیار : ابدال میں سے چالیس اخیار کہلاتے ہیں ۔

نقباء : یہ تین سو ہیں سب کا نام علی ہے ۔

نجباء : یہ تعداد میں ستر ہیں ، نام حسن ہے اور مصر میں رہتے ہیں ۔

عمد : یہ چار ہیں ، محمد ان کا نام ہے ، زمین کے مختلف زاویوں میں کام کرتے ہیں ۔

مکتوبان : یہ حضرات چار ہزار کی تعداد میں ہوتے ہیں ، ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں ، ملتے ہیں ، لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے ۔ ان پر اپنا حال آشکار نہیں ہوتا ۔ ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار پہچاننے سے عاجز ہوتے ہیں ۔ یہ اپنے مقام سے خود ناآشنا ہوتے ہیں ، یا یوں کہئے کہ حالت اخفا میں ہوتے ہیں ۔

---

[1] اسی سے بعض غلط کار چشتیہ کو غلط فہمی ہوئی تو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ نے ان کا خوب رد فرمایا ، اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی" میں ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ یہ دو شقوں میں سے ایک پر اکتفا کے قبیل سے ہو۔ اور زوجہ عورت کے لیے کہنا یہ لغت ردیئہ ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے، اسکن انت و زوجك الجنة (تم اور تمہاری جورو جنت میں ٹھہرو) جو کسی کا قرین ہو اسے بھی زوج کہا جاتا ہے اس کے موافق ہو یا مخالف اسی لیے بعض نے یہاں یہ معنی کیا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا درانحالیکہ تم ہر ایک دوسرے کے بالمقابل اوصاف والے ہو جیسے فقر و غنا (دولت مندی) اور صحت و مرض اور علم و جہل اور قوت و ضعف اور ذکورۃ و انوثۃ (نر و مادہ) طول قصر وغیرہ اور اسی سے ہی آزمائش ہو گی کہ فضیلت والا شکر کرے اور جسے وہ فضیلت نہ ملے وہ صبر کرے اور اس سے نعمت کی قدر معلوم ہو گی کہ صبر سے شکر کا موقعہ ملے گا اور یہ سب کی سب کمان قدرتِ الٰہی اور اس کی نہایت حکمت کی دلیل ہے۔ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ (اور ہم نے تمہاری نیند کو کیا) اس بخار کی رطوبات سے جو دماغ کو چڑھتے ہیں کی وجہ دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا ہونا اسی لیے اہلِ ریاضت کو نیند کم آتی ہے کیونکہ ان کے دماغ کی رطوبت کم ہو جاتی ہے سُبَاتًا (آرام) موت یعنی موت کی مانند، کیونکہ نیند والا میّت کی طرح ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **ف**: مندرجہ بالا تشریحات کے علاوہ ان رجال اللہ (مردانِ خدا) میں سے بہت سے اور اقسام ایسے ہیں جو کائنات کے انتظامات و انصرامات میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ بھی رجال الغیب کی صفت میں آتے ہیں مگر ان کے صحیح مقامات سے اہلِ خرد پوری طرح آگاہ و آشنا نہیں اور نہ ہی ان کے احوال و مقامات کا ادراک ان کی عقلی وسعتوں میں سما سکتا ہے۔ یہ حضرات اپنے فرائض میں اس قدر مربوط اور مستعد ہوتے ہیں کہ ہم ظاہر بیں انداز نہیں کر سکتے۔

گزشتہ صفحات میں جہاں ہم نے قارئین کو رجال اللہ (مردانِ خدا) سے آشنا کرنے کے لیے ایک حقیر سی کوشش کی ہے وہاں ان حضرات کا مختصر سا ذکر دوراز موضوع نہ ہو گا جو ہمارے ظاہری احوال و معاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی فرماتے ہیں۔ ان میں علماء، مشایخ، صوفیہ، صلحاء، اتقیا اور مجدد شامل ہیں۔ علماء و مشائخ کے ہزاروں مقامات و مراتب ہیں۔ وہ معاشرۂ انسانی کی ظاہری باطنی اصلاح کے لیے مختلف انداز رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات خصوصیت کے ساتھ مسلم معاشرے پر مرتسم ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، مگر تاریخ عالم نے عالمِ اسلام کے اذہان و افکار میں جن انقلابات کی نشان دہی کی ہے وہ ان علماء و مشایخ کی شبانہ روز کاوشوں کے رہینِ منت ہیں۔ ان میں صوفیہ بالخصوص روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف رہے۔ ان کی اس مساعیِ جمیلہ نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشو و نما میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے احکامِ الٰہیہ اور مقامِ مصطفےٰ کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں نقش کرنے میں گرانقدر کام کیا، انہوں نے مُردہ دلوں کو حیاتِ تازہ بخشی، اور مردہ نعشوں کو و نفخت فیہ من روحی کے پیغام سے زندہ کر دیا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ابدال کے احوال" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

حلِ لغات

سبات از سبتٌ ہے بمعنی القطع (کاٹنا) کیونکہ نیند والا حرکت سے کٹا ہوا ہے۔ اسی سے یوم السبت (ہفتہ کا دن)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدا کا سلسلہ اتوار کو شروع کرکے چھ دنوں میں (یعنی جمعہ کو) ختم کر دیا اور ہفتہ کا دن کام سے خالی رہا، اسی لیے اس کا نام یوم السبت رکھا گیا اور اس لیے کہ اسی دن (سنیچر) کو اہلِ کتاب کاروبار کو منقطع کر دیتے ہیں یعنی چھٹی کرتے ہیں۔ النوم دو توفیوں کی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔ اللہ تعالیٰ نفسوں کو موت کے وقت فوت کرتا ہے اور وہ جو اپنی نیند میں نہیں مرتا۔

یعنی اسے فوت کرتا ہے جو نیند میں نہیں مرا، وہ اس لیے کہ دونوں کو اس میں مشارکۃ تامہ ہے کہ حیاۃ دنیوی کے کام نیند والے سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس معنی پر اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری نیند کو ایک قسم کی موت بنا دیا، یعنی وہ موت کہ منقطع ہو جائے اور دائمی نہ ہو، اس لیے کہ نیند کے وقت روح کی روشنی صرف ظاہری بدن سے منقطع ہوتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے:

النوم اخ الموت (نیند موت کی مانند ہے)

ف: نیند بقدرِ ضرورت ہو تو نعمتِ جلیلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ نوم سبات ہے یعنی قطع کرنا احساس و حرکت سے، تاکہ قویٰ حیوانیہ کو راحت ملے اور تھکان دُور ہو۔ لیکن مقام کے مطابق پہلا معنی لائق ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ (اور رات کو بنایا) وہ رات کہ اس میں نیند واقع ہوتی ہے **لِبَاسًا** پردہ پوش۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے: لبس الثوب بمعنی استتربہ (کپڑے میں چھپا)۔ ہر وہ شے جو انسان کے قبح کو چھپائے اسے لباس کہا جاتا ہے۔ مرد کو عورت کا (عورت کو مرد کا) لباس کہا گیا کہ وہ قبح کے ارتکاب سے ایک دوسرے کو روکتے (اور اس کا سبب) ہیں، ایسے ہی البعل (شوہر) اور وہ چونکہ ایک دوسرے پر مشتمل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ھُنَّ لباسٌ لکم و انتم لباسٌ لھن (وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کے لباس ہو)

تقویٰ کو بھی لباس کہا جاتا ہے بطریق تمثیل و تشبیہ۔ اسی طرح خوف و جُوع کو بھی تمثیل و تشبیہ کے طریق سے لباس کہا گیا ہے اور اس کا صاحبِ خوف و جُوع پر تصوّر کر کے مثلاً کہتے ہیں:

تدرع فلان الفقر (فلاں نے فقر کا قمیص پہنا)

ولبس الجوع (اس نے بھوک کا لباس پہنا)۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ رات تمہارے لیے لباس ہے کہ وہ اپنی تاریکی سے تمہیں ڈھانپ لیتی ہے جیسے تمہیں

بباس ڈھانپ لیتا ہے۔ امید ہے اس سے وُہ ڈھانپنا مراد ہے جو نیند کا وقت طاری ہوتا ہے اور سردیوں میں اپنے اوپر لحاف وغیرہ اوڑھ لیا جاتا ہے۔ رات کو اس نوعیت سے لباس سے تشبیہ زیادہ مکمل ہے اور اعتبار مقصد میں زیادہ دخیل ہے۔

صُوفیہ کرام کی شب حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں ہے کہ رات اصحاب اللیل کی لباس ہے کہ وُہ انھیں اغیاری نظروں سے چھپالیتی ہے تاکہ خلوۃ میں لذت مکالمہ (گفتگو) یا محاضرہ (حضوری) مشاہدہ (دیدار کا جلوہ) سے ہر ایک استعداد کے مطابق پھل کھائیں۔

ف : حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شب راہِ سلوک پر چلنے والوں کے لیے پردہ اور دن سحرگاہ کے بیداروں کا بازار ہے ؎

اللیل للعاشقین ستر
یالیت اوقاتہ قدم

ترجمہ : رات عشاق کے لیے پردہ ہے، کاش وہ ہمیشہ رہتی !

؎

چوں دردل شب خیال او یار منست
من بندۂ شب کہ روز بازار منست

ترجمہ : جب دل میں شب خیال میرا یار ہے اسی لیے میں شب کا غلام ہوں کہ دن میرا بازار ہے۔

ربط : اللہ تعالیٰ نے رات کو نیند کا محل بنایا اور وُہ موت کی مانند ہے، اور دن کو بیداری کا محل بنایا' اسے حیاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (اور دن کو معاش کے لیے بنایا) یعنی معیشت کا وقت یعنی حیات کہ تم اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ جو کہ وہ موت کی مانند ہے' جیسے اس کے لیے فرمایا : وھوالذی جعل لکم الیل لباسا۔ اور نوم کو سباتاً فرمایا اور دن کو نشور بنایا۔

سوال : جعل یقظتکم حیاۃ (اور تمہارے لیے بیداری کو حیات بنایا) کیوں نہیں فرمایا ؟

جواب : تاکہ اس کے اور وجعلنا نومکم سباتاً کے درمیان مطابقت ہو۔ بلکہ اس یقظۃ کو نہار سے تعبیر فرمایا کیونکہ اکثر نہار (دن) یقظہ (بیداری) کو مستلزم ہے تاکہ وجعلنا الیل سے جعلنا النہار کی مطابقت ہو اور اس سے معلوم ہو کہ رات ہمیشہ بند رہے گی ، اس کے درمیان میں جو ذکرِ زم ہے وُہ

اس کے دوام کے لیے قرینہ تھا۔

حلِ لغات معاش مصدر ہے از عاش یعیش عیشاً و معاشاً و معیشۃً و عیشۃً۔ اس تقدیر پر مضاف کا مقدر کرنا ضروری ہے اور اس کی تفسیر وقت سے ہو (جیسے ہم نے ابتداء میں لکھا ہے) یا یہ اسم زمان بروزن مفعل تو اس وقت مضاف کے حذف کی ضرورت نہیں کیونکہ ظرف زمان وقت کے معنی و مفہوم کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے الم نجعل الارض الخ کیا ہم نے ارضِ بشریہ کو تمہاری استراحت اور انواع منافع بشریہ میں انتشار کے لیے تمہارا بچھونا نہیں بنایا اور تمہارے نفوس قالبیہ جبال کو ارض بشریہ کے قوائم نہیں بنائے، اور تمہیں جوڑے جوڑے نہیں بنایا ایک روح دوسرا نفس یا قلب (مذکر) اور نفس (مؤنث) اور تمہاری نیند کو غفلت نہیں بنایا کہ لذات اور شہوات کو پورا کرنے کے لیے تمہیں راحت و استراحت ملے، کیا تمہاری طبیعت رات کو تمہاری روحانیت کے دن کا پردہ پوش نہیں بنایا؛ کیا تمہاری روحانیت کو معاش کا وقت نہیں بنایا کہ اس میں تم اپنی طاعات و عبادات کی روزی کما سکو، اور یہی بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کی صورتیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیں چنیں)

حلِ لغات شداد، شدید کی جمع ہے یعنی سات آسمان قویۃ الخلق اور محکمۃ البناء ہیں کہ ان میں دہور کا مکرات و مرات آنا اور عصور (زمانوں) کا بار بار گزرنا مؤثر نہیں۔

آسمانوں کی موٹائی اور مسافت حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شداد بمعنی غلاظ ہے یعنی گاڑھے اور موٹے۔ ہر آسمان پانچ سو سال کی مسافت کے برابر موٹا ہوتا ہے۔

نکتہ: ان کی تخلیق کو بناء سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بمنزلہ قُبّاب (قبوں) کے ہیں کہ مخلوق کے اوپر کھڑے کئے گئے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قلب کے سات طبقات کی طرف اشارہ ہے:

(۱) طبقۂ صدر، یہ جوہرِ اسلام کا معدن ہے۔

(۲) طبقۂ قلب، یہ جوہرِ ایمان کا معدن ہے۔

(۳) شغاف (پردہ)، یہ عشق و محبت اور شفقت کا معدن ہے۔

(۴) فؤاد ، یہ مکاشفہ و مشاہدہ اور رؤیۃ کا معدن ہے ۔

(۵) حبۃ القلب ، یہ حُبِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے اسے محبۃ کونین سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی عشق عالمین سے اسے کوئی واسطہ ہے ۔

(۶) سویدار ، یہ علم لدنی کا معدن اور حکمت کا گھر ہے ۔

(۷) بیت العزۃ ، یہ کامل ترین کا قلب ہے ، یہی اسرار الٰہیہ کا گھر ہے جو کبھی باطن سے ظاہر کی طرف خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا (اور ہم نے رکھا چراغ) سورج ، اسے چراغ سے تعبیر کرنا مترادفات سے ہے ، جیسے خلقنا کو بنینا سے تعبیر کیا گیا ۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السراج وہ چراغ روشن جو فتیلہ (بٹ) اور تیل سے روشن کیا جائے ۔ پھر ہر روشن شے کو سراج (چراغ) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سراج (چراغ) کو مصباح (دیا) بھی کہا جاتا ہے ۔

وَّهَّاجًا (نہایت چمکتا) وقاداسہ متلالا ۔

حلِ لغات وھجت النار ، اضاءت آگ روشن ہوئی ، یا حرارت میں انتہاء کو پہنچنے والا چراغ (سوج) از الوھج بمعنی الحر (گرمی) وہی جو مفسرین نے فرمایا کہ سراجاً وھّاجًا وہ چمکنے والا جو نور و حرارت کا جامع ہے یعنی چراغ افروختہ و تاباں ۔ یہ لفظ سورج و چاند کو کہا جاتا ہے کہ دونوں ابتداءً نورِ عرش سے پیدا کئے گئے اور قیامت میں بھی ان کا نورِ عرش میں لوٹایا جائے گا ۔

سورج اور چاند کی روشنی میں فرق کیوں

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی حدیث شریف نہ سناؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے سنی کہ آپ سورج اور چاند کی ابتدائی تخلیق اور پھر موجودہ صورت میں ہونے کے متعلق فرمایا کرتے تھے ؟ ہم نے عرض کی فرمائیے ۔ فرمایا کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو احکام صادر فرمائے تو آدم علیہ السلام کے لیے کوئی حکم باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شمسین (سورج اور چاند) کو نورِ عرش سے پیدا فرمایا ان دونوں (شمسین) کے بارے میں اس کے علم میں تھا کہ یہ سورج رہے گا تو اسے دنیا کے برابر پیدا فرمایا جس کا نور مشارق و مغارب تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے متعلق علم تھا کہ اسے چاند بنایا جائے گا تو اسے سورج سے عظم (موٹائی) میں چھوٹا بنایا ۔ یہ دونوں اس لیے چھوٹے نظر آتے ہیں کہ بہت زیادہ بلندی پر اور بہت

دُور ہیں۔ پھر سورج اور چاند کو اسی طرح چھوڑا جاتا جیسے ابتدائی تخلیق میں تھے تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ مزدور کو علم ہوتا کہ وہ کب کام کرے اور کب نہ کرے، اور نہ ہی روزے دار کو معلوم ہوتا کہ کب روزہ رکھے اور کب افطار کرے، اور عورت کو معلوم نہ ہوتا کہ کب عدّت گزارے، اور نہ ہی اہلِ اسلام کو نماز کے اوقات معلوم ہوتے، اور نہ ہی حج کا وقت معلوم ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نظرِ شفقت کرتے ہوئے رحم فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اپنا پَر چاند کے چہرے پر مارے تاکہ اس سے حرارت مٹ جائے اور اس کا نور باقی رہے۔ اسی لیے فرمایا:

وجعلنا اللیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیة اللیل وجعلنا النھار مبصرا۔ اور ہم نے رات اور دن کو دو آیتیں بنایا، پھر ہم نے رات کی آیت کو مٹا کر دن کو راہ دکھانیوالا بنایا۔

یہ چھائیاں جو تم چاند پر دیکھتے ہو (لکیروں کی طرح) یہ وہی جبریل علیہ السلام کے پروں سے مٹانے کے نشانات ہیں جب قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔ لیکن ابھی جنّت و جہنّم میں داخل نہیں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ سُورج اور چاند کو بلائے گا، انہیں جب بلایا جائیگا تو وہ سیاہ ہوں گے ان میں نور نہ ہوگا اور ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے نہایت غمگین، آہستہ رفتار سے کاندھے کانپتے ہوئے آئیں گے اس دن کی ہولناکیوں اور رب رحمان کے خوف سے۔ جب عرشِ الٰہی کے سامنے آئیں گے تو عرشِ الٰہی کے بالمقابل سجدہ ریز ہو جائیں گے اور عرض کریں گے اے اللہ! تُو ہماری طاعت بجا لانے اور ادائیگیِ عبادت اور حکم کی تعمیل کو خوب جانتا ہے اسی لیے ہمیں ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا، جنہوں نے ہماری پرستش کی تُو خُوب جانتا ہے کہ ہم نے انہیں اپنی پرستش کی دعوت نہیں دی تھی، اور نہ ہی ہم نے کبھی تیری عبادت سے سُستی اور غفلت برتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم سچ کہہ رہے ہو اور میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ مخلوق کو پیدا کر کے لوٹاؤں، میں نے ہی تمہیں اسی طرف لوٹایا جہاں سے میں نے تمہیں پیدا کیا، اس لیے اب ادھر لوٹو جہاں سے تم پیدا ہوئے۔ عرض کریں گے، یا اللہ! تُو نے ہمیں کہاں سے پیدا فرمایا؟ فرمایا جائے گا: عرش کے نُور سے، اسی لیے ادھر جاؤ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا: سورج اور چاند سے نور کی ایک ایسی چمک اُٹھے گی جس سے آنکھوں کے نور اُچک لیے جائیں گے، اس کے بعد سورج اور چاند نورِ عرش میں مل جائیں گے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یبدیٔ و یعید وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے وہی سب کو لوٹائے گا۔ (کشف الاسرار)

روایت دیگر الشیخ رضی اللہ عنہ نے الفتح المکی میں لکھا کہ ستارے سب کے سب جہنم میں سیاہ اجسام اور عظیم الخلقت ہوکر داخل ہوں گے، ایسے ہی سورج اور چاند، ان کا ہمیشہ طلوع و غروب جہنم میں ہے۔

تطبیق از صاحبِ رُوح البیان قدّس سرّہٗ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خبر سابق اور اس خبر میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ سورج اور چاند دو چیزوں کے حامل ہیں ؛

۱ - نور

۲ - حرارت

جو نور کے قبیل سے ہے وہ عرش میں بغیر جسم کے داخل ہوگی، اس لیے کہ جسم غلظ (کثافت) سے خالی نہیں، اور وہ جو حرارت کے قبیل سے ہوگی وہ اپنے اجسام کے ساتھ نار میں جائے گی۔ اسی طرح سے ہر شئے اپنے اصل کی طرف رجوع کرے گی۔

(وہابی کُش سوال صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ہر شے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی، اسے سوال کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)[1]

فان قلت الظاھر ان یتصل نورھما بنور النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اٰلہ وسلم لانھما مخلوقان من نورہ۔

اگر تم کہو کہ ظاہر یہ ہے کہ سورج و چاند دونوں کا نور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف لوٹایا جاتا کیونکہ وُہ دونوں آپ کے نور سے پیدا ہوئے۔

(روح البیان ج ۱ ص ۲۹۷)

(وہابی کُش جواب اس کا جواب وہی دیا کہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) وہابی نجدی، دیوبندی کا کلیجہ جل کر راکھ ہوجائے اور عشّاق نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی جان وجگر راحت و سرور سے مسرور ہو۔ اویسی غفرلہٗ)[2]

قلت ان العرش والکرسی خُلقا من نورہ و خلق القمران من نور العرش فھما فی الحقیقۃ

میں کہتا ہُوں کہ عرش و کرسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور سے پیدا کئے گئے اور سورج و چاند

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

مخلوقان من نور النبي صلی اللہ علیہ و اٰلہٖ وسلم ومتصل نورھما بنورہ والکل نورہ[1] و الحمد للہ۔

عرش کے نور سے تو درحقیقت سورج وچاند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے پیدا ہُوئے اور ان کا نور آپ سے ہی متصل ہوا بلکہ کل کائنات آپ کے نور سے ہی ہے، والحمد للہ۔

۵

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ: شمس نُہ مسند اور ہفت ستاروں کا، وہ ختم رسل اور خواجۂ پیغمبران ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) (روح البیان مطبوعہ استنبول ج ۱۰ ص ۲۹۷)

الحمد للہ علیٰ ذلک (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نیک عقیدہ بخشا)

وَاَنْزَلْنَا (اور ہم نے اتارا) نون عظمہ کا ہے اور جمعیۃ الذات والاسماء والافعال کی طرف اشارہ ہے، **مِنَ الْمُعْصِرَاتِ** (نچوڑنے والیوں سے) بدلیوں (بادلوں) سے جب نچوڑی جاتی ہیں۔ یعنی نچوڑے جانے کے قریب بدلیاں ہوتی ہیں تو انھیں ہوائیں نچوڑتی ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ یہ اُس وقت کا حال ہے جب کہ ابھی نچوڑی نہ جائیں، انزال از استعداد والے سے نہ کہ واقع ہونے والے سے، ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی، اور ہمزہ حینونۃ (وقت بتانے) کا ہے۔

حل لغات: المعصرات اسم فاعل اس کا ہمزہ احصد الزرع کی طرح ہے یعنی کھیتی کاٹنے کا وقت

---

[1] اس مسئلہ کو دورِ حاضرہ میں وہابیوں نجدیوں معہم دیوبندیوں نے الجھادیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشر ہیں تو محض ہمارے جیسے، فرق ہے تو صرف نبوت کا۔ پھر یہ تأثر دیتے ہیں کہ جیسے ہماری بشریت خاک محض ہے ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت بھی خاک محض ہے انھیں نُور ماننا شرک ہے ہاں نورِ ہدایت مراد ہو سکتا ہے۔ یہ تمام ان کے ڈھکوسلے اور عقلی باتیں ہیں ورنہ درحقیقت بات وہی حق ہے جو ہم اہلسنّت کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا بشری شکل میں ہونا حق ہے لیکن حقیقت نور ہے اور بشریت بھی نوری ہے کیونکہ احادیثِ مبارکہ کی تصریحات پھر ان کی تشریحات سے ثابت ہے کہ آپ اوّل المخلوق ہیں اور وہ اوّلیت حقیقتِ محمدیہ کی بحث سے قطع نظر آپ کا مادّہ بشری اصلی بھی اول المخلوق ہے جسے احادیثِ مبارکہ میں اوّل تخلیق کا ذکر ہے۔ مثلاً حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ لیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

آگیا۔ والمعصرات الجاریۃ یعنی لڑکی کا وقت آگیا ہے کہ اس کی طبیعت رحم کو نچوڑے تو حیض کرے۔ المفردات میں ہے کہ المعصر وہ عورت جو حیض کرے اور داخل ہو عصرِ شباب (جوانی کے زمانہ) میں۔ اگر یہ ہمزہ حینونۃ کا نہ ہو تو لائق ہے کہ اسے معصرات (بفتح الصاد) پڑھا جائے کہ یہ صیغۂ اسم مفعول ہے کیونکہ ہوائیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ معصرات سے خود وہ ہوائیں مراد ہوں جن کا وقت آگیا ہو کہ وہ بادلوں کو نچوڑیں تو بادل برسیں۔ اس معنی پر صیغۂ اسم فاعل ہے اور ہمزہ حینونۃ کا ہے۔

سوال: کیوں نہ یہ ہمزہ تعدیہ کا ہو؟

جواب: اس لیے کہ ہوائیں عاصرہ ہیں معصرہ نہیں اگر ہمزہ تعدیہ کا مانیں تو ہواؤں کو معصرہ ماننا پڑے گا اور یہ صحیح نہیں۔

مَآءً ثَجَّاجًا پانی بہتا ہوا بکثرت یعنی بارش موسلا دھار (پے در پے) کہ پانی بہت زیادہ ہو جائے تو اس سے عظیم نفع ہو۔

حل لغات کہا جاتا ہے: سج الماء، سال بکثرۃ وانصب پانی بہت زیادہ بہا وثجہ غیرہ اپنے غیر کو بہایا اسے انڈیلا۔ یہ لازم و متعدی دونوں کی طرح ہے اسی دوسرے متعدی سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

افضل الحج العج والثج۔ (بہترین حج عج و ثج ہے)

العج بمعنی تلبیہ (لبیک کہنا) سے آواز بلند کرنا، الثج بمعنی ھدی (قربانی) کا خون بہانا اسے زجاج نے الصباب سے تعبیر کیا ہے بمعنی گویا وہ خود بہا ہے بطور مبالغہ کے ہے، گویا یہ بھی متعدی ہے اس کے وانزلنا من السماء ماء کے مابین کوئی منافات نہیں اس لیے کہ ابتدائی انزال آسمان سے ہوتا ہے پھر بادل سے زمین کی طرف آتا ہے یہ حقیقی طور پر تو بارش بنتی ہے کہ اس کے اسباب آسمان میں تیار ہوتے ہیں منجملہ ان کے سورج کی گرمی بھی ہے کہ وہ حرارت شمس اجزاء مائیہ تو زمین ترکی گہرائیوں یا دریاؤں اور نہروں سے ہوا کے خلاء کی طرف ابھارتی اور چڑھاتی ہے اس سے بادل بن کر بارش ہوتی ہے اس معنی پر حقیقۃً بارش بادلوں سے ہوگی اور آسمان سے مجازاً باعتبار سبب کے، اور مسبب الاسباب صرف اللہ ہی ہے۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ تاکہ ہم نکالیں پانی کے سبب یعنی اس کے زمین تک پہنچے اور پانی کے زمین میں اختلاط (ملنا) سے اور اس کے ساتھ جو اس میں ہے یہ لام مصلحت کی ہے نہ کہ غرض سے، جیسے معتزلہ کہتے ہیں حَبًّا (اناج) بہت جسے قوت بنایا جائے انسان کے لئے، وہ کہ جس سے بدن کا قوام ہو جیسے گندم اور جو وغیرہ۔

حلِ لغات عین المعانی میں ہے الحب اسم جنس ہے اس سے مراد جمع ہے۔ امام راغب نے فرمایا الحب و الحبۃ (بالفتح) گندم اور جَو وغیرہ جو کھانے کے لائق ہوں۔ الحب و الحبۃ (بالکسر) خوشبو والی چیزوں کے بیج، اور حبۃ القلب کو دانے سے مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

وَّ نَبَاتًا اور سبزہ بہت یعنی جانوروں کا چارہ۔ یعنی بارش سے جانوروں کا چارہ جیسے گھاس وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ۔ (کھاؤ اور جانوروں کو چراؤ)

نکتہ: حب (دانہ) کی تقدیم باوجودیکہ وُہ وجود میں آنے میں نبات (سبزہ) سے بعد میں ہوتا ہے، اس کی اصالت و شرافت کی وجہ سے۔ کیونکہ انسان کی اکثر اغذیہ کا تعلق دانے سے ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے تاکہ ہم نکالیں (بارش سے) موتی اور چارہ (جانوروں کے لئے)۔

ف: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بارش کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے اس سے سبزہ اگتا ہے، جو قطرہ دریا میں گرتا ہے اس سے موتی بنتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو مشہور ہے کہ ہر قطرہ موتی نہیں بنتا بلکہ بارش کا وہ قطرہ موتی بنتا ہے جو خاص موسم میں دریا میں گرے۔ ہاں حضرت عکرمہ کے قول کو عام کہا جائے کہ وُہ موتی ہوں یا کوئی اور شئے جیسے کوڑیاں وغیرہ۔

وَّ جَنّٰتٍ (اور باغات) تاکہ ان سے انسان میوے حاصل کرے۔

حلِ لغات الجنۃ دراصل سترہ (ڈھانپنے) کو کہا جاتا ہے مصدر ہے از جنّہ یعنی سترہ (اسے ڈھانپا)، پھر اس کا اطلاق کھجور اور ایسے درخت پر ہوتا ہے جو گھنا ہو اور اس کی ٹہنیاں آپس میں ایک دوسری سے لپٹی ہوئی ہوں۔ اور جو زمین درختوں والی ہو اسے بھی جنّت کہا جاتا ہے۔

ف: الفرّاء نے کہا: جنّۃ وہ باغ ہے جس میں کھجور اور انگور ہوں۔ لیکن اس آیت میں اس سے مراد درخت ہیں نہ کہ زمین۔

اَلْفَافًا (گھنے لپٹے ہوئے) کہ آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہُوئے ہوں۔ ایسے اچھے باغات سمجھے جاتے ہیں جیسے دنیا میں باغات کو دیکھا جاتا ہے یعنی بہت زیادہ اور ایک دوسرے کے نزدیک۔

حلِ لغات بعض نے کہا الفاف وہ جمع ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں جیسے اوزاع و اخیاف (خیفی بہن بھائی یعنی ماں ایک اور باپ مختلف)، یا اس کا واحد لفّ ہے جیسے کِنّ کی جمع اکنان، یا لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف۔ ود [illegible] لی جمع لفّاء (جیسے خضر کی جمع خضراء) کی جمع الفاف ہے۔ اس معنی پر الفاف جمع الجمع ہے، یا ملتفہ کی جمع ہے بحذف الزوائد۔

نکتہ: ابن الشیخ نے فرمایا: الحب (دانہ) کو مقدّم کیا گیا کہ وہ انسان کی غذاؤں میں اصل ہے، دوسرے نمبر پر نبات کا ذکر ہے کہ تمام حیوانات اس کے محتاج ہیں اور آخر میں جنّات کو لایا گیا اس لیے کہ میوہ جات ایسی ضروریات میں شامل نہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے دلائل

جان اے جانِ من کہ جتنے اللہ تعالیٰ کے افعال مذکور ہوئے ان سب میں مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی حقیقت اور اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اس کے تین وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں، کیونکہ جو ذات ایسے افعال بدلیعہ وعجیب وغریب بلا مثال سابق (کہ جس سے دوسری شے تیار کی جا سکے اور بلا قانون اس پر دوسری شے بنائی جا سکے) پر قادر ہے، وہ اس کے اعادہ پر زیادہ قادر وقوی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کا تقاضا یہی ہے کیونکہ جس ذات نے ایسی مصنوعات کو (عجیب وغریب طریقہ پر جو غایات جلیلہ ومنافع جمیلہ سے بھرپور ہیں اور وہ بھی صرف مخلوق کے لئے، اسے اپنی کوئی غرض نہیں وہ ہر غرض وغایت سے منزّہ ومقدّس ہے) پیدا فرمایا تو اس کے علم وحکمت کے منافی ہے کہ وہ انھیں بالکل فنا کر دے کہ پھر ان کی عاقبت باقی نہ رہے۔

(۳) خود نفسِ فعل بھی یہی بتاتا ہے کیونکہ نیند کے بعد جاگنا یہ نمونہ ہے مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں ایسے ہی دانے کا مٹی سے اور سبزے کا زمین سے نکالنا، ہم اس کا بار بار معائنہ کر رہے ہیں، تو گویا ان آیات میں اللہ تعالیٰ بندوں کو فرماتا ہے کہ کیا یہ افعال آفاقیہ وانفسیہ گوناگوں دلائل سے دلالت نہیں کر رہے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے اور اس پر یقین کرنا ایمان باللہ کا موجب ہے۔ تو پھر اے میرے بندو! اس میں انکار واستہزاء کے طور پر باتیں کیوں بنا رہے ہو، کیوں آپس میں اس کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہو؟

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **وانزلنا من المعصرات ماء ثجّاجا** یعنی ارواح کے آسمانوں سے نفحات الالطاف کو متحرک کر کے علوم ذاتیہ و حکم ربانیہ کا پانی انڈیل کر، تاکہ نکالیں اس کے ذریعہ سے دانے اور سبزہ یعنی تمہارے ارواح کے آسمانوں کے بادلوں سے تمہارے قلوب کی زمین پر نازل علوم وحکم کا پانی تاکہ اس سے نکالیں محبت ذاتیہ کے دانے اور شوق و اشتیاق و وُدّ، انزعاج (بے قراری) وعشق (اور ان جیسے اور امور) کا سبزہ اور باغات گھنے یعنی محبّت و مودّت اور عشق کے باغات جو آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہُوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ (بے شک فیصلوں کا دن) وُہ دن کہ اللہ تعالیٰ مخلوق اور سعادتمندوں اور بدبختوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا باعتبار ہیأت وصور و اخلاق و اعمال کے تفاوت و تناسب کے کَانَ (ہے) اللہ تعالیٰ کے علم و تقدیر ازلی میں، ورنہ یہاں یوم الفصل غیر مقید ہے زمانہ ماضی کی قید نہیں کیونکہ یہ امر تو حدوث زمان سے پہلے مقدر ہو چکا مِیْقَاتًا (ٹھہرا ہوا وقت) اولین و آخرین کا مرنے کے بعد جی اٹھنا۔ اور وہ جو اس پر جزا مرتّب ہو گی ثواب و عقاب کی، یہ نہیں کہ اس میں آگے پیچھے کیا جائے۔ اس تقریر پر میقات بمعنی وقتِ معیّن جو مطلق سے مخصوص ہے، تو یہاں وہ وقت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بعث و جزا کے وقت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ (جس دن صور پھونکا جائے گا) یہ یوم الفصل سے بدل یا عطف بیان ہے اس کی تفخیم و تہویل میں مزید فائدہ دینے کے لیے ہے اور نفخ کے فصل میں تأخر میں کوئی حرج نہیں اس لئے وُہ دن دراز ہے جس کے آغاز میں نفخ ہو گا۔ پھر فصل (فیصلے ہی فیصلے) اور مبادی و آثار وغیرہ۔

حلِ لغات النفخ بمعنے کسی شے میں ہوا پھُونکنا، اسی سے نشأۃ اولیٰ کا نفخ روح جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: و نفخت فیہ من روحی (اور میں نے اس میں اپنی روح پھُونکی) کہا جاتا ہے: انتفخ بطنہ (اس کا پیٹ پھُول گیا)۔ جب دن چڑھ آئے یا کوئی آدمی موٹا ہو جائے تو استعارۃً کہتے ہیں: انتفخ النھار (دن چڑھا)، رجل منفوخ (موٹا آدمی)، الصور ایک نورانی قرن ہے اس میں پھُونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس دن کہ بوقتِ بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنے کے وقت) دوسرا نفخ پھُونکا جائے گا، یہاں تک کہ ارواح اجسام میں مل جائیں گی اور زندگی دوبارہ لوٹ آئے گی۔

فَتَاْتُوْنَ (تو تم چلے آؤ گے) یہ خطاب عام ہے اور فاء فصیحیہ ہے اس جملہ کی وضاحت کرتی ہے جو محذوف ہے اسے دلالۃ الحال کے بھروسہ پر محذوف کر دیا گیا اس لیے کہ معلوم ہو کہ وہ آنا نہایت ہی جلد تر ہو گا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

فقلنا اضرب بعصاك الحجر۔

(تو ہم نے کہا اپنا عصا پتھر پر مارو)

فانفلق (تو وہ پانی بہ نکلا)۔ ایسے ہی نفخ صور ہوتے ہی تو تم قبروں سے نکل کر موقف کی طرف بلا تاخیر چلے آؤ گے۔

اَفْوَاجًا (فوجوں کی فوجیں)

حل لغات افواج، فوج کی جمع ہے یعنی لوگوں کی جماعت۔ المفردات میں ہے فوج وہ جماعت جو جلدی

اور تیزی سے گزرے یعنی قبور سے نکلتے ہی تمہارا حال یہ ہوگا کہ تم امم (ٹولے) ہوجاؤ گے ، ہر امت (ٹولہ) اپنے امام (نبی علیہ السلام) کے ساتھ ہوگی ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یوم ندعو کل اناس بامامھم (اس دن بلائیں گے ہم تمام لوگوں کو ان کے امام (نبی علیہ السلام) کے ساتھ)

یا یہ معنیٰ ہے کہ تم گروہ در گروہ آؤ گے اور جماعتیں مختلفۃ الاحوال اور متباینۃ الاوضاع میں اپنے اعمال کے اختلاف و تباین کے حسب حال پر ۔

قبور سے میدانِ حشر تک کا منظر

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبور سے نکل کر میدانِ حشر تک پہنچنے کے منظر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا : اے معاذ (رضی اللہ عنہ) ! تُو نے بہت بڑے امر کا سوال کیا ہے ۔ س کے بعد آپ نے اپنی چشمانِ مبارک نیچے کرلیں اور فرمایا : میری اُمت کے اس وقت دس گروہ ہوں گے :

۱ ۔ بندروں کی صورت میں ۔
۲ ۔ خنزیروں کی شکل میں ۔
۳ ۔ پاؤں اُوپر، سر نیچے اوندھے ہو کر چلنے والے ۔
۴ ۔ اندھے
۵ ۔ گونگے بہرے ۔
۶ ۔ زبانوں کو منہ میں لوٹانے والے جبکہ ان کی زبانیں سینے پر لٹکی ہوں گی ، ان کے مونہوں سے پیپ بہ رہی ہوگی، ان کی بدبُو سب لوگوں کو ناگوار ہوگی ۔
۷ ۔ ہاتھ پاؤں کٹے ہُوئے
۸ ۔ آگ کے ٹھنڈوں پر سُولی چڑھاتے ہوئے ۔
۹ ۔ بعض کی مردار سے بھی زیادہ بدبُو ہوگی ۔
۱۰ ۔ بعض کو کالے تیل کے جُبّے پہنائے ہوں گے جو اُن کے جسموں سے چمٹے ہوئے ہوں گے ۔

چغلخوروں کا عذاب

وہ جو قبور سے حشر کے میدان میں بندروں کی صورت میں ہوں گے وہ چغلخور رہوں گے ۔ القتات بالضم قات (بالتشدید) کی جمع بمعنی نمّام (سخن چین یعنی چغلخور)

چغلخور کی کہانی

کسی نے غلام خریدا ، بیچنے والے نے کہا اس میں اور تو کوئی عیب نہیں صرف چغلخور ہے ۔ مشتری نے کہا کوئی حرج نہیں ۔ غلام کو مشتری گھر لے گیا ۔ چند

روز گزرے ایک دن مشتری کی عورت کو کہا کہ تیرا شوہر تجھے نہیں چاہتا بلکہ وہ تجھ پر ایک سوکن لانے والا ہے میرا مشورہ ہے کہ تو اُسترا لے کر اُس کے سوتے وقت اس کی گُدّی کے بال مُونڈ کر مجھے دے میں تیرے لیے اس پر جادُو کر دوں تاکہ وہ صرف تجھ سے ہی محبت کرے (عورت کو یہ پٹّی پڑھا کر مرد کے پاس گیا) مرد سے کہا تیری عورت نے کسی اور سے یارانہ کر لیا ہے اور وہ تجھے ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا چکی ہے، اس کا تجربہ کرنا ہے تو جھُوٹی نیند سو جا پھر دیکھ تماشا۔ چنانچہ عورت نے رات کے وقت اپنے شوہر کو سوتا دیکھ کر استرہ گردن پر رکھا ہی تھا کہ مرنے عورت سے وہ اُسترہ چھین کر اسے قتل کر دیا، صبح عورت نے رشتہ داروں نے طیش میں آ کر مرد کو قتل کر دیا۔ اس طرح دو قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی اور معاملہ طول پکڑ گیا۔ (دورِ حاضرہ میں اس قسم کے چغل خوروں کی کمی نہیں، اللہ تعالٰی ہر بندۂ خدا کو اپنے انجام کی بھلائی کے سوچنے کی توفیق دے اور اس فقیر بے نوا کو بھی۔ آمین! اویسی غفرلہٗ)

حرام خور خنزیر کی شکل میں وہ جو قبور سے خنزیر کی شکل میں اُٹھ کر میدانِ حشر میں آئیں گے وہ اہل السحت یعنی حرام خور ہوں گے اس لیے کہ حرام دین و مروّت کی جڑ کاٹتا ہے۔

سُود خور کا عذاب جن کے سر نیچے اور پاؤں اوپر یعنی اوندھے قبور سے نکل کر حشر کے میدان میں چلیں گے وہ سُود خور ہوں گے۔

مختلف اعمالِ بد پر سزا (۱) فیصلہ میں ظلم کرنے والے اندھے ہو کر قبور سے نکلیں گے۔
(۲) اپنے اعمالِ صالحہ پر عُجب کرنیوالے گُونگے بہرے اُٹھیں گے۔

(۳) زبانوں کو منہ میں لوٹانے والے جبکہ اُن کی زبانیں سینے تک لٹک جائیں گی، وہ مولوی اور واعظ (مقرر) ہوں گے جن کے افعال اقوال کے خلاف ہوں گے۔

(۴) جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے وہ ہمسایوں کو ایذاء دینے والے ہوں گے۔

(۵) جو آگ کی سُولی پر چڑھائے جائیں گے وہ جو عوام کو ظلم و ستم کے طور پر حکّام کے ہاں گرفتار کراتے، چغلیاں کھاتے ناجائز طور پر جاسوسی کرتے۔

(۶) وہ لوگ جن میں مردار سے بھی زیادہ بدبُو ہو گی وہ ہوں گے جو شہوات و لذات کے درپے رہتے اور حقوق اللہ ادا نہ کرتے۔

(۷) اور وہ جو تارکول کے جُبّے پہنائے جاتے وہ اہلِ کبر (متکبر) اور خود خیالی پر خود کو بلند مرتبہ سمجھنے والے۔

ف: جباب، جبّہ کی جمع ہے یعنی معروف لباس۔

حدیث شریف میں نشر علی ترتیب لف ہے اور ہر عمل والے کا حال اس کے گناہ کے مناسب بیان کیا گیا ہے اور ان صورتوں پر قبور سے اُٹھنے کا مطلب اہلِ تعبیر کو معلوم ہے اس کے بعد ہر اہلِ معاصی کی ہیئات

مع ان اسباب کے مذکور ہوئیں جو انہیں ان معاصی کی طرف لے گئیں اور یہ اہم ہے اس لیے کہ تخلیہ کے بعد تجلیہ ہوتا ہے (صفائی کے بعد سنگار) لیکن ہیئات الصالحین کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ من امتی میں من تبعیضیہ ہے اور وہ اشارہ کرتا ہے ان کی طرف جن کی شکلیں تبدیل ہوں گی یہ میری اُمت کے بعض ہیں اور ان کے دیگر بعض صالحین ہوں گے (اللھم اجعلنا منھم)۔

سعادت مندوں کا قبور سے اُٹھنے کا حسین منظر خلاصہ یہ کہ جیسے اشقیار اپنے اعمالِ قبیحہ کی صورتوں پر اٹھیں گے، ایسے ہی سعید (نیک بخت) لوگ اپنے اچھے اعمال پر حسین صورتوں پر اٹھیں گے یہاں تک کہ بعض کے چہرے چودھویں رات کے چاند یا سورج کی طرح چمکتے ہوں گے، جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے' ذکرہ الثعلبی ونحوہ فی التفاسیر۔

ف : اس حدیث کو اہل ظرفین (علمائے ظواہر) نے قبول کیا۔ ابنِ حجر (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اس کا ظاہر خود شاہد ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، یہ جہل ہے، حقیقت امر سے بے خبری کا ثبوت ہے اس لیے کہ قیامت ظہور الصفات کا دن ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم تبلی السرائر (اس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی)

اور اس میں شک نہیں کہ ہر صفت کی صورت مناسب ہے اس کے جو اس کا عمل ہے۔ نیک ہے تو نیک صورت' بُرا ہے تو بُری صورت، اور اس کا کسی عاقل نے انکار نہیں کیا۔

حدیث موضوع معنیً صحیح ہم نے مانا کہ حدیث لفظاً موضوع ہوگی لیکن معنیً صحیح ہے جو احادیثِ صحیحہ سے مؤید ہے (یہی قاعدہ دورِ حاضرہ کے خوارج کے اعتراضات کیلئے مناسب ہے کہ اول ماخلق اللہ نوری، لولاک لما خلقت الافلاک وغیرہ شانِ رسالت کے متعلق روایات کو موضوع یا ضعیف کہہ دیتے ہیں حالانکہ نہ وہ موضوع ہوتی ہیں نہ ضعیف، وہ اپنے ضعفِ ایمانی سے ایسے کہہ دیتے ہیں۔ اہل سنّت کو اور دلائل یاد نہ ہوں تو اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ روایات معنیً صحیح ہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عاشقاں را بدلیل چہ کار۔ اویسی غفرلہٗ)

سبق اے مومن برادر! سنگدل نہ ہو، پتھر نہ بن ان لوگوں سے جن کے دلوں سے فیوض کی نہریں اور حکمتوں کے چشمے بہتے ہیں، اور جدوجہد کر اور اس کی طرح نہ ہو جس کے متعلق کہا جاتا ہے:

حفظت شیئًا وغابت عنکَ اشیاء۔ (تو نے ایک شے بچائی لیکن تجھ سے بہت سی اشیار ضائع ہوگئیں) بعض ایسے بندگانِ خدا بھی دنیا میں ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کتاب (حکم) بلاواسطہ حاصل کرتے ہیں اسی لیے ان کے درمیان میں کوئی سند نہیں اور وہ ہر بات براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور یہ سلسلۂ ترتیب تا قیامت

---

[1] اس کا جواب آنے والے مضمون میں ہے۔

باقی ہے (لیکن وہ نبی نہ ہوگا بلکہ ولی ہوگا اس سے کہیں دجّال قادیانی کی تائید نہ سمجھ لیں۔ اویسی غفرلہٗ)

لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی لیے کہیں ایسا بندہ دعویٰ کرتا ہے تو اکثر لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ عوام تو اپنے رسوم پر اوندھے پڑے ہوتے ہیں اور ظواہر کے پابند، انہیں حقائق سے آگاہی نہیں اور نہ ہی بواطن کی خبر (ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اہلِ معرفت سے بنائے، آمین۔ اویسی غفرلہٗ)

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ (اور آسمان کھولا جائے گا) اس کا عطف ینفخ پر ہے بمعنی الفتح اور اسے ماضی کے ساتھ لانے میں تحقیق پر دلالت کے لیے ہے کہ گویا آسمان اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے پھٹ گئے اور ریزہ ریزہ ہو گئے، جبکہ اس سے قبل ان میں کسی قسم کا رخنہ نہ تھا فَكَانَتْ (تو ہو جائیگا) بسیار سوراخوں کی وجہ سے اَبْوَابًا (دروازے) بہت سے دروازوں والا فرشتوں کے نزول کے لیے جو آج غیر عادت اتریں گے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کی کہ یوم تشقق السماء بالغمام (اس دن آسمان پھٹ جائے گا بادل سے) اور غمام سے وہی مراد ہے جو دوسری جگہ فرمایا:

هل ینظرون الا ان یأتیهم الله۔ — نہیں دیکھیں گے مگر یہ کہ ان کے ہاں آئے گا اللہ تعالیٰ۔

یعنی اس کا امر اور خوف بادلوں کے سایوں میں اور فرشتے۔

ف: بعض نے کہا الفتح بمعنی الکشف ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا: واذا السماء کشطت (اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے) ابواب سے راستے مراد ہیں یعنی جب آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا تو وہ جگہ راستے ہی ہو جائیں گے جہاں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ (اور پہاڑ چلائے جائیں گے) چلانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے، فرمایا:

یوم نسیّر الجبال و تری الارض بارزۃ۔ — اس دن کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور دیکھو گے زمین صاف کھلی ہوئی۔

یعنی پہاڑ خلا میں اُڑیں گے اللہ تعالیٰ کے اڑانے اور اس کی تسخیر سے اپنی ہیئت پر ان کو اپنی جگہ سے اکھاڑنے کے بعد اور ہوا میں چلائے جائیں گے یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد مخلوق کے قبروں سے اُٹھنے کے وقت ہوگا تاکہ وہ اس کا مشاہدہ کریں پھر انہیں ہوا اڑا دے گی۔ چنانچہ فرمایا: فَكَانَتْ سَرَابًا (جیسے چمکتا ریت دُور سے پانی کا دھوکا دیتا)

حلِ لغات السراب وُہ جو دوپہر کے وقت دیکھا جاتا ہے کہ گویا وُہ پانی ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ جنگلوں میں پانی کی طرح چمکتا نظر آتا ہے اسے سراب اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنکھوں کی

بینائی آتی جاتی محسوس ہوتی ہے ۔ گویا سراب وُہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور شراب جس کی کوئی حقیقت ہو ، یعنی پھروہ پہاڑ چلانے کے ساتھ سراب کی طرح (یعنی لاشئ) ہوجائیں گے اجزاء کے تفرق اور جواہر کے ذرّہ ذرّہ ہوجانے کی وجہ سے، جیسے فرمایا :

وبست الجبال بسا (اور ہوجائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ)

اس کے بعد وُہ اڑتی ہُوئی غبار کی طرح ہوجائیں گے اگرچہ نفخۂ اولی سے ہی ان کی ٹوٹ پھوٹ ہوجائے گی لیکن بادل کی طرح ، اور زمین کا برابر ہوجانا نفخۂ ثانیہ سے ہوگا۔

ف : بعض نے کہا کہ جبال کا بارِ اوّل حال توڑ پھوڑ ہے، جیسے فرمایا :

وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ۔	اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے تو یکبار گی توڑ پھوڑ ہوگی۔

بار دوم دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوں گے ۔ بار سوم غبار جیسے ہوجائیں گے اس وقت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر علیحدہ علیحدہ حصے ہوکر غبار کی طرح پھیلائے جائیں گے۔ چوتھی بار جڑوں سے نکل کر ریزہ ریزہ ہوکر اڑیں گے پہلی تینوں بار میں اپنی جگہ پر پڑے رہیں گے زمین ان کے نیچے دبی ہوگی ظاہر نہ تھی جب ہوا انہیں پھیلائے گی تو اب زمین نظر آئے گی یہی مراد ہے :

فقل ینسفھا ربی نسفا۔ (تو فرمائیے انہیں ریزہ ریزہ کرکے پھیلائے گا میرا پروردگار) سے ۔

پانچویں بار انہیں ہوائیں زمین سے اٹھا کر خلاء میں اڑائیں گی ۔ اب یوں محسوس ہوگا کہ گویا وُہ پہاڑ غبار ہیں یہی مراد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے :

وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب۔	اور تم دیکھتے ہو پہاڑوں کو تمہارا گمان ہے کہ یہ خوب جمے ہوئے ہیں حالانکہ یہ بادل کی طرح اڑیں گے ۔

یعنی اب تو تمہاری نظروں میں پہاڑ اپنی جگہوں میں ساکن محسوس ہوتے ہیں حالانکہ قیامت میں یہ پہاڑ بادلوں کی طرح چلیں گے انہیں ہوائیں چلائیں گی ذرّہ ذرّہ غبار کی طرح کرکے ۔ اس کی وجہ یہ ہے جسم والی شئے کسی طرف متحرک ہو تو اس کا تحرک محسوس نہیں ہوتا جب وُہ تیز ہو بالخصوص جب دُور ہو ۔ چھٹی بار سراب ہوجائیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کبریٰ کے وقت جسے فنا فی اللہ کہا جاتا ہے نفوس کی انانیت اور اس کے تعینات ایسے زائل ہوجائیں گے کہ گویا وہ سراب ہیں یہاں تک کہ انھیں دیکھو گے تو وہ لاشئ محسوس ہوں گے لیکن

عوام محجوب لوگ جب اہلِ فنا کو اپنی طرح کھاتا پیتا دیکھتے ہیں انہیں گمان ہوتا ہے کہ ان کے نفوس باقی ہیں کیونکہ وہ باقی باللہ ہوتے ہیں اس پر وہ ان سے بدگمانی کرتے ہیں حالانکہ ان کے اور ان باقی باللہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اتنا بڑا فرق کہ اس کا وہم و گمان نہیں ہوسکتا اس لیے کہ ان کے جبال نفوس کو بشریت کی زمین سے عنایتِ الٰہی و توفیقِ ایزدی کی ہوائیں اڑا کر لے گئی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے لاشیٔ بنا دیا ہے اور ان کے آسمانِ ارواح کھولے گئے ہیں تو اب وہ دروازے ہی دروازے ہیں یعنی سر و خفی و اخفی کے دروازے یہ حضرات ان دروازوں سے داخل ہو کر مقامِ اَو اَدنیٰ تک پہنچ کر حق کے ساتھ مل جاتے ہیں پھر ان بلند حقیقت والے دروازوں سے اتر کر عالمِ ولایت کی طرف دیکھتے ہیں تو پھر ابوابِ عقل و قلب میں داخل ہوتے ہیں یہ ابواب متخیلہ مفکرہ و حافظہ و ذاکرہ ہیں ان سے دروازوں سے مقامِ قاب قوسین میں مع الخلق ہوتے ہیں اسی حیثیت سے کہ مخلوق ان کے ساتھ ہوتی ہے اس مقام پر وہ مخلوق کے ساتھ رہ کر حق سے محجوب نہیں ہوتے ان کی یہ جانب ولایت ہے اور نہ محجوب ہوتے ہیں حق کے ساتھ مخلوق سے اور ان کی یہ جانب نبوت ہے۔ ایسے حضرات بظاہر اس قول کے مصداق ہوتے ہیں کہ یوحیٰ الیّ الخ۔

سبق : جو لوگ ان کے مقام سے محجوب ہیں وہ انہیں کیا جانیں اور انہیں ان کے شان کا ادراک کہاں اور ان کے امر کی حقیقت کی انہیں کیا خبر۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (بیشک جہنّم تاک میں ہے) وہ حکم و قضاءِ الٰہی کی انتظارگاہ میں انتظار کر رہی ہے اور جہنّم کے داروغے بھی کفار کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اس میں عذاب کریں گے۔

حلِ لغات مرصاد اسم مکان ہے بمعنی انتظارگاہ جیسے منہاج وہ جگہ جہاں راستہ طے کیا جائے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ المرصاد، موضع الرصد (انتظارگاہ) ہمچو مرصد لیکن مرصاد وہی جگہ جو صرف انتظار کے لیے مقرر ہو۔

ف : ان جہنم کانت مرصادًا میں تنبیہ ہے کہ اس پر سب کا گزر ہوگا، گو مرصاد کو عام رکھا گیا کیونکہ پل صراط اعداء کی مجلس ہے لیکن اولیاء کی صرف گزرگاہ ہے۔ لیکن پہلا معنی اولیٰ ہے اس لیے کہ ایسے مکان کا انتظار ہولناک ہے اور عذاب کرنے کے لیے ہے اور صرف کافروں اور اشقیاء کے لیے ہے۔

لِلطَّاغِيْنَ (سرکشوں کے لیے) یہ محذوف کے متعلق ہے وہ یا تو مرصاد کی صفت ہے کہ دراصل مرصادًا کائنا للطاغین ہے اور مَاٰبًا (ٹھکانا) اس سے بدل ہے بمعنی مرجعًا وہ جگہ جہاں وہ رجوع کریں گے یا حال ہے مآبًا سے حال اس لیے مقدم ہوا کہ ذو الحال نکرہ ہے اگر مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتی۔

حل لغات طاغین از طغی الخ اس نے دین حق سے کفر کر کے سرکشی کی اور دنیا میں کفر کر کے کلفت ہیں، دراصل حد سے بڑھ جانا، یہاں مشرکین مراد ہیں۔ جیسا کہ مابعد کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا عذاب غیر متناہی ہے ان کے باطل اعتقاد کی وجہ سے ایسے ہی ان لوگوں کا جن کا کوئی اعتقاد نہ تھا۔

ف: جن کا اعتقاد صحیح تھا جیسے وہ مسلمان (سُنی) مومن اگرچہ گنہ گار، ایسے کو عذاب (اگر ہوا) تو متناہی ہوگا۔

لَّٰبِثِينَ فِيهَا (اس میں رہیں گے) حال مقدرہ ہے ضمیر سے جو طاغین میں مضمر ہے یعنی درانحالیکہ جہنم میں رہیں گے۔

حلِ لغات اللبث مکان میں ٹھہرنا، کبھی اس سے نہ نکلنا کہا جاتا ہے لبث بالمکان فلاں لازمی طور پر مکان میں ٹھہرا۔

أَحْقَابًا (قرنوں) ان کے لبث کی ظرف ہے۔

حلِ لغات احقاب، حقب کی جمع ہے التی سال یا زائد بمعنی الدھر بمعنی ایک سال بمعنی کئی سال (القاموس) دراصل الحقب بمعنی ترادف وتتابع ہے احقب بمعنی اردف اسی سے ہے الحقبی بمعنی الرفادۃ فی القتب یعنی ہر وہ شے جو کجاوے میں رکھی جائے، اور المحقب بمعنی المردف۔ تاج المصادر میں ہے الاحقاب حقیبہ (ایک مدت) میں رکھنا اسی سے ہے حدیث شریف فاحقبھا علیٰ ناقۃ یعنی اسے اونٹنی پر کجاوے کے حقیبہ (ایک حصہ) پر بٹھایا، اور بمعنی الاردف زینی یعنی سواری پر پیچھے بٹھانا، کسی کے پیچھے بیٹھنا بٹھانا، یہاں احقاباً بمعنی دھور اً متتابعاً ہے کہ ایک حقب (زمانہ) گزرنے کے بعد دوسرا اس کے ساتھ متصلاً شروع ہو جائے الیٰ غیر نہایۃ اس لیے کہ حقب پے در پے زمانوں کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔

نکتہ: حضرت ابواللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احقاب اس لیے فرمایا کہ کفار کے نزدیک یہ نہ ہونے والی بات سمجھی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی وُہ فرمایا جو ان کے وہم گم کر دے، اور اس سے ہمیشگی ہے یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ ٹھہریں گے۔

حکایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہجر کے مرد سے پوچھا کہ حقب کیا ہے؟ کہا اسی سال جس کا ہر دن ہزار سال کا ہوتا ہے۔

ف: اس سے ان کی مراد تابید زدوام ہوتی ہے۔

ف: ایسے ہی حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احقاب تینتالیس حقب کا، ہر حقب ستر خریف کا اور ہر خریف سات سو سال کا، ہر سال تین سو ساٹھ دن کا، ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا۔ ایسے ہی حضرت

ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ایسے ہی اگر ایک حقب سے ستر ہزار سال مراد ہوں جن کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہو جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ حقب زمانہ کی ایک مبہم مدت کا نام ہے محض اسی سال کی کوئی قید نہیں۔ ایسے ہی قاموس میں ہے الحقبہ (بالکسر) الدھر کی ایک مدت جس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ احقاب کا کوئی معنی ہو لیکن یہ تناہی پر دلالت کرتا ہے اگرچہ وہ جمع قلت ہے لیکن بمنزلہ جمع کثرت کے ہے یعنی احقاب بمعنی حقوب ہے یا بمنزلہ الاحقاب کے ہے معرف بلام الاستغراق۔ پھر اس سے اگرچہ دلیل ملتی ہے کہ دوزخی سے طویل مدت کے بعد دوزخ سے نکالے جائیں گے لیکن یہ لفظ کے مفہوم سے ہے تو مفہوم کا منطوق سے کیا مقابلہ کیونکہ آیت میں تصریح ہے،

یریدون ان یخرجوا من النار وما ھم	کافر ارادہ کریں گے کہ وہ دوزخ سے نکلیں لیکن
بخارجین منہا ولہم عذاب مقیم۔	وہ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے اور ان کیلئے
	ہمیشہ کا عذاب ہے۔

اور قاعدہ ہے کہ منطوق مفہوم سے راجح ہوتا ہے اس لیے اس احقاب کا منطوق سے معارضہ نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد ان کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔

ناسخ و منسوخ ابوحیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احقاب کا مفہوم فلن نزیدکم الا عذابا (تو ہم تمہارا نہیں بڑھائیں گے مگر عذاب) ہے۔ اس کے دیگر وجوہ آئیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ ہی کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ) یہ نیا جملہ ہے لایذوقون کا معنی لا یحسون (محسوس نہ کریں گے) نہ پائیں گے ورنہ ذوق اصلی معنی ہے وجود طعم یعنی نہیں پائیں گے ہاں اسے شراب کی مناسبت سے یہاں لایا گیا ہے ویسے عرف میں اگرچہ تھوڑی سی شے کو کہا جاتا ہے لیکن کثیر کے لیے بھی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ ذوق کا مفہوم کثیر میں ہوگا۔ برد سے مراد وہ شے ہے جو انہیں راحت پہنچائے اور ان سے آگ کی گرمی دور کرے ورنہ وہ جہنم میں زمہریر کا مزہ تو چکھیں گے ہی، یعنی ایسی ٹھنڈک نہیں پائیں گے جس سے وہ نفع پا سکیں گے یا اس طرف مائل ہو سکیں، اس کی تنکیر نوعیۃ کی ہے۔

ف : قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ برد سے راحت پانا مراد ہے کیونکہ عرب گرم علاقہ ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں:

برد اللہ عیشک (اللہ تعالیٰ تیرا عیش راحت والا بنائے)

اس اعتبار کو سامنے رکھ کر انسان گرمی میں ٹھنڈک سے راحت پاتا ہے۔ البرد، حرارۃ کی نقیض ہے، اور

کہا جاتا ہے برد، یہ اس وقت بولتے ہیں جب ٹھنڈک ثابت ہو جائے اور برد کا ثبوت ایسے ہے جیسے حرکۃ کا حر (گرمی) سے، و برد الانسان (انسان ٹھنڈا ہو گیا، یعنی مرگیا) و بردہ، قتلہ (اسے قتل کیا) اسی سے ہے: السیوف البوارد (قتل کرنے والی تلواریں) اس لیے کہ میت میں روح کے فقدان سے گرمی نہ ہونے سے برد کہا گیا یا سکون کی وجہ سے، اور نوم (نیند) کو بھی برد کہتے ہیں اس لیے کہ نائم کے ظاہر بدن کو ٹھنڈک عارض ہوتی ہے۔ یا اس لیے کہ نیند نائم کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ کیا نہیں معلوم کہ جب پیاسے کو نیند آ جائے تو اس کی پیاس کو سکون مل جاتا ہے، یا اس لیے کہ اسے سکون عارض ہوتا ہے۔ اور ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ نوم موت کی جنس سے ہے۔

لا یذوقون فیہا بردا کا معنی ہے کہ دوزخ میں نیند نہ کر سکیں گے کہ جس سے راحت پائیں۔

خلاصہ یہ کہ دوزخ میں آسائش ہوگی نہ آرام کہ جس سے ٹھنڈک پائیں۔ الشراب سے مراد وہ شے ہے جو ان کی پیاس بجھائے اور الا بمعنی لکن ہے۔ الحمیم بمعنی گرم پانی، وہ پانی کہ جونہی اسے منہ کے قریب لائیں گے ان کے چہرے کا چمڑا اُدھڑ جائے گا، جب اسے پئیں گے تو آنتیں پاش پاش ہو جائیں گی۔ الغساق وہ پیپ جو دوزخیوں کے چمڑے سے بہے گی اور ان کے پیٹ سے گندے قطرے بن بن کر گرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے طاغین کے لیے خبر دی ہے کہ وہ جہنم میں کوئی ٹھنڈی چیز نہ پائیں گے جو انہیں جہنم کی گرمی سے سکون دے اور نہ ہی پینے کی کوئی شے کہ جس سے پیاس بجھائیں، ہاں چکھیں گے تو گرم پانی اور بدبودار پیپ۔ اس معنی پر یہ استثناء منقطع ہے۔

ف: الزجاج نے فرمایا کہ وہ جہنم میں نہ پائیں گے سایہ کی ٹھنڈک اور نہ نیند کی ٹھنڈک۔ غرضیکہ برد سے مراد وہ شے ہے جس سے راحت و سکون پا سکیں۔ اس معنی پر و لا شراباً بمعنے ولا بارداً ہے تعمیم کے بعد تخصیص ہے راحت پہنچانے میں کمال کی وجہ سے، جس سے مجموعی طور پر معنی ہوگا راحت پہنچانے والی شئے، اس تقریر پر بھی مستثنیٰ منقطع ہوگا البرد والشراب سے۔

اگر غساق کی تفسیر زمہریر سے کی جائے تو استثناء فقط البرد سے ہوگا نہ کہ الشراب سے، کیونکہ زمہریر وہ شے نہیں جسے پیا جائے، جیسے استثنا۔ حمیما کا [illegible] اب سے ہے اس کی تاخیر محض آیات کے رؤس کی وجہ سے ہے۔ پہلی تقریر کی تائید [illegible] شریف سے [illegible] ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر غساق کی بدبو کا ایک قطرہ دنیا میں [illegible] یا جائے تو اس کی بدبو تمام اہلِ دنیا کو پہنچے گی۔"

اگر اس کی تفسیر اس پیپ سے کی جائے جو دوزخیوں سے بہے گی تو استثناء الشراب سے ہوگا۔

غسّاق کی تحقیق

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غسّاق عذاب کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے جو سخت ٹھنڈا ہے یہاں تک کہ اگر جہنمی اس میں ڈالے جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے

سوال کریں گے کہ انھیں دوزخ میں ہزار سال رہنا منظور ہے وہ ہمارے لیے آسان ہے مگر یہ ٹھنڈک ہماری برداشت سے باہر ہے کہ اس میں صرف ایک دن ٹھہرایا جائے ۔

شہر بن حوشب نے کہا کہ غساق جہنم میں ایک وادی ہے جس میں تین سو تینتیس (۳۳۳) غاریں ہیں ہر غار میں تین سو تینتیس (۳۳۳) گھر ہیں، ہر گھر میں چار کونے ہیں، ہر کونے میں ایک گنجہ (زہریلا) سانپ ہے اتنا بڑا کہ دنیا میں اس سے بڑی اور کوئی مخلوق نہ ہوگی اس کے ہر سانپ کے سر میں زہر ہوگی۔ الشجاع بمعنی الحیۃ (سانپ) ۔

ف : بعض نے کہا لایذوقون لٰبثین کی ضمیر منوی ہے حال سے ، یہ جملہ مستانفہ نہیں یعنی وہ دوزخ میں احقاباً (مدۃ معلومہ) تک ٹھہریں گے اس میں اس مدت تک سوائے حمیم و غسّاق کے اور کچھ نہ پئیں گے ، پھر دوسرے احقاب سے حمیم و غسّاق کی دیگر جنس عذاب کی بدلیں گے ۔ اس تقریر پر یہ حال متداخلہ ہوگا اور احقاباً، لٰبثین کی ظرف ہے جو لایذوقون کے مضمون سے مقید ہے ۔ اس مقید کی انتہا ، مطلق لبث کی انتہار کو مستلزم نہیں، اس معنیٰ پر عذاب کا وقت مقرر کرنا ہے نہ کہ ان کے جہنم میں ٹھہرنے کو ۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اہلِ نار کو معلوم ہو جائے کہ وہ دنیا کی عمر برابر دوزخ میں ٹھہریں گے تو یہ سُن کر خوش ہوں گے ، اگر اہلِ جنت سُن پائیں کہ وُہ جنّت میں صرف دنیا کی عمر برابر ٹھہرینگے تو غمگین ہوں گے ۔

ف : یہ بھی ہوسکتا ہے کہ احقاباً ' لایذوقون کی ظرف ہو ، یہ اس کے مذہب پر ہوگا جو ما بعد لا کے عامل کے معمول کی تقدیم جائز سمجھتا ہے اس کے نزدیک یہ لٰبثین کی ظرف نہیں اس تقریر پر لبث و خروج کی تناہی (متناہی ہونا) ثابت نہ ہو گی کیونکہ اس وقت احقاباً ' لبث کی ظرف نہیں ۔

ف : یہ بھی ہے کہ احقاباً سرے سے ظرف نہ ہو بلکہ وہ لٰبثین کی ضمیر متسکن سے حال ہو اور لٰبثین بمعنی حقبین یعنی نکدین بمعنی محروم از خیر و برکۃ سکون و حرکۃ میں اس وقت احقابا حقب (بفتح الحاء و کسر القاف) ہوگا ۔

ازحقب الرجل بمعنی حرم الرزق (فلاں رزق سے محروم ہوگیا) حقب العام (یہ سال خیر اور بارش سے محروم ہوگیا) اس وقت لایذوقون فیہا برداً ان کے لبث کی تفسیر ہوگی اس سے ان کے احقاب میں ٹھہرنے کی مدت کی تناہی (متناہی ہونے) کا توہم نہیں ہوگا جس کی توجیہ کی ضرورت ہو ، یہ خلاصہ اس کا جو مفسرین نے بیان فرمایا ۔

دوزخ کا منظر حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جس میں اس کے دروازے ایک دوسرے پر مارے جائیں گے۔ اس روایت کی سند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے (العرائس) اور انہی سے مروی ہے کہ جہنم پر ایک وقت آئیگا کہ جہنم کے دروازے ایک دوسرے سے لگ کر بجیں گے یعنی دوزخ میں کوئی بھی نہ ہوگا۔

ف : یہ احقاب کی مدت گزرنے کے بعد ہوگا۔

ف : عرائس میں ہے کہ الشعبی نے فرمایا کہ جہنم دارین کی آبادیوں میں جلد تر ختم اور ویران ہونے والی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے :

> جرجیر جہنم کی گہرائی میں پیدا ہوگی بوجہ آگ کے بجھ جانے اور عذاب کے مرتفع ہونے کے جیسا کہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی (میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے) کا تقاضا ہے (شرح الفصوص از داؤد القیصری رحمہ اللہ)

ف : جرجیر ایک مشہور سبزی ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ کی عارفانہ تقریر حضرت عبدالرحمان جامی قدس سرہٗ نے شرح الفصوص الحکم میں فرمایا کہ جان اے جانِ من! کہ وہ دوزخی جن کے لیے فرمایا گیا ہے : خالدین فیھا (اس میں ہمیشہ رہیں گے) (جیسا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ اور آپ کے متبعین کے کلام سے ظاہر ہے) کے تین حالات ہیں :

(۱) جب دوزخ میں داخل ہوں گے ان کے ظواہر و بواطن پر عذاب مسلّط کر دیا جائے گا اور ان پر جزع و اضطراب کا غلبہ ہوگا تو عرض کریں گے کہ یا تو ان سے عذاب کی تخفیف ہو یا ان کا فیصلہ کیا جائے یا اجازت دی جائے تاکہ واپس دنیا میں چلے جائیں۔ ان کی اس استدعا کی کوئی شنوائی نہ ہوگی۔

(۲) جب دوزخی دیکھیں گے کہ ان کی شنوائی نہیں ہوئی خود کو عذاب پر طفل تسلیوں میں مشغول رکھیں گے حتیٰ کہ ان کے بواطن سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور اللہ کی وہ آگ بجھ جائے گی جو اُن کے دلوں پر جھانک رہی تھی۔

(۳) جب احقاب کا عرصہ گزرے گا تو عذاب سے مانوس ہو جائیں گے، عذاب ان کی عادت بن جائے گا اس لئے باوجود طویل مدت کے عذاب کے شدّت محسوس نہ کریں گے اور نہ ہی درد والم۔ یہاں کہ الٹا عذاب سے لذت پائیں گے اور جامِ شیریں محسوس کریں گے بلکہ ان پر اگر نسیم جنّت کا جھونکا آ گیا تو اس سے کراہت و نفرت کریں گے بلکہ نسیم جنت کی راحت کو عذاب سمجھیں گے جیسے جُعل (سیاہ بھنورا) ۔ گندگی کے کیڑے

کو گندگی کی بدبُو بُوئے گلاب ہے (اور بُوئے گلاب ان کے لیے بدبُو) ۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو عذابِ نار سے بچائے ۔ آمین !

ف : الجُعل (بضم الجیم و فتح العین) چھوٹا کیڑا جو گوبر وغیرہ میں ہوتا ہے ، اس کی جمع جعلان (بالکسر) ہے۔

شرح عقائد سے تائید حضرت مولانا رمضان اور مولانا صلاح الدین رحمہم اللہ تعالیٰ شرح العقائد میں رقمطراز ہیں : بعض اہلِ اسلام نے فرمایا کہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ' حق ہے ۔ لیکن جب موت کا مینڈھا اہلِ جنت و اہلِ نار کے درمیان ذبح کیا جائیگا اور ندا دی جائے گی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے (ابداً ، ابداً) اس کے بعد اہلِ نار نجات سے مایوس ہوکر عذاب کی عادت بنالیں گے ، اسی لیے اس سے درد محسوس نہ کریں گے یہاں تک کہ الٹا اس سے لذت پائیں گے ، اگر ان پر بادِ نسیم بھی گزرے گی اس سے نہ صرف کراہت و نفرت کریں گے بلکہ اسے عذابِ جان محسوس کرینگے ' جیسے سیاہ بھنورا کہ گندگی سے مشکِ گلاب کی لذت اور بُوئے گلاب سے اذیت و تکلیف محسوس کرتا ہے ۔

اس تقریر پر ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً (بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے) اپنے عموم پر ہوگا ان سے عذاب کے ارتفاع کی وجہ سے اور لا یخفف عنہم العذاب (ان سے عذاب کی تخفیف نہ ہوگی) بھی اپنے معنی میں صحیح ہے کہ ان سے اس عذاب کی تخفیف نہیں ہوگی جو ان کے لیے مقدر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض کاملین نے فرمایا کہ جب اہلِ جمال دار الجمال میں قرار پکڑیں گے تو اس میں ان پر جمال کا اثر ظاہر ہوگا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ ذوق حاصل کرتے رہیں گے لیکن ان سے جمال کا جلال ہمیشہ پوشیدہ رہے گا لیکن اسے محسوس ضرور کریں گے اگرچہ اسے دیکھ نہ سکیں گے اور نہ ہی اس سے ہمیشہ تک درد و الم پائیں گے ۔ ایسے ہی جب دار الجلال میں جلال کی دار والے ٹھہریں گے تو احقاب کے بعد ان کے بواطن جلال کا جمال اثر انداز ہوگا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ ذوق پائیں گے لیکن ان پر نار الجلال کا اثر پوشیدہ رہے گا کہ نہ تو وہ اسے محسوس کریں گے اور نہ ہی دیکھیں گے اور نہ ہی ہمیشہ ہمیشہ اس سے درد و الم پائیں گے لیکن یہ سب کچھ مرورِ احقاب پر ان کے ظواہر و بواطن کو نار کے جلانے کے بعد ہوگا ، اور ان کے ہر ایک کو آخرت کے سالوں میں ایک ہزار سال تک نار جلاتی رہے گی دنیا کے صرف ایک دن کے شرک کے عوض میں پھر اسی طرح اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عذاب ان پر ہر احقاب کے مرور کے بعد ہوگا اور یہ وہی حال ہے کہ ان پر دائمی طور پر عذاب ہی عذاب یعنی وہ حال کہ جس پر وہ ازل میں تھے درمیان میں ابتلائٹ رحمانیہ آئے اور ابتلاء حادث ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ونبلوكم بالشر والخير فتنة والينا ترجعون۔ | ہم تمہیں خیر وشر سے امتحان کے طور پر آزمائیں گے پھر تم ہماری طرف لوٹ کر آؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دار البوار (ہلاکت کے گھر دوزخ) سے بچائے (آمین)۔

فیصلہ از صاحبِ روح البیان قدس سرّہٗ

یہ تو تقریریں ہیں جو صوفیہ کرام اور مفسرین عظام نے بیان فرمائیں جو اس آیت کے متعلق آراء کا اظہار فرمایا نقل فرمانے میں حرج نہیں صرف عقیدے کی بات ہے تو اس میں ہم سب کا عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ خلو د الکفار فی النار اور ان پر عذاب ابداً ہے اگر احقاب کے مرور کے بعد بھی اسی طرح ہو تو بھی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبدا لهم من الله ما لم يكونوا يحتسبون۔ | اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے وہ ظاہر ہوگا جس کا وہ وہم وگمان نہ کرتے تھے۔

اب انہیں یقین ہوگا کہ ہاں یہ عذاب ہے اور دائمی ہے۔

معتزلہ کا رَد

جیسے معتزلہ سمجھتے تھے اور دنیا میں ان کا یہی عقیدہ تھا کہ غیر تائب گنہ گار پر عذاب کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے (معاذ اللہ) پھر آخرت میں جب وُہ دیکھے گا جس کا اسے وہم وگمان نہ تھا کہ ایسے گنہ گار کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا (تو پھر معتزلی افسوس کرے گا لیکن اس وقت کا افسوس اسے کوئی کام نہ دے گا)

میّت کے ایصالِ ثواب کا منکر مرنے کے بعد افسوس کرتا تھا

الشیخ الامام المفتی عزالدین بن عبدالسلام کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا ان سے سائل نے سوال کیا کہ آپ ثواب ہدایا (خیرات وصدقات) کے پہنچنے کے منکر تھے جو مرنے کے بعد میّت کو بھیجے جاتے (مثلاً اہلِ اموات کو طعام اور قرآن مجید وغیرہ پڑھ کر بخشا جاتا) تو آپ نے جواب دیا:

هيهات هيهات وجدت الامر بخلاف ماكنت اظن۔ (روح البیان، جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۵) | افسوس صد افسوس! میں نے اس امر کے خلاف پایا جس کا مجھے گمان یہ تھا[1]

---

[1] یہ کہ مُردوں (اہلِ اموات) کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا لیکن یہاں تو پہنچ رہا ہے اور میں محروم ہوں۔ ایسے ہی وہابی دیوبندی مرنے کے بعد حسرت کریں گے لیکن کیا فائدہ! ایصالِ ثواب کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

سوال : اہلِ کبائر کے لیے خلود ہو گا جیسا کہ بعض مقامات سے ثابت ہوتا ہے اور یہ اہلسنت کے مذہب کے خلاف ہے۔

جواب : اہلِ کبائر کے لیے جہاں خلود کا لفظ آیا ہے وہاں طویل المکث یعنی جہنم میں کافی مدت تک ٹھہرنا مراد ہے۔

خلاصہ اہلِ ظاہر و اہلِ باطن (صوفیہ کرام) متفق ہیں کہ کفار کے لیے نار میں ٹھہرنا خلود دائمی (حقیقی) ہے وہ فرعون ہو، ہامان ہو، نمرود ہو، کوئی ہو۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ احقاب کے گزرنے کے بعد ان کے ظواہر سے عذاب کا ارتفاع ہو گا یا کیونکر ہر ایک نے اپنے مبلغ علم پر تاویل کی ہے لیکن زیادہ حق نص قرآنی کا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے وہ وہی ہے خالدین فیھا ابداً (ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے) واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

کفار کے اقسام حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کفار تین قسم ہیں :

(۱) وہ جسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی پہنچا، آپ کے صفاتِ مبارکہ بھی اور آپ کی دعوتِ کریمہ (اسلامیہ) بھی۔ اس نے دارالاسلام میں کھلم کھلا انکار کر دیا۔ یہ تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کا کوئی عذر مسموع نہ ہو گا۔

(۲) جسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ پاک تو پہنچا لیکن صفات کا علم اسے نہ ہوا، مثلاً سنا کہ معاذ اللہ وہ کذاب ہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں، ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، وہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(۳) جسے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک پہنچا نہ آپ کی کوئی رسم تو یہ پچھلے دو گروہ کفر میں معذور ہیں ایسے ہی اشعری رحمہ اللہ سے بھی نقل ملتا ہے (شرح العقاید لمصلح الدین رحمہ اللہ) ۔

مومن کے اقسام حضرت مولانا داؤد قیصری رحمہ اللہ نے شرح الفصوص میں لکھا کہ وعید وہ عذاب ہے جو اسم منتقم (صفت الٰہی) سے متعلق ہے اس کے احکام پانچ گروہ میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ دو قسموں میں منقسم ہیں :

(۱) موحّد (اہلِ توحید) عارف عامل (اہل عمل صالح) ۔

(۲) محجوب، جب ان پر سلطان المنتقم کا تسلط ہوتا ہے تو یہ نیران الجحیم اور گوناگوں عذابوں میں عذاب پاتے ہیں لیکن ہمیشہ تک ان کے لیے نہیں جو خلود کے اہل نہیں کیونکہ ان سے یہ عذاب شافعین کی شفاعت سے دور ہو گا۔ اور سب سے آخری شافع خود اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔

تفسیر عالمانہ

جَزَآءً وِّفَاقًا جیسے کو تیسا بدلہ جزا دیے جائیں گے پوری ان کے اعمال واخلاق کے موافق، گویا وہ وفاق کی عین ہے۔ یہ مبالغہ ہے یا جزاءً ذا وفاق تھا مضاف کو حذف کیا گیا یا دراصل وافقھا وفاقًا تھا اس معنی پر وفاق مصدر اپنے فعل کا مؤکد ہے جزاء کی طرح اور جملہ جزاء کی صفت ہے ان کے مابین موافقت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں گناہ عظیم یعنی کفر کے مرتکب ہوئے تو اسی لیے سزا بھی عظیم دئے گئے یعنی جہنم کے عذاب سے عذاب کئے گئے۔ اور قاعدہ ہے کہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (برائی کی سزا اس جیسی برائی) اس معنی پر وہ موافق ہو گئے۔ بعض نے کہا وہ سزا وفاق (موافق) اس لیے ہے کہ ان کے استحقاق میں اضافہ نہ کیا گیا اور نہ اس میں کمی کی گئی۔

ف: حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ نے فرمایا: چونکہ کفار کی نیت اور ارادہ کفر پر دائمی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انھم کانوا لایرجون حسابا (بیشک وہ حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے) اس لیے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ کفر پر مداومت کا ارادہ رکھتے تو انہیں حساب کی توقع نہ تھی اسی لئے ان کا عذاب غیر متناہی اور دوزخ میں احقاب بعد احقاب ٹھہرنا ان کے ارادہ کے موافق ہے اور پھر انہوں نے اس تصدیق کو جو راحت وسرور کا موجب تھی خود تکذیب سے بدل دیا جو اس کی نقیض ہے یعنی گرم پانی اور بدبودار پیپ سے جزاء دیے گئے اس کے بدلے جو تصدیق کرنے والے اہلِ ایمان کو نصیب ہوا جنت کی ٹھنڈی ہوائیں اور شرابًا طھورا۔

ف: علم و پانی کو چونکہ گہری مناسبت ہے اسی لیے خواب میں پانی دیکھنے کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

بعض محققین نے فرمایا کہ طبیعۃ حیوانیہ کا جہنم میں قوائے بشریہ انتظار کرتے ہیں، یہی ارباب نفوس امارہ کی طبیعۃ اور ان ظالموں جو اپنے نفوس پر خواہشات نفسانی اور بدعات سیئہ (بُرے عقیدوں جیسے رفض، مرزائیت، وہابیت، دیوبندیت، اباحۃ، زندقہ، الحاد، حلول، فضول) سے ظلم کرتے ہیں کی ہوائے نفسانی کی جہنم کے داروغے ہیں۔ یہ ان کا انجام ہے کہ وہ اس جہنم میں احقاب کے عرصہ تک ٹھہریں گے یعنی حکم بشریت کے نکلنے اور ملابس شریعت میں ملبوس ہونے اور طریقت وحقیقت کی خلعت پہننے تک اس میں برد یقین نہ چکھیں گے بوجہ ان کی بشریت کے چہرے پر رفع حجاب کے شراب محبت نہ پئیں گے حُبِ دنیا میں انہماک کی وجہ سے سبب طبیعت کی جہنم کے مگر گرم پانی اور وہ پیپ جو ان کی طبیعت کے چمڑے سے بہتا ہے۔

ف: حضرت قاشانی نے فرمایا کہ حمیم (گرم پانی) جہل مرکب کے اثر سے ہوگا اور غساق (پیپ) جواہر فاسقہ کی محبت کی ہیأت اور اس کی طرف میلان کی ظلمت سے ہوگا۔ یہ جزاء ان کے ان اعمال کے موافق ہوگی جن کا انہوں نے ارتکاب کیا اور وہ عقاید واخلاق جن پر وہ تھے اور یہ عذاب ان کے علم وعمل کے فساد کی وجہ سے ہے انہوں نے

جزاء کی امید پر صالح عمل نہ کیے اور نہ ہی صالح علم سیکھے جن سے آیات کی تصدیق کرتے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (بے شک انہیں حساب کا خوف نہ تھا) ان کے استحقاق کی جزاء مذکور کی تعلیل اور ان کی قوت عملیہ کے فساد کا بیان ہے یعنی وہ امگ آخرت کا انکار کرتے اور انہیں یہ خوف نہ تھا کہ ان کے اعمال کا حساب ہوگا اسی لیے وہ ہر برائی کو کر گزرتے، اور طاعات میں معمولی طور پر بھی راغب نہ تھے۔

سوال: تم نے رجاء کی تفسیر و ترجمہ خوف سے کیوں کیا؟

جواب: چونکہ انسان پر حساب کا سخت ترین معاملہ ہے اور جو معاملہ سخت ہے اس کی امید نہیں رکھی جاتی بلکہ اس سے خوف اور ڈر ہوتا ہے۔

وَكَذَّبُوْا (اور انہوں نے جھٹلائیں) اس میں ان کی قوتِ نظریہ کے فساد کا بیان ہے بِاٰيٰتِنَا (ہماری آیات) جو اس پر ناطق تھیں۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ اس سے آیات قولیہ و فعلیہ مراد ہیں جو رسل کرام علیہم السلام کی زبانوں اور ہاتھوں سے ظاہر ہوئیں كِذَّابًا (حد سے بڑھ کر جھٹلائیں) اسی لیے وہ گناہوں کا اصرار (بار بار) کرتے تھے اور کفر بھی اور گوناگوں معاصی۔ اسی لیے ہولناک عذابوں میں مبتلا کئے گئے یہ انھیں اس کے موافق سزا ملی جو ان کے اعمال و کردار تھے۔

ف: یہ فعال از باب تفعیل اسی فعل کا شائع ہے فصحاء کے درمیان مشہور اور جاری ہے جیسے كَلَّمَ كِلَّامًا۔

حکایت زمخشری کہتا ہے کہ میں اسی آیت کی تفسیر کر رہا تھا مجھ سے سُن کر ایک فصیح عربی نے کہا: فسرتها فسارا (تو نے بہترین تفسیر بیان کی) اس سے قبل ایسا نہیں سُنا گیا تھا۔

قاعدہ بعض علماء نے فرمایا بعض اسماء کے دو حروف تضعیف میں سے ایک کو یاء سے تبدیل کرنا جائز ہے جیسے دینار کہ دراصل دنّار تھا تاکہ ہم وزن مصدر سے ملتبس نہ ہو۔ اور جیسے سینات حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں جو کہ آپ نے اپنے کاتب کو فرمایا:

طوّل الباء و اظهر السينات و دوّر الميم۔ — باء کو لمبا کر کے لکھ، سینات کو کھول کر لکھ اور میم کا دائرہ کھینچ کر۔

یہ سینات دراصل سننات تھا، پہلا نون یاء سے تبدیل ہُوا، سنّ کی جمع نہ کہ سین کی، اس لیے کہ بسم اللہ میں تو صرف ایک سین ہے نہ کہ بہت سین۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے مبالغہ کے طور پر سین کو سینن سے تعبیر کیا ہو گویا آپ نے فرمایا سین کے سنّ (دانت) کو اظہار میں سین کی طرح بنا (اس کے بعد دو دانت اور ہیں اسی لیے سینات فرمایا) اسی طرح

سید میر شریف نے فرمایا۔

وَكُلَّ شَيْءٍ (اور ہر شے کو) یعنی اشیاء میں سے کوئی شے منجملہ ان کے اعمال بھی ہیں۔ اس کا منصوب ہونا فعل مضمر میں سے جس کی تفسیر فرمائی اَحْصَيْنٰهُ (ہم نے شمار کر رکھی ہے محفوظ و مضبوط کر رکھا ہے)، یہ انتصاب (منصوب ہونا) علی شریطۃ التفسیر ہے (علم نحو کی مشہور بحث ہے تفصیل و تحقیق فقیر کی کتاب نعم الحامی میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

یہی راجح ہے اپنے فعل سے جملہ کے تقدم کی وجہ سے اور اس جملہ کا معترضہ ہونا کوئی نقصان نہیں دیتا جیسے کہ بحث آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) یا اس لیے کہ یہاں اہم مقصود احصاء (شمار کر رکھنے) کی اخبار (خبر دینا) از کل شیئ ہے۔

كِتَابًا (لکھ کر) یہ مصدر مؤکد ہے احصینٰہ بغیر لفظہ اس لیے کہ احصاء و کتابۃ ایک ہی شے میں یعنی ضبط کے معنی میں شریک ہیں، گویا فرمایا کہ ہر شئے کو ہم نے خوب شمار کر رکھا ہے یعنی احصاء کو کتابت ثبات بالعلم اور قوت میں مساوی ہیں یا معنی یہ ہے کہ ہم نے خوب لکھا اور اسے خوب ثابت رکھا۔ ممکن ہے یہ احتباک سے ہے یعنی فعل ثانی فعل اول کے قرینہ کی وجہ سے اور پہلے کا مصدر دوسرے کے قرینہ سے حذف کرنا کہ دراصل احصینٰہ احصاءً تھا، یا کتاباً حال بمعنی مکتوباً فی اللوح و فی صحف الحفظۃ (لکھی ہوئی لوح محفوظ میں اور فرشتوں کے حفظ صحیفوں میں) اور جملہ معترضہ ان کے کفر بالحساب اور تکذیب بالآیات کی تاکید کے لیے ہے یعنی وہ دونوں جزاء و سزا کے لیے محفوظ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر شے جو تمہارے اعمال صورتیں اور تمہارے عقاید کی ہیئتیں ہیں ہم نے انہیں خوب مضبوط کر رکھا ہے ان کے نفوس اور نفوس سماویہ کے صحیفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَذُوقُوا (تو چکھو) دوزخ کا عذاب۔ فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا (تمہارا نہیں بڑھائیں گے عذاب پر عذاب) فذوقوا کی فاء جزائیہ ہے جو دلالت کرتی ہے کہ امر بالذوق ان کے حساب سے کفر و آیات سے تکذیب کا سبب ہے اور اس سے معلل ہے اس تقریر پر وکل شیئ الخ معترضہ ہے سبب و مسبب کے درمیان جو دونوں اطراف کی تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ جیسے دلالت کرتا ہے کہ ان کے معاصی مضبوط و محفوظ ہیں ایسے ہی جو اس پر متفرع ہے یعنی عذاب کی بھی تاکید کرتا ہے کہ اس نے لامحالہ واقع ہونا ہے اور وہ ان کے استحقاق پر مقدر ہو چکا ہے۔

ف : التفات تشدید فی التہدید کی خبر دینا ہے اور لفظ لنْ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ ترک زیادہ اس قبیل سے ہے

(ص ۴۲۵ پر)

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۙ حَدَآئِقَ وَأَعْنَابًا ۙ وَّكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۙ وَّكَأْسًا
دِهَاقًا ۗ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۚ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً
حِسَابًا ۙ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ
خِطَابًا ۚ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ
لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ
مَاٰبًا ۝ إِنَّآ أَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ
يَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا ۝

ترجمہ ، بیشک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے ، باغ ہیں اور انگور، اور اُٹھتے جوبن والیاں ایک عمر کی، اور چھلکتا جام جس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں نہ جھٹلانا، صلہ تمہارے رب کی طرف سے نہایت کافی عطا ، وہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے رحمٰن کہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے ، جس دن جبریل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پرا باندھے، کوئی نہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی، وہ سچا دن ہے، اب جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ بنالے ، ہم تمہیں ایک عذاب سے ڈراتے ہیں کہ نزدیک آگیا، جس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا۔

(صفحہ ۴۴ سے آگے)

جو تحت صحت داخل نہ ہو یعنی غضب کے اظہار میں مبالغہ ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

حدیث شریف مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

قرآن مجید میں غضب بر اہل نار کی وعید میں یہی آیت سخت تر ہے اس لیے کہ عذاب سے نکلنے سے مایوسی کا سخت بیان ہے کہ جوں ہی وہ دردناک عذاب سے فریاد کریں گے انہیں سخت تر عذاب میں مبتلا کیا جائیگا اس لحاظ سے ان کا ہر عذاب سخت سے سخت تر ہوگا اور شدت میں انتہا تک پہنچے گا اگرچہ بحسب عدد و مدت ان کے عذاب کے مراتب غیر متناہی ہوں گے ۔

سوال : یہاں اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام کا بیان ہے حالانکہ دوسری جگہ پر ہے ولا یکلمھم اللہ الخ (ان سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے گا)

جواب : کلام سے لطف و شفقت مراد ہے یعنی ان سے لطف و شفقت نہ ہوگی بلکہ قہر و جلال ہوگا۔
سوال : آیت میں جس زیادہ عذاب کا ذکر ہے یا ان کے استحقاق سے نہ ہوگا تو ظلم ہے اگر ان کے استحقاق سے ہوگا تو پہلے انہیں عذاب نہ کرنا ان سے احسان ہے اور جو احسان کیا جائے اس سے رجوع کریم کے لائق نہیں ہوتا۔
جواب ۱ : وہ اس کے مستحق تھے اور اس کے دوام ہی کو زیادہ کہا گیا ان کے ثقل عذاب کی وجہ سے اور بعض اوقات مستحق سے ترک عذاب اسے بری کر دینے اور عذاب معاف کر دینے کا موجب نہیں ہوتا کہ اسے رجوع فی الاحسان کہا جا سکے۔
جواب ۲ : وہ دنیا میں کفر و تکذیب اور اذیت الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اذیتِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں بڑھتے تھے۔ اسی استحقاق پر اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو بڑھایا تو یہ ظلم نہ ہوا۔
سوال : فذوقوا الخ میں تکرار ہے کیونکہ پہلے کہا گیا لا یذوقون فیہا الخ
جواب : یہ تکرار تقریرِ دعویٰ میں (یعنی یہ دعویٰ کہ عذاب جزاء وفاق ہے) زیادہ مبالغہ کے لیے ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۴۵)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے)
ربط : کافروں کے بُرے انجام کو بیان کرنے کے بعد اہلِ ایمان کے محاسن احوال میں شروع ہیں جیسے قرآنی عادت ہے اور ان کے بیان کی تقدیم کی وجہ بتانے کی ضرورت نہیں یعنی وہ جو کفر اور کفار کے اعمال کے جملہ قبائح سے نیچے ان کے لیے بڑی کامیابی ہے اپنے مقاصد ہیں، اس معنی پر اس کے ما بعد کی تفسیر بتاتی ہے حدائق الخ سے یا مفازاً بمعنی کامیابی کی جگہ، پہلے معنی پر مفاز مصدر میمی دوسرے پر اسم مکان ہے۔
سوال : ہلاکت سے خلاصی ظفر (فتحیابی) بالذات سے اہم ہے تو اہم کو چھوڑ کر غیر اہم کا ذکر کیوں ؟
جواب : ہلاکت سے خلاصی نعمتوں کی کامیابی کو مستلزم نہیں اس لیے کہ خلاصی از ہلاکت تو اعراف والوں کو حاصل ہے لیکن وہ جنت کی نعمتوں سے کامیاب نہیں بخلاف نعمتوں سے کامیابی کے کہ وہ خلاصی از ہلاکت کو مستلزم ہے اسی لیے اس کا ذکر اولیٰ ہوا۔
حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا (باغ ہیں اور انگور) یعنی وہ باغات جن میں گونا گوں پھلدار درخت اور انگور ہوں گے۔ اعناباً کا تعمیم کے بعد تخصیص ہے اس کی شرافت کی وجہ سے حدائق، مفازاً سے بدل الاشتمال ہے اگر مصدر میمی ہو اس لیے کہ اس پر فوز بطور دلالت التزامی دلالت کرتی ہے یا بدل البعض ہے اگر وہ اسم مکان ہو۔

حلِ لغات حدائق ' حدیقۃ کی جمع ہے ، وہ باغ جس میں اشجار بکثرت ہوں ۔ اور اس باغ کو بھی حدیقۃ کہا جاتا ہے جس کے اردگرد دیوار ہو اور اس میں کھجوریں اور پھل ہوں ۔

المفردات میں ہے کہ الحدیقۃ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں پانی بھی ہو اسے ہیئت میں آنکھ کے حدقہ اور پانی کے حصول سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

الاعناب ' عنب کی جمع ہے بمعنی انگور ۔ بعض نے کہا کہ اس سے اس کا میوہ مراد ہے نہ کہ درخت، اس لیے شرافت اس کے میوے میں ہے نہ کہ اس کے درخت میں ۔

وَكَوَاعِبَ (اور اُٹھتے جوبن والیاں)

حلِ لغات کواعب، کاعب کی جمع ہے ۔ کہا جاتا ہے کعبست المرأۃ کعوبا (عورت کے پستان ظاہر ہوئے ایسے جیسے گٹھا اٹھتا ہے) یعنی نوجوان عورتیں جن کے پستان دائرہ دار ہوں یعنی جب پستان ظاہر ہوں تو گٹے کی طرح دائرہ دار اُبھریں اور اونچے ہوں یا مغزل کے فلکہ کی طرح انھیں نواھد ' ناھدۃ و ناھد کی جمع بھی کہا جاتا ہے بمعنی وہ عورت جس کا پستان گٹے کی طرح ہو اور ابھرنے کے لیے ظاہر ہو۔

اَتْرَابًا (ایک عمر کی)

حلِ لغات کہا جاتا ہے ، لدۃ الرجل اس کا ساتھی اور اس کا ہم سن اور ولادت میں برابر ہار' واؤ کی عوض ہے یعنی نوجوان، یہ الولادۃ سے ہے ۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لدات وہ عورتیں جن کی نشو و نما اکٹھے ہو تساوی میں تشبیہ کی وجہ سے' اور ترائب سے تماثل ہے (وہ پسلیاں جو سینے میں ہوتی ہیں) اور ان کے اکٹھے زمین پر وقوع کی وجہ سے ۔

ف : تفسیر زاہدی میں ہے کہ عورتیں سولہ سالہ اور مرد تینتیس[۳۳] سالہ ہوں گے اور وہ جو تفسیر زاہدی میں ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ سولہ سالہ اس لیے ہوں گی کہ یہی مرد کے سن کا نصف سن ہے اور کعوب کی وصف بھی اس کی دلیل ہے یعنی پستانوں کا اُبھرنا' مطلب یہ کہ وہ بالغ ہوں گی اور عورتوں کے مکمل سن میں ہوں گی حسن و لطافت و مصاحبت و معاشرۃ کی صلاحیت میں' اس لیے کہ صغر سنی میں ایسی بات نہیں ہوتی ۔ مطلب یہ کہ صغر سن نہیں ہوں گی کہ صغر سنی میں شہوت کی کمزوری ہوتی ہے اور بوڑھی نہیں ہوں گی کہ اس سن میں شہوت ٹوٹ جاتی ہے اس کے درمیانہ سن میں ہوں گی' جسے شباب کا زور کہا جاتا ہے یعنی ان میں مرد کا پانی جاری ہو سکے گا بُوڑھی نہیں ہوں گی اور نہ ہی حدِ حسن سے ان کا حسن متغیر ہو گا ۔

نکتہ : یہاں ایسی عورتوں کا ذکر اس لیے کہ تنعم جسمانی کی وجہ سے مرد کا دنیوی نظام اور آخرت کی لطافت

انہی پر موقوف ہے۔

وَ كَاْسًا دِهَاقًا (اور چھلکتا جام) وہ جام جو شراباً طہوراً سے پُر ہو۔

حل لغات دھاقاً بمعنے دھقۃً مبالغہ کے طور پر جام کو اس صفت سے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ اتنا پُر ہوگا۔ کہا جاتا ہے: ادھق الحوض و دھقہ بمعنی ملأہ (حوض کو پُر کیا)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا (اس میں نہیں سنیں گے) متقی لوگ باغات میں نہیں سنیں گے لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (بیہودہ بات اور نہ جھٹلانا) یعنی لغو بات نہ بولیں گے۔

حلِ لغات لغو بمعنی وہ شے جو بیکار سمجھ کر پھینک دی جائے اور اسے بے فائدہ بنا کر چھوڑ دیا جائے، اور نہ ہی ایک دوسرے کو جھٹلائیں گے کہ کسی سے کوئی بات اپنے خلاف نہ سنیں گے بخلاف اہلِ دنیا کے کہ اپنی مجلسوں میں بالخصوص شراب کی مجلس میں ایک دوسرے کے خلاف بولتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہلِ معرفۃ نے فرمایا کہ باغات سے حق سے ہی باتیں سنیں گے اس لیے جو حق سے حق ہوگیا تو اسے حق حق ہی سنائی دے گا اور دنیا و آخرت میں صرف اسی کا ہی مشاہدہ کرے گا۔

تفسیر عالمانہ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ (صلہ تیرے رب کی طرف سے) جزاء مصدر مؤکد منصوب ہے یہ اس قوت میں ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ متقین کو جزاء دے گا مفازاً (کامیابی کی جگہ) پر عظیم جزاء جو تیرے رب کی جانب سے ہے تنوین تعظیم کی ہے عَطَآءً (صلہ) عطاء محض اس کا فضل و احسان اس لیے کہ اس پر کوئی شے واجب نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ایک ہی شے کو جزاء و عطاء کیسے بتایا، یہ مطلب تو غیر ظاہر ہے۔

جواب: ٹھیک ہے کہ جزاء میں ثبوت الاستحقاق کی دلیل ہے اور عطاء میں بلا استحقاق کی اس طرح سے دو نقیضوں کو جمع کرنا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو سوال وارد نہیں ہوتا وہ یہ کہ استحقاق کا ثبوت بحکم وعدہ ہے کہ اس نے ایسے وعدہ فرمایا کہ نیک کام کرو نیک جزاء ملے گی۔

لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ کام کرو گے تو اس کا ثواب دینا اللہ پر واجب ہے نیکی کا ثواب محض اس کا وعدہ ہے جو طاعت کے مقابلہ میں نصیب ہوگا اسی کو ہم جزاء سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی صلہ کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا صلہ دینا واجب تو ہے نہیں پھر بھی دے رہا ہے تو یہ اس کا فضل اور احسان ہے اور عطاء ہے یہ کفار کے لیے جزاء وفاقاً کے مقابلہ میں ہے یہ عطاء اس لیے کہ اہلِ ایمان

کی جزاء از قبیل فضل ہے کہ عمل کی بہ نسبت بے پایان ہے اور کافروں کی جزا (سزا) اس کا عدل ہے اور یہ صحیح معنٰی میں جزائیہ ہے کہ بدل الکل من الکل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہاں جزاء و عطاء درحقیقت ذاتاً ایک ہیں اگرچہ مفہوماً ایک دوسرے کی غیر ہیں۔

نکتہ: اسے جزاء کا بدل بنانے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ جزاء محض اس کی عطاء اور فضل ہے اور یہی مقصود ہے اور بیان کرتا ہے کہ یہی جزاء تمہاری اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہے اور بدل کا حق بھی یہ ہے کہ وہی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور مبدل منہ کا ذکر تو محض وسیلہ ہوتا ہے (جیسے فن نحو میں مفصلاً مذکور ہے)

حِسَابًا (نہایت کافی) یہ عطاء کی صفت ہے بمعنی کافی۔ یہ مصدر وصف کے قائم مقام ہے بمعنی محسب۔ بعض نے کہا بحسب الاعمال یعنی وعدہ مطابق ہر ایک کو اس لئے عمل کی جزا ملے گی دُگنی کئی گنی دس سے سات سو تک، بلکہ کسی کو بلا حساب (اَن گنت) اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ بھی حسب میں داخل ہے یعنی مقدار میں اس لیے کہ حسب (بفتح السین وسکونہا) بمعنی القدر والتقدیر، اس تقریر پر اس کا اصل ہوگا عطاء بحساب، جار حذف کرکے اسم کو منصوب کیا گیا۔

فائدہ صوفیانہ بعض اہل معرفت نے کہا کہ جب جزاء اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو اس کی تو کوئی انتہاء نہ ہوگی کیونکہ وہ اعواض (بدلوں) کی حد پر نہ ہوگی بلکہ حد سے زیادہ ہوگی کیونکہ جس کی حد اور انتہاء نہ ہو تو اس کی عطاء بھی لاحد و لانہایۃ ہوگی۔ بعض نے کہا کہ عطاء من اللہ، فضلِ الٰہی کی جگہ پر ہے نہ کہ جزاء کی جگہ پر، جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جزاء، علی الاعمال اور فضل من اللہ اللہ تعالیٰ کی محبت والے خواص سے مخصوص ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے نفوس مظلمہ اور تاریکی میں پھینکنے والوں سے ڈرتے ہیں تو ان کے لیے مفاز ہے یعنی ذاتِ الٰہی اور اس کی صفات کے حدائق یعنی باغات قلوب کے جو منزہ اور ارضیہ ہیں، اور اعناب یعنی اشجار المعانی والحقایق، ثمرزار یعنی محبت ذاتیہ کا شراب جو عقل کی آنکھ شہود غیر و غیریت سے مخمور کردے اور ان کے لیے کواعب واتراب ہیں یعنی لطائف و معارف کے ابکار اور چھلکتا جام شرابِ محبت و خمرِ معرفت سے پُر، اس میں نہ سنیں گے لغو یعنی ہواجس نفسانیہ اور نہ کذاباً (جھٹلانا) یعنی وساوس شیطانیہ جزاء من ربک یعنی فضل تام اور کافی بغیر عمل کے۔

ف: حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متقین سے وہ حضرات مراد ہیں جو بالمقابل ہیں طاغین کے

اور وہ حد عدالت جو شرع وعقل نے متعین کی ہے سے اپنے افعال میں تجاوز کرنے والے ہیں اور وہ رذائل اور انعال کی ہیئات سوء سے متنزل ہیں وہ بڑی کامیابی میں اور اس نار سے نجات میں ہیں جو طاغین کا ٹھکانا ہے، اور وہ باغات ہیں جنان اخلاق سے اور اعناب ہیں ثمراتِ افعال اور ان کے ہیآت سے، اور کواعب ہیں جنت افعال میں آثار اسمار کی صورتوں سے، اتراب یعنی متساوی ترتیب ہیں، اور محبت الآثار کی لذت کا جام چھلکتا ہوا جس کی ملونی زنجبیل و کافور ہے اس لیے کہ جنۃ الآثار والافعال والوں کا مطمح نظر اس کے ماورا میں نہیں یہ آثار کے ساتھ موثر سے اور عطار کے ساتھ معطی سے محجوب ہیں ان کو وُہ عطار کافی ہے ان کی ہمتوں اور ان کے مطمح نظر کے مطابق ان کی کفایت کرے گی اس لیے کہ وُہ اپنی ہمتوں کے قصور کی وجہ سے اس کے ماورا کا اشتیاق نہیں ان کے لیے جس لذت میں ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی شے ذوق والی نہیں۔

تفسیر عالمانہ

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا (وہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے) یہ ایک سے بدل ہے اس سے ہر شے کا رب اور خالق مراد ہے الرَّحْمٰنِ (رحمٰن) ہر موجود شے پر اپنی حکمت سے اور بقدر استعداد مرحوم (جس پر رحم کیا جائے) خیر و برکت سے فیض یاب فرماتا ہے یہ مجرور ہے کہ رب کی صفت ہے بعض نے کہا کہ پہلے رب کی صفت ہے جو بھی ہو اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ یہاں سب کے لیے ربوبیت اور رحمت واسعہ کاملہ کے ذکر میں انتباہ ہے کہ جزار مذکور کا دارومدار اسی پر ہے۔

فائدہ صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا رب تعالیٰ جو انہیں وہ عطار بخشتا ہے وہ رحمٰن ہے اس لیے ان کی عطائیں ظاہری بڑی نعمتوں میں سے ہیں نہ کہ باطنی، ان کا مشرب اسم رحمٰن سے ہے نہ کہ کسی اور اسم سے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رب ہے آسمانوں کا یعنی ارواح کا اور زمینوں کا یعنی نفوس کا اور جو ان کے مابین ہیں سر اور قلب اور ان کے قوائے روحانیہ، اور وہ رحمٰن ہے یعنی موصوف ہے بہ جمیع اسمار وصفات جمالیہ وجلالیہ اس لیے کہ یہ اللہ جو جامع ہے کے اور رحیم کے درمیان ہے اس کی ایک جانب الوہیت کی طرف ہے جو مشتمل ہے قہر پر، اور دوسری جانب رحیم کی طرف جو کہ جمالی محض ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے) جملہ مستانفہ تقریر کرتا ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ سے ثابت ہوتا ہے وہ غایۃ عظمۃ و کبریائی کا مالک اور جزار وعطار مذکورہ دینے میں وہ مستقل بالذات ہے کسی کو اس پر قدرت نہیں وہ سب پر قادر ہے اور لایملکون کی ضمیر اھل السمٰوٰت والارض کی طرف راجع ہے منہ کا مِن تاکید کا صلہ ہے

جیسے بعث منک میں جس کا معنیٰ ہے بعثک اور خطاب کا صلہ ہے اس پر مقدم ہے اس طرح بیان منقلب ہو گیا۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ مالک نہیں ہوں گے اس کے، وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی طرف سے کوئی بات کر سکیں جیسے ملک کا لفظ بتاتا ہے اس لیے کہ مملوک اپنے مالک پر کسی سے گفتگو کا حق نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی میں متفرد اور امر و نہی اور خطاب کے ملک میں متوحد ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ اپنے عذاب کی کمی اور ثواب کے اضافے میں اس کے اذن کے بغیر کسی قسم کی گفتگو نہ کر سکیں گے یہ زیادہ بلیغ اور زیادہ مؤکد وجہ ہے گویا یُوں نہی کہا گیا کہ جس عذاب و ثواب کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کر سکیں گے اس سے اس آیت اور ماقبل کے مضمون وعید کفار و وعدہ مومنین کے درمیان رابطہ بھی حاصل ہُوا اس گفتگو کی نفی سے شفاعت باذنہ تعالیٰ کی نفی نہیں ہو سکتی۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ چونکہ اہل الافعال ہیں اسی لیے وہ مقام صفات تک نہیں پہنچ سکتے اسی لیے انہیں گفتگو سے کوئی حصہ نصیب نہ ہو گا۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (جس دن کھڑے ہوں گے جبریل (علیہ السلام) اور فرشتے پرا باندھے) ملائکہ کے تاخیر یہاں تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے اور سورۃ القدر میں روح کی تاخیر تخصیص بعد تعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ روح ملائکہ کی جنس سے ہے لیکن وہ دوسرے ملائکہ سے خلقت اور رتبہ و شرافت میں عظیم تر ہے اس لیے کہ وہ انسانی روح کے بالمقابل ہے اور دیگر ملائکہ بمقابلہ قوائے روحانیہ کے ہیں اور ظاہر ہے کہ رُوح اپنے قُویٰ سے اعظم ہے کیونکہ وہ اس کے ایسے تابع ہیں جیسے سلطان کے امراء اور لشکر و رعایا۔

ف : روح کی تفسیر جبریل علیہ السلام سے کرنا ضعیف ہے، اگرچہ وہ روح القدس والروح الامین سے مشہور ہیں اس لیے کہ رُوح بہ نسبت ان کی ذات کے نہیں پھر ان کی کیا تخصیص ہے کیونکہ کل ملائکہ روحانیوں ہیں اگرچہ وہ اجسام لطیفہ ہیں اور ان ارواح معروفہ کا غیر ہیں اگر جبریل علیہ السلام کو روح اس نسبت سے کہا گیا ہے کہ وہ نافخ الروح اور حامل الوحی ہیں، اور وحی بھی بمنزلہ روح کے ہے کہ وہ روح کی طرح معنوی زندگی بخشتی ہے لیکن یہ بھی جبریل علیہ السلام کے لیے تخصیص کا سبب نہیں اس لیے کہ ان سے شان و مرتبہ میں اسرافیل علیہ السلام عظیم تر ہیں بلکہ دوسروں سے بھی اگر صف باندھنے میں ایک کو علیحدہ نمایاں کرنا تھا تو وہ اس کے زیادہ حقدار اسرافیل علیہ السلام ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام۔ بس یہی کہا جائے، یہاں رُوح کی مراد کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

تحقیق صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہاں اگرچہ روایات کا اختلاف ہے لیکن ملک علام تعالیٰ کی مدد سے کہتا ہُوں کہ صفا حال ہے بمعنی مصطفین کیونکہ وہ بکثرت ہیں اور بہ نسبت بندوں کے

امر الٰہی کے قائم ہونے میں بھی اسی لیے میرے دل میں تو یہی معنیٰ آیا ہے۔ بعض نے کہا وہ دو صفیں ہوں گی:

(۱) روح کی

(۲) ملائکہ کی

بعض نے کہا کہ بہت زیادہ صفیں ہوں گی یہی زیادہ موافق اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی والملائکۃ صفاً صفا کے اور یوم ظرف ہے اس کے قول لَا يَتَكَلَّمُوْنَ (کوئی نہ بول سکے گا) کے اور اس کا قول اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی) لا یتکلمون سے ضمیر سے بدل ہے اور اس کی ضمیر اھل السمٰوٰت والارض کی طرف راجع ہے جن میں سے ملائکہ اور روح بھی ہے اور یہی زیادہ راجح ہے کیونکہ کلام غیر موجب اور مستثنیٰ منہ مذکور ہے اس جیسی ترکیب میں بدل علی الاستثناء مختار ہوتا ہے۔

ف : اُن کا قیام اور صف بندی اللہ تعالیٰ کی عظمۃ سلطانی اور ربوبیت کی کبریائی اور یوم بعث کی ہولناکی کہ جس پر سورۃ کے اول و آخر تک مضمون کا مدار ہے کی تحقیق کے لئے ہے اور جملہ مستانفہ ماقبل لا یتکلمون الخ کے مضمون کی تقریر اور تاکید کے لئے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اھل السمٰوٰت والارض جب اس دن جنس کلام میں سے کوئی بات نہ کر سکیں گے مگر وہ بول سکے گا ان میں سے جسے بولنے کی اجازت ہوگی اور جسے اجازت ہوگی وہ ٹھیک بات کرے گا یعنی حق اور سچ اور واقع فی المحل جس میں کسی قسم کی خطا کا شائبہ نہ ہوگا، اور انہیں اس رب العزت سے گفتگو کا موقعہ ہی کیا ہو جبکہ اس کا کلام مطلق گفتگو سے اخص و اعز ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ الا من اذن لہ الرحمٰن الخ منصوب ہے اور اصل استثناء ہے (بدل کے طور نہیں) اب معنی یہ ہوگا کہ وہ گفتگو نہ کر سکیں گے مگر اس شخص کے حق میں جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو، اور وہ شخص کہ جس نے دنیا میں حق بات کہی ہوئی یعنی کلمۂ توحید اور کلمۂ شہادت نہ کہ اس کا غیر یعنی مشرک وغیرہ اس نے دنیا میں کلمۂ حق نہ کہا تھا بلکہ کلمۂ کفر و شرک کہتا رہا۔ اور ضمیر کے بجائے الرحمٰن کا اظہار اس تنبیہ کے لیے کہ کلام کا اذن پر دار و مدار ہی اس کی انتہائی رحمت ہے نہ یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

عرائس (البیان) للبقلی رحمہ اللہ میں ہے کہ دنیا میں جس کا کلام من حیث الاحوال اور احوال من حیث الوجد اور وجد من حیث الکشف اور کشف من حیث المشاہدہ اور مشاہدہ من حیث المعاینہ ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں ماذون ہے کہ وہ لبساط حرمۃ وھیبۃ پر حق تعالیٰ سے گفتگو کرے اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مخلوق کو ورطۂ ہلاکت سے بچاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خالص وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور صواب وہ ہے جو علیٰ وجہ السنۃ ہو۔

ف : اسی دن علی العموم ہیبت اہل الجمع کے لیے ظاہر ہوگی ورنہ خواص و اصحاب الحضور وہ تو ہمیشہ مشاہد العزیز ہیں ہیبت کی صفت میں ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ ۲ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اسرار و قلوب اور اُن کے قوٰی ارواح کے آسمانوں، نفوس کی زمین کے درمیان میں نفسِ امّارہ اور ہوائے نفسانی کے بارے میں گفتگو نہ کرسکیں گے بوجہ ان کے اس خُونی رشتے کی جو ان کے درمیان ہے کیونکہ سب کے سب روح کی اولاد اور جسم کی اولاد ہیں جیسے نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں اجازت نہ ملی یعنی انہیں اس کی نجات کی قدرت نہ تھی کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں جب ان کے ہاں خطاب ربّی پہنچا کہ لا تسئلن ما لیس لك به علم (مجھ سے اس کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں)۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ یہ وجہ مذکور پر ان کے قیام کی طرف اشارہ ہے وہ علی الابتداء محلاً مرفوع اور اس کی خبر اس کا مابعد ہے یعنی وہ عظیم الشان دن کہ جس میں رُوح اور فرشتے پرباندھ کر کھڑے ہوں گے نہ دو اور نہ اور کوئی اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال سے گفتگو نہ کر سکے گا اَلْيَوْمُ الْحَقُّ (سچا دن ہے) لامحالہ ثابت اور متحقق ہے اسے کوئی پھیرنے والا نہیں جو کسی دوسرے وقت میں تبدیل کر دے اور نہ کوئی موڑنے والا ہے کہ اس کے بجائے کوئی اور دن مقرر کر سکے۔ اس لیے سب کو معلوم ہے کہ وہ متحقق ہے تو وقوع کے لحاظ سے بھی متحقق ہے صبح کی طرف کہ رات گزرنے کے بعد اس کے وقوع کا یقین ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وُہ جمیع اوقات اور ہر گھڑی واقع اور ثابت ہے لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکتا کیونکہ وہ اس نفس میں مشغول ہے جو اسے غافل کئے ہوئے ہے اور اس کی خواہشات میں شاغل ہے۔

تفسیر عالمانہ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا (اب جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ بنالے) فا فصیحیہ ہے جو شرط محذوف کی خبر دیتی ہے اور شاء کا مفعول محذوف ہے کیونکہ مشیت شرط واقع ہے اور اس کا مفعول مضمون الجزاء ہے و الیٰ ربہ مآبا بعد سے متعلق ہے اس کی تقدیم محض اہمیت دینے اور فواصل کی رعایت کی وجہ سے گویا کہا گیا کہ اگر ایسا معاملہ ہے جیسے مذکور ہوا کہ یوم مذکور لامحالہ متحقق ہوگا تو جو چاہے اپنے رب کے ثواب کو مرجع بنانے وُہ رب تعالیٰ جس کا شان عظیم مذکور ہُوا کہ اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔

ف : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مآبا بھی سبیلاً اور جارہ اسی سے متعلق ہے اس لیے کہ اس میں اقتضاء وایصال کا معنیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مآب بمعنی مرجع و رجوع دنیا سے آخرت کی طرف پھر آخرت سے رب دنیا و آخرت کی طرف اس لئے اہل اللہ پر یہ دونوں (دنیا و آخرت) حرام ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ (بے شک ہم تمہیں ڈراتے ہیں) اس کے ساتھ جو سورۃ میں آیات ناطقہ مذکور ہوئیں مرنے کے بعد اُٹھنے کے متعلق اور اس کے متعلق جو اس کے بعد ہوگا (یعنی آخرت کی ہولناکیاں وغیرہ) یا ان آیات کے علاوہ جملہ مضامین ڈرانے والے جو قرآن مجید میں وارد ہیں اور یہ خطاب مشرکینِ عرب اور کفارِ قریش کو ہے کیونکہ وہی مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر تھے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب عام ہے مَن کے عموم کی طرح، اس لیے کہ انذار میں ہر گروہ کو فائدہ ہے (کفار ہوں یا اہلِ ایمان)

عَذَابًا قَرِيْبًا (ایک عذاب سے کہ نزدیک آگیا) وہ ہے عذاب آخرت۔ اور قرب سے اس کے یقینی طور پر آنے کا تحقق مراد ہے اور اس لیے کہ وہ بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اور ممکن ہے۔ اگرچہ یہ اسے بعید اور غیر ممکن سمجھتے ہیں۔ لیکن عنقریب وہ اسے قریب دیکھیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیة او ضحٰھا۔	گویا وہ اس دن دیکھیں گے کہ وہ تو نہیں ٹھہرے مگر شام کی چند گھڑیاں یا صبح کی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ عذابِ قریب سے نفس اور دنیا اور خواہشات کی طرف التفات مراد ہے، اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اعمال فاسدہ کی ہیأتِ فاسقہ کا عذاب مراد ہے اور عذاب القھر والسخط کے بہ نسبت انہیں قریب ہے، یہ وہ ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی ان کے خود کردہ کردار۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (اس دن کہ آدمی دیکھے گا وہ جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یداہ تثنیہ ہے کہ دراصل یدان تھا اس کا نون اضافت سے گر گیا یوم 'عذاباً' سے بدل ہے یا مضمر محذوف کی ظرف، اور وہ عذاباً کی صفت ہے یعنی وہ عذاب جو ہوگا اس دن کہ آدمی مشاہدہ کرے گا اس کا جو اس نے آگے بھیجا' بھلائی یا برائی، یعنی پائیگا اپنے کردار اچھے یا برے۔ ما موصولہ منصوب ہے ینظر سے کیونکہ وہ متعدی بنفسہ ہوتی ہے اور الیٰ سے بھی اور عائد محذوف ہے کہ دراصل قدمتہ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن دیکھے گا کہ اس نے کیا شے

آگے بھیجی، اس معنیٰ پر ما استفہامیہ منصوب قدمت سے اور ینظر سے متعلق ہے المرء عام ہے مؤمن و کافر، کیونکہ اس دن ہر ایک اپنے اعمال دیکھے گا جو اعمال ناموں میں ثبت ہوں اچھے یا بُرے۔ مومن تو اپنے نیک اعمال کی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھے گا لیکن اپنے بُرے عمل سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے گا اور کافر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا کہ وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ (اور کافر کہے گا ہائے میں) یعنی اے میری برادری اس معنیٰ پر منادی محذوف ہے یہ بھی ہے کہ محض تحسّر اور محض تنبہ ہے اس میں منبّہ کی تعیین کا کوئی ارادہ نہیں یعنی کافر کہے گا کاش میں كُنْتُ تُرٰبًا (کسی طرح خاک ہوجاتا) دنیا میں نہ پیدا ہوتا نہ مکلّف ہوتا یہ محلاً مرفوع ہے کہ لیت کی خبر ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ کافر کہے گا اس دن میں مٹی ہوتا اور اُس دن نہ اُٹھایا جاتا جیسے پہلے گزرا ہے کہ کہے گا یا لیتنی لم اوت کتابیہ (کاش میں آج کتاب (عملنامہ) نہ دیا جاتا) یہاں تک کہ یلیتہا کانت القاضیۃ (کاش کوئی فیصلہ ہوتا)۔

ف: بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کو بھی اس دن اٹھائے گا تو وُہ جانور جو سینگ نہیں رکھتا اور اسے سینگ والے جانور نے مارا ہوگا تو سینگ والے جانور سے بھی قصاص لیا جائے گا یعنی مقابلہ کا قصاص نہ کہ تکلیف کا پھر اسے اللہ تعالیٰ مٹی بنائے گا تو کافر آرزو کرے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
قیامت میں ہر حق والے کو حق ادا کیا جائے گا، یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے وہ بکری حق لے گی جس کے سینگ نہیں۔

ف: یہ حدیث شریف صریح ہے اس میں کہ جانور بھی مرنے کے بعد اٹھیں گے اور انھیں بھی مقابلہ کے قصاص کے لیے اٹھایا جائیگا نہ کہ جزاء وسزاء اور عذاب کے لیے۔

ابلیس کے لیے حسرت کا مقام بعض نے کہا کہ الکافر سے یہاں ابلیس مراد ہے کہ جب وہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد اور ان کے ثواب کو دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش! میں مٹی ہوتا۔ یعنی وہی جسے میں نے حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہا تھا:

خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔ مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔

یعنی ابلیس آدم علیہ السلام کے عیب نکالتا تھا کہ وہ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور خود کے لیے کہتا تھا کہ وہ نار سے پیدا کیا گیا ہے، یوں وہ اپنی تعریف کرتا تھا لیکن بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو کرامت سے اور آپ کی اولاد مومن کو ثواب سے نوازے گا، اس کا مشاہدہ کرے گا ادھر اپنا عذاب دیکھے گا، اس کی شدت پہ کہے گا، کاش! میں بھی مٹی ہوتا اور آدم علیہ السلام سے کوئی نسبت رکھتا کیونکہ اس درویش کو جو دبدبہ اور

شان وشوکت نصیب ہو رہی ہے جس سے دیگر مخلوق محروم ہے ؎

۱ خاک را خوار و تیرہ دید ابلیس
کرد انکارش آن حسود خسیس

۲ ماند غافل ز نور باطن او
نشد آگہ ز سرّ کامل او

۳ بہر گنجے کہ ہست در دل خاک
این صدا دادہ اند در افلاک

۴ کہ بجز خاک نیست مظہر گل
خاک شو خاک تا بروید گل

ترجمہ: (۱) خاک کو ابلیس نے خوار او ربیکار سمجھا اسی لیے اس حاسد کمینے نے انکار کر دیا۔
(۲) اس کے نورِ باطن سے غافل رہا، اس کے راز کامل سے آگاہ نہ ہوا۔
(۳) وہ خزانہ جو خاک کے دل میں ہے یہی صدا دی جا رہی ہے افلاک میں
(۴) کہ خاک کے سوا گل کا مظہر اور کوئی شے نہیں، خاک ہو خاک تاکہ تجھ سے گُل پیدا ہوں۔

مسئلہ: مومن جن ثواب پائیں گے سزا بھی، لیکن مٹی نہیں ہوں گے، یہی اصح ہے ان کے اہل ایمان جنہ میں انسان مومنوں کے ساتھ ہوں گے یا اعراف میں انہیں نعمتیں ان کے مناسب حال پر ملیں گی ان کے کفار انسان کفار کے ساتھ دوزخ میں ہوں گے۔ ان کا عذاب ان کے حال کے مناسب ہوگا۔

ف: بعض نے کہا کنت ترابا میں تواب سے مؤمن کے سجدہ کی مٹی مراد ہے جس سے دوزخ کی آگ بجھائی جائے گی اور مؤمن کے پاؤں کی وہ مٹی جو نماز کی ادائیگی کے وقت پاؤں سے لگتی ہے قیامت میں کافر آرزو کرے گا کاش میں مومن کے قدموں کی خاک ہوتا!

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یوم ینظر المرء ما قدمت ید قلبہ الخ اس دن مرد دیکھے گا وہ جو آگے کیا اس کے قلب ونفس کے ہاتھوں نے نیکی اور برائی کو اور کافر نفس جو حق کو چھپاتا رہتا ہے کاش میں ہوتا روح وسر وقلب کے قدموں کی خاک، ان کے آگے عاجز اور ان کے اوامر ونواہی پہ قائم ہوتا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس دن کی عظمت کا یہ حال ہوگا کہ دنیا کے شب وروز کے چوبیس گھنٹوں کے مطابق چوبیس خزانے لائے جائیں گے اور میدان قیامت میں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کھولیں گے اور

بندے کے پیش کریں گے اس میں رونق اور جمال و نور وضیاء ہوگا ۔ دنیا میں بندہ جن گھڑیوں میں عبادت میں مصروف رہا، حسنات و خیرات و طاعات میں وہ اوقات بسر ہوئے تھے انہی اوقات کے مطابق حسن و نور اور رونق دیکھے گا اسے ان اوقات سے اتنی خوشی و راحت اور سرور و فرحت نصیب ہوگی کہ اگر اس کی خوشی اور فرحت دوزخیوں میں بانٹ دی جائے تو دوزخ کی دہشت کو بھول جائیں ۔ پھر دوسرا خزانہ کھولیں گے وہ تاریکی، ظلمت، بدبُو اور وحشت سے پُر ہوگا ۔ دنیا کی جن گھڑیوں میں انسان برائیوں میں مصروف رہا ہوگا بجذاوہ ظلمت و وحشت اس کی بداعمالیوں کی ہوگی ان سے وُہ انسان مغموم و محزون بلکہ جزع فزع اور رنج والم پائے گا، اگر وہ تمام اہلِ جنت پر تقسیم ہو تو اس سے ان پر بہشت کی تمام نعمتیں کھٹی ہوجائیں۔ پھر اور خزانہ کھولیں گے دنیا کی جن گھڑیوں میں طاعت کی ہوگی نہ گناہ (چونکہ طاعت خوشی کا موجب ہے اور معصیت ملال اور رنج والم کا) اس لیے اس پر یہ خزانہ محض حسرت کا موجب بنے گا ۔ ایسے ہی وہ اوقات جن میں سوتا رہا، غافل رہا، مباحاتِ دنیا میں مشغول رہا، یہ بھی اس کے لیے حسرت اور افسوس کا سبب بنے گا ۔ اسی طرح اس کے سامنے ایک اور خزانہ کھولا جائے گا اور اس کے پیش کیا جائے گا جو اوقات کسی طاعت و عبادت میں گزرے اس سے اسے خوشی اور راحت نصیب ہوگی اور جو اوقات کسی معصیت میں گزرے اس سے اسے رنج اور غم والم ہوگا اور جو اوقات بیکار بسر ہُوئے ان سے حسرت اور افسوس ہوگا ۔

سبق: جب کوتاہی کرنے والے مؤمن کا یہ حال ہوگا اس وقت، نہ معلوم کافر پر کیا گزرے گی، اسے حسرت و افسوس، آہ و زاری اور فریاد کے سوا کیا حاصل ہوگا !

فضائل سُورۃ نباء

(۱) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ نباء پڑھی اسے قیامت میں شرابًا طہورا پلائی جائے گی ۔

(۲) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ نباء، سورۃ قٓ، سورۃ النجم، سورۃ بروج اور سورۃ طارق سیکھو، اس لیے کہ اگر تمہیں معلوم ہوجائے کہ ان کی کیا برکتیں ہیں تم اپنے جملہ کاروبار چھوڑ کر ان کی تلاوت میں مصروف رہو ۔ ان کی تلاوت کرو اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجاؤ گے، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے صدقے سوائے شرک کے تمام گناہ بخشتا ہے ۔

(۳) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو بڑھاپا اتنی جلدی کیوں آگیا؟ آپ نے فرمایا: مجھے سورۃ ہود، واقعہ، المرسلات،

عم یتساءلون ، اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو تلاوتِ قرآن کرے وہ اسے سمجھے بھی، معانی پر بھی توجہ دے اس لیے کہ مقصد معنیٰ سے حاصل ہوتا ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کا غم اور وعید کا مطالعہ اور اسے ہر وقت سامنے رکھے ۔ اس کا غم بڑھاپا لاتا ہے (اور یہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے) کیونکہ فربہ مولوی[1] اور قاری (بسیار خور شہوت پرست) کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے اس لیے کہ بسیار خوری انسان پر غفلت طاری کرتی ہے جو کچھ پڑھتا ہے اس طرف توجہ نہیں کرنے دیتی ، ورنہ اگر وہ پڑھنے کے ساتھ اس کے معانی کی طرف توجہ دیتا پھر ان سے عبرت حاصل کرتا تو ضعیف و نحیف اور کمزور ہوتا بلکہ غم سے پگھل جاتا اس لیے کہ غم کے ہوتے چربی جسم میں قرار نہیں پکڑتی ۔

حکایت سیدنا امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا :
کوئی موٹا مولوی (عالم) فلاح نہ پائے گا سوائے محمد بن الحسنؒ کے ۔

عرض کی گئی : وہ کیوں ؟

فرمایا : اس لیے کہ عقلمند دو حالتوں سے خالی نہیں :

۱ ۔ اسے آخرت اور مرنے کے بعد کے سرمایہ کا غم ہوگا ۔

۲ ۔ دنیا کا خیال اور تصور اس کی معاش کا ، اور چربی جسم میں غم کے ساتھ نہیں ٹھہر سکتی ۔

اگر وہ ان دونوں سے خالی ہے تو اس میں اور بہائم (جانوروں) میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جانور کا جسم بھی خوراک وغیرہ سے موٹا ہو جاتا ہے اور اس (موٹے آدمی) کا مشغلہ بھی صرف خورد و نوش ہے تو ان

---

[1] ایسے ہی دین و اسلام کے جملہ میں کام کرنے والے علماء و مولویوں کے علاوہ قُرّاء اور شعراء اور نعت خوان حضرات پر لازم ہے کہ وہ نفس پرستی اور شہوت پرستی کو مدِّ نظر نہ رکھیں بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی اور رضائے حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیشِ نظر رکھیں ورنہ انجام برباد ہوگا ۔ عیش کے چند روز آرام سے تو گزریں گے لیکن بعد کو پریشانی اور ذلت کا سامنا ہوگا ۔ ہم نے بچپن سے ایسے حضرات کو دیکھا جن کا ان شعبوں میں کام کرنے سے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ تھے لیکن مرے تو برے حال میں ؎

خدایا بحقِ بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

(اویسی غفرلہٗ)

دونوں (جانور و آدمی) میں کیا فرق رہا!

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ) بعونِ الٰہی تفسیر سُورۃ النباء سے ۲۲ محرم ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ / ۳۰ جنوری ۱۹۸۹ء کو بروز سوموار مبارک صبح ۹ بجے فراغت پائی۔ بہاول پور، پاکستان۔

سُوْرَةُ النّٰزِعٰت

اٰیاتها ٤٦ (٧٩) سورة النّٰزعٰت مکیّة (٨١) رکوعاتها ٢
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ○ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ○ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ○ فَالسّٰبِقٰتِ
سَبْقًا ○ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ○ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ○ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ○
قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ○ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ○ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ
فِي الْحَافِرَةِ ○ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ○ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ○
فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ○ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ
مُوْسٰى ○ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
طَغٰى ○ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ○ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ○ فَاَرٰىهُ
الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ○ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ○ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ○ فَحَشَرَ فَنَادٰى ○
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ○ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ○ ع

وقف لازم

ترجمہ: سورۃ النازعات مکیہ ہے اور اس کی چھیالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پھیریں پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں پھر کام کی تدبیر کریں کہ کافروں پر ضرور عذاب ہوگا جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانیوالی

اسکے پیچھے آئیگی آنے والی، کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے، آنکھ اوپر نہ اٹھا سکیں گے، کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم پھر الٹے پاؤں پلٹیں گے، کیا ہم جب گلی ہڈیاں ہو جائیں گے بولے یوں تو یہ پلٹنا تو بڑا نقصان ہے تو وہ نہیں مگر ایک جھڑکی جبھی وہ کھلے میدان میں آپڑے ہوں گے کیا تمہیں موسیٰ کی خبر آئی جب اسے اس کے رب نے پاک جنگل طویٰ میں ندا فرمائی کہ فرعون کے پاس جا اس نے سر اٹھایا اس سے کہہ کیا تجھے رغبت اس طرف ہے کہ ستھرا ہو اور تجھے تیرے رب کی طرف راہ بتاؤں کہ تو ڈرے، پھر موسیٰ نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی اس پر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر پیٹھ دی اپنی کوشش میں لگا تو لوگوں کو جمع کیا پھر پکارا پھر بولا میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں تو اللہ نے اسے دنیا و آخرت دونوں کے عذاب میں پکڑا بیشک اس میں سیکھ ملتا ہے اسے جو ڈرے۔

تفسیر عالمانہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا (قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں) واؤ قسمیہ اور قسم مقسم بہ کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق میں جس کی چاہے قسم یاد فرمائے تنبیہ ہے اس کی عظمت پر۔

حلِ لغات النازعات، نازعۃ کی جمع ہے بمعنی ملائکہ کی جماعت نازعۃ، اور ملائکہ کی صفت مؤنث باعتبار ان کے طائفہ کے ہے پھر اس طائفہ کے اعتبار سے نازعات جمع مونث لائی گئی بمعنی طائفۃ (گروہ درگروہ) ملائکہ نازعات اسی پر ناشطات وغیرہ کا قیاس کر۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نازعین ناشطین وغیرہ کہا جاتا النزع بمعنی شدت سے شے کو اپنی مقر (جگہ) سے کھینچنا۔ الغرق بحذف الزوائد مصدر ہے بمعنی اغراق یعنی غرق کرنا' اور کمان کو زور سے کھینچنا۔ اور غرق بمعنی پانی میں ڈوبنا اور بلا میں۔ یہ مفعول مطلق ہے نازعات کا' کیونکہ یہ بھی نزع کی ایک نوع ہے اس کی شرط ہے کہ وہ موجود ہو یعنی مصدر کا عامل کے ساتھ متفق ہونا۔ اور الاغراق فی النزع بمعنی اس میں خوب غوطہ لگانا اور اس کے درجات کے انتہا کو پہنچنا کہا جاتا ہے۔ اغرق النازع فی النفوس یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب کمان کھینچنے میں اتنا زور لگایا جائے کہ فصل تک کمان پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ان گروہوں کی قسم یاد فرمائی جو کفار کے اجسام سے ارواح کو سختی سے نکالتے ہیں نیز ارواح کو ان کے انگلیوں اور ناخنوں کی الٹی طرف سے اور ہر بال کے نیچے سے جیسے درخت کی جڑیں زمین کے اطراف میں پھیلی ہوں تو ان جڑوں کو ہر طرف سے سمیٹا جائے یا جیسے سفود کی زیادہ شاخوں والے کو تراؤن سے اور جیسے زندہ حیوانوں کی کھال ادھیڑنا یا جیسے انسان کو تلوار کی ہزار ضربیں لگانا یا اس سے بھی زیادہ سخت۔

ملائکہ سے ملک الموت اور اس کے اعوان (مددگار) عذاب کے فرشتے مراد ہیں جو انہیں جہنم کی زہر سے

بجھے ہوئے جڑے چبھوتے ہیں، میت سمجھتی ہے کہ اس کا پیٹ کانٹوں سے بھر گیا ہے گویا اس کا سانس سوئی کے سوراخ سے نکالا جارہا ہے گویا زمین پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور وہ ان دونوں کے درمیان پسا جارہا ہے۔ جب کافر کی روح نکالی جائے گی تو کانپ رہی ہوگی اور کالے تیل کی طرح سیاہ شہد کی مکھی کی مقدار میں ہوگی اس کے عمل کے مطابق اسے زبانیہ (ملائکہ عذاب) لے کر قبر اور سجین میں عذاب کرتے ہیں، یہ رُوحانی عذاب ہے جب قیامت قائم ہوگی تو جسمانی عذاب روحانی عذاب کے ساتھ ملایا جائیگا۔ النازعات غرقاً ارواحِ کفار کے قبض کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جس پر لفظ کا مدلول شاہد ہے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ۙ[1] (اور نرمی سے بند کھولیں) یہ معنیٰ دوسری قسم ہے بطریق عطف کے۔

حلِ لغات النشط شئے کو اپنی مقر (جگہ) سے نرمی سے کھینچنا۔ اس کی نصب علی المصدریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کے گروہ کی قسم یاد فرمائی ہے جو اہلِ ایمان کی ارواح کو نہایت نرمی اور آرام سے نکالتے ہیں جیسے بوکا کنویں سے نکالا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: نشط الدلو من البئر (فلاں نے بوکا کنویں سے نکالا) جیسے بال مکھن سے یا جیسے قطرہ مشک سے۔ یہ بھی ملک الموت اور ان کے مددگار ملائکۂ رحمت ہیں اہلِ ایمان کی روح اگرچہ پیروں اور انگلیوں کے سروں سے نکالی جائے گی لیکن وہ درد محسوس نہ کرے گا، جیسے کافر درد و الم محسوس کریگا۔ اور مؤمن کے نفس کو بدل کے ساتھ شدید تعلق نہیں جیسے کافر کے نفس کو تھا کیوں کہ مومن کا نفس عالم قدس سے متعلق ہے اور درد و الم اسے ہوتا ہے جس کا دنیا سے تعلق ہو، اور جس کا دنیا سے تعلق ہی نہ ہو اسے درد و الم کیسا! بالخصوص وہ جو موت سے پہلے اختیاری موت سے فوت ہو (محبوبانِ خدا) مومن کی روح کو چند لمحات کے لیے چھوڑیں گے تاکہ سکون پالے اور کفار کے لیے ایسا نہ ہوگا۔

مومن اور شیطان سکرات کے وقت مومن ضعیف الیقین اور قاصر فی العمل کے پاس شیطان اس وقت آتا ہے جب رُوح حلقوم تک پہنچتی ہے اس کے ماں باپ، بہن بھائی یا پیارے دوست کی شکل میں اسے کہتا ہے: یہودیت اختیار کرلے، نصرانی ہوجا یا اس کی مثل اور

---

[1] والناشطات نشطاً میں اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کے لیے خوشخبری ہے ان کی ارواح ان کے اجسام سے بآسانی نکل جاتی ہیں، اس کیفیت کو جانوں کے کھولنے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بندھن کھلتے ہی اُچھل کود شروع کر دیتا ہے۔ پس اسی طرح فرشتے بعض ارواح کو نکالتے ہیں تو وہ آسانی سے نکل آتی ہیں، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین صالحین کی ارواح خداوند قدوس کی ملاقات کے لئے مضطرب اور بے چین رہتی ہیں اور وہ اپنے جسم کو بآسانی چھوڑ دیتی ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

بد مذہبی [1]

ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں شیطان ابلیس کی حاضری

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک دن ابلیس شکل بدل کر حاضر ہوا اس کے ہاتھ میں پانی کی شیشی تھی عرض کی: میں اسے بحالت نزع لوگوں کو ان کے ایمان کے بدلے بیچا کرتا ہوں۔

اس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت روئے اور اہلبیت کو بھی رُلایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! غم نہ کھائیے میں اپنے بندوں کو اس سے محفوظ رکھتا ہوں بحالتِ نزع انہیں شیطان ابلیس کے مکر سے بچاتا ہوں۔

موت کے وقت دیدارِ ملائکہ

موت کے وقت میت ملائکہ کو اپنے اعمال کی حیثیت پر دیکھتی ہے، اعمال نیک ہوں تو ملائکہ اچھی صورت میں نظر آتے ہیں، اگر اعمال بُرے ہوں تو ملائکہ قبیح شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ملائکہ کرام مومن کی رُوح کو جو شہد کی مکھی کے برابر ہوتی ہے جنت کے ریشم میں لپیٹتے ہیں، اور وہ اس کے عمل کے حسن صورت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی نہ عقل گُم ہوتی ہے اور نہ وہ علم جو اس نے دنیا میں حاصل کیا۔

اہلِ علم کا علم موت کے وقت

حضرت حبیب نجار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بتاتا ہے کہ موت کے بعد اہلِ علم کا علم اس کے پاس محفوظ رہتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے متعلق فرمایا جب وہ انطاکیہ میں شہید ہوئے تو فرمایا:

یالیت قومی یعلمون بما غفرلی الخ

کاش! میری قوم جانتی جو اللہ تعالےٰ نے میری عزت افزائی فرمائی۔

اس کے بعد مومن کی روح ہوا (خلاء) اڑتے ہیں اور اس کی قبر میں اس کے تنعم (آرام وراحت) کے اسباب تیار کرتے ہیں اور رُوح کے لیے علیین میں روحانی نعمتیں تیار کرتے ہیں۔ پھر جب مومن قبور سے اٹھیں گے تو جسمانی و روحانی نعمتیں جمع ہو کر اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

---

[1] مرزائی ہوجا، شیعہ ہوجا، وہابی ہوجا، دیوبندی ہوجا، مودودی ہوجا وغیرہ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اویسی غفرلہٗ

ف : الناشطات نشطاً ہیں ارواحِ مومنین کے قبض کی طرف اشارہ ہے جس پر کہ لفظ اور مدلول کی شہادت شاہد ہیں۔

سوال : مؤمن کی کیفیتِ قبضِ روح تم نے نہایت شاندار بیان فرمائی ہے حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق حدیث شریف میں ہے جب آپ کی رُوحِ اقدس قبض ہُوئی تو آپ کے لیے شدید تکلیف کا ذکر ہے، چنانچہ آپ فرماتے تھے :

واکرباہ ۔ اے تکلیف

اور فرماتے : لا الٰہ الا اللہ ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

اور فرماتے :

اللھم اعنی سکرات الموت (اے اللہ سکرات الموت میں میری مدد فرما)

اور ہاتھ مبارک پانی کے پیالے میں ڈال کر چہرہٴ منور پر ملتے تھے جب بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی کہ آپ سکرات کے گھیرے میں ہیں تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا :

یاکرب ابتاہ (اے ابا کی تکلیف)

یہ سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا :

اے فاطمہ ! (رضی اللہ عنہا) تیرے باپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر آج جیسی اور کوئی تکلیف نہ ہو گی ۔

جب سکرات کے وقت خود نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر دوسرا کون ہے جس کیلئے نرمی کی بات کی جائے ؟

(یہ سوال عموماً رسولِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھنے والے بے ادب اور گستاخ کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو غچا دیتے ہیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بشری لباس میں ضرور ہیں اور آپ پر بشریت کے تمام متعلقات لاحق ہوتے ہیں لیکن ان کی حقیقت ہماری بشریت جیسی نہیں ، آپ کی حقیقت بلکہ آپ کے ہر امر کی حقیقت نور ہے ، ظاہری اطوار میں بشری امور صحیح ہیں لیکن ان اطوار کو اپنے اوپر قیاس کرنا گمراہی اور بے دینی ہے ۔ اس کی مثال یہی سکرات سمجھ لیجیے کہ آپ کی سکرات کی کیفیت سخت سہی لیکن بخدا وہ بشر کی حقیقت کی حیثیت سے نہیں بلکہ صورۃً سکرات ہے لیکن بحقیقت وہ تجلیاتِ ربانیہ و انوارِ حقانیہ کا پرتو ہے اسی لیے اس کا نام ہماری سکرات جیسا ہے لیکن ہماری سکرات اور ہے آپ کی سکرات اور ۔ اس لیے اب سمجھ لیں کہ آپ بشر ضرور ہیں

لیکن آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری اور ۔ یہی تقریر[1] صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ سے سوال مذکور کے جواب میں سُنیے۔ اولیسی غفرلہٗ)

جواب ۱ : اجیب بان مزاجه شریف اذ اعدل الامزجة فاحسن بالالم اکثرمن غیره اذا الخفیف علی الاخف ثقیل ۔	آپ کا مزاج شریف اعدل الامزجہ تھا اسی لئے درد کو غیروں سے زیادہ محسوس فرمایا کیونکہ خفیف اخف پر ثقیل ہوتا ہے ۔
جواب ۲ : ان یبتلیه الله تعالیٰ بذلك لیدعوا الله ان یجعل لامته سهلا یسیرا ۔	اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس درد میں مبتلا کیا تاکہ آپ امت کے لیے سہولت کی دعا مانگیں ۔
جواب ۳ : قد روی انه طلب من الله ان یحمل علیه بعض صعوبة الموت تخفیفا علیٰ امته فانه بالمؤمنین رؤف رحیم ۔	روایت کیا گیا کہ آپ نے خود دعا مانگی کہ آپ پر بوجھ ڈالا جائے تاکہ امت پر تخفیف ہو کیونکہ آپ اہل ایمان کے لیے رؤف و رحیم تھے ۔
جواب ۴ : وایضاً فیه تسلیة امته اذا وقع لاحد منهم شئ من ذلك الکرب عند الموت ۔	اس میں امت کو تسلی ہے کہ اگر موت کے وقت تکلیف ہو تو آپ کی تکلیف یاد کرے ۔
جواب ۵ : وایضاً لکی یحصل من شاهد من اهله ومن غیرهم من المسلمین الثواب لما یلحقهم علیه من المشقة کما قیل بمثل ذلك فی حکمة مایشاهد من حال الاطفال عند الموت من الکرب الشدید ۔	تاکہ آپ کے اہل میں سے مشاہدہ والوں اور دوسرے مسلمانوں کو ثواب ملے جب وہ آپ کا درد سُن کر پریشان ہوں جیسے بچوں کی تکلیف عند الموت سے اوپر والوں کو پریشانی ہوتی ہے ۔
جواب ۶ : وایضاً راحة الکمل فی الشدة لانها من باب الترقی فی العلوم و	کاملین کو شدۃ میں راحت ہوتی ہے کیونکہ یہ علوم و درجات میں ترقی کے باب

---

[1] میری تقریر کا تعلق اگرچہ تمام جوابات سے ہے لیکن آسان اور عام فہم جواب ۶ کے فاهل الحقیقة الخ میں ہے اگرچہ صاحب روح البیان کا یہ جواب مجمل ہے تفصیل ہماری کتاب "سیرۃ حبیب کبریا" میں ملاحظہ ہو۔ اولیسی غفرلہٗ

الدرجات واقل الامر للنا قصين كفارة الذنوب فاهل الحقيقة لا شدة عليهم فی الحقیقة لاستغراقهم فی بحر الشهود وانما الشدة لظواهرهم والحاصل کما ان النار لا ترفع عن الدنیا قائم فکذا الشدۃ لا ترفع عن الظواھر فی ھذا المواطن۔

سے ہے اور دوسروں کو اس سے کفارہ ذنوب ہوتا ہے در حقیقت اہلِ حقیقت کو تکلیف ہوتی ہی نہیں کیونکہ وہ بحر شہود میں مستغرق ہوتے ہیں ہاں ان کے ظواہر کو شدت ہوتی ہے جیسے دنیا سے نہیں اٹھ جائیگی دنیا قائم تو شدۃ بھی قائم ہے وہ ظواہر سے اس دنیا میں نہ اُٹھے گی۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۱۵)

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (اور آسانی سے پیریں) یہ اور قسم ہے معنیٰ بطریق عطف کے۔

حلِ لغات السبح بمعنی ہوا یا پانی میں تیز تیز پیرنا سبحًا نصب علی المصدریہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے اس گروہ کی قسم یاد فرمائی ہے جو اڑنے میں تیز ہیں آسمان سے زمین کی طرف اُترتے ہیں انہیں پیراک سے تشبیہ دی گئی ہے، یہ تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے کیونکہ نزول اولین مطلقاً قبض الارواح کے لیے ہے اور ان دوسروں کا نزول عامہ امور و احوال کے لیے ہے۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں)

حلِ لغات اس کا السّٰبحٰت پر عطف بالفاء ہے تاکہ دلیل ہو کہ سبق سبح پر بغیر مُہلۃ کے مرتب ہے ان کا موصوف ایک ہے سبقا کی نصیب علی المصدریہ ہے یعنی اس کے لیے سبقت کرتے ہیں جس کے وُہ مامور ہیں اور جو خدمت ان کے ذمہ ہے اس کی سرانجام دہی کے لیے بہت جلد پہنچتے ہیں السبق الراع سے کنایہ ہے کہ جو ان کی خدمت مقرر ہے اس کی سرانجام دہی میں پھرتیلے ہیں اس لیے سبقت یعنی تقدم فی السیر الراع کے لوازم سے ہے۔ لیکن سبقت یہاں پر مسبوق کے وجود کو مستلزم نہیں اس لئے کہ ان کے بالمقابل کوئی مسبوق نہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (پھر کام کی تدبیر کریں) اس کا عطف السابقات پر بالفاء ہے اس لیے کہ تدبیر کا ترتب سبق پر ہے بغیر تراخی کے۔

حلِ لغات التدبیر بمعنی تفکر، امور کے پیچھے امراً مفعول ہے مدبرات کا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے وُہ ملائکہ مراد ہیں جو تدبیر امور میں مُوکل ہیں یعنی وہ فرشتے جو بندوں کے لیے دنیوی اخروی امور کی تدبیر کرتے ہیں جیسے انہیں کیا گیا ہے بغیر کمی بیشی کی

اور مقسم علیہ محذوف ہے وہ ہے لتبعثن (تم ضرور ضرور مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے) جس پر ما بعد کا مضمون دلالت کرتا ہے یعنی قیامت کا ذکر بعث کی وجہ یہ ہے کہ موت داعی ہے اجر و جزا کی' تاکہ عالمِ وجود میں جور و ظلم ہمیشہ نہ رہے اور ہمارا رب بندوں کے لیے ظالم نہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ملائکہ قبضِ ارواح کے لیے تمہارے آجال ختم ہونے پر تمہارے ہاں اُتریں گے پھر معاملہ بعث تک چلے گا۔ اس کے بعد وہی ہوگا جو مذکور ہوگا تو جو موت کا اقرار کرتا ہے اسے بعث کا بھی اقرار کرنا ہوگا اسی لیے نازعات کی قسم اور بعث کو جمع فرمایا جو کہ وُہ جواب قسم ہے۔

ف: اس سورۃ کے عنوان کے وجوہ ہیں ہم انہیں ذکر نہیں کرتے وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو کشاف میں ہے اگرچہ یہ ذکر تنزیل کے جزیل (عظیم الشان) ہونے پر دلالت کرتا ہے (لیکن طوالت کے پیشِ نظر اسے چھوڑا جا رہا ہے)

تفسیر صُوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ قسم ان نفوس مشتاقہ کی یاد فرمائی جا رہی ہے جن پر نزوع (ترک ماسوی اللہ) طاری اور جناب حق کی طرف متوجہ اور بحارِ شوق و محبت (عشق) میں غرق ہیں وہ جو نفس کے مکر اور طبیعت کی قید سے آزاد ہیں یعنی وہ نفوس کی صفات کی قیود اور علائق بدن سے فارغ ہیں۔

حلِ لغات

یہ ثور ناشط سے ہے وُہ بیل جو ایک شہر سے دوسرے شہر جا پہنچے، یا ان کے قول "نشط من عقالہ" سے ہے (وہ پاؤں کی رسّی کی قید سے نجات پا گیا) یا اس سے وہ نفوس مراد ہیں جو بحارِ صفات میں پیرتے ہوئے عین ذات اور مقام الفناء فی الوحدۃ کی طرف سبقت کر جاتے ہیں پھر وُہ تدبیر کرتے ہیں کثرت کی طرف رجوع کرنے کی تاکہ دعوۃ الی الحق والہدایۃ اور نظام فی مقام التفصیل بعد الجمع کے امر کی تکمیل کر سکیں۔

مدبّرات اولیاءِ کرام ہیں

نفوسِ شریفہ (اولیاء کرام) کے لیے بعید نہیں کہ ان سے اس عالم میں آثار کا ظہور ہو وہ ابدان سے مفارقت (وصال، وفات) کر گئے ہوں یا ابدان میں ہوں اس کی دلیل انسان کے خواب کی ہے کہ وہ خواب میں بہت سے بندگانِ خدا کی زیارت کرتا ہے تو وہ اسے اس کے مطلوب کی رہبری کرتے ہیں، بہت سے شاگرد خواب میں مسائل کا حل پُوچھتے ہیں تو وہ خواب میں ہی ان کے مسائل کا حل بتا دیتے ہیں۔

حکایت

حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ سے بعد وصال خواب میں سوال ہوا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: طلب رضائے الٰہی اور آرزو کی کمی۔

حکایت ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ورقا بن بشر رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ فرمایا: میں مشکل سے نجات پا گیا۔ میں نے پوچھا: آپ نے کون سا عمل افضل پایا؟ فرمایا: خشیتِ الٰہی سے رونا۔

حکایت ایک نوجوان لڑکی طاعون سے مر گئی اس کے والد نے اسے خواب میں دیکھ کر کہا: بیٹی! آخرت کا حال سنائیے۔ کہا: ابا جان! ہم ایک امرِ عظیم میں ہیں جانتے ہیں لیکن ہم عمل نہیں کر سکتے، تم عمل تو کرتے ہو لیکن جانتے نہیں ہو بخدا صرف ایک دو تسبیح (سبحان اللہ کہنا ایک یا دو بار) ایک رکعت یا دو رکعتیں میرے اعمال نامے میں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

اسی طرح کی حکایات بے شمار ہیں۔

کرامت بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی کی دیواروں سے ہی داخل ہو کر اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں یہ خرقِ عادت کے طور ہوتا ہے[1]۔

(تصرفاتِ اولیاءِ کرام ہمارے دور کے معتزلہ (وہابی نجدی، دیوبندی، مودودی) اولیاءِ کرام کے تصرفات کے نہ زندگی میں قائل ہیں نہ برزخی زندگی میں، اگرچہ زبان سے صرف کرامت حق کہہ دیتے ہیں، لیکن اگر کسی کامل ولی کا کوئی تصرف بیان کرو تو شرک کے فتوے سے رکتے نہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ صدیوں پہلے یہی عقیدہ لکھ گئے جو اس صدی میں ہمارا ہے، الحمد للہ علی ذٰلک۔ وہ لکھتے ہیں:)[2]

فاذا کان التدبیر بید الروح وھو — جب تدبیر روح کے ہاتھ میں ہے اور وہ

---

[1] ہمارے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد محکم الدین سیرانی اویسی حنفی رضی اللہ عنہ دہلی کی کسی مسجد میں دوگانہ پڑھ رہے تھے استاد و شاگرد مسئلہ معراج پر بحث کر رہے تھے شاگرد کو اشکال تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بجسدِ عنصری کس طرح آسمانوں کو چیر کر عرش پر پہنچے حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے نماز سے فراغت کے بعد شاگرد کا ہاتھ پکڑ اور مسجد کی دیوار پار کر کے واپس استاد کے سامنے کھڑا کر دیا، فرمایا: اس طرح تشریف لے گئے تھے۔ پھر واپس تشریف لائے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ذکرِ سیرانی" میں ہے۔ فقیر اسے عقلی دلیل سے عرض کرتا ہے کہ اولیاء کرام ریاضت و عبادت سے کثافت بشری سے ایسے لطیف ہو جاتے ہیں جیسے روح یا آنکھ کی بینائی۔ تو پھر لطیف اشیاء کو کثیف حائل نہیں ہوتیں جیسے عینک سے دیکھیں تو بینائی کو آنے جانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔
اویسی غفرلہٗ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

فی هذا الموطن فكذا اذا انتقل منه الى البرزخ بل هو بعد مفارقته البدن اشد تاثير و تدبيرا لان الجسد حجاب فی الجملة الا ترى ان الشمس اشد احراقا اذا لم يحجبها غمام او نحوه۔ (روح البیان ج ا ص ۳۱۶)	اس وطن دنیا میں ہے ایسے ہی جب دنیا سے رخصت ہوکر برزخ میں منتقل ہوتا ہے بلکہ وہ تو بدن سے جدائی کے بعد زیادہ تاثیر و تدبیر رکھتا ہے اس لیے کہ جسد حجاب ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ سورج جب بادل وغیرہ سے محجوب نہ ہو تو زیادہ گرم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی) یہ منصوب ہے جواب مضمر سے وہ ہے لتبعثن (مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے)۔

حلِ لغات الراجفۃ سے واقع ہونے والی مراد ہے کہ جس میں اجسام ساکنہ جیسے زمین و پہاڑ تھرتھرائیں گے یعنی سخت تر متحرک ہوں گے اور بہت زیادہ تھرتھرائیں گے اس دن کے ہول سے، یہ ہے نفخۂ اولیٰ فعل کا اسناد مجازاً جیسے فعل کا اسناد سبب کی طرف مجازاً ہوتا ہے اس لیے کہ نفخۂ اولیٰ کا عدوت ہی اجرام ساکنہ کے تھرتھرانے کا سبب ہے۔ الرجفان سے ہے یعنی تھرتھرانا۔ اسی لیے زلزلہ کو رجفہ کہا جاتا ہے کہ اس میں سخت تھرتھرانا اور کثرت القلب ہے۔ اس میں تنبیہ ہے تغیر سفلی تغیر علوی پر مقدم ہے، اگرچہ یہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی) واقع ہوئی پہلی کے وقوع کے بعد، یعنی اس کے بعد آئے گی۔ یہ نفخۂ ثانیہ ہے کیونکہ پہلے کے بعد ہوگا۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے ردفہ کسمعہ ونصرہ اس کے پیچھے لگا جیسے اردفہ وارد فتہ معہ میں نے اسے اس کے ساتھ سوار کیا (قاموس) یہ حال مقدرہ ہے الراجفۃ سے، وقوع کی صحت ثابت کرنے والا ہے بعث کی طرف ہے یعنی تم پہلے نفخہ سے اٹھائے جاؤ گے درانحالیکہ نفخۂ ثانیہ اس کے پیچھے آنے والا ہے اس سے پہلے نہیں کیونکہ وہ اس ممتد زمانہ کے لیے ہے جس میں دونوں نفخے واقع ہوں گے ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا (کشاف)

اب معنیٰ ہوگا کہ تم اٹھائے جاؤ گے اس واسع وقت میں جس میں دونوں نفخے واقع ہوں گے اور وہ اس کے بعض وقت میں اٹھائے جائیں گے یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت۔

سوال: الارشاد میں ہے کہ اس کا امتداد کیسا جبکہ وہ تو نفخۂ ثانیہ کے وقت اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

جواب: اس کا امتداد محض اس کی تہویل (ہولناکی) کی وجہ سے ہے یعنی وہ دن بڑا ہولناک ہے

کہ اس میں ایسے دو عظیم حادثے واقع ہوں گے کہ پہلے کے وقوع سے کوئی زندہ باقی نہ رہے گا سب کے سب مرجائیں گے۔ دوسرے کے وقوع سے تمام مُردے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

قُلُوبٌ (کتنے دل) مبتداء ہے اس کی تنکیر وصف محض کے قائم مقام ہے خواہ اسے تنویع پر محمول کیا جائے اگرچہ اس کے بالمقابل کوئی نوع مذکور نہیں اس لیے کہ معنیٰ اس کی خانہ پُری کر دیتا ہے یا یہ تنکیر تکثیر پر محمول کی جائے جیسے شراھر ذاناب ہیں اس لیے کہ تفخیم جیسے کیفیت میں ہوتی ہے کمیت میں بھی ہوتی ہے، گویا کہا گیا بہت سے دل یا گنہگار دل۔

تفسیر صوفیانہ جیسے تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلوب ان نفوس کے جو متمردہ اور سرکش اور حق سے نفرت کرنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَئِذٍ (اُس دن) جب دونوں نفخے واقع ہونگے وہ وَّاجِفَةٌ (دھڑکتے ہوں گے) کے متعلق ہے یعنی سخت اضطراب میں ہوں گے اپنے بُرے اعمال اور قبیح افعال کی وجہ سے، اس لیے کہ وجیف سے قلب کا شدید اضطراب مراد ہے اور اس کی پریشانی خوف وخطر سے۔

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ تمام قلوب نہیں دھڑکیں گے بلکہ کفار کے قلوب، اس لیے کہ اہلِ ایمان تو بےخوف ہوں گے۔

أَبْصَارُهَا (ان کی آنکھیں) جیسا کہ یقولون دلالت کرتا ہے، ورنہ قلوب کی کوئی آنکھیں نہیں، ہاں قلوب کی طرف ابصار کا اسناد اس لئے ہے کہ قلوب ہی خوف کا محل ہے اور وہ سب بھی انہی کی صفات سے۔ خَاشِعَةٌ (ذلیل ہوں گی خوف سے) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے رُوگردانی کرتے اور ما سوی اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے اس انتظار میں ہوں گے کہ نہ معلوم اب ان پر کیا مصیبتیں نازل ہوں گی خشوع کا اسناد ابصار کی طرف مجازاً ہے اس لیے کہ خشوع کا ظہور آنکھوں سے ہی ہوتا ہے يَقُولُونَ (کہتے ہیں) جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی کفار کہتے ہیں اب یعنی وہ جو بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کے منکر اور اس پر آیات ناطقہ کی تکذیب کرتے تھے جب انہیں کہا جاتا کہ بے شک مرنے کے بعد تم جی اُٹھو گے، تو انکار و تعجب کرکے کہتے ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ (کیا ہم پھر اُلٹے پاؤں پلٹیں گے) مرنے کے بعد پہلی حالت میں اس سے مرنے کے بعد زندہ ہونا مراد لیتے۔

حلِ لغات حافرۃ ان کے قول سے ہے رجع فلان فی حافرتہ (فلاں لوٹا اپنے اس طریقہ پر جس میں وہ آیا)، فحفرھا یعنی جس راستہ سے آیا اسی پر واپس گیا۔

سوال: اسے حافرۃ کیوں کہا گیا حالانکہ وُہ تو مذکورہ معنی پر محفورہ ہے حافر تو وہ ہے جو اس راستہ پر چل رہا ہے۔

جواب: یہ مجاز ہے عیشۃ راضیۃ کے قبیل سے ہے یعنی حافرۃ بمعنی منسوب الی الحفر، جیسے عیشۃ۔ وہ بھی منسوب الی الرضا۔ یا قابل کو فاعل سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کا دونوں سے تعلق ہے، تو مشابہت کی وجہ سے ثانی کا اوّل پر اطلاق کیا گیا ہے، جیسے کہتے ہیں، صام نہارہ۔ زمان فعل کو فاعل سے تشبیہ کی وجہ سے، اور مجاہد اور خلیل بن احمد نے فرمایا، حافرہ وہ زمین کہ جس میں قبور کھود دی جاتی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے:

زمین ہمارے اجسام کا گڑھا اور ہمارے سینوں کی قبر ہے۔

تفسیر عالمانہ

ءَاِذَا (کیا جب) اس کا عامل مضمر ہے جس پر مردودون دلالت کرتا ہے یعنی کیا جب **کُنَّا** (ہوجائیں گے) **عِظَامًا نَّخِرَۃً** (گلی ہڈیاں) پھر لوٹائے اور اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو زندہ ہونے کے لیے بہت دُور کی بات ہے یہ ان کا رد (مرنے کے بعد جی اٹھنے کا) اور اس کی نفی کی تاکید ہے یعنی انہیں انکار تھا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ایک ایسی حالت ہے جو بدن کی توڑ پھوڑ کے بعد صحیح ہو کر پھر زندہ ہوجانا ناممکن سا ہے ان کا گمان تھا کہ یہ توڑ پھوڑ جسمانی حقیقۃً انسان کے مٹنے کا نام ہے (جیسے وہابیہ نجدیہ اور ان کی ایک شاخ (غلام خانی دیوبندی فرقہ) کا خیال ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اگر ہم ان کی بات تسلیم کرلیں کہ انسان صرف اسی ہیکل مخصوص (ظاہری جسم) کا نام ہے تو بھی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ معدوم کا اعادہ ممتنع ہو، اس لیے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ ممکنات پر قادر ہے وہ جمیع اجزائے عنصریہ اور حیات کے اس کی طرف اعادے پر قادر ہے کیونکہ تمام اجزاء اس کے علم میں متمیز ہیں اگرچہ مخلوق کے علم میں غیر متمیز ہے جیسے پانی اور دودھ آپس میں مل جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ دودھ کہاں اور پانی کہاں، لیکن مخلوق کی عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے[1])

حل لغات

النخو بمعنی ہڈیوں کا گل جانا اور خشب بمعنی لکڑیوں کا گل جانا۔ عِظم (بکسر العین) بمعنی ہڈیاں۔ یعنی بلی واستر خاء (ہڈیوں اور لکڑیوں کا ایسی حالت میں ہوجانا کہ اگر انھیں ہاتھ وغیرہ لگ جائے تو ریزہ ریزہ ہو کر علیحدہ علیحدہ ہوجائیں) نخرۃ ناخرۃ سے ابلغ ہے کیونکہ وہ مبالغہ یا صفت مشبہ ہے جو ثبوت (دوام) پر دال ہے اسی لیے اکثر نے اسی کو اختیار کیا لیکن ناخرہ رؤس قریات

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

یہ لحاظ سے اشہر ہے۔ اسی لئے بعض نے اسی کو اختیار کیا۔ بعض نے کہا کہ نخرۃ، ناخرۃ کا غیر ہے اس لیے کہ نخرۃ کی ہڈیاں اور ناخرۃ وہ ہڈیاں جو فارغ اور کھوکھلی ہوں جن سے ہوا کے جھونکوں سے آواز سنائی دے، یہ نخیر، النائم والمجنون سے ہے (نیند والے اور مجنون کے خراٹے) نہ کہ النخر بمعنی البلی سے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ النخر ناک کی آواز اور ناک کے جس سوراخ سے آواز نکلے اسے منخران کہا جاتا ہے یعنی ناک کے دو سوراخ۔

قَالُوْا (بولے) ماضی کا صیغہ اس لیے ہے کہ ان کے اس کفر کا صدور بطریق استمرار نہیں سابق کفر کی طرح کہ جسے مضارع سے تعبیر کیا گیا (کہ اس میں استمرار تھا) یعنی استہزاء کے طور پر بولے تِلْكَ (لوٹنا) اور الٹے پاؤں پلٹنا۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ان کے اعتقاد سے اس کا وقوع نہایت بعید تھا اِذًا (اس وقت) اور اس تقریر پر كَرَّةٌ (لوٹنا) رجوع الکرۃ بمعنی رجوع کیا ایک بار، اس کی جمع کرات ہے — خَاسِرَةٌ (گھاٹے کا سودا ہے) صاحب خسارہ ہے اسم فاعل کی نسبت کہ ارادہ پر یا وہ لوگ خسارہ والے ہیں بطریق اسناد مجازی کے، یعنی فعل کا اسناد اس طرف جو اسے وجود میں مقارن ہے جیسے تجارۃ رابحۃ (نفع کی تجارت والے) الربح تجارۃ کا نفع کا فعل تجارۃ بمعنی عقد المبادلہ، نفع اور تجارت وجود میں متقارن ہیں ورنہ وہ تو خسارہ والے تھے ہی۔ الکرۃ اس میں لوٹنا خسارہ ہی خسارہ ہے یعنی اگر لوٹنا ہوا تو ہم اس وقت گھاٹے میں ہوں گے کیونکہ ہم تو اس کی تکذیب کرتے ہیں اس معنی کا فائدہ اذا سے حاصل ہوا اس لیے کہ یہ صرف جواب و جزاء کا ہے عند الجمہور۔ اور اسے استہزاء پر اس لیے محمول کیا گیا ہے کہ انہوں نے قطعی طور پر اس کی نفی کی اور مشکوک محتمل الوقوع کی صورت میں اسے محال سمجھا۔ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ (تو وہ نہیں مگر ایک جھڑکی) یہ ان کے انکار کی گفتگو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور مقدر کی تعلیل ہے، یعنی اسے کافرو! پلٹنا مشکل امر نہ سمجھو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے معمولی امر ہے کیونکہ یہ تو محض ایک آواز ہے یعنی وہ ایک آواز سے حاصل ہو جائے گی اس میں دوبارہ آواز کی ضرورت ہی نہیں ہو گی جسے وہ سنیں گے حالانکہ وہ ابھی زمین کے پیٹ (قبور) میں ہوں گے۔ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے لوگوں کے صور میں ایک ہی پھونکا ہو گا تاکہ ان کا تمام اٹھ کھڑا ہو۔ کرۃ کو زجرہ سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ وہ دونوں ایسے متصل ہیں گویا ایک دوسرے کے عین ہیں۔ کہا جاتا ہے زجر البعیر (اس کے اونٹ کو جھڑکا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس پر زیادہ زبر کریں فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (تبھی وہ کھلے میدان میں آ پڑے ہوں گے) تمام مخلوق کا میدان میں آ پڑنا اچانک ہو گا اس میں پلٹنے کے فوراً بعد میدانِ حشر میں حاضری کا بیان ہے یعنی وہ پلٹنا جسے زجرہ سے تعبیر کیا گیا ہے اذا مفاجاتیہ ہے

فائدہ دیتا ہے کہ جس کا انہیں انکار تھا وُہ اچانک اور نہایت تیزی سے ہوگا۔

حلِ لغات الساھرۃ چٹیل اور ہموار زمین، اسے ساہرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سَراب (چمکتا ریت) کا اجرا ایسے میدان پر ہوتا ہے، اہلِ عرب کہتے ہیں: عین ساہرہ (چشمہ جاری پانی والا) اس کی نقیض نائمہ (چشمہ پانی نہ بہنے والا) ہے بیاض الارض (زمین کی سفیدی) اس کو پانی اور گھاس سے خالی ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے جریان السراب (چمکتے ریت کا بہنا) سے تشبیہ دے کر ریت کے بہنے کو پانی کے بہنے سے تشبیہ دی ہے، اسی لیے اسے ساہرہ کہا گیا یا اس لیے کہ اس پر چلنے والا ہلاکت کے خوف سے اس میں نہیں سوتا، اسی وجہ سے تشبیہ ہے: سہر ہجوں فرح (وُہ رات کو نہیں سویا) یا اس سے جہنم مراد ہے کہ اس میں جہنمی نہیں سوتے۔ یا یہ کہ اس کا سین صاد کا مقلوب ہے صَدَرَتْہُ الشمس (اسے سورج نے جلایا) سے ہے۔ اور امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی اصل حقیقت وہ زمین ہے جو بار بار روندی جائے، تو گویا وہ اس روندنے سے ویران و بیکار ہے۔

ساھرۃ کی تفاسیر (۱) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: الساھرۃ وہ چاندی کی زمین جس سے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، لہذا اسے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت پیدا کرنا ہے۔

(۲) حضرت ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: شام کی زمین ساہرہ ہے۔

(۳) حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: بیت المقدس کا پہاڑ ساہرہ ہے۔

(۴) بعض نے کہا کہ ساہرہ ایک زمین کا نام ہے جو بیت المقدس کے نزدیک جبلِ اریحا کے نواح میں ہے وہاں حشر بپا ہوگا اس وقت اسے اللہ تعالیٰ فراخ فرما دے گا جتنی ضرورت ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے:
بیت المقدس ارض المحشر والنشر ہے۔

ف: حضرت مولانا فناری تفسیر الفاتحہ میں لکھتے ہیں کہ لوگ جب قبور سے اٹھیں گے اور اللہ تعالےٰ ارادہ فرمائے گا کہ اس زمین کو بدل دے جو اس کی غیر ہو تو زمین اللہ تعالیٰ کے اذن سے دراز ہو جائیگی اور محشر اسی پر ہوگا تو مخلوق اسی پر جمع ہوگی جسے اللہ تعالیٰ نے تبدیل کر دیا ہوگا جیسے وُہ چاہے گا یا اس کی صورت بدل دے گا۔ یا اس کے سوا کوئی اور ہوگی۔ اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے۔ اسے اللہ ایسے دراز فرمائیگا جیسے کو دراز کیا جاتا ہے اور وہ وسیع ہوتی جائے گی۔ اس کے اکیس اجزاء کو اکانوے اجزاء تک بڑھا دیا جائیگا یہاں تک کہ نہ اس میں ٹیڑھا پن ہوگا اور نہ اونچ نیچ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَۃِ یعنی ارض الحیاۃ ظاہر ہوگی جیسے وہ اس سے پہلے ممات کی زمین کے پیٹ میں تھے۔

تفسیر عالمانہ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (کیا تمہیں موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر نہیں آئی) یہ جملہ مستانفہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے آپ کی قوم کی تکذیب سے کہ انھیں بھی تکالیف پہنچتی رہیں حالانکہ وہ آپ کی قوم سے زیادہ قوی اور بڑے عظیم القدر (دنیوی) تھے یعنی فرعون وغیرہ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے پاس آیا وہ جو اس سے عبرت حاصل کی جائے یا وہ جو ان کی بات آپ کے پاس آئی ہے اس میں ترغیب ہے اس کے سننے کی اور اس کی طلب میں برانگیختہ کرتا ہے گویا کہا گیا: کیا تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام کی بات آئی ہے جو آپ سے پہلے گزرے ہیں یا میں آپ کو اس کی خبر دوں، جیسے حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر دینا ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی اپنے دوست کو کہتا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ شہر والوں پر کیا گزری حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اسے اس شہر کے حالات سے بے خبری ہے اور اللہ تعالیٰ نے (بلا تمثیل ایسے فرمایا تاکہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے، اگر یہ تقریر ہو کہ آپ کو اس کی پہلے خبر ہے جیسا کہ قصہ کے ایجاز (اختصار) سے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے تو یہ استفہام تقریری ہے کہ اسے اقرار پر محمول کیا جائے کہ اسے آپ اس سے قبل جانتے ہیں۔

تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ایسے نہیں کہ تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے حالات معلوم ہیں تو پھر آپ اپنے دل کو تسلی دیجئے قوم کی تکذیب سے، اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعدو وعید کے حالات سنا کر انہیں تسلی دیجئے جیسے وُہ صبر کرتے تھے تم بھی صبر کرو پھر جیسے وُہ فرعون اور اس کی قوم پر غالب ہوئے تم بھی اہل مکہ پر غلبہ پاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ تمہیں ابھی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی خبر پہنچے گی گویا اس سے قبل آپ موسیٰ علیہ السلام کی خبر نہ رکھتے تھے اور نہ ہی (تفصیلی حالات) آپ کے پاس پہنچے تھے ورنہ آپ کفار کے انکار بر بعث اور ان کے استہزاء سے محزون نہ ہوتے بلکہ اس سے تسلی پاتے۔ اس تقریر پر ھل بمعنی قد کے ہے جو حکم کو حال کے قریب کرتا ہے اور اس سے پہلے ہمزہ استفہامیہ محذوف ہے اور یہ تقریر کے لیے ہے اور زائد اس لیے کہا گیا تاکہ تسلّی ہو کیونکہ یہی اِس معنی پر زیادہ ظاہر ہے نہ اس لیے کہ یہ نظم (عبارت) میں مقدر ہے۔

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ (جب اس کے رب نے اسے ندا دی) حدیث کی ظرف ہے۔

حلِ لغات المناداۃ والنداء (پکارنا) القاموس میں ہے النداء بمعنی الصوت (آواز) اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تمہارے ہاں موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی جس وقت انھیں اس کے رب نے ندا دی کیونکہ اس سے اس کی خبر حادث مراد ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک زمانہ ہو جس میں وہ حادث ہو یہ اتیان کی ظرف نہیں کیونکہ اتیان اور نداء کا وقت علیحدہ علیحدہ ہے اس لیے اتیان نداء کے وقت نہیں ہوا تھا یا یہ اذکر مقدر کا مفعول ہے اسی لیے موسیٰ پر سجاوندی علیہ الرحمۃ نے علامتِ وقف لازم فرمائی ہے۔ اور فرمایا اگر وصل ہو تو اذ اتیان الحدیث کی ظرف ہوگی اور وہ محال ہے شاید وہ حدیث (لفظ) کے عامل ہونے کی طرف متوجہ نہ ہو سکے یا اس لیے کہ حدیث (لفظ) بمعنی خبر (اسم) ہے لیکن اس سے زیادہ قوی عامل پہلے موجود ہے بہرحال ابہام سے خالی نہیں بہرحال مُوسیٰ[1] پر وقف کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ (لبعض التفاسیر)

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ (پاک جنگل میں) مبارک مطہر جس کی اللہ تعالیٰ نے تطہیر فرمائی اس سے جو اس کے لائق نہیں گفتگو کرنے کے وقت، یا اس لیے مقدس کہا کہ ارض مقدسہ مطہرہ از شرک وغیرہ کے حدود میں ہے دراصل وادی اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس پر پانی بہتا ہو، اسی لیے دو جبلوں کے درمیانی راستہ کو وادی کہا جاتا ہے، اس کی جگہ اودیہ ہے استعارۃً طریقہ کو کہا جاتا ہے یعنی مذہب و اسلوب کے لیے، مثلاً کہتے ہیں:

فلان فی واد غیر وادیک۔ فلاں تیرے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب و اسلوب پر ہے۔

طُوًی (طویٰ میں) بضم الطاء والتنوین مکان سے تاویل کر یا بغیر تنوین کے بقعۃ (مطلق جگہ) کی تاویل سے فراء نے کہا: میرے نزدیک اس کا منصرف ہونا احب ہے کیونکہ مجھے معدول (طویٰ) کی کوئی نظیر نہیں ملی، یعنی اس طویٰ (وادی) میں کوئی اسم نہیں ملا کہ جو اس سے یہ عدول کر کے آیا ہو، وہ ایک وادی ہے جو مدینہ طیبہ اور مصر کے درمیان میں واقع ہے۔ اس معنی پر وادِ کا عطف بیان ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طویٰ مجرد عالم ارواح ہے اس لیے کہ وہ مواد (کثرت) کے تعلق سے مقدس ہے اس کا طویٰ نام اس لیے ہے کہ اس نے تمام موجودات اجسام و نفوس کو لپیٹ کر اپنے تحت رکھا ہُوا تھا اور وہ سب اس کے قبضہ و قہر میں تھے

---

[1] آیت کے اختتام پر ہے مُوسیٰ ۝ اویسی غفرلہٗ

دراصل یہ عالم الصفات ہے اور مقام مکالمہ ہے صفات کی تجلّیات کا، اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے اس وادی میں ندا دی اس عالم کی نہایت وُہ افقِ اعلیٰ ہے جہاں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا تھا۔

تفسیر عالمانہ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ (فرعون کے پاس جاؤ) یہاں قول محذوف ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ اِنَّهٗ طَغٰى (اس نے سر اٹھایا) امر کی تعلیل یا اس لیے کہ اس کی تعمیل ضروری ہے۔

حلِ لغات طغیٰ، الطغیان سے ہے بمعنی حد سے متجاوز ہونا یعنی اس نے اپنے خالق کے آگے سر اٹھایا یعنی کفر کیا اور مخلوق پر سر اٹھایا کہ ان پر تکبّر کیا اور انھیں عبد بنایا تو جیسے عبودیت میں کمال صدق مع الحق اور حسن الخلق مع الخلق کے بغیر نہیں ہوسکتا، ایسے ہی طغیان میں کمال یہی ہے کہ خالق و مخلوق دونوں سے بُرا معاملہ ہو۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وُہ اپنی انانیت سے ظاہر ہُوا اس لیے کہ فرعون نفس قوی رکھتا تھا حکیم (دانشور) اور وادیٔ افعال میں چلنا خوب جانتا تھا اس نے صفات کے تمام جنگلات طے کر لیے تھے اور اپنی انانیت کی وجہ سے محجوب ہوگیا اور صفاتِ ربوبیت سے منسوب تھا لیکن اس نے انہیں اپنی طرف منسوب کرلیا، اپنی فرعونیت اور جبروتیت اور طغیان کی وجہ سے ان لوگوں سے ہوگیا جن کے متعلق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شریر ترین وہ لوگ ہیں جن پر جیتے جی قیامت قائم ہوجائے وہ جو توحید الصفات کے بجائے نفس میں نفس اور اس کی خواہشات کو قائم کردے اور جملہ حجابات میں سے یہی بڑھ کر حجاب ہے۔

تفسیر عالمانہ فَقُلْ هَلْ لَّكَ (اس سے کہہ کیا تجھے رغبت و توجہ ہے) اِلٰٓى (اس طرف) اَنْ تَزَكّٰى (کہ تُو ستھرا ہو) ایک تا حذف کرکے کہ دراصل تتزکّی تھا بمعنی تتطہر پاک ہو کفر و طغیان کی غبار اور کدورت بشریہ و قاذورات (گندگیاں) طبعیۃ کی میل کچیل سے۔ لک بتدار محذوف کی خبر ہے الی ان اسی کے مبتدا مضمر کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا ھل لک، اجذبک وادعوک سے مجاز ہے (میں تجھے جذبہ دلاتا اور دعوت دیتا ہوں) اس کا قرینہ یہی قرب و مجاورت والا مضمون ہے وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ (اور میں تجھے رب تعالیٰ کی طرف راہ بتاؤں) اور معرفۃ کا راستہ بتاؤں تو تو اس کا عرفان حاصل کرے، اس میں اشارہ ہے کہ عبارت میں مضاف مضمر ہے تزکیہ کی تقدیم تقدیم التخلیہ علی التحلیہ کے قبیل سے ہے (پہلے صفائی پھر سنگار) فَتَخْشٰى (کہ تُو ڈرے)

کیونکہ خشیت معرفت کے بعد حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ بیشک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے علماء ڈرتے ہیں۔

علم و لاعلمی بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا لن افعل (فرعون ماننے والا نہیں) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی جب وہ نہیں مانے گا تو میرا اس کے پاس جانے کا کیا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم جاؤ ضرور جیسا کہ تمہیں حکم ہے (اس کی حکمت میں جانتا ہوں) آسمان میں بارہ ہزار ملائکہ علم القدر کے طالب ہیں لیکن اسے حاصل نہیں کر سکے۔

نکتہ: ہدایت کی غایت خشیت اس لیے ہے کہ خشیت جملہ امور کی اصل ہے، اسی سے ہر خیر آتی ہے۔ جو بیخوف ہے وہی برائی پر جرأت کرتا ہے۔

حدیث شریف: جو خائف ہوتا ہے وہ اول شب کو چل پڑتا ہے تو وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: ادلج القوم (قوم اول رات کو چلی) جب آخر شب کو چلیں تو کہا جاتا ہے ادلجوا (بالتشدید)۔

ف: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ فرعون کے ساتھ استفہام کے لہجہ میں بات کریں کیونکہ اس طرح سے اس پر تلطف فی القول (نرم لہجہ میں گفتگو) اور خاطر و مدارات اثر کرے گا۔ اس کی سرکشی کی بنا پر یہی اس کا تقاضا ہے یہ اجمال ہے اس کی تفصیل دوسرے مقام پر فرمائی، فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی (اس سے نرم لہجہ سے گفتگو کرو ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے) یا اس لیے کہ یہ موقعہ صرف دعوتِ توحید پیش کرنے کا تھا نہ کہ امر صریح کا۔ نیز اس میں تزکی کے متعلقات جیسے شرک، جہل، کفران کا ذکر بھی نہیں۔ ہاں بعض تفصیل پر مضمون کے اشتمال کی وجہ ظاہر ہے۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى پھر اسے موسیٰ علیہ السلام نے بہت بڑی نشانی دکھائی) فار فصیحیہ ہے خبر دیتی ہے ان جملوں کی جو دوسری صورتوں میں مفصل مذکور ہیں جس میں تفصیل بتائی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئیں یہاں تک کہ فرعون نے کہہ ڈالا لائیے جو تم لائے ہو یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو امرِ الٰہی سنایا اور توحید و طاعت کی دعوت دی تو فرعون نے آپ سے معجزہ طلب کیا جو آپ کی دعوت کے صدق پر دلالت کرے۔

حلِ لغات اراءۃ تبصیر و تعریف سے ہے اس لیے کہ اس لعین (فرعون) نے جب معجزہ دیکھا اور اسے پہچانا تو کہا یہ تو سحر (جادو) ہے۔

ف : دکھانے کی بات موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے، ان کی جرأت کا اظہار ہے اور ان کی طرف منسوب کرنا بوجہ ظاہر کے ہے جیسے اس کی نسبت اپنی طرف نون عظمت سے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ولقد اریناہ اٰیاتنا (بے شک ہم نے اسے اپنی آیات دکھائیں)

تو مبنی برحقیقت ہے۔

ف : آیۃ کبریٰ سے ڈنڈے کا سانپ مراد ہے اور آیۃ صغریٰ سے اس کے سوا دیگر معجزے مراد ہیں۔ وہ اس لیے کہ ڈنڈے کا سانپ بن جانا تمام معجزات سے پہلے دکھایا گیا، اسی لیے لائق ہے کہ اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ فاء تعقیب کا تقاضا ہے۔

فَكَذَّبَ (اس پر اس نے جھٹلایا) فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اور آپ کے معجزے کو جادو کہا معجزے کو دیکھ کر بلا سوچے سمجھے، اور عقل ناصح اور قلب کی شہادت لیے بغیر کہہ دیا محض تکبر و تمرد کی بناء پر۔

وَعَصٰى (اور نافرمانی کی) اللہ تعالیٰ کی سرکشی سے بعد معلوم کرنے صحت امر و وجوب طاعت سخت اور قبیح ترین نافرمانی کہ سرے سے رب العالمین کے وجود کے انکار پر جرأت کی۔ عطف سے معلوم ہوا کہ ارادۃ الکبریٰ پر وہ تکذیب مترتب ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ یعنی تکذیب لسانی باوجودیکہ اسے حق کا جزم (یقین) حاصل ہوا۔ وہ یہ کہ اسے یقین تھا کہ جس کی تصدیق واجب ہو اس کی تصدیق نہ کرنا تکذیب ہے اور یہی نافرمانی ہے ورنہ جس کی تصدیق واجب نہیں اس کی تکذیب نافرمانی نہیں۔

ف : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنیٰ ہو کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اس امر میں جس کا وہ مامور تھا لیکن اس کی مذمت اور تقبیح حال ہیں، پہلا معنی زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ وہ ملعون اور اس کی قوم اس کے مامور تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور وہ (فرعون) ربوبیت کا دعویٰ ترک کر دے نہ کہ صرف بنی اسرائیل کو قید و بند اور ان کو صعوبتوں کا چھوڑ دینا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو صرف آیۃ دکھائی، اگر آپ اسے انوار الصفات فی الآیات دکھاتے تو نہ وہ (فرعون) کفر کرتا اور نہ ربوبیت کا دعویٰ کرتا کیونکہ وہ مقامِ محبت و عشق و اذعان ہے اس لیے کہ رؤیۃ الصفات تواضع کی مقتضی ہیں اور رؤیۃ الذات جنگ کی لیکن چونکہ اس کے ساتھ نور صفۃ کے شہود کا نصیب نہ تھا اسی لیے وہ ان کے رؤیۃ کے وقت حظِ محبت نہ پا سکا۔ اسی لیے اس سے انقیاد (فرمانبرداری) و اذغان (یقین) نہ ہو سکا اسی لیے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فکذّب وعصٰی۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اَدْبَرَ (پھر پیٹھ دی) روگردانی کی طاعت سے۔ کلمہ ثمّ اس معنیٰ کا مقتضی ہے کیونکہ اس کا معنی تراخی زمانی کے لیے ہے اور اس کی ابطال الامر میں سعی مہلت کی مقتضی ہے یا اس سے اس کا مجلس سے انصراف (پھرنا) مراد ہے۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا ادبر بمعنی اعرض (روگردانی کی) وولّی دبرہ (اور اس نے پیٹھ پھیری) ہے۔

یَسْعٰی (اپنی کوشش میں لگا) سرکشی وعناد سے نہ کہ اعتقاد سے، معارضۂ آیت میں کوشش کرنے لگا کہ ممکن ہے اس کا معارضہ ہو جائے۔ یہ باطل سے طفل تسلی ہے مجلس سے دفع دقتی کے طور۔ یہ ادبر کے فاعل سے حال ہے بمعنی مسرعا مجتہدا (جلدی سے کوشش میں لگ گیا)

ف: کشاف میں ہے کہ جب فرعون نے اژدہا کو دیکھا تو مرعوب ہوکر جلدی سے بھاگا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فرعون طیش بھرا آدمی تھا۔

فَحَشَرَ (تو لوگوں (جادوگروں) کو جمع کیا) جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

فارسل فرعون فی المدائن حاشرین۔ فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجا۔

اور فرمایا:

فتولّی فرعون فجمع کیدہ۔ تو فرعون نے پیٹھ پھیر کر اپنے مکر کو جمع کیا۔

یعنی وہ جو جس سے تدبیرِ مکر کی جاسکے یعنی جادوگروں کو اور ان کے آلات کو، اور یہ بھی جائز ہے کہ اس نے تمام لوگوں کو جمع کیا۔

فَنَادٰی (پھر پکارا) خود اسی جگہ پر جہاں اس کے ساتھ جمع ہوئے، یا منادی کے ذریعے پکارا **فَقَالَ** (پھر کہا) اپنی حکومت وسلطنت کے بل بوتے پر بولا **اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی** (میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں) کہ میرے اوپر اور کوئی رب نہیں یعنی میں ان سب سے اونچا ہوں جو امورِ سلطنت کے والی ہیں اور اعلیٰ افعل التفضیل کا صیغہ بہ نسبت ان کے ہے جو اس کے ماتحت امراء وملوک تھے۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اصنام جو میری صورت پر ہیں وہ تمام خدا (رب) ہیں لیکن میں سب سے برتر ہوں۔

نکتہ: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

انک انت الاعلیٰ (بے شک تو ہی (اے موسیٰ) اعلیٰ ہے)

کیونکہ تیرا فرعون کے جادوگروں پر غلبہ ہے تو گویا فرعون پر غلبہ ہے۔

ف : فرعون کا اس دعویٰ سے یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں اور انگوریوں کا خالق ہے کیونکہ اس کے فساد میں بدیہی امر ہے۔ اور جو اس میں شک کرے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں تو وہ مجنون (پاگل) ہے۔ اگر فرعون پاگل ہوتا تو اس کی طرف رسول (علیہ السلام) نہ بھیجا جاتا بلکہ وہ ایک دہریہ (کمیونسٹ) صانع و حشر و نشر کا منکر تھا۔

فرعون کا دعویٰ

فرعون اپنی قوم سے کہتا تھا کہ عالم کا کوئی معبود نہیں کہ جو تمہارے امر و نہی ہو یا وہ تمہارے پاس رسول بھیجے یا وہ تمہارا مربی و محسن ہو۔ اور سرتاپا میں موجود، میرے سوا اور کوئی نہیں۔

ف : جنید نے کہا کہ جب فرعون نے دیکھا کہ ڈنڈا سانپ بن گیا ہے اور یہ اعلیٰ معجزہ ہے، اس سے اسے اپنے عجز و ذلت کا یقین ہو گیا تو اسے لائق نہ تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا۔ ہاں اس وقت اس کا حال پاگلوں جیسا ہو گیا تھا، اسے خود خبر نہ رہی کہ وہ کیا بک رہا ہے۔

ابلیس کا دعویٰ

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لطائف (کتاب) میں ہے کہ جب ابلیس نے فرعون کا دعویٰ سنا تو کہا : مجھے ایسے دعویٰ کی طاقت نہیں۔ میں نے تو آدم (علیہ السلام) کو دیکھ کر صرف انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کہا تھا تو اتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں اور فرعون نے اتنا بڑا دعویٰ (انا ربکم الاعلیٰ) کیا ہے نہ جانے معلوم اس پر کیا گزرے گی۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ مخلوق (جملہ خلائق) میں اتنا بڑا دعویٰ کسی نے نہیں کیا جیسے انسان (فرعون وغیرہ) نے ربوبیت کا دعویٰ کیا (انا ربکم الاعلیٰ کہہ دیا) ابلیس جیسے بڑے خبیث نے بھی اس سے بیزاری ظاہر کی اور کہا میں ایسے دعوے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں اس مرتبہ کا ہرگز نہیں۔ میرا ایک ہی گناہ کافی ہے۔

ف : شیطان صرف جلال ہے اور ملک (فرشتہ) جمال محض ہے۔ لیکن انسان دونوں ہاتھوں (جلال و جمال) سے پیدا شدہ ہے۔

فرعون و منصور رحمہ اللہ کا فرق

حضرت شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ایک دفعہ میرا خیال ہوا کہ میں حضرت حسین منصور حلاج کی زیارت کروں۔ مراقبہ کیا تو ان کی روح کو علیین کے عالی مقام میں پایا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی : یا الٰہ العالمین ! یہ کیا قصہ ہے کہ فرعون انا ربکم الاعلیٰ کہے اور منصور انا الحق کہے، دعویٰ دونوں کا ایک سا ہے لیکن حسین (منصور) کی روح علیین میں اور فرعون کی روح سجین میں، ایسا کیوں ہے : جواب ملا کہ فرعون

خود بینی سے مارا گیا، دیکھا تو خود کو دیکھا اور مجھے اس نے بھلا دیا اور حسین (منصور) نے فقط مجھے دیکھا اور خود کو بھلا دیا۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

۱ گفت فرعونے انا الحق گشت پست
گفت منصورے انا الحق و برست

۲ آں انا را لعنت اللہ در عقب
و ایں انا را رحمت اللہ اے محب

۳ زانکہ او سیسہ سنگ بود اے عقیق
آں عدوے نور بود و ایں عشیق

۴ ایں انا ھُو بود در سرائے فضول
نہ از رائے اتحاد و از حلول

ترجمہ: (۱) فرعون نے انا الحق کہا تو ذلیل ہوا، منصور نے انا الحق کہا تو نجات پائی۔
(۲) فرعون کی انا سے لعنت اس کے گلے کا ہار بنی، منصور کو انا سے رحمتِ الٰہی نصیب ہوئی۔
(۳) اس لیے کہ فرعون پتھر تھا اور منصور عقیق، فرعون نور کا دشمن تھا منصور عاشق تھا۔
(۴) منصور کا انا ھو تھا سرائے فضول (دُنیا) میں اتحاد و حلول سے نہ تھا۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ ابلیس نے ربوبیت کا کبھی دعوٰی نہ کیا لیکن طوقِ لعنت پہنا، فرعون کے ربوبیت کے دعوٰی کے باوجود اسے ملعون نہیں کہا گیا (اگرچہ ملعون ہے) یعنی ابلیس کی طرح مخصوص اور معیّن کرکے لعنتی نہیں کہا گیا۔

جواب: (۱) ابلیس کی نیت فرعون کی نیت سے بدتر تھی۔

(۲) بعض نے کہا قولاً و فعلاً و قصداً سب سے پہلے مخالفت کی بنیاد ابلیس نے رکھی باقی مخلوق اس مخالفت میں اس کی تابع ہے۔ اور فرعون کا دعوٰی ربوبیت کا تھا۔ جو بھی بغاوت کرتا ہے ان سب کے دل میں وسوسہ ڈالنے والا ابلیس ہے اور مخالفتِ ربّانی میں ان سب کا پیشرو اور مقتدا ہے۔

(۳) ابلیس خود براہِ راست اللہ تعالیٰ کا بالمقابل ہوا اور دوسرے لوگ انبیاء کے بالمقابل ہو کر بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اُترے۔

(۴) یہ لوگ کبھی اپنی غلطی پر زاری اور کبھی اپنے گناہوں کا مخلوق کے ہاں اعتراف کر لیتے ہیں بخلاف ابلیس کے کہ وہ اتنا ڈھیٹ ہے کہ اس نے کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا، نہ کبھی اس نے عجز و نیاز اور زاری و انکساری کی۔

(۵) یہی کفر کی بنیاد رکھنے والا ہے تو اس کے بعد والوں کے گناہ بھی اس کے سر ہو رہے ہیں۔ تا قیامت جتنا فسق و فجور ہوگا پہلے اس کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔

(۶) ابلیس بلاواسطہ ذاتی طور پر مظہرِ ضلالۃ و غوایۃ (گمراہی) ہے۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ نے اس سبب مذکور سے اسے پکڑا نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى دنیا و آخرت کے عذاب میں۔

حلِ لغات النکال بمعنی التنکیل جیسے السلام بمعنی التسلیم۔ یعنی عذاب کرنا۔ یعنی وہ جو اسے دیکھے یا سنے یا عمل میں لائے، وہ جو اسے عذاب میں مبتلا کر دے۔ یہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ مصدر مؤکد ہے جیسے وَعْدَ اللّٰهِ اور صِبْغَةَ اللّٰهِ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نکل اللہ بہ نکال الآخرۃ والاولی۔ یعنی آخرت میں دوزخ میں جلانا اور دنیا میں دریا میں ڈبونا۔ اور اخذ معنیٰ مجازی میں ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی گرفت عام ہے ورنہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئیگا اس لیے دنیوی گرفت میں اس کا حقیقی معنی ہے اور آخرت کی گرفت میں مجازی۔ یہ معنیٰ عام اس لیے کیا گیا کہ آخرت کا عذاب بھی وقوع میں متحقق ہے اور نکال کی دنیا و آخرت کی طرف اضافت بھی باعتبار وقوع نفس الاخذ کے ہے، نہ اس لیے کہ اس میں کہ منع کا معنی دونوں میں ہے بلکہ اس لیے کہ یہ آخرت میں تو اس کا تصور نہیں ہاں دنیا میں ہے اس لیے کہ اخرویہ عقوبت کو دیکھا نہیں لیکن سننے سے اس کے عذاب سے اس سے رک جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات قاشانیہ میں ہے کہ حق نے ردائے کبریائی میں ظہور انانیت کی شدت کے ساتھ منازعت فرمائی تو بالمقابل کو حق نے قہر و جبر سے ملعون کرکے دوزخ میں پھینکا اور اس کی توڑ پھوڑ کر دی اس قہر کا ذکر ہے فاخذہ اللہ الخ میں۔

اور حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا چونکہ فرعون اپنے دعوے میں صادق نہ تھا اسی لیے دنیا و آخرت میں رسوا ہوا ایسے ہی اس کا حشر ہوگا جو مقامات عالیہ کے دعاوی تو کرتا ہے لیکن ہے خالی ہاتھ۔

حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے لمبے چوڑے دعاوی کروائے لیکن اسے حقائق سے خالی رکھا۔

حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا جو کسی اعلیٰ مرتبہ کے لباس میں خود کو دکھاتا ہے وہ لباس اس کا عذاب بنے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے قصہ میں بیان فرمایا کہ جب اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو اسے اللہ نے دنیا و آخرت کے عذاب میں پکڑا، اللہ تعالیٰ نے اس کے ہر دعویٰ کو بلکہ خود اسے بھی جھوٹا کہا۔

فرعون کے چار سو سال الوسیط میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ! تُو نے فرعون کو چار سو سال کی مہلت دی اور وہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعوی کرتا اور تیری آیات کو جھٹلاتا اور تیرے رسولوں (علیہم السلام) کو مشقت میں ڈالتا جارہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی فرمایا: اے موسیٰ (علیہ السلام)! وہ میری مخلوق کے ساتھ حسنِ خلق اور نرمی سے پیش آتا ہے اسی لیے دُنیا میں اُسے اس کا بدلہ دے رہا ہوں۔

ف: ہر کافر کی سرخیلی کا یہی حال ہے، بہرحال مؤمن کی نیکی کا ثواب آخرت میں بہت زیادہ ہوگا۔

فرعون کافر مرا آیت دلالت کرتی ہے کہ فرعون کافر ہو کر مرا۔ فتوحاتِ مکیہ شریف میں ہے:

فرعون و نمرود مؤبد ان فی النار (فرعون و نمرود ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے)[1]

ازالۂ وہم وہ اقوال جو اس تصریح کے برعکس شیخ اکبر قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہیں وہ محض بطور مباحثہ مذکور ہیں بطور فیصلہ و نظریہ نہیں۔ مباحثہ و نظریہ (عقیدہ) اور تصریح اور ظنیات میں فرق ہے لیکن افسوس جاہل صوفیوں اور پائل نجدیوں وہابیوں نے شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تصریح سے آنکھ چرا کر مباحثات کی عبارات لے لیتے ہیں۔

سبق: (صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس مقام پہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے حق میں ادب کا سبق دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں:)

فصن لسانہ عن لاطالۃ فانہ من اشد ضلالۃ۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۲۳)

طوالت کرنے سے زبان کو روک، اس لیے کہ یہ سخت ترین گمراہی ہے۔

(مولوی اشرف علی تھانوی نے امام شعرانی قدس سرہٗ کی تحقیق کی چوری کر کے ثابت کیا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ تمام اتہامات و بہتانات سے بری ہے مستقل تصنیف صرف اسی موضوع پر ہے بنام التنبیہ الطربی۔ امام شعرانی قدس سرہٗ کی کتاب کا ایک باب ہے "الجواھر والیواقیت" میں۔ فقیر اویسی پ ۱۱ میں تفصیل لکھ آیا ہے اور علیحدہ تصنیف بھی لکھی ہے الورد الاعلیٰ فی آراء الشیخ الاکبر)

صاحب روح البیان کی تحقیق دربارہ فرعون: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ)

---

[1] اس تصریح سے وہ جاہل صوفی عبرت حاصل کریں جو سیدنا محی الدین شیخ اکبر پر بہتان لگاتے ہیں کہ ان کے نزدیک فرعون مؤمن ہے اور وہ بہشت میں جائیگا، اور نجدی وہابی بھی شیخ مکرم کو اس پر مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

کہتا ہے کہ فرعون سے دو کلمے صادر ہوئے :

(۱) انا ربکم الاعلیٰ

(۲) ماعلمت لکم من الٰہ غیری ۔

ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ بعض کے نزدیک چالیس سال ہے بظاہر دعویٰ ربوبیت دعویٰ الوہیت پر محمول ہے اور اعلیٰ کی تفسیر میں کہنا کہ جتنا صاحبِ ولایت (حکومت اور بادشاہت) ہیں پر غالب اور بلند و بالا ہوں، اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے حکومت کے دعوے سے دعویٰ الوہیت ثابت نہیں ہوتا جیسے دوسرے دہریے اور فرقہ معطلہ کے لوگوں کا حال ہے کہ الوہیت کے مدعی نہیں اگرچہ وُہ اپنے دور کے رئیس اعظم تھے۔ (اس مقام میں گہرا غور و فکر کر)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک اس میں جو فرعون کا قصہ اور جو اس کے ساتھ ہوا مذکور ہوا لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی اس کے لیے عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے ۔ بڑی عبرت اور وعظ اس کے لیے کہ جس کی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے یعنی جسے معرفتِ حق نصیب ہے کیونکہ عارف باللہ اور اس کی شئون کا عالم اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہیں کرتا اور نہ ہی انبیائے کرام کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ نزول عذاب سے ڈرتا ہے اور عقلمند وُہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے ؎

۱	چو برگشتہ بختے در افتد بہ بند	از و نیک بختاں بگیرند پند
۲	تو پیش از عقوبت در عفو کوب	کہ سودے ندارد فغان زیر چوب
۳	برآر از گریبان غفلت سرت	کہ فردا نماند خجل در برت

ترجمہ :(۱) اگر کوئی بدبخت کسی کی قید میں پھنس گیا ہے اس سے نیک بخت لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔

(۲) تو سزا سے پہلے ہی معافی مانگ اس لیے کہ اس وقت زیادہ فائدہ نہ دے گی جب ڈنڈے سر پر برسے ۔

(۳) گریبان غفلت سے سر باہر لا تاکہ کل ندامت سے تیرا سر سینہ میں نہ ہو ۔

فائدہ : بر بمعنی سینہ ۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ط بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝
وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ
مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝
فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ وَ
بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝
فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ
الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۝ فِيْمَ
اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ۝
كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝

ترجمہ : کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل یا آسمان کا اللہ نے اُسے بنایا اس کی چھت اونچی کی پھر اسے ٹھیک کیا اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی چمکائی اور اس کے بعد زمین پھیلائی اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو جمایا تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدہ کو، پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے بڑی اس دن آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی اور جہنم ہر دیکھنے والے پر ظاہر کی جائے گی تو وہ جس نے سرکشی کی اور دُنیا کی زندگی کو ترجیح دی، تو بیشک جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے، اور وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہی ٹھکانا ہے، تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے، تمہیں اس کے بیان سے کیا تعلق تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے، تم تو فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے، گویا جس دن وہ اُسے دیکھیں گے دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے ۔

تفسیر عالمانہ

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا (کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل ہے) ان اہل مکہ کو خطاب ہے جو بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کے منکر تھے، وہ اپنے گمان پر اسے سخت سمجھتے تھے یہ استفہام بطور توبیخ و تبکیت کے ہے اس کے بعد اس کا ہونا قدرتِ الٰہی کے لیے آسان سے آسان تر ہے چنانچہ فرمایا :

فانما ہی زجرۃ واحدۃ (بیشک وہ ایک ہی جھڑکی ہے)

شدّۃ یہاں بمعنی صعوبۃ (مشکل) ہے نہ کہ بمعنی صلابۃ۔ کیونکہ یہ معنی مقام کے مناسب نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا تمہارے مرنے کے بعد تمہیں پیدا کرنا تمہارے اندازہ اور گمان پر زیادہ مشکل اور سخت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لیے دونوں برابر ہیں۔

اَمِ السَّمَآءُ (یا آسمان) پیدا کرنا بغیر مادہ کے اس کی عظمت وقوت ترکیب انطوار سے باوجود ایسے عجیب طریقوں سے عقول حیران ہیں یہ استفہام تقریری ہے تاکہ اقرار کریں کہ آسمان کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے پھر ان پر لازم ہو جائے کہ کوئی انہیں کہے کہ اے بے وقوفو! جو ذات سخت سے سخت مشکل سے مشکل پر قادر ہے تو پھر وہ تمہارے میدانِ حشر میں لوٹانے اور اٹھانے پر کیوں قادر نہیں یہ تو (تمہارے اندازے کے مطابق) زیادہ آسان اور سہل تر ہے بطریق اعادہ کے تمہارا پیدا کرنا زیادہ اولیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہو تو پھر تم کیسے انکار کرتے ہو۔ انتم مبتدا اور اشد اس کی خبر ہے اور خلقاً تمیز ہے والسماء کا انتم پر عطف ہے اس کی خبر محذوف، اس لیے کہ اس پر انتم کی خبر دلالت کرتی ہے کہ دراصل ام السماء اشد خلقاً تھا **بَنٰهَا** (اسے بنایا) اللہ تعالیٰ نے، یہ جملہ مستانفہ ہے آسمان کی پیدائش کی کیفیت ہے جو ام السماء سے معلوم ہوتی ام السماء پر کلام مکمل ہوتی ہے اور بنٰها سے نیا کلام شروع ہوتا ہے اور ام متصلہ ہے

ف : بناء سقف کی جگہ پر مستعمل ہے اس لیے کہ آسمان بلند چھت ہے اور بناء کا استعمال اسافل (نیچی چھت والوں) پر ہوتا ہے نہ کہ بلند چھت والوں کے لیے، لیکن یہاں اس لیے اعالی (بلند چھت والوں) پر اس لیے ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ چھت ہے لیکن وہ اختلال وانحلال (خلل پڑنے) سے دور ہے بناء (تیار شدہ مضبوط مکان) کی طرح ہے اس لیے کہ بناء (تیار شدہ مکان) بہ نسبت چھت کے اختلال سے بعید تر ہوتا ہے۔

رَفَعَ سَمْكَهَا (اس کی چھت اونچی کی) بناء کا بیان ہے یعنی اس کے ارتفاع کی مقدار زمین سے اونچی بنائی کہ یہاں سے اوپر جانا دراز اور بلند ہے جس کی پانچسو سال کی مسافت ہے اور یہ قاعدہ ہے جس شے کو نیچے سے اوپر اندازہ لگایا جائے تو اس کا نام سمک ہے اور اوپر سے نیچے اندازہ کیا جائے تو اس کا نام عمق ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ وہ نچلی سطح جو آسمان سے متصل ہے اور آسمان کی وہ سطح اعلیٰ جو اس کے اوپر والے سے متصل ہے کا نام ارتفاع ہے گویا ارتفاع آسمان کی موٹائی کا نام ہے۔ اس کی مسافت بھی پانچسو سال ہے۔

فَسَوّٰىهَا (پھر اسے ٹھیک کیا) **وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا** (اور اس کی رات اندھیری کی)

حل لغات الغطش بمعنی ظلمت (تاریکی) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا اصل اغطش ہے وہ شخص جس کی آنکھ میں تھوڑی سی دھند (تاریکی) ہو کہا جاتا ہے اغطشا، اللہ

(اسے اللہ تعالیٰ نے تاریک کیا) و اغطش اللیل (رات تاریک ہوگئی) وہ لازم و متعدی ہے۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے اندھیری رات بنایا اس کا نور لے لیا۔

سوال : اللیل زمانۂ ظلمت کا نام ہے جو غروب الشمس سے حاصل ہوتا ہے، اور اغطش لیلھا کا معنیٰ ہے کہ کوئی مظلم (تاریک کرنے والا) اسے تاریک کرتا ہے، یہ تو قیاس سے بعید ہے۔

جواب : اس وقت غروب الشمس میں جو تاریکی رات کو حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تقدیر سے ہوتی ہے اب اشکال نہ رہا۔

وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا (اور اس کی روشنی چمکائی) اس سے دن کو نکالا' اسے ضُحٰی سے تعبیر کیا یعنی سورج کی روشنی اور ضحیٰ کا وہی وقت ہے جس میں سورج چمکتا ہے اور اس کی تابانی مکمل ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت نہایت پاکیزہ اور برگزیدہ ہے محل کو اسم اشرف نام سے جو اس میں حلول کرے اسی لیے یہ وقت ذکر و فکر کے زیادہ لائق ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امتنان (منت و احسان) کا وقت ہے اسے اللیل کے ذکر کو مؤخر کرنے میں بھی یہی راز ہے۔

نکتہ : اسے احداث کی بجائے اخراج میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ تاریکی کے بعد روشنی چمکانا انعام میں اتم اور احسان میں اکمل ہے اور لیل و ضحیٰ کی اضافت آسمان کی طرف محض اس کی حرکت اور اس کے حدوث دوران کی وجہ سے ہے۔ اور اضافت کے لیے معمولی ملابست کافی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ضُحٰی کی اضافت اس کی طرف شمس کے واسطہ سے ہو، یعنی سورج کی روشنی سے ظاہر کیا، یہاں مضاف محذوف ماننا پڑے گا اور اسے ضحیٰ اس لیے کہا کہ یہی وقت سورج کی تابانی اور کمال اشراق (چمکنے) کا ہے۔

ف : امام زاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا کے شب و روز آسمان میں پیدا ہوتے ہیں اس لیے کہ سورج اور چاند اس میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ اللیل (رات) نر ہے اور النہار (دن) مادہ؛ جب رات دن کو ڈھانپتی ہے تو دن حاملہ ہو کر بچے جنتا ہے تو اس سے زمانہ کے ڈھانپنے سے کائنات ظاہر ہوجاتی ہے۔ بایں معنیٰ تمام کائنات اولاد الزمان ہے۔ اور دن کا رات سے نکلنا ایسے ہے جیسے بی بی حوّا آدم (علیہ السلام) سے ظاہر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وآیۃ لھم الیل نسلخ منہ النھار فاذاھم مظلمون۔	اور ان کی آیت رات ہے کہ ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو اچانک وہ تاریکی میں ہوتے ہیں۔

اور فرمایا:

یولج الیل فی النہار و یولج النہار فی الیل۔ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔

جیسے عیسٰی علیہ السلام بی بی مریم میں اور بی بی حوا آدم (علیہ السلام) میں، جب ابنار النہار کو خطاب فرمایا تو کہا : یولج الیل ، اور جب ابنار الیل کو خطاب فرمایا تو کہا : یولج النہار۔

بعض اہلِ حقائق نے فرمایا کہ رات کا دن میں اور دن کا رات میں آنے جانے سے اشارہ ہے بُرائیوں اور نیکیوں کے ایک دوسرے میں داخل ہونے میں کہ جیسے دنیا ہمیشہ رات میں نہیں رہتی اور نہ ہی ہمیشہ دن میں رہتی ہے۔ بلکہ دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے رہتے ہیں، ایسے ہی مومن نورِ ایمان و عمل صالح سے خالی نہیں ہوتا اور نہ ہی عمل فاسد و فکر کاسد سے۔

خطابِ نبی بہ علی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و رضی اللہ عنہ) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ

اگر بُرائی ہو جائے تو متصلاً نیکی کر لیا کر و کیونکہ یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ رات کو جہنم میں ڈالے گا اور دن کو جنت میں۔ اسی لیے بہشت میں رات نہ ہو گی جیسے (آج دنیا میں) دن میں رات نہیں ہوتی ایسے ہی جہنم میں دن نہ ہو گا یعنی جنت میں دن ایمان اور عمل صالح کا نور ہے بحسب المراتب، اور جہنم میں رات کافر کا کفر اور بُرا عمل ہے تو جیسے کفر ایمان نہیں ہو سکتا ایسے ہی رات دن نہیں ہو سکتی، ایسے ہی نار نور نہیں ہوتا تو اہل نور اپنی صفت کے غلبہ سے نور ہی رہیں گے۔ اور قلب اور تجلیات کے مطابق یہ قالب کے حال کے برعکس ہے اس کے نہار معنوی پر لیل تعاقب نہیں کرتی اگرچہ بعض اوقات نورانیت اس پر چمک اُٹھتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (اور اس کے بعد زمین پھیلائی) یہاں بعد بمعنی قبل ہے جیسے اسی کے قول بعد الذکر بمعنی قبل الذکر ہے یعنی قبل القرآن (نازل ہوئی زبور) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے بچھایا اس کے اہل کی سکونت کے لیے اور اس کے اطراف میں چلنے پھرنے کے لیے۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر بعد اپنے معنی میں ہے یعنی تاخر کے معنی میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا لیکن بچھایا آسمان کے استوار کے بعد، جیسا کہ فرمایا :

ثم استوٰی الی السماء فسوّٰھن سبع سمٰوٰت۔ پھر استوار فرمایا اپنی شان کے لائق پھر انھیں سات آسمان بنائے۔

پھر زمین بچھائی۔

ف : الارشاد میں ہے کہ الارض کا منصوب ہونا فعل مضمر سے ہے جو مقدم ہے وہ شریطۃ التفسیر کے

قاعدہ پر محذوف ہے جس کی تفسیر دحٰہا کرتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف جو مذکور ہُوا آسمانوں کی بنا اور ان کی بلندی کی رفعت اور تسویہ وغیرہ نہ کہ خود آسمانوں کی طرف اور اس کے بچھنے کی بعدیت سے مراد اس کے ذکر بعدیت ہے جیسا کہ لسانِ عرب و لسانِ عجم میں مروج ہے۔ اس لیے کہ اکثر کا اتفاق ہے کہ زمین اور اس کا ما فیہا آسمان اور ما فیہا کی تخلیق سے پہلے ہے اور تقدیم الارض قصر کا فائدہ نہیں دیتی اور نہ ہی اس سے تعیین البعدیہ فی الوجود ثابت ہوتا ہے جیسے ابھی ہم اس کا انتصاب علی شریطۃ التفسیر میں بیان کر آئے ہیں اور نہ ہی بعد کا بیان اس کا فائدہ دے گا۔

نکتہ : البتہ اس کے ذکر کی تاکید میں تنبیہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ میں مقصور ہے کہ احوال آسمان میں دلیل ہے کہ وُہ بڑی قدرت کا مالک ہے یا اس میں آگاہی ہے کہ زمین کے ذکر کی تاخیر میں انسان پر لازم کرنا ہے کہ وہ قدرت کا اقرار کرے کیونکہ اس کے منافع زیادہ تر اور کثر ما فی الارض سے متعلق ہیں بلکہ لوگوں کے مصالح اسی میں اظہر ہیں، اس کے تفصیلی احوال کا احاطہ کرنا اس کے لیے سمجھنے کا مکمل سامان ہے۔ اس کی مزید تحقیق اسی مضمون کے مطابق حم السجدہ میں گزری ہے۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا (اس سے اس کا پانی نکالا) کہ اس سے چشمے بہائے اور نہریں جاری کیں **وَمَرْعٰهَا** اور اس کا چارہ۔

حلِ لغات : مرعٰی بمعنے رعی (بالکسر) چارہ۔ یہ دراصل چراگاہ کے معنٰی میں ہے از الرعی (بالفتح) پانی۔ اور مرعٰی (چراگاہ) زمین کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال : حرفِ عاطف کیوں نہیں لایا گیا؟

جواب ۱ : یہ دحٰہا کا بیان وتفسیر ہے (بیان وتفسیر میں حرفِ عطف نہیں لایا جاتا)

جواب ۲ : دحٰہا کا تکملہ ہے اس لیے سکونت صرف بسط (بچھونا) اور تمہید (دراز کرنا) وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ امرِ معاش مآکل و مشارب (کھانے پینے کی اشیاء) بلا ہر میسر نہ ہوں۔

وَالْجِبَالَ (پہاڑوں کو) فعل مضمر سے منصوب ہے جس کی تفسیر ہے **اَرْسٰهَا** (جمایا) انہیں ثابت کیا اور زمین کو دراز ہو جانے سے جمایا۔ یہ حق کی تحقیق و تنبیہ کے کہ زمین کا جمنا جو پہاڑوں کی طرف ہے اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ انھیں رواسی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ پہاڑوں کا ذاتی تقاضا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جمانے سے ہے اگر وہ نہ ہو تو وہ خود بھی جم نہیں سکتے چہ جائیکہ زمین کو جما سکیں **مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ** (تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے) مفعول لہ بمعنی تمتیعا یعنی فائدہ دینا۔

حلِ لغات انعام، نعم (بفتحتین) کی جمع ہے یعنی چرنے والا مال یعنی چوپائے۔ الصحاح (لغت) میں ہے کہ یہ لفظ اکثر اونٹوں کے لیے آتا ہے، لیکن یہاں مراد عام ہے اونٹ، گائیں بھیڑ بکریاں وغیرہ۔ یعنی یہ تمہارے چوپایوں کے نفع کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ زمین بچھانا اور پانی اور چارہ کا نکالنا انہیں اور ان کے جانوروں کو پہنچتا ہے۔ اور مرعٰی سے عام ہے اسے انسان وغیرہ کھائیں راعی (چرنا) سے استعارہ ہے علی الاطلاق ماکول (کھائی ہوئی شے کے تناول کی وجہ سے) جیسے مرسن کا استعارہ ناک کے لیے (مرسن بمعنی رسّی باندھنے کی جگہ) (المنجد) اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی اور چارہ کا ذکر کر کے اسی طرف رہبری فرمائی ہے جو زمین سے نکلنے والی شے ہے اس سے تم فائدہ اٹھاؤ یہاں تک کہ نمک سے، کیونکہ وہ پانی سے ہے۔

ف : عتبی نے فرمایا کہ اخرج منها ماءها و مرعاها جوامع الکلم سے ہے کہ دو چیزوں کا ذکران تمام اشیاء کو حاوی ہے جو زمین کے لوگوں اور جانوروں کے کھانے اور چارے کے لیے خارج ہوتی ہیں جیسے سبز گھاس اور درخت، دانے، ثمر، نمک، آگ۔ اس لیے آگ سبز درخت سے ہے اور نمک پانی سے۔

نکتہ : اس استعارہ میں بعث کے منکرین مخاطبین اہلِ مکہ کو تنبیہ اور انہیں دنیا سے نفع اٹھانے اور آخرت سے غفلت برتنے میں جانوروں کے ساتھ تشبیہ فرمایا ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے بڑی)

حلِ لغات : الصحاح (کتاب لغت) میں فرمایا کہ جو شے بکثرت ہو کر غلبہ پائے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: طمّ، عام ہو گئی۔ الکبریٰ، اکبر کی تانیث از کَبُرَ بمعنی عَظُمَ، کِبر (بالکسر) سے نہیں بمعنی اسنّ (بوڑھا) ہو گیا۔

ربط : ان کے معاد (انجام آخرت) میں شروع ہیں بعد بیان ان کی معاش کے فاء مابعد کے ماقبل پر ترتب پر دلالت کے لیے ہے کہ دنیوی معاش نہایت معمولی شے ہے جیسا کہ اس پر لفظ متاع دلالت کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب آیا وقت بڑی مصیبت دہشتناک کے طلوع کا جو تمام بڑی بڑی عام مصیبتوں سے بڑی اور غالب ہے اسے کُبریٰ کی صفت سے موصوف کرنا تاکید کے لیے ہے اگر اس کی صرف مخلوق پر بڑی اور غالب ہونے کی تفسیر کی جائے تو یہ صفت مخصصہ ہو گی اس سے مراد قیامت کے خلاف ہو گی کہ جنہیں دیکھ کر ہر ہولناک شے بھول جائیگی اور نفخۂ ثانیہ سے ہی تمام مخلوق قبور سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہو گی۔

ف : سورۃ النازعات میں طامّۃ کی اور سورہ عبس میں صاخّہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ طمّ عام مصیبت کا غلبہ، اگرچہ نفخۂ اولیٰ سے بوقتِ ہلاکت (فنا) ہو ہی جائیگا لیکن یہ صخّ یعنی اس سخت آواز سے پہلے ہو جائیگا جس کے لیے لوگ زندہ قبور سے اٹھیں گے اور اس کے لیے چیخیں گے جیسے آواز سخت سے نائم سے

جاگ اٹھنا ہے۔ اس معنی پر اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔ اس لیے پہلا (طامہ) پہلی سورت نازعات میں دوسرا (صاخہ)، دوسری سورت (عبس) میں اگر اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہو تو دونوں کے لیے احسن موقعہ ہے اس لیے طم و ر د تتبعہا الرادفۃ کے بعد ہے اور الصآخۃ تو اس کے بعد ہے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آواز دینا (جھڑکنا) چھوڑ دیا تھا (واقعہ کی تفصیل سورۂ عبس میں آتی ہے)

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ (اس دن آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی) یوم اعنی سے منصوب ہے الطامۃ الکبریٰ کی یاددہانی کے لیے ہے ما موصولہ ہے سعی بمعنی عمل (عمل کیا ہے) ہے، یعنی انسان یاد کرے گا ہر وہ عمل جو اس نے دنیا میں کیا تھا نیکی یا بُرائی کر اسے صحیفۂ اعمال (عملنامہ) میں مرتب (تیار) دیکھے گا حالانکہ وہ اس سے زیادہ غفلت اور درازیٔ زمانہ کی وجہ سے بھول گیا ہوگا جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

احصاہ اللّٰہ ونسوہ (اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے جو وہ بھول گئے ہیں)۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ (اور جہنم ظاہر کی جائے گی) اس کا عطف جاءت پر ہے یعنی پورے طور پر کہ کسی سے مخفی نہ ہو ظاہر کی جائے گی بعد اس کے کہ پہلے اس کا صرف نام سنتے تھے اس سے مطلق نار مراد ہے جسے جہنم کہا جاتا ہے نہ یہ کہ اس کے سات طبقات (درکات) میں سے ایک طبقہ (درکہ)۔ **لِمَن يَرَىٰ** (دیکھنے والے کے لئے) جو بھی ہو جیسا کہ لفظ مَنْ دلالت کرتا ہے کیونکہ عموم الفاظ سے ہے۔

ف: مروی ہے کہ اس سے جب پردے ہٹائے جائیں گے تو جوش مارے گی جسے ہر دیکھنے والا دیکھے گا مومن ہو یا کافر۔ و برزت الجحیم للغاوین (اور گمراہوں (کافروں) کے لیے دوزخ ظاہر کی جائے گی) سے اس کی نفی نہیں کہ اسے مومن نہیں دیکھیں گے کیونکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی (جیسے اصول کا قاعدہ ہے) غرضیکہ دوزخ کو کافر تو دیکھیں گے ہی مومن بھی دیکھیں گے جب پل صراط کو عبور کریں گے۔

اعجوبہ: بعض نے کہا کہ یہاں صرف کفار کا مراد ہے کیونکہ مومن پوچھتے رہیں گے کہ دوزخ کہاں ہے جس سے ہمیں ڈرایا جا رہا تھا، فرمایا جائے گا جب تم نے پل صراط کو عبور کیا تو وہ بجھی رہی۔

فَأَمَّا مَن طَغَىٰ (اور وہ جس نے سرکشی کی) فاذا جاءت الخ کا جواب ہے۔ اینے فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای الخ کے طریق پر اہل عرب کہتے ہیں:

ان جئتنی فان قدرت احسنت الیک۔ اگر تم میرے پاس آئے اگر مجھے قدرت ہوئی تو تیرے ساتھ احسان کروں گا۔

اور کہا جاتا ہے:

اذا کانت الدعوۃ فاما من کان جاھلا فھناك مقامہ ۔ جب دعوت ہو گی تو جاہل آئے گا تو اس کی یہ جگہ ہے اگر عالم آئے گا تو اس کی وہ جگہ ہے ۔

اب مطلب یہ ہوا کہ بہر حال وہ جو سرکش اور متمرد از طاعۃ اور نافرمانی میں حد سے متجاوز ہے جیسے نضر اور اس کا باپ حارث جو طغیان و کفر کے غلو میں مشہور تھے ۔

وَاٰثَرَ (اور اختیار کی) الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (دنیوی زندگی) فانی جو مٹنے والی ہے اور جس میں نفع اٹھا رہا ہے اس میں منہمک ہے اور ایمان وطاعت سے حیات اُخروی ابدی کے لیے تیاری نہیں کی۔

فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی (بے شک وہ جہنم (جس کا ذکر اوپر ہوا) اس کا ٹھکانا ہے) اس نار سے خارج نہ ہوگا جیسے مؤمن عاصی (گنہ گار) کو نکال لیا جائے گا کیونکہ یہاں کافر کی گفتگو ہو رہی ہے ۔

ف : اس میں نصیحت اور خوب وعظ و پند ہے ، اور لام اضافۃ کے قائم مقام ہے اور مضاف کا سب کو معلوم ہے یعنی ٹھکانے والا یعنی سرکش۔ جیسے کہا جاتا ہے : غض الطرف (مرد نے آنکھ بند کی) تو یہاں مرد کا معنی معلوم ہے کیونکہ آنکھ مرد ہی بند کرتا ہے ، وہ اس لیے کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو اس کا رابطہ مبتدا سے کرے ۔ اسی لیے لام کو عائد کے قائم مقام کھڑا کیا عدم التباس کی وجہ سے، اسی لیے ایسے مقام پر رابطہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ (اور وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا) یعنی عام مصیبت سب سے بڑی کے دن جب انسان اپنے اعمال یاد کرے گا اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت ، کیونکہ سب کے مبدأ و معاد کا علم ہے اس لیے کہ اس کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف حساب کے لیے ہوگا ۔ اسی لیے اس کی حاضری سے پہلے اسے اس کا پورا علم ہو ۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ مقام یا مصدر میمی ہے بمعنی القیام یا اسم مکان ہے بمعنی موضع القیام یعنی وہ جگہ جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حساب و جزا کے لیے متعین فرمایا ہے ۔ بعض نے کہا مقام زائد تاکید کے لیے ہے ۔

نکتہ : خوف کو طغیان کے بالمقابل لایا گیا ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ انقیاد و طاعت اس کے بالمقابل میں اس میں اشارہ ہے کہ خوف ہی اطاعت کے اسباب میں سے پہلا سبب ہے پھر رجاء ، پھر محبت ، تو پہلا عوام کے لیے، دوسرا خواص کے لیے، تیسرا اخص الخواص کے لیے ۔

وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی (اور نفس کو روکا خواہش سے) اس کی جبلۃ بشریہ کے حکم کی طرف مائل ہونے سے متاع حیات دنیا اور اس کی زینت کا اعتبار نہ کیا اور نہ ہی اس کے نقش و نگار سے دھوکا کھایا اور نہ ہی اس کی زیب و زینت کو اچھا سمجھا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا انجام بُرا ہے ۔ اور الھوی

نفس کا اس طرف مائل ہونا جو وہ چاہتا ہے اور اس سے لذت پاتا ہے بغیر اسباب شرع کے۔

حدیث شریف میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اخوف ما اتخوف علی امتی الهوی وطول الامل اما الهوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الآخرة۔	مجھے اپنی امت پر ہوٰی اور طول امل کا بہت زیادہ خوف ہے جس سے وہ آخرت کو بھلا دے گی۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ ہوٰی سے مراد وہ سات شہوات ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے:

زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث۔	لوگوں کے لیے سنگاری گئی ہے شہوات کی محبت عورتوں اولاد اور ڈھیروں کے ڈھیر سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان دار اور چوپائے اور کھیتیاں۔

انھیں صرف دو چیزوں میں درج فرمایا، چنانچہ فرمایا:

انما هذه الحیٰوة الدنیا لهو و لعب۔	بے شک یہ حیاتِ دنیا لہو و لعب ہے۔

پھر اسے صرف ایک شے میں درج فرمایا وہ ہے ہوٰی جو اسی آیت میں مذکور ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہوٰی جمیع شہوات کی جامع ہے، جو ہوٰی سے نجات پا گیا وُہ جمیع قیود و برازخ سے چھوٹ گیا۔

انبیاء وصدیقین کی شان حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا، ہوٰی (خواہشِ نفسانی) سے کوئی نہیں بچ سکتا سوائے انبیاء اور بعض صدیقین کے۔

نسخۂ روحانی خواہشاتِ نفسانی سے بچنے کا بہترین نسخہ ادب ہے جو اس پر مداومت کرتا ہے وُہ خواہشاتِ نفسانی سے بچ جاتا ہے۔

ف: بعض نے فرمایا: انسان کی حقیقت ہی خواہشِ نفسانی ہے اس پر اور کوئی شے زائد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ونهی النفس عن الهوی۔ تو اس کا ناہی کون ہو سکتا ہے، اس میں تامل کر۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ انسان حقیقۃِ الٰہیہ، حقیقۃِ کونیہ، حقیقۃ ملکیہ اور حقیقۃِ حیوانیہ کا برزخ ہے تو بحیثیت حقیقۃِ الٰہیہ و ملکیہ کے نفس کو کونیہ و

حیوانیہ سے روکتا ہے جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو مخاطب ہو کر فرمایا السلام علیک ایھا النبی ۔ تو جانب ملکیہ سے جانب بشریہ کی طرف یا مقام جمع سے مقام فرق کی طرف ۔

تفسیر عالمانہ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے) نہ کہ اس کا غیر ۔ نھی النفس عن الھوٰی کا معنیٰ ہے اسے تمام خواہشات سے روکنا ۔ اس معنی پر اس کی لام استغراق کی ہے ورنہ حصر کا کوئی معنی نہیں اس لیے مومن فاسق اگر دوزخ میں داخل ہوگا تو بہشت میں ضرور داخل ہوگا اسی لیے اس کے لیے حصر نہ ہوئی ۔ ہاں یہ مطلب ہو کہ حصر کا معنیٰ یہ ہے کہ جو داخل ہو جائیگا پھر اس سے نہ نکلے گا ۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ جنّۃ سے مطلق دارالثواب مراد ہے ۔ یہ " ولمن خاف مقام ربہ جنّتان " کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کے لیے دو جنتیں محض فضلِ الٰہی سے دارالثواب میں نصیب ہوں گی ؛ ایک جنۃ النعیم جسمانی نعمتوں سے پُر اور دوسری جنۃ التلذذ لذاتِ روحانیہ سے پُر ۔

ف : فصول میں ہے کہ یہ آیت اُس شخص کے حق میں ہے جو گناہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے اس کا ارادہ کر کے اس سے باز آجائے ، اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس معصیت کا ارتکاب نہ کرے ؎

۱ گر نفسے نفس بفرمان تست شبہ میاور کہ بہشت آں تست

۲ نفس کشد ہر نفسے سوئے پست ہر کہ خلافش نفسے زیر دست

ترجمہ : (۱) اگر ایک لمحہ بھی نفس تیرے حکم میں ہے اس میں شک نہ کر کہ یہی تیری بہشت ہے ۔

(۲) نفس ہر آن تمہیں پستی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جو اس کے خلاف کرے گا وہ نجات پا جائے گا ۔

حکایت محمد بن الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سو رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے کہا دیکھو کون ہے ؟ کہا گیا کہ ہارون الرشید خلیفہ کا قاصد ۔ کہا خلیفہ آپ کو بلاتا ہے ۔ میں گھبرا گیا کہ نہ معلوم کیا حکم شاہی ہے ۔ میں قاصد کے ساتھ بادشاہ کے پاس گیا تو کہا کہ میں نے آپ کو ایک مسئلہ سمجھنے کے لیے تکلیف دی ہے ، وہ یہ کہ میں نے اُمِّ محمد یعنی زبیدہ کو کہا ہے کہ میں امام العدل ہوں اور امام العدل لازماً بہشت میں جائیگا ، زبیدہ نے جواباً کہا ہے تو ظالم عاصی (گنہ گار) ہے اس لیے کہ تُو نے اپنے لیے از خود بہشت کی شہادت دی اس سے تُو نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے ، لہذا تُو نے اپنے اوپر بہشت حرام کر ڈالی ۔ میں نے کہا اے امیر المومنین ! جب تُو نے کبھی گناہ میں مبتلا ہو کر اس وقت یا بعد میں خوف کیا یا نہ ۔

کہا بخدا! میں تو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا رہتا ہوں۔ میں نے کہا تیرے لیے ایک نہیں دو جنتیں ہیں (ان شاء اللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولمن خاف مقام ربہٖ جنتان۔ خلیفہ خوش ہو گیا اور کہا آپ تشریف لے جائیے۔ جب میں گھر پہنچا تو روپوں کی تھیلی مجھ سے پہلے پہنچ چکی تھی۔

حکایت عبدالملک بن مروان وقت کا بادشاہ تھا اور ابوحازم امام وزاہد تھے۔ عبدالملک نے آپ سے پوچھا کہ کل قیامت میں میرا اور آپ کا کیا ہوگا؟ حضرت ابوحازم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم قرآن پڑھتے تو تمہیں قرآن جواب دیتا، کہا کیسے؟ فرمایا قرآن کہتا ہے: فاما من طغٰی۔۔۔ فان الجنۃ ھی الماوٰی۔

فائدہ صوفیانہ دنیا میں ہر نفس میں شہوت کی آگ ہے اور آخرت میں اس کے لیے عقوبت کی آگ ہوگی جو آج اپنی آگ شہوت میں جلا کل قیامت میں عقوبت کی آگ میں جلے گا۔ جو آج اپنی شہوت کی آگ کو ریاضت و مجاہدہ سے ٹھنڈا کرتا ہے وہ آخرت کی آتشِ عقوبت سے بچ جائے گا۔ اسی طرح ہر مومن کے دل میں بہشت ہے جسے جنتِ عرفان کہا جاتا ہے اور آخرت کی بہشت کا نام رضوان ہے، جو آج دنیا میں عرفان کی جنت کو طاعت سے آراستہ کرتا ہے کل قیامت میں جنتِ عرفان میں پہنچ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا: فاما من طغٰی یعنی جو فطرتِ انسانیہ کے طور طریقہ سے بڑھا اور حدِ عدالت شریعت سے رتبۂ بہیمیہ یا سبعیہ تک پہنچا اور اپنے تجاوز میں زیادتی کر کے حیاتِ حسیہ کو محبت لذاتِ سفلیہ سے حقیقت پر ترجیح دی تو اس کا مرجع جحیم اور جہنم کا ٹھکانا ہے اور جو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی ترقی کر کے مقامِ قلب اور مشاہدۂ قبولیت الٰہی تک نفس کو پہنچا اور نفس کو خوفِ عقاب اور قہر کی وجہ سے خواہش سے روکا تو بحسبِ درجات اس کے لیے جنت ٹھکانا ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ آیت میں مبتدی (صوفی) کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اس کے قصد الی اللہ کے وقت اسے رخصت و رفاہیت جائز نہیں ہوتی حجاب کے خوف سے جب وہ مقام تصفیہ و معرفۃ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے نفس کو خواہش سے روکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اس وقت اس کا نفس وجسم وشیطان روحانی ہو جاتے ہیں، سب کی ایک خواہش ہو جاتی ہے یعنی جو روح کی چاہت ہوتی ہے ان سب کی چاہت وہی ہوتی ہے بالخصوص نفس کی۔ اسی لیے یہ اس میں اہلِ نُہٰی ومنتہٰی مع الرب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ ہو اس کی شہوت لذتِ حقیقیہ مقبولہ سے تبدیل ہو جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَکَ (تم سے پوچھتے ہیں) اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ سے پوچھتے ہیں عَنِ السَّاعَةِ (قیامت کے بارے میں) اَیَّانَ مُرْسٰهَا (کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے) اس کا ٹھہرنا، قیام (قائم ہونا) ان کی مراد یہ تھی کہ اسے اللہ تعالیٰ کب

قائم اور ثابت اور ظاہر کرے گا۔ ایاّن ظرف ہے بمعنی متٰی (کب) در اصل آن و وقت کو کہا جاتا ہے۔

حلِ لغات المرُسٰی مصدر میمی ہے بمعنی الارساء بمعنی للاثبات، اور وہ مبتدا ایاّن اس کی خبر بتقدیر المضاف ہے اس لئے زمانہ کے ساتھ حدث کی خبر نہیں دی جاتی در اصل متی وقت ارساءُ ہا تھا۔

ف: مشرکین جب قیامت کی خبریں اور ان کے ہولناک اوصاف سُنتے، مثلاً کہا گیا کہ وہ طامہ کبریٰ اور صاخہ اور قارعہ ہے، تو بطریق استہزاء کہتے، ایان مرسٰہا کب ٹھہری ہوئی ہے وہ قیامت۔

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا (تمہیں اس کے بیان سے کیا تعلق) مشرکین کے سوال از قیامت سے انکار اور رد ہے۔

حلِ لغات فیم در اصل فیما تھا جیسے عمّ در اصل عمّا تھا اس کا بیان گزرا۔ الذکرٰی بمعنی الذکر جیسے البشرٰی بمعنے البشارۃ۔ یعنی تم کس خیال میں ہو کہ تم اس کا وقت بتاؤ اور انھیں اس کے متعلق بتا دو، یہاں تک کہ وہ آپ سے اس کے بیان کا سوال کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

یسئلونک کانک حفی عنہا (آپ سے سوال کرتے ہیں گویا اس کی تفتیش میں لگے ہوئے ہیں) آپ اس کا وقت بتانے کے لیے نہیں آئے ہیں (بلکہ آپ توحید سکھانے کے لیے تشریف لائے ہیں) کیونکہ یہ تو آپ کے علم کی ایک فرع (شاخ) ہے اور آپ کے لیے وہ کیا شے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخفی[1] رکھا ہے۔

ذکرٰیہا میں مضاف اور اس کا صلہ وہ ہے (لهم) اور استفہام انکاری ہے انت مبتدا اور فیم اس کی خبر اس پر مقدم ہے من ذکرٰیہا اس کے متعلق ہے جس کے متعلق خبر ہے۔

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا (تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے) اس کے علم کی انتہاء کسی کو معلوم نہیں تو پھر ان کے سوال کرنے کا کیا معنیٰ!

حدیث شریف سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چاہا کہ قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، تو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کے علم سے بھی نوازا ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب طلوع الشمس فی علوم الخمس ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

فرمایا : اے حبیب ! اس کے علم سے آپ کو کیا (یعنی اس سوال سے روک دیا ، فرمایا : جب میں خود ہی اس کا علم عطا کروں گا تو پوچھنے کا کیا مطلب ۔ تفصیل گزر چکی ہے ۔ اویسی غفرلہٗ) اسی لیے اس کے پوچھنے سے احتراز کیجئے کیونکہ اس کے علم کی انتہا تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ کسی کو اس کی خبر نہیں دیتا اس لیے کہ اس کی اطلاع و آگاہی خاصۂ خدا ہے (اس کا علم حضور علیہ السلام کو بعد میں عطا ہوا جیسے اوپر گزرا ۔ اویسی غفرلہٗ)

ف : حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم اس کے علم میں کون سا فکر کرتے ہو یا اس کے ذکر میں خیال کرتے ہو اس کے علم کی انتہا تو اللہ تعالیٰ تک ہے کیونکہ جو علمِ قیامت کو جانتا ہے اس کا علم محو ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پھر اس کی ذات اس کی ذات میں فنا ہو جاتی ہے تو پھر وہ قیامت کو کیا جانے کیونکہ اب نہ اس کی ذات نہ علم بلکہ وہاں تو اور تیرا علم کہاں ، بلکہ اسے اللہ واحد ہی جانتا ہے ۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا (تم تو فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے) تمہارا کام ہے اس کی تعمیل جس کا تمہیں حکم ہے کہ بس اتنا کہہ دو کہ وہ قریب ہے اور یہ تفصیل کہ اس میں گوناگوں ہولناکیاں ہیں ، باقی رہی تعیینِ وقت ، وہ سپرد نہیں کی گئی کہ جس کی وجہ سے آپ سے اس کا سوال کریں جب یہ آپ کے وظائف میں شامل نہیں تو پھر وہ آپ سے سوال ہی کیوں کرتے ہیں ، آپ کا تو وظیفہ ہے کہ آپ اس اسے ڈرائیں جو اسے نہیں جانتا ۔ یہ قصر الصفۃ علی الموصوف کے قبیل سے ہے ۔

سوال : تخصیص اس سے کہ جو ڈرے اُسے ڈراؤ ، یہ کیوں ؟ حالانکہ آپ تو عوام کے لیے مبعوث ہوئے ہیں کوئی ڈرے یا نہ ۔

جواب : کیونکہ ڈرنے والے ہی نفع حاصل کرتے ہیں اسی لیے ان کا نام لیا گیا اور سنانا صرف انہی کے لیے مؤثر ہوگا ۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا : فذکر بالقراٰن من یخاف وعید (قرآن یاد دلاؤ اسے جو میری وعید سے ڈرتا ہے)

ف : جمہور کا خیال ہے کہ منذر من یخشاھا اضافۃ الصفۃ الی المعمول کے قبیل سے تخفیف علی الاصل کے لیے ہے اس لیے اصل اسما میں اضافت ہے ان میں عمل بوجہ شبہ بالفعل کے ہوتا ہے اور جس نے اسے تنوین سے پڑھا اس نے یہ اعتبار کیا کہ ان میں اصل عمل کرنا ہے ان میں اضافت صرف تخفیف کے لیے ہے ۔

كَاَنَّهُمْ (گویا وہ) منکرین یعنی کفارِ مکہ **يَرَوْنَهَا** (اس دن کہ قیامت کو دیکھیں گے) جس کے آنے کے متعلق پوچھ رہے ہیں **لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا** (دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے ۔ اَلضُّحٰی اشراق الشمس سے استوار تک کا نام ہے پھر یہی صبح تک عَشِیٌّ ہے (کشف الاسرار) جملہ اسم موصول سے حال ہے علی تقدیر الاضافۃ ، ورنہ منذر کا مفعول ہے ، گویا

کہا گیا ہے کہ انہیں ڈراؤ دراں حالیکہ وہ تشبیہ دیے ہوئے ہیں اس کے ساتھ جو انذار کے بعد اس میں نہیں ٹھہرا مگر مدتِ قلیل یعنی ایک دن کی شام کی چند ساعات یا صبح کی، نہ کہ کامل دن۔ تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے جب مضاف محذوف ہُوا تو اس کے ضحیٰ کو اسی کے عشی کی طرف مضاف کیا گیا، چونکہ ضحیٰ اور عشی ایک ہی دن کے ہیں اسی لیے ان کے درمیان ملابست محقق اور ایک دوسرے کی طرف اضافت صحیح ہوگئی۔

سوال: الا عشیۃ اور ضحیٰ کیوں نہ فرمایا اضافۃ میں کون سا فائدہ ہے؟

جواب: اگر کہا جاتا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحیٰ، تو احتمال ہوتا کہ عشیۃ کس دن کا اور ضحیٰ کس اور دن کا، پھر وہم پیدا ہوتا کہ وہ اول یوم میں ٹھہرے رہے دوسرے یوم کے آخری زمانہ تک، جب لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاھا کہا گیا تو وہ احتمال نہ رہا صرف یہی مطلب ہوا کہ وہ اسی دن کی صبح و شام کے چند لمحات۔

ف: الارشاد میں ہے کہ ان کا دنیا میں ٹھہرنا یا قبور میں قیام کا مقتضی نہیں، ہاں وہ اس کا مقتضی ہے کہ انذار کے یا وعید کے بعد ان کا اتنا دیر ٹھہرنا تاکہ انذار کا محقق ہو اور ان کا رد ہو کہ وہ اسے دیر تک کا زمانہ سمجھتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں فنا فی اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وجدانی امر ہے اسے نہیں پہچانا جا سکتا، وہی جانتا ہے جسے نصیب ہو اور وہ حضرات جنہیں یہ دولت نصیب ہے وہ اپنے نفوس غلیظہ کے ساتھ باقی ہوتے ہیں ایسے وہ زبان قال سے کیسے سمجھیں یا سمجھائیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے جو نہیں چکھتا وہ کیا جانے وہ کیا ہے۔ کانھم یوم یرونھا الخ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھیں گے کہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے بوجہ آخر الفناء کے اتصال کے آخر بقاء سے۔

حضرت عارف عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گر بقا خواہی فنائے خود گزیں
اولین چیزے کہ می زاید بقاست

ترجمہ: اگر بقاء چاہتا ہے تو فنا اختیار کر سب سے پہلی چیز جو بڑھتی ہے وہ بقاء ہے۔

فضائل نازعات حدیث شریف میں ہے:

من قرأۃ سورۃ	جو سورۂ نازعات پڑھتا ہے
النازعات کان ممن حبسہ	اسے اللہ تعالیٰ قبر اور قیامت میں
اللہ فی القبر والقیامۃ	اتنی دیر ٹھہرائے گا جتنی دیر اس نے
حتی یدخل الجنۃ قدر صلاۃ	فرض نماز ادا کی یہاں تک کہ بہشت میں
مکتوبۃ وھو عبارۃ من استقصار	داخل ہو جائے اس سے تھوڑی مدت گزرنا

مدة اللبث فيما يلق من البشرى والكرامة فى البرزخ والموقف ۔ (حواشی ابن الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

مراد ہے اور ساتھ ہی خوشخبری اور پڑھنے والے کی کرامت کا بیان ہے کہ اسے برزخ اور موقف میں ایسی کرامت نصیب ہوگی۔

فراغت صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ خالق البریات کی مدد سے پیر کے دن ۲ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو سورہ نازعات کی تفسیر سے فراغت پائی۔

فراغتِ اویسی فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورہ نازعات کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ/ ۲ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات شام تین بجے فراغت پائی۔ الحمدللہ علی ذالک وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم ۔ بہاول پور

سُوْرَةُ عَبَسَ

اٰيَاتُهَا ۴۲	(٨٠) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (۲۴)	رُكُوْعُهَا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ
الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَ
اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝
فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝
كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ
خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ
اَنْشَرَهٗ ۝ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا
الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّ
قَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا
لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَ
اُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا
غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ ع

ترجمہ: سورۃ عبس مکیہ ہے، اس کی بیالیس آیات ہیں، اس کا ایک رکوع ہے۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا، اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو، یا نصیحت لے تو اسے نصیحت فائدہ دے، وہ جو بے پروا بنتا ہے، تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو، اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو، اور وہ جو تمہارے حضور ملکتا آیا، اور وہ

ڈر رہا ہے، تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو، یوں نہیں یہ تو سمجھانا ہے، تو جو چاہے اسے یاد کرے، ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں، بلندی والے پاکی والے، ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے جو کرم والے نکوئی والے، آدمی مارا جائیو کیا ناشکر ہے، اسے کاہے سے بنایا، پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا، پھر اسے راستہ آسان کیا، پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوایا، پھر جب چاہا اسے باہر نکالا، کوئی نہیں اس نے اب تک پورا نہ کیا جو اسے حکم ہوا تھا، تو آدمی کو چاہئے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا، پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اگایا اناج اور انگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے فائدے کو اور تمہارے چوپاؤں کے، پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ، اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور جورو اور بیٹوں سے، ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے، کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے ہنستے خوشیاں مناتے، اور کتنے مونھوں پر اس دن گرد پڑی ہوگی ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے یہ وہی ہیں کافر بدکار۔

تفسیر عالمانہ

عَبَسَ (تیوری چڑھائی) دوسرے باب سے ہے۔

حلِ لغات: العبس والعبوس ترش رو ہونا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیوری چڑھائی۔

وَتَوَلّٰٓی (اور منہ پھیرا) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (اس پر کہ اس کے پاس نابینا آیا) ضمیر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے، اور یہ آپ کے منہ پھیرنے کی علت ہے یہ بصریوں کی رائے ہے کیونکہ یہ آپ کے زیادہ قریب ہے۔ یعنی آپ نے منہ پھیرا اس لیے کہ آپ کے پاس نابینا آیا۔

تعارف ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے مؤذن تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم۔	حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیں تو کھاؤ پیو یہاں تک کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیں۔

آپ اولین مہاجرین سے ہیں آپ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دو بار نماز کا خلیفہ بنایا جب،

آپ جنگ کے لیے تشریف لے جاتے ۔ بعض نے تین بار کا بھی کہا ہے، آپ کا مدینہ میں وصال ہُوا۔

بعض نے کہا آپ (جنگ) قادسیہ میں شہید ہوئے ۔ قادسیہ ایک گاؤں کوفہ کے فوق میں ہے ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کی جنگ میں دیکھا کہ آپ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور آپ کے پاس سیاہ جھنڈا تھا۔

مروی ہے کہ جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح ہوئی اس روز کو یوم القادسیہ کہا جاتا ہے ۔ آپ نے عجم پر اسی جگہ فتح پائی اور اس میں بہت مالِ غنیمت حاصل ہوا ۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے ، بعض نے کہا عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ فہری بنو عامر ابن لوئی سے ۔ بعض نے کہا عمرو بن قیس بن زائدہ بن الاصم بنو عامر بن ہلال سے ۔

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں زاد ہیں ۔ ام مکتوم آپ کی دادی کا نام ہے ۔ (کشاف)

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا (اور یہ ان کا وہم ہے) اور یہ ابن عبدالبر وغیرہ نے صراحۃً لکھ دیا کہ ام مکتوم آپ کی ماں کا نام ہے اس کا اصلی نام عاتکہ بنت عامر بن مخزوم ہے ۔

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار مکہ کے بڑے بڑے لیڈروں شیبہ کے بھائی عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب ، اُبی بن خلف اور اُمیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اس اُمید پر کہ یہ اسلام قبول کرلیں کیونکہ عوام کی عادت ہے کہ ان کے بڑے مان جائیں تو چھوٹے بھی مان جاتے ہیں ۔ جیسے مشہور ہے : الناس علی دین ملوکھم (عوام اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) ۔ اس دوران میں عبداللہ ابنِ اُم مکتوم نابینا حاضر ہوئے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار ندا کر کے عرض کیا کہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی تعلیم فرمائیے ۔ ابنِ مکتوم نے یہ نہ سمجھا کہ حضور دوسروں سے گفتگو فرما رہے ہیں ۔ صرف کوئی بات سننے سے لازم نہیں آتا کہ آپ مشغول ہیں کیونکہ اس کا دیکھنا بھی ضروری ہے علاوہ ازیں حضور گفتگو بھی آہستہ آہستہ کر رہے تھے ابنِ ام مکتوم درمیان میں بولنا شروع ہو گئے ، یہ معلوم نہ تھا کہ اس سے قطع کلام ہوگا ۔ یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری اور آثارِ ناگواری چہرۂ اقدس پر نمایاں ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دولت سرائے اقدس کی طرف واپس ہوئے ۔ اس سے ابن ام مکتوم محزون و ملول ہوئے ، اس خیال سے گھر چلے گئے کہ مبادا اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرفداری میں آیات نازل فرما دیں ۔

نکتہ : نابینا فرمانے میں عبداللہ بن ام مکتوم کی معذوری کی طرف اشارہ ہے کہ قطع کلام ان سے اس وجہ سے واقع ہو ۔

ف : آیت کے نزول کے بعد سیدعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن ام مکتوم کا اکرام فرماتے تھے۔

امام زاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلایا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اس کے اُوپر بٹھایا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کی تکریم کرتے تھے۔ جب آپ ابن ام مکتوم کو دیکھتے تو فرماتے : مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی (مرحبا یہ وہ ہیں جن کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے (محبوبانہ) عتاب فرمایا) یعنی بقاء المحبۃ۔ (میں نے اسے محبوبانہ عتاب سے تعبیر کیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ) اور فرماتے : ھل لك من حاجۃ (کوئی حاجت ہو تو بتاؤ)

ف : کہا جاتا ہے کہ آپ عمر بھر اتنے مغموم نہ ہوئے جتنا اس سورۃ عبس کے نزول سے ہوئے کیونکہ اس میں عتاب محبوبانہ ہے اس لیے کہ شانِ محبوبی کے خلاف گفتگو فرمائی اور ساتھ ہی خطاب کو چھوڑ کر صیغۂ خطاب سے گفتگو فرمائی۔ یہ عتاب بظاہر معمولی ہے (لیکن محبوبوں کے لیے بہت زیادہ) بلکہ دیکھا جائے تو یہ اہلِ ایمان کے لیے ایک عقدہ کا حل ہے اور اس میں منتقین کو تنبیہ ہے۔

گستاخ ومنافق امام مسجد کی حضرت عمر رضی اللہ نے گردن اڑادی اس ظاہری عتاب کی کیفیت کی وجہ سے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منافق امام مسجد کی گردن اڑادی جب آپ کو معلوم ہُوا کہ وُہ اپنی امامت کی قرأت میں صرف سورۃ عبس ہی پڑھتا ہے۔ صرف اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امام مسجد کے کفر پر استدلال[1] کیا اور اس کی قوم کے سامنے اس کی اوقات واضح کر دی کہ یہ ہے رسول کے گستاخ کا انجام۔

ف : حضرت ابن زید نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کی کوئی شے چھپاتے تو یہی واقعہ چھپانے کا تھا لیکن چھپایا نہیں اور نہ ہی آپ کا یہ منصب تھا ایسے ہی چھپاتے تو آیت تحریم (لم تحرم ما احل اللہ لك۔ پ ۲۸) چھپاتے، اور چھپانا ہوتا تو امسك علیك زوجك تا واللہ احق ان تخشاہ (پ ۲) چھپاتے۔

---

[1] اس سے اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بڑی دولت ہے۔ جتنا عشق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہُوا باقی عشّاقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان حضرات کے ریزہ خوار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عشق کے تفصیلی واقعات فقیر کی کتاب 'الاصابہ' کے باب عشق الصحابہ میں ملاحظہ ہوں۔ اویسی غفرلہٗ

ازالہ وہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فعل ترکِ اولیٰ کے قبیل سے ہے اسی لیے اسے گناہ کہنا بدقسمتی کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا اس وقت کا اجتہاد طلب الاولیٰ (اسلام صنادید قریش) کے لیے تھا۔

سوال: حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اعمٰی (نابینا) سے یاد کرنا ان کی تحقیر ہے۔

جواب: (۱) یہ عنوان تحقیر کی علامت ہے ان کی تعظیم کی عتابِ محبوبانہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان سے تیوری چڑھانے سے روکا۔

(۲) یہ عنوان حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے اقدامِ بیجا سے معذرت کا رنگ بھی ہے کہ اگرچہ اس نے محبوب علیہ السلام کی گفتگو میں مداخلت کی کہ آپ صنادید قریش سے گفتگو فرما رہے تھے۔

(۳) یہ عنوان ان پر نرمی کے استحقاق کے لیے ہے کہ وہ اس معذوری کی وجہ سے سختی کی بجائے نرمی کے مستحق ہیں۔

(۴) یہ آپ کے زیادہ انکار کی دلیل کا اظہار ہے جو مقام کے اقتضار معلوم ہوئی کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس نابینا سے رُوگردانی کرنا نامناسب ہے کیونکہ یہ آپ کے خلقِ کریم کے خلاف ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ (اور تمہیں کیا معلوم) یہ التفات بھی اسی لیے ہے کہ اسی عتاب کی تشدید کے لیے ہے کیونکہ عتاب مشافہہ آیا وہ دخیل ہے عام عادت میں کہ عتاب کرتے ہوئے پہلے لوگوں (عوام) کو مخاطب کیا جاتا ہے پھر جس کو عتاب کرنا ہے اس سے بالمشافہہ گفتگو کی جاتی ہے بلاتمثیل یہاں بھی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کو اس کے متعلق کس نے بتایا ہے آپ نے اس کے باطن کو کس طرح معلوم کرلیا کہ اس سے (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے) منہ پھیرا۔ یہاں کلام ختم ہوا اسی لیے یہاں وقف کیا جاتا ہے اس کے مابعد مفعول نہیں بلکہ جملہ مستانفہ ہے۔

ف: امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: غور کیجئے کہ کلام میں کس طرح نزاکت ہے کہ پہلے صیغہ غائب ہے عبس وتولّٰی ورنہ کہا جاتا عبست وتولیت، یہ کلام اس طرح ہے جیسے ایسے غائب سے گفتگو ہو جس سے روگردانی کی گئی ہو پھر بطور عتاب بالمشافہہ گفتگو ہو، چنانچہ فرمایا وما یدریك (اور تمہیں کیا معلوم) کیونکہ اللہ تعالےٰ کو علم تھا کہ محبوب علیہ السلام کی یہ بے توجہی صرف رغبت فی الخیر کے ارادہ پر تھی اور آپ چاہتے تھے کہ شاید بڑے مشرک مسلمان ہوجائیں یعنی ولید یا امیہ وغیرہ۔ ان جیسے مشرکوں کے مسلمان ہونے پر اور بھی بکثرت لوگ مسلمان ہوجاتے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معرض و عاتب (عتاب کرنے والے) کی طرح کلام کیا، پھر خطاب کے صیغہ سے گفتگو کی تاکہ محبوب (علیہ السلام) کو ایحاش (وحشت

دلانے) کے بعد تانیس (اُنس دلانا) ہو۔

سوال: ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور بقدر ضرورت مسائل و احکام سے بھی واقف تھے اور کافر ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو کفار کی بہت بڑی جماعت کے اسلام قبول کر لینے کی امید تھی، حضرت ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) کا مداخلت فے الکلام کرنا بہت بڑی خیر و بھلائی کے انقطاع کا موجب تھا اور یہ بظاہر حرام ہے کفار کا اسلام لے آنا اہم امر تھا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جو کچھ ابن ام مکتوم نے کیا وُہ بظاہر گناہ و معصیت تھا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وُہ واجب اور ضروری تھا پھر اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب کیا (اگرچہ وہ عتاب محبوبانہ تھا)۔

جواب: بظاہر تو معاملہ یُوں ہی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فعل سے اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرنے کا وہم ہوتا ہے اور ان سے لاپرواہی سے ان کے قلوب کو ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہے اور یہ منصب نبوت کے لائق نہیں، کیونکہ اس سے ترکِ افضل لازم آتا ہے جس کی تفصیل پہلے گزری ہے اسی لیے عتاب فرمایا۔

لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰۤی شاید وہ نابینا (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) پاک ہو (بتشدیدین) دراصل یتزکی تھا بمعنی یتطہر پاک اس سے جو آپ سے انوار حاصل کرتا ہے گناہوں کی آلائشوں سے۔

سوال: لعلّ میں تو شک کا احتمال ہے یہ اللہ تعالٰی کے کلام میں کیوں؟

جواب: تحقق التزکی کے لیے تحقق کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ عظمت و کبریائی والوں کی عادت ہے کہ ایسے الفاظ بول کر یقینی امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یا یہ لعلّ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے ہے کہ آپ اس کے پاک ہونے کی امید رکھیں اس میں تنبیہ ہے کہ نابینا (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) سے اعراض کر کے ایسے لوگوں سے تزکّی کی امید رکھنا جس سے تزکّی کا یقین ہے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے:

لعلك ستندم علی ما فعلت (امید ہے کہ تم عنقریب اپنے فعل سے ندامت اٹھاؤ گے)
(یعنی یقیناً ندامت ہوگی)

اَوْ یَذَّكَّرُ (یا نصیحت پائے) (بتشدیدین) کہ دراصل یتذکر تھا از التذکر بمعنی الفاظ یعنی نصیحت حاصل کرنا **فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى** (تو اسے نصیحت نفع دیتی) یعنی تمہاری نصیحت اسے فائدہ دیتی اگرچہ وہ تزکّی کے درجے تک نہ بھی پہنچتا۔

ف: کشاف میں ہے معنٰی یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ جس سے تزکی و تذکر کی امید ہے اور اگر تمہیں معلوم ہوتا جو تم سے زیادتی ہوئی ہے الخ اسی طرف اشارہ ہے قول یزکی میں یعنی گناہوں سے پاک اور صاف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور او یذکر میں تخلیہ کی طرف بعض طاعات سے اسی لیے ان کے درمیان کلمہ تردیدیہ ہے،

اور یذکر کا عطف یزکیّ پر ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو کافروں کے تزکیہ کے درپے ہوتا ہے تو ان سے کسی قسم کی تذکی و تذکرہ حاصل نہ ہوگا اور اس میں تنبیہ ہے کہ علم کے لیے لائق ہے کہ متعلم کی تعلیم سے تزکیہ مطلوب ہو اس کے جسم اور صورت کو نہ دیکھے جیسے عوام کا نظریہ ہے کہ متعلم کو بھی لازم ہے کہ وہ بھی اہل تعلیم کے حصول میں ضلالت کی پلیدیوں سے پاک اور قلب کی تطہیر از ادناس جہالت جہالت کا ارادہ ہو نہ کہ دنیا کے بیکار امور ۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی (اور وہ جو بے پروا بنتا ہے) امّا تفصیلیہ ہے یعنی وُہ جو ایمان سے بے پروا ہے اور اس سے جو تمہارے پاس علوم و معارف ہیں سب کو قرآن مجید حاوی ہے ۔

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی (تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو) اس میں ایک تار محذوف ہے تخفیفاً کہ دراصل تتصدّی تھا یعنی درپے ہو اس کی طرف متوجہ ہونے کو، اور اس کی رہبری اور اصلاح کرنے کا اہتمام کرتے ہو اور نابینا سے اعراض اور بے پروائی ۔

ف : اس میں کفار سے مزید نفرت دلانا ہے اور ان کی سنگت اس لیے کہ جس سے رُوگردانی کرنی ہے اس کی طرف متوجہ ہونا اچھے لوگوں کا کام نہیں ۔

حلِ لغات التصدّی بمعنی کسی شے کے پیچھے لگنا اس کے ساتھ مقید ہونا اور اس کے لیے اہتمام کرنا اس کی نقیض التشاغل عنہ ہے اس سے رُوگردانی کرنا ۔

المفردات میں ہے التصدی یعنی شے کے بالمقابل ہونا صدائے بازگشت کی طرح صدیٰ بمعنی پہاڑ کی بازگشت ۔

کشف الاسرار میں ہے حرص کر کے شے کے ایسے پیچھے لگنا جیسے پیاسا پانی کے پیچھے لگتا ہے ۔

بعض نے کہا تصدّی دراصل تصدّد ہے از الصدد بمعنی وہ شے جو تیرے سامنے ہوا ور چہرہ کے برابر آگئے ہو ۔ ایک دال کو حرکت کے موافق الف کے ساتھ تبدیل کیا گیا ۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى (اور تمہارا اس میں زیاں نہیں کہ وہ ستھرا نہ ہو) تم پر کوئی گناہ اور زیاں نہیں اس میں کہ وُہ پاک اور ستھرا نہ ہو وہ جو اسلام سے بے پروا ہے یہاں تک کہ تم اس کے لیے اہتمام کرو اور اعراض کرو جو مسلمان ہے تمہارے ذمّہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے پھر اس کے لیے تمہارا اہتمام کیسا؛ جیسے اسلام کی قابلیت نہیں کیونکہ وہ تو حبِ دنیا کے لیے ہی پیدا ہوا ہے اور آخرت سے روگردانی پر اس کی پیدائش ہوئی ہے ۔

ف : اس میں اس کی اہانت ہے جو اسلام سے رُوگردانی کرتا ہے ۔ ما نافیہ ہے اور کلمہ فی المقدّر ہے

ما کے اسم سے متعلق ہے اور وہ بھی محذوف ہے اور جملہ تصدّی کی ضمیر سے حال ہے جو جہت انکار کا مقررہ ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى (اور وہ جو تمہارے حضور بلکتا آیا) درانحالیکہ وہ دوڑتا اور طالب ہے اس کا جو تمہارے پاس رشد و ہدایت اور نیک خصلتیں ہیں **وَهُوَ يَخْشٰى** درانحالیکہ وہ ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے یا کفار سے اور ان کے آنے پر آپ کو اذیت پہنچانے سے۔

ف : حضرت سعدی المفتی نے فرمایا کہ یہ عبارت از قبیل احتباك ہے کہ غنا ر کا ذکر فقر پر دلالت کرنے کے لیے اوّلاً و ثانیاً اور جاء اور یخشی کا ان کی نقیضین کے لیے ثانیاً و اوّلاً۔

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى (تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو) یہاں بھی تخفیفاً ایک تاء محذوف ہے کہ دراصل تتلھّٰی تھا بمعنی تتشاغل۔

حلِ لغات : تلھّٰی از لھِیَ عن الشیٔ (بکسر الھاء) یلھٰی لھیًا بمعنی اعرض عنه یعنی اس سے رُوگردان ہُوا ئنہ از لھوتُ بالشیٔ (بالفتح) اَلْھُوُ، لھواً بمعنی میں اس سے کھیلا۔

مفسر کا ادب تلھّٰی کا مادہ لھو اس لیے نہیں کہ یہ ضمیر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے اور یہ آپ کی شان کے لائق نہیں کہ آپ میں لھو ہو (معاذ اللہ) بخلاف اشتغال عن الشیٔ، کسی سے رُوگردانی کرنا یہ آپ سے ممکن ہے بوجہ مصلحت (دین) کے۔ اگر بقول بعض تفاسیر اسے لھو سے مان لیا جائے اور یہ ترجمہ ہو کہ آپ کا اہلِ تغافل کے ساتھ مشغول ہونا لھو کی جنس سے ہے فلہذا کیا حرج ہے کہ لھو کی نسبت ہو لیکن یہ ایسا مطلب ہے کہ اس سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوسکتا اور خلل من وجہ سے خالی بھی نہیں (اور وہ شانِ رسالت کے لائق نہیں) اس میں ایک اور خرابی بھی لازم آتی ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام تو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اور اسے لھو و لعب کہنا ایک عبث امر ہے کوئی بھی اہلِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ماننے کے لیے تیار نہیں (اسے کوئی بے ایمان مراد لیتا ہے تو بے ایمان کا کیا اعتبار) کیونکہ یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ تغافل سے تشاغل کا کیا معنی، اگر تبلیغ وارشاد کے لیے تھا تو پھر وہ لَھْو کہاں، تو یہ بے نفع کیسا۔

نکتہ : دونوں جملوں میں انت (ضمیر) کی تقدیم دلیل ہے اس کی کہ انکار کا دارومدار حضور علیہ السلام پر ہے کہ آپ جیسے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لائق نہیں کہ ایسے مستغنی اسلام کے درپے ہوں اور فقیر طالب للخیر (ابن ام مکتوم) سے منہ موڑیں۔

نکتہ : لَہٗ اور عنہٗ کی تقدیم میں تعریض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مضمونوں کا اہتمام فرمایا اس میں تنبیہ ہے کہ یہ قصہ ارواح واحوال کے لیے عبرت ہے نہ کہ اجسام و اموال کے لیے۔

اور اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزیز وہ ہے جو ایمان و طاعت سے مالا مال ہے اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہے ، بلکہ ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے کفر و معصیت کی وجہ سے ذلیل کرے اگرچہ لوگوں کے ہاں عزیز (معزز) ہو (جیسے ہم کہتے ہیں بدمذہب اور بدعقیدہ آدمی اگرچہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ ہمارے نزدیک جوتے کی نوک کے برابر بھی نہیں اور صحیح العقیدہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو وہ ہمارے سر کا تاج ہے ۔ لیکن اس پر عمل کرنا کانٹوں کی سیج پر بیٹھنے اور آگ کی مالا گلے میں ڈالنے کے مترادف ہے ۔ اویسی غفرلہٗ)

ف : عبس و تولّٰی کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی فقیر (مسکین) کے سامنے تیوری نہ چڑھائی اور نہ ہی کبھی رُوگردانی فرمائی اور نہ ہی کبھی کسی دولت مند کے لیے اہتمام فرمایا ، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس مبارک میں فقراء اور امراء سب ہوتے [1] یعنی درگاہِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں ہی فقراء کو کامل و مکمل احترام نصیب ہوتا ہے ۔

مسئلہ : اس میں چھوٹے کو بڑے کا ادب سکھایا ہے ، بلکہ اس میں تمام حاملین شرع و علم و احکام کو سبق ہے کہ اہلِ خیر کو مقدم رکھیں خواہ وہ کتنا ضعیف (کم مرتبہ) اور شریف (سید) کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اگر علم و عمل کی دولت سے عاری ہو تو اس پر اہلِ علم اور اہلِ خیر کو تقدیم دیں (مجھے دورِ حاضرہ کے علماء کرام پر تعجب ہے کہ وہ جاہل ، بے عمل پیروں (اہلِ دنیا) کو اہلِ علم اور نیک سیرت اشخاص پر ترجیح دیتے ہیں صرف ان جاہل پیروں (اہلِ دنیا) کو خوش کرنے کے لیے ، ایسے علماء کے منہ میں جہنم کی لگام دی جائے گی [2] اگرچہ یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے لیے ہے لیکن حکم عام تا یوم القیام ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے درجۂ فقر اور اس کے اہل کی تعظیم اور دنیا کی خست اور اس کے اہل کی تحقیر بیان کی ہے اسی لیے فقراء (صلحاء و اولیاء اللہ) کی صحبت میں مشغول ہونا چاہیئے کیونکہ انہی سے صدق و تجرد کی خوشبو آتی ہے ان کی صحبت بابرکت سے فائدہ نصیب ہوتا ہے بخلاف صحبت اہل دنیا کے کہ اس سے زیاں ہی زیاں ہے بلکہ صحبت میں ضیاع ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

من تحامل علی فقیر لغنی — جس نے فقیر پر غنی کے لیے بوجھ ڈالا

---

[1] بلکہ آج تک ہے کہ گنبد خضراء کے خواجہ سراؤں کو فقیر نے آنکھوں سے بڑے بڑے امیروں کو دھکیلتا دیکھا ۔ وہاں پتا چلتا ہے کہ دربارِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فقیر ہی درحقیقت امیر ہیں ۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

فقد هدم ثلث دینه ۔ (یا اس کے ساتھ انصاف نہ کیا) اس نے دین کا تہائی حصہ منہدم کردیا ۔

حل لغات تحامل از تحاملت علی الشئ ہے بمعنی تکلفت الشئ علی مشقۃ و تحامل فلان علی فلان (میں نے کسی کو مشقت کا مکلف بنایا ، فلاں نے فلاں کے ساتھ انصاف نہ کیا)

تفسیر صوفیانہ [۲] بعض اکابر نے فرمایا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اکابر قریش کی عزت افزائی اس لیے فرمائی کہ اعزاء از مخلوق مظاہر العزۃ الالٰہیہ ہیں ان کی تقدیم علی الفقراء اہل الصفۃ کی عادت سے ہے تاکہ صفتِ کبریائی کا حق ادا ہو سکے جب اس میں اس کو صفت کبریائی مشارکاً نہ سمجھے بلکہ مظہر سمجھے لیکن اس سے بڑھ کر اور مرتبہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حکم فرمایا جو کہ یہ سورہ عبس کے مطابق حکم ہوا کہ :

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی (الآیۃ) خود کو ان کے ساتھ لازم پکڑو جو صبح و شام رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ۔

اس میں اشارہ ہے کہ آپ ہر شے میں مشاہدہ حق کریں کسی کی تخصیص نہیں علی الاطلاق مشاہدہ ہو جو کہ وہی حق ہے جیسے فرمایا :

جعت فلم تطعمنی و ظمئت فلم تسقنی (الحدیث کما فی الجواھر للشعرانی) میں بھوکا رہا مجھے کسی نے کھانا نہ کھلایا ، میں پیاسا رہا مجھے کسی نے پانی نہ پلایا ۔ (الحدیث ، الجواہر للشعرانی رحمہ اللہ)

تفسیر عالمانہ کَلَّآ (یوں نہیں) مستغنی از اسلام کے درپے ہونے سے اور مسترشد کے ارشاد سے اعراض سے جھڑکا ہے ۔

ف : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب یہ آیات حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سنائیں تو خوفِ خدا سے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ، ایسے محسوس ہوا کہ خشکی سے آپ کا چہرۂ اقدس راکھ کی طرح خشک ہو گیا ہے اس خوف سے کہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ اس پر کیا حکم صادر فرماتا ہے ۔

جب جبریل علیہ السلام نے عرض کی کلا ۔ اس سے آپ کے چہرۂ اقدس پر مسرت ظاہر ہوئی اور تسریہ ۔ التسریۃ بمعنی غم ہٹا دینا ۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ! آئندہ ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ۔

اِنَّهَا (بیشک قرآن) ضمیر مؤنث باعتبار خبر کے ہے جو کہ مؤنث ہے تَذْكِرَةٌ (سمجھانا ہے) پند ونصیحت ہے اس سے نصیحت حاصل کرنا واجب اور اس کے موجب پر عمل کرنا ضروری فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (تو جو چاہے اسے یاد کرے) قرآن کو حفظ کرے اسے نہ بھلائے یا اس سے نصیحت حاصل کرے اس لیے کہ جو اس سے رُوگردان ہے وہ اسلام سے رُوگردان ہے اس کے معاملہ میں کسی قسم کا اہتمام نہیں چاہیے فِیْ صُحُفٍ (ان صحیفوں میں)

حلِ لغات صحف صحیفہ کی جمع ہے۔ عرب کے نزدیک ہر مکتوب (لکھا ہوا) صحیفہ ہے اور یہ مضمر کے متعلق ہے اور وہ تذکرۃ کی صفت ہے اور موصوف کے صفت کے درمیان جملہ معترضہ اس میں ترغیب اور اس کی حفظ کی تحریص کے لیے لایا گیا ہے یعنی وہ ان صحیفوں میں ہے جو لوحِ محفوظ سے لکھے گئے ہیں یا یہ ان کی دُوسری صفت ہے اور دو خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ف : سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ محذوف کی خبر ہے کہ دراصل "ھی فی صحف" تھا، یہاں پر وقف لازم کی علامت رکھی گئی تاکہ وہم نہ ہو کہ اس کا تعلق اسی کے ماقبل سے ہے اور اس سے متعلق ہو تو وہ ناجائز ہے مثلاً عبارت ہو گی من شاء ذکرہ فی صحف۔ (یہ اس لیے کہ من شاء کا ذکر صحیفوں میں نہیں)

مُّكَرَّمَةٍ (عزّت والے ہیں) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرّم ہیں کیونکہ وہ قرآن کریم کے صحیفے ہیں مَّرْفُوْعَةٍ (بلندی والے) اٹھائے ہُوئے ساتویں آسمان میں یا مرفوع المقدار والذکر (بلند قدر اور بلند ذکر والے) ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ وہ آسمانِ دُنیا کے بیت العزت میں رکھے ہوئے ہیں مُّطَهَّرَةٍ (پاکی والے) شیاطین کے ہاتھوں کے چھُونے سے منزّہ اور پاک ہیں بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ (ایسوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے) ان لکھنے والے ملائکہ کے ہاتھوں سے جو اسے لوحِ محفوظ سے لکھتے ہیں۔

حلِ لغات سفرۃ، سافر کی جمع از سفرٌ ہے بمعنی لکھنا، اس لیے کہ لکھنے میں سَفر کا معنی ہے سفر بمعنی کشف، توضیح۔ اور کاتب سافر ہے یعنی وہ شے کو بیان اور واضح کرتا ہے السفر (بفتحتین) کو اس لیے سفر کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو بیان اور واضح کرتا ہے۔

ف : علماءِ کرام نے فرمایا کہ سفرۃ کا لفظ انہی ملائکہ سے خاص ہے ان کے ماسوا دیگر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اگرچہ لغت کی رُو سے جائز ہے اور باء مطھرۃ کے متعلق ہے۔

نکتہ : قفال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ اسے صرف مطہر ملائکہ کرام کا ہاتھ لگا ہے تو اس کی طرف تطہیر کا اسناد ہُوا کہ اسے صرف مطہر ملائکہ کا ہی ہاتھ لگا ہے۔

ف : قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا لا یمسّہٗ الا المطھرون میں بھی یہی ملائکہ کرام مراد ہیں اسی لیے یہ محلاً

مجرور ہے کہ صحف کی صفت ہے کہ دراصل عبارت یُوں ہے فی صحف کا ئنۃ بایدی یا مکتوبۃ بایدی سفرۃ اسی لیے بعض نے وقف لازم مطھرۃ پر کیا ہے تاکہ وہم نہ ہو کہ باء کا تعلق اسی سے ہے ۔

کِرَامٍ قُرب و شرافت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہیں از کرامت ۔ کریم کی جمع ہے یا اہلِ ایمان پر مہربان ہیں کہ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں از کرم جو لئوم کی نقیض ہے ۔

ف : ابن عطاء نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ابن آدم کے ساتھ والے (کراماً کاتبین) فرشتے ہیں خواہ وہ اپنی زوجہ سے جماع کرے یا قضائے حاجت کو جائے ، اس کی مراد وہی کراماً کاتبین ہیں اس میں سوچ بچار کر۔

بَرَرَةٍ (پاکیزہ) بوجہ ان کے تقدس عن المواد کے، اور ان کے جواہر کا تعلقات سے تنزّہ کا ، یا وہ اللہ کے مطیع ہیں ان کے قول فلان یبر خالقہ (فلاں اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے) کے ، یا سچے ہیں برّ فی یمینہ سے ۔ یعنی وہ اپنی قسم میں سچا ہے، بارّ کی جمع ہے جیسے فاجر کی جمع فَجَرَۃٌ ہے ۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ (آدمی مارا جائیو) شنیع تر دُعا ہے انسان کے لیے، کیونکہ قتل دنیا کے شدید فظیع ترین امور سے ہے ۔ اس کی تفسیر لعنت سے بھی ہے یعنی کافر لعنتی ہو جائیو ، عین المعانی میں بمعنی عُذِّب (عذاب کیا جائیو) ہے ۔ **مَآ اَکْفَرَہٗ** (کیا ناشکر ہے) باوجودیکہ اس پر اللہ تعالیٰ کے اَن گنت احسانات ہیں لیکن پھر بھی ناشکر ہے کیونکہ مخلوق میں بڑا کافر ہے اُس کے کُفران میں حد سے بڑھ جانے سے فعل تعجب لایا گیا ہے ظاہر کے اعتبار سے ، کیونکہ حقیقی تعجب کا معنی ہے کہ اس شخص سے تعجب کا صدور ہو جو جاہل ہو اس وجہ سے کہ اس پر شے کا سبب مخفی ہے اور وُہ ذات کہ جس کا علم جمیع علوم کو محیط ہے اس سے خفاء کا تصور توبہ توبہ ، تو اسی معنی پر یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو تعجب دلانا اور جن پر لعنت و بُری دُعا استعمال ہوئی اس کے استحقاق کا اظہار ہے ۔ اب معنی ہوگا کہ اے بندو ! اس سے تعجب کرو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے اور باوجودیکہ وہ اس کے احسانات کو جانتا ہے تب بھی ناشکری کر رہا ہے بلکہ تم بھی اس پر بد دعا کرو قتل اور لعنت وغیرہ کی کہ وہ اس کا مستحق ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کافر کو لعنت فرمائی اور اس کے کفر کو عظیم کہہ کر بنایا جو اپنے صانع کی معرفت حاصل نہ کر سکا اور نہ ہی اپنے نفس کو پہچان سکا اگر وہ نفس کو پہچان لیتا تو صانع کی معرفت حاصل کر لیتا ۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دُعا عرب کے اسلوب پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ عاجز ہے تو ایسی بد دُعائیں کر رہا ہے ورنہ وہ دشمنوں سے انتقام لیتا ایسے ہی یہ تعجب بھی حقیقی معنی میں نہیں بلکہ اس کے عظیم اور شدید ترین غضب و غصہ کا اظہار ہے ورنہ وہ عجز و جہل سے منزّہ و

مقدس ہے بلکہ اس سے مقصود (یعنی اسے دعا کے طرز پر لانا) دلیل ہے اس کے غضب اور غصے کی، اور تنبیہ ہے کہ ایسا کافر سخت ترین عقوبات اور شنیع ترین سزا کا مستحق ہے اور صیغۂ تعجب سے اس کی بلیغ مذمت ہے کہ وہ قبیح ترین فعل کا مرتکب ہوا ہے اور غصہ اور غضب اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے ایسے ہی اس کا کسی کی مذمت کرنا بھی۔

ف : ما اکفرہ کو استفہام بنانا بھی جائز ہے اور انسان سے من استغنیٰ عن القراٰن یعنی وہ جو قرآن سے لاپرواہ ہے جس کے اوصاف مذکور ہوئے، یا اس سے انسان کی جنس مراد ہے جو اسے اور اس کے ہم مثل اور کو بھی شامل ہے نہ کہ باعتبار جمیع افراد کے۔

تفسیر عالمانہ

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (اسے کاہے سے بنایا) کیسی حقیر ذلیل شے سے اسے بنایا یعنی فکر بھی نہیں کرتا، سوچتا بھی نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کس شے سے پیدا کیا، اسے خود بیان فرمایا مِنْ نُّطْفَةٍ (پانی کی بوند سے) (یعنی منی پلید سے) خَلَقَهٗ (اسے پیدا کیا) تو جس کی اصل ایسی حقیر و ذلیل شے ہو اسے تکبّر و تجبّر و کفران کب لائق ہے اس منعم کے ساتھ جس نے ایسی حقیر و ذلیل شے کو ایسی قیمتی اور حسین و جمیل اور بارونق صورت بخشی۔

ف : حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے من نطفۃ پر وقف مطلق کی علامت وضع فرمائی دوسرے خلقہ کو مقدر مان کر، جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے اور اس نے خلقہ فقدرہ دوسرا جملہ مستانفہ مانا ہے بوجہ انسان کی تخلیق اور اس پر انعام کے اتمام کے، اور جس نے اس کا متعلق مابعد بنایا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس نے وقف نہیں کیا۔

فَقَدَّرَهٗ (پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا) اسے جو اس کی صلاحیت پر اور اس کے لائق اعضاء و جوارح اور اشکال اور کمیت و کیفیت پر اسے تیار کیا "یعنی مقدار معلوم پر اعضاء و اشکال اور کمیت و کیفیت سے اسے مستعد بنایا اس کے لیے کہ وہ اس میں قدر لائق تک پہنچ سکے اپنی مصلحت کے ساتھ اس سے عطف الشیٔ علیٰ نفسہٖ لازم نہیں آیا اس لیے کہ خلق ماخوذ ہے القدر سے بمعنی اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر فرمایا تقدیر اولیٰ پر، پھر اسے طرح طرح سے مقدر فرمایا علقہ سے مضغہ سے وغیرہ وغیرہ، پھر مذکر یا مؤنث، بدبخت یا نیک بخت۔ بعض نے کہا دونوں وجہوں پر فاء تفصیلیہ ہے اس لیے کہ تقدیر دونوں معنوں کو متضمن ہے۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (پھر اس کا راستہ آسان کیا) منصوب ہے مضمر سے، ظاہر اس کی تفسیر کرتا ہے یعنی اس کا ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کیا کہ رحم کا منہ کھولا حالانکہ وہ تنگ تھا ولادت سے پہلے، اور اسے الہام کیا کہ اوندھا ہو جا یعنی الٹا کہ پاؤں اوپر اور سر نیچے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی ولادت ممکن نہ ہوتی اور اس کا دین و دنیا کا راستہ آسان کیا خیر و شر کے لیے، اور ان دونوں میں چلنے کی آسانی دی اس پر اسے قدرت اور

پہچان بھی دی کہ اس کے لیے نافع کیا ہے اور ضار (ضرر رساں) کیا اور انبیاء علیہم السلام بھیجے اور کتابیں نازل کیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال: السبیل معرفہ باللام کیوں بالاضافۃ کیوں سبیلہ ہونا چاہیئے۔

جواب: عموم کے لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ عام انس وجن کے لیے بمعنی ثانی اور حیوانات کے لیے بمعنی اول۔
حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کے لیے مقدر ہے توفیق اس کے رُشد وہدایت اور اتباع نجات آسان کی۔

اور حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا: آسان کی ہر وُہ سے جو اس کے لیے پیدا کی گئی اور مقدر کی۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ (پھر اُسے موت دی) اس کی رُوح قبض کی اس کے اجل مقدر مسمّی کے وقت **فَاَقْبَرَهٗ** (پھر اسے قبر میں مدفون کرایا) قبر میں مدفون ہو تاکہ پوشیدہ ہو، اس کی تعظیم وتکریم کے لیے، اسے زمین پر سے پردہ ایسے ہی درندوں اور پرندوں کے لیے دوسرے حیوانات کی طرح۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اسے درندوں کے لیے ایسے آوارہ نہیں پھینکا یا پھینکا جاتا تو نواویس ( ) کے لیے، یہ قبر میں دفنانا مسلمانوں کا اکرام ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے، قبر المیت دفنہ بید (اسے اپنے ہاتھ سے دفنایا) القابر بمعنی الدافن (اپنے ہاتھ سے دفنانے والا) القبر بمعنی میّت کی قرارگاہ۔ اقبرہ، امر بدفنہ (اس کے دفنانے کا حکم دیا یا مکنّ منہ اس کے دفنانے پر قدرت تھی، ورنہ حقیقی قبر میں داخل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی قبور میں دفن کرنے کا حکم دیتا ہے۔

المفردات میں ہے اقبرتہ (میں نے وہ جگہ تیار کی جس میں وہ دفنایا گیا) جیسے اسقیتہ (میں نے اس کے لیے پانی تیار کیا تاکہ وہ پیئے)

بعض نے کہا اس کا معنی ہے اس نے اسے اقرار کیا کہ کیسے دفنایا جائے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود — کے زمکر وحیلہ و اندیشہ بود
جملہ حرفتہا یقین از وحی بود — اول اولیک عقل آنرا فزدد

ترجمہ: قبر کا کھودنا کہ بڑا اکثر پیشہ ہے یہ مکر وحیلہ واندیشہ سے کیسے ہو تمام صنعتیں یقینی طور پر وحی سے حاصل ہوتی ہیں پہلے وحی پھر عقل سے اضافہ ہوتا ہے۔

موت بھی نعمت ہے اماتۃ (موت دینا) کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کہا ہے لیکن یہ صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے کیونکہ وُہ دنیا کی قید سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کے لیے موت

شان یہ ہے کہ وہ تحفہ اور دائمی زندگی اور ہمیشہ کی نعمتوں کی طرف پہنچانے والی ہے لیکن یہ کافر اور بد مذہب (گندے عقیدے اور بُرے اعمال والے) کے لیے دُکھ درد اور بلاء و مصیبت کی کنجی ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اماتت کا ذکر اقبار (قبر کا ادخال) کا مقدمہ ہے یا تخویف و تذکیر کے لیے ہے کہ حیوٰۃ دنیوی فانی اور اس کا انجام موت ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے: ؎

فلا تمشین فی منکب الارض فاخرا

فعما قلیل یحتویك ترابھا

ترجمہ: زمین کے کاندھے پر فخر و ناز (اکڑ کر) نہ چل، بہت تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی مٹی تجھے گھیر لے گی۔

یا موت کی استعداد کے لیے اس کا ذکر کیا گیا ہے یا اس کے بالمقابل انشرہ کی رعایت کے لیے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمال قدرت اور کامل حکمت کا مالک ہے۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (پھر جب وہ چاہے گا اسے منتشر کرے گا) اس کا انشار واحیاء و بعث (مرنے کے بعد اٹھانا) اس کی مشیت پر ہے کہ جب چاہے گا قبور سے زندہ کر کے اُٹھائے گا۔

نکتہ: انشار کو اس کی مشیت سے متعلق کرنے میں تنبیہ ہے کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔

ف: موت کا وقت مقرر ہے کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ مثلاً ہمارے زمانے کے لوگ ڈیڑھ صدی سے تجاوز نہیں کرتے لیکن ایسا حتمی اندازہ انشار کے لیے نہیں (ایسے ہی مفسرین نے فرمایا)۔

ف: موت کا سن معلوم اور اصل محدود ہے کہ اسے صرف اور صرف مشیت کے سپرد نہیں کیا جاتا اور انشار کو مشیت سے مقید کرنا ضروری نہیں کہ موت بھی مقید بہ مشیت ہو اس کے لیے کہ انشار وہ دور ہے کہ اس میں زمانے کا اجراء ہوتا ہی نہیں یا اس لیے کہ وہ زمانہ قیامت کا مقدمہ بلکہ قیامتِ صغریٰ قیامتِ کبریٰ کی طرح مجہولہ ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ میت اگر اہلِ سعادت ہو تو اس کا انشار (قبور سے اٹھایا جانا) اہلِ سعادت سے ہو گا اگرچہ وہ اہلِ شقاوت کے ساتھ مدفون ہو۔ ایسے ہی اہلِ شقاوت کا اہلِ شقاوت کے ساتھ انشار ہو گا چاہے اس کا مدفون اہلِ سعادت کے ساتھ ہو۔

اسی لیے صاحب المشارق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے خطبہ میں فرمایا:

اعجوبہ ثم اذا شاء منھا النشرہ ای من مکۃ پھر جب چاہے اس سے یعنی مکہ سے مرنے

فان من دفن بمکة ولم یکن لائقا بہا تنقلہ الملائکة الی موضع آخر۔ (روح البیان ج۱۰ ص ۴۳۴)

کے بعد اٹھائے اس لیے کہ وہ جو مکہ معظمہ کے گورستان (جنۃ المعلٰی) میں مدفون ہو لیکن وہاں کے لائق نہ ہو تو اسے ملائکہ دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:

من مات من امتی یعمل عمل قوم لوط نقلہ اللہ الیہم حتی یحشر معہم۔

میرا امتی جہاں مرے بدقسمتی سے وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہے (یعنی لواطت کا ارتکاب کرتا ہے) تو اسے اس کی قبر سے نقل کر کے لوطیوں کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے تاکہ قیامت میں ان کے ساتھ اس کا حشر (اٹھنا) ہو۔ (معاذ اللہ)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

من مات وھو یعمل عمل قوم لوط سار بہ قبرہ حتی یصیر معہم و یحشر یوم القیامة معہم۔ (الدرالمنتشرة للامام السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی)

جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا مرے (یعنی اس بُرے عمل سے اسے توبہ نصیب نہ ہوئی) تو اس کی قبر چل کر وہاں پہنچتی ہے جہاں لوط کی قوم ہے وہ ان میں مل جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت میں وہ ان کے ساتھ اُٹھے گا۔ (معاذ اللہ)

شیعہ کا انجامِ بد ایک شخص مسمی بہ ابن ہیلان سخت شیعہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جی بھر کر گالیاں بکتا تھا ایک دن ایک دیوار ڈھا رہا تھا، دیوار اس پر گری اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، اسے جنۃ البقیع (مدینہ طیبہ کے گورستان) میں دفنایا گیا۔ جس قبر میں دفنایا گیا دوسرے روز وہ وہاں نہ ملا، نہ وہ مٹی ملی جو اس کی قبر کے اندر ڈالی گئی لیکن قبر اوپر سے صحیح و سالم تھی تاکہ وہم نہ ہو کہ کسی نے اس کی قبر کو کھود کر کہیں باہر پھینکا ہو گا، جسے جم غفیر نے دیکھا، یہاں تک کہ حضرت قاضی جمال الدین رحمہ اللہ وہاں تشریف لے گئے اور لوگ اس خبر کو دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آئے اور یہ قصہ دور دور تک پھیل گیا اور یہ واقعہ بھی عجوبۂ روزگار سے شمار ہوا اور جس نے اس سے عبرت حاصل کی اللہ تعالٰی نے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ ہم اللہ تعالٰی سے عافیت و سلامتی

کا سوال کرتے ہیں۔

حکایت حضرت محمد بن ابراہیم مؤذن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسم حج میں مَیں نے ایک شخص کو مُردہ پایا اُسے اٹھا کر قبر تک لے جانے کے لیے کوئی آدمی نہ ملا، میں اکیلا نہ اٹھا سکتا تھا، ایک آدمی نے میری مدد کی، ہم نے اس کی قبر کھود کر اسے قبر میں رکھا تو دوسرا شخص چلا گیا۔ میں اس کی لحد کے لیے اینٹیں لینے گیا واپس آیا تو مُردہ موجود نہ تھا، اس کی قبر ایسے ہی کھلی چھوڑ دی۔

حکایت دیگر بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ ہم نے بہت سے دوستوں کو دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ کے باہر مرے لیکن خواب میں دیکھے گئے انہوں نے دیکھنے والے سے کہا کہ ہماری اولاد سے سلام کہہ دینا کہ ہم اپنی قبر سے اٹھوا کر جنۃ البقیع میں پہنچا دئے گئے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے قریب ہی مدفون ہیں، اگر وہ ہمارے، قبر کی زیارت کو آئیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مزار کے فلاں طرف ہماری قبر ہے، وہاں آکر ٹھہریں اور السلامُ علیکم کہہ کر دُعا کریں۔ (المقاصد الحسنہ للسخاوی)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو لائق نہیں کہ وہ کفر پر مرے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نطفۂ وجود مطلق سے بنا کر اسے اپنی ذات وصفات کی مظہریت کے لیے تیار فرمایا پھر اس کے لیے ظہور بمظاہر اسماء جمالیہ وجلالیہ کا راستہ آسان فرمایا پھر اسے اس کی انانیت سے موت دی، پھر فنا از رؤیۃ فنا کی قبر میں دفنایا، پھر جب چاہے گا تو فنا کے بعد بقا کی صورت میں اٹھائے گا۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ نعمت کی قدر پہچانے، عُجب وغرور ظاہر نہ کرے یعنی وہ کمالاتِ الٰہیہ ہیں ان کا اپنے لیے دعویٰ نہ کرے یعنی علم وقدرت وارادہ وغیرہ کا مدعی نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ **كَلَّا** (کوئی نہیں) یہ انسان کو زجر اور رکاوٹ ہے اس سے جس پر وہ ہے۔

ف : حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کلا بمعنیٰ حقّ ہے اسی لیے انہوں نے یہاں وقف نہیں کیا بلکہ اَمَرَهٗ پر وقف فرمایا ہے اس لیے کہ کلا جب بمعنی حقا ہو تو وہ ماقبل کا تابع ہوتا ہے۔

لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (ابھی پورا نہیں کیا جو اسے حکم ہوا ہے) بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ ما صلہ کا ہے تاکید کے لیے فعل پر داخل ہوا جیسے فبما رحمة من الله۔ اور لَمّا بمعنی لَمْ ہے اس میں توقع کا معنیٰ نہیں اور ما امرہٗ کا ما موصولہ ہے عائد اس کا محذوف ہے کہ دراصل ما امرہ بہ ہے پہلے حرف جارہ محذوف ہوا ما امرہ ھُوَ بچا پھر ھُوَ عائد بھی حذف کر دیا گیا نیز یہ کہ عائد باقی رہ جائے، بوقتِ حذف محذوفہ ضمیر ھُوَ انسان کی طرف عائد ہو اور جو ضمیر باقی ہے وہ ما موصولہ کی طرف راجع ہوگی،

(اسے اچھی طرح سمجھ لے اور اس جیسے اوروں کا بھی یہی قاعدہ ہے۔)

ابمعنیٰ یہ ہُوا کہ انسان نے پُورا نہیں کیا وُہ جو اسے اللہ تعالیٰ نے ایمان و طاعت کا حکم فرمایا یعنی ایمان لایا نہ طاعت کی، عرفان حاصل کیا نہ نیکی کمائی۔

ف: عدم اقتضاء عموم النفی پر محمول ہے، ہاں محکوم علیہ ہی مستغنی ہے یعنی حق سے رُوگردانی والا یا اس کی جنس کے لوگ۔ لیکن نہ مطلقاً بلکہ وہ جن پر عدم اقتضاء کا اطلاق ہو سکے۔ یعنی بعض افراد۔

سوال: اگر بعض افراد مراد ہیں تو فعل کا اسناد کُل کی طرف کیوں؟

جواب: تاکہ ملامت خوب پھیلے اور اس قسم کے لوگ ایسی غلطی کے ارتکاب سے باز آجائیں یا یہ کہ اس کا مصداق کل من حیث ہو کل بطریق رفع ایجاب کلی، نہ کہ سلب کلی کے۔

ابمعنیٰ یہ ہوا کہ جمیع افراد انسان نے پُورا نہ کیا وُہ جو انھیں حکم تھا بلکہ خلل ڈالا بعض نے کفر کر کے بعض نے عصیان سے، اس لیے کہ فنونِ نعماءِ شاملہ کی تفصیل کُل کے لیے ہے تو یہ بھی من حیث الکل کے لیے ہے کہ کوئی بھی اس سے مختلف نہ ہو (لیکن انبیاء و اولیاءِ کاملین کا استثناء اپنے مقام پر حق)

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں جملہ بنو آدم مراد ہیں کیونکہ کوئی بھی اوامرِ الٰہی کے حقوق کی ادائیگی میں کما حقہٗ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا (جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:) ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش	عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

ترجمہ: وہ بندہ بہتر ہے جو اپنی کوتاہی کا عذر بارگاہِ خداوندی میں لائے ورنہ اس کے خداوند ہونے کے لائق کسی کو کیا امکان کہ عبادت بجا لائے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہرگز کوئی بھی ادا نہ کر سکا وہ جو ہمیں حکم ہوا مواجب الحقوق کو حقائقِ اسماء کے ظہور اور فضائل صفات قیام سے۔

تفسیر عالمانہ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (تو آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے کھانوں کو دیکھے)

ربط: ان نعمتوں کی گنتی میں شروع ہیں جو انسان سے متعلق ہیں بعد ان کی نعمتوں کی تفصیل کے، جو اس کی تخلیق سے متعلق تھیں، فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ اس کی معاش میں کتنے امور گردش کرتے ہیں، ہم نے اس کے طعام میں کیا کیا تدبیریں کی ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان اپنے طعام کو دیکھ کر اپنی قدر و منزلت کی خست

اور اپنی زندگی کی فناء پر غور کرے۔

حدیث شریف میں ہے ؛

ان مطعم ابن آدم جعله الله مثلا للدنیا و ان قزحه وملحه فانظر الی ماذا یصیر۔	اللہ تعالیٰ نے آدمی کے کھانے کو دنیا سے مثال دی ہے کہ اس کے مصالحہ اور نمک کا انجام بالآخر وہی ہے جو اسے معلوم ہے (یعنی گندگی)

حلِ لغات کہا جاتا ہے قزح القدر (ہنڈیا کا مصالحہ) یعنی اس میں کھانے کے لیے مصالحہ ڈالنا' قایل بروزن صاحب وھا جزا ابزار الطعام طعام کا مصالحہ۔ اور ملحہ بمعنی اسے نمکین بنانا۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ (کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا) یعنی غیث بمعنی وہ بارش جس کی ضرورت ہو۔ یہ طعامہ سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ پانی طعام کے حدوث کا سبب ہے دوسرا پہلے پر مشتمل ہے اور یہ بھی ضروری ہے مبدل منہ بدل پر مشتمل ہو اس وقت عائد محذوف ہے۔ دراصل صببنا له تھا ، صبًّا ڈالنا عجیب **ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ** (پھر زمین کو خوب چیرا) انگوری سے **شَقًّا** عجیب اور لائق اس کے ساتھ جو زمین کو چیرتا ہے انگوری سے چھوٹی بڑی اور اس کی شکل وہیئت **فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا** (تو اس میں اگایا ہم نے) اس زمین میں جو انگوری سے چیری گئی ، فاء تعقیب کی ہے **حَبًّا** (اناج) کیونکہ زمین چرنے کے بعد انگوری بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی مکمل نشوونما کے بعد اس سے اناج برآمد ہوتا ہے۔

حلِ لغات الحب ہر وہ کھیتی جو درانتی سے کاٹی جائے جیسے گندم اور جو وغیرہ ، اور وہ حبہ (اناج) کی جنس سے ہے جیسے تمر و تمرۃ ، یہ قلیل وکثیر کو شامل ہے اس کی تقدیم اس لیے ہے کہ وہ کھانوں (اغذیہ) میں اصل ہے۔

وَّعِنَبًا (اور انگور) اس کا عطف حبًّا پر ہے اور عطف کے لوازم سے نہیں کہ معطوف ان تمام امور سے مقید ہو جن سے معطوف علیہ مقید ہے اس میں اعتراض وارد نہ ہو کہ انگور تو زمین چیر کر نہیں نکلتا ایسے ہی اس کے اور ہم مثل اشیاء (الارشاد) نیز اس کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ انگور میں زمین کا چرنا ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ اس کے اول خروج میں باعتبار اصل کے چرنا ہوتا ہے۔ اور یہاں درخت مراد ہے نہ کہ ثمر۔

سوال : ثمرات میں صرف انگور اور زیتون کا ذکر کیوں ؟

جواب : چونکہ انگور اور زیتون ثمرات میں زیادہ مشہور ہیں اور عموماً طعام کے کھانے کے بعد دستر خوان کی زینت بنتے ہیں۔ اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے ہُوا۔

سوال : انگور کا الگ ذکر کیوں؟

جواب : انگور ایسی شے ہے کہ اسے میوہ کے طور پر لذّت حاصل کرنے کے لیے بھی کھایا جاتا ہے اور غذا کے طور بھی، بلکہ غذا کے لیے زیادہ صلاحیّت رکھتا ہے۔

وَّقَضْبًا (اور چارہ) تر و تازہ گھاس جیسے فصفصہ (جانوروں کا گھاس) کہا جاتا ہے، فارسی میں اسپست۔ اس کا معرب اسفست (اردو میں چارہ) ہے۔ اپنے مصدر قَضْبٌ کے نام سے موسوم ہے بمعنی بہت زیادہ کاٹنا (چبانا) اس کے کٹنے کے تکرار و تکثر کی وجہ سے کیونکہ سال میں اسے متعدد بار کاٹا جاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، فرمایا: وہ چارہ جو کھجور سے ٹکڑے کر کے کاٹا جائے، اسے بعض نے ترجیح دی ہے انگور کے ساتھ مذکور ہونے کی وجہ سے، بعض نے کہا وہ پودینہ اور گرفہ ہے اور گندنا کی طرح کا گھاس کھانے کے لیے، جس کی ٹہنی اصل سے کاٹی جائے۔ بعض نے کہا کہ نجوہ سبز۔

نکتہ : بعض نے کہا اسے علیحدہ ذکر کرنے میں نباتات کے مختلف ہونے پر تنبیہ ہے کیونکہ بعض وُہ ہیں جنہیں کاٹا جائے تو پھر اسی طرح ٹوٹ آتی ہیں بعض نہیں لوٹتیں اور القت کپڑے دھونے والی یعنی اشنان[1] کا دانہ۔ بعض نے کہا وہ سیاہ خشک دانہ جسے زمین میں دفن کرنے پر اس کا چھلکا نرم ہو جاتا ہے پھر اسے پیس کر روٹی پکائی جاتی ہے عام طور پر قبیلہ طے کے دیہاتیوں کی غذا ہے۔ بعض نے کہا وہ شے جو تر کھائی جائے جیسے تربوز، کھیرا، بینگن، کدّو وغیرہ۔

وَّزَيْتُونًا (اور زیتون) اس کا نچوڑ (تیل)۔ اس سے مراد اس کا درخت ہے، اس کی عمر تین ہزار سال بھی ہوتی ہے۔ اسے علیحدہ ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ کثیر الفوائد ہے بالخصوص اہلِ عرب کے لیے۔ اس لیے کہ وہ اسے ہر طرح سے استعمال کرتے ہیں، کھاتے ہیں، تیل نکال کر سالن ہیں، اس کے تیل سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، صفائیِ بدن کے لیے، کیونکہ یہ صابن میں ملا کر بدن پر ملنے سے بدن خوب صاف ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اسے خوشبو کے طور پر استعمال فرماتے تھے وَّنَخْلًا (اور کھجور) یعنی کھجور کا درخت۔ نخلۃ کی جمع ہے۔ تر اور خشک ہر طرح کام دیتی ہے، یہ نافع تر غذا ہے، عجوہ (کھجور) میں زہر و سحر (جادو) اتارنے کی خصوصیت ہے۔ اس کے درخت کی تخلیق آدم علیہ السلام کی مٹی مبارک کا

---

[1] ایک قسم کی بُوٹی جس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

بقیہ ہے (جیسے تفصیلاً گزرا) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (اور گھنے باغیچے) حدیقۃ کی جمع ہے ۔ باغات درختوں والے اور کھجوروں اور درختوں کے باغات ، یا ہر وہ جو چار دیواری میں ہو اور کھجور کا باغیچہ (قاموس) یہاں تخصیص کے بعد تعمیم کے قبیل سے ہے ۔

حلِ لغات غلب اغلب کی جمع ہے جیسے حمر احمر یا حمراء کی جمع ہے وصف الرقاب سے مستعار ہے ، کہا جاتا ہے : الرجل اغلب و اسد اغلب (سخت گردن والا مرد اور شیر)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ عظیم باغیچے ۔ اور حدائق کو غلب سے موصوف کرنا ان کے گھنے ہونے اور زیادہ درختوں والے ہونے کی وجہ سے یا اس لیے کہ وہ گھنے درختوں والے باغیچے ہیں ۔ پہلے معنیٰ پر استعارہ معنویہ ہے دوسرے پر مجاز مرسل ہے ، جیسے مرسن کا اطلاق ناک پر ہوتا ہے ، اور حدائق پر ان کی وصف کا اطلاق اس کے متعلقات یعنی اشجار کی وجہ سے ہے ۔ اسے لغت کی بنا پر استعارہ سے موسوم کیا گیا ۔

کشف الاسرار میں ہے کہ الغلب وہ درخت جو پھل نہ دیں جیسے شمار (ایک قسم کا پودا ۔ المنجد) اور چاول اور عرعر (سرو کی مانند درخت (المنجد)) اور دردار (زرد پھولوں اور خاردار پتوں والا درخت (المنجد))

وَّفَاكِهَةً (اور میوے) بہت ، مذکورہ میوہ جات کے علاوہ ۔

مسئلہ : انگور اور اناج اور کھجور میوے ہیں صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نہیں اس لیے کہ عطف مغایرت کا مقتضی ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ظاہر ہے یہ مراد ہے کہ انگور اور کھجور نہ ان چیزوں سے ہیں جنہیں غذا کے طور پر کھایا جاتا ہے ۔ جب یہ بات پائی گئی تو اس کے میوہ کے معنیٰ میں قصور متحقق ہو گیا یعنی وہ شے جس سے طعام سے قبل یا بعد صرف لذت حاصل کی جائے ۔ اس معنیٰ پر ان پر علی الاطلاق میوہ کا معنیٰ نہ پایا گیا یہاں تک کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ وہ میوہ نہ کھائے گا تو اس کے کھانے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ من وجہ غذا ہیں اور من وجہ میوے ہیں ، اور اس کا عطف فاکہۃ (میوہ) پر ہے اس کے من وجہ فاکہہ (میوہ) ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ فاکہہ معطوفہ سے مراد من کل الوجوہ میوہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ فاکہہ من کل الوجوہ اور فاکہہ من وجہ میں فرق اور مغایرت ہے اسی لیے اس کا یا اس پر ایک دوسرے کا عطف جائز ہے جیسے قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ وارد ہے ۔

وَّاَبًّا (اور دوب) یعنی چراگاہ ۔

حلِ لغات از أبه بمعنی امّه (قصدہ ، اس کا ارادہ کیا) اس لیے اس کا ارادہ کیا جاتا ہے ، جانوروں کے چارہ کے لیے کاٹنے یا از ابّ لکذا ہے جب جانور کے لیے اسے تیار کرے کیونکہ وہ چرانے کے لیے تیار ہوتی ہے اور ابّ لوطنہ جب وہ وطن جانے کی تیاری کرے تو کہتے ہیں

اُبّ لوطنہ (اس نے وطن جانے کی تیاری کی) ایسے ہی اُبّ سیفہ (اس نے تلوار کھڑی کرنے اور ظاہر کرنے کا ارادہ کیا) وہ زمانہ جس میں فعل کی تیاری اور اس کے آنے کا وقت ہو، یا اُبّ خشک میوہ جو موسم سرما کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہی معنیٰ ماقبل کو مناسب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خلقتم من سبع و رزقتم من سبع فاسجدوا اللہ علی سبع۔	تم سات چیزوں سے پیدا کیے گئے ہو اور سات چیزوں سے رزق دیے جاتے ہو، فلہذا اللہ تعالیٰ کو سات اعضاء سے سجدہ کرو۔

ف: جن سات چیزوں سے ہم پیدا کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

نطفہ اور علقہ الخ جن کا ذکر بار بار گزرا، اور سورۃ مومنون کے پہلے رکوع میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس سات اطوار ہیں یعنی نطفہ وغیرہ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور وہ سات جو ہمیں رزق میں عطا ہوئی ہیں وہ یہی ہیں حبّاً، عنباً تا اُبّاً اور حدائق حساب سے اس لیے خارج ہیں کہ وہ ان مذکورہ اشیاء کے اصول و منابت ہیں اور جن سات اعضاء پر سجدہ کا حکم ہے وہ یہ ہیں:

۱- چہرہ (۲ و ۳) دونوں ہاتھ (۴ و ۵) دونوں پاؤں (۶ و ۷) دونوں گھٹنے

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے)

مفعول لہ یہ تمہارے اور تمہارے مویشی (جانوروں) کے فائدے کے لیے ہیں اس۔ مذکورہ نعمتوں میں سے بعض انسانوں کا طعام ہیں بعض جانوروں کا چارہ ہیں، صیغۂ خطاب کے التفات میں امتنان (منت لگانا) کی تکمیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں حب ذاتیہ کے حَب (دانہ) اور خمیر محبت صافیہ جو صفات کے انگور سے تیار کی گئی ہے اور خمر محبت افعالیہ جو رطب سے تیار کی گئی ہے اور زیتون معرفت اور نخل توحید جو کہ بلند ہے کہ اس پر مدعی کذاب چھلانگ لگا سکے اور فاکہہ وجدانیات و ذوقیات اور حدائق شوق واشتیاق اور ودّ و تجرید وغیرہ اور آیت چراگاہ شہوات حیوانیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بعض ان برگزیدہ نعمتوں میں سے خواص جیسے ارواح واسرار و قلوب کے لیے مخصوص ہیں اور بعض عوام جیسے نفوس بشریہ قوائے طبعیہ و عنصریہ کے لیے۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ (پھر وہ آئے گی جب وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ)

ربط : انسان کے مبدا، خلق و معاش کے ذکر کے بعد اب اس کے احوال معاد میں شروع ہو رہے ہیں فا، مابعد کے ماقبل پر مرتب ہونے کی دلالت کے لیے ہے کہ یہ نعمتیں دنیویہ عنقریب ملنے والی ہیں جیسے اس پر لفظ دلالت کرتا ہے یعنی ان کا ملنا نہایت جلدی اور ان کا مضمحل (خراب ہو جانا) بعجلت ہو گا اذا کا جواب محذوف ہے جس پر یوم یفر الخ دلالت کرتا ہے یعنی ہر ایک اپنے آپ میں مصروف ہو گا۔

حل لغات الصّاخۃ وہ ہولناک آواز جس کے لیے لوگ چیخیں گے، از صخ لحدیثہ (اس کی بات سے چیخا اور سنا) یہ نفخۂ ثانیہ کی صفت ہے، اس لیے کہ قبور میں لوگ اس کی آواز سے چیخیں گے، استماع کا اسناد مسموع کی طرف مجازاً ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں اس کی شدت کے وقوع کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ یہ صخہ بالحجر (اسے پتھر سے توڑا) سے ماخوذ ہے۔ اور یہ کان چیرنے والی آواز نفخہ میں حقیقۃً ہو گی (یہاں کوئی مجازی معنیٰ نہیں)۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ (اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے) باوجودیکہ ان میں سے دنیا میں آپس میں موانست اور مہربانی تھی **وَاُمِّهٖ** (اور اپنی ماں سے) باوجودیکہ جانتا ہے کہ اس کے اس پر بے شمار حقوق (واحسانات) ہیں **وَاَبِيْهِ** (اور اپنے باپ سے) باوجودیکہ دنیا میں اس سے بے شمار شفقتیں اور مہربانیاں دیکھیں **وَصَاحِبَتِهٖ** (اور اپنی جورو سے) باوجودیکہ دنیا میں یہی اس کی سب سے بڑی مونس اور غمگسار تھی **وَبَنِيْهِ** (اور اپنی بیٹیوں سے) باوجودیکہ دنیا میں اُن کا ہر وقت خیال رکھتا تھا لیکن یہاں ان سب سے مُنہ پھیرے گا اور انہیں اپنے قریب نہیں پھٹکنے دے گا اور نہ اُن کا حال پُوچھے گا جیسے دُنیا میں ان کے معاملات میں لگا رہتا تھا کیونکہ اس وقت اپنی پڑی ہو گی اور اسے معلوم ہو گا کہ اب یہ میرے کام نہیں آئیں گے یوم اعنی فعل سے منصوب ہے الصاخہ کی تفسیر کر رہا ہے اور بنیہ محبوب ترین کی تاخیر مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ ماں باپ بھائی سے اقرب ہیں اور دنیا میں زیادہ قلبی لگاؤ جورو سے تھا اور بہ نسبت ماں باپ کے اولاد سے تعلق شدید تر تھا، لیکن محبت کے یہ تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

مسئلہ : جیسے یہ آیت مردوں کے لیے ہے ویسے ہی عورتوں کے لیے بھی ہے۔ یہ عرب کے دستور کے مطابق ہے کہ اکثر مسائل عورت کے مرد کے ماتحت مندرج ہوئے۔

ف : حضرت عبداللہ بن طاہر ابہری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب انسان اپنے مذکورہ بالا رشتوں کا عجز دیکھے گا اور تمام تدبیریں ٹوٹتی ہوئی ملاحظہ فرمائے گا تو اس کی طرف بھاگے گا جو یہ تمام دُکھ درد اور غم و الم دُور کرے گا اگر اسے دنیا میں ایسا کرتا یعنی ماسوی اللہ پر اعتماد نہ کرتا تو اسے کوئی شے عاجز نہ کرتی ایسے ہی وہ فسحۂ توکل میں آجاتا اور تفویض کے سایہ تلے آرام کرتا (تو اب اسے یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں مرد کے قلب کے فرار کا اپنے بھائی سر سے اور اپنی ماں نفس سے اور اپنے باپ رُوح سے اور اپنی جورو قوائے بشریہ سے اور اپنے بیٹوں اعمال و احوال سے فرار کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہا کہ اس دن کوئی بھی اپنے عمل سے نہ چھوٹ سکے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے ہی نجات ملے گی۔

حدیث شریف میں ہے:

لن یدخل احد کم الجنۃ بعملہ	کوئی بھی جنت میں اپنے عمل سے داخل نہ ہوگا۔

عرض کی گئی:

ولا انت یا رسول اللہ۔	یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بھی؟

تو آپ نے فرمایا:

ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ۔	میں بھی، مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ غفران میں ڈھانپ لے گا۔

تفسیر عالمانہ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ (ہر ایک کو اس دن میں ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے) جملہ مستانفہ ہے سبب فرار کے بیان کے لیے وارد ہے۔

حلِ لغات شانٔ ان امور و احوال کے لیے بولا جاتا ہے جو عظمت والے ہوں یعنی مذکورین میں سے ہر ایک کو ایک شغل ہوگا جس نے اسے مشغول کر رکھا ہوگا اور ایک ہولناک حادثہ ہوگا جو اس کے اہتمام میں پھنسا ہوگا وہی اسے کافی ہوگا۔

ف: حضرت ابن الشیخ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ وُہ غم اور الم جس نے اس کے سینہ کو بھر دیا ہوگا اس میں اتنی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ کسی دوسرے کو جگہ دے سکے۔ اسے غنی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وُہ بہت سی چیزوں کا مالک ہوتا ہے ایسے اس کا ہم و الم بھی گویا اس کے بہت سے امور کا مالک ہے۔

حکایت حضرت شیخ فریدالدین عطّار قدس سرہٗ نے قیامت کے منظر کی ایک کہانی منظوم فرمائی ہے

۵

۱	کشتئ آورد در دریا شکست	تختۂ زاں جملہ بر بالا نشست
۲	گربہ و موشے دراں تختہ بماند	کارشاں با یکدگر بخیتہ بماند

۳ نہ ذکر بہ موش را روے گریز نہ بموش آں گربہ را چنگال تیز
۴ ہر دوشاں از ہول دریاے عجب در تحیر باز ماندہ خشک لب
۵ در قیامت تیز ایں غوغا بود یعنی آنجا نے تو و نے ما بود

ترجمہ: (۱) کشتی دریا میں لایا، وہ ٹوٹ گئی، ایک تختہ ملا جس پر بیٹھا۔
(۲) ایک بلی اور ایک چوہا بھی تختے پر آ گئے، ان دونوں کا کام پختہ رہا۔
(۳) نہ چوہے کو بھاگنے کا تصوّر، نہ بلّی کو چوہے کو پکڑنے کا خیال۔
(۴) دریا کے ہول سے دونوں حیران اور خشک لب تھے۔
(۵) قیامت میں بھی یہی غوغا اور شور ہوگا یعنی وہاں مَیں اور تُو کی گنجائش نہیں۔

حدیث شریف ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! قیامت میں لوگ کیسے اُٹھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ننگے پاؤں اور ننگے جسم۔ عرض کی: تو عورتیں؟ آپ نے فرمایا: وُہ بھی۔ عرض کی: عورتیں اور مرد ایک جگہ کیسے ننگے پھریں گے؟ اس پر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

ف: ہاں ایک دوسرے سے اس خوف وخطر سے بھاگنا ہوگا کہ وُہ اپنے مطالبہ کے لیے پیچھے پڑ جائیں گے۔ مثلاً بھائی کہے گا تُو نے مجھے اچھے آداب نہ سکھائے۔ ماں باپ کہیں گے: تُو نے ہمارے حقوق ادا نہ کئے۔ زوجہ کہے گی: تُو نے مجھے حرام کا مال کھلایا، اور یہ کیا وہ کیا۔ بیٹے کہیں گے: تُو نے ہماری اچھی تربیت نہ کی اور نہ ہی ہمیں صحیح راہ بتلائی۔ یا بھاگنے کا سبب ان سے بغض ہوگا۔

قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے اور نبی علیہ السلام اپنی ماں سے اور ابراہیم علیہ السلام اپنے اَب سے اور نوح علیہ السلام اپنے بیٹے سے اور لُوط علیہ السلام اپنی جُورو سے فرار اختیار کریں گے۔ لیکن یہ فرار فرارِ مذکور کے قبیل سے نہیں۔

ف: ایسے ہی مروی ہے کہ مرد اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے بھاگے گا کہ وہ اسے اس بُری حالت میں نہ دیکھ پائیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص آج دنیا میں نفس پروری میں مشغول ہے کل بھی اسی نفس کے شغل میں مشغول ہوگا۔ جو آج دنیا میں اپنے رب تعالیٰ سے مشغول ہے کل قیامت میں بھی اسی کے ساتھ مشغول ہوگا۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تیرا نفس دنیا و عقبیٰ میں تیرے رب تعالیٰ سے مشغول کردے

جو دنیا میں نفس کی خواہش پوری کرے اور شہوات کی اتباع کرے آخرت میں اس کے نفس کی مشغولی کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے: یوم یفر المرء الخ تو اے عزیز! جب تم دنیا و آخرت میں نفس کے ساتھ ایسے مشغول ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور طاعت کے لیے کب فراغت پاؤ گے۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ عارف وہ ہے جو بظاہر تو ہے مخلوق کے ساتھ لیکن اس کا دل ان سے جدا اور خدا تعالیٰ سے مشغول ہے ؎

ولقد جعلتك فی الفؤاد محدثی

وابحت جسمی من اراد جلوسی

ترجمہ : میں نے تجھے دل میں تو بٹھا لیا ہے اگر جسم میں بیٹھنا چاہتا ہے تو میرا جسم بھی حاضر ہے۔

تفسیر عالمانہ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (اور کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے) مذکور لوگوں کے انجام اور ان کی تقسیم کا بیان شروع ہے کہ ان میں کچھ سعادتمند ہوں گے اور کچھ شقی اور اس وحشت والی میں داخلہ کے کہ جس کا نام سن کر دل دہل جاتا ہے۔ مبتدا اگرچہ نکرہ ہے مسفرۃ اس کی خبر ہے، یومئذ دراصل اذ یفر المرء تھا مسفرۃٌ کے متعلق ہے یعنی ان کے چہرے اور ذوات و صفات چمکتی ہوں گی نور سے۔

حل لغات اسفر الصبح سے ہے۔ اضاء (اسے چمکایا) یہ لوازم ابواب سے ہے۔ المفردات میں ہے لون (رنگ) سے ہے یعنی ان کے رنگ چمکدار ہوں گے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ یہ شب بیداری کی وجہ سے ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے)

حدیث شریف میں ہے :

من کثرت صلاتہ باللیل حسن	جو رات کو کثرت سے نماز پڑھتا ہے دن کو
وجہہ بالنہار۔	اس کا چہرہ روشن ہوگا۔

ف : حضرت ضحاک نے فرمایا: آثار وضوء سے چہرے چمکدار ہوں گے۔

ف : بعض نے کہا کہ راہِ خدا میں جو بہت زیادہ غبار آلود ہوتا ہے اس کا چہرہ چمکدار ہوگا۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (ہنستے خوشیاں مناتے) اس سے جو دائمی نعمتوں اور دائمی رونق کا مشاہدہ کریں گے۔

ف : حضرت کاشفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ضاحکۃ بمعنی خنداں (ہنستا) مستبشرۃ (شادمان، فرحناک بسبب نجات از نیران و وصول بروضۂ جنان۔

بعض تفاسیر میں ہے ضاحکۃ بمعنی مسرور اور شادماں، خیر و برکت سے اشارات دیئے ہوئے، گویا وہ ضاحکۃ کا بیان ہے۔

ف : عین المعانی میں ہے کہ ضاحکہ ہوں گے بوجہ آنکھوں کی ٹھنڈک کے، اور مستبشرہ ہوں گے قلب کے سرور سے۔ بعض نے کہا خوش ہوں گے کفار کی گالیوں سے بچاؤ کی وجہ سے اور اپنے نفوس کے فرحت میں ہونے سے۔

ف : ابنِ طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے غفلت کے پردے ہٹائے تو اللہ تعالیٰ کے قرب سے ہنس پڑے اور خوش ہوئے اس کے مشاہدہ سے۔

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے چہرے خوش ہوں گے اپنے مولیٰ پر نظر کرنے سے، اور اللہ تعالیٰ انہیں ہنسائے گا اپنی خوشنودی سے۔

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان کے چہرے منور ہوں گے نورِ توحید اور اتباعِ سنّت سے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ منور ہوں گے چہرے اربابِ ارواح و اسرار کے، اور عارفین کے قلوب معارفِ الٰہیہ اور حقائقِ لاہُوتیہ سے چمکیں گے اور علوم و حِکَم سے ہنسیں گے اور خوش ہوں گے مکاشفات کی نعمتوں اور مشاہدات کے عطیوں سے۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرّہٗ) کہتا ہے کہ اس دن چہرے روشن ہوں گے دُنیا میں تزکیہ و تصفیہ اور کدورت کے زوال سے سفید ہونے کی وجہ سے، اور ہنسیں گے اس لئے وُہ دنیا میں زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے رہے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں ماسوی اللہ کے دیکھنے سے مطلقاً اندھی ہوجائیں گی جیسے شعیب و یعقوب علیٰ نبیّنا و علیہما السلام کے لیے ہوا۔ وہ خوش ہوں گے اس خوف کے بدلے سے امن میں جو انہیں دنیا میں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لہم البشریٰ فی الحیوٰۃِ الدنیا و فی الاٰخرۃ۔	انہیں حیاتِ دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔

کہ انہیں ملائکہ کہیں گے خوف نہ کھاؤ اور جنّت و رؤیت سے خوش ہوجاؤ۔

حلِ لغات

الضحك بمعنی چہرے کے انبساط اور سرورِ نفس کی وجہ سے دانتوں کا کُھل جانا اور ظاہر ہوجانا۔ دانتوں کے متقدمات (اگلے حصوں) کا نام ضواحک ہے، اور یہ صرف اور صرف سرور میں استعمال ہوتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ امام راغب نے فرمایا استبشر بمعنی فرحت سے ایک

کیفیت پائی۔ بشرتہ میں نے خوش کن خبر دی جس سے اس کے چہرے کا چمڑا کھل گیا، وہ اس لیے کہ جب جی خوش ہوتا ہے تو خون جسم میں ایسے پھیل جاتا ہے جیسے درخت میں پانی۔

تفسیر عالمانہ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (اور کچھ چہرے ایسے ہوں گے جن پر غبار اور گرد ہوگی اس دن)

حدیث شریف میں ہے:

یلجم الکافر العرق ثم تقع الغبرة علی وجوههم۔	کافر کو پسینے کی لگام دی جائیگی اس وجہ سے ان کے چہرے غبار آلود ہو جائیں گے۔

بعض نے اس سے فراق اور ذلت کی غبار مرادلی ہے۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (ان پر سیاہی چڑھ جائے گی) اور ظلمت لپیٹ لے گی دھوئیں کی طرح چہرے میں اس جیسی سیاہی اور غبار کے اجتماع سے کوئی قبیح ترین چہرہ نہ دیکھا جائے گا جیسے زنگی کا سیاہ اور غبار آلود چہرہ ہوتا ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: القترۃ وہ دھواں جو گوشت وغیرہ بھوننے سے اور اگر بتی کے جلنے سے اٹھتا ہے۔ قترۃ غبرۃ کی طرح ہے اور اسے کاذب دھوئیں سے مشابہت ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان پر ظاہر ہوگا بُعد و فراق کا حزن، اس لیے کہ وہ محجوب رہے اور دروازۂ حق سے ہٹائے جائیں گے۔

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا ان پر اعراض اللہ اور غضب اللہ کا غلبہ ہوگا، اسی وجہ سے ہر آن اور ہر لحظہ ظلمت اور گرد و غبار میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (یہ وہی ہیں کافر بدکار) یعنی وہ جن کے چہرے سواد اور غبار سے موصوف ہیں وہ کفر و فجور کے جامع ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر سیاہی اور غبار کو جمع فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے:

ان البهائم اذا صارت ترابا یوم القیامة حول ذلك التراب فی وجوه الكفار۔	بیشک جب قیامت میں جانور مٹی ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس مٹی کو کفار کے چہروں کی غبار بنا دے گا۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ وہ کافر ہیں حقوق اللہ (نہ ادا کرنے) کی وجہ سے اور فاجر ہیں حقوق العباد

(نہ ادا کرنے) کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ فجور وہ ہے جو کفر سے غیر مقارن ہو وہ مذمومیۃ اور سببیۃ حقارت و خذلان کے درجہ میں مقارن نہیں اس لیے کہ اصل فجور کذب اور میل از حق ہے اسے گناہِ کبیرہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اکثر اس کا استعمال مومن عاصی پر بھی ہوتا ہے لیکن لائق ہے کہ اس سے خوف و خطرہ کیا جائے۔ اس لیے کہ کبیرہ گناہ کفر کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں، جیسے صغیرہ گناہ کبیرہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

ف : کسی بزرگ نے فرمایا کہ زر و سیم اور ہر قسم کے اموال عین دنیا نہیں ہاں دنیا کے ظروف اور برتن ضرور ہیں۔

ف : دین سوز اور درد، اور دنیا حسرت و بادسرد ہے۔ قارون کی تمام دنیا زر و سیم اور جملہ اموال مکروہ نہ تھے، ہاں جب اس سے حقوق اللہ کا مطالبہ ہوا تو اس نے ان کی ادائیگی سے انکار کر دیا، اس کی دنیا کی طرف کشش اور زر و سیم سے محبت مکروہ تھی، جس نے خواب میں ایک پیسہ تک نہ دیکھا ہو پھر لمحوں میں فرعون (دنیا دار) بن جائے، پھر جب دنیا کی وجہ سے اہلِ دنیا ہی ہوگا کیونکہ اس کا دل حرصِ دنیا میں آلودہ ہو جائیگا ایسے ہی بہت سے دنیادار جن کی دُنیا و دولت شمار سے باہر ہو لیکن وہ اپنا دل دنیا سے کھینچ لے اور اپنے اوپر دنیا کا معمولی داغ بھی نہ آنے دے اور اسی حالت میں مر جائے تو اسے کہا جائے گا دیندار دنیا گزار۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس کے آخر میں فرمایا، وجوه يومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة۔ اور جو دین گزار (دین چھوڑنے والا) دنیا دار ہے اس کے لیے بھی فرمایا وجوه يومئذ عليها غبرة الخ۔

تفسیر صوفیانہ ۲ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اصحاب نفوس متمردہ و ارباب ہوائے نفسانی کے چہروں پر غبار انانیت اور غبار انیت ہے انہیں دُوئی کی سیاہی اور ثنویۃ (غیریت) کی ظلمت ڈھانپ لے گی۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے وجودِ حق کو اپنے وجود کی غبار سے چھپایا اور اپنے ظلمانی نفوس کو منقطع کیا ہوگا ارواحِ منورہ کی متابعت سے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے (آمین)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ : (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) سورہ عبس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۸ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ بروز سوموار مبارک مکمل ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ عبس کے اردو ترجمہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہربانی سے ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ / ۶ فروری ۱۹۸۹ء بروز سوموار مبارک فراغت پائی۔

سُوْرَةُ التَّكْوِيْر

رُكُوْعُهَا ١	(٨١) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (٧)	اٰيَاتُهَا ٢٩

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ○ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ○ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ○ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ○ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ○ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ○ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ○ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ○ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ○ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ○ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ○ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ○ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ○ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ○ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○

ترجمہ: سورۃ التکویر مکیّہ ہے اس کی انتیس آیات ہیں اور ایک رکوع ہے۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

جب دھوپ لپیٹی جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں، اور جب سمندر سلگائے جائیں اور جب جانوں کے جوڑ بنیں، اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے، کس خطا پر ماری گئی، اور جب نامۂ اعمال

کھولے جائیں، اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے، اور جب جہنم بھڑکایا جائے، اور جب جنت پاس لائی جائے، ہر جان کو معلوم ہو جائیگا جو حاضر لائی، تو قسم ہے ان کی جو اُلٹے پھریں، سیدھے چلیں تھم رہیں، اور رات کی جب پیٹھ دے، اور صبح کی جب دم لے، بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے، جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے، امانتدار ہے، اور تمہارے صاحب مجنون نہیں، اور بیشک انہوں نے اسے روشن کنارہ پر دیکھا، اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں، اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں، پھر کدھر جاتے ہو، وہ تو نصیحت ہی ہے سارے جہان کے لیئے، اس کے لیے جو تم میں سیدھا ہونا چاہے، اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہان کا رب۔

تفسیر عالمانہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (جب دُھوپ لپیٹی جائے) شمس کا مرفوع ہونا فعل مضمر کا فاعل ہے جس کی تفصیل فعل مذکور کرتا ہے کوّرت مذکور کا فاعل نہیں اس لیے کہ فاعل مقدم نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک الشمس مرفوع بالابتداء ہے کیونکہ مقدر کرنا اصل کے خلاف ہے۔ لیکن ترکیب اول اولیٰ ہے کیونکہ اذا میں شرط کا معنی ہے اور شرط فعل سے مخصوص ہے بہرحال دونوں وجوہ کے لحاظ سے جملہ محلاً مجرور ہے باضافۃ اذا۔

حل لغات کوّرت بمعنی لُفّت (لپیٹی گئی) کوّرت العمامۃ (میں نے عمامہ کو لپیٹا) یعنی بعض اجزاء کو دوسرے اجزاء پر لپیٹا بطریق دائرہ کے۔

ف: اس سے سورج کا اٹھا لینا اسے اپنی جگہ سے ہٹا لینا مراد ہے کیونکہ جب کپڑا اپنی جگہ سے ہٹایا جائے یا چھپایا جائے یعنی صندوق وغیرہ میں رکھا جائے تو کہا جاتا ہے یلف لفا ویطوی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا یوم نطوی السماء اس دن کہ ہم آسمان کو لپیٹیں گے تو گویا آسمان اور رفع میں علاقہ لزوم ہے تو اس لیے اس کی تکویر سے اس کا رفع مراد ہے۔ حضرت مفتی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی مراد ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اس روایت کو صحیح مان لینے سے ثابت ہے کہ سورج گرہ مضبوط ہے تو جائز ہے کہ تکویر کا حقیقی معنیٰ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ اس میں تکویر کی قابلیت فرما دے کہ اسے منبسطہ (دراز) کر کے پھر اسے لپیٹے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

ف: سورج کی روشنی جو آفاق میں پھیلی ہوئی ہے اس کا لپیٹنا مراد ہو تو کوّرت کی ضمیر کا اسناد سورج کی طرف مجازی ہوگا یا مضاف محذوف ہوگا اس سے مراد یہی ہے کہ سورج زائل ہو جائے گا

اس کے ساتھ اس کی دھوپ (روشنی) بھی کیونکہ لازم کا زوال ملزوم کے زوال کو مستلزم ہے یہاں بھی لف (لپیٹنا) اعدام (مٹانا) سے مجاز ہوگا کیونکہ حقیقی معنی مراد لینے کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ضوء (روشنی) اعراض میں سے ہے اس میں لپیٹنے کا کیا معنی۔

ف : بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ سورج کے وجود کو باقی رکھ کر اس کی دھوپ (روشنی) مٹا دے۔ صاحبِ کشاف کا کہنا ہے کہ سورج جب تک باقی ہے اس کی روشنی پھیلی رہے گی اس کا لپیٹنا محلِ نظر ہے۔ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جس کا اشارہ کیا گیا کہ لازم کے مٹنے سے ملزوم مٹ جاتا ہے، دوسرا یہ کہ سورج آسمان سے زمین پر پھینکا جائیگا جیسے ستاروں کو انکدار (گدلا ہونا) سے موصوف کیا گیا ہے اس کے طعن پر بھی یہی جواب دیا گیا۔

ف : کورت بمعنی القاه علی الارض (اسے زمین پر ڈالا گیا)

حدیث شریف میں ہے :

ان الشمس والقمر نوران مکوران فی النار یوم القیامۃ۔

بیشک سورج اور چاند دونوں نور ہیں قیامت کے دن انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

سوال : اس حدیث شریف کے متعلق حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ سورج اور چاند کا کون سا گناہ ہے کہ انھیں دوزخ میں پھینکا جائے گا۔

جواب : امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ــــــــــــــــ امام حسن بصری کا سوال ساقط ہے اس لیے کہ سورج اور چاند دونوں جماد ہیں ان کا آگ میں پھینکا جانا انکے ضرر کے سبب نہیں بلکہ الٹا ان کے ڈالے جانے سے جہنم کی آگ کو زیادہ کرنا ہے۔

ایسے ہی امام طیبی نے فرمایا کہ ان دونوں کو جہنم میں ڈالا جانا محض اس لیے ہوگا کہ اس کے سبب سے اہلِ نار کے عذاب میں اضافہ ہو، بالخصوص ان کی روشنی کے پجاریوں کو، نہ اس لیے کہ خود ان (سورج و چاند) کو عذاب ہو۔ کیونکہ وہ دونوں تکلیف سے فارغ ہیں انھیں دوزخ میں ڈالنا آگ کو آگ میں ڈالنا ہے۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے ملائکہ مؤکل دوزخ میں ہیں۔

ف : ایسے ہی تفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ میں ہے کہ جب آسمان ایک ایک ہوکر لپیٹا جائے گا تو ان کے ستارے دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ کی امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرفداری

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حضرت

حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ادق (دقیق تر) ہے[1]۔ اس لیے کہ نور (شمس و قمر) کو نار میں نہیں پھینکا جاتا ، ہاں وہ مادہ شمسی جو ناری ہے اسے آگ میں پھینکا جائے گا ورنہ اس کا جو مادہ نوری ہے وہ عرش سے ملحق ہوگا اور اس کا ناری مادہ نار میں ۔ جیسے سورۂ نباء میں تحقیق گزری ہے اس میں رجوع کیجئے ۔

سوال : سورج اور چاند کا دوزخ میں ڈالنا کیسا جبکہ علم ہندسہ سے ثابت ہوچکا کہ سورج کا کرۂ عظم زمین سے کئی گنا زیادہ ہے علم ہندسہ کی تحقیق پر سورج زمین سے ایک سو ساٹھ بار اور اس کی چوتھائی اور اس کا آٹھواں بار زائد دوہرا ہے ۔

جواب : (۱) اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سورج کو ایک اخروٹ کے چھلکے میں داخل کردے اس کی قدرت کو ماننے کے باوجود انکار کیوں ؟

(۲) حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قیامت میں کئی گنا دراز کردے گا کہ دارین کی وسعت اس کے تابع ہوگی باوجودیکہ اس کے اہل کی کثرت اور وسعت کے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک کافر جہنمی کی ڈاڑھ اُحد (جبل) کے برابر ہوگی اور اس کا جسم تین سو دنوں کی راہ کے برابر ہوگا ۔ جب ہر کافر کی اتنی موٹائی اور لمبائی ہوگی تو پھر اندازہ کیجئے کہ جہنم کتنی وسیع ہوگی ۔ اس معنی پر سورج کا کرہ تو وہاں ایسے پڑا ہوگا جیسے کسی گھر میں اخروٹ کا دانہ ۔ اور دارین کی حد اللہ ہی جانے ۔

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (اور جب تارے جھڑ پڑیں)

حلِ لغات النجوم نجم کی جمع ہے ۔ طلوع کرنے والا ستارہ ۔ اسی سے انگوری کے زمین سے نکلنے اور رائے سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

نجم النبت والرائی ۔ (انگوری اور رائے ظاہر ہوئی)

نجم دراصل مرۃ (باری) کو کہا جاتا ہے اور کبھی مصدر کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ انکدرت : جھڑ پڑیں ، بکھریں اور گریں جلدی سے ۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا : واذا الکواکب انتثرت (اور جب تارے جھڑیں)

---

[1] صاحبِ روح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرفداری فقیر اویسی غفرلہٗ کو محبوب لگ رہی ہے اس لیے کہ امام فخر الدین رحمہ اللہ کے اعتراض سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا علمی وقار گر رہا تھا اور حسن بصری جمیع سلاسل روحانیہ کے پیرانِ پیر ہیں ہم لوگ ان کا وقارِ علمی بلند دیکھنا چاہتے ہیں صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے بہترین توجیہ کرکے سلاسل طیبہ کے پیرانِ پیر پر بدگمانی سے کم فہم لوگوں کو بچا لیا اسی لیے فقیر کی گزارش ہے کہ پیروں فقیروں کے ماننے والے صرف اور صرف تفسیر روح البیان سے ہی اپنی علمی پیاس بجھائیں ۔ اویسی غفرلہٗ

الانکدار الانصباب (پانی گرانا) اس لیے کہ قیامت میں آسمان بارش کی طرح ستارے برسائے گا یہاں تک کہ آسمان پر ایک ستارہ بھی باقی نہ رہے گا تمام ستارے آسمان سے زمین پر گر پڑیں گے۔

ستاروں کی تحقیق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ستارے آسمان وزمین کے درمیان قنادیل سے نور کی زنجیروں سے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ زنجیریں نورانی فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب تمام آسمان وزمین والے مرجائیں گے تو وہ ستارے ان نورانی فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گے کیونکہ ان ستاروں کے روکنے والے ہی نہ رہیں گے تو پھر ستارے آسمان پر کیسے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اس روحانی سورج کی روشنی کے لپٹنے کی طرف اشارہ ہے جو حیات کا سبب ہے اور زائل ہونے اور حواس عشر (ظاہرہ و باطنہ) کے ستاروں کے جھڑ جانے کی طرف اشارہ ہے نیز اس وجود اضافی کی طرف جو وجود مطلق حقیقی کے ظہور حقیقۃ کے وقت کا عکس ہے کے مٹنے اور نجوم ہویات وہیاکل ماہیات کے مضمحل (لاشئ) ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا کیونکہ یہ تو نسب (نسبتین) عدمیہ و اعتبارات محضہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (اور جب پہاڑ چلائے جائیں) روئے زمین سے اٹھائے جائیں۔ پہلے نفخ صور کی چنگھاڑ سے اپنی جگہوں سے دور کئے جائیں نہ کہ بادلوں کی طرح پھیلائے جائیں۔ یہ اس لیے یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

حل لغات السیر بمعنے زمین پر چلنا۔
ف: چلانا دو قسم ہے:

۱۔ چلنے والے کا بالاختیار والارادہ چلنا، جیسے ھو الذی یسیرکم (وہ اللہ تعالےٰ جو تمہیں چلاتا ہے)

۲۔ قہر وتسخیر سے، جیسے پہاڑوں کا (قیامت میں)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں بلند اعضاء وجوارح کی طرف اشارہ ہے جو تعینات کی زمین سے چلے جائیں نیز انواع واجناس کے جبال جو عالم تعینات میں واقع ہیں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں)

حل لغات: العطل بمعنی زینت وشغل کا فقدان (نہ ہونا) ہر اس شخص کو معطل کہا جاتا ہے جو بزعم خویش سمجھتا ہے کہ عالم (جہان) کو صانع سے فارغ ہے کہ اب وہ اسے مضبوط و مزین و مرتب کرے۔ اور کہا جاتا ہے: عطل الدار عن ساکنیھا والابل عن راعیھا

(دار سکنین سے اور اُونٹ چرانے والوں سے فارغ ہے)

اب معنی یہ ہُوا کہ جب اونٹنیاں بیکار ضائع مہمل چھوڑ دی جائیں گی ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائیگی حالانکہ وہ اپنے مالکوں کی محبوب ومرغوب تھیں اور وہ اس سے بہت یعنی دنیا میں ان کی دیکھ بھال میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم لا ینفع مال و لا بنون ۔ (اس دن مال نفع دے گا نہ بیٹے)

ف: حضرت امام ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بطریق مثل فرمایا ہے اس لیے کہ قیامت میں بھتلکی اونٹنیاں کہاں ۔ یعنی قیامت کی ہولناکی کا یہ منظر ہوگا کہ اگر اس وقت اس کے پاس تھلکی اونٹنیاں ہوں تب بھی انہیں چھوڑ دے گا اور اسے اپنی پڑی ہوگی ۔ یہاں یوم القیامۃ سے نفخۂ ثانیہ کے بعد کا وقت مراد ہے یا قیامت کے مبادی کا وقت مراد ہے پھر ممکن ہے کہ بوقت مبادی اونٹنیاں ہوں اس تقریر پر یہ تمثیل نہیں بلکہ حقیقت ہے ۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ (اور جب وحشی جانور)

حلِ لغات القاموس میں ہے کہ الوحش بمعنی جنگل کا جانور ۔ الوحیش کی طرح اس کی جمع وحوش و وحشان آتی ہے اس کا واحد وحشی ہے ۔

ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وحشی اس جنگلی جانور کا نام ہے جو انسان سے مانوس نہ ہو، اور وہ مکان جو انسان سے خالی ہو ۔ گھریلو جانور کی نقیض ۔

حُشِرَتْ (جمع کئے جائیں) ہر جانب سے اور ایک دوسرے سے اور انسان سے نفرت اور جنگلوں اور ویرانوں میں متفرق ہونے کے باوجود ایک جگہ جمع ہوجائیں گے اور ان کا یہ جمع ہونا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے ہوگا ۔

ف: بعض نے کہا کہ جانور اظہار عدل کے لیے قصاص کے طور پر اٹھائے جائیں گے ۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں ہر شے اٹھائی جائے گی یہاں تک کہ مکھیاں بھی قصاص کے بعد مابین فیصلہ کے بعد انہیں مٹی بنا دیا جائے گا صرف چیزیں رہ جائیں گی جو بنو آدم کے سرور کا موجب ہوں اور ان کی صورت سے فرحت حاصل ہو جیسے طاؤس (مور) اور بلبل وغیرہ ۔ جب قصاص کے لیے حیوانات کو اٹھایا جائیگا تاکہ عدل کا تقاضا پورا ہو تو پھر انس وجن مکلفین کے لیے کسی کو کیا وہم و گمان ہوسکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ان قوئی بشریہ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے جو جناب حق اور باب القدس سے متنفر ہیں کہ وہ ہلاکت کے بعد اس کی طرف جمع کئے جائیں جہاں ان سے وہ ظاہر ہو جو ان سے صادر ہوا ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (اور جب سمندر سلگائے جائیں) یعنی گرم کئے جائیں یا بھر جائیں ایک دوسرے میں جاری ہونے سے یہاں تک کہ ایک سمندر بن جائیں جن میں کڑوے اور میٹھے کی ملاوٹ ہو اور وہ تمام روئے زمین پر پھیل جائیں۔

حل لغات سجر التنور (تنور سلگانا) سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ لکڑیوں سے بھر دیا جائے یہاں تک کہ اس کا اوپر کا حصہ گرم ہوجائے اس لیے کہ جہنم دریاؤں کی گہرائیوں میں ہے لیکن اب وہ اوپر سے بند ہے اس کی حرارت کا اثر دریاؤں کے اوپر نہیں پہنچتا تاکہ زمین والوں کے لیے اس کا انتفاع آسان ہو جب دنیا کی مدت انتہاء کو پہنچے گی تو پردہ اُٹھ جائے گا پھر جہنم کی گرمی کی تاثیر دریاؤں میں پہنچے گی اس سے دریاؤں کا پانی گرم ہوکر اہلِ نار کے لیے حمیم بن جائے گا یا ان کے پیچھے دبور کی ہوا کھول دی جائیگی اس کے جھونکوں سے آگ کی گرمی میں تیزی آجائے گی اس سے وہ پانی آگ بن جائیگا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

حکایت فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب دریا کو دیکھتے تو فرماتے کہ اے دریا! تو کب آگ بنے گا۔

ف: دریاؤں کے پُر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر اُڑتی غبار کی طرح ہوجائیں گے تو پھر وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکیں گے اسی لیے لامحالہ ان کے اجزاء زمین پر پھیل کر اُن جگہوں کو پُر کریں گے جو زمین کی کھائیاں ہیں اس طرح سے زمین برابر ہوجائے گی تمام دریا مل کر پانی سے بھرپور ہوکر ایک سمندر بن جائیں گے۔

اعجوبہ بعض نے کہا میٹھے پانی کو نمکین پر غلبہ دیا جائیگا پھر سیلاب بن کر ثور (بیل جو زمین کے نیچے کھڑا ہے) تک پہنچ جائے گی وہ سب کو نگل لے گا تمام پانی وہ بیل اپنے پیٹ میں جمع کرلے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔

حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اس لیے کہ تمام پانی آگ بن جائے گا۔ ایسے افعال میں تشدید کبھی تکثیر کا فائدہ دیتی ہے اور کبھی نہیں اور فعل کی تخفیف دونوں (کثیر و قلیل) کا احتمال رکھتی ہے۔

نکتہ: اس سورۃ میں سجّرت کی تخصیص سعّرت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک سجّرت کا معنٰی اوقدت (آگ جلائی جائے گی) ہے۔ یعنی وہ دریا آگ بن جائیں گے۔ اس معنٰی پر تسعیر النار (آگ جلانا) اور تسجیر البحار (دریاؤں کا آگ بن جانا) دونوں وعیدیں ہیں۔

نکتہ: سورۃ الانفطار میں فجّرت [illegible] الکواکب انتثرت کے موافق ہے اس لیے کہ ستاروں کے ٹوٹنے اور [illegible] سے زمین پر پانی کے بہنے اور قبور کے کریدنے سے ہر ایک اپنے قرین کو ملے گا۔

ف : بعثرۃ بمعنی مٹی کا الٹنا (کریدنا) یعنی شے کو اپنی جگہ سے ہٹانا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے بحار معرفۃ ذاتیہ وحکم صفاتیہ وعلوم اسمائیہ کی طرف اس لیے کہ جب وہ تجلی وحدانی سے ایک دریا ہو جائیں گے یعنی بحر الذات جو جمیع مراتب پر مشتمل ہے، نیز اشارہ ہے ان بحار کی طرف جو اعتبارات الوجود اور اس کے شئون کلیہ سے ظاہراً و باطناً اور غیباً وشہادۃً دنیا و آخرت میں واصلِ حق ہوئے۔ کیونکہ وہ جمع ہو کر واحد ہوئے اس سے بحر الوجود ایک بحرِ ذخار ہو گیا کہ جس کا ساحل (کنارہ) نہ قعر (گہرائی کی انتہا) اور اشارہ ہے بحر عناصر کی طرف کہ وہ ایک دوسرے کی طرف بہتے ہوئے ہر ایک کے اجزا اصل سے مل کر ایک دریا بنے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا النُّفُوْسُ (اور جب جانوں کے) ظاہر یہ ہے کہ اس سے انسان کے نفوس مراد ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ عام ہے جو جنّات کو بھی شامل ہے (کذا فی بعض التفاسیر) زُوِّجَتْ (جوڑ بنیں)

حلِ لغات التزویج ایک دوسرے کا جوڑا بنانا۔ اور یہ مقارنت کا مقتضی ہے، یعنی اپنے اجساد سے ملائے جائیں یعنی نفوس کو اجسام میں رد کیا جاتے اور ہر نفس کو اپنے ہم شکل اور اس طبقہ میں ملایا جائے جس طبقہ کا وہ تھا خیر سے یا شر سے یعنی نیک کو نیک سے برے کو برے سے یا ملائے جائیں اپنی کتاب (عمل نامہ) یا عمل سے مثلاً نفوس متمردہ اپنے اعمال سیئہ سے اور مطمئنہ اپنے اعمال صالحہ یا اہلِ ایمان کے نفوس حور سے اور کافروں کے شیطانوں سے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ان ارواح کی طرف ہے جو اشباح کی ہیاکل (شکلوں) کو فیض بخشنے والے ہیں عالمِ امر سے، تو وہ ملائے گئے اپنے بواعث و موجبات سے اپنی اسماء وصفات الٰہیہ اور اسباب لاہوتیہ سے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ (اور جب زندہ دبائی ہوئی سے) یعنی زندہ قبر میں دفنائی ہوئی سے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے وئد یئد بنتہ (اس نے اپنی بچّی کو زندہ دفنایا یا وہ زندہ دفناتا ہے) وأداً (زندہ دفنانا) الموؤدۃ (وہ بچّی جسے زندہ قبر میں دفنایا گیا)

جاہلیت کے عرب جاہلیت کے عربوں کی عادت تھی کہ وہ بچیوں کو قبروں میں زندہ دفن کر دیتے یا افلاس (تنگ دستی) کے خوف سے یا لونڈی بننے کے خطرہ سے یا یا ان کی وجہ سے عار کے لحوق کے ڈر سے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ ملائکہ بنات اللہ (اللہ کی لڑکیاں)

ہیں (معاذ اللہ) فلہذا لڑکیاں اسے دے دو وہی ان کا زیادہ مستحق ہے۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا طریقہ کشاف میں ہے کہ جب کسی کے ہاں بچّی پیدا ہوتی اور وہ اسے زندہ درگور کرنا چاہتا تو اسے اُون یا اُن بکریوں اور اونٹوں کے بالوں کا جُبّہ پہناتا جو اُونٹ بکریاں جنگل میں چرتی تھیں۔ اگر وہ بچّی کو جان سے مار ڈالنا چاہتا تو اُسے چھوڑے رکھتا یہاں تک کہ وُہ چھ سال کی ہو جاتی، پھر اس کی ماں سے کہتا کہ اسے سنگار کر کر خوشبو وغیرہ لگا دے میں اسے سُسرال لے جاؤں گا۔ اور وہ پہلے ہی جنگل میں اس کے لیے گڑھا کھود چُکا ہوتا۔ جب بچّی کو اُس گڑھے پر لے جاتا تو اسے کہتا کہ اس کے اندر جھانک۔ جب وہ بچّی اُس گھڑے کے اندر جھانکتی تو وہ (ظالم باپ) اُسے پیچھے سے دھکا دے دیتا وہ بچّی اس میں گر پڑتی، پھر وہ اس پر مٹی ڈال دیتا، یہاں تک کہ اسے زمین کے برابر کر کے لَوٹتا۔

ف: بعض نے کہا کہ حاملہ عورت وضعِ حمل کے قریب ہوتی تو اسے اُس کھودے ہوئے گڑھے پر لے جاتا اگر وہ بچّی جنتی تو اسے گڑھے میں پھینک کر گڑھے کو مٹّی سے بھر دیتا۔ اگر وہ عورت بچّہ جنتی تو اسے اٹھا کر گھر لے جاتا۔

سُئِلَتۡ (پُوچھا جائے گا) اس سے اللہ تعالیٰ پُوچھے گا عدل کے اظہار کے لیے، یا فرشتہ پوچھے گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے **بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ** (کس خطا پر) ان خطاؤں پر جو قتل کے موجب ہیں عقلاً و نقلاً **قُتِلَتۡ** (ماری گئی) جسے باپ نے قتل کر کے خود زندہ درگور کیا یا اس پر راضی تھا اور سوال لڑکی کی طرف متوجہ کرنے میں بچّی کی تسلی اور زندہ درگور کرنے والے پر کمال غیظ و غضب اور اسے درجۂ خطاب سے گرا دینے کا اظہار اور اس کی رسوائی و ذلّت میں مبالغہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰہین۔ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں دونوں کو معبود بناؤ۔

اسی لیے زندہ درگور کرنے والے سے بچّی کے قتل کرنے کے سبب کا سوال نہیں ہوا اور ذلّت و رسوائی کی وجہ یہ ہے کہ جب جنایت کرنے والے کے سامنے سوال کر کے جنایت کو اس کی طرف منسوب کیا جائے تو جنایت کرنے والے کو اپنے اور جس پر جنایت کی، کے حال پر غور و فکر پر اُبھارنا ہوتا ہے اس پر سمجھتا ہے کہ جس کے ساتھ میں نے یہ غلطی کی وہ تو بالکل بری الذمہ اور جس کی جتنی سزا مقرر ہو اس کا میں مستحق ہوں اس سے وہ اپنے غلط فعل پر بڑا یقین کرتا ہے یہ بھی ایک قسم کا استدراج ہے جو علی طریق التعریض واقع ہے اور یہ زیادہ بلیغ ہوتا ہے اسی لیے تصریح کے بجائے اسے اختیار کیا گیا۔

سوال: زندہ درگور بچّی کے لیے صیغہ غائب کیوں، اس کے لیے تو صیغۂ خطاب موزوں تھا۔

جواب: زندہ درگور لڑکی کی خبر دینا مطلوب ہے، نہ اس سے حکایت کہ اس سے سوال ہوا تو اس نے

جواب میں کچھ کہا ہو تو نقل کے طور صیغہ خطاب لایا جاتا یہاں چونکہ اس کے متعلق صرف خبر دینا مطلوب ہے اسی لیے صیغہ غائب لانا موزونیت رکھتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشرکین کے چھوٹے بچوں کے عذاب جہنم کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو عذاب جہنم نہ ہوگا۔ آپ نے اس کا استدلال اسی آیت سے فرمایا کہ ذنب (گناہ) کے بغیر کسی پر عذاب نہیں ہوتا۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الوائد (زندہ درگور کرنے والا) اور موؤدہ (زندہ درگور کی ہوئی) جہنم میں ہوں گے جب موؤدہ بالغہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ جن اعمال میں ریاء وسُمعہ (شہرت پسندی) اور خواہش نفسانی کی ملاوٹ ہو تو ان سے سوال ہوگا کہ کس سبب سے تمہاری نورانیت و روحانیت باطل ہوئی نیز نفس ناطقہ موؤدہ (زندہ درگور کیا ہوا) جسے نفس حیوانیہ وائد (زندہ درگور کرنے والا) نے تہ بدن میں دبایا سے سوال ہوگا کہ کس گناہ میں مارا گیا یعنی اس گناہ کے اظہار کی طلب میں کہ جس سے نفس حیوانیہ نے نفس ناطقہ پر غلبہ پایا کہ اس پر غضب یا شہوت یا ان کے غیر کو مسلط کرکے اسے اس کے خواص و افعال سے روک کر اسے ہلاک کر دیا اس کے طلب اظہار کو سوال سے کنایہ کیا گیا۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الوائدۃ والموءودۃ فی النار لان النفس الناطقۃ فی النار مقارنۃ للنفس الحیوانیۃ ۔ کذا قال القاشانی ۔	الوائد اور الموءودہ جہنم میں ہیں اس لیے کہ نفس ناطقہ نفس حیوانیہ کا قرین (مقارن) ہے ۔ کذا قال القاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں) اس لیے کہ وہ موت کے وقت لپیٹ لیے جاتے ہیں حساب کے وقت کھولے جائیں گے پھر وہ نامۂ اعمال والے کے ہاتھ میں بکھیر کر دئے جائیں گے جو تمام انسانوں کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں بائیں بکھرے پڑے ہوں گے ہر ایک ان کے لکھے ہوئے مضامین سے آگاہی پائیگا اور سب کے اعمال اس میں موجود و محفوظ ہوں گے اسی لیے انسان کہے گا :

مال ھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا ۔	اس کتاب کو کیا ہے کہ وہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑتی ہے نہ بڑا مگر اس نے گن لیا (محفوظ کر لیا)

حدیث شریف بس ہے کہ لوگ ننگے جسم اور ننگے پاؤں قبور سے اٹھائے جائیں گے۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہاں عورتوں کے ساتھ کیا کیا جائیگا! (کیا وہ بھی ننگے بدن ہوں گی اور مرد بھی؟) آپ نے فرمایا: مشغولی سے ایک دوسرے سے بے خبر ہوں گے۔ بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: وہ مشغولی کیا ہوگی، فرمایا: صحیفوں (نامہ ہائے اعمال) کا کھلنا کہ اس میں جوار اور رائی کے دانوں کے برابر ہوں گے۔

ف: بعض نے نشرت کا معنی بیان فرمایا کہ اعمال والوں کے آگے نامہ ہائے اعمال متفرق ہوں گے۔

ف: حضرت مرثد بن وداعہ نے فرمایا کہ قیامت میں صحیفے عرش کے نیچے سے اڑ کر اہلِ ایمان کے (بلند باغ کے اندر) دائیں ہاتھ پر واقع ہوں گے اور کفار کے صحیفے بائیں ہاتھ پر، جب وہ سموم اور کھولتے پانی میں ہوں گے اور ان میں ان کے اعمال لکھے ہوں گے۔ لیکن یہ صحیفے نامہائے اعمال کے علاوہ ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ان قویٰ ونفوس کے صحیفوں کی طرف ہے جن میں اعمال کی ہیأت مندرج ہیں جو موت اور شمس روح کے لپیٹے جانے کے وقت انہیں بعث اور بدن میں لوٹنے کے وقت کھولا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے) اکھاڑا اور ہٹایا جائے کہ اس کا ما وراء ظاہر ہو جائے یعنی بہشت وعرش جیسے ذبیحہ (جانور) سے کھال اتار لی جاتی ہے اور وہ پردہ کہ جس سے کوئی شے چھپی ہو دُور کرلی جائے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کشط الناقۃ سے ہے، جی اس کا چمڑا اس سے کھینچا اسی سے استعارہ ہے انکشط روعہ بمعنی زال (اس کی گھبراہٹ دُور ہوئی)۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں سماء ارواح کا ارض اشباح سے علیحدہ ہونے اور ظہور دا اسماء وصفات کے بطون وخفاء کی طرف کھنچ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (اور جب جہنم بھڑکایا جاتے) کافروں کے لیے ایسا سلگایا جائے کہ انہیں ہمیشہ کے لیے جلا کر راکھ بنا دے۔

ف: سعر یعنی غضب الٰہی اور بنی آدم کی خطائیں، اور اسعار سے جہنم کے شعلوں کا بھڑکنا مراد ہے، نہ ابھی ان کا حدوث اس سے اس کا اعتراض دفع ہوگیا جو کہتا ہے کہ جہنم غیر مخلوق ہے یعنی وہ اب موجود نہیں، اس لیے کہ اس میں دلیل ہے کہ اس کا بھڑکنا قیامت کے دن سے معلق ہے وہ اس لیے کہ اس میں زیادتی اور اشتداد ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں خسران وخذلان کی جحیم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسے اعمال سیئہ کی لکڑیوں اور احوال قبیحہ کے پتھروں سے بھڑکایا ہے بالخصوص غضب وشہوت کی آگ جس پر وہ دنیا میں زندگی بسر کرتے رہے۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (اور جب جنت پاس لائی جائے)

حلِ لغات: الازلاف بمعنی قریب کرنا یعنی متقین کے قریب کی جائے گی تاکہ وہ اس میں داخل ہوں، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید۔ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی وہ ان سے دور نہ ہوگی۔

ف: حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متقیوں کو جنت کے قریب پہنچایا جائے گا نہ کہ بہشت کو اپنی جگہ سے ہٹا کر لایا جائے گا۔

ف: تقریب سے مراد تعکیس ہے مبالغہ کے طور کیا گیا ہے یعنی جنت کو قریب لانے سے متقین کا قریب لانا مراد ہے، اسے برعکس کر کے جنت کو قریب لانا کہا گیا ہے، جیسے دوزخیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ویوم یعرض الذین کفروا علی النار۔ اور اس دن کافروں کو دوزخ پر پیش کیا جائیگا

یہ ان کافروں کی تحقیر اور انہیں حسرت میں ڈالنے کا مبالغہ ہے۔ یا اس سے تقریب معنوی مراد ہے۔ یعنی انہیں جنت کے داخلے کا مستحق بنانا اور باعزت بہشت میں داخل کرنا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں آثار رضا ولطف کی نعمتیں متقیوں کے قریب کرنے کی طرف اشارہ ہے، ایسی ہی جنۃ الوصول والوصال جمالی وکمال کے عشاق کے قریب کرنے کی طرف اشارہ ہے اور وہ بارہ خصلتیں ہیں، جیسا کہ صوفیہ کرام نے فرمایا وہ چھ دنیا میں یعنی نفختین کے درمیان وہی جن کا ذکر اسی سورۃ کے اوّل میں مذکور ہیں واذا البحار سجرت تک صرف الوحوش حشرت سے مراد یہ ہے کہ انہیں ہر طرف سے صرف قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، اور چھ آخرت میں یعنی نفخۂ ثانیہ کے بعد۔

ف: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ علامات ظاہر ہوں گی یہاں تک کہ لوگ بازاروں میں کاروبار میں مصروف ہوں گے کہ سورج بے نور ہوگا ابھی اس حالت سے گھبراہٹ میں ہوں گے کہ اچانک ستارے آسمان سے جھڑنے شروع ہو جائیں گے ابھی اس کی پریشانی دور نہ ہوگی تو پہاڑ زمین پر گرنے شروع ہو جائیں گے اور زمین تھرتھرائے گی اس پر انس وجن گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس آنے لگیں گے تو ان کے ہاں دنیا بھر کے جانور اور پرندے اور وحشی اکٹھے ہو جائیں گے اور

اور ان تمام کا ایک دوسرے سے خلط ملط ہوگا تو جن انسانوں سے کہیں گے ٹھہرو ہم تمہیں اس کی اصل حقیقت سے آگاہ کریں۔ جنات دریاؤں پر جائیں گے تو وہ آگ ہو چکے ہوں گے اور ان سے آگ کے شعلے نکل رہے ہونگے وہ اسی حالت میں ہوں گے تو ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان یکبارگی پھٹ جائیں گے، اس کے بعد اچانک آندھی چلے گی جو ان سب کو نیست و نابود کردے گی (معالم)۔

تفسیر عالمانہ

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی) یہاں عائد الی الموصول محذوف ہے کہ دراصل ما احضرتہ تھا نفس عام ہے جیسے دوسری جگہ مصرح ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم تجد کل نفس ما علمت من خیر محضرا۔ — اس دن ہر نفس جان لے گا بھلائی کو جو اس کے آگے حاضر ہوگی۔

اور فرمایا:

هنالك تبلو كل نفس ما اسلفت۔ — اور وہاں ہر نفس نے جو کچھ بھیجا ہوگا پائیگا۔

سوال: نکرہ سیاق الاثبات میں عام نہیں ہوتا بلکہ افراد نوعیہ کے لیے ہوتا ہے۔

جواب: یہ قانون مطرد (جاری ۔ دائمی) نہیں ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنوین افراد شخصیہ کے لیے ہو۔ اس میں تنبیہ ہے کہ نفوس میں چند ایسے ہوں گے جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہوگا اسے دیکھ لیں گے۔

سبق: ہر نفس پر لازم ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہی نفس اس کا ہو۔

سوال: صرف ایک نفس کا اس وقت ہر نفس کو ایک دوسرے کا علم ہو جائیگا۔

جواب: یہ محض تنبیہ کے لیے ہے جیسے تم کسی کو نصیحت کرو تو ایسے کہو گے: لعلك ستندم على ما فعلت (عنقریب تم اپنے کئے پر ملامت اٹھاؤ گے) بہت تھوڑے لوگ اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں اس سے تمہاری مراد ہرگز نہیں ہوگی کہ یقیناً اسے ندامت ہوگی یا ممکن ہے کہ نہ ہو یا شاید ہو بلکہ تمہاری مراد یہ ہے کہ عاقل پر لازم ہے کہ جس پر ندامت کی امید ہو یا ممکن ہے وہ ندامت اس پر واقع ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سبق: یہ حال تو ہے نادر الوقوع یا ممکن الوقوع یا مرجو الوقوع کا اور جس کا وقوع یقیناً ہو اس سے کیوں نہ اجتناب کیا جائے۔

ف: مَآ اُحضرت سے ان کے اعمال نیک اور برے پیش ہوں گے اس سے یا تو ان اعمال کے صحیفے مراد ہیں، جیسے نشر سے ظاہر ہوتا ہے یا خود صاحبانِ اعمال۔ اس لیے کہ یہاں (دنیا میں) جو اعمال ظاہرہ صور عرضیہ میں ہوتے رہے وہ آخرت میں صور جوہریہ میں ظاہر ہوں گے ان کی مناسبت سے نیک اعمال کی

حسین صورتیں بُرے اعمال کی قبیح صورتیں (معاذاللہ) اعمال کی آخرت میں کیفیات مخصوصہ و ہیآت معینہ ہوں گی

سوال: صلہ کا اسناد نفوس کی طرف کیوں: ایسے ہی احضار کی طرف حالانکہ حاضری کا حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہوگا۔

جواب: چونکہ دنیا میں ان کا عامل وہی تھا گویا اس نے ہی انہیں موقف میں حاضر کیا اور اس کے علم کا معنی یہ ہے کہ وہ ان اعمال کا آخرت میں مشاہدہ کرے گا جیسے ان کی حقیقت ہے اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھی صورت میں مشاہدہ کرے گا اس سے بڑھ کر جنہیں وہ دنیا میں (اعمال کو اچھا سمجھ کر) عمل کرتا تھا اس لیے کہ طاعات کا ارتکاب دنیا میں مشقت سے خالی نہیں اور احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ جنت مکارہ (تکالیف) کے گھیرے میں ہے اور اگر وہ اعمال برے ہیں تو ان کا بُری صورتوں میں مشاہدہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی خواہش نفسانی کے موافق اسے دنیا میں مزیّن (زینت والی) محسوس ہوتیں جیسے احادیث میں وارد ہے کہ دوزخ شہوات کے گھیرے میں ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ علم بالاعمال کنایہ ہے ان اعمال کی جزا ہے اس لیے کہ جزاء کو علم لازم ہے۔

سوال: علمت اذا کا جواب ہے حالانکہ موقف کے مناظر اور اس علم کا ایک ہی زمانہ ہے حالانکہ شرط و جزا کے زمانے ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں۔

جواب[1]**:** وہ وقت (موقف) وسیع ہوگا اس کی وسعت کے لمحات گویا ایک دوسرے کے غیر ہیں۔

(۲) بارہ امور جو مذکور ہوئے وہ اول وقت یعنی نفخۂ اولیٰ میں ہوگا اور یہ جزا آخر میں اس معنی پر دونوں وقت متغایر ہو گئے۔

(۳) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے اعمال کو تمام جملہ اوقات میں دیکھتا رہے گا بلکہ اس دراز کے اوقات میں کسی وقت میں ہوگا۔

(۴) یا اس وقت ان کی صورتوں کو جانے گا جب امور مذکورہ واقع ہوں گے بلکہ اس وقت دیکھے گا اور جانے گا جب صحائف (نامۂ اعمال) کھولے جائیں گے۔

(۵) بعض ہولناکیاں اس دن کے مبادی ہیں بعض روادف ہیں لیکن پھر ان سب کی طرف علم کی نسبت کر دینا ان کی ہولناکی کی عظمت کے پیش نظر ہے۔

ف: حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورۃ کو پڑھتے پڑھتے جب علمت نفس ما احضرت الخ تک پہنچے تو فرمایا سورۃ کو اسی مضمون کے لیے جاری کیا گیا ہے۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے یہ سورت پڑھی جب وہ علمت نفس ما احضرت تک پہنچا تو فرمایا: ہائے پشت کا ٹوٹنا۔ آپ کا یہ فرمانا قیامت کے خوف اور اعمال کی جزا کے لیے تھا کیونکہ اس دن ہر نیک اپنی خیر و بھلائی کے بدلے میں کرامت اور عطا دیکھے گا اور ہر بُرا ملامت

دیکھے گا۔ نیک نیکی دیکھ کر حسرت کرے گا اور کہے گا کاش اس سے زیادہ نیکی کرلیتا اور بُرا غم و اندوہ میں مبتلا ہو کر کفِ افسوس ملے گا کہ میں نے اتنا بُرا کام کیوں کیا، لیکن اس وقت اس کی حسرت اور افسوس کوئی کام نہ دے گا ۔

(۱) تو امروز فرصت غنیمت شمار — کہ فردا ندامت نیاید بکار

(۲) بکوش اے توانا کہ فرمان بری — کہ در ناتوانی بسے غم خوری

ترجمہ: (۱) آج فرصت کو غنیمت شمار کر، کل (بروزِ قیامت) ندامت کام نہ آئے گی۔

(۲) اے طاقت ور! آج ہی فرمانِ (خدا) کی تعمیل میں کوشاں رہ، ورنہ ناتوانی (بڑھاپے) میں بہت پچھتائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

العبد المؤمن بين مخافتين عمر قد مضى لا يدري ما الله صانع فيه و اجل قد بقي لا يدري ما الله قاض فيه فليتزود العبد لنفسه من نفسه و من دنياه لآخرته و من الشيبة قبل الكبر و من الحياة قبل الممات فوالله ما بعد الموت من مستعتب وما بعد الدنيا الا الجنة او النار۔

بندۂ مومن دو خوفوں کے درمیان ہے:
(۱) گزری زندگی سے خائف ہے کہ نہ معلوم اس سے کیا سرزد ہوا کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔
(۲) باقی عمر گزرے گی تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی ہوسکے گی یا نہ۔
عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے آپ سے ہی کام لے اور دنیا میں آخرت کا سامان تیار کرے اور بڑھاپے سے پہلے ہی جوانی میں کمائے مرنے سے پہلے دنیوی زندگی میں اعمالِ صالحہ جمع کرلے بخدا موت کے بعد کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا اور دنیا سے کُوچ کے بعد جنّت ہے یا دوزخ۔

ف: حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت علمت کل نفس الخ میں ہے کہ ہر جی کو معلوم ہے اور یقین ہے کہ جو کچھ عمل کیا اور جد و جہد کی وہ اس مشہد (یوم القیامۃ) میں کام نہ آئے گی ہاں وہ نجات یافتہ ہوگا جسے فضلِ الٰہی کی خلعت نصیب ہوگی اور جو اعمال کی جزاء کے انتظار میں رہا وہ ہلاک ہوا۔ (یعنی انسان

کو صرف فضلِ خداوندی پر بھروسا کرنا چاہیے نہ کہ اعمال پر)

ف : برہان القرآن میں ہے کہ اس سورۃ میں نفس ما احضرت اور انفطار میں وما قدمت وما اخرت ہے اس لیے کہ یہ جملہ واذا القبور بعثرت کے قریب ہے اور قبور دنیا سے متعلق ہیں وہی اسے یاد دلاتی ہیں جو دنیا میں تھا وہ آخرت میں کام آئے گا اس لیے کہ ہر خاتمہ اپنے مرتبہ و مکان کے لائق ہے اور یہ سورۃ از اول تا آخر شرط و جزا اور قسم و جواب پر مشتمل ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ (تو قسم ہے) لا صلہ کی ہے جو سابق کلام کے لیے وارد کی گئی ہے یعنی امر اس طرح نہیں جیسے تم سمجھتے ہوا ے کافرو! کہ قرآن سحر یا شعر یا بناوٹی قصے کہانیاں ہے، پھر اقسم سے سے قسم کا آغاز فرمایا بِالْخُنَّسِ (ان کی جو الٹی پھریں)

حل لغات

الخنس، خانس کی جمع ہے بمعنی متأخر (الٹا پھرنے والا) از خنس الرجل عن القوم خنوسا (فلاں قوم سے پیچھے ہٹنا) از اب دخل بمعنی تأخر۔ الخنوس کا اصل ہے الرجوع الی خلف (پیچھے کی طرف لوٹنا) الخناس وہ شیطان جو انسان کے قلب پر سونڈ رکھتا ہے جب بندہ ذکر کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے جب غافل ہوتا ہے وسوسہ کے لیے لوٹ آتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ قسم ہے اُن ستاروں کی جو الٹے پھرتے ہیں یہ وہ ہیں ان پانچ چمکیلے ستاروں کے نام یہ ہیں:

(۱) مریخ (بالکسر) اس کا نام بہرام بھی ہے۔

(۲) زحل، اس کا نام کیوان بھی ہے۔

(۳) عطارد، اس کا نام کاتب بھی ہے۔

(۴) زہرہ، اس کا نام اناہید بھی ہے۔

(۵) مشتری، اس کا نام واویس اور برجیس بھی ہے۔

ہر ستارہ مجرہ کو قطع کرتا ہے سوائے ان پانچوں کے۔ بعض نے ان پانچوں اور نیرین (سورج، چاند) کو نظم میں بیان کیا ہے: ؎

ہفت کوکب ہست گیتی را گاہ از ایشاں مدار و گاہ خلل

قمر ست و عطارد و زہرہ شمس و مریخ و مشتری و زحل

ترجمہ : سات ستارے ہیں کہ جن کی وجہ سے زمانے کا مدار اور خلل بھی،

(۱) قمر (۲) عطارد (۳) زہرہ (۴) شمس (۵) مریخ (۶) مشتری (۷) زحل۔

ف : یہ وہ سات ستارے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے فلک میں پھرتا ہے چاند اول فلک میں اس کے

قریب والا اس کے متصل، اسی طرح علی الترتیب۔

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (سیدھے چلیں تھم رہیں)[1]

حلِ لغات الجواری، جاریۃ کی جمع ہے بمعنی سائرۃ۔ الکنس، کانس کی جمع ہے پناہ گاہ مستترہ میں داخل ہونے والا۔ یہ دونوں خُنّس کی صفت ہیں کیونکہ وہ ستارے اپنے افلاک میں پیرتے ہیں یا وہ سورج یا چاند کے ساتھ خود بخود پیرتے ہیں اور پھر لوٹ کر سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں جیسا کہ اہلِ ظواہر کا خیال ہے اور ظاہر ہے کہ ستارے کو جب آخر برج میں دیکھا جاتا ہے تو اپنے اول مقام کی طرف لوٹتا ہے اسی کا نام خنوس ہے اور کنوس کا مطلب ہے ستارے کا سورج کی روشنی میں چھپ جانا۔ لیکن قران (سورج، چاند) میں یہ معنیٰ نہیں۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ ان کا خنس ہونا اس معنیٰ پر ہے کہ وہ اپنے مجرٰی میں چلتے اور اپنی پناہ گاہ میں چھپتے ہیں۔ کناس بمعنی ان کے چھپنے کی جگہ، جیسے ہرنی اپنی پناہ گاہ میں چھپتی ہے۔

حلِ لغات یہ کنس الوحش سے ہے از باب جلس یعنی وحشی (جانور) اپنی پناہ گاہ میں چھپا، یعنی اس کا وہ گھر جس میں وہ رہتا ہے جسے اس نے درخت کی ٹہنیوں سے تیار کیا ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ تمام ستارے لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں اور رات کو طلوع کرتے ہیں اپنی جگہوں سے جیسے وحشی جانور اپنی کمین گاہوں (لبسیروں) میں دن کو چھپ جاتے ہیں لیکن رات کو باہر نکلتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں حواس خمسہ باطنہ کی طرف اشارہ ہے جو شمس روح اور قمر قلب کے ساتھ اپنے بروج کی طرف چھپ کر بسبب شمس و قمر قلب کی شعاعوں کے چلتے ہیں کیونکہ ان دونوں (روح و قلب) کی شعاعوں کا ان پر غلبہ ہے۔ اور چمکیلے ستارے پانچ ہیں:

(۱) زہرہ (۲) عطارد (۳) مشتری (۴) بہرام (۵) زحل

یہ حواس خمس ہیں اور شمس مظہر رُوح اور چاند مظہر قلب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّيْلِ (اور قسم ہے رات کی) اس کا عطف الخنس پر ہے۔
إِذَا عَسْعَسَ (جب پیٹھ دے) پیچھے ہٹ جائے اس کی تاریکی کیونکہ

---

[1] حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہٗ نے فرمایا یہ پانچ ستارے ہیں جنہیں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں:
(۱) زحل (۲) مشتری (۳) مریخ (۴) زہرہ (۵) عطارد (کذا روی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) (خزائن العرفان)
اویسی غفرلہٗ

صبح کی آمد سے رات کی تاریکی پیٹھ پھیر جاتی ہے، جیسے الوسیط میں فرمایا: جب طلوع صبح کو ہوتا ہے تو متصلاً ادبار اللیل ہوجاتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ عسعس کی تفسیر ادبر سے کی جائے تاکہ وجود کے تعاقب کی طرح ذکر میں بھی تعاقب ہو یا اقبل از قبیل اضداد ہے ایسے ہی سعسع۔ اور یہ رات کے مبدأ میں ہوتا ہے، یہی معنی رعایت مقابلہ مع قرینہ کے زیادہ مناسب ہے وَالصُّبْحِ (اور قسم ہے صبح کی) اس کا بھی الخنس پر عطف ہے اِذَا تَنَفَّسَ (جب دم لے) یعنی طلوع کرے یا اس سے مبدأ طلوع مراد ہے اذا کا عامل قسم کا معنیٰ ہے اذا اور اس کا ما بعد محلاً حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قسم ہے رات کی در انحالیکہ پیٹھ پھیرے اور صبح کی قسم در انحالیکہ وہ روشن ہو۔

حل لغات تنفس الصبح، تبلج یعنی اضاء واشرق (صبح چمکی) اور تنفس الصبح عبارت طلوع وانبساط سے اپنی روشنی کے تحت اس اعتبار سے کہ اس سے رات کی تاریکی زائل ہوجاتی ہے عسعسۃ بمعنی وہ تاریکی جو رات کے آخری حصّہ سے حاصل ہوتی ہے۔ النفس دراصل ریح مخصوص جس سے قلب کو راحت حاصل ہو اور اس کے چلنے سے اسے فرحت پہنچے۔

حدیث شریف میں ہے:

لا تسبوا الریح فانہا من نفس الرحمٰن۔

ہوا کو گالی مت دو اس لیے کہ وہ رحمان کا نفس ہے (یعنی اس کی شان کے لائق ہے، اس سے دُکھ ٹلتا ہے)

ف: صبح کی آمد کی وجہ سے وہ جو راحت اور بادِ نسیم سے خوشی ہوتی ہے کو تشبیہ اس مخصوص ہوا سے دی گئی ہے اس ریح مخصوص کا نام نفس ہے پھر استعارۃً اس پھونکے کو نفس کہا جاتا ہے اسی لیے صبح کو متنفس کہا گیا پھر اس کے تنفس سے اقبال وطلوع صبح اور تاریکی سے روشنی کا آنا کنایہ ہے کیونکہ تنفس بمعنی مذکور اسے لازم ہے استعارہ کے طور کنایہ متفرعہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نور حیات سے تعلق روح اور طلوع نور شمس کے وقت جسمیت کی شب ظلمت کی قسم جب پیٹھ پھیرے ظلمت کے جانے کی ابتداء کے ساتھ اور صبح کی یعنی اسی طرح شمس کے نور کے اثر کی جب افادۂ حیاۃ کے لیے بدن میں پھیلے۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں لیلۂ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے کہ اتباع احکام شرعیہ اور مخالفات آثار طبعیہ کی وجہ سے غیب بشریہ کی اندھیریوں میں شعاع رکھتی ہے اور نہار روحانیہ کی صبح کی طرف جب آداب الرقیت کو کھولے اور ناسرکرے یہی سب سے اعظم اور افضل قسم ہے۔

تفسیر عالمانہ إِنَّهٗ (بیشک وہ) یہ ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے یعنی وہ قرآن کریم جو اس مذکور ہولناک اور ڈراؤنی خبروں کا ناطق ہے اور قسم کا جواب ہے ۔

ف : ان اشیاء مذکورہ کی قسم کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کمال حکمت اور جلال قدرت کا ظہور ہے ۔ فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ دن کی قسموں کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے نور ہے اسی لیے قلب نورانی پر ہی وار د ہوتا ہے کیونکہ قلب بمنزلہ قمر کے ہے اور روح پر جو بمنزلہ سورج کے ہے اور قوائے روحانیہ پر جو بمنزلہ باقی تمام چمکیلے ستاروں کے ہیں اور یہ انوار وجود انسانی میں ظاہر نہیں ہوتے جب تک آثار طبعیہ کے آثار اور آثار نفس اور آثار قلب و رُوح زائل نہ ہوں جب انوار رُوح اور اس کے قویٰ لیلۂ وجود میں چمکتے ہیں توجو کچھ وجود میں ہوتا ہے وُہ تمام چمک اٹھتا ہے اور تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں ۔

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (عزت والے رسول کا پڑھنا ہے) اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں آپ نے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے پڑھا ہے سہیلی نے کہا یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اگرچہ آپ بھی عزت والے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اس لیے کہ کفار کے اس مقالہ کے رد و تکذیب میں یہ آیۃ نازل ہوئی ۔ جنہوں نے کہا تھا کہ یہ قرآن نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ازخود فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ انه لقول رسول کریم ۔ اور جبریل علیہ السلام کو امین اس لیے فرمایا ہے کہ وحی کے امین ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قول (قرآن) اللہ تعالیٰ کا ہی تو ہے لیکن اسے جبریل علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا اس لیے ہے کہ اسے (قرآن کو) وہی لے کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۔ اس معنیٰ پر اس کا اسناد جبریل علیہ السلام کی طرف باعتبار سبب ظاہری انزال و ایصال کے ہے جس پر یہ دلیل قوی موجود ہے کہ رسول سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں وہ یہ کہ بعد کو فرمایا کہ وہ بڑی قوت والا ہے وغیرہ وغیرہ جو یہ تمام صفات صرف اور صرف جبریل علیہ السلام کی ہیں یعنی قرآن لانے والا وہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے انبیاء علیہم السلام کی طرف، اور وُہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و معظم ہے ایسے ہی لوگوں کے نزدیک بھی کیونکہ وُہ افضل العطایا لاتا ہے یعنی معرفت و ہدایت اور وہ اہلِ ایمان پر مہربان اور کفار پر اور اعداء پر قہر برساتا ہے ۔ **ذِىْ قُوَّةٍ** (قوّت والا ہے) یعنی سخت قوت والا، جیسے ان کے لیے فرمایا ہے : شدید القوی جس امر کے لیے انہیں مقرر کیا جائے اس پر بڑی قوت رکھتا ہے اسی سے عاجز ہوتے ہیں نہ کمزور ۔

جبریلی قوّت و طاقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوت بیان فرمائی مجھے کچھ نمونے سنائیے ۔ عرض کی کہ میں نے لُوط علیہ السلام کی چار بستیاں پانی کی تہ سے اپنے پروں کے اگلے حصّے سے اٹھائیں آسمان

تک لے گیا جن کے کتّوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آواز آسمان والوں نے سُنی پھر میں نے انہیں الٹ دیا (جن کی تفصیل قرآن میں ہے)

ثمود کی قوم کا انجام حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت تھی کہ ثمود کی قوم پر صبح کے وقت ایک چیخ ماری تو سب کے سب گھٹنوں کے بل زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

جبریل علیہ السلام کی پرواز سیّدنا جبریل علیہ السلام آسمان سے زمین پر پھر زمین سے آسمان پر آنکھ جھپکنے سے پہلے آجاتے ہیں۔

شیطان کو ہندوستان دھکیل دیا حضرت جبریل علیہ السلام نے شیطان ابیض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد پھرتا دیکھا (یہ وہ شیطان ہے جو انبیاء علیہم السلام کے درپے آزار رہتا ہے) اسے ایک معمولی سا دھکّا دیا تو مکہ معظمہ سے ہندوستان کے آخری کونے میں جا گرا۔ اسی شیطان کو عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کر اسے پھونک ماری تو اُسے بیت المقدس سے ہندوستان کے آخری کونے کے جبل (پہاڑ) پر پہنچا دیا۔

ف : بعض نے کہا کہ قوت سے ادائیگی طاعتِ الٰہی مراد ہے کہ وہ اول خلق سے لے کر آخر زمانہ تکلیف تک معمولی طور بھی خلل و نقصان نہیں کرپاتے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں صفت رُوح کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ذو سلطنت ہے مملکت انسانیہ کی جمیع حقائق کائنہ پر اس کی شاہی ہے۔

تفسیر عالمانہ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ (مالک عرش کے حضور) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ ذی العرش اس لیے ہے کہ قلوب پر اس کی انتہائی کبریائی ہے عند ظرف ہے اس کے مابعد کے لیے، یعنی مَکِیۡنٍ (عزت والا) مرتبہ بلند و الااکرام و تشریف کی عندیت کے نزدیک نہ کہ مکانی عندیۃ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی امثال سے بلند و بالا ہے، مثلاً فرمایا: انا عند المنکسرۃ قلوبہم (میں منکسر المزاج کے قلوب کے نزدیک ہوں) ایسے مقامات پر اس کا قرب واکرام مراد ہے۔ جبریل علیہ السلام کے ہاں مراتب کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر آیۃ فان اللّٰہ ھو مولاہ و جبریل (اللہ اس کا مولیٰ ہے اور جبریل) اپنے بعد فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ انھیں اللہ کے عندیہ کے مرتبہ سے وافر حصہ عطا ہوا ہے، مثلاً اس ملازم کے درمیان جو بادشہ کے تخت کے نزدیک ہو دوسرا وہ جو وضوء کے لیے وضوء کی جگہ وغیرہ پر ہو۔ مُّطَاعٍ (وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے) ملائکہ مقربین کے مابین کہ اس کے ان احکامات کی قدر کرتے اور اس کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کا

اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مرتبہ ہے ۔ اسی مرتبہ عالی کی وجہ تھی کہ آسمان والوں نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کےلیے آسمان کے دروازے کھولے تو جبریل علیہ السلام کے کہنے پر۔ اہلِ سماء پر جبریل علیہ السلام کی طاعت ایسے ضروری ہے جیسے اہلِ ارض پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ رُوح مطاع قویٰ کا بہ نسبت طرف سر و قلب کے ۔

ثُمَّ اَمِيْنٍ (امانت دار ہے) وحی پر ، انھیں اللہ تعالیٰ نے خیانت اور خطاؤں سے معصوم فرمایا ہے ۔

حلِ لغات ثم (بضم الثاء) وصف امانت کی تعظیم اور باقی تمام صفات سے اس کی تفضیل ہے ۔ اسی معنی پر یہ تراخی علی طریق الرتبی ہے کہ فاضل سے افضل و اعظم کی طرف یعنی امانت کی طرف ترقی ہے ۔

فضائلِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر رسول سے حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوں تو ذو القوۃ آپ کے لیے یہ ہے کہ آپ طاعت میں صاحبِ قوت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صاحبِ قدر و صاحبِ مرتبہ اور صاحبِ مطاع ہیں یعنی آپ مستجاب الدعوۃ ہیں اسی لئے آپ کے چچا ابو طالب نے آپ سے عرض کی :

ما اطوعك ربك يا محمد ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کا کتنا جلدی کہا مانتا ہے ؟

آپ نے اسے فرمایا :

وانت يا عم لو اطعته اطعك ۔ اے چچا ! اگر تم بھی اس کی اطاعت کرو تو تمہاری بات بھی مانے گا ۔

(رد وہابیہ دیوبندیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امین کہا تو امین کا معنی صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے وہی لکھا جو آج ہم اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہتے ہیں تو دیوبندی وہابی اس پر شرک کا فتویٰ دیتے ہیں صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر ان پر بھی یہی فتویٰ جاری کرکے دکھائیں یا پھر آپکے لئے علم غیب مانیں (**ف** : اہلِ اسلام کو مطمئن ہونا چاہیے کہ عقاید و مسائل وہی حق ہیں جو امام اہلسنت احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں ۔ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے جو انہوں نے امین کے ترجمہ میں لکھی :)[1]

امین یعنی بر اسرارِ غیب ۔ (امانت دار غیب کے اسرار و رموز کے)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

صوفیانہ معنی اس میں اشارہ ہے کہ افاضۂ فیض روحی ہر ایک پر بحسب استعداد فطری روح امین ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ (اور نہیں تمہارے صاحب) اے اہلِ مکہ اور صاحبکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اس کا جواب قسم پر عطف ہے اسی لیے فتح الرحمٰن میں فرمایا اور یہ بھی جواب قسم ہے۔

بِمَجْنُونٍ (مجنون) جیسے تم کہتے ہو۔

نکتہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے صاحب کہنے میں گویا انہیں چیلنج ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے ساتھ طویل زندگی بسر کر چکے ہیں تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل مبارک کو آزمایا اور تم نے حضورِ اکرم کو جملہ مخلوق سے بہتر پایا۔ تمہارا اقرار ہے کہ آپ امین اور صادق ہیں بلکہ تم نے خود آپ کو الامین الصادق کا لقب دیا ہے۔

جبریل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ماننے والوں کے دلائل

جن لوگوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دی ہے (اگرچہ یہ مذہب کسی نے بھی قبول نہیں کیا لیکن چونکہ انہوں نے دلائل دئے ہیں اس لیے نقل کر رہا ہوں ان کی تردید اس کے بعد آئے گی۔ اویسی غفرلہٗ) جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر چھ خصائل سے موصوف فرمایا ہے جو ہر ایک کمالِ شرافت اور بلندیٔ شان پر دلالت کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف جنون کی نفی کی ہے اور ان دونوں میں تفاوت عظیم ہے۔

مذہب مذکور کی تردید (۱) یہ استدلال ضعیف ہے۔ اس لیے کہ یہاں صرف کفار کی تکذیب مطلوب تھی جو وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہا:

یا ایہا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔ اے وہ جس پر ذکر نازل کیا تو تو مجنون ہے۔ (معاذ اللہ)

نہ کہ یہاں آپ کے فضائل کی گنتی مطلوب ہے نہ جبریل اور اُن کے مرشد سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فضائل کا موازنہ۔

(۲) حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو جبریل علیہ السلام کا ان صفات سے موصوف ہونا بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت اور بزرگی کے طفیل ہے کہ ان کو یہ فضائل وکمالات حضور نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت سے نصیب ہوئے۔

(۳) علاوہ ازیں حیثیت جبریل علیہ السّلام با جملہ صفات سے موصوف بھی رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مؤیداور آپ کی طرف پیغاماتِ الٰہیہ پہنچانے والے ہیں اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بلند مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام جیسا آپ کا پیغام رساں ہے۔

(۴) جبریل علیہ السلام تو سفیر محض ہے کہ ذی العرش سے حکم لاتا ہے اگرچہ یہ بلند شان فرشتہ اور ملک مقرب ہے لیکن وہ تو مرسل الیہ کے ہاں سفیر کی حیثیت سے حاضر ہوتا ہے[1]

تردید از مفتی سعدی قدس سرہٗ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کلام صرف اس لیے چلائی گئی منزّل (نازل کردہ کتاب) کی حقیقت چلائی گئی ہے تاکہ دلالت ہو کہ قیامت کی ہولناکیاں کتنی سخت ہیں جیسا کہ فلا اقسم الخ کی فاء سببیہ دلالت کرتی ہے اس کا تقاضا یہی تھا کہ لانے والے کے اوصاف بیان کئے جائیں اسی لیے جبریل علیہ السلام کی صفات بیان کرنے پر زور دیا گیا نہ کہ اس کی جس ذات پر یہ کتاب نازل ہوئی اسی لیے اس ذات سے صرف ان کے بہتان کے ازالہ پر اکتفاء کیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ رُوح مجنون نہیں یعنی حقائق القرآن اور اس کے دقائق و احکام و شرائع اور وعدہ و وعید سے مستور نہیں بلکہ اس پر اس کے جمیع اسرار مکشوف ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ رَاٰهُ (اور بیشک اس نے اسے دیکھا) بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ عین المعانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا نہ کہ جن کو۔ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ (آسمان کی ایک طرف میں)

حل لغات مبین، ابان سے ہے لازم بمعنی ظاہر یعنی روشن، مشرق کی جانب شمس کے مطلع اعلیٰ میں یہاں پر افق بمعنی وہ جگہ جہاں سے سورج طلوع کرتا ہے اس پر المبین سے موصوف کرنا دلیل ہے اس لیے کہ خود افق کو توشئے کے تبین و ظہور سے کوئی دخل نہیں، ہاں اس اعتبار سے دخل ہے کہ وہاں سے ستاروں کا طلوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے الکوکب المبین (روشن ستارہ) سورج ہی ہے اور ابانۃ

---

[1] مذہب ہذا معتزلہ کی اڑائی ہوئی غبار تھی جو اعتزال کے مرنٹنے کے بعد اس مذہب کا نام و نشان تک نہیں رہا باوجود اینہمہ اس موضوع پر فقیر کی کتاب "جبریل امین خادم دربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیجئے۔
اویسی غفرلہٗ

(ظہور) کا اسناد اس کے مطلع کی طرف مجاز ہے باعتبار اس کے کہ وہ اس کے لیے سبب ہے اس لیے کہ یہاں حرف بیان ہے کہ جو اس سے طلوع کرتا ہے وہ روشن ہے پھر اس سے مخصوص ہوا جو روشن ہے وہ ہے سورج تمام مطالع سے اعلیٰ وارفع ہے اور وہ مطلع ہے جس سے سورج طلوع کرتا ہے کیونکہ وہ سب سے اونچا ہے اور نہار (دن) نہایت طویل اور ممتد (دراز) ہے اور یہ مطلع اس وقت ہوتا ہے جب سورج بُرج اسد میں پھرنے سے پہلے راس سرطان میں ہوتا ہے اور دن انتقاص (گھٹنا) کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ تمام لفظ مبین کی صفت سے معلوم ہُوا اس لیے کہ جُونہی کوکب ستارہ (سورج) ارفع و اعلیٰ ہوگا اور جونہی دن طویل تر ہوگا جب بیان و اظہار واتم و اکمل ہوگا۔

جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت

مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے چاہا کہ آپ انہیں اصلی صورت میں دیکھیں جس پر وہ پیدا ہوئے۔ عرض کی میں اس پر از خود کوئی قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی مجھے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو اصلی صورت میں حاضر ہوئے غار حرا میں بعثت کے اوائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ انہوں نے تمام آفاق کو سینہ سے بھر دیا ہے دونوں پاؤں زمین پر ہیں سر مبارک آسمان سے لگ رہا ہے، ایک پَر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے ان کے چھ سو پر ہیں جو زبرجد اخضر کے ہیں، انھیں دیکھتے ہی آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جبریل علیہ السلام بنو آدم کی صورت میں تبدیل ہو کر آئے اور آپ کو گلے لگایا اور آپ کے چہرہ مبارک سے غبار صاف کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ آپ کی بعثت کے بعد آپ جیسا حسین چہرہ نہیں دیکھا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام اصلی صورت میں آئے اور مجھے گلے لگا کر اپنا حسن میرے حسن (بشری) میں ملا دیا۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور نبی علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو اس کی اصلی (پیدائشی) صورت میں نہیں دیکھا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے۔

سوال: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبریل علیہ السلام کی اصلی (پیدائشی) صورت کے دیکھنے سے غشی کیوں؟

جواب: یہ بھی آپ کے کمال علم و اکمل آگاہی کی دلیل ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں دوسرے مقام پر ہے:

لو اطلعت علیھم لولیت منھم فرارا و لملئت منھم رعبا۔

اگر تم ان (اصحاب کہف) سے آگاہ ہو جاؤ تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگو اور ان سے رعب میں بھر جاؤ۔

ان سے پلیٹ پھیرنا اور رعب سے بھرجانا صرف ان کے جسم سے دیکھنے سے نہیں ۔ کیونکہ ان کے ظاہری جسم تو ان جیسے تھے بلکہ یہ رُعب اور ہیبت اس علم سے تھی جو ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو آگاہی ہوئی ۔ اور اس کی دوسری نظیر خود جبریل علیہ السلام ہیں کہ شبِ معراج رفرف کے دیکھنے سے ان پر غشی طاری ہُوئی حالانکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کسی قسم کی غشی طاری نہ ہوئی تھی ۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام پر غشی طاری ہُوئی تھی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام کی فضیلتِ علمی معلوم ہُوئی ۔ اس نظیر جبریل (علیہ السلام) سے ثابت ہوئی کہ غشی علم کی دلیل ہے جیسا کہ غشی جبریل علیہ السلام کے بعد ان کی علمی فضیلت کا اظہار گویا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی غشی سے اپنی علمی فضیلت کا اظہار فرمایا ۔

فیصلہ حتمی رفرف کو دیکھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر غشی کا طاری نہ ہونا اور جبریل علیہ السلام پر غشی کا طاری ہونا ، ادھر جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل کو دیکھ کر حضور علیہ السلام پر غشی کا طاری ہونا عجیب امر ہے[1] (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :)

لانہ اذ ذاک فی نہایۃ التمکین وفرق بین البدایۃ والنہایۃ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ (روح البیان ، ج ۱۰، ص ۳۵۳)	اس لیے کہ رفرف کی آمد کے وقت حضور علیہ السلام پر غشی کا طاری نہ ہونا تمکین کی نہایت کی وجہ سے ہے ۔ اور ابتدا و انتہا میں بہت بڑا فرق ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے افق میں دیکھا یعنی نہایت طور قلب کو جو روح کے قریب ہے وہی نافثِ قدسی کے القا کا مکان ہے ۔ علاوہ ازیں رسول سے مراد روح قدس ہے جو انسان کے روع میں وحی پھونکتا ہے ۔ (روع سے مطلق القاء مراد ہے نہ کہ وحی اصطلاحی ۔ اویسی غفرلہٗ)

اور تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ دیکھا جبریل روح کو اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں فناء کے بعد بقاء کے افق

---

[1] اس کا فیصلہ اسی طرح ہوگا جس طرح ہم دیوبندی وہابی گروہ کو علمِ غیب اور اختیار کی نفی کی آیات کا ایک جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت چونکہ تدریجی احکام پر مشتمل ہے اسی لیے آپ کے احوال بھی تدریجاً ظہور پذیر ہُوئے ، جو آیات نفی کی ہیں وہ ابتدائی احوال کی ہیں اور جو اثبات کی آیات ہیں وہ احوال دیگر کی ہیں ۔ یہی قاعدہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے رقم کیا ہے ۔

اویسی غفرلہٗ

کے نزدیک ۔

تفسیر عالمانہ وَمَا هُوَ (اور وہ نہیں) عَلَى الْغَيْبِ (غیب بتانے میں) وُہ جو وحی سے خبر دیتے ہیں اس کے علاوہ دیگر غیوب بِضَنِيْنٍ (بخیل) یعنی وہ وحی کے اظہار سے بخل نہیں کرتے کہ بعض وحی کو روک کر چھپا دیں، نہ پہنچائیں اور اسے چھپائے نہیں رکھتے جیسے کاہن چھپائے رکھتا ہے اس وقت تک ظاہر نہیں کرتا جب تک اُجرت وصول نہ کرے یا اس سے تعلیم کا سوال کیا جائے تو وہ تعلیم نہ دے ۔

مسئلہ : اہلِ علم سے کوئی مسئلہ (پوچھنے پر) چھپانا بخل (اور گناہ) ہے ۔

حلِ لغات ضنّ بالشیٔ یضن (بالفتح) ضناً (بالکسر) وضنانۃً (بالفتح) یعنی بخل کیا فھو ضنین بہ بمعنی بخیل ، یضن (بالکسر) ایک لغت ہے لیکن بالفتح افصح ہے (ذکرہ البیہقی فی تہذیب المصادر فی باب ضرب) چنانچہ فرمایا : الضن والضنانۃ بخیلی کرنا ، اس کا مضارع یضن اس کی فتح افصح ہے اس معنی پر از باب علم ہے جیسے بعض نے تصریح کی ، چنانچہ فرمایا ھومن ضننت بالشیٔ (بکسرالنون) وہ ضِننت الخ (میں نے کسی شے کا بخل کیا) سے ہے اور یہی قراءۃ نافع وعاصم وحمزہ وابن عامر کی نشر میں فرمایا اسی طرح ہے وہ تمام ان مصاحف میں جو تمام لوگوں کے ہاں مروج ہیں، ورنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ میں ظاء کے ساتھ ہے یعنی اسے الظنین پڑھا گیا ہے بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی متہم ۔

الظنین کی تحقیق الظنین کی قراءۃ مطابق معنیٰ ہوگا وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متہم نہیں بلکہ وہ ثقہ معتبر (قابلِ اعتماد) ہیں ہر اس بات میں جس کی خبر دیتے ہیں اس میں کسی قسم کا وہم نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جو بات کرتے ہیں ظن (گمان) سے کرتے ہیں الظنۃ بمعنی تہمۃ کہا جاتا ہے : اتہمت فلانا بکذا (میں نے فلاں پر ایسے ایسے تہمت لگائی) اس قراءۃ کو ابو عبیدہ نے اختیار کیا ہے اس لیے کہ کفار آپ کو بخیل نہیں کہتے تھے بلکہ متہم کرتے تھے اسی لیے بخل کی نفی سے تہمت کی نفی اولیٰ ہے علاوہ ازیں بخل متعدی بالباء ہوتا ہے نہ کہ بعلیٰ (اور یہاں علی الغیب میں علیٰ ہے) ۔

ف : الکشاف میں ہے کہ یہی عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کے مصحف میں ہے اور حضرت اُبی (بن کعب رضی اللہ عنہ) کے مصحف میں بالضاد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں طریقوں سے پڑھتے تھے ۔

مسئلہ : قرآن کی تلاوت کرنے والے پر مخرج ظاء و ضاد کا فرق سمجھنا ضروری ہے (اس کے لیے فقیر اویسی

عفرلہ کی کتاب رفع الفساد فی مخرج الظاء والضاد پڑھئے اس لیے کہ ضاد کا مخرج حافۂ لسان اور داڑھوں سے زبان کے دائیں طرف جو زبان کے متصل ہے زبان کی بائیں جانب سے بھی اس کا مخرج ہوسکتا ہے اور ظاء کا مخرج زبان کے کنارے سے ہے اور ثنایا علیائے کے اصول سے ہے۔

مخرج ضاد و ظاء میں وہابیوں کا رد[1]

(صاحب روح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ نے فرمایا :)

فان قیل فان وضع المصلی احد الحرفین مکان الآخر قلنا قال فی المحیط البرھانی اذا اُتی بالظاء مکان الضاد او علی العکس فالقیاس اُن تفسد صلاتہ وھو قول عامۃ	اگر سوال ہو کہ اگر نمازی ایک حرف دوسرے کی جگہ پڑھے اس کا کیا حکم ہے ، محیط برہانی میں ہے جب ظاء ضاد کے بجائے پڑھے یا برعکس تو قیاس یہ ہے کہ نماز فاسد ہے یہی عام مشائخ کا قول ہے ہمارے

---

[1] ہمارے دور میں بعض دیوبندی اور غیر مقلد وہابی اور شیعہ ضاد کو ظاء مخرج میں پڑھتے ہیں حالانکہ وہابیوں اور دیوبندیوں کے مرکز کے پناہ گزیں نجدی بھی ضاد کو ظاء پڑھنے والے کے سخت مخالف ہیں لیکن چونکہ غیر مقلد بدعتی ہیں اس لیے یہ بدعت میاں نذیر حسین دہلوی نے نکالی ، محض اہلسنت کی مخالفت میں بعض دیوبندی بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس مسئلہ میں دونوں وہابی اور دیوبندی بدعتی ہیں ۔ تفصیل فقیر کی کتاب "رفع الفساد" میں پڑھئے یہاں یہ بتانا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا کفر ہے اور نماز فاسد ہو جاتی ہے خطأً وسہواً ایسا کرنا گمراہی ہے ۔ اس کے بکثرت حوالہ جات "رفع الفساد" اور " احسن التحریر تحت ولا الضالین" میں فقیر نے لکھے ہیں یہاں طوالت کے خوف سے چند ضروری حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

دیوبندی وہابی بدعتی ہیں ضاد کو ظاء پڑھنے کی بدعت ہندوستان میں میاں نذیر حسین دہلوی نے نکالی اور اس سے پہلے شیعوں نے فتنہ برپا کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں فرقے نمازوں میں ضاد کو ظاء لازمی طور پر پڑھتے ہیں۔ اور دیوبندی چونکہ وہابی مذہب کی شاخ ہے اسی لیے وہابیوں کی دیکھا دیکھی اور صرف اہلسنت کی مخالفت میں ضاد کو ظاء پڑھتے ہیں ورنہ ان کے اکابر مولوی تھانوی اور مولوی گنگوہی ہماری طرح ضاد کو ظاء پڑھنے پر فسادِ نماز کا فتویٰ دیتے ہیں ۔ (فتاویٰ رشیدیہ و فتاویٰ امدادیہ)

اعجوبہ مخالفین ہر بات کو نجدیوں (حرم مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ) کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ ضاد کو ظاء کے مخرج میں اُن کے خلاف کر رہے ہیں کیونکہ حرمین شریفین کے (باقی برصفحۂ آئندہ)

المشایخ وقال مشائخنا بعدم الفساد للضرورة وفی حق العامة خصوصا العجم فان اکثرھم لا یفرقون بین الحرفین وان فرقوا فرقا غیرصواب وفی الخلاصہ لوقرأ بالظاء مکان الضاد اوبالضاد مکان الظاء تفسد صلاتہ عند ابی حنیفة ومحمد واما عند عامة المشایخ کابی مطیع البلخی و محمد بن سلمة لا تفسد صلاتہ۔

مشایخ نے عدم فساد کا کہا ہے عوام کے حق میں بالخصوص عجم کے لیے اس لیے کہ ان کے اکثر دو حروف کے مخارج نہیں جانتے اگر فرق سمجھیں بھی تو صحیح نہیں ہوتا۔ خلاصہ میں ہے کہ اگر ضاد کے بجائے ظاء پڑھے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہے، لیکن عام مشایخ جیسے ابو مطیع بلخی و محمد بن مسلمہ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۵۳)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں) یعنی بعض سمع کے چرانے والے، اس پر رجیم دلالت کرتا ہے کیونکہ رجیم بمعنی جو چنگاریوں سے مار بھگایا جائے، اور یہ نفی ہے ان کے قول کی جو انہوں نے کہا کہ یہ کہانت یا سحر ہے جیسا کہ فرمایا : وما تنزلت بہ الشیاطین (اور نہیں نازل کیا اسے شیاطین نے)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بیشک وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مواہب غیبیہ و الہامات سریہ خبر دینے کے وقت کذب و افتراء سے متہم نہیں اور نہ ہی وہ بعض قوائے بشریہ کا قول ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام ضاد کو ظاء بالکل نہیں پڑھتے بلکہ ضاد ہی پڑھتے ہیں جیسا کہ حجاج و زائرینِ مدینہ طیبہ کو معلوم ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ محض بہ بنائے ضد ضاد کو ظاء پڑھتے ہیں۔

ازالہ وہم فیض، حوض، ریاض وغیرہ کو ظاء پڑھنا یہ عجمی لفظ کی وجہ سے ہے ضاد عجمی الفاظ میں نہیں بلکہ قرآن مجید کا لفظ ہے یہ ایسے ہے جیسے اب عربی لوگ ق کو گ بولتے ہیں مثلاً موقف کو موگف (اڈہ) قریب کو گریب وغیرہ لیکن جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو صحیح قاف پڑھتے ہیں ایسے ہم عجمی ضاد اپنی عجمیت میں پڑھیں گے تو ظاد، لیکن جب قرآن مجید پڑھتے ہیں تو ضاد کو اس کے مخرج میں پڑھتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

تفسیر عالمانہ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ (تو کہاں جارہے ہو!) امر قرآن میں جس راہ پر چل رہے ہیں اس کی گمراہی کا اظہار ہے خاء ما بعد کی ماقبل کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے اس بارے میں کہ وحی بالکل ظاہر اور وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو، یہ ایسے ہے جیسے تم اسے کہتے ہو جو اس سیدھے راستے کو چھوڑ دے جو سب سے بڑا ہو اور اس کے آگے بہت ظاہر ہوا لیکن وہ بھٹک کر دوسرا راستہ اختیار کرے کہ کہاں جارہے ہو تو۔ اس سے اس کی گمراہی کا اظہار اور اس کے تعسف سے انکار ہے۔ اسی طریقہ پر قرآن مجید کے حق میں ایسی باتیں جو اس کے لائق نہیں جبکہ واضح ہے کہ وہ وحی ہے حق ہے، کہنے والوں کو کہا گیا کون سے طریقے پر چل رہے ہو؟ کیا وہ اس سے زیادہ امن والا ہے کہ جس کی حقیقت ظاہر اور جس کی استقامت واضح ہے۔

ف : این ظرف مکان مبہم تذھبون سے منصوب ہے۔ ابوالبقاء نے کہا کہ اس کا اصل الیٰ این تذھبون تھا حرفِ جر حذف کر دیا گیا ہے یہ بھی ہے کہ الیٰ کے حذف کا قول نہ کیا جائے بلکہ کہا جائے تذھبون تؤمون کے معنی کو متضمن ہے یعنی کہاں کا ارادہ کر رہے ہو۔

ملفوظ جنید قدس سرہٗ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا : اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ہم سے نکل کر کہاں جاؤ گے۔ کوئی شے ایسی نہیں جو ہمارے ہاں نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں کہ طریق حق سے طریق باطل کی طرف سے کیوں جارہے ہو اور دوسرے کی اقتدار چھوڑ کر اتباع نفس اختیار کر رہے ہو۔

تفسیر عالمانہ اِنْ هُوَ (نہیں وہ) ان نافیہ ہے ھو (ضمیر) قرآن کی طرف راجع ہے اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (مگر عالمین کے لیے ذکر (نصیحت) ہے) اور ان کے لیے تذکیر، اس سے انس وجن مراد ہیں جس پر عقل دلالت کرتی ہے اس لیے کہ وہی وعظ وتذکیر کے محتاج ہیں لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ (اس کے لیے جو تم میں سے چاہے) اسے طاعت وایمان کے مکلفو یہ عالمین سے بدل البعض من الکل ہے اعادہ جار سے اور اصل متبوع اور فرع تابع کے درمیان تخالف نہیں کیونکہ پہلا باعتبار ذات کے ہے دوسرا باعتبار تبع کے ہے اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (اس کے لیے کہ جو تم میں سیدھا ہونا چاہے) ان یستقیم لمن شاء کا مفعول ہے اس کے لیے جو تم میں سے حق کی تلاش وصواب کے لزوم کی استقامت چاہے اسے العلمین سے بدل بنانے میں باوجودیکہ وہ جمیع مکلفین کو شامل ہے یہ نکتہ ہے کہ وہی تذکیر سے نفع اٹھانے والے ہیں نہ کہ ان کے غیر گویا وہ اس سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے یہی مخصوص ہیں نہ کہ ان کے غیر وَمَا تَشَآءُوْنَ (اور تم کیا چاہو) استقامت تمہاری ایسی مشیت جو استقامت کو مکمل طور پالے کسی نہ کسی وقت اسے وہ جو

استقامت کو چاہے وُہ اس لیے کہ لمن شاء منکم دلالت کرتا ہے کہ ان میں بعض وُہ تھے جو استقامت چاہتے اور ان کے بعض نہ چاہتے اور یہ خطاب انہیں سے ہے جو استقامت کو چاہتے تھے۔

ابوجہل کی ہٹ مروی ہے کہ جب لمن شاء منکم ان یستقیم نازل ہُوئی تو ابوجہل نے کہا اس کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے اگر چاہیں گے تو سیدھے رہیں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں۔ 'قدریہ' مذہب کا سر (اصل) یہی ابوجہل ہے اس پر نازل ہُوئی وما تشاءون الخ۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ) یہ اقامۃ المصدر موقع الزمان کے قبیل سے ہے یعنی مگر اس وقت جب استقامت کو اللہ تعالیٰ چاہے جو کامل استقامت پر مشتمل ہو تمہاری مشیت کامل استقامت کو حاصل نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر اس لیے کہ مشیت اختیاریہ حادثہ مشیت ہوتی ہے اس کے لیے مُحدِث ہونا ضروری ہے اور اس کا حدوث موقوف ہوتا ہے کہ اس کا محدث اس کی ایجاد چاہے تو۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ فعل الاستقامۃ استقامت پر موقوف ہے اور یہ ارادہ موقوفۃ الحصول ہے اس پر کہ اسے اللہ تعالیٰ ارادہ عطا فرمائے۔ اور قاعدہ ہے کہ موقوف علی الموقوف علی الشئ موقوف ہے اسی شئ پر تو اہلسنت کے مذہب پر واضح ہوا کہ افعال العباد ثبوتاً ونفیاً موقوفۃ الحصول ہیں مشیتِ الٰہی پر۔

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (سارے جہان کا رب) تمام مخلوق کا مالک اور تمام ارزاق جسمانیہ و روحانیہ کا مربّی۔

حدیثِ قدسی میں ہے:

یا ابن آدم ترید وأرید فتعب فیما ترید ولا یکون الا ما أرید۔	اے ابن آدم! تیرا بھی ارادہ ہے اور میرا بھی تُو اپنے ارادہ پر بڑی مشقت اٹھاتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو میرا ارادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ: حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے انبیاء علیہم السلام پر نازل کردہ بکثرت کتب میں دیکھا ہے کہ جو بھی کسی کام کو اپنی مشیّت کی طرف منسوب کرتا ہے وہ کافر ہے۔

ملفوظ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اپنی جمیع صفات میں اپنا عجز تصور کرو وہ چاہو جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے تو کوئی کام نہیں کرتا سوائے اس کی قوت کے اور کوئی اطاعت نہیں کرتا سوائے اس کے فضل کے اور کوئی بے فرمانی نہیں کرتا سوائے اس کے رسوا کرنے کے، اب بتا تیرے لیے کیا باقی رہا جس پر تُو فخر کرتا ہے اپنے اعمال پر اور تجھے تو سوائے اس کی توفیق کے کچھ حاصل نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہر صفت میں عاجز بنایا ہے تو اس کی مشیت

کے سوا کچھ چاہتا ہی نہیں اور تو جو کام کرتا ہے اس کی قوت سے ہی اور تو کوئی فرمان بجا لاتا ہے تو اس کے فضل سے ہی، نافرمان ہوتا ہے تو اس کے رُسوا کرنے سے۔ پھر تیرا کیا ہے کہ جس پر تُو فخر کرتا ہے اور نازاں ہے کہ میرے پاس بھی اعمال ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تیرا کچھ ہے ہی نہیں ؎

ز سر تا پا ھمہ در ہیچم ہیچ
چہ پا چہ سر ہمہ ہیچم در ہیچ

ترجمہ : سر سے پاؤں تک تمام کچھ بھی نہیں پاؤں ہوں یا سر بس نام ہی ہے باقی کچھ بھی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جسے پسند ہو کہ روزِ قیامت کو ایسا دیکھے گویا کہ وہ نظر کے سامنے ہے تو چاہیے کہ سورۃ اذا الشمس کوّرت اور سورہ اذا السماء انفطرت اور سورہ اذا السماء انشقت پڑھے (ترمذی)

ف : اس لیے کہ ان سورتوں میں قیامت کے ہولناک احوال کا تفصیل سے بیان ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ التکویر ملک قدیر کی مدد سے وسط صفر الخیر ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فراغتِ مترجم اللہ تعالیٰ کی مدد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ کرم سے فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ التکویر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۳ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ / ۱۰ فروری ۱۹۸۹ء شب ہفتہ قبل صلوٰۃ العشاء فراغت پائی۔ بہاولپور، پاکستان۔

سورۃ الانفطار

اٰیاتہا ۱۹	(۸۲) سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ (۸۲)	رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ○ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ ○ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ○ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ○ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ○ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ○ کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ○ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ○ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ○ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ○ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ○ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ○ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ○ ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ○ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

جب آسمان پھٹ پڑے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب سمندر بہا دیئے جائیں اور جب قبریں کریدی جائیں ہر جان جان لے گی جو اُس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے، اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے، جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر ہموار فرمایا، جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا، کوئی نہیں بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو، اور بیشک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے، جانتے ہیں جو کچھ تم کرو، بیشک نکوکار ضرور چین میں ہیں، اور بیشک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں انصاف کے دن اس میں جائیں گے اور اس سے کہیں چھپ نہ سکیں گے، اور تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن، پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن، جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے۔

تفسیر عالمانہ سورہ الانفطار مکیۃ ہے اس کی ۱۹ آیات ہیں ۔ ایک رکوع ہے ۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)
اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (جب آسمان پھٹ پڑے) ملائکہ کے نزول سے ، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

یوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملٰئکۃ تنزیلا ۔ اس دن کہ بادلوں پر آسمان پھٹ پڑیں گے اور ملائکہ خوب اتارے جائیں گے ۔

یا اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ، اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ غیر نظام مقصود پر آسمان کا پھٹنا ہوگا اور یہ پھٹنا اس کی بنیاد کے نزول کی وجہ سے ہوگا ، اس کا اعراب اذا الشمس کورت کی طرح ہے ۔

تفسیر صوفیانہ سماء الارواح والقلوب والاسرار کے تعینات مرتفع اور ان کے تشخصات زائل ہو جائیں گے اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب سماء روح حیوانی روح انسانی کے انفراج (کشادگی) سے اور موت کی وجہ سے پھٹ پڑے ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (اور جب ستارے جھڑ پڑیں) یعنی سیاہ اور متفرق ہو کر اپنی جگہوں سے ایسے بکھر پڑیں جیسے موتی ہار کے ٹوٹنے سے بکھر جاتے ہیں ۔

ف : یہ دونوں قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جو عالم علوی سے متعلق ہیں اس لیے کہ آسمان اس عالم میں زمین پر ایسے ہے جیسے مکان کی چھت ۔ قاعدہ ہے کہ جو کسی مکان کو ڈھانا چاہتا ہے تو پہلے چھت کو توڑنا شروع کرتا ہے ۔ اسی قاعدہ پر ہے اذا السماء انفطرت ، پھر آسمان کے ڈھانے پر ستاروں کا جھڑنا لازمی امر ہے ۔

تفسیر صوفیانہ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (اور جب سمندر بہا دئے جائیں) مانع کے زوال اور زمین کے تزلزل اور اس کے پھٹنے اور برابر ہونے سے دریا ایک دوسرے سے مل کر (بڑے) ساتوں دریا ایک سمندر کی صورت اختیار کریں گے ، وہ سات دریا یہ ہیں ،

(۱) بحر الروم (۲) بحر الصقالبہ (۳) بحر جرجان (۴) بحر القلزم (۵) بحر فارس (۶) بحر چین (۷) بحر الہند

ان تمام دریاؤں کو ایک کر کے اس مچھلی کے پیٹ میں ڈالا جائے گا جس پر ساتوں زمینیں قائم ہیں ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ جب زمین پانی چوس لے گی تو برابر ہو جائے گی ، اس کو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ تسجیر (آگ سے سلگنا) سے تعبیر کرتے ہیں پھر ان تمام دریاؤں میں بحر محیط

داخل ہو جائے گا یعنی سب بحر محیط میں مل جائیں گے کیونکہ یہی ان سب کا اصل ہے اور وہ سب اسی کی شاخیں ہیں ایسے ہی بڑی نہریں بھی۔ کیونکہ وُہ اپنی وسعت کی وجہ سے بحار ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں بحار ارواح و اسرار و قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ تجلی احدی سے یہ سب ایک دوسرے میں جاری ہیں لیکن پھر یہ سب ایک ہو جائیں نیز اشارہ بحار اجسام عنصریہ کی طرف کہ وُہ بھی ایک دوسرے میں جاری ہیں لیکن زوال برزخ حاجزہ از ذہاب کے بعد اپنے اصل کی طرف چلے جائیں گے یعنی ارواح حیوانیہ کی طرف جو خرابیِ بدن سے مانع ہے نیز اس کے اجزاء کا رجوع اپنے اصل کی جانب اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (اور جب قبریں کریدی جائیں گی) مٹی ہٹا کر مُردوں کو نکالا جائے گا اور وہ سورۃ العادیات میں آ رہا ہے اس کے منافی نہیں

حلِ لغات

البعثرۃ بمعنی استخراج (نکالنا) قلب کی طرح ۔ اور تاج المصادر میں ہے البعثرۃ بمعنی اِدھر اُدھر کرنا اور ظاہر کرنا ۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا کہ جب قبریں زیر و زبر ہوں گی یعنی مٹی ہٹائی جائے گی تاکہ ان کے مُردے مدفون اور خزانے ظاہر ہوں اور ۔ زندہ ہوں اس کی نظیر بحثر ہے لفظاً و معناً کہا جاتا ہے : بحثرت المتاع و بحثرتہ یعنی میں نے سامان کو اُوپر نیچے کیا ۔ اس وقت قبور کے نچلے حصوں کو اوپر کیا جائے گا ان کے اموات کو نکالنے کے لیے ، اسی لیے سورۃ البراۃ کو سورۃ المبعثرۃ کہا جاتا ہے کہ اس نے منافقین کے اسرار آشکار کر دئیے ہیں ان دونوں (بعثر و بحثر) بعث و بحث سے مرکب ہیں راء کے ساتھ جو دونوں سے ملائی گئی ہے ۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا جو اس قسم کی ترکیب رباعی و خماسی کو جائز سمجھتا ہے جیسے ھلّل و بسمل (لا الٰہ الا اللہ اور بسم اللہ کہا) وہ کہتا ہے کہ بعثر مرکب از بعث و اثیر ہے یعنی اس کی مٹی الٹی اور اس کے اندر جو کچھ ہے اسے بکھیرا ، اور یہ اس حرف سے بعید بھی نہیں اس لیے کہ بعثر بعث و اثیر کے معنی کو متضمن ہے اور یہ دونوں علامات قیامت سے اور عالم سفلی سے متعلق ہیں اس لیے کہ آسمان اور تاروں کی تخریب کے بعد دریاؤں کے ایک دوسرے میں نفوذ سے جو کچھ زمین پر ہوگا تمام کا ویران ہونا لازمی امر ہے کیونکہ یہ بمنزلہ ایک مکان کے ہے پھر اس کا نچلا حصہ اوپر کو اور اوپر کا نیچے ہو جائے گا۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں قبور تعینات کے خراب اور متعین کے تعینات سے مطلق ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تعینات حقائق مطلقہ کی قبریں ہیں اور قبور الابدان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موت سے ان کے اندر سے ارواح و قویٰ نکلتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ عَلِمَتْ نَفْسٌ (ہر جان جان لے گی) نیک یا بد سب کو اپنا کردار معلوم ہو جائے گا جس کی تفصیل گزری ہے سورۃ (التکویر) میں۔

ف : فتح الرحمن میں ہے کہ نفس سے یہاں پر اسم جنس اور اس کے افراد مراد ہیں تاکہ سامع کا ذہن اس کی حقارت اور اس کے قلت وضعف منافع ذاتی کو سمجھے ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ مستثنیٰ ہے مَّا قَدَّمَتْ (جو اس نے آگے بھیجا) دنیوی حیات میں کار خیر یا شر، اس لیے کہ لفظ ما الفاظ عموم میں سے ہے وَ اَخَّرَتْ (اور جو پیچھے) اچھے یا برے طریقہ کو جو اس کے بعد عمل ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص نیکی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت قبول کر لی جاتی ہے تو اس کا اجر اسے بھی ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کی نیکی میں کمی نہ ہو گی اور جو برائی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت قبول کر لی جاتی ہے جو اس برائی پر عمل کرے گا تو اس کا گناہ دعوت دینے والے کے لیے بھی لکھا جائے گا اور برائی والوں کی برائی میں کمی نہ آئے گی۔

ف : یا ماقدم سے گناہ اور ما اخر سے طاعت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ علمت نفس ما قدمت و ما اخرت کا مطلب یہ ہے کہ نفس قوت کو فعل کی طرف نکالے اعمال حسنہ یا اعمال سیئہ کی طرف، اور وما اخرت وہ جو باقی ہے قوت میں بحسب نیت۔

ف : علمت الخ اذا کا جواب ہے یعنی جب یہ امور واقع ہوں گے اور دنیا خراب ہو جائے گی تو ہر جی جان لے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قبور سے اٹھتے ہی جان لے گا بلکہ جب نامہ ہائے اعمال کھلیں گے۔ جیسا کہ سابقہ سورۃ التکویر میں گزرا۔

ف : اس سے ایک ہی زمانہ مراد ہے جس کا آغاز نفخۂ اولیٰ اور منتہیٰ مخلوق کے فیصلہ تک نہ کہ متعدد زمانے بحسب تعدد لفظ اذا کے اسے باربار لانا تہویل (ہولناکی) کی وجہ سے ہے جو اس میں دہشت ناک امور واقع ہوں گے اور علم سے علم تفصیلی مراد ہے جو نامۂ اعمال کے پڑھنے اور محاسبہ کے وقت معلوم ہو گا ورنہ علم اجمالی تو بعث وحشر کے ابتدائی زمانہ میں معلوم ہو جائے گا اس لیے کہ مطیع سعادت اور عاصی شقاوت کے آثار ابتداء میں ہی جان جائے گا۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ ان جملہ امور کو جاننا اس کی جزا سے کنایہ ہے کیونکہ کلام سے مقصود زجر از معصیت اور ترغیب بر اطاعت ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ (اے انسان) تمام عاصیوں کو خطاب عام ہے بالخصوص کفار کو، کیونکہ وہ مجمل و مفصل کے درمیان واقع ہے یعنی علمت الخ اور ان الابرار کے درمیان، اور "بل تکذبون بالدین الخ" بنو فلان قتلوا زیدا کے قبیل سے ہے جب اس کا ان کا کوئی ایک ہو۔

ف : امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس سے امیہ بن خلف مراد ہے لیکن لفظ عام ہے اس کے اور اس کے غیر سبب کے لیے صلاحیت رکھتا ہے۔

شانِ نزول بعض نے کہا اس سے ولید بن مغیرہ یا اسود بن کلدۃ الجمی مراد ہے اس نے بطحائے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اور رحم و کرم کا مظاہرہ زہرۃ الریاض میں ہے اس (اسود بن کلدۃ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر ضرب لگائی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا، وہ شدتِ درد سے کہنے لگا:

یا محمد الامان الامان منی الجفاء	یا محمد! امان، امان۔ مجھ سے جفاء آپ
و منك الكرم فانی لا اُوذیك ابدًا۔	سے کرم۔ میں آپ کو کبھی ایذاء نہ دوں گا۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۵۷)

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (تجھے کس چیز نے فریب دیا کرم والے رب سے) ما استفہامیہ مبتدا کی جگہ میں ہے غرّک اس کی خبر ہے استفہام استبعاد و توبیخ کا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تجھے کون سی شئے نے گناہ کرنے پر ابھارا اور عذابِ الٰہی سے بے خوف کر کے دھوکا اور جرأت دی، اور دہشتناک امور کو تُو نے جان لیا جو تیرے سامنے ہیں اور عنقریب اپنے اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے غرّہ بفلان اذا جراۃ علیہ و امنه المحذور من جهته مع انه غیر مامون (اس نے فلاں چیز پر جرأت کی اور اس کے خوف سے بے خوف و خطر ہوا حالانکہ وہ مامون نہ ہو)

نکتہ : اس عنوان کو کریم سے بیان میں آگاہ کرنا ہے کہ وہ ایسی ذات نہیں کہ اس سے فریب کاری

کی جائے کہ جیسے شیطان گمراہ کرے اور کہے کہ یہ کر، وہ کر، کچھ نہ ہوگا کیونکہ تیرا رب کریم ہے جس نے تجھ پر دنیا میں کرم فرمایا ایسے ہی آخرت میں لطف و کرم فرمائے گا، یہ قیاس بیکار اور تمنا باطل ہے بلکہ اس امر میں مبالغہ ہے جو ایمان و طاعت پر توجہ اور کفر و عصیان سے اجتناب کا موجب بنے۔ گویا کہا گیا ہے کہ تجھے تیرے رب تعالیٰ کے عصیان پر کس چیز نے برانگیختہ کیا تیرا رب جو ایسے صفات سے موصوف ہے جو ایسی غلط کاریوں سے روکنے والی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب یہی آیت کریمہ پڑھی تو فرمایا: اسے فریب دیا اس کے جہل نے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: بخدا اس کے شیطان نے اسے فریب دیا۔

نکتہ: اس سے ثابت ہوا کہ کریم کے فضل و کرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے فریب نہ کھایا جائے ایسے ہو کیوں جب اس کی صفات قہریہ بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اس کے دوسرے کے متقابل ہیں اسی لئے فرمایا:

نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم — خبر دیجئے میرے بندوں کو کہ میں غفور رحیم ہوں

وان عذابی ھو العذاب الالیم۔ — اور بیشک میرا عذاب دردناک ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہونا اس کا کریم اس سے غِرّہ ہونا جائز بلکہ آسان کرتا ہے کیونکہ اس کی کثیر نعمتیں اور عظیم منن اور قدرت کاملہ اس سے نہیں روک سکتیں بلکہ اس سے اکثر ہے کہ اس سے کرم ہی کرم نصیب ہو۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر آپ کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کرکے پوچھیں کہ ما غرک بربک الکریم، تو آپ کیا کہیں گے؟ فرمایا: میں کہوں گا مجھے تیرے لٹکے ہوئے پردوں نے مغرور کیا۔ اسے ابن السماک نے نظم میں کہا: ؎

یا کاسب الذنب أما تستحی — واللہ فی الخلوۃ ثانیکا

غرک من ربک امہالہ — وسترہ طول مساویکا

ترجمہ: اے گناہ کرنے والے! تجھے حیا نہیں آتی، خلوت میں تیرا دوسرا رب ہی تو ہے۔ تجھے دھوکا دیا رب تعالیٰ کے مہلت دینے نے اور اس کے طویل ستر نے تیرے گناہوں کو۔

نکتہ : صاحب الکشاف نے کہا کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے قول میں ایک طرف گناہوں کا اعتراف اور دوسری طرف اس کی ستاری سے اعتزار کا اظہار ہے۔

ف : یہ اعتذار نہیں جیسے طامع[1] (رحمت کی امید رکھنے والا) کہتا ہے اور نہ ہی قصاص ہے جیسے حشویہ کا گناہ ہے۔ یہ دونوں حضرت فضیل کو اپنے ائمہ میں شمار کرتے ہیں (وہ اپنے گمان پر ایسے کہتے ہوں گے ورنہ درحقیقت آپ تو اہلسنت والجماعت کے نہ صرف امام بلکہ شیخ المشایخ ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ)

نکتہ : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس باب میں حق یہ ہے کہ یہ اختلاف احوال الناس پر مبنی ہے کیونکہ جو صرف اشارہ کو سمجھتا ہے اس جیسا وہ کہاں جو ایسے اشارات سمجھتا ہی نہیں۔ اور گناہ گناہ میں بھی فرق ہے ایسے ہی گمان گمان میں۔ اسی لیے اہلِ اشارہ یعنی صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بجائے دوسرے اسماء کے اسم کریم کا لانا اس لیے ہے کہ کہ یہ اسم گویا از جہتہ الثقلین ہے

خود تو دادی مژدۂ لاتقنطوا — من چرا ترسم ز عصیان و عتو

چوں تو ہر شکستہ راسازی درست — پس خطا ہا بر امید عفو تست

ترجمہ : خود تو تُو لاتقنطوا (نا امید نہ ہو) کا مژدہ سناتا ہے، پھر میں گناہ و خطا سے کیوں ڈروں، جب تُو ہر ٹوٹے دل کو جوڑتا ہے تو پھر میری خطائیں تیری عفو کی اُمید پر ہیں۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تیرے احسانات نے مغرور کیا جو تُو نے مجھ پر زمانہ سابق میں کئے اور اب تک ہو رہے ہیں

یقول مولای اما تستحی — مما أری من سوء أفعالك

فقلت یا مولای رفقا فقد — افسدنی کثرۃ أفضالك

ترجمہ : اے میرے مالک! مجھے تو کہتا ہے تُو حیا نہیں کرتا اس سے جو میں تیرے بُرے افعال دیکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی: میرے مالک! نرمی فرمائیو، مجھے تیرے فضل و کرم نے بگاڑ دیا ہے (اسی امید پر ایسے ہو جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سیرت کا نمونہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے ایک غلام کو بار بار پکارا لیکن اس نے جواب نہ دیا حالانکہ وہ

---

[1] طامع یعنی مرجئہ — اویسی غفرلہٗ

دروازے پر ہی موجود تھا۔ جب حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا: تُو نے میرے بار بار پکارنے پر جواب کیوں نہ دیا؟ اس نے عرض کی: آپ کے حلم کے بھروسے پر اور آپ کی سزا سے امن کی وجہ سے۔ آپ نے اس کے بہتر جواب پر احساناً اسے آزاد کر دیا۔

صُوفیانہ نکتہ بعض اہلِ اشارہ نے فرمایا کہ اس خطاب میں مخالف کو تہدید اور موافق سے پیار ہے، بھلا مخالف ایسا خطاب کیسے کرتا ہے جس سے موافق جیسا پیار جھلکتا ہو۔ اس میں وہ راز ہے جسے صرف اہلِ اشارہ ہی سمجھتے ہیں۔

حکایت ایک ولی کامل کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ کے بازار میں ایک جنازہ دیکھا جسے صرف چار آدمی اٹھا کر دفنانے جا رہے تھے ان کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ میں نے کہا عجیب بات ہے بصرہ کے بھرے بازار میں مسلمان کے جنازہ کے ساتھ کوئی بھی ساتھ نہیں۔ میں جنازہ کے ساتھ ہو لیا، اس کی نماز پڑھائی اور دفنانے میں شریک رہا۔ ان چاروں آدمیوں سے اس کے متعلق پُوچھا تو کہا ہم کچھ نہیں جانتے ہمیں تو یہ عورت کرایہ پر لے آئی ہے جو قبر کے سرہانے کھڑی ہے۔ جب وہ چاروں آدمی چلے گئے تو وہ عورت ہاتھ اٹھا کر دیر تک وہاں دُعا مانگتی رہی، فراغت پر ہنسی، جب وہ جانے لگی تو میں نے پُوچھا: بی بی! مجھے اس راز سے آگاہ فرمائیے۔ فرمایا: یہ مُردہ میرا بیٹا ہے، اُس نے زندگی میں کوئی گناہ نہ چھوڑا آج سے تین روز پہلے یہ بیمار ہُوا اور مجھے کہا: امّی! جب میں مر جاؤں تو ہمسایوں کو میری موت کی خبر تک نہ دینا، وُہ میری موت سے خوش ہوں گے اور میرے جنازہ کے لیے بھی نہیں آئیں گے لیکن تم ایسے کرنا کہ میری انگوٹھی پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھوا کر میری انگلی میں پہنا دینا اور مرنے کے بعد اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ کر کہنا کہ یہ ہے سزا اس کی جو خدا کا نافرمان ہو، جب تم مجھے دفنا چکو تو ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا کہ یا الٰہی! میں اپنے بیٹے سے راضی ہُوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اب میں نے اس کی تمام وصیتیں پُوری کر دی ہیں اور اب جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے تو میں نے قبر کے اندر سے بیٹے کی آواز سُنی وُہ فصیح الفاظ میں کہہ رہا تھا: امّی جان! تشریف لے جائیے میں اپنے رب کے ہاں حاضر ہُوا تو اُسے رحیم و کریم پایا وُہ مجھ سے راضی ہے۔ میں نے جب اس کی یہ بات سنی تو میں ہنس پڑی اس کے حال کے سرور سے۔ (شرح الاسماء للامام القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ)

حدیث شریف صحیح حدیث میں ہے:

ان اللہ یدنی المؤمن	بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قریب
فیضع علیہ کنفہ و سترہ فیقول	کر کے اس پر اپنا پردہ ڈال کر فرمائیگا

أتعرف ذنب كذا فيقول نعم اى رب حتى قررہ بذنوبه ورأى فى نفسه انه هلك قال سترتها عليك فى الدنيا وأنا أغفرلك اليوم۔

کیا تُو نے فلاں گناہ کیا تھا؟ کہے گا ہاں میرے پروردگار۔ یہاں تک کہ وُہ اپنے تمام گناہوں کا اقرار کرے گا اور اپنے دل میں یقین کرے گا کہ بس اب میں مارا گیا لیکن اللہ تعالیٰ اسے فرمائیگا کہ دنیا میں مَیں نے تیرے گناہ چھپائے تھے آج بھی تیرے گناہ بخش رہا ہُوں۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْ خَلَقَکَ (جس نے تجھے پیدا کیا) یہ دوسری صفت ربوبیت کے لیے مقررہ اور کرم کی مبیّنہ ہے اس لیے کہ خَلق بمعنی اعطاء الوجود ہے اور وہ عدم سے بہتر ہے اس میں تنبیہ ہے کہ جو خَلق (تخلیق) اور وہ جو اس کے قریب ہیں پر قادر ہے کہ اسے ابتداءً پیدا کیا تو وہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے۔ یعنی اے انسان! تُو نہ تھا تو تجھے پیدا کیا فَسَوّٰکَ (پھر ٹھیک بنایا) تیرے اعضاء صحیح وسالم ٹھیک ٹھاک منافع کے لیے مستعد بنائے یعنی ہر ایک عضو کو ایسا مرتّب فرمایا کہ جس منفعت کے لیے پیدا کیا اس میں وُہ استعداد موجود ہے مثلاً پکڑنا ہاتھ کے لیے، چلنا پاؤں کے لیے، بولنا زبان کے لیے، دیکھنا آنکھ کے لیے، سُننا کان کے لیے وغیرہ وغیرہ فَعَدَلَکَ (پھر ہموار فرمایا) ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ہموار کیا ایسے ہموار کر کسی ایک میں کوئی تفاوت نہیں مثلاً دو ہاتھوں یا پاؤں یا کانوں میں کوئی ایک لمبا ہو دوسرا چھوٹا ہو یا دو آنکھوں میں ایک بڑی ہو اور دوسری چھوٹی یا بعض اعضاء سفید ہوں اور بعض سیاہ یا بعض بال کالے ہوں یا بعض سُرخ۔

ف: بعض علماءِ تشریح نے فرمایا کہ اللہ نے آدمی کے جُثّہ کو دونوں جانبوں سے برابر بنایا یہاں تک کہ اس کے کسی حصہ میں تفاوت نہیں، نہ ہڈیوں نہ شکلوں میں نہ اوردہ (رگوں) ہیں نہ شریانوں ہیں نہ ان اعصاب میں جو ان میں نافذ اور ان سے خارج ہیں غرضیکہ دونوں جانبوں میں جو کچھ ہے وُہ اپنی دوسری جانب کے برابر ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: عدله عن الطريق (اسے راستہ سے پھیرا) اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے انسان! تجھے خِلقت (تخلیق) مکروہ سے وُہ باقی حیوانات میں ہے سے پھیرا اور تجھے بہترین تخلیق میں بہترین اور دوسری مخلوق سے ممتاز بنایا جیسے دوسری جگہ پر فرمایا: فی احسن تقویم۔

ف: فعدّلك بھی ایک قرأت میں ہے یعنی اے انسان! تجھے معتدل متناسب الخلق بنایا کہ اس میں کسی قسم کا تفاوت نہیں اس کا مطلب بھی وہی ہے جو مخفف کا ہے (فعدلك)۔

صوفیانہ معنیٰ ۱ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تجھے تسویۃ الخلقۃ- بالمعرفۃ اور ایمان کے لیے ٹھیک ٹھاک بنایا۔
حضرت ذو النون قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اے انسان! تجھے ایجاد کیا پھر جملہ مکوّنات کو تیرا مسخر کیا لیکن تجھے کسی کی تسخیر میں نہیں دیا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے وُہ انسان جو اس کی صورت میں پیدا ہوا، گویا تجھے کمال مظہریت اور تمام مشابہت بہ احسن صورت کی وجہ سے غرور ہے تجھے احسن تقویم میں ٹھیک ٹھاک بنایا اور تیری ظاہری اور معنوی شکل وصورت صحیح سالم اور معتدل اور جمیع کمالاتِ الٰہیہ وکیانیہ کے قبول کا مستعد بنایا جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اوتیت جوامع الکلم (میں جوامع الکلم عطا کیا گیا ہُوں) یعنی کلم الٰہیہ وکیانیہ۔

تفسیر عالمانہ فِيٓ اَيِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (جس صورت میں چاہا ترکیب دیا) جار رکبک کے متعلق ہے اور ما زائدہ نکرہ کو عام کرنے کے لیے ہے، شآء صورت کی صفت اور عائد محذوف ہے۔

سوال: جملہ کا عطف ماقبل پر کیوں نہیں؟

جواب: یہ عدلک کے بیان کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے انسان! تجھے اللہ تعالیٰ صورِ عجیبہ حسنہ میں سے چاہا اور اس کی مشیّت وحکمت کا تقاضا ہوا یا صورِ مختلفہ حسن وقبح میں اور طول وقصر میں اور نر و مادہ میں شبہ بعض اوقات کے ساتھ یا خلاف الشبہ ترکیب دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر وہ نسب جو اس کے اور آدم کے درمیان ہے اس کو جس شبیہ میں چاہتا ہے اس کی صورت بناتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مطیعین اور عاصین (گنہگاروں) کی صورتیں بنائیں جسے صورتِ ولایت میں بنایا وہ اس جیسا نہیں جسے عداوت کی صورت پر بنایا یعنی بعض صورتیں صورۃ جمالیہ لطیفہ پر ہیں بعض صورۃ جلالیہ قہریہ پر۔

صاحب روح البیان کے پیرومرشد کی صوفیانہ تقریر میرے شیخ وسند قدس سرہٗ نے اپنی کتاب اللائحات البرقیات میں فرمایا کہ میرے دل میں یہ القاء ہُوا کہ صورۃ ترکیبیہ صورۃ علمیہ[۱] وصورۃ روحیہ[۲] وصورۃ مثالیہ وصورۃ جسمیہ[۳] اور دیگر ان صورتوں کو شامل ہے جو صورتیں اطوار میں مرکب ہیں لیکن مقصود بالذات یہی چار صورتیں ہیں، اور صورۃ علمیہ و رُوحیہ میں ترکیب عقلی ومعنوی ہے اور صورۃ مثالیہ وجسمیہ حِسّی و روحی ہے اور صورۃ علمیہ میں

ترکیب سے مراد ظہور الذات اور صورۃ روحیہ میں ظہور الصفات اور صورۃ مثالیہ میں ظہور الافعال اور صورۃ جسمیہ میں ظہور الآثار ہے اور ظہورات ان ترکیبات بمنزلہ نتائج کے ہیں قیاسات سے اور بمنزلہ مجموع کے اجتماعات سے اور ان کا اجزاء پس یہی احکام الوجوب و احکام الامکان ہیں اور احکام الوجوب سے مراد اسماء الٰہیہ فاعلہ موثرہ ہیں اور احکام الامکان سے حقائق کونیہ قابلہ متاثرہ ہیں اور ان اجزاء سے ترکیب جس صورت میں ہو تو ظہور محل کے لیے ہے وہ محل جو اس کے آثار و خواص مجتمعہ کے ظہور کا مظہر ہے اور اس محل جامع (جیسے نشأۃ انسانیہ میں یہاں خطاب ہے) میں اس ظہور اجتماعی کے وقت اگر اجزائے احکام الوجوب کا غلبہ ہو تو وہ نشأۃ (انسانیہ) علویہ ہوتی ہے یعنی اس کا میلان علو وحق کی جانب ہوتا ہے یہی فطرۃ اصلیہ الٰہیہ پر باقی اور فیض و تجلی اور وصول الی عالم القدس کے لیے مستعد و قابل ہوتی ہے اگر اس وقت احکام الامکان کے اجزاء کا غلبہ ہو تو وہ نشأۃ (انسانیہ) بجانب سفل و غلق مائل اور فطرۃ اصلیہ ازلیہ سے خارج اور فیض و تجلی اور وصول الیٰ عالم القدس کے قابل اور مستعد نہیں ہوتی بلکہ وہ عالم دنس میں جہالتؔ غفلت و نسیان کی گرد و غبار میں پڑی رہتی ہے اسے نہ اپنی خبر ہوتی ہے نہ رب تعالیٰ کی، اور وہ اندھی گونگی بہری ہوتی ہے اسے دائیں کی خبر نہ بائیں کی ایسی فطرت والے لوگ جانوروں جیسے بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ كَلَّا (کوئی نہیں) اس پر وقف ہے ردع (زجر) کا کلمہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کرم پر مغروری سے باز آجاؤ اور کرم الٰہی کو کفر و معاصی کا ذریعہ نہ بناؤ کیونکہ وہ شکر و طاعت کا موجب ہے۔ بعض نے کہا اس کا وقف یکذبون پر ہے جیسے سجاوندی نے علامت مطلق یکذبون پر وضع فرمائی اور کلا بمعنی حقا ہے اور یہ ما بعد کی تحقیق کی تاکید کے لیے ہے بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ (بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو) الارشاد میں ہے کہ اس کا عطف جملہ پر ہے جو کلام کا سیاق ہے گویا زجر کے بعد جملہ معترضہ لایا گیا اور کہا گیا تم اس سے باز نہیں آؤ گے بلکہ اس سے بڑھ کر جرأت کرو گے کہ مرنے سے جزاء و بعث کا انکار کرو گے اس لیے کہ یہاں دین سے جزاء اور بدلہ دینا (انصاف کرنا) مراد ہے اسی سے ہے الدیان فی صفۃ اللّٰہ (اللہ تعالیٰ کی صفت میں انصاف) یا تم تکذیب کرو گے دین و اسلام کی، یہ دونوں اس کے منجملہ احکام سے ہیں تم نہ سوال و جواب کی تصدیق کرو گے نہ ثواب و عذاب کی وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (اور تم پر کچھ نگہبان ہیں) یہ تکذبون سے حال ہے اور حافظین کی جمع مخاطبین کی کثرت سے ہے یا باعتبار انس کے کہ ان کا ہر ایک ملائکہ کی گویا ایک جماعت ہے جیسا کہ منقول ہے کہ ہر انسان کے دو فرشتے

رات کو ہوتے ہیں دو دن کو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم جزا کی تکذیب کرتے ہو حالانکہ اے مکلف انسانو! تم پر ہماری طرف سے تمہارے اعمال کے نگہبان ملائکہ ہیں **کِرَامًا** (معزز) کریم کی جمع ہے یعنی وہ ہمارے معزز اس لئے ہیں کہ وہ ہماری طاعت کے پابند اور ادائے امانت میں بے مثال ہیں اس لیے کہ کریم خائن نہیں ہوتا۔

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کرم کی صفت موصوف کرکے ان سے مذمت کی نفی فرمائی ہے بعض نے کہا وہ کرام اس معنیٰ پر ہیں کہ حسنات کے لکھنے میں جلدی اور برائیوں کے لکھنے میں توقف کرتے ہیں، اس امید پر کہ ممکن ہے خطا کار استغفار اور توبہ کرے تاکہ اس کا گناہ اور توبہ یکجا لکھیں۔

ف : زہرۃ الریاض میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کرام اس لیے فرمایا کہ جب نیکی لکھتے ہیں تو اسے فوراً بارگاہِ رب العزت میں لے جاتے ہیں اور حضوری کے بعد گواہی دیتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ! تیرے فلاں بندے نے نیکی کی ہے لیکن برائی سے خاموش رہ کر عرض کرتے ہیں: الٰہی! تُو ستار العیوب ہے یہ تیرے فلاں فلاں بندے روزانہ تیری کتاب پڑھتے اور مدح کرتے ہیں ہم ان کی پردہ دری نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں تعطف (مہربانی کرنا) کا معنیٰ ہے جیسے سورۃ عبس میں گزرا لیکن وُہ یہاں مناسب نہیں، جیسے بعض تفاسیر میں ہے۔

كَاتِبِيْنَ (لکھنے والے ہیں) اعمال کے **يَعْلَمُوْنَ** (جانتے ہیں) اس لیے کہ وُہ تم پر حاضر ہیں اور تم سے جُدا نہیں ہوتے **مَا تَفْعَلُوْنَ** (جو کچھ تم کرو) افعال میں سے قلیل وکثیر اور تھوڑا اور بہت، اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

حدیث شریف میں ہے: کراماً کاتبین کی تعظیم وتکریم کرو، وہ تم سے جُدا نہیں ہوتے سوائے دو حالتوں کے:

۱- جنابت کے وقت
۲- بیت الخلاء میں جانے کے وقت

مسئلہ : عین المعانی میں ہے کہ یعلمون دلالت کرتا ہے کہ سہو وخطاء اور اس غلطی کو نہیں لکھتے جس پر عتاب نہیں، ایسے ہی وُہ گناہ جس پر فوراً استغفار کرلیا جائے اسی لیے یکتبون نہیں فرمایا۔

قاعدہ : ما تفعلون اگرچہ افعال قلوب و جوارح سب کو عام ہے لیکن یہ مخصوص عنہ البعض ہے کہ اس سے صرف افعال الجوارح مراد ہیں اس لیے کہ اس کا ماسوا مغیبات (غیب) سے ہے اور مغیبات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بتلا دے۔ یہی وجہ ہے کہ قلوب کا عمل غیب ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی اُمّت کے بہت سے

اولیاءِ کرام قلوب وصدور کے علوم کو جان لیتے تھے (تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب فیض الغفور فی علم ما فی الصدور - اویسی غفرلہٗ)

کراماً کاتبین کا علم

کشف الاسرار میں ہے کہ کراماً کاتبین کا علم دو قسم ہے:

(۱) وُہ جو ظاہر ہے قول یا حرکتِ جوارح انہیں وہ کراماً کاتبین جانتے ہیں اس کے ظاہر کی وجہ سے اور لکھتے بھی ہیں اس کے ظاہر کی حیثیت سے۔

(۲) وہ جو باطن ہے دل میں، بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں باطن کے نیک عمل کی خوشبو اور بُرے کی باطنی بُرائی کی بدبو محسوس ہوتی ہے تو عمل صالح کو مجمل صالح اور برائی کو مطلق بُرائی لکھ دیتے ہیں۔ اس کی تحقیق سورۃ الزخرف اور سورۃ قٓ میں اسی مضمون کے مطابق تفصیلاً لکھی جا چکی ہے۔

سوال: فعل کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا لیکن قول کی تصریح نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: (۱) فعل قول سے اکثر واقع ہوتا ہے۔

(۲) کبھی قول سے فعل بھی مراد ہوتا ہے۔

ملفوظِ فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ آیت قرآنی پڑھتے تو فرمایا کرتے کہ یہ آیت غافلین پر کتنی سخت ہے لیکن مطیعین کے لیے مژدہ بہار اور عاصیوں کے لیے تہویل و تشدید و انذار۔

نکتہ: کراماً کاتبین کے لیے عظیم ثناء کا اظہار جزاء کے معاملہ میں تفخیم مطلوب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جلیل القدر امور میں سے ہیں کہ ایسے عظیم القدر اور کریم المنزلہ اس کے لیے مقرر ہوئے تعظیم ان کی صفت کرام سے ظاہر ہے نہ کہ کتابت وحفظ سے۔

کراماً کاتبین کے وجود کا منکر فرقہ

کراماً کاتبین کے وجود کے منکرین کا کہنا ہے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہیں اور ان کی کتابیں (صحیفے) اور قلمیں بھی ہیں تو پھر ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔ اس طرح کا دعویٰ تو ہم بھی کر سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ پہاڑ ہیں اور بہت اور لوگ لیکن نظر نہیں آتے یہ تو جہالات میں داخل ہوتا ہے (اسی طرح وہابی دیوبندی فرقہ کا سوال سمجھئے یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور نور بھی، تو پھر نظر کیوں نہیں آتے! پھر اہلسنت کو طنزاً کہتے ہیں کہ حضور حاضر ہیں تو پھر تم مصلّے پر کیوں چڑھ جاتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں یہ سوال انہوں نے مذکورہ بالا فرقہ سے سرقہ کیا ہے تو جو جواب صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے اس فرقہ کو دیا ہے وہی جواب ہم دیوبندیوں وہابیوں کو دیں تو ہمارا حق ہے، صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ

کا جواب پڑھئے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

وجوابه ان الملائكة من قبيل الاجسام اللطيفة فحضورهم لا يستلزم الرؤية الا ترى ان الله امد المؤمنين فى بدر بالملائكة وكانوا لا يرونهم الا من شاء الله رؤيته وكذا الجن من هذا القبيل ولذا قال تعالىٰ انه يراكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم فكما ان الهواء لا يرى للطافته فكذا غيره من اهل اللطافة۔[1]

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۶۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ اجسام لطیفہ کے قبیل سے ہیں ان کا حاضر ہونا رؤیۃ کو مستلزم نہیں کیا نہیں دیکھتے ہو بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین کی (غزوہ) بدر میں ملائکہ سے مدد کی اس وقت وہ لوگ ملائکہ کو نہیں دیکھتے تھے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا دیکھ لیا ایسے ہی جنّات اسی قبیل سے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھتے ایسے ہی ہوا لطافت کی وجہ سے نہیں دیکھی جاتی لیکن اہلِ لطافت کا علم اور ہے۔

---

[1] اس جواب کی تین تقریریں ہیں اور تینوں حاضر و ناظر کے منکر کے جوابات سمجھئے:

(۱) ملائکہ اجسامِ لطیفہ ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جملہ ملکوت و قدس ولاہوت سے لطیف تر ہیں آپ کی روحانیت سے قطع نظر آپ کی بشریت بھی لطیف سے لطیف تر ہے اسی لیے آپ کا سایہ نہ تھا جیساکہ سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوبات مبارکہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لطافت پر ایک یہی دلیل قائم فرمائی ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لطافت کو ہی سمجھ لے تو بھی حاضر و ناظر اور نور و بشر کا مسئلہ کسی اُلجھن میں نہ رہے گا لیکن جس بدقسمت کے ذہن سے یہ خناس دُور ہی نہ ہوگا کہ بس وہ ہم جیسے بشر ہیں تو اسے قیامت تک یہ مسئلہ سمجھ نہ آئے گا۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ ملائکہ غزوۂ بدر میں موجود و حاضر تھے، بدقسمت کفار کو کیا نظر آنے تھے لیکن بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ملائکہ کرام کو دیکھا لیکن بشری لباس میں۔ بہرحال یہ دلیل بھی ہماری مؤید ہے اس لیے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بہت سے خوش بختوں کو بیداری میں اور بیشمار سعادتمندوں کو خواب میں نظر آتے ہیں اور خواب میں آپ کا دیکھنا عین ذات کو دیکھنا ہے، اگرچہ یہ مسلّم مسئلہ ہے لیکن منکرین

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کراماً کاتبین کے منکرین کا دوسرا سوال

کراماً کاتبین کا لکھنا اور ضبط کرنا اگر کسی فائدہ کے لیے نہیں تو عبث ہے اور اللہ تعالیٰ عبث فعل سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی تسلی کے لیے صرف ایک دلیل معراج کا واقعہ عرض ہے اور وہ یہ کہ تمام منکرین مانتے ہیں کہ رسالتمآب کی ملاقات بیداری میں اور عالم شہادت میں انبیاءِ کرام سے ہوئی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کسی عالم میں ہوں رسالتمآب کو بیداری اور عالمِ جسمانی میں بیت المقدس اور آسمانوں میں ان کا مشاہدہ ہوا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریعی حیثیت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی تابعداری کے پیشِ نظر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح کے واقعات اور امور کا مشاہدہ کرامت اور خرقِ عادت کے طور پر اربابِ احوال کو کسی خاص حال اور مقام میں ہونا ممکن اور جائز ہے اور یہ ممکنات میں سے ہے کہ بیداری میں کوئی صاحبِ حال اپنے مقام سے عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام کا مشاہدہ کرے۔ افسوس ہے کہ مخالفین ایسی پختہ اور مضبوط دلیل ماننے کے باوجود بھی انھیں مسئلہ حاضر و ناظر اور مسئلہ نور سمجھ نہیں آیا۔ اسے کہتے ہیں ضد، ورنہ مسئلہ اتنا مشکل اور پیچیدہ نہیں کہ سمجھ نہ آسکے۔ بہرحال خواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت حق ہے۔ اس کے دلائل اور شواہد فقیر نے اپنی کتاب "زیارتِ رسول" اور "حاضر و ناظر" اور "تفسیر اویسی" میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہاں تبرکاً ایک خواب اور ایک حوالہ عرض ہے:

> "عبد الواحد ابن آدم فرماتے ہیں میں نے حضور اور آپ کے ہمراہ صحابہ کی ایک جماعت کو خواب میں دیکھا کہ آپ انتظار میں کھڑے ہیں میں نے اس کا سبب پوچھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: میں محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کو ساتھ لے جانے کے انتظار میں کھڑا ہوں۔ چند دنوں کے بعد مجھے بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی وفات کی خبر مل گئی۔ میں نے سوچا تو بخاری کی وفات کا وہی وقت تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے ہمراہ صحابہ کی جماعت کو میں نے انتظار میں کھڑے دیکھا تھا۔" (مقدمہ فتح الباری ص ۲۰۶)

انتباہ: دیدارِ رسول عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں ہوتا ہے جیسے حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مرید علی ہیتی رحمہ اللہ کو فرمایا کہ تو خواب میں دیکھ رہا تھا، میں بیداری میں۔

(۳) تیسری دلیل صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے ابلیس کی دی کہ وہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا، یہی دلیل حضرت مولانا عبد السمیع انصاری رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

بلندو بالا ہے تو اس سے بندے کو ہی کوئی فائدہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی فعل نہ نافع ہے نہ ضرر رساں، بلکہ وہ اس سے بلندو بالا ہے۔ لکھائی تو بھولنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے منزّہ اور مقدّس ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے لیے نہیں لکھواتا بلکہ قیامت میں بندوں پر اتمامِ حجّت کے لیے لکھواتا ہے (جیسے حکومتی ادارہ سی آئی ڈی) لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ جس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جور و ظلم نہیں کرتا تو اس کے لیے تو ایسی حجت کے اثبات کی ضرورت ہی نہیں اگر اس کا یہ عقیدہ نہیں تو اس کے لیے لکھوانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ کہہ دے کہ یہ لکھنے والے کبھی تمہارے ہیں فلہذا ان سے ظلم دینے کے لیے لکھوالیا گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

جوابِ حق از اہلسنّت اللہ تعالیٰ کا ہر فعل دنیا میں بندوں کے دستور و رواج کے مطابق ہوتا ہے تاکہ معنی کی تقریر ذہنوں میں مضبوط سے مضبوط تر طریق سے راسخ ہو اور دنیا میں اہلِ دنیا کا دستور ہے کہ مجُرم کا جرم اس کے اپنے قرار سے جو تحریر میں ہے یا گواہ عادل حاکم کے حضور میں گواہی دیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں ہر امت کے نبی علیہ السلام سے گواہی لینی ہے اور مجرم کے جرم کے اقرار میں اس کا نامۂ اعمال دکھانا ہے تاکہ مجرم کو جرائم کی سزا پر کامل حجت ہو۔

علاوہ ازیں جب بندے کو یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میرا رقیب و نگہبان اور حفظہ فرشتے اس کے اعمال کی حفاظت اور کتابت کرکے نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں اور یہی میرا نامۂ اعمال قیامت میں بھرے مجمع میں پیش ہوگا تو یہی تصور بندے کو بہت سے جرائم و معاصی سے بچائے گا اور بہت سی برائیوں سے مانع ہوگا (تو اس سے بندے کا فائدہ مطلوب ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اپنے پیر بھائی دیو بندیوں کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کے متعلق دی تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (اور ان کے بعد تمام دیو بندی تا حال) اُلجھے کہ شیطان اس حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ علم و طاقت رکھتا ہے اسی کلمۂ کفر پر دیو بند کے فضلاء کو علمائے عرب و عجم نے مرتد اور خارج از اسلام لکھا اور اب بھی ہمارا ان سے سوال ہے کہ "براہین قاطعہ" کے مذکورہ بیان کو یا قرآن وحدیث سے ثابت کرو یا اپنے بڑوں کی غلطی اور خطا اور پھر ان کے ارتداد کا اقرار کرو ورنہ قیامت میں ہی فیصلہ ہوگا (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اویسی غفرلہٗ

سوال منکرین افعال القلوب نظر نہیں آسکتے، نہ ہی انہیں ملائکہ لکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ما فی الضمائر کا بھی حساب لے گا۔ چنانچہ فرمایا:

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ — اور اگر ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ تم سے حساب لے گا۔

جواب۱ از اہلسنت: پہلے گزر چکا ہے کہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے تو پھر سوال کیسا!

جواب۲ از امام غزالی قدس سرہٗ سیدنا امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر وہ ذکر جسے تیرا قلب سمجھتا ہے اسے حفظہ ملائکہ سنتے ہیں کیونکہ ان کا شعور تیرے شعور کے بالکل قریب ہے (اگرچہ پوشیدہ ہے) ہاں جب تیرا شعور تیرے ہاتھ سے نکل جائے وہ اس وقت ہوتا ہے جب تو (ذاکر) مذکور میں بالکل گم ہو جاتا ہے تو پھر تیرے شعور سے حفظہ غائب ہو جاتے ہیں اور یہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جب تک قلب ذکر کی طرف التفات رکھتا ہے اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ سے روگردان ہے۔

جواب۳ اسے یوں سمجھئے کہ ملائکہ کرام کی اطلاع علی الوقائع کا قیاس عام لوگوں پر اطلاع پر کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ ان کی شانیں علماً و عملاً عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں۔[۱]

دیوبندی وہابی کُش حوالہ (کراماً کاتبین کے کمالات کے منکرین کو جواب دیتے ہوئے صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا)

علیٰ ان من اصلح من الناس سریرتہ قد یکشف الضمائر و یطلع علی الغیوب باطلاع اللہ فما ظنک بالملائکۃ الذین ھم الطف جسما و اخف روحاً۔

(روح البیان ج ۱ ص ۳۶۱)

علاوہ ازیں جو اپنے باطن کی اصلاح کرتا ہے تو ضمائر کھولا جاتا ہے اور غیوب پر اطلاع بخشی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے تو تیرا ملائکہ کے متعلق کیا خیال ہے جو کہ جسم کے اعتبار سے لطیف تر اور روح کے لحاظ سے زیادہ خفیف ہیں۔

---

[۱] یہی جواب دشمنانِ انبیاء بالخصوص امام الانبیاء والمرسلین کے کمالات کے اور اولیاء کرام کے کمالات کے منکرین کو سمجھنا چاہئے کہ وہ ہر بات میں انہیں اپنے اوپر اور عامیانہ حیثیت پر قیاس کرتے ہیں ؎

کافراں دیدند احمد را بشر
ایں نمی دانند کان شق القمر

اویسی غفرلہٗ

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْاَبْرَارَ (بیشک نیکوکار) وہ جنہوں نے نیکی کی اور اپنے ایمان میں سچے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کرتے اور معاصی سے اجتناب کرتے ہیں۔

حلِ لغات : ابرار، برّ (بالفتح) کی جمع بمعنی صادق، مطیع، محسن۔

مسئلہ : حسنات میں بہتر نیکی لا الٰہ الا اللّٰہ (محمد رسول اللّٰہ) ہے پھر والدین کی خدمت پھر شاگردوں کو اساتذہ کی نیاز مندی[1] خدمت اور مریدین کو اپنے مرشدین کی غلامی (خدمت گزاری) (لیکن مرشد بھی وہی ہو جسے شرع مطہرہ شریف کہے اگر نفس پرور مرشد بن بیٹھا ہے تو اس سے کوسوں دور بھاگنا عین اسلام ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ ابرار وہ ہیں جو اپنی نیکی و احسانات وخدمات عام رکھتے ہیں مثلاً اپنے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور لوگوں کو حتی الامکان نفع رسانی وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے :

بروا اٰباءھم کما بروا ابناءھم۔ — اپنے والدین سے اس طرح احسان کرو جس طرح انہوں نے اپنی اولاد سے کیا۔

لَفِیْ نَعِیْمٍ (نعمتوں میں ہیں) جنت کی نعمتیں اور ثواب۔ تنوین تفخیم کا ہے **وَاِنَّ الْفُجَّارَ** (اور بے شک بدکار) دروغ گو (جھوٹے) اور منکرین حشر، فاجر کی جمع ہے اور فجور بمعنی دیانت کی پردہ دری **لَفِیْ جَحِیْمٍ** (ضرور دوزخ میں ہیں) اور جہنم اور اس کے عذاب میں۔ تنوین تہویل (ہولناکی کے اظہار) کے لیے ہے اور دونوں یکتبون کا بیان ہیں کہ وہ لکھتے کیوں ہیں یا۔ ان کی غایت یا نعمتیں ہیں یا جہنم۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ذکر و طاعت و معرفت اور شہود و حضور و وصال کی نعمتوں اور غفلت و معصیت و جہل و اجتناب اور غیبوبت و فراق کی جحیم کی طرف اشارہ ہے۔

ف : حضرت الخواص رحمہ اللّٰہ نے فرمایا کہ وہ نعیم بھلی جو اس سے ہو اور جحیم اچھی جو اس کے سَنگ ہو۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

---

[1] اہلِ مغرب کی دیکھا دیکھی نئی پود کو نہ ماں باپ کی قدر رہی نہ اساتذہ کی، یہاں تک کہ بعض علماء و پیر کہلوانے بھی اپنے اساتذہ کے دشمن بن گئے ہیں۔

اویسی غفرلہٗ

(۱) ہر کجا باشد شہ مارا بساط ہست صحرا گر بود سم الخیاط
(۲) ہر کجا کہ یوسفی باشد چو ماہ جنت است اوارچہ باشد قعر چاہ

ترجمہ: (۱) جہاں بادشاہ کی رہائش ہے وہ صحرا (فراخ جگہ) ہے اگرچہ سوئی کے سوراخ کے برابر ہے۔

(۲) جہاں یوسف جیسا حسین ہو وہ جگہ بہشت ہے اگرچہ کنویں کی گہرائی ہو۔

تفسیر عالمانہ يَصْلَوْنَهَا (اس میں جائیں گے) جحیم کی صفت ہے یا جملہ مستانفہ ہے سوال پر مبنی ہے دوزخ کی ہولناکی سے اٹھا گویا کہا گیا کہ ان کا کیا حال ہوگا؟ جواب دیا کہ جہنم کی گرمی میں داخل ہوں گے جیسے خلیل نے کہا، صلی الکافر النار بمعنی قاسیٰ حرھا و باشرہ ببدنہ (اس کی گرمی اس کے بدن کو چھوگئی) نعیم کا وصف اس کے لائق بیان نہ کرنا اس لیے ہے کہ کلام مکذبین کے لیے بیان ہو رہا ہے اور فاجروں کی سزا کا ذکر ہے اور یہ مقام تخویف ہے علاوہ ازیں جب فجار کی سزا معلوم ہو جائے گی تو ابرار کی تبشیر کی خبر خود بخود ہو جائے گی اس لیے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا (اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں) يَوْمَ الدِّيْنِ (انصاف کے دن) وہ جزا کا دن جس کی کفار فجار تکذیب کرتے تھے وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِيْنَ (اور نہیں ہوں گے وہ (کفار و فجار) جحیم سے آنکھ جھپکنے کی دیر غائب) ہمیشہ اس میں رہیں گے کسی وقت بھی اس سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ اس سے نفی الغیبۃ یعنی غائب ہونے کی نفی ہے نہ کہ نفی دوام الغیبۃ۔

ف: بعض نے کہا کہ وہ اس سے پہلے کبھی بالکل چھپے ہوئے نہ تھے بلکہ قبور میں اس کی لُو سے جلتے رہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران۔	مومن کی قبر بہشت کے باغیچوں میں ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

وَمَا اَدْرٰكَ (اور تو کیا جانے) یہ خطاب ہر اس سے ہے جسے درایۃ (جاننا) حاصل ہو (یعنی عام ہے تاقیامت) ما مبتدا اور ادراک اس کی خبر ہے مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (کیسا انصاف کا دن) ما خبر ہے یوم الدین کی۔ ما وصف کی طلب کے لیے ہے اگرچہ اس کی وضع طلب الحقیقۃ و شرح الاسم کے لیے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کس نے تجھے داری و عالم بنایا کہ انصاف کا دن کیسا ہے یعنی وہ عجیب شے ہے ہول اور گھبراہٹ ہیں۔ یعنی اس وقت تک اس کی کنہ کو کوئی معلوم نہیں کر سکا

کیونکہ وہ مخلوق کے علم سے خارج ہے جونسی صورت تصور میں لائیں گے وہ اس سے فوق اور کئی گنا ورار ہے ،
ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (پھر کیا جانے کیسا انصاف کا دن ہے) ثمّ کے ساتھ تکرار ترقی فی الرتبہ کے لیے مفید ہے تاکید اور زیادتی تخویف کے لیے ہے مجموعی طور پر مخاطبین کی تعجیب اور شان یوم کی تفخیم کے لیے ہے اور یوم الدین کا اظہار بجائے اضمار کے یوم کے ہول و فخامت کی تاکید ہے **يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ** (جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے اختیار نہ رکھے گی) اس میں اس دن کا اجمال حال ہے پہلے اس میں ابہام تھا اور یہ بتایا گیا کہ اس کا علم علوم خلائق کے دائرہ سے خارج ہے اور ایک وعدہ پورا کرنے کی خبر تھی اس لیے کہ ان کے ادرار (جاننا) کی نفی سے ادراد (جاننا) میں اس وعدہ کریمہ کی خبر دی گئی ہے ۔

قاعدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : قرآن میں جہاں بھی ما ادرٰىك ہے وہاں اس کا علم ظاہر فرمایا اور جہاں وما يدريك ہے وہاں (عوام سے) اس کی نفی ہے ۔

ف : یوم مرفوع خبر ہے مبتدا محذوف کی اور اس کی نصب اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے ہے گویا کہا گیا ھو یوم لا یملك فیہ الخ وہ دن ہے کوئی نفس نفوس میں کسی نفس نفوس کا مالک نہ ہوگا یا منصوب فعل اُذکر محذوف سے گویا یوم الدین کے تفخیم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی معرفت کا شوق دلانے کے بعد فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن کو یاد کرو الخ اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ کیسا ہے ۔

ف : نفس میں نفس ملکیہ، بشریہ، جنیہ سب شامل ہیں اور شے میں ہر وہ شے شامل ہے جو تحصیل منفعت اور دفع ضرر کے قبیل سے ہے ۔

وَالْاَمْرُ اور جملہ امور **يَوْمَئِذٍ** اس دن کہ کوئی نفس کسی نفس کے لیے مالک نہ ہوگا ۔
لِّلّٰهِ اللہ وحدہٗ کے لیے ہیں ۔ الامر اوامر کا واحد ہے اس لیے کہ امر و حکم و قضاء ملک مطاع کی شان کے لائق ہے اور تمام مخلوق اس کی ربوبیت کے غلبہ اور حکم کے ماتحت ہے اور یہ امور کا واحد ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ محشر میں جملہ امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے اس میں اس کے سوا اور کوئی تصرف نہ کر سکے گا ۔

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے اس دن انسان کے ضعف کی خبر دی ہے اس دن نہ انہیں اموال نفع دیں گے نہ اولاد نہ اعوان (مددگار) نہ شفعاء (سفارش کرنے والے) جیسے دنیا میں ہوتا تھا، بلکہ نفع دے گا تو ایمان، نیکی و طاعت، اور نہ ہی کسی کو طاقت ہوگی کہ وہ اللہ کے اذن و امر کے بغیر بول سکے کیونکہ حقیقۃً دنیا و آخرت میں اسی کا ہی امر ہے لیکن محجوب کو آخرت میں ہی اس کا غلبہ ظاہر ہوگا اس لیے کہ محجوب سمجھتا ہے کہ دنیا میں اسے اللہ تعالیٰ نے مالک بنا دیا ہے اور کوئی نہ کوئی شے امور ... کی دی ہے لیکن

جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے یقین ہوگا کہ ہر امر و ملک تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس میں اس کا نہ کوئی مزاحم ہے نہ شریک، اگرچہ صورۃً۔

ف: اس میں ارباب دعاوی اور اصحاب المخالفۃ کو تہدید اور اس کی سخت گرفت اور عظیم غلبہ پر تنبیہ ہے۔

فضیلت سورۃ الانفطار حدیث شریف میں ہے کہ جو سورۃ اذا السماء انفطرت پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ ہر قبر اور پانی کے ہر قطرہ کے برابر اجر عطا فرمائے گا اور قیامت میں اس کا حال اچھا بنائے گا۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ مالک الاقطار کی مدد سے سورۃ الانفطار کی تفسیر ۲۲ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو مکمل ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہربانی سے تفسیر سورۃ الانفطار کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۲ رجب ۱۴۰۹ھ بروز اتوار ظہر کی نماز سے قبل فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک) بہاولپور - پاکستان۔

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

اٰيَاتُهَا ٣٦ (٨٣) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (٨٦) رُكُوْعُهَا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ
اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○
يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ○ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ○ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ○ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ الَّذِيْنَ
يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ○ اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ○ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ○
ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ○ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ○ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ○ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ○ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ
نَعِيْمٍ ○ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ○ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ○ يُسْقَوْنَ
مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ○ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○
وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ○ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا
مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ○ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ○ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا
اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ○ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ○
وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ○ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ○ عَلَى
الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ○ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
کم تولنے والوں کی خرابی ہے وہ کہ جب اوروں سے ماپ میں پورا لیں اور جب انہیں ماپ تول کر دیں کم کر دیں کیا ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں اٹھنا ہے ایک عظمت والے دن کے لیے جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے بیشک کافروں کی لکھت سب سے نیچی جگہ سجّین میں ہے اور تو کیا جانے سجّین کیسی ہے وہ لکھت ایک مہر کیا نوشتہ ہے اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اسے نہ جھٹلائے گا مگر ہر سرکش جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں کہے اگلوں کی کہانیاں ہیں کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے، ہاں ہاں بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں پھر بیشک انہیں جہنم میں داخل ہونا پھر کہا جائے گا یہ ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے ہاں ہاں بیشک نیکوں کی لکھت سب سے اونچی محل علیین میں ہے اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے وہ لکھت ایک مہر کیا نوشتہ ہے کہ مقرب جس کی زیارت کرتے ہیں بے شک نکوکار ضرور چین میں ہیں تختوں پر دیکھتے ہیں تو ان کے چہروں میں چین کی تازگی پہچانے نتھری شراب پلائے جائیں گے جو مُہر کی ہوئی رکھی ہے اس کی مہر مشک پر ہے اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مقربان بارگاہ پیتے ہیں بیشک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارہ کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے خوشیاں کرتے پلٹتے اور جب مسلمانوں کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہکے ہوئے ہیں اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے تو آج ایمان والے کافروں سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں کیوں کچھ بدلہ ملا کافروں کو اپنے کئے کا۔

سورہ مطففین میں اختلاف ہے مکیہ ہے یا مدنیہ۔ اس کی چھتیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَيْلٌ (خرابی ہے) سخت شر یا ہلاکت یا دردناک عذاب۔

ابن کیسان نے کہا کہ یہ ہر کرب کے لیے ہے، بلاء و مصیبت میں واقع ہوتا ہے جب تم نے کسی کے لیے کہا ویل، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارا مخاطب نزول البلاء اور وقوع المحنۃ کا مستحق ہے اور وہ اس لائق ہے کہ کہے وا ویلا کا۔

بعض نے کہا کہ اس کا اصل وی لفلان (اسے حزن ہو) تخفیفاً اس کے ساتھ ملائی گئی۔ فارسی میں بمعنی وائے۔ وہ مبتدا ہے اگرچہ نکرہ ہے اس لیے کہ یہ دعا کے موقعہ پر ہے جیسا کہ اس کی تفصیل سورۃ والمرسلات میں گزری ہے۔

لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ (کم تولنے والوں کی) بھر تول میں لوگوں کے حقوق گھٹانے والوں کی۔

حل لغات: التطفیف بمعنی کیل و وزن میں کمی کرنا اور ان میں نقص و خیانت کرنا کہ مشتری کو حق کامل تام نہ دے اس لئے کہ جو شے گھٹائی جائے وہ طفیف حقیر ہے جو خفیہ طور کیّال (بھرنے والا) وزّان (وزن کرنیوالا) سے یہ فعل ہوتا ہے جو اس کی دنائۃ و خساستہ (حقارت) کی نشانی ہے کیونکہ زیادہ گھٹائے تو وہ ظاہر ہو جائیگا پھر اس سے روکا جائے گا (کیونکہ عوام میں اس کا کھوٹ مشہور ہوگا تو اس سے لین دین نہ کریں گے) اسی خساستہ و دنائۃ کی وجہ سے اس کا نام مطفّف ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے: طفف الکیل قلل نصیب المکیل لہ فی ایفائہ واستیفائہ (اس نے حق والے کا حصہ لینے دینے میں گھٹایا)۔

ف: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظاہر ہے اس تفعیل کی بنا ر تکثیر کے لیے ہے اس لیے کہ گھٹانا ان کی عادت بن گئی تھی کہ بھر تول میں گھاٹا کرتے تھے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تعدیۃ کا ہو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو لوگوں کی عادت دیکھی کہ وہ بھر تول میں گھٹاتے بڑھاتے تھے۔

(صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے شانِ نزول مختصر لکھا ہے حضرت صدر الافاضل مولانا سید علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ خزائن العرفان میں رقمطراز ہیں:

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو یہاں کے لوگ پیمانہ میں خیانت کرتے تھے بالخصوص ایک شخص ابو جُہینہ ایسا تھا کہ وہ دو پیمانے رکھتا تھا، لینے کا اور دینے کا اور۔ اُن لوگوں کے حق میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اُنھیں پیمانے میں عدل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

پانچ کے بدلے میں پانچ: آیات کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لوگوں کے پاس تشریف لائے، ان کو آیات سُنائیں اور فرمایا: پانچ پانچ کی وجہ سے:

(۱) کوئی قوم عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کرتا ہے۔

(۲) کوئی قوم منزل من اللہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتی تو ان میں فقر و فاقہ (تنگدستی) پھیل جاتی ہے۔

(۳) کسی قوم میں فاحشہ زنا وغیرہ ظاہر ہو تو اس میں موت عام ہو جاتی ہے۔
(۴) بھرتول میں کمی بیشی کرتے ہیں تو انگوریوں سے رو کے جاتے اور قحط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔
(۵) زکوٰۃ روکتے ہیں تو ان سے بارش بند ہو جاتی ہے۔

واہ اہلِ مدینہ اہلِ مدینہ نے جب سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی سُنا ہے تا حال بھرتول میں کمی نہیں کرتے (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کے زمانہ گیارھویں صدی کی تخصیص نہیں بلکہ ہمارے زمانہ (پندرھویں صدی) تک بدستور اسی طرح ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

حکایت: سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو زعفران تول رہا تھا اور ترازو کے ایک پلڑے کو جھکائے ہوئے تھا۔ فرمایا، ترازو کے دونوں پلڑے برابر کر لے اس کے بعد جتنا جی چاہے جھکا دے۔

ف: گویا آپ نے اُسے یہ فرمایا کہ ابتداءً دونوں پلڑے برابر ہوں، جیسے عادۃً برابر ہوتے ہیں پھر جتنی جس سے مروت کرنی ہے کرے۔

عجمیوں کو پند و نصیحت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے عجمیو! تمہارے دونوں امر مکمل ہونے چاہئیں (یعنی بھرتول) کیونکہ تم سے پہلے لوگ انہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ عجمیوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ دونوں ان میں برابر طور پر رائج تھے لیکن حرمین طیبین میں متفرق طور مروّج تھے مکہ معظمہ میں وزن مروج تھا اور مدینہ طیبہ میں ماپ۔

غلط بھرتول پر وعیدیں (۱) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں ہر (غلط) وزن اور ماپ والا دوزخ میں ہوگا۔ عرض کی گئی: اگرچہ آپ کا بیٹا ہو؟ فرمایا: وہ بھی اس میں غلطی کرے گا تو وہ بھی جہنم میں ہوگا۔

(۲) حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ہمسایہ کے ہاں تشریف لے گئے جس پر نزع طاری تھی اور کہہ رہا تھا: اے مالک! میرے آگے آگ کے دو پہاڑ ہیں مجھے ان پر چڑھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ آپ نے اس کے گھر والوں سے پوچھا: یہ ایسے کیوں کہتا ہے؟ عرض کی گئی: اس کے ماپ کے دو پیمانے تھے ایک سے لیتا تھا دوسرے سے دیتا تھا۔ یعنی ان کے درمیان کچھ فرق تھا۔ فرمایا کہ میں نے وہ دونوں پیمانے منگوا کر توڑ ڈالے۔ اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا تو کہا کہ اب مجھ میں وہ عادت نہیں (نزع سے بچ گیا ہوگا پھر یہ کام شروع ہوا اور پہلے والی غلط نہ کرتا ہوگا)

(۳) حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترازو میں کمی کرنے والا کا منہ قیامت میں کالا ہوگا۔
(۴) فصول سبعین میں ہے کہ جو کیل و وزن میں خیانت کرتا ہے کل قیامت میں اسے دوزخ کے گڑھے میں پھینک کر اسے آگ کے دو پہاڑوں کے درمیان بٹھایا جائیگا اور کہا جائیگا کہ ان دونوں پہاڑوں کو ماپ اور تول۔ لیکن وہ اسے جلائیں گے ؎

تو کم دہی و بیش ستانی بکیل و وزن
روزے بود کہ از کم و بیشت خبر کنند

ترجمہ: تُو ماپ تول میں کم دیتا اور زیادہ لیتا ہے، ایک دن آئے گا کہ تجھ سے کمی وبیشی کی خبر لیں گے۔

اَلَّذِیْنَ (وہ) الخ یہ مطففین کی صفت کاشفہ ہے اور اس تطفیف کی کیفیت کی شرح کرتی ہے جس سے ان کی مذمت کی جارہی ہے اور انہیں وَیل کی دُعا کی گئی **اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ** (جب اوروں سے ماپ میں) یعنی خرید وغیرہ کریں۔

حلِ لغات: اکتیال بمعنی ماپ سے لینا اتزان کی طرح بمعنی وزن سے لینا۔

یَسْتَوْفُوْنَ (پورا لیں)

حلِ لغات: الاستیفاء بمعنی پورا لینا یعنی وافی اور وافر لیتے ہیں۔

سوال: استیفاء کا صلہ عن آتا ہے یہاں علیٰ کیوں؟

جواب: استیفاء استیلاء کے معنی کو متضمن ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ ایسی ماپ انہیں مضر ہے لیکن حیز الشرط کہ جیسے کلمۂ اذا متضمن ہے میں علی اعتبار الضرر نہیں کیونکہ اس سے معنیٰ میں خلل آتا ہے بلکہ فی نفس الامر بموجب الجواب اس لیے استیفاء سے پورا حق لینا بغیر نقص کے مراد نہیں بلکہ صرف وافی وافر لینا جیسے اور جس جہت سے حیلے بہانے کر کے لیں مثلاً وہ ترازو کو دبا کر اور حرکت دے کر اور اس کے پُر کرنے کا حیلہ کر کے پیمانوں اور ترازوؤں کے ذریعے سے بہت کچھ کما لیتے تھے۔

وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (اور جب ماپ تول کردیں)

حلِ لغات: الکیل پیمانہ سے ماپنا تاکہ مکیل (ماپی ہوئی) کی مقدار معلوم ہو۔ الوزن الزنۃ (تولنا) تاکہ موزون (تولی ہوئی شے) کی مقدار معلوم ہو۔ یعنی جب وہ لوگوں کو بلیع وغیرہ ماپ تول کردیں ان کے حقوق ادا کریں، یہاں حرف جار محذوف ہے فعل کو بلاواسطہ معمول تک پہنچایا گیا جیسا کہ تاج المصادر میں ہے وزنت فلانا درهماً و وزنت لفلان (میں نے

فلاں کو درم وزن کر کے دیا) کا ایک معنی ہے اصل لام جارہ کے ساتھ ہے حذف کرکے فعل تک پہنچانا بھی جائز ہے اسی سے یہ آیت ہے۔ اس معنی پر ھُم منصوب المحمل علی المفعولیۃ ہے نہ کہ مرفوع جو کالُوا کی تاکید ہو اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب واؤ ضمیر کے بعد ضمیر ہو تو درمیان میں الف خالی نہیں لکھا جاتا جیسے نَصَرُوْكَ میں اور اسی قاعدہ پر آیت ہذا ہے کیونکہ مصحف میں خالی الف لکھا ہوا نہیں اور جب ضمیر ظرف میں ہو یعنی مرفوع اور تاکید کے لیے ہو تو اس وقت واؤ کے بعد الف خالی لکھا جاتا ہے اس لیے کہ مؤکد ماقبل کا کالجز نہیں ہوتا بخلاف مفعول کے (کہ وہ کالجزؔ ہوتا ہے) اور شاربوا الماء میں اکثر الف حذف کرتے ہیں کیونکہ واو الجمع کو اسم سے بہت قلیل اتصال ہوتا ہے۔

سوال : مصحف کا خط قیاس سے ورائے ہے پھر اس پر قیاس کیوں؟

جواب : اس جیسی مثالوں میں مصحف میں الف نہیں لکھا گیا تو پھر اس سے عدول نہیں ہو سکتا۔

يُخْسِرُوْنَ (کم کر دیں) ان کے حقوق کم کر دیں حالانکہ کیل و وزن کی وضع بھی تعدیل و تسویہ (برابر کرنا) کے لیے ہے۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے خسر المیزان و اخسرہ ترازو کو کم کیا، گھٹایا۔

سوال : یخسرون میں کیل و وزن دونوں اور یستوفون میں صرف اکتیال، ورنہ کہا جاتا ہے اذا اکتالوا علی الناس او اتزنوا یہ کیوں؟

جواب : کیل و وزن کے وقت جتنی قدرت مطففین کو اکتیال میں حاصل تھی اتنی اتزان میں نہ تھی (کشاف)

گویا مطففین وزن و کیل والی اشیاء کو مکیال (ماپ کے پیمانے) سے لیتے تھے اور حق پورا کرنے اور چوری میں انہیں اکتیال (ماپنا) میں ہی آسانی و سہولت حاصل تھی اس لیے کہ پیمانے کو جھٹکا دے کر یا کوئی حیلہ بہانہ کر کے بہت کچھ کما لیتے تھے اور جب دیتے تو ماپ اور وزن کر کے دیتے تو وزن و کیل دونوں میں گھٹانے میں اچھا خاصا ہاتھ پاؤں مار لیتے اسی لیے پہلے میں صرف اذا اکتالوا اور دوسرے میں کالوھم او وزنوھم فرمایا۔ اس کی تائید مذکور حدیث مبارک سے ہوتی ہے کہ اس میں کیل میں اقتصار علی التطفیف ہے۔ اس میں دونوں صورتوں میں موزون و مکیل کے درپے نہیں ہوئے، اس لیے کہ کلام اس میں ہے کہ وہ لین دین کے معاملہ میں بُرے تھے مخصوص ماخوذ و معطی کی بات نہیں۔

ف : ابو عثمان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت کا حقیقی مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ لوگوں کے دکھاوے پر تو بہت عبادت کرے لیکن اُن سے اوجھل ہو تو بُرائی میں لگ جائے یا عبادت اچھی طرح نہ کرے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں عبادت و طاعت میں کوتاہی کرنے والے لیکن کمال رافت و رحمت کے طالبین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے

ارزاق کا پیمانہ پُورا کرنا چاہتے ہیں اور اسے طاعت وعبادت کا پیمانہ کم کرکے اور گھٹا کر دیتے ہیں یہی بیّن خسارہ ہے۔

ف : حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تطفیف فی المیزان حقیقی یعنی عدل کی طرف اشارہ ہے، اور اس کے موزونات یعنی اخلاق واعمال کی طرف، اور مطففین وہی ہیں جو اپنے نفوس کے کمالات کو معتبر سمجھتے اور خود کو لوگوں سے افضل گمان کرتے ہیں۔ یستوفون انہیں کثیر سمجھتے ہیں اور اپنے حقوق میں زیادتی کرتے ہیں یعنی فضائل علمیہ وعملیہ کا اظہار اپنی حد سے زیادہ کرتے ہیں بوجہ عُجب اور تکبّر کے جو اُن میں ہے اور جب اپنے کمالات لوگوں کے کمالات سے زائد معتبر سمجھ کر اُن کی قدر و منزلت گھٹاتے اور انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی رعونت نفسانی اور لوگوں پر اپنی افضلیت کے گھمنڈ میں دونوں میں عدالت کی رعایت نہیں کرسکتے جیسے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا : یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا (جو عمل کیا ہی نہیں اس کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے)

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں نفس قاصر فی التوحید الحقیقی کے حال کی طرف اشارہ ہے اس لیے جب اسے روح نے اس کا خسارہ دیا اس کے نقصان وقصور کی وجہ سے جو اس میں ہے تو میزان میں کچھ داخل نہیں کیونکہ کچھ ہو تو داخل ہو اور اسے داخل بھی کون کرے، اس اعتبار سے اس کی اور اس کے نفس کی شان گھٹ گئی باقی توحید رسمی اس کی طلب روح سے پُورا کرنا چاہتی کیونکہ اس کا اس سے طلب کرنا حق ہے اور اسے سوائے طلب کے اور کچھ حاصل نہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ (کیا ان لوگوں کو گمان نہیں) یعنی ان مطففین کو جو مذکورہ بالا ہولناک اور وصف شنیع سے موصوف ہیں۔

ف : اَلَا تنبیہ کا نہیں اس لیے کہ تنبیہ کا ہوتا تو اس کا ما بعد مثبت ہوتا اور یہاں منفی ہے علاوہ ازیں الا تنبیہیہ کا قاعدہ ہے کہ اگر اسے حذف کر دیا جائے تو معنیٰ میں فرق نہیں پڑتا۔ جیسے الا انھم لفی سکرتھم یعمھون (خبردار بیشک وہ نشہ میں حیران پھر رہے ہیں) لیکن یہاں یہ بات نہیں اس لیے کہ اگر الا حذف کردیا جائے تو معنیٰ میں خلل پڑتا ہے، بلکہ یہ ہمزہ استفہامیہ انکاریہ داخل ہے۔ لا نافیہ پر، اور جائز ہے کہ یہ اَلا عرض وتحضیض علی الظن کا ہو۔

اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ (بے شک انہیں اٹھنا ہے ایک عظمت والے دن کے لیے) جس کی عظمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور اس کی ہولناکیاں بے انتہا ہیں اور اس میں ان سے ذرّہ ذرّہ کا حساب ہوگا اس لیے کہ جو اس کا گمان کرتا ہے اگرچہ گمان ضعیف ہی سہی یعنی وہ شک ووہم کی حد تک ہو

تب بھی ایسے قبائح کے ارتکاب کی جُرأت نہ کرتا پھر جو اس کا یقین کرتا ہے وہ کیسے جرأت کرسکتا ہے۔ ظن کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے تاکہ تطفیف سے رُک جائیں ورنہ مؤمن کو بعث و محاسبہ کا گمان کیسا بلکہ اس کا تو اعتقاد جازم ہے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) یوم منصوب ہے اَعنی محذوف سے، لرب العٰلمین سے پہلے مضاف امر محذوف ہے یعنی محض رب العالمین کا حکم ہوگا تو سب حاضر ہو جائیں گے کوئی اور شئے انہیں لائے گی یا رب العالمین محاسبہ کے لیے حاضر ہوں گے وہاں ان کی تطفیف ظاہر ہوگی اور اس کی سزا وغیرہ یا وہ رب العالمین کے ردکرنے ارواح الی الاجساد کی وجہ سے حاضر ہوں گے۔

ف: مروی ہے کہ وہ قبور سے اُٹھ کر چالیس سال اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہیں گے۔ ایک روایت میں ہے دنیا کے تین سال کے برابر۔ ان کے پسینے ان کے آدھے کانوں تک ہوں گے۔ ان کے ہاں کوئی خبر آئے گی نہ امر، وہ مقامِ ہیبت ہوگا کہ کسی کو سخن کی ہمت نہ ہوگی پھر ان کے لیے حکم ہوگا کہ انہیں مقامِ ہیبت سے مقامِ محاسبہ میں لاؤ۔

کامل مومن کی شان کامل مومن کی شان یہ ہوگی کہ اسے صرف اتنا ٹھہرنا ہوگا جتنا وہ فرض نماز کی ادائیگی سے واپسی تک دیر لگاتا ہے۔

سوال: رب العٰلمین لانے کی تخصیص کیوں جبکہ اس کی اور صفات بھی تو ہیں؟

جواب: مالکیۃ و تربیۃ کی طرف اشارہ ہے کتنا ظالم و قوی ہو اس کے سامنے حاضری سے نہ بچ سکے گا کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور اس کی قدرت کے قبضہ میں مسخر ہیں اور وہ کسی کو نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ مظلوم عاجز تک۔ کیونکہ تربیت کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

ف: ان تشدیدات میں اشارہ ہے کہ تطفیف اگرچہ شئے حقیر سے متعلق ہو لیکن اس کا گناہ کبیرہ (بڑا) ہے۔

مسئلہ: بعض نے کہا آیت میں ہر وہ شخص بھی شامل ہے جو حقوقِ الٰہی میں کمی کرتا ہے زکوٰۃ میں، نماز میں، روزہ میں، وہ سب اس وعید میں داخل ہیں۔

حکایت حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سورت پڑھی جب یوم یقوم الناس لرب العٰلمین تک پہنچے تو زور زور سے رونے لگے یہاں تک کہ آپ سے آگے پڑھا نہ جا سکا غلبۂ گریہ اور حساب و جزاء کے تصور سے۔

حکایت دیگر ایک اعرابی نے عبدالملک بن مروان (اموی خلیفہ) کو کہا تُو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے مطففین کے حق میں کیا فرمایا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا

کہ مطفف کو اللہ تعالیٰ نے عظیم وعید سنائی ہے حالانکہ وہ قلیل مال لیتا ہے لیکن اے عبد الملک! تیرا کیا حال ہوگا کہ تو مسلمانوں کا مال بغیر وزن و کیل کے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔

کَلَّآ (بیشک) یہ حرف ردع (زجر و توبیخ) کا ہے اس سے منع کرنا ہے جس پر وہ تھے یعنی تطفیف و غفلت از بعث و حساب اس معنیٰ پر یہاں وقف مستحسن ہے اگر بمعنی حقا ہو تو نہ۔ کیونکہ اس وقت یہ ما بعد سے متصل ہے۔ **اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ** (بیشک کافروں کی لکھت سب سے نیچی جگہ سجین میں ہے) ردع کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات الکتٰب مصدر بمعنی مکتوب، جیسے لباس بمعنی ملبوس ہے یا اپنے حال پر ہے بمعنی کتابت۔ لام تاکید کی ہے، اور سجّین جامع کتاب کا علم (نام) ہے، وہ شر کا دفتر ہے ثقلین (جن و انس) کے کفار و فساق اور شیاطین کے اعمال کا مرکز ہے۔ یہ وصف سے منقول ہے حاتم کی طرح اور منصرف ہے کیونکہ اس میں ایک سبب ہے یعنی تعریف۔ اس کا اصل فعیل از سجن ساجن کا مبالغہ ہے یا اس لیے کہ وہ مطروح ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وہ ساتوں زمینوں کے نیچے ایک اندھیرے اور وحشت والی جگہ میں ہے وہی ابلیس اور اس کی ذریت کا مسکن ہے انہیں ذلیل کرنے اور ان کی شان کی تحقیر کے لیے۔ وہاں راندۂ درگاہ شیاطین حاضر ہوتے ہیں جیسے ابرار کے دفتر میں مقرب فرشتے تشریف لاتے ہیں۔ اس معنیٰ پر سجّین مسجون کا مبالغہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ فجار منجملہ ان کے مطففین ہیں ان کی کتاب (وہ جس پر ان کے اعمال لکھے جاتے رہے) یا نامۂ اعمال اسی مدوّن کتاب میں ہے اس میں مذکور لوگوں کے اعمال کے قبائح ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کی استعداد فطری کی کتاب ان کی طبیعت (جو فسق و فجور کی خوگر ہے) کی سجّین میں لکھی ہوئی ہے بائیں ہاتھ کی قلم سے ان کی پیشانیوں کے صفحات کے اوراق پر، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السعید من سعد فی بطن امہ و الشقی من شقی فی بطن امہ۔	سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے سعادتمند ہو کر آیا اور شقی وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے شقی بن کر آیا۔

تفسیرِ عالمانہ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ** (اور تو کیا جانے سجّین کیسی ہے) اس کے معاملہ کی ہولناکی کا اظہار ہے یعنی جیسے کہ وہ ہے وہاں کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ** (وہ لکھت ایک مہر کا نوشتہ ہے)

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رقم بمعنی موٹا خط۔

حلِ لغات بعض نے کہا کہ رقم بمعنی تعجم الکتاب (کتاب پر نقطہ لگانا)۔ کتاب مرقوم کو دونوں معنوں پر محمول کیا جا سکتا ہے یعنی وہ لکھی ہوئی اور اس کی لکھت واضح اور روشن ہے اس حیثیت سے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہے اس سے بلا دقت مطلع ہو جاتا ہے اس میں غور و خوض نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی خصوصی توجہ دینی پڑتی ہے۔ یا وہ کتاب کھلے الفاظ سے ہے ہر ایک اسے جان سکتا ہے لیکن کتاب والوں کے لیے اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں یعنی وہ کتاب ایسی علامات پر مشتمل ہے جو کتاب والے کی شقاوت پر دلالت کرتی ہے کہ وہ دوزخی ہیں اور ان کے شر کی علامت ہے جیسا کہ مقام مضمون سے واضح ہے کیونکہ یہ تہویل کا مقام ہے۔

ف : القفال نے فرمایا کہ کتاب مرقوم سجّین کی تفسیر نہیں بلکہ وہ انّ کی خبر ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ فجّار کی کتاب سجّین میں ہے اور بیشک وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور وَمَا ادرٰىكَ ما سجّین دو خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب الفجار یعنی وہ جو رذائل کے مرتکبین کے جو اعمال لکھے گئے جنہوں نے عقل و شرع کی متفقہ حدِ عدالت سے نکلنے میں زیادتی کی وہ سجّین میں ہیں وہ وجود میں سے ایک مرتبہ ہے اس کے قیدی تنگ و تاریک اور اندھیری قید میں مقید ہیں کھوؤں سانپوں اور بچھوؤں کی طرح پیٹ کے بل چلتے اور وہ طبیعت کے نچلے مراتب و درکات میں ہیں۔ وہ اہلِ شر کے اعمال کا دفتر ہے اسی لیے اس کی تفسیر میں فرمایا کتاب مرقوم یعنی وہ جگہ ہے جہاں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے رذائل و شرور کی ہیأت کے نقوش ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَيۡلٌ (خرابی ہے) يَّوۡمَئِذٍ (اس دن) کہ لوگ رب العٰلمین کے سامنے اٹھیں گے اور یہ اسی کے متصل ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

بعض نے کہا کہ اس دن کہ جب کتاب (نامۂ اعمال) دئے جائیں گے لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ (جھٹلانے والوں کے لیے)

کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویل یہ کلمہ تمام برائیوں کا جامع ہے یعنی عذاب و عقاب اور شدّت و محنت اسی دن مکذبین کو ہے۔

الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ (جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں) یہ مکذبین کی صفت ذامّہ (مذمت کرنے والی) ہے یہ ایسے ہے جیسے تم کہتے ہو فعل ذلك فلان الفاسق الخبیث (اسے فلاں فاسق خبیث نے کیا) اس لیے کہ ان کی تکذیب اَلَا يظن اولٰئكَ الخ سے معلوم ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہلِ اشارہ (صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ وُہ جو حق اور اس کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں یعنی وہ اہلِ نفوس جو دُنیا کی طرف متوجہ اور حق سے رُوگردانی کرتے ہیں اور دین سے، جو وہی دین اسلام ہے اور ہر ایک کو اس کے دین کے مطابق جزاء و سزا ہوگی جس کا کوئی دین نہ ہوگا اس کی بُری جزاء ہے اور بہت بڑی خرابی ہے اور جس کا دین ہے اس کی احسن جزاء ہے اور کریم کا دیدار نصیب ہوگا۔ اے عزیز! تصدیق کو لازم پکڑ۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ (اور اسے نہ جھٹلائیگا مگر سرکش) نظر و اعتبار کی حدود سے تجاوز کرنے والا، تقلید میں غلو کرنے والا، جو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مرنے کے بعد زندہ اٹھانے کی قدرت نہیں حالانکہ وہ مشاہدہ کر چکا ہے کہ وُہ جب ابتدائی تخلیق پر قادر ہے تو پھر اعادہ پر کیوں قادر نہیں! اس سے ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث وغیرہما جیسے مشرکین مراد ہیں۔ اَثِيْمٍ بکثرت گناہ کرنے والا۔ شہوات ناقصہ فانیہ میں منہمک کہ انہوں نے اسے لذات تامہ باقیہ میں مشغول کر رکھا ہے بلکہ ان کے انکار سے برانگیختہ کیا ہوا ہے۔

ف: اعتداء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قوۃ نظریہ کو بالکل بیکار کر رکھا ہے جس کا کمال یہ ہے کہ اس سے ہی انسان کو وحدۃ صانع اور اس کی جملہ صفات کمالیہ سے موصوف ہونے کا عرفان حاصل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ علم و ارادہ و قدرۃ وغیرہ۔ اور اثم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اپنی قوتِ علمیہ کو ضائع کر دیا کہ جس سے انسان خیر و بھلائی کو جانتا ہے کہ کون سے اعمال سے یہ حاصل ہوتی ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا (جب اس پر ہماری آیاتِ ناطقہ پڑھی جائیں) قَالَ (کہے) فرطِ جہالت اور اعراضِ حق کی وجہ سے حالانکہ حق کے سوا کہیں پناہ نہیں اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (اگلوں کی کہانیاں ہیں) پہلے لوگوں کی حکایات اور اخبار باطلہ۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ وہ حکایات ہیں جو قدیم سے لکھی چلی آرہی ہیں۔

حلِ لغات اساطیر اسطور (بالضم) و اسطارہ (بالکسر) وُہ بات جس کا کوئی نظم و ضبط نہ ہو۔

كَلَّا (کوئی نہیں) یہ حد سے بڑھنے والے کو قول باطل اور آیات کی تکذیب سے روکنا ہے ممکن ہے یہ مجموعی طور اور قول سے منع کرنا ہے بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے) حفص نے عاصم (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے بَل کو باظہار اللام مع سکتہ خفیفہ بغیر قطع کے پڑھا ہے اور ران سے ابتداء کیا ہے اور باقیوں نے بَل کی لام کو راء میں

ادغام کیا ہے اور حمزہ، کسائی، خلف و ابوبکر عن عاصم (رحمہم اللہ تعالیٰ) فتح راء کا امالہ کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حفص نے دو ثقلتوں سے فرار کیا:

(۱) راء مفخمہ (پر)

(۲) ادغام "

اس پر قل ران کا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں دو متقارب المخرج میں ادغام کیا گیا ہے اس میں کوئی سکتہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حفص (رحمہ اللہ) نے بل کی لام اور من راق کی راء پر سکتہ کیا ہے کہ کہیں بل ران میں ادغام سے برّان صیغۂ تثنیہ سے اور من راق میں مرّاق (تثنیہ) سے اشتباہ نہ ہو کہ برّ صیغۂ صفت اور مرّاق مارق کا مبالغہ ہے۔ ما کانوا میں ما موصولہ اور عائد محذوف ہے اور یہ محلاً مرفوع الفاعلیۃ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہماری آیات اس لائق نہیں کہ ان کے بارے میں ایسے باطل مقولے کہے جائیں بلکہ ان کے قلوب پر زنگ چڑھ گیا ہے اور ان پر غلبہ ہے ان کے کفر و عصیان کی کمائیوں کا اب ان کے قلوب ایسے ہیں جیسے آئینہ پر زنگ، وہی ان کے اور معرفتِ الٰہی کے درمیان حائل ہے۔

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ان العبد کلما اذنب ذنبا حصل فی قلبہ نقطۃ سوداء حتی یسود قلبہ و لذلک قالوا ما قالوا والرین صدأ یعلوا الشیٔ الجلی والطبع و الدنس۔ (ترمذی)	جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑجاتا ہے جب اس گناہ سے باز آجاتا ہے اور توبہ و استغفار کرتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر پھر گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا ہے یہاں تک کہ تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی رَین یعنی وہ زنگ ہے جس کا آیت میں ذکر ہوا۔

حلِ لغات

ران وُہ زنگ جو روشن شئی پر چڑھ جائے۔ مُہر کا دھبّہ اور گرد۔ کہا جاتا ہے: ران ذنبہ علی قلبہ رینا و ریونا غلب (اس کے دل پر گناہ غالب ہو گیا) کوئی کسی پر غالب ہو جائے تو کہتے ہیں: ران بک و بک وغلیک کما فی القاموس۔ یعنی بلا واسطۃ و بواسطہ باء و علیٰ متعدی ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: ران فیہ النوم (اس میں نیند راسخ ہو گئی) التعریفات

میں ہے کہ ران وُہ حجاب جو کسی قلب اور عالم قدس کے درمیان حائل ہوجائے استیلائے ہیأت نفسانیہ، اور رسوخ ظلمانیہ جسمانیہ سے یہاں تک کہ وہ قلب انوارِ ربوبیت سے بالکل محجوب ہوجائے اور غین (معجمہ) رَین سے کم درجہ ہے۔

تحقیق الغین والرّین غین ایک باریک پردہ ہوتا ہے جو تصفیہ اور تجلی کے نور سے ہٹ جاتا ہے اس لیے اس میں ایمان باقی ہوتا ہے اور رَین کثیف پردہ ہوتا ہے جو قلب و ایمان کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ الاقفال سے دل پر تالے پڑجاتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ طبع سے اقفال سخت تر ہے ایسے ہی طبع رَین سے۔

تفسیرِ صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دل پر زنگ راسخ ہوجاتا ہے جس سے اس کا جوہر گدلا پڑجاتا ہے زنگ کے چمٹنے سے دل بے رونق ہوجاتا ہے اور دل پر گناہوں کے پے درپے ہونے ان کے راسخ ہونے سے رَین (زنگ) تیز ہوتا ہے دل کے نزدیک ایک پردہ متحقق ہوجاتا ہے تو اس کے لیے مغفرت کے دروازے بند ہوجاتے ہیں (نعوذ باللہ منہ)۔

ف: حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ رَین و قسوۃ دونوں غفلت کی باگیں ہیں جو ہوشیار اور بیدار ہے تو وہ قسوۃ و رَین سے محفوظ و مامون ہے۔

دل (روحانی) کا علاج جو چاہے کہ اس کے دل پر ران و قسوۃ نہ ہو تو وہ روزوں پر مداومت کرے اگر اس کے باوجود بھی قسوۃ نہ جائے تو سالن کھانا چھوڑ دے۔

روحانی دل کیا ہے بعض اکابر صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل سارے کا سارا شیشہ ہے وہ ہمیشہ زنگ آلود نہیں رہتا اگرچہ حدیث شریف میں مطلقاً فرمایا گیا ہے:

ان القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید	قلوب زنگ آلود ہوجاتے ہیں جیسے لوہا،
و ان جلاءھا ذکر اللہ و تلاوۃ القرآن۔	اس کی روشنی ذکرِ الٰہی و تلاوتِ قرآن سے ہوتی ہے۔

ف: اس صدأ سے یہ مراد نہیں کہ وہ طخاء ہے جو قلب کے مُنہ پر اُبھرا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قلب جب غیر سے متعلق ہوا یعنی وہ بجائے مسبب کے جاننے کے اسباب کے علم میں مشغول ہوا تو دل کا

تعلق غیر اللہ سے ہو گیا وہ قلب کا زنگ بن گیا وہ تجلیٔ حق قلب تک پہنچنے سے مانع ہُوا ورنہ حضرۃ الٰہیہ تو ہمیشہ متجلّی ہے اس کے حق میں کسی قسم کے حجاب کا تصوّر نہیں ہو سکتا پھر جب اس قلب نے جہت خطاب شرعی محمود سے اس تجلی کو قبول نہ کیا اس کے غیر کو قبول کرنے کا نام صداً (زنگ) اور کن اور قفل وغیرہ رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یُوں تنبیہ فرمائی :

وقالوا قلوبنا فی اکنه مما تدعونا الیه۔ — اور کافروں نے کہا کہ ہمارے قلوب پردوں میں ہیں اس سے جس طرف تم ھمیں دعوت دیتے ہو۔

تو اس کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے قلوب اس دعوت سے پردے میں ہیں جس طرف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعوت دیتے ہیں نہ مطلقاً کِنّ (پردہ) میں۔ چونکہ ان کے دل غیر کی طرف لٹکے ہوئے ہیں اس لیے جس طرف انہیں دعوت دی جاتی ہے اس سے وہ اندھے ہیں اسی لیے وہ کوئی شے نہیں دیکھ سکتے ورنہ قلوب ہمیشہ فطری روشنی پر ہیں صیقل کئے ہوئے صاف شفاف ہیں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مسکین فقیه میکند انکار حُسن دوست
با او بگو که دیدهٔ جاں را جلی کند

ترجمہ ، مسکین فقیہ ظاہر میں دوست کے حُسن کا انکار کرتا ہے اسے کہو کہ وہ جان کی آنکھ روشن کرے (پھر حُسنِ یار دیکھے)

تفسیر عالمانہ **کَلَّآ** (ہاں ہاں) زجر اور رکاوٹ ہے اس عمل سے جو رین میں ڈالے **اِنَّهُمْ** بیشک وہ مکذبین **عَنْ رَّبِّهِمْ** اپنے پروردگار سے **يَوْمَئِذٍ** (اس دن) یہ اور یوم یقوم الناس لرب العٰلمین (دونوں) **لَّمَحْجُوْبُوْنَ** (دیدار سے محروم ہیں) کے متعلق ہیں۔ یہ لوگ دیدارِ الٰہی سے اپنے قبیح کرتوتوں کی وجہ سے محروم ہوں گے اس لیے کہ ان کے قلوب کے آئینے زنگ آلود ہیں اور زنگ کی ظلمت قلوب سے اجسام پر سرایت کر چکی ہے اسی لیے وہ نورِ تجلّی کا محل نہیں رہے بخلاف اہلِ ایمان کے کہ وہ اللہ کے دیدار سے سرشار ہوں گے اس لیے کہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے قلوب کے آئینے صیقل کئے ہوئے صاف اور شفاف ہیں اور صقالۃ اور صفائی کا نور ان کے قلوب سے ان کے اجسام پر سرایت کر گیا ہے اسی لیے وہ ذی استعداد ہیں کیونکہ نور التجلی کا عکس ان کے قلوب وقوالب (اجسام) پر پڑ رہا ہے اور ان کے قلوب جمیع جہات سے چہرے بن گئے ہیں

وجہ باقی کے چہرے کی طرح بلکہ وہ بالکلیہ آنکھیں ہی آنکھیں بن گئے ہیں۔

ف : حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہُوا تو آپ نے فرمایا جب اللہ کے دشمن اس کے دیدار سے محجوب ہوں گے اور اُسے نہ دیکھ سکیں گے تو لامحالہ وُہ اپنے اولیاءِ کرام کو جلوہ سے نوازے گا اور وہ اس کے دیدار سے سرشار ہوں گے۔

ف : امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے مسئلہ رؤیت پر استدلال فرمایا ہے کہ خطاب کی دلیل سے اہلِ ایمان کو رؤیۃ نصیب ہوگی۔ اگر سب کے سب دیدار سے محجوب ہوں تو خطاب بے معنی ہو جاتا ہے اور خطابِ خداوندی بے معنیٰ نہیں ہو سکتا اور نہ پھر دوست و دشمن میں کیا فرق ہوگا! اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بہشت گویا اہلِ ایمان کے لیے مہمانی کا مقام ہے ؎

بے دیدن میزبان چہ باشد
چون دشمن و دوست را چہ باشد

ترجمہ : میزبان کے دیدار کے بغیر مہمانی نہ ہوگی بلکہ وہ مہمان بھی دشمن کی طرح کنویں میں ہے۔

ع پس فرق دران میان چہ باشد

ترجمہ : پھر دشمن اور دوست کے درمیان کیا فرق ہوا!

ملفوظاتِ اولیاءِ کرام

(۱) حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب ایک قوم (کفار) غضب کی وجہ سے محجوب از رؤیت ہوگی تو دوسری قوم کو (اہلِ ایمان) اس کی رضا سے دیدار نصیب ہوگا۔

(۲) حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وُہ (کفار) رؤیۃ رضا سے محجوب ہوگی اس لیے کہ شقی (بدبخت کافر) جب اسے محشر میں جلوہ گر دیکھے گا تو اسے غضبناک کیفیت میں دیکھے گا یہ دخولِ جنّت سے پہلے کا حال ہے۔

(۳) حضرت حسین بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے وُہ (کافر) دنیا میں اللہ تعالےٰ کی توحید سے محجوب رہے ایسے ہی آخرت میں اس کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ خلاصہ یہ کہ موحّد (مومن) دیدار سے محجوب نہ ہوگا۔

(۴) دُنیا میں کافروں کو قسوۃ قلبی اور اس شقاوۃ نے محجوب رکھا جو ازل میں ان پر سبقت کر گئی اسی لیے وہ قرب و مشاہدہ کے بساط (فرش) پر نہ آسکے۔ اسی لیے وُہ بعید اور محجوب رہے۔ خلاصہ

یہ کہ حجاب وہی انتہائی بُعد و طرد (دھتکار) ہے۔

(۵) حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حجاب دو ہیں:

(۱) بُعد

(۲) ابعاد

حجاب بُعد میں تو کبھی قریب نہیں ہونے دے گا اور حجاب ابعاد میں تادیب کے بعد قُرب حاصل ہوگا جیسے آدم علیہ السلام کے لیے ہوا۔

تفسیر صُوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھم عن ربھم لمحجوبون بیشک وُہ اپنے رب سے محجوب ہوں گے اس لیے کہ ان کے قلوب نے نور کو قبول نہ کیا تھا اور صفاء اول فطری کی طرف عود کرنے سے رُکے رہے جیسے ماء کبریتی مثلاً جب وہ کسی شے میں مخلوط ہو جائے یا بھاپ بن کر اوپر کو چڑھ جائے تو پھر وُہ ٹھنڈے پانی کی طبیعت میں نہ لوٹ سکے گا کیونکہ اب اس کا جوہر دوسری شے میں حلول کر گیا ہے بخلاف گرم پانی کے کہ اس کی صرف کیفیت بدل گئی تھی طبیعت نہیں بدلی تھی اسی لیے گرمی ہٹنے کے بعد وہ اپنی اصلی حالت میں عود کرے گا۔ اسی لیے کافر دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرے (کہ ان میں جوہر ہی مٹ گیا تھا)

حلِ لغات

المفردات میں ہے کہ الحجب، المنع (روکنا) پہنچنے سے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ پردے انہیں دیدارِ الٰہی سے مانع ہیں جس کا اشارہ فضرب بینھم بسور ای حجاب ان کے درمیان پردے لٹکائے جائیں گے جو انہیں لذتِ جنّت سے روکیں گے وہ لذت اہلِ جنت تک محدود رہے گی اہلِ نار تک وہ پردے نہیں پہنچنے دیں گے، ایسے ہی اہلِ نار کی اذیت ان تک محدود رہے گی وہ پردے اہلِ جنت تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

صاحبِ کشاف کی معتزلانہ تقریر

صاحبِ کشاف نے کہا دوزخیوں کا دیدار محجوب ہونا (حقیقی نہیں) بلکہ یہ ایک تمثیل ہے ان کے استخفاف و اہانت کے لیے ایسا فرمایا ہے اس لیے کہ شہنشاہ کے دربار میں ذوالوجاہت اور مکرم لوگ ہی حاضر ہو سکتے ہیں اور کمینے اور رذیل لوگ اس کی حاضری سے محجوب رہتے ہیں، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا اعتروا باب ذی مھابۃ رجبوا	جب ذوہیبت وشوکت کے دروازے پر
والناس مابین مرجوب و محجوب	حاضر ہوتے ہیں تو ان کی عزت ہوتی ہے اس
انتھی ای مابین معظم و مھان۔	لئے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں بعض کی

عزت ہوتی ہے بعض کے آگے پردے لٹکائے
جاتے ہیں یعنی بعض معظم ہوتے ہیں بعض ذلیل۔

معتزلی کا پردہ چاک (صاحب کشاف خود کو سُنّی حنفی کہلاتا ہے جیسے ہمارے دور میں دیوبندی وہابی ہو کر خود کو سُنّی حنفی کہلاتے ہیں اسی لیے اہلسنت مذاق کے خلاف معتزلیہ کے پردے میں قرآن کا مفہوم بیان کیا تو تاڑنے والوں نے تاڑ لیا اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ یہ صاحب کشاف کا سنّیت حنفیت سے انحراف اور اعتزال کو فروغ دینا ہے۔ اسی طرح دیوبندیوں کے وہابیانہ پروگرام کا ہم اپنے دَور میں پردہ چاک کر کے عوام پر واضح کر دیتے ہیں کہ دیوبندیوں کا سُنّی حنفی کہلانا صرف نام ہی ہے ورنہ درحقیقت یہ بھی وہابیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ کشاف کی مذکورہ بالا تقریر لکھ کر اس کا پردہ یوں چاک کرتے ہیں:)[1]

وانما جعله تمثيلا لا كناية اذ لا يمكن	اسے تمثیل بنایا ہے نہ کہ کنایہ کیونکہ حقیقی معنیٰ
ارادة المعنى الحقيقى على زعمه	کا مراد ممکن نہیں، یہ اس کا گمان ہے
من حيث انه معتزلى۔ (ص ۳۶۹)	کیونکہ وُہ معتزلہ ہے۔

معتزلہ کا رد بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت کو تمثیل کہنا ظاہر معنیٰ سے عدول ہے حالانکہ وہ مکشوف ہے کیونکہ ان کے قول هو محجوب عن الامير کا ظاہر معنی یہ فائدہ دیتا ہے کہ وہ بادشاہ کے دیدار سے ممنوع ہے اور یہی اس کی اہانت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ (اسی لیے صاحب کشاف کا اسے تمثیل میں داخل کرنا اسے مفید نہ ہوا[2])

سوال معتزلی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ لمحجوبون کا معنی ہے وہ (کفار) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محجوب ہوں گے۔ اور ابن کیسان سے منقول ہے کہ وہ کرامت سے محجوب ہوں گے۔ (ان دونوں حوالوں سے ثابت ہُوا کہ یہاں دیدارِ الٰہی کا اثبات اہلِ ایمان کے لیے نہیں ہو سکتا)

جوابِ سُنّی: اِن دونوں حضرات نے حاصل معنٰی مراد لیا ہے اس لیے کہ جو محجوب از رؤیۃ ہے وہ لازماً معظم الرحمۃ والکرامۃ (سب سے بڑی رحمت اور کرامت) سے ممنوع ہے اور آخرت میں اہلِ ایمان کے لیے سب سے بڑی رحمت و کرامت دیدارِ الٰہی ہی ہے۔ آیت سے تو الٹی رؤیۃ ثابت ہوئی الحمد للہ تعالیٰ علی بذلک

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

نوالہ و عطائہ وعلی شہود جمالہ ولقائہ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کی رحمت کی بخشش و عطاء پر اور اس کے شہود جمال و لقاء پر)

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اِنَّهُمْ (پھر بیشک انہیں) باوجودیکہ وہ رؤیۃ الٰہی سے محجوب ہیں لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (جہنم میں داخل ہونا ہے) اور اس کی گرمی میں گزر اوقات کرنی ہے بغیر حائل کے۔ یہ دراصل صالون (الجحیم) تھا، نون اضافت کی وجہ سے محذوف ہوا اور ثُمَّ رتبہ کی تراخی کے لیے ہے اس لیے کہ ان کے لیے جہنم کے داخلے کا عذاب حجاب واہانت اور حرمان از رحمت وکرامت کا عذاب سخت تر ہوگا۔ اس لیے کہ حجاب اگرچہ عذاب روحانی ہے تاہم جسمانی عذاب سے سخت تر ہے۔ لیکن نار سے محض نجات عذاب سے آسان ہے اس لیے حسّی عذاب میں دو عذاب ہیں (جیسا کہ مخفی نہیں) ثُمَّ يُقَالُ پھر کہا جائے گا انہیں توبیخ و تقریع کے طور پر از جہۃ الزبانیہ (نار کے داروغہ) ان کی تصریح اس لئے نہیں کہ مقصود قائل کا ذکر نہیں بلکہ قول ہے نیز اس میں تعمیم ہے قائل کے احتمال کو کہ نہ معلوم کہنے والا کون اس سے خوف میں اور سختی کا اضافہ ہے هٰذَا (یہ) عذاب، یہ مبتداء ہے اس کی خبر ہے الَّذِیْ كُنْتُمْ (وہ جو تھے تم) دنیا میں بِهٖ (جیسے) تُكَذِّبُوْنَ کے متعلق ہے (تم جھٹلاتے تھے) اسے چکھو بہٖ کی تقدیم فاصلہ کی رعایت کے لیے ہے نہ کہ حصر کے لئے، اس لیے کہ وہ اس کے بہت سے دیگر احکام کی بھی تکذیب کرتے تھے۔ كَلَّا (ہاں، ہاں) یہ زجر و توبیخ ہے دوبارہ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ (بے شک نیکوں کی لکھت) ان کے وہ اعمال جو لکھے ہوئے ہیں کتٰب مضاف مصدر ہے مقدر کی طرف لَفِیْ عِلِّيِّيْنَ اونچے محل علیین میں ہے، یعنی دفتر جو جملہ اعمال الابرار کا جامع ہے۔

عِلِّيِّيْنَ کی تحقیق علیّون علم (اسم) ہے دفتر خیر کے لیے جس کی ملائکہ اور صلحاء ثقلین (جن و انس) کے اعمال کے لیے مدوّن کیا گیا علی بروزن فعیل کی جمع سے منقول ہے از علو مبالغہ کے لیے اس نام سے موسوم کرنے کے وجوہ ہیں:

(۱) چونکہ یہ جنت میں اعلیٰ درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

(۲) یہ ساتویں آسمان میں ہے اس کی بلندی کی وجہ سے اس کا یہ نام ہوا اور اس میں کروبیین رہتے ہیں ان کی وجہ سے اس نام سے اس کی تکریم و تعظیم ہوئی۔

عمل میں اخلاص ضروری ہے مروی ہے کہ ملائکہ بندے کے اعمال لے کر اوپر کو جاتے ہیں تو سمجھتے ہیں یہ تو کچھ نہیں لیکن جب اوپر پہنچ جاتے ہیں جہاں تک اللہ چاہتا ہے اپنی سلطنت میں، انہیں اللہ تعالیٰ وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے نگران تھے میں اس کا

رقیب ہوں اس کے قلب کا، چونکہ اس نے خلوص سے عمل کیا ہے اس لیے اسے علیین میں پہنچا دو اور میں نے اسے بخش دیا۔ ایک دوسرے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ اس کا بہتر عمل ہے جب وہ وہاں تک پہنچتے ہیں جہاں تک اللہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے نگران ہو اور میں اس کے دل کا رقیب ہوں اس نے چونکہ عمل میں خلوص نہیں کیا اس لیے اسے سجین میں پھینکو۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ کراماً کاتبین (نگران فرشتے) بندے کے اخلاص اور ریاء پر مطلع نہیں ہو سکتے جب تک انہیں اللہ تعالیٰ آگاہ نہ فرمائے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ (اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے) یعنی وہ خلق کے دائرۂ درایۃ سے خارج ہے۔ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (وہ لکھت مہر کیا لوشتہ ہے) وہ لکھا ہوا بین الکتابۃ (کھلم کھلا) ہے جسے آسانی سے (بلا تکلف) پڑھا جا سکتا ہے یا نشان دار ہے ایک ایسی علامت ہے جس سے ہر سعادتمند کی سعادت اور اس کی دائمی نعمتوں اور لازوال ملک سے کامیابی پر دلالت کرتی ہے۔

ف: چونکہ علیون علم منقول از جمع ہے اسی لیے اس پر مفرد کے احکام جاری ہیں یعنی کتاب مرقوم۔ لیکن اس پر اعراب جمع کا ہے جیسا کہ اس پر فی (جارہ) داخل ہے تو جمع کے صیغہ کے مطابق مجرور ہے اور یہ عیینٌ مرفوع بالخبریہ ہے ما استفہامیہ مبتدا ہے یہاں صورۃ جمع پر ہے بعض نے کہا کہ اسم مفرد علی لفظ الجمع ہے عشرین اور اس کے ہم جنسوں کی طرح لیکن اس کا واحد نہیں۔

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ (مقرب فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں) وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم و مقرب ہیں یعنی حاضر ہوتے ہیں اور ضیاع سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

مقرب فرشتوں کی تعداد

فتح الرحمٰن میں ہے کہ تمام آسمانی فرشتوں سے یہ فرشتے مقرب ہیں اور کل سات ہیں۔ یہاں مقرب فرشتہ حاضر ہو کر اس کی مشایعت کرتا ہے اور اسے وہاں تک آگے (اوپر) لے جاتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قیامت میں برسر میدان گواہی دیں گے جو اس میں ہے۔

نکتہ

اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں ویل یومئذ للمکذبین کے بالمقابل طوبیٰ کیوں ترک کیا گیا حالانکہ یہاں بھی طوبیٰ یومئذ للمصدقین کہا جاتا اس لیے کہ ملائکہ مقربین کی یہاں کی حاضری سے اس کی تعظیم وجلالت معلوم ہوئی اسی لیے ذکر کی بجائے ترک میں فائدہ ہے۔ علاوہ ازیں اس سے اس کی تفخیم شان بھی معلوم ہوئی کہ یہ جگہ دوسرے مقامات سے عظیم الشان ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سعادت مندوں کے اعمال کی صورتیں اور ان کے نفوس نورانیہ کی ہیأت اور ان کے ملکات فاضلہ علیین میں ہیں، اور وہ سجین کے بالمقابل ہے۔ بلندی اور ارتفاع درجات، اور اس معنیٰ پر کہ یہ اہلِ خیر کے اعمال کا دفتر ہے جیسے فرمایا کتاب مرقوم یعنی محل شریف (شرافت اور بزرگی والی جگہ) ہے جرم سماوی سے اہلِ خیر کے اعمال کی صورتیں منقوش ہیں یا وہ عنصر انسانی مراد ہے جس جگہ خواص اہل اللہ جو اہلِ توحید ذاتی ہیں حاضری دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْاَبْرَارَ (بیشک نکوکار) سعادت مند جو نفوس کی صفات کی خرابی سے ڈرنے والے ہیں لَفِیْ نَعِیْمٍ (البتہ نعمتوں میں ہیں)

ربط : اس کے بعد ان نعمتوں کی تین کیفیات بتائیں :

(۱) اس کا قول عَلَی الْاَرَآئِكِ یعنی تختوں پر جو آراستہ و پیراستہ ہیں اریکۃ کا اطلاق اہلِ عرب کے نزدیک فقط تختہ پر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ آراستہ و پیراستہ نہ ہو۔

ف : الحجلۃ (بالتحریک) دلہن کا وہ کمرہ جسے کپڑوں اور پردوں اور دیگر آرائش کی چیزوں سے مزین کیا جائے۔

یَنْظُرُوْنَ (دیکھتے ہیں) جو چاہیں، جہاں تک آنکھ کھول کر دیکھیں جنت کے عجیب و غریب مناظر یا وہ نعمتیں و کرامتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں ان کے مناسب تیار فرمائی ہیں کہ انہیں دیکھ کر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں کہ وہ حسین صورتیں اور بہترین اور بارونق چیزیں ہیں۔

ف : اسی طرح اعدائے خدا کا حال ہوگا کہ وہ دوزخ میں عذاب کئے جائیں گے۔

ف : بہشتیوں کے تخت کچھ اس طریقے کے ہوں گے کہ ان کی صفائی اور لطافت ان کے مناظر دیکھنے میں حائل نہ ہوگی مفعول کا حذف تعمیم کے لیے ہے اور علی الارائك خبر کے بعد خبر ہے یا خبر میں منوی سے یا ینظرون کے فاعل سے حال ہے اور تقدیم فواصل الآی کی رعایت کی وجہ سے ہے اور ینظرون جملہ مستانفہ ہے یا منوی فی الخبر یا فی الظرف سے حال ہے، بمعنی ناظرین۔

ف : ابنِ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علی الارائك کا مطلب ہے کہ وہ معرفت کے تختوں پر معروف کا نظارہ کریں گے یا قربت کے تختوں پر رؤف کا دیدار کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اربابِ مقاماتِ عالیہ کی طرف اشارہ ہے وہ دیکھتے ہیں جمیع مراتب وجود کو ان کے مطالعہ سے کوئی شے حاجب نہیں ہوتی بخلاف اغیار کے کہ وہ مطالعۂ احوال ملکوت سے محجوب ہیں اور اس میں رمز ہے ہر ایک اہلِ درجات کے لیے اسماء و صفات

ایک مخصوص باغ ہے بعض ان میں وہ ہیں جنہیں یہ دیکھتے ہیں بعض ان میں اُونچے اور اعلیٰ ہیں ان میں سے کوئی اور برگزیدہ نہیں سوائے اشرف (زیادہ برگزیدہ) کے، وہ ہے قطب الاقطاب۔

تفسیر عالمانہ (۲) تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ (تو ان کے چہروں پر چین کی تازگی پہچانے) نعمتوں کی کیفیات سے یہ دوسری کیفیت ہے وہ یہ کہ نعمتوں کی رونق اور تازگی ان کے چہروں پر جھلکتی صاف نظر آئے گی جب بھی ان پر نگاہ پڑے گی تو یقین ہو جائیگا کہ یہی اہلِ نعمت ہیں بوجہ اس کے کہ ان کے چہروں پر ایسے قرائن ہوں گے جو دلالت کرینگے کہ یہ وہی ہیں مثلاً تبسم اور خوشی کے آثار ان کے چہروں پر نمودار رہوں گے، جیسے اغنیاء اور پُرسکون اہلِ دولت کے چہروں سے ان کی دولت وغناء کا پتا چلتا ہے اسی لیے تریٰ کے بجائے تَعْرِفُ کہا گیا ہے اس لیے کہ معرفۃ کو اکثر پوشیدہ امور سے تعلق ہوتا ہے اور رؤیۃ کو ظاہر سے، اور خطاب عام ہر اسے جو خطاب کے لائق ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس وقت ان کے آثار نعمت اور احکام بہجۃ (رونق) کسی خاص دیکھنے والے سے مخصوص نہ ہوگا۔

ف: حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لذۃ النظر سورج کی طرح ان کے چہروں پر چمکے گی جب وہ زیارتِ الٰہی سے فراغت پا کر اپنی جگہوں کی طرف لوٹیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے چہروں پر محبوب کی خوشنودی کے آثار پہچانے جائیں گے۔

(۳) یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ (شراب خالص پلائے جائیں گے) یہ ان تینوں اوصاف میں سے ایک ہے۔ سقی متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا وہی نائب فاعل ہے ثانی من رحیق ہے اس لیے کہ مِن تبعیضیہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ بعض شراب مقدر معلوم ہے یعنی وہ شراب جو رحیق سے ابتدا کی گئی ہے اس معنی پر مِن ابتدائیہ ہے۔ الرحیق صاف شراب یا خالص شراب۔ اب معنی یہ ہوا کہ جنت میں شراب خالص پلائے جائیں گے جس میں کھوٹ ایسی شے نہ ہوگی جو طبع کو ناگوار ہو، نہ ایسی کہ اسے فساد میں ڈالے نیز وہ شراب خمار کی کدورت (میل کچیل) اور مزے کی تبدیلی اور سر کا درد پیدا کرنے کی خرابیوں سے پاک ہوگا۔ مَّخْتُوْمٍ مہر لگایا ہوا خِتٰمُهٗ (جس کی مُہر) وہ شے جس سے مُہر لگائی جائے اور اسے غیر کے تصرف میں آنے پر پابندی لگائی جائے۔ مِسْكٌ مشک خالص ہوگی۔ مِسک مشہور خوشبو یعنی اس کے برتنوں اور پیالوں پر گارے کی بجائے مُشک لگائی جائے گی۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ جو مُہر لگائی جائے گی وہ تر مشک ہوگی جس سے مُہر کو تر کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم مکتوب ہوگا کہ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے نہ اُسے کھولے سوائے ابرار کے، یہ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوگا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی کمال نفاست کی تمثیل ہے کیونکہ نفیس شے پر ہی مُہر لگائی جاتی ہے

گارے کی بجائے مُشک کا لگایا جانا اس کی نفاست کی دلیل ہے ۔

ف : بعض نے ختام الشئ بمعنی خاتم اور آخری کہا ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اس کی مہر مشک ہوگی کہ جب پینے والا اس سے پینے کے اختتام پر منہ ہٹائے گا تو اس سے مشک سی خوشبو محسوس کرے گا اس لیے کہ اس میں مشک کی ملاوٹ ہوگی جیسے دنیا میں بعض پینے کی چیزوں میں ہوتا ہے کہ پینے سے فراغت کے بعد خوشبو محسوس ہوتی ہے جو ابتدار میں محسوس نہیں ہوتی ۔

ف : حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا : الرحیق چاندی سا سفید شراب جس کے آخر میں پینے پر مُہر لگائیں اگر اس سے دنیا کا کوئی آدمی ہاتھ ڈبو کر نکالے تو دنیا بھر کا ہر ذی رُوح اس کی خوشبو سُونگھے ۔

وَفِيْ ذٰلِكَ اور اس میں خاص اسی شراب میں نہ دنیا کی کسی اور نعمت میں جنھیں میل کچیل کے علاوہ جلد تر فنا ہونے والی ہیں یا جن لوگوں کے احوال مذکور ہوئے نہ کہ ان کے غیر جو اصحاب الشمال (دوزخی) ہیں **فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ** (چاہیے للچائیں للچانے والے) رغبت کریں رغبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جلد بازی کر کے یعنی وُہ نیک عمل کریں تاکہ ایسے شراب خالص کے حقدار بن جائیں ۔

ف : یہ امر تحضیض و ترغیب کا ظاہراً اور وجوب کا ہے باطناً ایمان و اطاعت کے واجب ہونے سے ۔

حلِ لغات التنافس شے مرغوب (نفیس) میں تغالب (ایک دوسرے پر غلبہ پانا) گویا دو میں سے ہر ایک کا ارادہ ہو کہ وُہ خالص اس کے لیے ہو دراصل یہ النفس سے ہے بوجہ نفس کے عزیز ہونے کے ۔

ف : امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دراصل یہ اس نفیس شے سے ہے جس پر لوگوں کے نفوس حرص کریں اور ہر ایک اسے اپنے لیے چاہے اور خود کو دوسرے پر ترجیح دے ۔

المفردات میں ہے کہ المنافسۃ بمعنی نفس کی کوشش کرنا افاضل سے تشابہ اور کسی کو ضرر نہ دے کر ان سے لاحق ہونا ۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تنافس کی علامت یہ ہے کہ شَے سے دل کا لٹک جانا اور دل کا اس کی طرف پہنچنے کا تصور اور اس کے ذکر سے دل کا متحرک ہونا اور لوگوں سے دُور ہونا اور تنہائی سے انس اور گزشتہ زمانہ کے ضیاع سے رونا اور اس کا ذکر سُن کر حلاوت (لذت) پانا اور کلامِ رحمٰن میں تدبر اور نعمتوں کے حصول کی خوشی و شکر اور مناجات کے درپے رہنا ۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ اور اس کی ملونی تسنیم سے ہوگی ۔ اس کا عطف **خِتٰمُهٗ**

پر ہے یہ رحیق کی دوسری صفت ہے ان کے درمیان جملہ معترضہ اس کی نفاست کا مقررہ ہے یعنی جو ملونی شراب خالص میں ہوگی وہ تسنیم کا پانی ہوگا اور یہ چشمے کا علم (نام) معیّن ہے جو جنۃ عدن کے نیچے جاری ہے اور اسے تسنیم اس لیے کہتے ہیں کہ مصدر کے نام سے موسوم ہے بمعنی بلند اس لیے کہ یہ جنّت کے تمام شرابوں سے بلند قدر ہے گویا یہ علو المکانۃ سے ہے یا اس لیے کہ یہ اہلِ جنۃ کو اُوپر آئے گا۔ اس معنیٰ پر یہ علو المکان سے ہے۔

ف : مروی ہے کہ ہوا میں تسنیم چلے گی تو ان کے برتنوں میں شراب خود بخود آجائے گا۔ جب برتن لبریز ہوجائیں گے تو خود بخود رُک جائے گا یہاں تک کہ اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے گا۔ اس طرح وہ اسے لینے کے لیے کہیں نہ جائیں گے۔

عَيْنًا منصوب علی المدح والاختصاص ہے بتقدیر اُعنی **يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ** اسے مقربینِ جنابِ الٰہی پئیں گے یعنی جنہیں معنوی رُوحانی قُرب نصیب ہوگا یعنی وُہ خالص پانی پئیں گے جو تمام اہلِ جنّت کو ملے گا۔ اس سے اصحاب الیمین مراد ہیں، اس معنیٰ پر باء زائدہ ہے یا بمعنی مِن ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اس تسنیم کی طرف اشارہ ہے کہ جنّت روحانیہ میں ہے یعنی معرفت و محبّتِ الٰہی اور وُہ لذّت جو ذاتِ کریم کے دیدار سے نصیب ہوگی۔ الرحیق وُہ رونق و تازگی جو دیدارِ الٰہی کی زیارت سے تو کبھی اس کی مخلوقات کے نظاروں سے۔

ف : مقربین ابرار سے افضل ہیں یہ حضرات محبتِ غیر میں نہ تھے اسی لیے ان کا شراب بھی خالص ہوگا جن کی محبتِ الٰہی میں غیر کی محبّت کی ملاوٹ ہوگی ان کے شراب میں بھی ملونی ہوگی ؎

ما شراب عیش مے خواہیم بے دردیٔ غم
صاف نوشان دیگر و درد ے فروشان دیگرند

ترجمہ : ہم شراب خالص چاہتے ہیں جس میں غم کی ملاوٹ نہ ہو، صاف نوش اور ہیں ملاوٹ والا شراب فروش اور۔

کسی اور نے فرمایا : ؎

(۱) تسبیح زہی وصف جمال تو بست — وز ہر دو جہان درا وصال تو بست
(۲) اندر دل ہر کسے ذکر مقصودیست — مقصود دل زہی خیال تو بست

ترجمہ : (۱) تسبیح وعبادت خُوب لیکن مجھے تو تیرے جمال کا وصف کافی ہے

ہر دو جہان کی تمام نعمتوں سے میرے لیے تیرا وصال کافی ہے۔

(۲) ہر دل میں ہر ایک کا مقصود تیرا ذکر ہے لیکن میرا مقصود تو یہ ہے کہ میرے دل میں صرف تیرا ہی خیال ہو۔

ف: بحر الحقائق میں ہے کہ رحیق اس شراب خالص کی طرف اشارہ ہے جو خمار کونین کی کدورت سے مبرا ہو۔ اور مہر شدہ برتنوں سے قلوب اولیاء و اصفیاء مراد ہیں جن کی مُہر بُوئے محبت ہے ان برتنوں سے شراب نہیں پیتے سوائے سلوک الی اللہ کے طریق پر چلنے والے طالبین صادقین کے ؎

على نفسه فليبك من ضاع عمره

وليس له منها نصيب ولا سهم

ترجمہ: وہ اپنا ماتم کرے جس کی عمر ضائع ہو گئی جسے اس سے نہ کچھ ملا نہ اس کا حصہ مقرر ہوا۔

تسنیم وہ اعلیٰ مراتب ہیں محبت ذاتیہ کے جن میں صفات و افعال تک کی ملونی نہ ہو، اور مقربین سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ حضرات مراد ہیں جن کے متعلق کسی عارف باللہ نے کہا کہ وہ شراب محبت خالص سے سرشار ہیں جس میں کسی دوسری شے کی ملونی نہیں ؎

عليك بها صرفا فان شئت مزجها

فعدلك عن ظلم الحبيب هو الظلم

شرح البیت مع ترجمہ العدل بمعنی عدول الظلم بالفتح، دانتوں کا پانی اور ان کی چمک، و بالضم بمعنی جور۔ اب ترجمہ یوں ہوا کہ اگر تم محبت سے کچھ ملانا چاہتے ہو تو محبوب کے منہ کا پانی اور اس کی چمک ملاؤ۔ اگر تم خالص محبت حاصل نہیں کر سکے تو محبوب کے منہ کے صاف پانی کو ملا کر پینے سے منہ نہ پھیرو۔

ف: جب تک بساط قرب پر مجلس انس اور ریاض قدس میں ساقی رضا کے ہاتھ اس خالص شراب کا گھونٹ نہ پیئے گا ان سخنوں کے اسرار کی خوشبو اس کی جان کے دماغ تک نہ پہنچے گی ؎

سرمایۂ ذوق دو جہان مستی عشقست

آنہا کہ ازیں مے نچشیدند چہ دانند

ترجمہ: دونوں جہانوں میں ذوق کا سرمایہ عشق کی مستی ہے۔ جنہوں نے چکھی ہی نہیں وہ کیا جانیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا (بیشک وہ جو مجرم ہیں) جُرم و ذنب والے۔

ف : کفر اور اہلِ ایمان کی ایذاء سے بڑھ کر کون سا گناہ ہے کہ انہیں صرف ایمان لانے پر اذیت و تکلیف پہنچائی جاتی ہے، اس سے قریش کے رؤسا مراد ہیں اور ان کے بڑے مجرم مشرکین جیسے ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور ان جیسے دیگر کَانُوْا تھے وہ دنیا میں مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمان والوں سے یعنی سچے ایمان والوں سے یَضْحَکُوْنَ ہنسی مذاق کرتے ان کے فقراء کے ساتھ، جیسے عمار و صہیب و بلال و خبیب وغیرہم (رضی اللہ عنہم) جار مجرور کی تقدیم فواصل کی رعایت کے لیے ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا اور جب فقراء مومنین گزرتے ہیں بِهِمْ مشرکین کے قریب سے، اور وہ اپنی مجلسوں میں ہوتے ہیں۔ یہی زیادہ ظاہر ہے اگرچہ اس کا برعکس بھی جائز ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے مرّ، مرًّا، مروراً بمعنی گزرا، گیا۔ جیسے استمر و مرہ و بہ بمعنی اس پر گزرا۔ (القاموس)

تاج المصادر میں ہے المر بمعنی کسی کے پاس سے گزرنا۔

ف : یہ باء اور علیٰ دونوں سے متعدی ہوتا ہے۔

یَتَغَامَزُوْنَ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے، ان کے عیوب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے کہ ان کو دیکھو کہ خود کو دکھ میں ڈالتے اور لذات کا ترک کرتے اور مشقّات اٹھاتے ہیں اس امید پر کہ آخرت میں انہیں بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا حالانکہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں اور نہ کوئی سزا و جزا، کیونکہ اس کا کوئی یقین نہیں اور یہ بالکل بعید از عقل ہے۔

حلِ لغات التغامز تفاعل از غمز بمعنی آنکھوں کی پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا، مراد اس سے یہ ہے کہ کسی کو عیب دار ظاہر کرنا۔

تاج (المصادر) میں ہے التغامز بمعنی کسی کو آنکھ سے اشارہ کرنا۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ اور جب وہ اپنی مجالس سے اپنے گھروں اور ان ساتھیوں کے پاس لوٹتے ہیں جو ان جیسے جاہل گمراہ اور ان کے تابع ہیں۔ انقلاب بمعنی انصراف، تحول، رجوع (لوٹنا) انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ لوٹتے ہیں درانحالیکہ وہ ان کی برائی اور مذاق سے لذت حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ وہ صرف آنکھوں کے اشارے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ گھروں اور دوستوں میں ان کے عیوب و نقائص بیان کر کے لذت محسوس کرتے۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ اور جب وہ مجرمین کو دیکھتے جہاں بھی ہوتے قَالُوْٓا کہتے اہلِ ایمان کی طرف تحقیر کے طور اشارہ کرتے ہوئے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ بے شک یہ گمراہ ہیں، اہلِ اسلام میں سے جسے دیکھتے تو انہیں گمراہی کی طرف منسوب کرتے بطریق تاکید کے۔ اور کہتے کہ انہوں نے اپنے آباء کا دین قدیم چھوڑا اور جدید دین میں داخل ہوئے اور کہتے ہیں کہ حاضر نعمتوں کو چھوڑا، طلب ثواب کے سبب سے ان کو خبر نہیں کہ وہ ہوگا یا نہیں۔

صوفیہ پر طنز کرنے والے نجدی وہابی مذکورہ بالا طریقہ کی طرح بعض غافل (جاہل) علماء (نام کے) ان فقراء پر طنز کرتے ہیں جو سالکین ہیں کہ وہ گمراہ ہیں اور مجنون ہیں بالخصوص جب اہلِ سلوک کسی مدرسہ (خانقاہ) سے تعلق رکھتا ہو اسے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ گمراہ سمجھتے ہیں ؎

منعم کنی ز عشق وے اے زاہد زمان
معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

ترجمہ: افسوس اے زاہدِ زمان تجھ پر کہ تُو مجھے عشق سے منع کرتا ہے میں تجھے معذور سمجھتا ہوں کہ تُو نے اُسے دیکھا نہیں۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ (اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے) مجرمین مسلمین پر، جملہ قالوا سے حال ہے، معنیٰ یہ ہے وہ جو انہوں نے کہا در انحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے مؤکل بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ وہ ان کے امور کی نگرانی اور ان کے اعمال کی محافظت کریں اور گواہی دیں ان کے رشد و گمراہی کی، بلکہ وہ تو مامور ہیں کہ وہ خود اپنے نفوس کی اصلاح کریں انہیں دوسروں کے احوال کے پیچھے لگنے کا کیا فائدہ، ان پر تہکم اور خبر دیناہے کہ جن باتوں کی انہوں نے جرأت کی یہ تو وہ کہہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول مجرمین کے منجملہ اقوال سے ایک ہے گویا انہوں نے کہا کہ یہ مسلمان گمراہ ہیں اور وہ ہم پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ یہ انکار ہے اس سے جو اہلِ اسلام انہیں شرک سے روکتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے یہ ان سے بطور معنی نقل کیا گیا ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (تو آج ایمان والے) معہود فقراء مِنَ الْكُفَّارِ (کافروں سے) يَضْحَكُوْنَ (ہنستے ہیں) جب معہودین ہی زیادہ ظاہر ہے کہ اگرچہ دونوں جانبوں سے تعمیم ممکن ہے۔ جب انہیں ذلیل اور زنجیروں سے جکڑے ہوئے دیکھتے ہیں اور ان پر گوناگوں ذلت و خواری چھائی ہوئی ہے بعد اس کے کہ وہ عزت و کبر میں تھے اور ان پر طرح طرح کے عذاب چڑھ دوڑے ہیں بعد اس کے کہ وہ

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ امید ہے کہ فا رشرط مقدر کا جواب ہے گویا کہا گیا ہے کہ جب تم نے جان لیا وہ جو مذکور ہوا تو یقین کرو کہ آج قیامت کے دن، اس معنی پر لام عہد کی ہے اور الذین مبتدار، اور من الکفار یضحکون کے متعلق ہے یہاں یہ وہم نہ ہو کہ یہ موصول کا بیان ہے ظاہری اتصال کو دیکھ کر، کیونکہ یہ وہم بغیر تفکر فی المعنی سے ہوگا اور یضحکون مبتدار کی خبر ہے اور یہی الیوم کا ناصب ہے۔ اس طرح سے معنی صحیح ہے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ (تختوں پر بیٹھے) موتیوں اور یاقوت سے آراستہ و پیراستہ تخت۔ **یَنْظُرُوْنَ** (دیکھتے ہیں) یعنی کافروں پر ہنستے ہیں درانحالیکہ وہ انہیں اور ان کے بُرے حال کو دیکھتے ہیں یہ یضحکون سے حال ہے **هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ** (کیوں کچھ بدلہ ملا کافروں کو اپنے کیے کا) اللہ تعالیٰ کی طرف یہ کلام مستانفہ ہے یا ملائکہ سے یہ استفہام تقریر کا ہے۔ ثُوِّبَ ماضی بمعنی یثوب مضارع ہے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے تحقق کی وجہ سے ہے۔

حلِ لغات

تثویب اور اثابۃ بمعنی بدلہ دینا، بُرائی کے بدلہ دینے پر استعمال ہوتا ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اثابۃ محبوب بدلہ میں مستعمل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فاثابھم اللہ بما قالوا جنّات تجری۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کا بدلہ جنات دے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

بعض نے کہا مکروہ کے بدلہ میں بھی مستعمل ہے جیسے فرمایا :

فاثابکم غما بغم (تو انہیں غم کا بدلہ غم دیا) یہ بطور استعارہ ہے۔

قاعدہ

قرآن کریم میں جہاں بھی تثوب آیا ہے بُرائی کے بدلہ میں آیا ہے جیسے ھل ثوب الخ اور تاج المصادر میں ہے : التثویب بمعنی سزا دینا۔ تہذیب المصادر میں تثویب بمعنی ثواب دینا۔ القاموس میں ہے : التثویب بمعنی بدلہ دینا۔ یہ تاج المصادر کے موافق ہے۔ اس سے وہ بدلہ مراد ہے جو اہلِ ایمان سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ آیت میں صراحت ہے کہ وہ آخرت میں ہوگا اور یہ کافروں کے اس ٹھٹھے کا بدلہ ہے جو وہ دنیا میں مسلمانوں سے کرتے تھے۔

(چنانچہ صدر الافاضل مولانا مراد آبادی قدس سرہٗ لکھتے ہیں : منقول ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں تشریف لے جا رہے تھے منافقین نے انھیں دیکھ کر آنکھوں سے اشارے کئے اور مسخرگی سے ہنسے اور آپس میں ان حضرات کے حق میں بیہودہ کلمات کہے تو اس سے پہلے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچیں وہ آیتیں نازل ہوئیں جو اوپر مذکور ہوئیں ــــــ

خزائن العرفان - اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

ف: اس میں اہلِ ایمان کو تسلی ہے کہ حال اُلٹ ہوگا کہ آخرت میں کافروں پر مسلمان ہنسیں گے کہ ان کی عظمت ہے کیونکہ اعداد کی اہانت سے اولیاء کی تعظیم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کے لیے ان کے اعداء سے بدلہ لیتا رہتا ہے[1] جیسے شیر اپنے بچے کے لیے (بلاتمثیل) ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ضحک اور استہزاء اور مسخری کرنا اور عیب کے اظہار کے لیے آنکھوں سے اشارہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور ان میں انہماک و مشغولی مجرمین کا کام ہے یا ان کا جو مشرکین سے ملحق ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ اللہ مددگار کی مدد سے سورۃ المطففین کی تفسیر سے ۲۶ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ المطففین کی تفسیر کے ترجمہ سے بفضلہٖ تعالیٰ و بوسیلہ حبیبہٖ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۸ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۱۴ فروری ۱۹۸۹ء شب بدھ فراغت پائی، فللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

---

[1] جیسے غلام اللہ خان (راولپنڈی) سے بدلہ لیا کیونکہ وہ اولیاء کرام کی کھلم کھلا گستاخیاں کیا کرتا تھا، موت بھی آئی تو ذلت کی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب "گستاخوں کا بُرا انجام"۔ اویسی غفرلہٗ

سُورۃُ الانشقاق

اٰیاتھا ۲۵ (۸۴) سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ (۸۳) رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ○ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○
وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ○ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ
كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ○ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ○ فَسَوْفَ
يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ○ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ
كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ○ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ○ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ○ اِنَّهٗ
كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ○ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ○ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ
بِهٖ بَصِيْرًا ○ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ○ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ○ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ○
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ○ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ
لَا يَسْجُدُوْنَ ○ ۩ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ○ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ○
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ
غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سُنے اور اسے سزاوار ہی یہ ہے اور جب زمین دراز
کی جائے اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے اور خالی ہو جائے اور اپنے رب کا حکم سُنے اور اسے
سزاوار ہی یہ ہے اے آدمی بیشک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے پھر اس سے ملنا

تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے اس سے عنقریب سہل حساب لیا جائے گا اور اپنے گھر والوں کی طرف شاد شاد پلٹے گا اور وہ جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے وہ عنقریب موت مانگے گا اور بھڑکتی آگ میں جائے گا بیشک وہ اپنے گھر میں خوش تھا وہ سمجھا کہ اسے پھرنا نہیں ہاں کیوں نہیں بیشک اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے تو مجھے قسم ہے شام کے اُجالے کی اور رات کی اور جو چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں اور چاند کی جب پورا ہو ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے تو کیا ہوا انہیں ایمان نہیں لاتے اور جب قرآن پڑھا جائے سجدہ نہیں کرتے بلکہ کافر جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہیں تو تم انہیں دردناک عذاب کی بشارت دو مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لیے وہ ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

سورۃ الانشقاق مکیہ ہے اس کی پچیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (جب آسمان شق ہو) اس کا اعراب اذا السماء انفطرت کی طرح ہے یعنی آسمان شق ہوگا سفید بادل سے جو اس سے نکلے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم تشقق السماء بالغمام۔ جس دن آسمان شق ہوگا بادل سے۔

باء آلہ کی ہے جیسے کہتے ہو: انشقت الارض بالنبات (زمین شق ہوئی انگوری سے)

ف: اس بادل میں ملائکہ کرام ہوں گے اُتریں گے تو ان کے ہاتھوں میں نامہائے اعمال ہوں گے یا وہ عذاب کے فرشتے ہوں گے اور یہ سخت اور ڈروالا وقت ہوگا کہ جہاں سے خیر اترتی تھی اس روز وہاں سے عذاب اتر رہا ہوگا تو آسمان کا شق ہونا اوامر الٰہی سے ملائکہ کے نزول سے ہوگا۔ بعض نے فرمایا آسمان کے گرنے اور ٹوٹنے سے شق ہوگا۔ بعض نے کہا: قیامت کے ہول سے، اور وہ کیوں نہ ٹوٹے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قہر میں ہے اس کے لیے یہ تورائی کے دانے سے بھی کم قدر ہے۔

تطبیق الاقوال

مذکورہ اقوال مختلفۃ الالفاظ ہیں ان کی تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے آسمان پھٹے گا پھر اس سے ملائکہ کا نزول ہوگا پھر ویرانی، اور اس کا فساد و اختلال ہوجائے گا۔

ف : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، آسمان کا پھٹنا مجرہ سے ہوگا ۔ مجرہ (بفتح المیم) آسمان کا دروازہ ۔ آسمان کے درمیان سفید مستطیل ہے اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ اس میں مجر کا اثر ہے یعنی حاجیان دکہکشاں کا راستہ ، اس جگہ سے آسمان شق ہوگا تو گویا وُہ جوڑ لگی ہُوئی اور ایک دوسرے کے ملنے کی جگہ ہے تو وہاں پھٹ جائے گا ۔

اَذِنَتْ لِرَبِّهَا (اور اپنے رب کا حکم سُنے) اور فرمانبرداری کرے اور اس کی قدرت کی تاثیر کا یقین کرے جب اس کے شق ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت کے تعلق کے وقت ماموروُ مطاع کی طرح فرمانبرداری کرے جیسے ماموروُ مطواع (فرمانبردار) کی طرح آمروُ مطاع کی فرماں برداری کرتا ہے ۔

ف : یہ استعارہ تمثیلیہ ہے مجاز مرسل پر متفرع ہے کیونکہ جب اذن (سننا) کا اطلاق اس کے لیے کیا گیا جس میں حاسّہ سمع و استماع ہو تو اس سے اجابت و انقیاد (فرمانبرداری) کا معنی مجازاً ہوگا اور جب اذن یعنی استماع آسمان جیسے کے لیے جبکہ اس کی شان استماع و قبول نہیں یہ استعارہ تمثیلیہ ہوگا ۔

ف : اللہ تعالیٰ کا قول اتینا طائعین (ہم خود بخود آئے) قدرت ایجاد و ابداع میں نفوذ قدرت بغیر ممانعت کے دلالت کرتا ہے ، ایسے ہی و اذنت لربہا تفریق و اعدام میں نفوذ قدرت بغیر کسی ممانعت کے دلالت کرتا ہے ۔

ف : رب کی اضافت ارض کی طرف بے عنوان سے علت حکم سے آگاہ کرنا ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ

زمین کا یہ انقیاد ارباب الحقائق کے نزدیک اس عقیدہ پر محمول ہے کہ زمین میں باقی حیوانات کی طرح حیاۃ و ادراک ہے اس لیے کہ صوفیہ کرام اور اہلسنت کا مذہب ہے کہ

ما من شئ الا ولہ نصیب من تجلی الاسم الحیّ ۔ (ص ۳۷۵)	کوئی ایسی شے نہیں جس میں اسم حیّ (تعالیٰ) کی تجلّی نہ ہو ۔

اور اس کا بارہا گزر ہو چکا ۔

(فلاسفہ اور عقل کے بندے تو پہلے سے اس عقیدہ کے منکر ہیں ، اب ہمارے دَور میں وہابی دیوبندی مرزائی وغیرہ بھی عمداً یا لاشعوری سے منکر ہیں ۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

وَحُقَّتْ (اور اسے لائق بھی یہی ہے)

تفسیر عالمانہ

حلِ لغات : یہ ان کے قول ھو محقوق بکذا و حقیق بہ سے وہ اس کے لائق ہے یعنی وہ اس لائق بنائی گئی ہے کہ وُہ سُنے کیونکہ وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی مربوبہ و مصنوعہ ہے یعنی اس کی شان ہے بہ نسبت قدرت قاہرہ ربانیہ کے کہ وہ ہر وہ امر پُورا کرے جو اس کے مقدور میں ہے اور خلاف

نہ کرے کسی امر میں بھی۔

ف : جملہ کا حق یہ ہے کہ یہ معترضہ ماقبل کی تقریر کرنے نہ کہ معطوفہ کی۔

وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ (اور جب زمین دراز کی جائے) اس کے جبال اور ٹیلے زائل کرنے اپنی جگہوں سے اور اسے برابر کرنے سے یہاں تک کہ صاف ستھرے صحیفے کی طرح ہو جائے، یا یہ کہ اس کے اجزا کے ننانوے اجزار بنائے جائیں تاکہ تمام مخلوق حساب کے لیے ٹھہر سکے ورنہ اس تھوڑی سی زمین پر وہ سب کے سب سما نہ سکیں گے۔

حل لغات : مدہ بمعنی امدہ یعنی زادہ (اسے بڑھایا)

حدیث شریف میں ہے:

اذا کان یوم القیامۃ	جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ
مد اللّٰہ الارض مد الادیم	زمین کو ادھوڑی کی طرح پھیلائے گا
حتی لا یکون لبشر من الناس	یہاں تک کہ وہاں کسی فرد بشر کو سوائے
الا موضع قدمیہ۔	دو قدم رکھنے سے زیادہ جگہ نہ ملے گی (بوجہ مخلوق کی کثرت کے)

شرحِ حدیث جب ادھوڑی کو بڑھانے کے لیے کھینچا جائے تو کہتے ہیں مد الادیم (اس نے ادھوڑی کو بڑھانے کے لیے کھینچا اور برابر کیا۔ بعض روایات میں ہے مد الادیم العکاظی۔ قاموس میں ہے کہ عکاظ بروزن غراب ایک بازار ہے جنگل میں نخلہ وطائف کے درمیان۔ عرب کی عادت تھی کہ ذیقعد کی پہلی سے بیس تک قبائل جمع ہو کر ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کرتے تھے اور اشعار پڑھتے تھے، اسی سے ہے الادیم العکاظی۔

وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا (اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے) پھینک اپنے پیٹ والے مُردے اور خزینے اپنے ظاہر پر، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

واخرجت الارض اثقالها۔ اور نکال دے گی زمین اپنے تمام بوجھ۔

ف : یہ اسناد مجازی ہے ورنہ پھینکنا اور نکالنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

سوال : خزائن کا نکلنا تو دجّال کے وقت ہوگا نہ کہ قیامت میں۔

جواب : کیونکہ قیامت کا وقت وسیع ہے اسی لیے اس کا اعتبار ابتداء سے ہے کہ خروج دجّال کے وقت کنوز کا نکالنا محمول پر مجاز ہے کیونکہ وہ اس کی بڑی علامات سے ہے اسی لیے مطلب یہ ہوگا

کہ قربِ قیامت میں اخراج الکنوز ہوگا اور بعث کے وقت اخراج الموتیٰ (مُردوں کا نکالنا)۔
وَتَخَلَّتْ (اور خالی ہو جائے) بالکل اس سے جو کچھ اس میں ہے یہاں تک کہ کوئی شے اس کے اندر نہ رہے گویا وہ بہ تکلف اپنی اندرونی اشیاء کو باہر کرے گی۔ جیسے تکوّم الکریم اور ترحم الرحیم۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا کرم اور رحمت انتہا کو پہنچے اور اپنی طبع پر زور دے کر اس سے بڑھ کر کرم اور رحمت کرے۔
وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا اور القاء وتخلی میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے وَحُقَّتْ اور یہ اسے لائق ہے اور اس کی حقیقت ہے، یعنی اس کی شان ہے بہ نسبت قدرت ربانیہ کے۔

سوال: اسے دوبارہ کیوں لائے؟

جواب: پہلا آسمان کے لئے ہے اور یہ زمین کے لیے ہے۔ جب یہ دونوں اپنے متعلق کے متصل ہیں تو تکرار کیسا!

ف: اذا کا جواب محذوف ہے یعنی اذا وقعت ھذہ الامور الخ جب یہ امور واقع ہوں گے تو ایسے ہولناک مناظر سامنے ہوں گے جن کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اذا کا جواب یہ ہے کہ انسان اپنا عذاب وثواب دیکھے گا۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) اس میں اشارہ ہے سماء روح حیوانیہ کے انشقاق کی طرف رُوح انسانی سے علحدگی اور زوال کی طرف اور ارض بدن کے بسط کی طرف نزع روح سے اور اس کے القاء ما فیہا یعنی روح وقویٰ کو اور اس کے خالی ہونے کا کل ما فیہا یعنی آثار و اعراض بالحیوٰۃ والمزاج والترکیب والشکل اور اس کے ساتھ رُوح سے خالی ہونے کی طرف۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے انشقاق سماء روح کا از ظلمۃ غیم نفس امارہ اور اس کے القیاد فیض ربانی کے لیے ساتھ تیاری استعداد اس کے کہ اس میں تصرف کرے بغیر منع وانکار کے اور اشارہ ہے ارض نفوس کی طرف جو اپنے ارباب کے لیے بسط اور احکام بشریہ سے خالی ہے۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ (اے انسان) جنس انسان جو مؤمن اور کافر اور عاصی کو شامل ہے اور خطاب علی سبیل البدل ہر مکلف کو عام ہے اور کہتے ہیں یہ عموم سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ نداء میں نص کے قائم مقام ہے گویا ہر شخص کو علحدہ علحدہ خطاب ہے۔ گویا کہا گیا ہے یا فلاں یا فلاں وغیرہ وغیرہ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا (تجھے اپنے رب تعالیٰ کی طرف ضرور ضرور دوڑنا ہے)۔

حلِ لغات: الکدح نفس کا عمل میں جد وجہد کرنا۔ الکد نفس کا ایسی جد وجہد کرنا کہ اس میں مؤثر ہو جائے

الجہد (بالفتح) بمعنی مشقت اور تکلیف کرنا۔ الکد، عمل اور طلبِ کسب میں سخت کوشش کرنا' از کدح جلدہ۔

اب معنی یہ ہُوا کہ اے انسان! تُو اپنے رب کے ملنے کے لیے جدوجہد اور مشقت اور سعی کرنے والا ہے یعنی اس کے ملنے کے وقت کی طرف یعنی موت اور اس کے مابعد کے احوال کی طرف جنہیں ملاقات سے تمثیل دی گئی، گویا وہ اس کے لیے خُوب کوشش کر رہا ہے۔

حدیث شریف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم اعمال کے لیے کیسے جدوجہد کریں حالانکہ قلم خشک ہوگیا اور تقدیریں لکھی جا چکیں۔ آپ نے فرمایا:

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ۔ — عمل کرو ہر بندے کو اس کی آسانی دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔

فَمُلٰقِیْہِ پھر اس سے ملنا ہے اعمالِ خیر و شر کی جزا کے لیے، اس کے بعد لامحالہ اس سے کوئی گریز نہیں، نہ ہی بھاگنے کی راہ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے اپنے رب تعالیٰ کے لیے عمل کر لے، جو تیرا عمل ہوگا وہ تجھے ضرور ملے گا یعنی دنیا میں جن اعمال کی سعی کی جا رہی ہے وُہ دراصل آخرت میں جزاء کی صورت میں ملیں گے اگر جدوجہد اور سعی نیک ہے تو نیک جزاء ملے گی ورنہ بُری۔

سبق اے عزیز! دُنیا میں اس کام کی سعی کر جو تجھے آخرت میں نجات دے، اور اس سے دُور بھاگ جو تجھے ہلاکت و تباہی اور خجالت و رُسوائی میں ڈالے اور تیرا معاملہ خراب ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

النادم ینتظر الرحمۃ	نادم کو رحمت کا انتظار کرنا چاہیے، اور
والمعجب ینتظر المقت وکل عامل	مُعجب (عُجب والے) کو عذاب کا، اور
سیقدم الی ما اسلف۔	ہر عامل کو اپنے اسلاف کی پیروی کرنی چاہیے۔

ف: حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر انسان اپنی موت کے لیے سعی کر رہا ہے یعنی سانسوں کے ساتھ چل رہا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے کہ تیرے سانس تیرے قدم ہیں ان کے اختتام پر موت سے ملاقات ہوگی۔

ف: فملقیہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے رب کی صورت میں پیدا ہُوا ہے، اس کی جدوجہد اسماء الٰہیہ وصفاتِ لاہوتیہ میں تحقق ہونے پر جدوجہد کے مطابق اپنی استعداد پر اس کی ملاقات کرے گا۔

تفسیر عالمانہ فَاَمَّا مَنْ (تو وہ جو) (مؤمن سعید) من موصولہ، یہ تفصیل اس کی ہے جو پہلے اجمال تھا اُوْتِیَ (دیا جائے گا) ماضی بمعنی مضارع ہے بوجہ تحقق کے ماضی لائی گئی۔

کِتٰبَهٗ اپنا نامۂ اعمال جس میں وہ اعمال لکھے ہوں گے جن کے لیے اس نے دنیا میں جدوجہد کی بِیَمِیْنِهٖ (داہنے ہاتھ میں) اس لیے کہ جو اعمال صالحہ کرتا تھا اس کا کاتب دہنی جانب میں لکھتا تھا۔

نکتہ اعمال کے لکھنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ عبد مکلّف جب سمجھے گا کہ اس کے اعمال لکھے جا رہے ہیں اور یہ بھرے مجمع میں پیش ہوں گے تو یہ تصوّر اسے ارتکاب سے زجر و توبیخ کا سبب بنے گا، جب کسی کو اپنے سردار کے لطف وکرم پر بھروسا ہو اور اس کے عفو وستر پر اعتماد ہو تو اس پر اس کے خدام کی آگاہی اس کے اعمال پر کوئی رعب وہیبت نہ ڈالے گی۔

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ (تو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا) قیامت میں بعد مدت کے جتنا اس کی حکمت کے تقاضا سے مقدر ہے حِسَابًا یَّسِیْرًا (حساب آسان) جس میں نہ مناقشہ نہ ایسا اعتراض جو اسے برا لگے یا اس سے مشقت اٹھائے جیسے اصحاب شمال سے سخت حساب ہوگا۔

حلِ لغات حساب بمعنی محاسبہ یعنی کسی کی گنتی کرنا۔ اس سے بندے کے اعمال کی گنتی اور ان کا اظہار جزاء و سزا کے لیے۔

تفسیر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آسان حساب یہ ہے کہ بندے کے گناہ کا اس سے اعتراف کرا کر اسے معاف کر دینا یعنی اس کے اعمال اس کے سامنے پیش کئے جائیں جنہیں وہ جانے کہ نیکیاں یہ ہیں اور برائیاں یہ پھر نیکیوں کا ثواب عطا کیا جائے اور گناہوں سے درگزر۔

یہ حساب اس معنیٰ پر آسان ہے کہ حساب سے اس پر نہ شدّت ہو نہ مناقشہ یہاں تک کہ یہ بھی نہ کہا جائے کہ یہ تُو نے کیوں کیا اور اس سے عذر کا مطالبہ کیا جائے یا اس سے اس کی جہت طلب کی جائے کیونکہ عذر کا مطالبہ ہو تو کوئی عذر پیش نہ کرے گا تو شرمسار ہوگا (اسی لیے سرے سے اس سے عذر داری کا موقعہ ہی نہ دیا جائیگا

ف

برادر زکار بدان شرم دار — کہ در روے نیکان شوی شرمسار

بجائے کہ دہشت خورد انبیاء — تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: اے بھائی! برے کاموں سے شرم کر، کہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری ہوگی جہاں انبیاء علیہم السلام دہشت میں ہوں گے تو جو بھی عذر گناہ رکھتا ہے آج کرلے (توبہ کرلے)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف عرض الجیش أعني عرض الاعمال لانھا نزی اھل الموقف واللہ الملك فیعرفون بسیماھم کما یعرف الاجنا دھنا ۔

عرض الجیش یعنی اعمال کا لشکر پیش ہوگا اس لیے کہ اعمال اہلِ مواقف کی ایک ہیئت ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے، تو انہیں ایسے پہچانا جائے گا جیسے لشکر پہچانے جاتے ہیں اپنی صورت وہیئت سے ۔

ف : کہا گیا ہے اس قسم میں عاصی مؤمن داخل ہیں ۔ یحاسب حسابا یسیرا وصف الکل بوصف الجزء کے قبیل سے ہے اگرچہ عاصیوں کا حساب مطیعین کی طرح آسان نہ ہوگا لیکن کا لعرض ہوگا (جس کا ذکر پہلے ہوا) مناقشہ نہ ہوگا جیسے اصحاب اشمال سے مناقشہ ہوگا لیکن اس قسم میں کل مومن مطیعین بھی شامل ہیں ۔

ف : بعض نے کہا کہ عاصی مومن کو نامۂ اعمال دوزخ سے نکلنے کے بعد دیا جائے گا۔ بعض نے کہا انہیں نامہ ہائے اعمال بائیں جانب سے دے جائیں گے لیکن پیچھے سے نہیں لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ بائیں جانب اور پیٹھ کے پیچھے سے دے جانے کا ایک ہی مطلب ہے ۔ بعض نے کہا کہ آیت میں اس عاصی مومن کا ذکر نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دوزخ میں ضرور داخل کرے گا سزا کے بعد نکالا جائے گا ۔ یہی قول ظاہر ہے ۔

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعا میں کہتے :

دعائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللھم حاسبنی حسابا یسیرا (اے اللہ ! میرا حساب آسان فرما)

ازالۂ وہم اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بھی نامۂ اعمال ہوں گے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اُمت کی رہبری اور تعلیم کے لیے ہوگا ورنہ وہ تو معصوم ہیں اور بہشت میں بلا حساب و کتاب داخل ہوں گے [1]

وَّيَنْقَلِبُ اور پلٹے گا حساب یسیر کے مقام سے **إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ** اپنے گھر والوں اہلِ ایمان کی طرف یا

---

[1] یہی قاعدہ ہر قول وعمل میں جاری سمجھیں اس سے بے شمار مسائل حل ہوجائیں گے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وفعل من حیث الارشاد والتعلیم ہوتا ہے جسے وہابیہ دیوبندیہ من حیث البشریۃ سمجھ کر آپ پر طرح طرح کے الزامات واتہامات تراشتے ہیں کبھی لاعلمی کبھی عدم اختیار، کبھی کچھ ۔ سچ ہے الوھابیۃ قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ

اہلِ ایمان کے گروہ جو اس کے طریق سعادۃ وکرامت کے رفقاء ہوں گے مَسْرُوْرًا (شاد شاد) اپنے حال پر فرحاں وشاداں کردہ اہلِ نجات سے ہے درانحالیکہ وہ کہے گا ، ھَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (لو یہ میری کتاب پڑھو) ۔

ف : یہ پلٹنا دخولِ جنت سے پہلے میدانِ حشر میں ہوگا نہ کہ جیسے عین المعانی میں لکھا کہ یہ دلیل ہے کہ اس کے تمام اہل (گھروالے) بہشت اس سے پہلے بہشت میں ہوں گے تو یہ ان کے پاس پلٹے گا ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ اس کی کتاب استعداد فطری کی طرف جو دیوان ازل میں لکھی ہوئی ہے اسمائے جمالیہ کے کاتبین کے قلم سے کہ جو یہی کتاب دیا گیا اس کے ساتھ اسمائے جلالیہ مناقشہ نہ کریں گے اور وہ پلٹے گا اپنے اہل کے ہاں مسرور ہوکر فیض تجلی جمال اور لطف کے ساتھ ۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ (اور جس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا)

سوال : کتاب کا تکرار کیوں اس میں ضمیر پر اکتفا کیا جا سکتا تھا ۔

جواب : دونوں کتابوں کے اختلاف اور اشتمال کی تفاسیر کی وجہ سے (کہ وہ اہل سعادت کی کتاب یا اہل شقاوت کی) اور مآل کے حکم میں بھی دونوں کتابیں ایک دوسری کے مخالف ہیں ۔

بہرحال نامۂ اعمال دیا جائے گا وَرَآءَ ظَهْرِهٖ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ، اس کی جانب سے ، یہ اوتی کا ظرف ہے جو ظرف مکان میں مستعمل ہے ۔

ف : کلبی نے کہا کہ اس کا دایاں ہاتھ باندھ کر بایاں اُلٹا کر کے پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا سورۃ الحاقہ اور مضمون میں منافات نہیں کہ وہاں پیٹھ کا ذکر نہیں صرف شمال (بائیں ہاتھ کا) ذکر ہے ۔ حضرت امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ بعض کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں بعض پیٹھ کے پیچھے دئے جائیں گے ۔

ف : تفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ الباری میں ہے کہ بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال منافقین کو دیا جائیگا اس لیے کہ کافر کے لیے تو کوئی نامۂ اعمال نہیں کیونکہ صرف کفر ہی اس کے مواخذہ کے لیے کافی ہے اور وہ فروع کے مکلفین بھی نہیں ہیں اور جنہیں پیٹھ کے پیچھے نامۂ اعمال دیا جائے گا وہ لوگ جنہوں نے کتاب اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا تھا اور اس کے عوض ثمن قلیل حاصل کیا جب قیامت کا دن ہوگا یہ اسے حکم ہو گا کہ تو اپنا نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے لے یعنی ان جگہوں سے جہاں تو نے زندگی (دنیا) میں کتاب اللہ کو پھینکا تھا یعنی وہ کتابِ الٰہی جو آسمان سے نازل ہوئی تھی نہ کہ نامۂ اعمال ، اس لیے کہ اس نے جب کتاب اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا تھا تو اس کا گمان تھا کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے ۔

مسئلہ: حضرت ابواللیث رحمہ اللہ نے البستان میں لکھا کہ کفار کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا ان پر نگران فرشتے (کراماً کاتبین) مقرر ہیں یا نہیں۔ بعض نے کہا نہیں ہیں اس لیے کہ ان کا امر (کفر) ظاہر ہے اور وہی ان کا ایک عمل سزا کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یعرف المجرمون بسیماھم۔ (مجرمین اپنی نشانی سے پہچانے جائیں گے)

تردید قول مذکور ہم اس قول کے قائل نہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ کفار کے لیے بھی نگران فرشتے (کراماً کاتبین) کے لیے بھی آیت کا نزول ہے۔ کیا اس کے قول کو نہیں دیکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بل تکذبون بالدین و ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون۔	بلکہ تم جزا کی تکذیب کرتے ہو اور تم پر نگران فرشتے کراماً کاتبین ہیں جانتے ہو جو تم عمل کرتے ہو۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

واما من اوتی کتابہ بشمالہ۔	اور وہ جو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

اور فرمایا:

واما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ۔	اور وہ جو نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے دیا جائیگا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار کے لیے نامہ ہائے اعمال اور نگران فرشتے (کراماً کاتبین) ہیں۔

سوال: کفار کی کوئی نیکی تو ہوتی نہیں پھر داہنا فرشتہ کیا لکھتا ہوگا؟

جواب: جو بائیں طرف فرشتہ لکھتا ہے وہ دائیں طرف والے سے اجازت لے کر لکھتا ہے اس معنی پر یہ گواہ ہے اگرچہ کچھ نہ بھی لکھے۔

فَسَوْفَ يَدْعُوْا (وہ عنقریب مانگے گا) بعد مدت مدید کے عذاب شدید سے جس کی برداشت نہ کرتے ہوئے طلب کرے گا ثُبُوْرًا (موت) اپنے لیے موت کی تمنا کرے گا یعنی ہلاکت و تباہی کی، اور کہے گا یا ثبوراہ تعال (ہائے موت آجا) فھذا اوانک (یہ تیرا آنے کا وقت ہے) لیکن اس وقت موت کہاں، یعنی جب اسے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال نہ ملے گا تو یقین کرے گا کہ وہ دوزخی ہے تو اس کی گفتار یہی ہوگی واثبوراہ۔

حلِ لغات الفراء نے کہا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں، فلان یدعو لهفه فلاں افسوس پکارتا ہے یعنی کہتا ہے والهفاه ہائے افسوس! بعض نے کہا الثبور مشتق ہے المثابرہ علی الشئ یعنی شے پر مداومت کرنا۔ اور آخرت کی ثبور کو اس لیے ثبور کہا گیا کہ وہ کافر کو لازم ہو گی اس سے کبھی زائل نہ ہو گی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لاتدعوا الیوم ثبورا واحدا وادعوا ثبورا کثیرا۔	آج ایک ہلاکت نہیں بلکہ بیشمار ہلاکتیں مانگو۔

حکایت کشف الاسرار میں ہے کہ پیر بُوعلی سیاہ بازار سے گزر رہے تھے کہ سائل کہہ رہا تھا بڑے دن کے صدقے مجھے کچھ دو۔ پیر بوعلی سیاہ سنتے ہی بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پُوچھا گیا کہ اس وقت بیہوشی کیوں؟ فرمایا: اس دن (قیامت) کی عظمت وہیبت سے کہ اس سے بڑھ کر بڑا دن اور کون ہے[1]۔ پھر فرمایا:

واحزناه علی قلة الحزن واحسرتاه علی قلة التحسر۔	افسوس قلتِ حزن پر افسوس قلتِ حسرت پر۔

یعنی جسے اس دن کا حزن اور حسرت نہیں اس پر افسوس صد افسوس۔

وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا (اور بھڑکتی آگ میں جائیگا) اس میں داخل ہو کر اس کی گرمی میں جلے گا اس پر عذاب ہوگا بغیر کسی حائل کے اس کے جسم کو جہنم کی آگ جلائے گی۔

ف: اس میں دلیل ہے کہ ان کا ثبور (ہلاکت) کا پکارنا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اس کی امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ) نے تصریح فرمائی ہے۔

سوال: قرآن مجید میں ہے:

فاذا القوا منها مكانا ضيقا دعوا هنالك ثبورا۔	جب جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ثبور (ہلاکت) پکارینگے۔

---

[1] بزرگوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں ایک دفعہ ہمارے شیخ خواجہ محکم الدین سیرانی قدس سرہٗ نے ایک دکاندار سبزی فروش کو یہ کہتے سنا، سوئے، پالک، چُوکا (یہ تینوں سبزیاں ہیں) آپ کو وجد آگیا۔ کسی نے پُوچھا: ایسا کیوں؟ فرمایا: وہ نصیحت کر رہا تھا کہ جو ایک پل سوئے وُہ چُوک گیا۔

اویسی غفرلہٗ

یہ آیت صریح ہے کہ ثبور کا پکارنا جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگا اور تم کہتے ہو پہلے ہوگا۔

جواب : ان میں منافات نہیں اس لیے کہ ان کا ہائے ہائے پکارنا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے بھی ہوگا بعد میں بھی، بلکہ ہمیشہ ہوگا۔ علاوہ ازیں واؤ مطلق جمع کے لیے ہے نہ کہ ترتیب کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے اس شخص کی طرف جس کی کتاب استعداد فطری دیوان ازل میں اسمائے جلیلہ کے کاتبین کے قلم سے لکھی ہوئی ہے وہ دنیا میں آرزو کرتا ہے کہ کاش وہ فانی فی الحق ہوتا اور اپنی انیت سے ہلاک (فنا) ہو جاتا اور وہ جلے گا نارِ ریاضت و مجاہدہ میں، یہ اس کی پوری سزا ہے اس کی جو اس نے اپنے رب تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی اس کے حکم ولیس البر بأن تأتوا البیوت من ظهورها (یہ نیکی نہیں کہ تم گھروں کو ان کی پشتوں سے آؤ) کی، یعنی ان کے غیر مدخل سے یعنی ظواہر اعمال پر محافظت کرنا اور ان کے بواطن کے حقوق کی رعایت نہ کرنا یعنی احوال میں تقویٰ نہ کرنا کیونکہ حضرت ربوبیت تک پہنچنا اور اس میں داخلے کا سبب تقویٰ ہے اور تقویٰ تمام نیکیوں کا جامع اسم ہے اعمالِ ظاہرہ یا احوال باطنہ ایسے ہی اتباع الموافقات اور اجتناب المخالفات پر قائم رہنا بھی ضروری ہے۔ حضرت قاشانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا واما من اوتی کتابه وراء ظهره (جو نامۂ عمل پیٹھ کی جہت سے دیا گیا) یعنی اس جہت سے جو روح و جسم کی ظلمت سے متصل ہے اس لیے کہ انسان کا چہرہ وہ جہت ہے جو بدن ظلمانی کی جانب ہے۔ بائیں ہاتھ دئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا انسان صور الحیوانات میں ظلمات کی طرف لوٹایا جائے گا عنقریب وہ ثبور (موت) کو پکارے گا اس لیے کہ وہ ورطۂ ہلاکت روح اور عذاب ابدی میں مبتلا ہو جائے گا اور مہادی الطبیعۃ کی نار آثار کی جہنم میں داخل ہوگا۔

تفسیر عالمانہ

إِنَّهُ (بے شک وہ) یعنی اس لیے کہ یہ جملہ مستانفہ ما قبل کی علت بیان کرنے کے لیے ہے كَانَ فِيٓ أَهۡلِهِۦ (تھا دنیا میں اپنے گھر والوں میں) یعنی اپنے اہل و عیال اور قبیلہ میں یا اپنے ان ساتھیوں سے جو اس کے ساتھ مسرور تھے، جیسے کہا جاتا ہے: جاء نی فلان فی جماعة (وہ میرے پاس آیا جماعت میں) یعنی ان کے ساتھ مَسۡرُورًا (خوش) دولتمند اور اکڑباز خوش حال یعنی فانی مال پر نازاں و شاداں اور ناپائیدار جاہ و مرتبہ پر خوش اور منعم کی نعمتوں سے محجوب، جیسے اہلِ دنیا فجار کا طریقہ ہے کہ امورِ آخرت میں سے کوئی امر بھی ان کے دل میں نہیں کھٹکتا اور نہ ہی اپنے انجام پر معمولی طور پر غور و فکر کرتے ہیں جیسے صلحا متقین کا طریقہ ہے کہ وہ ہر وقت متفکر رہتے اور انجام سے ڈرتے رہتے ہیں، جیسے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انا کنا فی اهلنا مشفقین (ہم اپنے گھر والوں میں ڈرنے والے تھے) خلاصہ یہ کہ کافر تھا فارغ تھا آخرت کے غم سے اس کے

دل میں گھمنڈ تھا اس کی سزا دیا گیا غم سے جو باقی و دائمی ہے بخلاف مومن کے کہ اس کا دل دنیا میں گریہ زاری میں رہتا تھا اس کی اسے سزا ملی کہ وہ ہمیشہ مسرور رہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ رُوح علوی وُہ جسے دائیں ہاتھ میں کتاب دی گئی اور نفس سفلی کی طرف اشارہ ہے جسے پیٹھ کے پیچھے کتاب دی گئی اور اس کے اہل سے مراد انسان کے قوائے جسمانیہ ظلمانیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ ظَنَّ بیشک اس نے گمان کیا یعنی یقین کیا (تفسیر الفاتحہ للفناری) اور فتح الرحمٰن میں لکھا کہ ظن یہاں پر اپنے معنیٰ پر ہے حسبان نہ کہ وہ ظن جو بمعنی یقین ہے یہ اس کے سرور کی تعلیل ہے جو اسے دُنیا میں تھا یعنی اس کافر نے دنیا میں گمان کر رکھا تھا اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ (کہ اسے پھرنا نہیں) اللہ تعالیٰ کی طرف ہرگز نہیں لوٹے گا تکذیب کے طور گمان کرتا تھا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہے ہی نہیں۔

حلِ لغات الحور الرجوع (لوٹنا) المحار المرجع والمصیر (لوٹنے کی جگہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں یحور کا معنیٰ نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں نے ایک اعرابی عورت (دیہاتی) سے سنا وُہ اپنی لڑکی کو کہتی تھی حوری ای ارجعی (لوٹ آ)۔ اور کہا جاتا ہے حوالی اهلك (اپنے گھروالوں کے پاس لَوٹ)۔ حدیث شریف اسی محاورہ سے ہے نعوذ باللہ من الحور بعد الکور یعنی الرجوع عن حالة جمیلة (ہم پناہ مانگتے ہیں اچھی حالت سے بُری حالت کی طرف لوٹنے سے)

ف : الحواری اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کپڑے کو سفیدی کی طرف لوٹاتا ہے۔

بَلٰی (ہاں کیوں نہیں) ما بعد لفظ لَنْ کے لیے ایجاب ہے یعنی ہاں ضرور لوٹو گے اس طرح نہیں جیسے کافر کا گمان ہے اِنَّ رَبَّہٗ (بیشک اس کا رب) جس نے اُسے پیدا کیا کَانَ بِہٖ اس کے اعمال جو جزاء کا موجب ہیں کو جار بَصِیْرًا (دیکھ رہا ہے) کے متعلق ہے یعنی اس سے کوئی شے مخفی نہیں، تو لوٹنا اور اعمال کا حساب و جزاء حتمی اور لازمی ہے اس لیے کہ اس کی حکمت کے لیے ناجائز ہے کہ اسے مہمل (بیکار) چھوڑ دے اور اسے بُرے اعمال کی سزا نہ دے۔ یہ تمام مکلّفین کو معاصی سے زجر ہے۔

ف : حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا اور کس شے سے پیدا کیا اور اس کے لیے سعادت مقدر فرمائی یا شقاوت اور اس کے لیے اجل و رزق

کیا لکھا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (قسم ہے شفق کی) شفق سے مراد ہے وہ سرخی جو غروبِ شمس اور اس کی غیبوبۃ کے بعد افقِ مغرب میں دیکھی جاتی ہے اس میں مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے، یہ عامہ علماء کا مذہب ہے۔ یا وہ سفیدی جو اسی سرخی کے اختتام پر شروع ہوتی ہے اس میں عشاء کا وقت داخل نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ وُہ سفیدی بالکل غائب نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک افق سے دُوسرے افق کی طرف چلی جاتی ہے (اس کی تحقیق سورۂ مزمل شریف میں گزری ہے)

ف: سیّدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات میں ایک یہی روایت ہے اور مروی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا اسی لیے فتویٰ قول اول پر ہے وہی قول امامین (امام ابویوسف و امام محمد رحمہم اللہ) وغیرہما کا ہے۔

ف: اسے اس نام سے (دونوں معنوں پر) اس کی رقت کی وجہ سے موسوم کیا گیا لیکن اسے سفیدی کے معنیٰ سے زیادہ مناسبت ہے اس لیے کہ وہ شفقت سے ہے اور شفقت یہی رقت قلبی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شمس یعنی دھوپ (روشنی) رقت وضعف میں اس وقت شروع ہوتی ہے جب سورج غائب ہوجائے یہاں تک کہ اس پر رات کی سیاہی آفاق (تمام کناروں) پر غالب ہوجائے۔

ف: حضرت عکرمہ و مجاہد رضی اللہ عنہما نے فرمایا شفق دن کو کہتے ہیں کیونکہ شفق شمس (سورج) کا اثر ہے اور سورج دن کا ستارہ ہے اس کا اثر نہار (دن) ہے۔ اس تقریر پر قسم (بالشفق میں) رات اور دن دونوں پر واقع ہوگی اس لیے کہ ایک میں معاش ہے دوسرے میں مساکن (سکون) ہے اور دونوں سے امورِ عالم کو قیام ہے۔

حل لغات

المفردات میں ہے کہ الشفق بمعنی غروبِ شمس کے وقت دن کی روشنی کا رات کی سیاہی سے اختلاط۔

تفسیر صُوفیانہ

(۱) امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا اقسم بالشفق قسم ہے اس نوریۃ کی جو فطرت انسانی سے افق بدن میں غروب و محجوب کے بعد جو ظلمت نفس سے مل گئی ہے اس کی قسم سے اس کی عظمت کا اظہار ہے اس سے کسب کمال اور درجات میں ترقی کا امکان ہے۔

(۲) تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شفق کی قسم یاد فرمائی اس لیے کہ وحدت حقیقیہ ذاتیہ اور کثرۃ نسبیہ اسمائیہ کی مظہر ہے کیونکہ درحقیقت شفق لیل وحدۃ کے سواد اور کثرت نہار کے بیاض کے درمیان برزخ ہے اسی لیے وُہ اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے۔

نکتہ اللّیل وحدت کی مظہر اس لیے کہ اشیاء محسوسہ اس میں ایسے فنا ہو جاتی ہیں جیسے تعینات حقیقۃ الوحدۃ میں اس پر آیت وجعلنا اللیل لباسًا (ہم نے رات کو لباس بنایا) دلالت کرتی ہے کیونکہ اشیاء رات کی سیاہی میں چھپ جاتی ہیں اور فرمایا: وجعلنا النہار معاشا (اور ہم نے دن کو معاش کا سبب بنایا) دلیل ہے کہ نہار کثرت کا مظہر ہے کیونکہ اس میں اشیاء کا ظہور ہوتا ہے اور امور کثیرہ کی معاش اسی پر مشتمل ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ اور قسم ہے رات کی اور جو چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں۔

حل لغات: امام راغب نے فرمایا کہ الوسق بمعنی متفرق کو جمع کرنا۔ اب معنیٰ ہوا قسم ہے رات کی اور اس کی جسے اس نے جمع کیا اور اپنے میں ملایا اور اسے اپنی ظلمت میں چھپایا۔ اس معنی پر ما موصولہ ہے۔ کہاجاتا ہے: وسقہ فاتسق واستوسق (اس نے اسے جمع کیا تو وہ جمع ہوگیا) اور دونوں (اتساق واستیساق) وسق کے مطاوع ہیں اور ما سے مراد وہ چیزیں ہیں جو رات میں جمع ہوجاتی ہیں اور اس میں پناہ لیتی اور گزارتی ہیں اپنے مکان میں، جیسے جانور و حشرات و ہوام و سباع (درندے) وغیرہ، وہ اس لیے کہ جب رات ہوتی ہے تو ہر شے اپنے ٹھہرنے کی جگہ میں جمع ہوجاتی ہے ورنہ اس سے قبل دن میں سب کے سب منتشر تھے۔

تہجد گزاروں کی قسم آیت میں تہجد گزار حضرات بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صبح کو اٹھ کر استغفار کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے تو وما وسق سے وہی لوگ مراد ہوں تو جائز ہے اور انکی قسم یاد کرنا موزوں ہے۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ظلمت بدن کی رات کی اور وہ جو اس میں جمع ہیں قویٰ و آلات و استعدادات جن سے اکتساب علوم و فضائل اور ترقی فی المقامات اور مراہب و کمالات حاصل کرنا ممکن ہے۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قسم نفس مطمئنہ کی جو نفس امارۃ کی تاریکی میں پوشیدہ ہے اور پہنچنے مقام مامول کے اور یہ نفس حکم نفس امارہ کی طرف رجوع سے مطمئنہ ہے اور اس کے لیے تلوین فی التکوین باقی ہے یعنی ان کاملین کے اوصاف اس میں باقی ہیں جو ذریۃ محمدیین کہلاتے ہیں اسی لیے اسے اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک۔ — اے نفس مطمئنہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کر۔

اس رجوع سے مقصود ذاتی نفس رجوع نہیں بلکہ مقصود کل ہے یعنی مرجوع الیہ سے اتصال اور وما وسق کا معنی ہے وہ جو جمع ہیں اس میں قوائے روحانیہ جو نفس امارہ کے یدِ تصرف سے نجات پا چکے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ (اور قسم ہے چاند کی جب پورا ہو) مجتمع اور کامل ہو یعنی چودھویں شب کو۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے پُر ہو چاندنی راتوں میں۔

حل لغات کہا جاتا ہے: امور فلاں متسقة۔ اس کے جملہ امور صلاح پر مجتمع ہیں جیسے اس کے لئے کہا جائے منتظمةٌ۔ قاموس میں فرمایا کہ وسقہ یسقہ بمعنی جمعہ وجملہ، اسے جمع کیا اور اٹھایا۔ اسی سے ہے واللیل وماوسق واتسق انتظم۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم اس لیے یاد فرمائی کہ ان میں ایک حال سے دوسرے حال میں پھرنا ہوتا ہے اسی لیے قسم یاد کرنے کے لیے مناسب ٹھہرے یعنی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ان تغیّرات کی جو افلاک وعناصر میں ہیں احوال خلق کے تغیّر پر، مثلاً شفق کی حالت اپنے ماقبل یعنی ضوء نہار (دھوپ) کے اور اپنے مابعد یعنی رات کی تاریکی کے مخالف ہے ایسے ہی واللیل وما وسق دلالت کرتا ہے نور کے بعد ظلمت کے حدوث پر ایسے ہی احوال حیوانات کے تغیر کا حال ہے کہ بیداری سے نوم کی طرف تبدیل ہوتے ہیں ایسے ہی والقمر اذا اتسق دلالت کرتا ہے کمال قمر پر بعد اس کے کہ وہ ناقص تھا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے قمر قلب صاف کی خسوف نفس سے جب جمع ہوں اور قلب کا قمر مکمل ہو کر کامل ہو جائے۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قمر کی قسم میں عارف کے قلب کی طرف اشارہ ہے جب دائرہ کی شکل میں ہو کر چودھویں کے چاند کی طرح ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے) طبقاً لترکبن کا مفعول ہے یعنی تم ملو گے ایک حال سے دوسرے حال کو یعنی پہنچو اور تلاش کرو ایک حال کو دوسرے حال کے بعد جو دونوں شدت و فظاعۃ میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔

حل لغات کہا جاتا ہے ما ھذا بطبق ھذا (یہ فلاں کے مطابق نہیں) یعنی لا یطابقہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مطابقۃ اسمائے متضایفہ میں سے ہے

وہ یہ کہ شے کو دوسری پر اس کی قدر کے مطابق کیا جائے جیسے طابقت النعل بالنعل (میں نے جُوتے کو دوسرے
جُوتے کے مطابق کیا) اور کبھی اس کا اطلاق اس شے میں ہوتا ہے جو ایک شے کے کبھی موافق ہو کبھی دوسری شے
کے۔ بعض نے کہا طبق طبقۃ کی جمع ہے بمعنیٰ ... دی زیادہ موافق ہے رکوب کو جو اعتلاء کے معنیٰ کی خبر دیتا ہے
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم احوال پر چڑھو گے احوال کے ... معنی ...بقات پر جو شدۃ میں بعض اپنے دوسرے سے سخت تر
ہوگا مثلاً موت اور اس کے مابعد کے قیامت کے مواطن اور اس کے ہولناک مناظر یہاں تک کہ دارین کی ایک دار
میں ٹھہرنا نصیب ہو۔

ف: اسے مُفرد کے صیغہ سے پڑھا گیا ہے یہ انسان کو خطاب ... باعتبار لفظ کے نہ اعتبار اس کے شمول کے
تمام افراد کو، جیسے پہلی قراۃ میں تھا اور عن طبق محلاً منصوب ہے اس لیے کہ طبقاً کی صفت ہے یعنی ایک
طبق سے تجاوز کر کے دوسرے طبق پر، یا مشرکین کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم تجاوز کرنے والے ہو طبق
کے لیے، یا تو تجاوز کرنے والا ہو، اے انسان علی قراۃ ثانیہ، اس تقریر پر عن اپنے مشہور معنے میں ہے یعنی التجاوزۃ
اسے کلمہ بعد کے معنی میں کہنا حاصل معنی کی تفسیر ہے نہ یہ کہ عن بمعنی بعد ہے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ عن بمعنی بعد اس لیے کہ انسان جب ایک شے سے دوسری شے کی طرف پہنچتا
ہے تو وہ پہلی حالت کے بعد ہُوا اسی لیے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بعد کے معنی میں ہو نیز عن مجاوزہ و بُعد کا معنی
دیتا ہے اور لفظ بُعد کے مشابہ ہے اسی لفظی مناسبت سے عن بُعد کے معنی میں آیا ہے ایسے ہی ایک دوسرے
میں آتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں اس قلب انسانی کو خطاب ہے جو گوناگوں ریاضات
اور طرح طرح کے مجاہدات اور تقلبات سے ان احوال سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ
ہے جو شدۃ و مشقۃ میں جیسے بھوک شب بیداری اور خاموشی اور عزلت (گوشہ نشینی) وغیرہ ایک دوسرے
کے مطابق ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (تو کیا ہُوا کہ ایمان نہیں لاتے) یعنی جب ان کا یہ
حال ہوگا قیامت میں، جیسے مذکور ہُوا تو پھر ان کا کیا حال ہے کہ وُہ جو ایمان نہیں
لاتے یعنی انہیں ایمان لانے سے کون سی شے مانع ہے جبکہ اس کے موجبات کی تائیدات ان کے ہاں
بہت زیادہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس و ہوٰی و قوائے بشریہ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے اور ان کا ایمان
نہ لانا قلب کی طرف ایسے ہی اس کے امر کی احکام شریعت و آداب طریقت و

آثارِ حقیقت میں اتباع نہ کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ؁ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے سجدہ نہیں کرتے) جملہ شرطیہ محلاً منصوب علی الحالیتہ ہے ماقبل سے منسلک ہے، یعنی انہیں کون روکتا ہے ان کے حال عدم سجود و خضوع اور عاجزی سے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن پاک پڑھتے ہیں یا آپ کا کوئی صحابی یا اُمتی، تو یہ بھی اہلِ زبان ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اعجازِ قرآن پر جزم کریں جب اسے سنیں اور عقیدہ رکھیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے اور یقین کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دعوئ نبوت میں سچے ہیں پھر جملہ اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کریں۔

مسئلہ: ممکن ہے اس سے تلاوت القرآن کا نفس سجدہ مراد ہو اور القرآن سے خصوصیت سے یہی آیتِ سجدہ مراد ہو نہ کہ مطلق قرآن۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے پڑھا واسجد واقترب (سجدہ کر اور قریب ہو) آپ نے اور آپ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم نے سجدہ کیا، اس پر قریش (کے مشرکین) تالیاں اور سیٹیاں بجانے لگے۔

مسئلہ: اسی سے امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سجدۂ تلاوت کے وجوب کا استدلال فرمایا ہے۔

قاعدۂ اصول فقہ: جس فعل کے ترک پر مذمت کی جائے وہ فعل واجب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ آیت کی تلاوت پر سجدہ فرمایا ایسے ہی خلفاءِ راشدین نے۔ اور کُل سجدے چودہ (۱۴) ہیں یہ ان کا تیرھواں ہے۔

مسئلہ: ہمارے ائمہ (احناف) کے نزدیک سجدۂ تلاوت پڑھنے سننے والے دونوں پر واجب ہے اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

ف حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مفصل (سورتوں) میں کوئی سجدہ نہیں۔ ایسے ہی حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ سجدہ غیر واجب ہے۔

مسئلہ: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ سجدہ لا یسجدون پر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورۃ کے اختتام پر۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب پڑھا جاتا ہے نفس و ہوٰی اور قوٰی بشریہ طبعیہ پر مواعظ الٰہیہ قرآنیہ جو رسول قلب پر نازل ہوئے ہیں پڑھے جاتے ہیں تو سُن کر یہ عجز و نیاز اور انقیاد (فرمانبرداری) نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے اوامر ادا کرتے اور

نہ ہی اس کے نواہی سے رُکتے اور نہ ہی دیگر احکام بجا لاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُکَذِّبُوْنَ (بلکہ کافر جھٹلا رہے ہیں) قرآن ناطق کو جو مذکور ہوئے قیامت احوال و اہوال کو باوجودیکہ اس کے موجبات تصدیق متحقق ہیں اسی لیے اس کی تلاوت کے وقت خشوع و خضوع نہیں کرتے یہ وضع الظاہر موضع المضمر کے قبیل سے ہے تاکہ ان کے کفر پر مُہر ثبت ہو، اور آگاہ کرنا ہے کہ یہی ان کے عدم خضوع کی علت ہے۔

ف: سورۃ البروج میں فی تکذیب الخ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دونوں سورتوں (انشقاق و بروج) کے فواصل آیات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اور اس طرح معنیٰ ولفظاً میں بھی تغیّر نہیں آیا اور معنیٰ کی جودت بھی بحال رہی ہے۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ تکذیب کا معنیٰ ہے قلبی طور تکذیب کرنا اور یہی ظاہر یعنی عدم تصدیق اور یہ اضراب (رُوگردانی) میں ترقی ہے اس لیے کہ عدم ایمان شک سے بھی ہوتا ہے اور تکذیب شدۃ الکفر سے اور قاعدہ ہے کہ قوت انکار اضراب (روگردانی) پر اُبھارتی ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ خُوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہو) جو اپنے قلوب میں چھپاتے اور اپنے سینوں میں جمع کرتے ہو کفر و حسد اور بغی و بغض، اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں دُنیا و آخرت میں سزا دے گا۔ اس معنیٰ پر ما موصولہ ہے۔

حلِ لغات کہتے ہیں: اوعیت الشیٔ (میں نے شے کو برتن میں رکھا) بھروہ، اور الوعی استعارہ کیا گیا ہے حفظ کے معنیٰ کے لیے، یا یہ کہ وُہ خود اپنے نامۂ اعمال میں جمع کر رہے ہیں اور بُرائیوں کا ذخیرہ بنا رہے ہیں اپنے لیے گُوناگُوں عذاب سے جنہیں قیامت میں انہیں تفصیل سے معلوم ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے وہ جو اپنے نفوس اور بواطن کے برتنوں میں محفوظ کر رہے ہیں اعتقادات فاسدہ اور ہیآت فاسقہ سے۔

اور حضرت نجم الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے ان کا شہواتِ دنیا میں غرق کرنا اور میزان عذاب اُخرویہ میں جلانا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دو) انتہائی دردناک عذاب، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم مذکور یقینی طور ان کے عذاب کرنے کا موجب ہے یعنی ان کے ساتھ بھی استہزاء و تہکم ہوگا جیسے یہ آج اہلِ اسلام فقراء و مساکین کر رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللّٰہ یستھزئ بھم (اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنی شان کے لائق استہزاء

فرمائے گا) کیونکہ خوشخبری کو ان کی دردناک خبر کے بجائے استعمال کرنا اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو خبر دو دردناک عذاب کی۔ اس میں اہلِ ایمان کو خوش کرنے کی خبر ہے کہ انہیں ثواب خوش گن عطا ہوگا جس سے انہیں راحتِ جسمانیہ و روحانیہ نصیب ہوگی اس لیے کہ تخصیص فضول نہیں (بلکہ کسی خاص اشارہ کے لیے ہے)

اسی لیے فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ (مگر جو) یہ استثنا منقطع ضمیر منصوب سے ہے جو کہ فبشرھم میں الذین کفروا کی طرف راجع ہے اور مستثنیٰ وہی اہلِ ایمان ہیں جو اُن سے خارج ہیں یعنی وہ جو اٰمَنُوْا (ایمان لائے) سچا اور پکا، اور ایمان علمی، اپنے قلوب کو کدورتِ نفس سے صاف کر کے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور اچھے کام کئے) طاعات، مامور بہا سے اور اکتساب فضائل سے لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (ان کے لئے وُہ ثواب ہے کہ کبھی ختم نہ ہوگا) غیر ممنون بمعنی غیر مقطوع بلکہ متصل (مسلسل) دائم۔

حلِ لغات مَنّ مُنًّا سے ہے بمعنی قطعہ قطعا اسے کاٹا کاٹنا یا بمعنی ممنون به علیھم ان پر منّت لگایا ہُوا۔ اس لیے کہ منت نعمت کو مکدر کر دیتی ہے از من علیه منة لیکن پہلا معنی ظاہر ہے، دوسرا معنی تحقیق الاجر کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ ماجور اپنے عملِ طاعت قربہ کی وجہ سے اجر کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جیسے اس کا فضل ہُوا کہ اس نے عمل پر قدرت عطا فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے ہدایت بخشی۔

ملفوظِ حسن بصری رضی اللہ عنہ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ دنیا میں بڑے جوانمرد و سخی کہ تمام مال و دولت لٹا کر بھی کسی پر منّت و احسان نہ جتلاتے اور اپنی ذات کے لیے سخت بخیل کہ ایک لمحہ ضائع نہ کرتے نہ باپ کے لیے نہ بیٹے کے لیے۔

تفسیرِ صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے لیے اجر ہے آثار و صفات کے ثواب سے جنۃ نفس و قلب میں غیر مقطوع کیونکہ وہ کون و فساد سے بیزار اور مواد سے متجرد تھے۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الا الذین اٰمنوا الخ وہ جو ایمان لائے روح و سر و قلب اور ان کے قوائے روحانیہ سے وعملوا الصّٰلحٰت (اچھے اعمال کیے) دنیا سے روگردانی اور اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ کی لھم اجر غیر ممنون ان کے لیے اجر ہے نفوس و اجتہاد و اکتساب کی منّت سے نہیں بلکہ فضلِ ربانی و رحمتِ یزدانی سے۔

نکتہ بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ ان سورتوں کی ترتیب میں نکتہ یہ ہے سورۂ انفطار میں نگران ملائکہ (کراماً کاتبین) کی تعریف تھی سورہ مطففین میں نامہ ہائے اعمال کے مستقر کی تعریف تھی اس سورۃ انشقاق میں وہی نامہ ہائے اعمال بارگاہِ حق میں پیش ہوئے، ہر وقت عطا کا بیان ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فراغت صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ تفسیر سورۃ الانشقاق کی تفسیر ملک خلاق کی مدد سے صفر الخیر کی آخری تاریخ ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ سورۃ الانشقاق کی تفسیر کے ترجمہ سے ۹ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْج

اٰيَاتُهَا ٢٢	(٨٥) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (٢٧)	رُكُوْعُهَا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ○ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ○ قُتِلَ اَصْحٰبُ
الْاُخْدُوْدِ ○ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ○ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ○ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ○ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ
فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ
الْحَرِيْقِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ○ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ○ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ
وَيُعِيْدُ ○ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ○ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ○ فَعَّالٌ لِّمَا
يُرِيْدُ ○ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ○ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ○ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فِيْ تَكْذِيْبٍ ○ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ○ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِيْ
لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

قسم آسمان کی جس میں بُرج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں کھائی والوں پر لعنت ہو اس بھڑکتی آگ والے جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اور انھیں مسلمانوں کا کیا برا لگا یہی

کہ وہ ایمان لائے اللہ عزت والے سب خوبیوں سراہے پر کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے بیشک جنھوں نے ایذا دی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پھر توبہ نہ کی ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے آگ کا عذاب، بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں یہی بڑی کامیابی ہے بیشک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے، بیشک وہ پہلے کرے اور پھر کرے، اور وہی ہے بخشنے والا اپنے نیک بندہ پر پیارا عزت والے عرش کا مالک، ہمیشہ جو چاہے کرلینے والا، کیا تمہارے پاس لشکروں کی بات آئی وہ لشکر کون فرعون اور ثمود، بلکہ کافر جھٹلانے میں ہیں اور اللہ ان کے پیچھے سے انھیں گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوحِ محفوظ میں۔

سورۃ البروج مکیہ ہے اس کی ۲۲ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ (قسم آسمان کی) جو علوی جرم والا ہے وہ آسمان ہے اس میں عرش داخل ہے ذَاتِ الْبُرُوْجِ جس میں برج ہیں، برج کی جمع بمعنی القصر (محل) بروج سے وہ بارہ[12] ستارے مراد ہیں جو فلک اعلیٰ میں ہیں۔ السّماء سے فلک الافلاک مراد ہے۔ لیکن سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شرع میں فلک الافلاک کا اطلاق عرش پر ہوتا ہے نہ کہ آسمان پر۔ یہ بھی جائز ہے اس سے وہ فلک مراد ہو جو ہمیں قریب تر ہے۔ یہ آیت ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح (بیشک ہم نے آسمان کو مصابیح سے سنگارا) کی طرح ہے۔ سعدی مفتی کے جواب میں وہی کافی ہے جو ہم نے کہا کہ آسمان سے مراد علوی جرم والا ہے۔

نکتہ: آسمان کو قصور (محلات) سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس میں اکابر و اشراف مخلوق نازل ہوتی ہے کیونکہ وہ سیارات کی منازل و ثوابت کی قرارگاہیں ہیں۔

ف: حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بروج کے اسماء یہ ہیں:

(۱) الحمل اس سے ابتدا ہوتی ہے اس لیے استدراۃ الافلاک کا مبدار برج حمل ہے جیسا کہ علم الافلاک میں ہے اسی برج میں نیسان ہے اسی میں عشرون تمام ہوتے ہیں۔

ولادت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وقت

اسی سے ہے ولادت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، اسی سے نبی علیہ السلام

کی ولادت طلوع الغفر کے وقت ہوئی۔ الغفر بفتح الغین المعجمہ وسکون الفاء قمر کی منزل ہے۔ یہ تین چھوٹے ستارے ہیں اور غفر ماہ کے ظاہر میں پہلی رات کو طلوع کرتا ہے کیونکہ اس کا وقت النطح سے نطح شرطان کو کہا جاتا ہے الشرطان بالمعجمہ و بفتحتین یہ حمل کے دو ستارے ہیں یہ دونوں اس کے قرن ہیں ان کی جنوبی جانب میں، اور قاموس میں ان دونوں کی جانب شمالی میں ایک چھوٹا سا ستارہ ہے۔ بعض نے کہا یہ اس کو ان دونوں سے ملا کر تین سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے ان تینوں چھوٹے ستاروں کی منزل ایک ہے۔ گویا وہ چوٹھے کا پایہ ہیں وہی بطن الحمل ہے۔

(۲) حمل کے بعد ثور ہے۔

(۳) پھر جوزاء ہے اسے نسر بھی کہا جاتا ہے اور جبار اور توأمان بھی۔ اور قاموس میں ہے کہ توأم جوزاء کی منزل ہے اور جوزاء کا سر ھقعۃ ہے یہ تین ستارے ہیں جوزاء کے دو کاندھوں کے اوپر۔ جونہی یہ فجر کے وقت طلوع کرتا ہے موسم گرما کی گرمی سخت ہو جاتی ہے۔

(۴) السوطان (المھملہ)

(۵) اسد

(۶) سنبلہ

(۷) میزان

(۸) عقرب

عقرب میں سے دو زبانین ہیں وہ دونوں اس کے قرن ہیں اور دونوں چمکیلے ستارے ہیں کما فی القاموس زبانین اور اسد کے دوسرینوں اور پاؤں کے درمیان سماک ہے وہ دو ستارے ہیں۔ سماک بروزن کتاب، اس کے ساتھ ہی عفر طلوع کرتا ہے یہی انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت ہے اسی کے بارے میں کہا ہے: ؎

خیر المنازل فی الأبد

بین الزبانی و الأسد

ترجمہ: ہمیشہ بہترین منزل ہے زبانین و اسد کے درمیان۔

کیونکہ اسد سے اس کی ذنب (دُم) متصل ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں اور عقرب سے اس کے دو زبانین ہیں ان میں کوئی ضرر نہیں ضرر اس کی ذنب (دُم) سے ہے جب وہ اسے اوپر کرے یعنی ضرر شولۃ سے ہے اور منازل میں شولۃ وہ ہے جو عقرب اپنی دُم اونچی کرے۔ وہ دو ستارے چمکیلے ہیں

انہیں چاند نورانی کرتا ہے انہیں حمۃ العقرب (عقرب کا ڈنک، اور زہر) کہا جاتا ہے۔

(۹) قوس

(۱۰) جدی

(۱۱) دلو

(۱۲) حوت وہ دلو کی رسی ہے یہی قمر کی منزل ہے جسے بروج اور منازل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی بارہ برجوں پر مہینے مقرر فرمائے۔ چنانچہ فرمایا:

ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا۔ — بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ماہ ہے۔

فصول اربع کی تفصیل

کشف الاسرار میں ہے کہ یہ بروج چار فصلوں پر مشتمل ہیں ان میں ایک فصل بہار کا ہے تین ماہ کا سورج ان تینوں مہینوں میں حمل و ثور و جوزاء میں ہوتا ہے۔

فصل دوم گرمیوں کا ہوتا ہے، اس کے بھی تین ماہ ہیں ان تینوں مہینوں میں سورج سرطان و اسد و سنبلہ میں رہتا ہے۔

تیسرا فصل خریف کا ہے اس میں سورج تین مہینے تین ستاروں میزان و عقرب و قوس میں ہوتا ہے

چوتھا فصل سرما کا ہے تین ماہ سورج جدی و دلو و حوت میں ہوتا ہے۔

ان چاروں فصلوں کی ہر ایک کی اپنی اپنی طبیعت ہے اور ان چاروں میں سورج کی گردش بھی مختلف ہے۔

تحقیق مزید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ

فقیر (صاحبِ رُوح البیان) کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے، فصل ربیعی عبارت ہے تین ماہ سے:

(۱) آذار

(۲) نیسان

(۳) ایار

جب پہلے ماہ کی سترہ راتیں گزرتی ہیں تو دن رات برابر ہو جاتے ہیں یعنی ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے پھر دن رات سے ایک جوئے برابر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ سترہ دن حزیران کے گزرتے ہیں تو فصل صیف (موسم گرما) شروع ہوتا ہے اس کے بعد تموز ہے اس کے بعد اغستوس ہے اس میں دن پندرہ گھنٹے اور

رات نَو گھنٹے کی ہوتی ہے یہی دن سال کے تمام دنوں سے بڑا ہوتا ہے اور رات سارے سال کی راتوں میں سب سے چھوٹی ہوتی ہے، پھر رات بڑھنے لگتی ہے اسی طریقے سے جیسے دن ایک جَو کی مقدار بڑھتا تھا یہاں تک کہ سترہ دن ایلول کے گزرتے ہیں تو فصل خریف شروع ہو جاتا ہے اس کے بعد تشرین اول ہے جو خریف کا اوسط ہے پھر تشرین ثانی ہے یعنی فصل خریف کا آخری ہے اس میں دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں اس کے بعد ہر رات بقدر ربع جَو بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ سترہ دن کانون اوّل کے گزرتے ہیں یہی اول فصل شتاء ہے پھر کانون ثانی ہے پھر شباط ہے اس میں طول اللیل انتہاء کو پہنچتا ہے کہ رات پندرہ گھنٹے کی اور دن نو گھنٹے کا ہوتا ہے یہی سال کے تمام دنوں میں سب سے چھوٹا دن ہے یہی حساب سالانہ قیامت تک جاری رہے گا اللہ تعالیٰ ہی دن میں رات کو داخل کرتا ہے کہ رات کی ساعات گھٹا کر دن کی ساعات بڑھاتا ہے یہ کہ جب کانون اول کے سترہ دن گزرتے ہیں تو پھر یہی گنتی حزیران کی گزرتی ہے تو چھ ماہ ختم ہوتے ہیں یعنی:

(۱) کانون اول

(۲) کانون ثانی

(۳) شباط

(۴) اذار

(۵) نیسان

(۶) ایار

پھر دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی دن کی ساعات گھٹا کر رات کی ساعات بڑھاتا ہے اور یہ بھی چھ ماہ میں:

(۱) حزیران

(۲) تموز

(۳) اغستوس

(۴) ایلول

(۵) تشرین اول

(۶) تشرین ثانی

یہ سب عزیز علیم کے اندازے اور اس کے پھیرے پر ہے اجرام علویہ کو نہج مستقیم پر۔

ف: بروج سے مراد نجوم ہیں جو کہ قمر کی منزل ہے اور یہ اٹھائیس ہیں جن کے ہر ایک میں ایک منزل طے کرتا ہے کہ نہ اس میں خطا کرتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے جب چاند آخری منزل پہ پہنچتا ہے تو باریک ہو کر

قوس کی شکل اختیار کرکے دو راتیں چھپ جاتا ہے اگر ماہ تیس دنوں کا ہو۔ اگر انتیس کا ہو تو صرف ایک رات چھپتا ہے۔

نکتہ: نجوم کو بروج کہنا قصور سے تشبیہ کی وجہ سے ہے کہ قمر اس میں نزول فرماتا ہے گویا وہ برج اس کیلیے بمنزلہ قصر (محل) کے ہے اور ان سے ظاہر ہونے کی وجہ سے بہ نسبت بعض لوگوں کے، جیسے عرب، اس لیے کہ بُرج اس کے ظہور سے خبر دیتا ہے اور ساتھ ساتھ اس کے محاسن پر مشتمل ہونے کے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: تبرجت المرأۃ (عورت بُرج کے مشابہ ہُوئی) محاسن کے اظہار میں۔ ہاں بارہ بروج کو ظہور نہیں نہیں محسوس نہیں کیا جا سکتا اور بروج بارہ ہیں انہی اٹھائیس منازل پر منقسم ہیں اور سورج ان تمام بروج بارہ میں سال بھر چلتا ہے اور چاند صرف ایک ماہ میں اور ان سے بندگانِ خدا کے لیے منافع و مصالح متعلق ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ان کے قدر و شرف کے اظہار کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں رُوحِ انسانی کی طرف اشارہ ہے کہ وُہ ترقی و درجات میں صاحبِ مقامات ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ اور قسم ہے اس دن جس کا وعدہ ہے یعنی یوم القیامۃ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی، تنبیہ ہے اس کی قدر و شرف پر اس حیثیت سے کہ وُہ فیصلے اور جزا کا دن ہے وہ دن ہے جس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملک اور حکم ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے روح کے آخری درجات کی طرف کشف توحید ذاتی کے اور وہ ہے قیامت کبریٰ۔

تفسیر عالمانہ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ (اور قسم ہے اس دن کی جو گواہ ہے) اس دن تمام اولین و آخرین حاضر ہوں گے اور انسان اور جن اور ملائکہ کرام و انبیاء عظام (علیٰ نبینا و علیہم السلام) اور حاضر ہوں گے اس میں عجائب و غرائب۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ العزیز صفحہ ۳۸۵ پر رقمطراز ہیں:)

فالشاهد بمعنى الحاضر من الشهود[1] شاہد بمعنی حاضر ہے از شہود بمعنی

---

[1] اس پر فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ ۲۲ میں بہت کچھ لکھ چکا ہے مزید ضرورت نہیں لیکن وہابی دیوبندی فرقہ کے لیے سامانِ عبرت کافی ہے جبکہ وہ شاھد بمعنی حاضر ماننے کے لیے کبھی تیار (باقی صفحہ آیندہ پر)

بمعنی الحضور لا بمعنی الشاھد — الحضور نہ کہ وہ شاہد (گواہ) جس سے
الذی یثبت بہ الدعاوی و الحقوق۔ — دعاوی اور حقوق ثابت کئے جاتے ہیں۔

ف : شاھد و مشھود کی تنکیر ابہام فی الوصف کے لیے ہے یعنی وہ شاہد و مشہود جن کی کُنہ کو کوئی نہیں جانتا۔ بعض نے کہا مشھود سے یوم الجمعہ مراد ہے اور شاھد سے وہ لوگ جو اس میں حاضر ہوتے ہیں نماز اور ذکر کے لیے۔ جمعہ وہ دن ہے کہ سورج کسی دن پر طلوع و غروب نہیں کرتا جو یوم الجمعہ سے افضل ہو اس میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں کوئی بھی مؤمن کوئی دُعا مانگے تو ضرور مستجاب ہوتی ہے اور کوئی پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ ملتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

اکثروا علی من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملٰئکۃ۔

جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف کی کثرت کیا کرو اس لیے کہ یہ دن مشھود ہے کہ اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

ف : بعض نے کہا مشھود یوم عرفہ ہے اور شاہد وُہ لوگ جو حج کے لیے اس میں حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ قسم یاد فرمائی ہے حج کی عظمت کے لیے جن کی گنتی ستر ہزار ہے (کشف الاسرار)

ف : بعض نے کہا شاھد سے ہر دن مراد ہے اور مشھود سے وُہ لوگ جو اس دن میں موجود ہیں اس معنی پر مشھود بمعنی مشھود علیہ ہوگا اور شاہد از شہادت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر دن آتے ہی اعلان کرتا ہے کہ میں نیا دن ہُوں جو بھی مجھ میں کوئی کام کرے گا میں اس کی گواہی دُوں گا، مجھے غنیمت سمجھو جب سورج ڈوب جائے گا پھر مجھے قیامت تک نہ پا سکو گے ؎

دریغا کہ بگزشت عمر عزیز — بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز
گزشت آنچہ در ناصوابی گزشت — درایں نیز ہم در نیابی گزشت

ترجمۃ : افسوس کہ عمر عزیز گزر گئی۔ یہ چند لمحات بھی گزر جائیں گے وہ وقت جو خطاؤں میں گزرا یہ بھی نہ پائے گا جب گزر گیا۔

تفسیر صوفیانہ بعض صوفیہ کرام نے فرمایا کہ الشاھد وہی حق ہے من حیث الجمعیۃ، وہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہوتے جب یہ معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان کیا جائے۔ ہاں ضد بری بلا ہے اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے اسی ضد نے ابلیس کو مروا ڈالا۔ اویسی غفرلہٗ

مشہود بھی ہے من حیث التفرقہ (کثرت) یا چاہو تو کہو من حیث الاجمال و من حیث التفصیل در حقیقت اسے کوئی نہیں دیکھتا اس کے سوا۔ بعض نے کہا الشاھد نفس الروح اور المشھود نفس الطبع۔ حضرت حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت علامت ہے اس کی کہ کون مکوّن سے نہ مفصل ہے نہ مقترن۔

تفسیر عالمانہ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ (کھائی والوں پر لعنت ہو) قسم کا جواب ہے بحذف اللام المؤکدہ یہ خبر ہے دعا نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ کھائی والے ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ کے غضب و لعنت سے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ دعائیہ جواب پر دلالت کرتا ہے خبر یہ نہیں۔ القتل کنایہ از لعنت ہے اس حیثیت سے کہ قتل غلیظ ترین عقوبات سے ہے یہ ایسے سخت غصہ سے ہی واقع ہوتا ہے جو خیر اور اس رحمت سے بعید کرنے کا موجب ہے جس میں لعنت کا معنیٰ ہے گویا قتل لعنت کے لوازم سے ہے گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم یاد فرمائی کہ کفارِ مکہ ملعون ہیں کھائی والوں کی طرح۔ اظہریت کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ وارد ہوئی اہلِ ایمان کی تثبت کے لیے کہ جس پر وہ ہیں وہ اس پر ثابت قدم رہیں اور کفار کی اذیتوں پر صبر کریں اور انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کو پہلے بھی اسی طرح اذیتیں پہنچی رہیں وہ صبر کرتے تھے تم بھی صبر کرو اس طرح سے انہیں اس سے مانوس کرنا ہے اور صبر کی تلقین ہے کہ کفارِ مکہ سے جتنی بھی اذیتیں پہنچیں گھبراؤ نہیں اور یقین کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے اور اذیت رساں کھائی والوں کی طرح ملعون ہیں اور اسی کے حقدار ہیں جو انہیں ملا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ جملہ دعائیہ نہیں کیونکہ قسم یاد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دعا بعاجز کرتا ہے اور وہ عجز سے پاک ہے۔ اس کی تشریح سورۃ عبس میں گزری۔

حلِ لغات الاخدود زمین میں شگاف ڈالنا۔ اور شق مستطیل جیسے نہر گہرائی والی یعنی عمیق القرار۔ یہ در اصل انسان کے خدین سے ہے یعنی وہ دو رخسار جو ناک کو دائیں بائیں گھلے لگائے ہوئے ہیں۔ اور عین المعانی میں ہے کہ اسی سے ہے المجاری الدموع علیہ وہ جگہیں آنکھوں سے آنسو بہہ کر جاری ہوتے ہیں۔

شمار اصحاب الاخدود وہ تین تھے،

(۱) انطیانوس رومی شام میں

(۲) بخت نصر فارس میں

(۳) یوسف ذو نواس نجران میں۔ نجران (بتقدیم النون و تاخیر الجیم) یمن میں ایک جگہ ہے جو

سنہ میں فتح ہوئی۔ نجران بن زیدان بن سباء کے نام سے موسوم ہے۔

اصحاب الاخدود کی وجہ تسمیہ ان میں سے ہر ایک نے گڑھا کھودا جس کا طول چالیس گز اور عرض بارہ گز، اس گڑھے کو خدود کہا گیا اُسے آگ سے پُر کر کے ان لوگوں کو اس میں ڈالا جاتا جو اہلِ ایمان اپنے دینِ حق کو نہ چھوڑتے اور مرتد ہو کر ان کے دین کو قبول نہ کرتے۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں قرآن ان لوگوں کے حق میں نازل ہُوا جو نجران میں تھے یعنی اصحاب الاخدود، جو یہ ہیں:

ذو نواس الحمیری الیہودی اور اس کا لشکر۔

عبداللہ بن ثامر اور اس کے ساتھی عبداللہ بن ثامر رضی اللہ عنہ ایک صالح انسان تھا نجران میں آیا وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دین پر تھا، نجران میں اس نے دین حق کی دعوت دی، بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت (دین حق کی) قبول کی۔ ذو نواس مذکور (یہودی) لشکر لے کر ان کے ہاں پہنچ کر کہنے لگا نصرانیت ترک کر کے یہودیت (باطل اور منسوخ شدہ) قبول کر دیا یا پھر آگ میں جلنے کے لیے تیار ہو جاؤ، انہوں نے کہا کہ آگ میں جلنا منظور ہے لیکن دینِ حق چھوڑنا گوارا نہیں۔ ابو نواس نے خندقیں مذکورہ کھدوائیں اور انھیں آگ سے پُر کروا کر حضرت عبداللہ بن ثامر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمانبردار (مرید) کو خندق میں ڈالنے کا حکم دیا یہاں تک کہ بارہ ہزار یا بیس ہزار یا ستر ہزار بندگانِ خدا کو آگ نے پھونک دیا۔

ف: ذو نواس کا نام زرعہ بن حسّان تھا حمیر اور گرد و نواح کا بادشاہ تھا اسے یُوسف بھی کہا کرتے تھے اس کی زلفوں کی دو گرہیں ہر وقت متحرک رہتیں تنوس بمعنی تضطرب، نواس اس کے ساتھ ذو نسبت کا ہے۔

حکایت مروی ہے کہ اہل نجران سے ایک شخص ایک جنگل میں گھوم رہا تھا اس کا نام تھا دوس ذو ثعلبان، اس کو انجیل کا ایک جلا ہوا ورق کہیں سے ملا اسے حبشہ کے بادشاہ کے پاس لایا اور وہ نصرانی تھا کہا تیرے دین والوں کو آگ میں جلا دیا گیا اور ان کی بابت اگر یقین نہ آئے تو لو یہ جلا ہوا ایک ورق دیکھ لیجئے، اس سے بادشاہ گھبرایا اور روم کے بادشاہ کو لکھا کہ اس کی مدد کیجئے اور چند ترکھان بھیجئے تاکہ اس کے لیے کشتیاں تیار کریں، بادشاہِ روم نے اس کے لیے ترکھان بھیجے تاکہ کشتیاں تیار کریں، کشتیوں کی تیاری کے بعد وہ کشتیوں پر سوار ہو کر ساحل تک پہنچے ان کے مقابلہ میں اہلِ یمن بھی جنگ کے لیے نکلے۔ تہامہ میں خونریز جنگ ہوئی، حمیر بادشاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر گھبرایا کہ کہیں اسے گرفتار نہ کر لیں گھوڑے سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی اور دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

توحبشہ نے حمیر پر غلبہ پالیا اور اس پر قابض ہوئے یہاں تک ظہور اسلام کے وقت ان کی بادشاہی بدستور تھی۔[1]

مزید واقعات اصحاب الاخدود مع تبصرات

ننھے ولی اور بُت پرست کا مقابلہ

(یہ واقعہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے حوالہ سے اور فقیر ان کی عبارت کے ترجمہ کے ساتھ تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ سورۃ البروج کے علاوہ صحیح مسلم و جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ سے درج کرتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

کشف الاسرار میں ہے کہ اصحاب الاخدود بُت پرست تھے از اصحاب ذونواس یمنی اس کے زمانہ میں ایک جادوگر تھا شعبدہ باز کاہن، اور بادشاہی کا دارومدار اسی کے شعبدوں اور جادو پر سمجھا جاتا تھا ایک دن کہا کہ بادشاہ سلامت! میں بُوڑھا ہوگیا ہُوں اور میرے قوٰی مجھے جواب دے گئے ؎

دیدہ از ہر شعاع تیرہ شود　　گوش وقت سماع خیرہ شود
نہ زبان را محال گویائی　　نہ تن خستہ را توانائی

ترجمہ: آنکھیں ہر شعاع سے سیاہ ہوگئیں، کان سننے کے وقت بیکار ہو گئے نہ زبان کو بولنے کی طاقت نہ خستہ تن کو چلنے کی طاقت۔

بہتر ہے مجھے ایک نوجوان ہونہار ہوشیار دے دیا جائے، میں اسے جادو سکھاؤں تاکہ بادشاہی امور میں خلل نہ آئے۔ چنانچہ مشارق الانوار میں ہے کہ دورِ سابق میں ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا جب وہ بوڑھا ہوگیا اور اس کے دانت گرنے لگے بادشاہ سے کہا میں بوڑھا ہوگیا ہوں میرے سپرد ایک نوجوان کیجئے تاکہ میں اسے جادو سکھاؤں۔ بادشاہ نے اس کے پاس ایک نوجوان بھیجا اس سے جادو سیکھنے کے لیے۔ راستے میں ایک راہب تھا، جب لڑکا جادوگر کے پاس جاتا تھوڑی دیر راہب کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی باتیں سنتا اس کی باتیں لڑکے کو بھا گئیں۔ اس طرح جادوگر کے پاس پہنچنے میں دیر ہو جاتی۔ ایک دن جادوگر نے لڑکے کو

---

[1] مفسرین کرام نے اصحاب الاخدود کے واقعات مختلف اور مختلف تبصروں کے ساتھ نقل فرمائے ہیں فقیر نے تفسیر عزیزی کے حوالہ سے صدائے نوی شرح مثنوی معنوی میں نقل کئے ان میں سے کچھ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے نقل فرمائے ہیں کچھ فقیر کے اضافے ہیں اور کچھ تبصرے۔

اویسی غفرلہٗ

مارا پیٹا کہ وہ دیر سے کیوں آتا ہے۔ لڑکے نے راہب سے شکایت کر دی۔ راہب نے کہا پھر پوچھے تو کہنا مجھے اور لوگوں کو ایک بلا نے روک لیا تھا، وہ شیر تھا یا اژدہا۔ چنانچہ واقعی دوسرے روز راستے میں اژدہا یا شیر کھڑا تھا، لوگ آنے جانے سے رُکے ہوئے تھے۔ لڑکے نے کہا آج میں آزماتا ہوں کہ راہب افضل ہے یا جادُوگر۔ چنانچہ دُعا مانگی اور ایک ہاتھ میں لے کر کہا:

اللھم ان کان أمر الراھب أحب الیك	اے اللہ! اگر تیرے ہاں راہب کا معاملہ
من أمر الساحر فاقتل ھذہ الدابة	جادوگر سے محبوب تر ہے تو اس جانور
حتی یمضی الناس۔	(بلا) کو قتل کر دے تاکہ لوگ راستہ طے کریں۔

یہ کہہ کر پتھر جانور کو مارا، وہ جانور وہیں ڈھیر ہو گیا اور لوگ بآسانی راستہ طے کرنے لگے۔ لڑکا راہب کے پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ راہب نے کہا تیرا معاملہ مجھ سے بڑھ گیا تُو مجھ سے افضل ہو گیا ہے، اب تیرے مرتبہ کو میں خوب پہچان گیا لیکن یاد رکھ عنقریب تیرا امتحان ہو گا مگر میرا نام نہ بتانا۔

اب لڑکے کی یہ شان ہو گئی کہ مادرزاد اندھوں کو انکھیارا کر دیتا، برص والے کو شفاء دیتا۔ بیماروں کو دُعاؤں سے تندرست بنا دیتا۔ بادشاہ کے ایک ہم نشین نے جو اندھا تھا یہ سب کچھ سنا تو لڑکے کے پاس چلا آیا لڑکے کو بے شمار ہدایا و تحفے پیش کئے اور کہا اگر تُو نے شفاء دے دی تو یہ سب ہدایا اور تحفے تیرے۔ لڑکے نے کہا میں کون ہوں شفاء دینے والا، شفاء تو اللہ تعالیٰ دے گا اگر تُو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا تو تیرے لیے دُعا مانگوں شفاء وہی دے گا، وہ ایمان لے آیا اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دی۔ وہ سیدھا بادشاہ کے پاس چلا گیا اور وہ عہدہ سنبھال لیا جس پر وہ پہلے فائز تھا۔ بادشاہ نے پوچھا تو بینا کیسے ہو گیا کہا: اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ بادشاہ نے کہا: میرے سوا بھی کوئی اللہ ہے؟ کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ اسے اس لڑکے کا نام بتانا پڑا۔ لڑکا بادشاہ کے پاس گرفتار کر کے لایا گیا۔ بادشاہ نے کہا: بیٹے! تیرا جادو بہت چل گیا تُو مادرزاد اندھوں کو شفا دیتا اور برص والوں کو تندرست کرتا ہے۔ کہا میں نہیں میرا رب شفا دیتا ہے۔ بادشاہ نے اسے بھی سخت عذاب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ اسے راہب کا نام بتانا پڑا۔ راہب گرفتار کر کے لایا گیا اسے کہا کہ اپنا دین حق چھوڑ دے۔ راہب نے کہا: جان تو دے سکتا ہوں ایمان نہیں دے سکتا۔ بادشاہ نے آرہ منگوا کر اس کے سر پہ رکھ کر اسے چیر دیا، دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر لڑکے کو لایا گیا اسے کہا دین حق چھوڑ دے، اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے چند آدمی بلوائے اور حکم دیا کہ اسے پہاڑ پر لے جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر سے اسے نیچے گرا دو۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو لڑکے نے دعا مانگی:

اللّٰھم اکفنیھم بما شئت ۔ (اے اللہ! تو مجھے ان سے کافی ہو جیسے تُو چاہے)
یعنی ان کے شر سے بچا جس سبب سے تو چاہے ۔ چنانچہ پہاڑ متحرک ہُوا اور وہ سارے کے سارے پہاڑ سے نیچے لڑھک گئے (اور پاش پاش ہو گئے ۔ لڑکا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا بادشاہ نے کہا وہ جو تیرے ساتھ گئے تھے ان کا کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا میرا رب تعالیٰ انہیں کافی ہُوا ۔ بادشاہ نے چند اور آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جاؤ اور درمیان میں جا کر اسے دریا میں پھینک دو اگر اپنے دین سے نہیں ہٹتا ۔ اسے دریا میں لے گئے، اس نے پہلے کی طرح دعا مانگی ؛

اللّٰھم اکفنیھم بما شئت (اے اللہ! جیسے تُو چاہے ان سے مجھے کفایت فرما) یعنی بچا ۔
اس کی دُعا سے کشتی الٹی اور وہ سارے کے سارے غرق ہو گئے اور وہ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس آ گیا بادشاہ نے پُوچھا ساتھیوں کا کیا ہوا؟ کہا؛ میرا رب تعالیٰ ان کو کافی ہوا (یعنی وہ سب دریا میں غرق ہو گئے) لڑکے نے کہا اے بادشاہ! تو مجھے ہرگز نہیں مار سکتا جب تک کہ جس طرح میں کہوں اس طرح نہ کرو، بادشاہ نے کہا؛ وہ کیا؟ کہا؛ تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو اور مجھے سُولی پر لٹکا دو، پھر میرے کشکول سے تیر لے کر یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر ماریں بسم اللہ رب الغلام (اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) چنانچہ بادشاہ نے اسی طرح کیا اور تیر پھینکا اور تیر کنپٹی لگا یعنی آنکھ اور کان کی جگہ ۔ لڑکا اپنا ہاتھ تیر والی جگہ (کنپٹی) پر رکھ کر فوت ہو گیا ۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر دینِ حق قبول کر لیا اور ایک زوردار نعرہ بلند ہُوا اٰمنّا برب الغلام (ہم سب اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے) ۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی ۔ پہلے تو کوئی اِکّا دُکّا مسلمان ہوتا تھا اب خلقِ کثیر نے دینِ حق قبول کر لیا ۔ بادشاہ نے غصّہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کُھدوائیں (یہ خندقیں چالیس چالیس گز طول میں اور بارہ بارہ گز عرض میں تھیں) اور ان کو خوب آگ سے بھڑکا کر اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے دین سے نہ پھرے گا اسے ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا ۔ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن دینِ حق سے نہیں ہٹتے تھے ۔ ایک مومنہ عورت لائی گئی جس کے پاس شیر خوار بچہ تھا، شاید بچّے کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی ۔ بچے نے خدا کے حکم سے آواز دی اماں صبر کر تو دینِ حق پر ہے ۔ بعض روایات میں ہے کہ اس بی بی کے تین بیٹے تھے، ان میں ایک شیر خوار، دوسرے بڑے تھے ۔ بادشاہ نے اس بی بی سے کہا کہ اپنا دین ترک کر دے ورنہ تجھے بمع لڑکوں کے آگ میں جھونک دوں گا ۔ بی بی نے کہا ہم جان تو دے سکتے ہیں مگر دینِ حق نہیں چھوڑ سکتے ۔ اس کے انکار پر اس کے بڑے لڑکے کو آگ میں ڈال دیا گیا، پھر کہا اے عورت! اپنا دین چھوڑ دے لیکن عورت دینِ حق پر ڈٹی رہی ۔ بادشاہ نے اس کے دوسرے بیٹے کو بھی آگ میں جھونک دیا پھر عورت سے

کہا کہ اپنا دین ترک کردے ۔ کہا میں دینِ حق نہیں چھوڑ سکتی ۔ پھر اس کے شیرخوار بچے کو اس سے چھین کر آگ میں پھینک دیا ، اس عورت کا دل لرز گیا لیکن بچے نے مرنے کے بعد کہا اماں! مت گھبرا تو دینِ حق پر ہے ، تجھے کوئی خطرہ نہیں[1]۔

---

[1] بادشاہ اور اس کے وزیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے ۔ بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا ان مسلمانوں کا صرف یہ قصور تھا کہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے تھے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں ، جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے ۔ جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اس اکیلے کو پوجتے ہیں آگ میں جلایا جائے تو کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ایسا ظلم و ستم یونہی چلتا رہے گا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے گا !

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا غضب آیا ، وہی آگ پھیل گئی اس نے بادشاہوں اور امیروں کے سارے گھر جلا ڈالے ۔

یاد رکھیے کہ یہ بات کچھ اصحابِ اُخدود پر منحصر نہیں جو لوگ ایمان داروں کو دینِ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے جیسے کفارِ مکہ کر رہے تھے پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہیں ہوں گے ان سب کے لیے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بے شمار قسم کی تکلیفیں ہوں گی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہوگی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہوگا ۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر میں بیان فرمایا ۔ ایک قصہ نجران کی سرزمین میں ہوا یہ شہر ملک یمن میں واقع ہے ۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک شخص مسلمانوں میں سے (اس وقت مسلمان انجیل ہی کے تابعدار تھے) ایک شخص کے مکان پر آکر نوکر ہوا اور رات دن اس کے دروازے پر بیٹھا رہتا تھا تاکہ جس کام کا حکم ہو بجا لاؤں اس مسلمان شخص کو انجیل مقدس یاد تھی ہمیشہ اس کو پڑھتا رہتا تھا ، اس مذکورہ شخص کی بیٹی کو ایسا نظر آیا کہ انجیل پڑھنے کے وقت ایک نورِ عظیم اس کے سینے سے نکلتا ہے اور جہان میں پھیل جاتا ہے ۔ لڑکی نے اپنے باپ کے پاس اس عجیب بات کا ذکر کیا تو اس کے باپ نے بھی اس کے انجیل پڑھنے کے وقت ایک سوراخ سے جھانکا کہ فی الواقع ایک نورِ عظیم ظاہر ہوتا ہے اُس نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا کلام ہے؟ اور اس کی تاثیر کیا ہے؟ کہ تجھ سے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں ۔ وہ مسلمان

(باقی صفحہ آیندہ پر)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ بادشاہ نے شیر خوار بچے کی ماں کو کہا کہ آگ تیرے سامنے ہے جو بجھنے والی نہیں، یہ کہہ ماں بیٹے کو آگ میں جھونک دیا اور یہ شیر خوار بچہ وہ ہے جو گہوارے میں بولا تھا وہ شیر خوار دوسرے ان بچوں میں سے تھا جنہوں نے شیر خوارگی میں گہوارہ میں کلام کیا، ان سب کی تفسیر سورۂ یوسف میں گزری ہے۔

۹۰ سال پہلے یہ قصہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ اقدس سے نوّے سال پہلے ہوا۔

مسئلہ : اس حدیث شریف میں کراماتِ اولیاء کا اثبات ہے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جان بچانے کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے خواہ جان کا خطرہ اپنے لیے ہو یا دوسرے کے لیے۔

واہ ننھّا ولی مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک ویران جگہ کو کھودا گیا تو وہ ننھّا ولی جس کا قصہ اوپر مذکور ہوا جسے بادشاہ نے شہید کیا تھا اُسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہاں کے بادشاہ کے خوف سے اور رؤسا کے ڈر سے اس بھید کو چھپاتا تھا۔ لیکن وہ گھر والا اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا اور تنگ کرتا تھا یہاں تک کہ ناچار ہو کر دین اسلام اور انجیل مقدس کا احوال اس سے بیان کیا، پس وہ اہل خانہ اور اس کی بیٹی (دونوں) فی الفور مسلمان ہو گئے اور انجیل پڑھ کر اس کی تلاوت میں مشغول رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ بات اس شہر میں مشہور ہوئی تو ستاسی آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے یہاں تک کہ یوسف نواس حمیری کے بیٹے نے جو اس شہر کا بادشاہ تھا اور بت پرستی میں مستغرق تھا ان سب مسلمانوں کو (جو نوّے آدمی تھے) اپنے حضور میں بلایا اور ایک خندق کھدوائی اور خوب آگ سے دہکائی اور حکم دیا کہ تم لوگ اگر عیسیٰ کے دین سے نہ پھرو گے تو تم کو اس میں جلا ڈالوں گا۔ اس جماعت میں بھی ایک عورت بچے والی تھی دودھ پیتا بچہ اس کی گود میں تھا۔ اس شیر خوار بچے نے بلند آواز سے کہا کہ ماں بسم اللہ اس آگ میں گھسو اس کا بدلہ ہمیشہ رہنے کی بہشت ہے۔ پھر جب مسلمان ہلاک ہو چکے بادشاہ اور اس کے صاحب خندق کے پاس کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ یکایک اس آگ کے شعلے ایسے بھڑکے کہ ان سب کو جلا کر خاکستر کر دیا اور قصہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اُٹھ جانے کے بعد واقع ہوا تھا۔ اُس روز سے نجران کے لوگوں نے دین نصرانی کو حق جان کر قبول کر لیا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے تک اُسی دین پر تھے۔ ان کے سردار سید اور عاقب وغیرہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کو مدینہ منورہ میں آکر حضرت عیسیٰ کے متعلق بحث و تکرار کی تھی اور آیتِ مباہلہ انہی کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ اویسی غفرلہٗ

دیکھا گیا کہ وہ بدستور اپنی انگلی کنپٹی پر رکھے ہوئے ہے۔ جب انگلی کنپٹی سے ہٹائی گئی تو خون بہنے لگا، جب انگلی کنپٹی پر پھر رکھی گئی تو خون رک گیا، اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری تھی جس پر لکھا تھا، ربی اللہ (میرا رب اللہ تعالیٰ ہے) اس کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو اطلاع دی گئی آپ نے جواب لکھا کہ اسے چھپا کر اوپر مٹی ڈال دو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ اس صاحب الاخدود بچے کو اپنے حال پر چھوڑ دیں یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ قبر سے بعث و نشور کے لیے اٹھائے۔

آخری قصہ از اصحاب الاخدود

فارس کی زمین میں واقع ہوا تھا اس کی کیفیت حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجوسی بھی اصل میں کتابِ آسمانی رکھتے تھے اور ایک پیغمبر کے دین کے تابع تھے اور شراب ان کے دین میں بدن کے نفع کے واسطے اس قدر حلال تھی جو بے ہوش نہ کرے۔ ایک روز مجوسیوں کے بادشاہ نے شراب بہت زیادہ پی لی اور اس مستی کی حالت میں اپنی بہن سے صحبت کی، جب ہوش آیا تو نہایت نادم اور پشیمان ہوا اور اپنی بہن سے اس عار کی تدبیر پوچھی۔ بہن نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ تو بہن کے حلال ہونے کا دعویٰ کر، اور کہہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بھی بہن بھائی کا نکاح ہوتا تھا میں بھی اُسی وضع پر قائم ہوں۔ بادشاہ نے لوگوں کو جمع کر کے اس مذہب اور مسئلہ کو بیان کیا، لوگوں نے ہرگز قبول نہ کیا پھر بادشاہ کی بہن نے کہا کہ ان کو کوڑوں سے مارو۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ لیکن لوگوں نے قبول نہ کیا۔ پھر اس کی بہن نے کہا کہ ان کی گردن مار۔ اُس نے ویسے ہی کیا۔ لیکن لوگوں نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ پھر اس نے کہا کہ خندقیں کھدواؤ اور ان پر ایندھن بھروا کر آگ ڈلوا دے، جب آگ خوب دہک جائے تو حکم کر کہ جو کوئی اس مسئلہ سے انکار کرے اس کو آگ میں پھینک دو[۱]۔ انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ الخ

---

[۱] قدرتِ الٰہی سے عین لوگوں کے جلانے کی حالت میں خود بھی جل گیا، اس روز سے مجوس کے مذہب میں آتش پرستی اور بہن کا حلال ہونا جائز ہوا۔

ولیہ کاملہ کی کرامت

اس قسم کا واقعہ تفسیر زاہدی میں منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں مسلمانوں کا ایک شہر تھا اس میں قحط پڑا تو مسلمان اس شہر کے غول کے غول حبش کی طرف بھاگ گئے حبش کے کافروں نے اپنے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر یہ قحط زدہ مسلمان اس شہر میں آئیں گے تو

(باقی صفحہ آئندہ پر)

النَّارِ اخدود سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ اخدود نار (آگ) پر مشتمل تھی اور اخدود آگ سے اہی زیادہ ہیبت ناک ہوئی اور سخت ہولناک ۔ گویا معنیٰ یہ ہے کہ آگ اخدود میں ۔ یا ال ضمیر کے قائم مقام ہے جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہم پر غلہ کی تنگی ہو جائے گی اور یہاں بھی قحط پڑ جائے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا تو شہر کے دروازہ پر ایک خندق کھودی گئی اور اس کو آگ سے بھر دیا گیا اور بادشاہ خود بھی اپنا تخت بچھا کر وہاں بیٹھا اور ایک ہاتھی کے برابر (بڑا) بُت وہاں کھڑا کیا اور شہر میں منادی کرادی کہ ان غریب الوطن اور باہر سے آئے ہوؤں میں سے جو کوئی بُت کو سجدہ نہ کرے تو اس کو آگ میں جھونک دو۔ اتفاقاً ایک مسکین عورت کہ اس کی گود میں بچہ تھا پکڑ کر لائے اور اس سے کہنے لگے کہ اس بت کو سجدہ کر، اس نے کہا معاذ اللہ۔ بادشاہ نے خفا ہو کر کہا کہ اس کے بچے کو اس سے چھین کر آگ میں ڈال دو۔ جب بچہ اس سے چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا تو وہ ماں نہایت بیقرار ہوگئی، تب اس بچہ نے آگ کے اندر سے آواز دی کہ اے اماں! کچھ خوف نہ کر، بے دھڑک چلی آ کہ یہ آگ نہیں ہے پھول ہے۔ اس عورت نے ہاتھ اٹھا کر جنابِ باری میں دُعا کی: "یارب! تُو دیکھتا ہے اور جانتا ہے تیرے رُوبرو بیان کرنے کی حاجت نہیں"۔ فی الفور اس آگ سے ایک شعلہ چالیس گز اونچا اُٹھا اور ان پر قنات کی مانند ہو کر سب کو گھیر لیا اور ایک ایک کو جلا دیا۔

ف : ان ظالموں کو دنیا میں ہی ہاتھوں ہاتھ صلہ ملا، انھیں ذرا مہلت نہ ملی اور ان کا کام الٹا ہو گیا۔ یعنی جو آگ اہلِ ایمان کے لیے تیار کی تھی اس میں خود ہی جل گئے۔

ف : ان کافروں کو مسلمانوں کے ایمان لانے پر عداوت تھی برخلاف اور کافروں کے کہ باوجود مسلمان کے ایذا دینے کے سالہا سال مہلت پائی اور وجہ صرف یہی تھی کہ ان کی عداوت ایمان کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ریاست کی طمع اور مال و جاہ کی امید اُس میں ملی ہوئی تھی اور ان لوگوں کو عداوت خالص ایمان کے لیے تھی حالانکہ وہی ایمان صحیح تھا۔

فی الواقع اُس جماعت نے ظلم میں کمال درجے کی زیادتی کی تھی کہ ایسی جلد سزا کو پہنچی کیونکہ دوسرے ظالم جو کسی پر ظلم کرتے ہیں اپنے رُوبرو مار دھاڑ نہیں کرتے بلکہ ملازموں کو حکم دیتے ہیں کہ مجرموں کو سزا دیں اور یہ ظالم جو خندق والے تھے ایمان والوں سے ظلم اپنے روبرو کرواتے تھے۔

حجاز کے ملک کے قریب چار بستیوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ واقع ہُوا۔ ان چاروں قصوں سے مراد اہل مکّہ کو ڈرانا ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں۔ پہلا قصہ ملک شام میں ہُوا جس کو صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، دوسرا یمن کے ملک میں، تیسرا فارس کے ملک، چوتھا بنی اسرائیل قوم کے علاقہ میں۔

(تفسیر عزیزی از حضرت شاہ عبدالعزیز)　　　اویسی غفرلہٗ

اہلِ بصرہ و کوفہ کے مذہب کا اختلاف ہے ذَاتِ الْوَقُوْدِ (بھڑکتی آگ والی) صاحب آتش، ایندھن سے جلائی ہوئی۔

لغات الوقود وہ شے جس سے آگ جلائی جائے یعنی ایندھن، اس میں آگ غایۃ عظمت اور شعلوں والی ہے اور ان کی کثرت پر دلالت کرتی ہے جو اس میں شعلوں کے ارتفاع اور غایۃ عظمت پر دلالت کرتی ہے یعنی لکڑیوں اور لوگوں کے بدن میں سے (جو اس میں جلائے جا رہے تھے) اس معنیٰ پر اس کی لام استغراقی دلالت کرتی ہے۔ اگر یہ معنیٰ نہ لیا جائے تو اسے ایسی توصیف کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ نار لکڑیوں کے بغیر نہیں جلتی اُس آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ستم کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے ان کے ملعون ہونے کی خبر دینے سے مومنین کو تسلی دینا ظاہر ہے کہ اس طرح جو کافر اس وقت مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں وہ بھی گرفتارِ لعنت ہوں گے جس کا اثر خواہ دنیا میں مرتب ہو جیسے بدر وغیرہ میں مقتول و مخذول ہوئے یا صرف آخرت میں، جیسا کہ عام کفار کے لیے یقینی ہے اور دشمن کے عذاب کی خبر سے تسلی ہونا امر طبعی ہے اور ان لوگوں کا بیٹھنا اُس ظلم و ستم کے انتظام اور نگرانی کے لیے تھا اور شہود میں علاوہ نگرانی کے اُن لوگوں کی سنگدلی کی طرف اشارہ ہے کہ دیکھ کر بھی رحم نہ آتا تھا اور اس کو حکم باللعن میں خاص دخل ہے کہ یہ سنگدلی علل لعنت سے ہے اور ان کا نزول تھے اُن مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا سوائے اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ (جب وہ اس پر بیٹھے تھے) اذ ظرف قتل کے متعلق ہے اور ضمیر اصحٰب الاخدود کی طرف راجع ہے۔ قعود، قاعد کی جمع ہے یعنی ملعون ہوئے جب اہلِ ایمان کو آگ سے جلایا درانحالیکہ وہ آگ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اونچے مکانوں پر جو آگ کے کناروں پر تھے۔

ف : لفظ علیٰ اس معنیٰ کا مشعر ہے جیسے کہا جاتا ہے مررت علیہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اونچے مکان سے گزرا جو اس کے قریب ہے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ وہ تختوں اور کرسیوں پر بیٹھ کر آگ میں پھینکے جانے والوں کا تماشا دیکھ رہے تھے کیونکہ اگر وہ آگ پر بیٹھتے تو جل جاتے۔

خلاصہ یہ کہ قاتلین اونچے مکان وغیرہ پر بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔ اہلِ ایمان کو آگ پر لایا جاتا اگر وہ دینِ حق کو چھوڑ دیتا تو اسے چھوڑ دیتے ورنہ اسے آگ میں ڈال دیتے اور وہ جل جاتا۔

حدیث شریف : وکان علیہ السلام اذا ذکر اصحٰب الاخدود تعوذ باللہ من جھد البلاء (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اصحاب الاخدود کا ذکر فرماتے تو سخت ترین بلائے

پناہ مانگنے)

ف : جہد البلاء سے مراد وہ حالت ہے جس سے موت اختیار کرنی پڑے یا کثرۃ عیال اور فقر کما فی القاموس اور الجہد (بالفتح) بمعنی مشقت اور جہد عیشہ جیسے فرح بمعنی نکد و اشتد (یعنی سخت ہوا)

وَهُمْ عَلٰی مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ (اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے) یعنی ہر ایک بادشاہ کو گواہی دیتا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی نہ مومن کو آگ میں ڈالنے پر کوئی رحم نہیں کیا اور نہ ہی شفقت کی۔ یا قیامت میں گواہی دیں گے کہ اہل ایمان کے ساتھ کیا کیا، یعنی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے کرتوت کی گواہی دیں گے اسی معنی پر مضمون قرآنی کا یہی تقاضا ہے اور روایات اسی پر ناطق ہیں۔

ف : بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ وہ سرکش لوگ جنھوں نے اہل ایمان کو آگ میں ڈالا تھا وہ آگ کے ارد گرد تماشائی بنے بیٹھے تھے۔

کرامت اہلِ ایمان ایک روایت میں ہے کہ وہ آگ چالیس گز اونچی ہوئی اور ان سرکشوں کو جلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دی اور وہ صحیح و سالم رہے۔ اور بُرا مکر (تدبیر) خود اہلِ مکر ہی کو گھیرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ارواح آگ میں جلنے سے پہلے ہی قبض کر لی، جیسے بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا زوجۂ فرعون سے کیا جیسے گزرا (پ ۲۸ آخری رکوع میں) اسی پر محمول کیا ہے۔ ولھم عذاب الحریق فی الدنیا (اور ان کے لیے دنیا میں جلا دینے والا عذاب ہے) (یعنی ان کے لیے دنیا میں آگ کا اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ نفوس متمردہ متکبر اور جناب حق سے روگردانی اور دائمی عذاب نیران کے مستحق اور رسوائی الا خسران کے مارے ہوئے ہیں اور جلے ہوئے ہیں اخلاق ردئیہ کے آگ سے سنگار کئے ہوئے ہیں اوصاف خبیثہ نفسیہ ہوائیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں ارتکاب شہوات اور لذات کے انہماک میں اور نفس اور خواہشات نفسانیہ اور ان کے قوائے طبیعیہ ان کے بعض بعض پر گواہی دیں گے اپنے ان کرتوتوں کی جو مومنین یعنی روح و سر و قلب کے ساتھ کرتے تھے یعنی اُن کی مخالفت و مجادلہ و مخاصمہ کرتے تھے۔

تفسیرِ عالمانہ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ (اور انہیں مسلمانوں کا کیا بُرا لگا) اور کون سے عیوب تھے۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے نقم الامر اذا عابہ وکرھہ (کوئی امر عیب کیا اور اس سے

کراہت کی) المفردات میں ہے ، نقمت الشئی اذا انکرتہ اما باللسان و اما بالعقوبۃ (یعنی نے شے سے کراہت کی زبان سے یا سزا سے)

اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (یہی ناکہ وہ ایمان لائے اللہ عزت والے تمام خوبیوں والے پر)

سوال : لفظ مضارع سے کیوں، حالانکہ ان سے تو ایمان زمانہ ماضی میں پایا گیا تھا۔

جواب : اس پر استمرار و دوام کی وجہ سے جو آنے والے زمانوں میں انہوں نے استقلال کا عزم بالجزم ظاہر کیا کیونکہ اگر وہ مستقبل میں کفر کرتے تو پھر ان برگزشتہ کفر پر عذاب کیسا، گویا کہا گیا کہ یہی نا کہ وہ اپنے ایمان پر استمرار اور مداومت کر رہے ہیں۔

سوال : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر جادوگروں نے مضارع کا صیغہ کیوں کہا جب ایمان لاتے تو فرعون نے ان کو عذاب دیا تو کہا وما تنقم منا الا ان اٰمنا باٰیات ربنا (اور تو ہم پر عذاب نہیں کرتا مگر اس لیے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب تعالیٰ کی آیات پر)

جواب : کیونکہ ان کا موسیٰ پر ایمان لانا فرعون کے نزدیک بُرا تھا اس کے نزدیک ان سے بدلہ لینا واجب تھا (اسی لیے وہ صیغہ مضارع بول رہے تھے)

ف : استثناء مفرغ ان کی برأت کی خبر دیتا ہے کہ ان پر جس طرح کا الزام لگایا جا رہا ہے وہ اس سے بیزار ہیں، جیسے کسی شاعر نے کہا : ؎

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم
تلام بنسان الاحبۃ والوطن

ترجمہ : ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے ان کی تلواریں کند ہیں محبوبوں کے تیروں اور وطن کی وجہ سے۔

یعنی جسے یہ لوگ عیب سمجھ رہے ہیں درحقیقت عیب نہیں، جیسے شاعر نے جس شے کو عیب بتایا ہے وہ درحقیقت عیب نہیں اور نہ ہی اس لائق ہے کہ اسے عیب شمار کیا جائے قول شاعر میں استثناء ہمارے مسئلہ کے منافی نہیں کیونکہ شاعر اگرچہ محض دعویٰ کر رہا ہے اور ہمارا مسئلہ تو تحقیقی ہے (محض شعر کی تمثیل سمجھانے کیلئے ہے)

ف : اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز کا معنیٰ ہے وہ ذات جس کے عذاب کا خوف ہو، اور حمید کا معنیٰ ہے منعم جس سے ثواب کی امید ہو، اس کی تائید کی اگلے ارشاد سے الذی ملک السمٰوٰت والارض (اسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت) اس میں آگاہ کرنا ہے کہ ان (اہلِ ایمان) کے ایمان کا تعلق

کیسی ذات سے ہے۔ ملک بمعنی بادشاہی، اور اس صفت کو موخر کیا اس لیے ملک تام حاصل نہیں ہوتا جب تک قدرت کامل حاصل نہ ہو، اس پر لفظ عزیز دلالت کرتا ہے، ایسے ہی جب تک اسے علم کامل حاصل نہ ہو وہ افعالِ حمیدہ پر قدرت نہیں رکھتا۔

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ذاتِ الٰہی کو ان صفات سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ کفار کی چند روز کی مہلت اس لیے نہیں دیتا کہ وہ کفار پر عذاب کرنے پر قادر نہیں بلکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ جن اہلِ ایمان کو کفار اذیتیں دے رہے ہیں وہ کمال ثواب کو پہنچ جائیں جو اس کے بغیر وہ کسی دوسرے عمل سے نہیں پہنچ سکتے علاوہ ازیں اسی طرح اس کی سابق قضاء و قدر میں لکھا جا چکا ہے۔

ف: اس میں کفار کی مذمت ہے ان کی انتہائی جہالت پر کہ وہ اپنے ایسے برے افعال کو اپنی مدح اور تعریف سمجھتے ہیں بلکہ وہ مدح کے سبب کو عیب اور عیب کے سبب کو مدح خیال کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر شے پہ گواہ ہے) یعنی خدا مومن و کافر کے جملہ اقوال و افعال پر گواہ ہے اور جانتا ہے۔

ف: اس میں اہلِ ایمان کے لیے وعدہ کریمہ اور کفار عذاب کرنے والے کے لیے وعید شدید ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جملہ اشیاء کو تفصیلی ہے منجملہ ان کے فریقین (کافر و مومن) کے اعمال ہیں جو جزاء و سزا کامل کا سبب ہے۔

حاضر و ناظر کی تحقیق

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الشهيد العليم	شہید بمعنی علیم ہے اسی سے ہے شہد اللہ
ومنه قوله تعالىٰ شهد الله اى علم	بمعنی علم اللہ، شہید بمعنی حاضر ہے اور اس کا
الله والشهيد الحاضر وحضوره	حضور بمعنی علم و رؤیۃ و قدرت اور شہید
بمعنى علمه ورؤيته وقدرته	شاہد کا مبالغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے
والشهيد مبالغة من الشاهد. و	جب کسی کا عقیدہ ہو کہ وہ شہید ہے یعنی
اذا علم العبد أن الله تعالىٰ	اس کے جملہ افعال کو جانتا ہے اور تمام احوال
شهيد يعلم أفعاله ويرى أحواله	کو دیکھتا ہے تو جو گناہ اس سے سرزد ہونے کا
سهل عليه ما يقاسيه لاجله۔	امکان ہے وہ اس قیاس سے صادر
(ص ۲۹۰)	نہ ہوگا۔

(یہی الفاظ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مستعمل ہیں یعنی شاہد و شہید،

اور ان دونوں کا معنیٰ حاضر و ناظر ہے ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ)

حکایت ایک شخص برائیوں کے ارتکاب پر خوب مارا جاتا ہے لیکن وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ ان سے کسی قسم کی چیخ و پکار نہ سُنی جاتی ۔ کسی نے پُوچھا ، اتنی شدید مار پر اتنا صبر کیوں ؟ کیا تجھے اس سے درد محسوس نہیں ہوتا ؟ کہا کیوں نہیں ہوتا لیکن میں چیختا چلاتا اس لیے نہیں کہ مجلس میں میرا ایک محبوب موجود ہوتا ہے ، اگر میں چیخوں چلاؤں اس سے میرے چہرے کی رونق بگڑ جائے گی اور وہ مجھے دیکھ رہا ہوتا ہے میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے منغص نہ ہو ۔

سبق : جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتا ہے پھر چیونٹی یا مچھر کی یا کسی اور کی اذیت پر صبر نہیں کرتا تو پھر وہ اپنی محبت میں کیسے سچا ہو سکتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر پر اکراہ سے صبر اولیٰ ہے اگرچہ کتنا ہی عذاب ہو صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے ، لیکن شرع میں زبان کفر کے اجراء کی رخصت بھی ہے ۔

حکایت مسیلمۃ الکذاب مسیلمۃ الکذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کر کے ایک سے پُوچھا ، کیا تُو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں (معاذ اللہ) اس نے اقرار کیا تو اُسے چھوڑ دیا دوسرے سے کہا تو اس نے کہا ، تُو جھوٹا ہے ۔ اسے شہید کر دیا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اما الذی ترکہ فأخذ بالرخصۃ فلا تبعۃ علیہ و اما الذی صبر فأخذ بالفضل فھنیئا ۔	جس نے مسیلمۃ الکذاب کی رسالت کی گواہی دی اس نے رخصت پر عمل کیا اس پر کوئی باز پرس نہیں اور جس نے صبر کیا اور شہید ہو گیا اس نے فضیلت پر عمل کیا اسے مبارک ہو ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے یعنی سماوات الارواح و ارض الاشباح والاجساد پر شہید یعنی حاضر ہے اس لیے کہ وہ سب اسی کے مظہر ہیں اور ذاتاً و صفاتاً و اسماءً کا ظہور انہی میں ہے اس لیے کہ ذات جمیع توابع وجودیہ کو مستلزم ہے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (بے شک جنھوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا دی)

حلِ لغات : الفتن سے مراد ان کا آگ میں جلانا مراد ہے اور فتنہ بمعنی ایذا دینا یعنی انہیں ان کے

دین کے بارے میں آزمایا اور ایذاء اور عذاب کیا جس طرح ان سے ہوسکا تاکہ وہ دین حق کو چھوڑ دیں، جیسے اصحاب الاُخدود اور دوسرے ظالموں نے کیا جیسے کفار سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر عذاب کرتے تھے وغیرہ۔ اس معنیٰ پر موصول جنس کے لیے ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ابتلاء سے بلاء پہلے کیوں دفع نہ کی وہ اس لیے کہ اہل الولاء کوئی محبوبِ خدا ابتلاء سے خالی نہیں ہوتا ہے

وهيهات هيهات الصفاء لعاشق
وجنة عدن بالمكاره حفت

ترجمہ: عاشق سے آرام و قرار بہت دُور ہے اس لیے کہ جنت عدن تکالیف وغیرہ کے گھیرے میں ہے۔

ثُمَّ بعد اس کے کہ جو کچھ کیا **لَمْ يَتُوبُوا** پھر توبہ نہ کی اپنے کفر و فتنہ سے اس لیے کہ وہ جو مذکور ہوا فتنہ فی الدین سے وہ کافر کے دین سے بھی متصور نہیں ہوسکتا۔

نکتہ لفظ ثم لانے میں آگاہ کرنا ہے کہ وُہ کریم کیسا حلیم ہے کہ قہر میں جلدی نہیں کرتا بلکہ توبہ قبول کرلیتا ہے خواہ کتنا ہی عرصہ گناہ میں گزر جائے۔

مسئلہ: امام (فخرالدین رازی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اس (اہلسنّت) کی دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ قبول ہے۔

فَلَهُمْ (تو ان کے لیے) آخرت میں ان کے کفر کے سبب سے **عَذَابُ جَهَنَّمَ** جہنم کا عذاب ہے جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے **وَلَهُمْ** (اور ان کے لیے) بسبب ان کے اہلِ ایمان کے فتنہ کے **عَذَابُ الْحَرِيقِ** آگ کا عذاب یا عظیم عذاب جو ان کے جلانے میں دوسرے جہنمیوں کے عذاب سے زائد ہو، اس سے دونوں معطوفوں کی مغایرت ظاہر ہوگئی اگر وہ ایک دوسرے میں سے ظاہر ہیں اور یہ بھی ہے کہ عذاب جہنم سے سردی یعنی زمہریر کا عذاب اور عذاب الحریق سے جلانے کا عذاب مراد ہو کیونکہ جزاء از جنس عمل ہوتی ہے۔

حل لغات الحریق اسم بمعنی احتراق حرقۃ کی طرح۔ اور علامہ کاشفی رحمہ اللہ کا کہنا کہ عذاب الحریق بمعنی آتش سوزاں کا عذاب اشارہ کرتا ہے کہ حریق بمعنی نار محرّقہ ہے جیسا کہ المفردات میں فرمایا کہ الحریق بمعنی النار۔ ایسے الحرق (بالتحریک) نار یا اس کا شعلہ (القاموس) اور حرق الشیٔ بمعنی بغیر شعلے کے شے میں حرارت واقع کرنا جیسے کپڑے کو کوٹ کر جلانا، اور احراق بمعنی کسی شے میں

ایسی آگ واقع کرنا جو شعلہ والی ہو اسی سے استعارہ ہے۔

احرقنی بلومہ (اس نے مجھے اپنی ملامت سے جلایا)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایذا رسانی میں حد کرے۔

ف: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ الحریق اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اور اس کا مقابلہ میں آنا زیادہ جلانے کا معنیٰ دیتا ہے اس لیے کہ عطف ترقی کے قبیل سے ہے کہ جس طرح ان کے قبائح میں ترقی ہوئی عذاب میں بھی ویسے ہی ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (بیشک جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے) یہاں علی الاطلاق اہلِ ایمان مراد ہیں وہ ایذاء دئے ہوئے ہوں یا اور **لَھُمْ** (ان کے لیے) بسبب ایمان و عمل صالح کے منجملہ اس کے صبر علی ایذاء الکفار اور ان کا جلانا بھی ہے۔

ف: پہلے جملہ میں فاء لانا اور دوسرے میں جواز الامرین کی دلیل ہے۔

جَنّٰتٌ باغ ہیں جو ان کے ایمان و عمل صالح کی جزاء ہے کفار کے مقابلہ میں کہ ان کی جزا جہنم وغیرہ ہے **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) ان کی جزاء ہے احتراق و حرارت کے مقابلہ میں۔

ف: الارشاد (تفسیر) میں ہے کہ اگر جنّات سے مراد اشجار (درخت) ہیں تو ان کے پانی کا جاری ہونا ظاہر ہونا ظاہر ہے اگر اس سے وہ زمین مراد ہو جس پر اشجار مشتمل ہیں تو ان کے نیچے اس کے ظاہر پر جاری ہونے کے اعتبار سے ہے، اس لیے کہ اشجار زمین کے میدان کو چھپا دیتے ہیں جیسے انھیں اسم جنۃ کہنا بتاتا ہے۔

ذٰلِكَ وہ مذکور عظیم الشان یعنی حصول الجنان **الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ** (بڑی کامیابی ہے) جس کے سامنے دنیا و مافیہا ہیچ ہے اس لیے کہ اس میں گوناگوں اور عجیب و غریب مرغوب اشیاء ہیں اس معنی پر یہ حصر اضافی ہے۔

ف: برہان القرآن میں ہے کہ ذٰلك مبتداء الفوز اس کی خبر الکبیر اس کی صفت ہے اور اس کی نظیر قرآن میں نہیں۔

حل لغات الفوز بمعنی نجات از شر اور خیر کی کامیابی، اگر اس میں اشارہ جنّات کی طرف ہے تو یہ مصدر بمعنی مفعول ہے بطور مبالغہ ورنہ اپنے حال پر مصدر رہے۔

نکتہ: امام (فخرالدین رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ ذٰلك فرمایا تلك نہیں، اس میں ایک باریک نکتہ ہے

وہ یہ کہ ذٰلِكَ میں اللہ تعالیٰ کے ان جنّات کے حصول کی خبر دینے کی طرف اگر تلك ہوتا وہ اشارہ صرف جنّات کی طرف ہوتا اور یہ چنداں خوش کن نہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر دینے میں مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خبر دے رہا ہے اپنی رضا کے اظہار پر اور مومن کے لیے سب سے بڑی خوشی ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو الفوز الکبیر سے بھی رضائے الٰہی مراد ہے نہ کہ حصولِ جنت۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک حصولِ جنت فوز کبیر ہے اور رضائے الٰہی فوز اکبر ہے۔ ہاں تلك نہ کہنے کی ایک وجہ اور ہے وُہ یہ کہ جنّات من حیث الجنات کامیابی نہیں کامیابی بایں معنیٰ ہے کہ وہ حاصل ہوں اور ان کا داخلہ نصیب ہو (اور وہ رضائے الٰہی سے ہوگا)

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (بیشک تیرے رب تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے) جملہ مستانفہ ہے اور یہ خطاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے کہ کفارِ مکہ کو بھی اسی مضمون میں عذاب کی وعید سے وافر حصہ ہے جیسا کہ عنوان ربوبیت پھر اس کی اضافت طرف ضمیر راجع بہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ظاہر ہے۔

حلِ لغات

البطش شے کو حملہ کرکے لینا اور سختی سے حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے،
ید باطشۃ (گرفت والا ہاتھ)

اسے شدۃ سے موصوف کرنے میں اس کے دہ گُنے کئی گنے شدۃ کی طرف اشارہ ہے کہ جبابرہ وظالمین کی گرفت تم نے دیکھی ہے کہ وہ کبھی انتقام اور بدلہ دیر کے بعد لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اس سے قبل انتقام و بدلہ سے عاجز تھے بلکہ اس میں ان کی اپنی کوئی مصلحت وحکمت ہوگی۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ بیشک وہ پہلے کرے اور پھر کرے مخلوق کو لوٹائے گا۔ انہیں عدم سے وجود میں لاتا ہے پھر انہیں مارے گا اور خیر و شر کی جزا کے لیے بغیر کسی کے دخل کے (ان دونوں امور میں) ان سب کو لوٹائے گا۔

ف : اس میں مزید تقدیر شدّۃ ہے اس کی گرفت کے لیے، یا معنیٰ یہ ہے کہ کافروں کے لیے دنیا میں گرفت کرتا ہے اور آخرت میں پھر اپنی گرفت لوٹائے گا یعنی دنیا میں کافروں پر اپنی گرفت ظاہر کرتا ہے اور آخرت میں پھر ان پر گرفت ظاہر فرمائے گا، یہ اس کے عدل کا نشان ہے یعنی گرفت کرتا ہے اور آخرت میں عذاب کی ابتدا کرکے پھر اسی میں عذاب لوٹائے گا، جیسے فرمایا:

وبدلنا ھم جلوداً غیرھا۔ ہم ان کے چمڑے تبدیل کریں گے سوائے ان کے جو پہلے تھے۔

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دوزخیوں کو آگ کھائے گی یہاں تک

کہ کوئلہ ہو جائیں گے پھر ان کی تخلیق جدید ہو گی۔ یہی آیت ہذا کی مراد ہے۔

رازدانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان

سیّدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوزخ کے متعلق راز کی بات پوچھی تو فرمایا:

یاحذیفۃ ان فی جھنم لسباعا من نار و کلابا من النار و سیوفا من نار و کلالیب من نار وانہ یبعث ملائکۃ یعلقون اھل النار بتلک الکلالیب باحناکھم ویقطعونھم بتلک السیوف عضوا عضوا ویلقونھا الی تلک السباع والکلاب کلما قطعوا عضوا عاد اٰخرمکانہ غضاطریا۔

اے حذیفہ! جہنم میں درندے ہیں آگ کے اور کتے ہیں نار کے اور تلواریں نار کی اور آگ کے لوہے کے کنڈے ہوں گے اور ملائکہ کرام بھیجے جائیں گے جو اِن کنڈوں کو اہلِ نار کے حلقوم میں ڈال کر انہیں لٹکا کر ان تلواروں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں درندوں اور کتوں کے آگے ڈال دیں گے جب ایک ٹکڑا کاٹا جائیگا تو اسی جگہ پر اور ترو تازہ ٹکڑا پیدا ہو جائے گا۔

ف: یا معنیٰ یہ ہے کہ وُہ انسان کو مٹی سے پیدا کر کے پھر اسے مٹی میں لوٹائیگا یا اسے نطفہ سے ابتدار کر کے اسے آخرت میں لوٹائے گا۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے: بدأ اللہ الخلق و أبدأھم فھو بادئھم و مبدئھم۔ ان سب کا ایک ہی معنی ہے المبدئ بمعنی ابتدار ظاہر کرنے والا ہے۔ المعید بمعنی عدم کے بعد وجود میں لانے والا، گویا اعادہ بدأ ثانی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ المبدئ بمعنی المعید یعنی موجد، لیکن وہ ایجاد جس کی مثل پہلے نہ ہو اس کا نام ابدار ہے، اس کی مثل پہلے ہو تو اس کا نام اعادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدارً تخلیق فرمائی پھر وہی انہیں لوٹائیگا یعنی قیامت میں اٹھایا جائے گا اس معنی پر تمام اشیار کی ابتدار اسی سے ہوئی اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔

المفردات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی المبدئ والمعید ہے یعنی سب کے مبدا و نہایت میں وہی سبب ہے، بعض نے کہا کہ ابدار بمعنے شَے کا ایسے طریقے سے ظاہر کرنا جیسے اسی طرح پھر لوٹایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کی اُس حکم پر ابتدار کی کہ وہ اسے لوٹائے گا، ایسے مبدئ کو معید کہا جاتا ہے۔ اسی لیے

کہا جاتا ہے کہ یہ دو اسم ایسے ہیں کہ دراصل ایک ہیں، یُوں کہ پہلے معنی کی تکمیل دوسرے سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہر اسم کا معنیٰ تمام نہیں ہوتا، اس میں جو اسمائے الٰہیہ کے کمال کی طرف اس کا معنیٰ لوٹتا ہے سوائے اس اسم کے کہ جس میں اس کے معنیٰ کی تکمیل ہے۔

ف : حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان کی ابتدا کرتا ہے اپنے بندوں کے لیے، پھر اسے لوٹاتا ہے اور بار بار لوٹاتا ہے کیونکہ کریم وُہ ہے جو اپنی صنائع کی تربیت کرے۔

خاصیۃ المبدیٔ حاملہ کے پیٹ پر بوقتِ سحر انتیس بار پڑھنے سے حمل ساقط نہیں ہوتا (ثابت رہ کر) پُورے وقت کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔

خاصیۃ المعید اسم معید کو بار بار پڑھا جائے تو بھُولی ہوئی یاد آجاتی ہے بالخصوص جس وقت اس کے ساتھ المبدیٔ بھی ملایا جائے۔

هُوَ الْغَفُوْرُ (اور وہی بخشنے والا) اس کے لیے جو کفر سے توبہ کرے اور ایمان لائے، ایسے ہی اس کے غیر کی بھی توبہ قبول کرتا ہے، ایسے ہی جو معاصی (گناہوں) سے تائب ہو اور جو گناہوں سے توبہ کر کے نہ مرے چاہے تو اسے بھی بخش دے **الْوَدُوْدُ** (اپنے بندوں کو پیارا) اور جو اس کی اطاعت کرے اُس کا مُحب ایسے ہی جو توبہ کرے۔ جیسے فرمایا، ان اللّٰہ یحب التوابین (بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے)

ف : یہ بھی اس کے فضل بعدل کا نشان ہے ایسے ہی انسان کو رد اور نابود فرمائے گا اور پھر اسے اپنے فضل سے نواز کر بلند قدر بنائے گا ؎

فضل او دلنواز غمخواران

عدل او سینہ سوز جباران

ترجمہ : اس کا فضل غمخواروں کا دلنواز ہے اس کا عدل جبار و سرکشوں کا سینہ سوز ہے۔

لطیفہ : سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بُت خانہ (مشرکین کے گروہ) میں سے نکل کر مقبول بن گئے اور ان کی سابقہ خطائیں بخشی گئیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ غفور و ودود ہے اور عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) کی مسجد نبوی شریف میں زندگی بسر کرنے کے باوجود تمام نیکیاں مردود۔ اس لیے کہ اللہ کی گرفت بہت سخت ہے۔

حلِ لغات الودود یہاں فعول بمعنی فاعل ہے یہی مقام کا تقاضا ہے۔ اور حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : الودود بمعنی بندوں سے پیار کرنے والا کہ ان کو کامل نعمتوں سے

نوازتا اور دائمی عافیت بخشتا ہے۔ اس معنیٰ پر فعول بمعنی مفعول ہے اس لیے کہ صالح بندے کرتے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کی محبت کا نام اس کی اطاعت کرنے اور اس کے امر کی موافقت کرنے اور اس کی تعظیم اور اس کی ہیبت دل میں رکھنے کا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) اہلِ حقیقت کا اتفاق ہے کہ جو محبت عوض کی منتظر ہے یہ معلولہ (بیمار محبت) ہے حقیقی محبت یہ ہے کہ ہر طمع و لالچ اور اثر سے صاف ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے محبوب ترین محب وُہ ہیں جو میری عبادت کرتے ہیں بغیر کسی طمع اور لالچ کے، اور ربوبیت بھی ان کا حق کامل ادا کرتی ہے۔

بعض اکابرین نے فرمایا کہ عشق کا معنیٰ ہے دُو روحوں کا آپس میں لپٹنا، اور محبت کا معنیٰ ہے اس لپٹنے سے صاف اور خالص ہونا اور ودّ کا معنیٰ ہے اس پر ثابت رہنا اور اسے قلب میں رکھنا۔ الہویٰ حُب کا قلب میں پہلا وقوع۔

(۲) تاویلات النجمیہ میں ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ودود اس کے لیے ہے جو اس کی طرف اس محبت سے متوجہ ہے جس کا اشارہ یتقرب الخ میں ہے یعنی جو ایک بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ جو محبت سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے تو وہ ودّ سے اس کے قریب ہوجاتا ہے اس لیے کہ ودّ بہ نسبت محبت کے قلب میں زیادہ مضبوط ہو کر ثابت ہونے والی ہے کیونکہ یہ الوتد سے ہے بمعنی میخ۔ القاموس میں ہے کہ الود، الوتد بمعنی میخ۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الودود وُہ ہے جو جمیع خلائق کے لیے بھلائی چاہے اور ان پر احسان فرمائے اور دُگنا فضل و کرم فرمائے۔ یہ الرحیم کے معنیٰ کے قریب ہے لیکن رحمت مرحوم کی طرف اضافۃ کا نام ہے اور مرحوم محتاج و مضطر ہوتا ہے اور رحیم کے افعال مرحوم ضعیف مستدعی ہیں اور ودود کے افعال اس کے مستدعی نہیں بلکہ وہ ودّ کے تقاضا سے ابتدأً احسان کرتا ہے جیسے مرحمۃ کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مرحوم کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ کرنا اور اس کی کفایت کرنا اور وہ رقت سے منزہ ہے، ایسے ہی الرحمۃ کا معنیٰ ہے یعنی اس کا کرامت و نعمت کا ارادہ کرنا اور وہ (اللہ تعالیٰ) میل المودۃ سے منزّہ ہے۔

بندہ ودود بندہ ودودہ ہے جو خلقِ خدا کے لیے وہی چاہے جو وُہ خود اپنے لیے چاہتا ہے اور اس سے بلند تر وہ ہے جو دوسروں کو خود پر ترجیح دے۔ جیسے کسی نے کہا کہ کاش میں دوزخ پر پُل بن جاؤں اور لوگ اس پر سے گزریں تاکہ دوزخ کی اذیت سے بچ جائیں اور اس سے

بڑھ کر باکمال وُہ ہے جو ایسے ایثار کے باوجود کسی سے حسد اور بُغض و کینہ نہ رکھے اور اگر کسی سے اذیت پہنچے اس پر خفاء نہ ہو، جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کمال ہے کہ غزوۂ اُحد میں آپ کے دانت مبارک شہید ہُوئے اور چہرۂ اقدس خُون آلود ہوا، تب بھی کہہ رہے تھے :

اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون ۔ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے اس لیے کہ وہ جانتے نہیں ۔

کفار کا دکھ پہنچانا آپ کے ارادۂ خیر میں مانع نہ ہُوا۔

وصیۃ النبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم لعلی رضی اللہ عنہٗ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدعار کی کہ میں مقربین سے سبقت لے جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ جو قطع کرے آپ اس کو صلہ دیں اور جو آپ کو اپنی دَین سے محروم کرے آپ اسے عطیات سے نوازیں، جو آپ پر ظلم کرے آپ اُسے معاف فرمادیں۔

خاصیۃ الودود الحب کے لیے، بالخصوص زن وشوہر کے لیے، جو اسم یا ودود کو ہزار بار پڑھ کر کسی کھانے کی چیز (مِیٹھی وغیرہ) پر پڑھ کر دَم کرے پھر زن وشوہر اکٹھے مل کر کھائیں تو عورت مرد کے تابع ہوگی، یہاں تک کہ عورت کو مرد کی اطاعت کے بغیر چین نہ آئے گا۔

تجارت میں برکت مروی ہے کہ یہ اسم اعظم ہے تاجر کی دعائیں، ان الفاظ کا ورد کرے :
یا ودود یا ذا العرش المجید یا مبدئُ یا معید أسألك بنور وجهك الذی ملأ ارکان عرشك و بقدرتك التی قدرت بها علیٰ جمیع خلقك و برحمتك التی وسعت کل شئ لا الٰه الا أنت یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی ۔ (الحدیث)

ف : اس حدیث کا بہت سے ائمہ نے ذکر کیا ہے۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میں سحر اعلیٰ کے وقت لسانِ قلب سے کہتا رہا یا ودود، پھر میری زبان سے بے اختیار نکلا کہ میں کہہ رہا تھا یا رب اجعلنی محیطا (اے رب! مجھے محیط بنادے) اس سے میں سمجھا کہ اسم مذکور میں عظیم تاثیر ہے احاطہ کے بارے میں، اس لیے کہ الودود بمعنی المحبوب ہے اور ظاہر ہے کہ جمیع اسماء الٰہیہ اسم اعظم سے محبت اور اس کی طرف میلان رکھتے ہیں اس سے ثابت ہُوا کہ اسم اعظم الودود ہے بمعنی الودودا' دوسروں کے لیے ودود بمعنی اسم الفاعل۔

وظیفہ یا ودود : جو شخص اسم ودود کا ورد بکثرت کرتا ہے بمعنی المودود، تو اس سے جمیع مظاہر

محبت کرینگے اور اسے تمیع اسرار کا احاطہ نصیب ہوگا اور وہ تمام توجہات تک پہنچ جائیگا۔

تفسیر عالمانہ ذُو الْعَرْشِ (عرش کا مالک) اس کا خالق۔ بعض نے کہا عرش سے مجازاً ملک مراد ہے یعنی مخلوقات سفلیہ اور مخترعات علویہ پر سلطنت قاہرہ والا۔ اگرچہ وہ تخت پر نہ ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے ، ثل عرش فلان (فلاں کی سلطنت گئی) اَلْمَجِیْدِ (بزرگی والا) یعنی وہ جس کی ذات شرافت والی اور اس کے افعال جمیل اور اس کی عطاء جزیل ہو گویا جس کی ذات سے احسن فعال کا اقتران ہو وہ مجید ہے وہی ماجد ہے لیکن ان کا ایک (مجید) مبالغہ پر دلالت کرتا ہے گویا یہ اسم جلیل واسم وہاب اور اسم کریم کا جامع ہے۔

حل لغات القاموس میں ہے : المجید بمعنی الرفیع ، العالی ، الکریم شریف الفعال (شریف فعال والا) کہا جاتا ہے ، مجدہ بمعنی عظمہ و اثنی علیہ (اس کی عظمت و ثناء بیان کی) اور اس کی عطائیں کثیر ہیں۔ التمجید بمعنی کسی کی اچھی صفات بیان کرنا اور اسے العرش کی صفت سے بھی پڑھا گیا ہے اور عرش کا مجد یعنی اس کی بلندی اور عظیم المقدار اور حسن الصورۃ والترکیب اس لیے کہ عرش احسن الاجسام ہے باعتبار ترکیب وصورۃ کے۔

عرش کی پہنائی عرش الٰہی کے مقابلہ میں کرسی ایسے ہے جیسے ایک حلقہ زمین کے جنگل۔ **ف** : جب کرسی کا یہ حال ہے جو اپنی وسعت کے باوجود کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو باقی اجرام علویہ وسفلیہ اس کے سامنے کیا ہیں۔

مسئلہ : حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا نہ یہ کہ کوئی مکان ہے اس کی ذات کا (معاذ اللہ) وہ مکین ہے (جیسے ابن تیمیہ اور اس کے مقلد نجدی اور وہابی دیوبندی کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)

درس عبرت بعض علماء کرام نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی وسعت والے عرش کو دانوں سے بھر دے اور پرندہ پیدا کر دے جو ایک دانہ ایک ہزار سال تک کھاتا رہے پھر یہ تمام دانے ختم کر دے ، دانے ختم ہو جائیں گے لیکن آخرت کی مدت ختم نہ ہوگی ، اس کے باوجود آدم زادہ اس مدت کے عذاب سے نہیں ڈرتا۔ یہ آدم زادے کیسے نڈر ہو گئے ہیں کہ عمریں ایک حقیر شے (دنیا کی لذت اور گناہوں) میں ضائع کر رہے ہیں جو یہ لذات سریع الزوال (بہت جلد مٹنے والی) ہیں۔

عارف باللہ کا مرتبہ اس میں قلب انسان کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے استواء (اس کی شان کے لائق) کی جگہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

قلب العارف عرش اللّٰہ ۔ (عارف کا دل عرشِ اللہ ہے)

عارف باللہ کی مجد اور شرافت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سوائے قلب العرش کے اور کسی جگہ نہیں سماتا ۔

خاصیّتِ اسمِ ذُوالعرش اس اسم مبارک (ذو العرش) کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بزرگی اور شرافت اور طہارۃ ظاہراً و باطناً نصیب ہوتی ہے ، یہاں تک کہ عالم الابدان والصور میں ۔

برص کا علاج برص والا بکثرت (بہت دنوں تک) روزے رکھے اور افطار کے وقت اس اسم (ذو العرش) کو کثرت سے پڑھے ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی سبب سے یا بلاسبب برص دفع ہوجائے گی ۔

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (ہمیشہ جو چاہے کرلینے والا ہے) کہ اُس کا ارادہ اس کی مراد کے خلاف نہیں ہوتا اس کے اپنے افعال سے اور اپنے غیر کے افعال سے یہ اہلِ حق (اہلسنّت) کی دلیل ہے کہ کوئی شے اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی (خلافاً للمعتزلہ) یہ خبر مبتدار محذوف ہے ۔

نکتہ فعال بصیغۂ مبالغہ (فاعل کا مبالغہ) اِس لئے کہا کہ اِحیار (زندہ کرنا) و اِماتۃ (مارنا) اعزاز اذلال (زلیل کرنا) اغناء (غنی کرنا) اقتار (تنگدست کرنا) شفار ، امراض (مریض کرنا) تقریب (قریب کرنا) تبعید (بعید کرنا) عمارہ (آباد کرنا) تخریب (خراب کرنا) وصل ، فرق ، کشف ، حجاب و دیگر شئون کی کثرت کی وجہ سے ہے ۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے اہلِ ایمان اور کافروں سے اور اربابِ ارواح و اسرار و قلوب و اصحابِ نفوس و اہلِ ہوٰی سے کہ اگر ارادہ کرے کہ وہ اربابِ نفوس کو اربابِ ارواح بنادے تو وہ اس پر قادر ہے اور وہ عادل بھی ہے اور اگر وہ اس کے برعکس کرے تو بھی کرسکتا ہے اور یہ اس کا اس میں فضل ہوگا اور چاہے تو کسی کو اپنے جلال سے محجوب کرئے جیسے منکرین سے کرتا ہے اور چاہے تو اپنے جمال کے جلووں سے جلوہ گر فرمائے جیسے مقربین کو اور چاہے تو کسی کو اپنے فیض سے فیضیاب فرمادے جیسے عارفین کو ۔

ف ؛ حضرت قفال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنے اولیار کو جنّت میں داخل کردے گا تو اسے کوئی نہیں روک سکتا اور اعدار کو جہنم میں داخل کرے گا تو اعدار کی کوئی مدد نہ کرسکے گا اور بعض عاصیوں کو مہلت دیتا ہے جتنی دیر چاہے یہاں تک کہ اسے سزا دینا چاہے تو بعض کو جلد سے جلد سزا دے جو چاہے کرے (مالک ہے) ۔

حکایت ؛ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے تو چند لوگ طبیع پرسی کے لیے حاضر ہوئے

...ی کی ، حکم ہو تو طبیب کو بلایا جائے ۔ فرمایا ، مجھے اس نے دیکھا ہے ۔ عرض کی گئی پھر اس نے کیا کہا ؟ فرمایا ، اس نے کہا ہے فعال لما یرید ۔

تفسیر عالمانہ هَلْ اَتٰىكَ (کیا تمہارے پاس آئی ہے) یعنی بیشک آئی ہے کیونکہ یہ استفہام تقریر ہے حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (لشکروں کی بات ، وہ کافروں کی جماعتیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر سرکشی کی زمانۂ ماضی میں اور ان کی خبر سب کو معلوم ہے کہ ان سے کیا سلوک ہوا کفر و گمراہی میں سرکشی کی تو پھر سب کو خبر ہے کہ ان کے لیے کیسے کیسے سنگین عذاب نازل ہوئے فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ (فرعون و ثمود) الجنود سے بدل ہے اگرچہ بظاہر یہ مبدل منہ کے مطابق نہیں کہ وُہ جمع ہے اور یہ واحد لیکن معنیً مطابق ہے کہ اس سے فرعون کا لشکر مراد ہے یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فرعون کے لشکر کی بات تمہارے پاس آئی اور وُہ حالات بھی جو انہوں نے تکذیب کی اور وہ خبریں بھی کہ ان کا کیا حشر ہوا فرعون کے قصے اور اس کے لشکر کا ڈوبنا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا معاملہ بالکل واضح اور روشن ہے ایسے ہی صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی ہلاکت بھی سب کو معلوم ہے کیونکہ یہ اہلِ عرب کی گزرگاہ تھی اور ان کے شہروں میں ان کا آنا جانا تھا ۔

ف : ثمود کا ذکر فرعون سے مؤخر اس لیے کیا حالانکہ قوم ثمود پہلے گزری ہے صرف رعایت الفواصل کی وجہ سے ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس محجوبین کی بات نہیں آئی کہ وُہ انانیت میں کیسے مارے گئے جیسے فرعون اور اس کے طور کے دوسرے لوگ یا آثار و اغیار سے تباہ ہُوئے جیسے قوم ثمود اور جو ان کے ساتھ متصل ہُوئے ۔

تفسیر عالمانہ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ بلکہ کافر یعنی کفارِ مکہ جھٹلانے میں ہیں ، یہ ان کی مماثلت سے اضراب ہے اور بیان ہے کہ یہ کفر اور سرکشی میں بڑھ کر ہیں اور تکذیب کی تنکیر تعظیم کی ہے گویا یہ ان کی مثل نہیں ہیں کفر و تکذیب میں بلکہ ان سے سخت تر ہیں استحقاق عذاب و استیجاب عقاب میں کیونکہ وہ قرآن ناطق کی تکذیب میں سخت ڈٹے ہوئے ہیں لیکن وہ بھی اس لیے نہیں کہ وقوع حدوث کی تکذیب کر رہے ہیں بلکہ اس لیے کہ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے کو جھٹلاتے ہیں باوجودیکہ اس کا امر واضح اور اس کا حال دلائل بینات سے ظاہر ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وُہ تکذیب میں ہیں کہ ان کی عادت و جبلت صفت و تکذیب پر ہے یا ان کی جبلت ہی ایسی ہے کہ اس سے ان کا جُدا ہوجانا ان کے لیے مشکل ہے سوائے چند ایک کے ، وہ ہیں کاملین جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، فمن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ

من نور تو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یعنی اس کی استعداد میں نور بنایا ہی نہیں تو اس کے لیے نور نہیں ہے

خوے بد در طبیعتے کہ نشست
زہد بجز بوقت مرگ از دست

ترجمہ : بُری عادت جس طبیعت میں بیٹھ گئی وُہ موت سے پہلے ہاتھ سے نہ جائے گی۔

ف : اس میں اہلِ حق کے منکرین کی تکذیب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اُن کے ساتھ رہنے کے حالات سے تو ان سے باخبر ہیں لیکن انھیں واردات اوپر سے وارد ہوتے ہیں ان کے ایسے حالات سے بے خبر ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے انہیں گھیرے ہوئے ہے) قدرت سے یہ تمثیل ہے ان کے عدمِ نجات سے عذابِ الٰہی سے کہ محیط سے محاط فوت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر ہر طرف سے راہ بند ہوتے ہیں کہ جہاں سے وہ نکل کر بھاگ سکے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ محیط وُہ ہے جس سے محاط فوت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ محیط سے کوئی شے کیسے فوت ہو جائے جب وہ اللہ تعالیٰ عارفین کے نزدیک کافرین کو بلکہ جملہ موجودات کو محیط ہے بایں معنی کہ صورِ موجودات میں اسی کا جلوہ ہے۔ پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ جمیع اسمار کی احدیت سے تمام موجودات میں ساری ہے ذاتاً وحیاتاً وعلماً وقدرۃً ایسے ہی دیگر صفات سے، اور احاطہ سے مراد یہی سرایت ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کا کوئی ذرہ اس سے غائب نہیں اور ہر وہ جو اس سے غائب ہے وہ عدم سے لاحق ہے اور اہلِ حق نے کہا کہ یہ احاطہ وہ نہیں جو ظرف کا مظروف کے لیے ہوتا ہے نہ ہی کل کا اجزار پر اور نہ ہی احاطہ کلی کا جزئیات پر بلکہ یہ احاطہ ایسے ہے جیسے ملزوم کا لازم سے اس لیے کہ تعینات لاحقہ ذات مطلقہ کیلئے لازم ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ بالشرط یا بلا شرط اور وحدت ملزوم میں کثرۃ لوازم قادح نہیں اور اس کے منافی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالحقائق (اللہ تعالیٰ حقائق کو خوب جانتا ہے)

تفسیر عالمانہ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ (بلکہ وُہ قرآن شرف والا ہے) اس طرح نہیں جیسے کافروں نے کہا بلکہ جس کی انہوں نے تکذیب کی یہ قرآن شرافت والا اور اعلیٰ قدر ہے تمام کتبِ الٰہیہ سے نظم و معنیٰ میں اور مکارمِ دنیویہ و مکارمِ اخرویہ کو متضمن ہے فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (لوحِ محفوظ میں) یعنی محفوظ ہے تحریف سے اور شیطان کی پہنچ سے۔

حلِ لغات لوح وہ صحیفہ (کتاب جس کی لمبائی چوڑائی ہو لکڑی کی یا عظمت والی ہے) (قاموس) امامِ راغب نے فرمایا: لوح، الواح کا واحد ہے بمعنی سفینہ، اور وہ شے جس پر لکھا جائے، لکڑی کی ہو یا کسی اور شے کی۔ یہاں پر یہی مراد ہے۔

لوحِ محفوظ کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ کو سفید موتیوں سے بنایا اس کے دونوں کنارے سُرخ رنگ کے ہیں اور اس کا طول آسمان و زمین کی درمیانی مسافت کے برابر، اور عرض ما بین المشرق والمغرب کے برابر۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر روز تین سو ساٹھ نگاہِ کرم سے نوازتا ہے وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی عزت و ذلت دیتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

لوحِ محفوظ پر نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم[1]

صدر لوحِ محفوظ پر لکھا ہے:

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ ودینہ الاسلام ومحمد عبدہ ورسولہ فمن اٰمن بہ وصدق وعدہ واتبع رسلہ أدخلہ الجنۃ۔ (ص ۳۹۶)	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دین اسلام ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کا عبد اور رسول ہے جو اس پر ایمان لائے اور اس کا وعدہ سچا کیا اور اس کے رسولوں کی اتباع کی اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں داخل کیا۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے بلکہ وہ جو تلاوت کیا اور پڑھا گیا ہے کافروں و منافقوں کے سامنے، وہ قرآن عظیم مجید شریف ہے مثبوت ہے لوحِ قلبِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں اور ان کے وارثین اولیاء عارفین محبین عاشقین کے الواحِ قلوب میں وہ محفوظ ہے نفس امارہ کافرہ کے ہاتھوں کی تحریف اور ہوائے ماکر اور تمام قوائے بشریہ سے جو ساری ہیں اقطار وجود انسانی میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وانا لہٗ لحافظون (اور ہم ہیں اس کی حفاظت کرنیوالے) یعنی حفاظ کے سینوں اور مومنین کے قلوب میں۔

فراغت صاحبِ رُوح البیان قدّس سرّہٗ سورۃ البروج (اللہ تعالیٰ کی رو سے وہی ہے جو اس کی طرف رجوع وعروج ہے) کی تفسیر سے عصر کے وقت ۶ ماہِ مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۱۱۷ھ میں فراغت پائی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بعد مغرب ۱۱ رجب المکرم ۱۴۰۶ھ میں شب پیر کو تفسیر سورۃ البروج کے ترجمہ سے فراغت پائی الحمد للہ علی ذلک۔

---

[1] درود تاج میں ہے اسمہٗ مکتوب..... منقوش فی اللوح والقلم۔ اس کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

سُورَۃُ الطَّارِقِ

اٰیاتُہا ۱۷	(۸۶) سُورَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ (۳۶)	رُکُوعُہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ
كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝
يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى
السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْاَرْضِ
ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ
كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔

آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی، اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے خوب چمکتا تارا کوئی جان نہیں جس کا نگہبان نہ ہو تو چاہیے کہ آدمی غور کرے کہ کس چیز سے بنایا گیا جست کرتے پانی سے جو نکلتا ہے پیٹھ اور سینوں کے بیچ سے بیشک اللہ اس کے واپس کر دینے پر قادر ہے جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی تو آدمی کے پاس نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار آسمان کی قسم جس سے مینہ اُترتا ہے اور زمین کی جو اس سے کھلتی ۔ ہے بیشک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں بیشک کافر اپنا سا داؤں چلتے ہیں اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں تو تم کافروں کو ڈھیل دو انھیں کچھ تھوڑی مہلت دو ۔

سورۃ الطارق[1] مکیۃ اور اس کے سترہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی)

حل لغات : دراصل طارق اسم فاعل از طرق طرقاً وطروقاً سے ہے بمعنی رات کو آیا۔

امام الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الطرق کا اصل الدق (کوٹنا) ہے۔ اسی سے مطرقۃ (ہتھوڑا) ہے کیونکہ وہ لوہا کوٹتا ہے۔ الطریق (راستہ) کیونکہ وہ پاؤں سے روندا جاتا ہے۔ رات کے قاصد کو طارق اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دروازے کھٹکھٹانے کا محتاج ہے کیونکہ رات کو اکثر دروازے بند ہوتے ہیں، پھر وسعت دے کر ہر وہ جو رات کو آئے (ظاہر ہو) اسے طارق کہتے ہیں چاہے کوئی ہو اس توسع میں اور وسعت دے کر عام کر دیا گیا یہاں تک کہ اِن صُورِ خیالیہ کو جو رات کو ظاہر ہوں ان بھی طارق کہتے ہیں لیکن یہاں ستارہ مراد ہے جو رات کو ظاہر ہوتا ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نجم کو طارق اسی لیے کہا گیا کہ اس کا ظہور رات کو ہوتا ہے۔

ہند بن عتبہ نے غزوۂ اُحد میں کہا ؎

نحن بنات طارق

نمشی علی النمارق

ترجمہ : ہم طارق کی بیٹیاں ہیں ہم گدیلوں پر چلتی ہیں۔

یعنی ہمارے باپ ستاروں کی طرح ہیں بزرگی و بلندی میں۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا : ؎

یا راقد اللیل مسرورا باوّله	ان الحوادث قد یطرقن اسحارا
لا تفرحن بلیل طاب اوله	فرب آخر اللیل اُجج النارا

ترجمہ : اے اول رات کو سونے والو! حوادث تو سحروں کے وقت ظاہر ہوتے ہیں رات کے پچھلے حصے کی خوشی سے خوش نہ ہو۔ بسا اوقات رات کے آخری حصے میں آگ بھڑکائی گئی۔

[1] اس سورۂ مبارکہ میں کائنات کے حسین وجمیل مظاہر کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے تاکہ وہ ان مظاہر کو دیکھ کر قیامت کے وجود کا یقین کر سکے۔ اویسی غفرلہٗ

قلب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم : حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

و ما طرق علی قلب محمد من زوائد البیان والانعام۔ (ص ۳۹۶)	قسم ان زوائد بیانات اور انعامات کی جو قلب سیدعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نمودار ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سماء قلب وکواکب واردات قلبیہ والہامات غیبیہ عظیمۃ الشان و قوی البرہان کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ربط : اس کے فخامۃ امر و شہامۃ قدر کی وجہ سے اس کے بعد فرمایا : وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ (اور کچھ تم نے جانا کہ رات کو آنے والا کیا ہے)
یعنی کس نے طارق کا علم دیا، اس لیے اس کا علم مخلوق سے حاصل نہیں ہو سکتا جب تک خلاقِ علیم نہ بتلائے۔ گویا سوال ہوا کہ وہ ہے کیا ؟ تو فرمایا اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ خوب چمکدار تارا۔

حلِ لغات النجم ستارہ طلوع کرنے والا۔ الثقب بمعنی سوراخ کرنا۔ الثقوب والثقابۃ آگ کا روشن ہونا۔ کہا جاتا ہے ثقبہ ثقبا اس میں منفذ او مسلکا بنایا اور سوراخ کیا۔
ثقبت النار تثقب ثقوبا (آگ روشن ہوئی اور شعلہ نکالا) و ثقب النجم (ستارہ چمکا) شہاب ثاقب بمعنی چمکتا ستارہ۔ پہلے اسے طارق کے وصفِ عام سے متصف کیا گیا پھر اس کی مخصوص صفت سے تفسیر فرمائی تاکہ اس کی شان کی عظمت کا اظہار ہو۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ خوب چمکتا ستارہ ہے یعنی رخشندہ و فروزاں' جیسے شعلۂ آتش۔ اس لئے وہ اپنے نور سے روشن کرتا ہے اور اسے بھی جس پر تاریکیاں واقع ہوں یا افلاک کو' اور انھیں راستہ بناتا ہے۔

تفاسیر نجم ثاقب (۱) بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ایک ہی ستارہ نہیں بلکہ تمام ستارے ہیں کیونکہ طارق اسم جنس ہے۔ چنانچہ حضرت حسن کا ہی قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر ستارہ چمکتا ہے اگرچہ ان کی چمک چمک میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم یاد فرمائی اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں یا معہود ستارہ اس کی تیزیٔ چمک کی وجہ سے یہ رکب السلطان کے قبیل سے ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، طارق جدی ہے۔

(۳) اور زحل کے متعلق ابن زید نے کہا، یہ ساتویں آسمان پر چمکتا ہے وہ اپنی نورانیت سے ساتوں آسمانوں پر روشنی پھیلاتا ہے۔

(۴) بعض نے کہا، وہ صبح کا ستارہ ثریا ہے، کیونکہ اہلِ عرب اسی کو ہی النجم کہتے ہیں۔

شانِ نزول ایک شب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ابوطالب کچھ ہدیہ لائے حضورِ اکرم اس کو تناول فرمارہے تھے اس دوران میں ایک تارا ٹوٹا اور تمام فضا اس سے بھر گئی۔ ابوطالب گھبرا کر کہنے لگے، یہ کیا ہے؟ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ہے جس سے شیطان مارے جاتے ہیں اور یہ قدرتِ الٰہی کی نشانیوں میں سے ہے ابوطالب کو اس سے تعجب ہوا، اُسی وقت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت لائے والسماء والطارق الخ

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کوکب اسم جمال کی طرف جو چمکتا ستارہ ہے اور کوکب اسم جلال کی طرف۔ امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے روحِ انسانی اور وہ عقل مراد ہے جو ظلمتِ نفس میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ وہ ستارہ ہے جس سے نفس کی ظلمت روشن ہوتی ہے اور وہ اس میں چلتا ہے اور اسی کے نور سے دیکھتا اور ہدایت پاتا ہے، جیسے فرمایا، وبالنجم هم يهتدون (اور وہ ستارے سے ہی راہ پاتے ہیں)

تفسیر عالمانہ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (کوئی جان نہیں جس پر نگہبان نہ ہو) یہ جواب قسم اور اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے جملہ مقسم بہ کی فخامت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے جو جملہ مقسم علیہا کے مضمون کی تاکید کے تابع ہے۔ اِن نافیہ ہے لَمّا بمعنی اِلّا ہے۔

قاعدہ زجاج نے کہا کہ لمّا بمعنی اِلّا دو جگہوں پر استعمال ہوتا ہے؛

(۱) اِن نافیہ کے بعد (جیسے یہاں ہے)

(۲) بابِ قسم میں، جیسے تم کہتے ہو: سالتك لما فعلت بمعنی الا فعلت، اور حفظ کا باب متعدی بعلی ہے مهيمنة کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی نفس ہو طیبہ یا خبیثہ، اِنسیہ یا جنیہ نہیں ہے مگر اس پر حافظ نگران رقیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا؛

وکان اللہ علیٰ کل شیٔ رقیبا۔ (اللہ ہر شے پر رقیب ہے)

حکایت ایک عورت مکہ معظمہ میں فاسقہ وفاجرہ تھی اس نے دعویٰ کیا کہ طاؤس یمانی کو طاعت الٰہی سے پھیر لوں گی اور اسے مصیبت میں مبتلا کروں گی۔ طاؤس یمانی نیک مرد، خوش خلق اور خوش طبع انسان تھا وُہ عورت طاؤس یمانی کے پاس آئی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور اشارہ کنایہ سے اپنا مطلب بیان کرگئی، طاؤس یمانی بھی اس کا مقصد سمجھ گئے ازراہِ مزاح فرمایا کہ آج صبر کر کل فلاں جگہ آجانا۔

کل دونوں اس معہود جگہ پر پہنچ گئے وہاں تو مجمع کثیر تھا طاؤس یمانی نے کہا اب اپنا مقصد پورا کر لے۔ اس عورت نے کہا یہاں تو لوگ بکثرت ہیں ہماری برائی کو دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ طاؤس یمانی نے کہا خدا کی بندی! لوگوں کے دیکھنے سے تو شرما رہی ہے اس ذات سے نہیں شرماتی جو سب کو اور ہر جگہ دیکھتا ہے۔ کیا تو انہی سے ہے جو لوگوں سے تو ڈرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ طاؤس یمانی کا یہ قول عورت کے دل پر اثر کر گیا وہ اسی وقت تائب ہوئی اور اولیاء کی صف میں شامل ہو گئی۔

حکایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک چرواہے غلام کے پاس سے گزرے، فرمایا ایک بکری کی ضرورت ہے بیچو گے، عرض کی: بکریاں میری نہیں میرے مالک کی ہیں، میں نہیں بیچ سکتا۔ آپ نے فرمایا مالک سے کہہ دینا ایک بکری بھیڑیا کھا گیا ہے۔ عرض کی مالک سے تو کہہ دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا جواب پسند آیا آپ نے بکریاں غلام سمیت خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور بکریاں اس غلام کو عطا کر دیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غلام کے مقولہ "این اللہ" یعنی مذکورہ بالا جواب کو یاد فرماتے تھے۔

سبق: بہت سے لوگ (صاحب المراقبہ) ترکِ معصیت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے حیاء اور اس کی ہیبت کی وجہ سے یہ بات ان پر زیادہ مؤثر ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس کے عذاب کے ڈر سے ترکِ معصیت کریں۔

ف: بعض نے کہا کہ حافظ سے مراد فرشتہ ہے جو اس کے اعمال کی نگہبانی کرتا اور جو بھلائی برائی کرتا ہے تو وہ اسے لکھ لیتا ہے جیسے فرمایا؛

وان علیکم لحافظین (اور بیشک تم پر نگران فرشتے ہیں)

ہمارے اعمال کے نگرانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تعرض علی اعمالکم فما کان من	میرے سامنے تمہارے اعمال پیش کیے جاتے
حسنة حمدت اللہ علیه وما کان	ہیں جو نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں
من سیئة استغفرت اللہ لکم (ص ۳۹۸)	برائی ہو تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

مومن کے ایک سو بیس (۱۲۰) نگران فرشتے

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ہر مومن کے ساتھ ایک سو بیس فرشتے نگران ہیں جو اس سے شیاطین کو ایسے ہٹاتے ہیں جیسے شہد کے پیالے سے مکھیاں ہٹائی جاتی ہیں اگر مومن کو اس کے

نفس کے آنکھ جھپکنے کی دیر سپرد کیا جائے تو اسے شیاطین اُچک کے لے جائیں (گمراہ کر دیں)

ف : لمّا کو مخففہ بھی پڑھا گیا ہے اس وقت ان مخففہ اور ما زائدہ اور لام فاصلہ کی ہوگی درمیان مخففہ اور نافیہ کے۔

اب معنیٰ یہ ہوگا کہ شان یہ ہے کہ ہر نفس اس پر نگران ہے۔

ف : آیت میں نفوس کی تخویف (ڈرانا) ہے ان امور سے جو ضارہ (ضرر رساں) ہیں اور ترغیب ہے ان شئون میں جو نافعہ ہیں۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ نفس سے عام نفس مکلّف مراد ہے انسان ہو یا جن، اور نفس المکلف بھی عموم الحفظ کے لیے بعض وجوہ سے ایسے ہی کل نفس مراد ہو سکتے ہیں اس میں نفوس حیوانیہ مطلقاً شامل ہیں بلکہ ہر شے ماسوی اللہ اس لیے کہ نفس سے ذات مراد ہے اس لیے کہ ہر شے کا نفس اس کی ذات ہے اور اس کی ذات اس کا نفس ہے اور حافظ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے اس لیے کہ وہ شے کے احوال کو جانتا ہے اور اس تک اس کے منافع پہنچاتا اور اس سے ضرر رساں چیزوں کو دفع کرتا ہے۔

ف : بندہ حافظ ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وُہ اپنے جوارح وقلب اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے غضب کے حملہ اور علاوہ شہوت اور نفس کے دھوکا اور غرور شیطان سے اس لیے کہ وہ گرنے والی دیوار کے کنارے پر ہے اور اسے یہی ملکات گلے پڑے ہوئے ہیں جو اسے ہلاکت تک پہنچاتے ہیں۔

خاصیۃ الحفیظ اسم حفیظ کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ اسے لکھ کر گلے میں ڈال دو اگرچہ درندوں کے درمیان سوتے رہو، درندوں سے اور ہر موذی شے سے حفاظت رہے گی۔

تفسیر صُوفیانہ حافظ اللہ ہے اگر نفس سے تمام نفوس مراد ہوں اگر اس سے وہی اصطلاحی نفس مراد ہے یعنی قُوّتِ حیوانیہ تو اس کا حافظ رُوحِ انسانی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ تو چاہیے انسان غور کرے فکر کرے انسان جو جہل و نسیان کا مرکب ہے اور نشور و حشر و میزان کا منکر ہے مِمَّ خُلِقَ کہ کس چیز سے بنایا گیا ہے مِمَّ دراصل مِمّا تھا الف تخفیفاً محذوف ہوا جیسے عَمَّ میں گزرا۔ یعنی غور کرنے پر اسے واضح ہوگا کہ کن مواد سے اس کی پیدائش مقدر ہوئی جبکہ اس نے حیات کی بُو بھی نہ سُونگھی تھی پھر وہی رب تعالیٰ اس کے اعادہ پر قادر ہے بلکہ زیادہ قادر ہے اگر عقل سے کام لیا جائے تو پھر یہ یوم اعادہ وجزاء کے لیے وہ عمل کرے جو اسے اسی دن نفع دے اور محنت کرے اور ایسے کام نہ کرے

جو اس کا نگران فرشتہ لکھ لے تو اسے ہلاکت میں ڈالے خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (جست کرتے پانی سے) جملہ مستانفہ ہے، استفہام مقدر کا جواب ہے گویا کہا گیا کہ کس شے سے پیدا ہوا تو جواب ملا ایسے پانی سے جو جست والا ہے وُہ پانی جس میں دفع کے ساتھ گرنا اور تیزی سے بہنا ہو یعنی دفق بمعنی پانی کا گرانا از باب نصر۔

سوال: اسے نسبت کے معنیٰ سے کیوں تاویل کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے ٹپکنا سے متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تو ٹپکایا ہُوا ہے نہ کہ ٹپکنے والا، پھر اسے دافق سے موصوف کیا گیا اس سے قطع نظر کرکے کہ وہ اسی سے صادر ہو۔

ف: بعض نے فرمایا کہ ماء مصبوب یعنی وُہ پانی جو رحم میں گرایا ہوا، جیسے کہا جاتا ہے سرٌّ کاتِمٌ یعنی راز چھپایا ہُوا۔ اور عیشۃ راضیۃ اور عیش پسندیدہ بمعنی مرضیۃ، اس تقریر پر یہ فاعل بمعنی مفعول ہوگا۔ اس سے مراد وہ پانی ہے جو رحم میں دو پانیوں سے مل کر ایک ہو جائے، جیسے اگلا مضمون بتاتا ہے اور چونکہ وہ دونوں مل کر ایک ہوگئے ہیں اسی لیے اسے مفرد سے تعبیر کیا گیا ہے ایسے ہی اسی ممتزج کو دافق کی صفت دی گئی یہ توصیف المجموع بوصف بعض اجزائہ کے قبیل سے ہے۔

يَخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (نکلتا ہے وہ جست والا پانی پیٹھ اور سینوں کے بیچ سے) صلب شدید سے، اسی اعتبار سے پیٹھ کو صُلب کہا جاتا ہے، یعنی مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کے بیچ سے۔

حلِ لغات الترائب عورت کے سینے کی پسلیاں اور ہڈیاں جہاں ہار ٹھہرا رہتا ہے، اس کی ہر ہڈی کو تریبۃ کہا جاتا ہے۔ حضرت علی و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پستانوں کے درمیان۔ القاموس میں ہے کہ سینہ کی ہڈیاں یا وہ جو اس کی دونوں ہنسلیوں کے ساتھ متصل ہے یا چار پسلیاں میں سینے کی دائیں اور چار اس کے بائیں جانب یا دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں یا ہار کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اسی لیے باپ بچے کی معاش کے مصالح کا حامل ہوتا ہے اور ماں کو بچے سے رقّتِ قلبی اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔

نکتہ بَيْنَ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ نطفہ زن و شوہر کے جملہ اجزاء بدن سے تیار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اولاد اکثر ماں کے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ نطفہ کا پانی مرد کی صُلب میں اور عورت کے سینہ میں جمع ہوتا ہے پھر اس کے بعد جاری ہوکر رحم میں ایک ہوکر جمع ہو جاتے ہیں۔

منی کی تحقیق قوت القلوب میں ہے کہ منی دراصل خون ہے جو صُلب کے جوڑوں پر چڑھتا ہے اور وہی اس کا مسکن ہوتا ہے پھر اسے حرارت جسمانی پکاتی ہے یہاں تک کہ وہ سفید ہو جاتا ہے (یہی منی ہے) جب صُلب کے جوڑ منی سے بھر جاتے ہیں تو پھر وہ اپنی جگہ سے نکلنا چاہتی ہے اور اس کے نکلنے کا مسلک دو رگیں ہیں جو مرد و عورت کے فرج سے متصل ہیں انہی سے منی گرتی ہے۔

ف: اسئلۃ الحکم (ایک کتاب) میں ہے وہ طریق بول سے نکلتی ہے اور طریق بول ایک رقیق چمڑا ہے جس کی تشخیص مشکل سے ہوتی ہے تاکہ منی پیشاب کے پانی سے نہ مل جائے جس سے اس کے جوہر کی حرارت فاسد ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان پیدا کیا گیا ہے رطوبت رحمانی کے پانی سے جس کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ:

انہ أجد نفس الرحمٰن من قبل اليمن۔ (ص ۳۹۹) — میں نفس رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔

وُہ پانی فوارۂ محبت کے منہ سے نکلتا ہے جس کی طرف حدیث قدسی شریف میں اشارہ ہے:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق الخارج من بین الصلب۔ — میں مخفی خزانہ تھا میرا ارادہ ہوا کہ پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا جو صلب کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔

وہ پانی صلب مرد یعنی قوۃ فاعلیہ الٰہیہ سے، جس کا نام الید الیمنیٰ ہے جسے حدیث شریف میں بیان کیا گیا کہ

ثم مسح یدہ الیمنیٰ علی جانب الظہر الایمن فاستخرج منہ ذریۃ بیضاء کالفضۃ البیضاء و الترائب و ترائب امراۃ القابلیۃ۔ — پھر دایاں ہاتھ صلب کی دائیں جانب پھیرا تو اس سے چاندی جیسے سفید ذرات نکالے اور عورت قابلیۃ کے سینے سے پیدا کیا۔

اور اس سے وہ قابلیت مراد ہے جس کا نام الید الیسریٰ ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں ہے:

ثم مسح یدہ الیسریٰ علی جانب الظہر الایسر فاستخرج منہ ذراری حماء سوداء۔ — پھر بایاں ہاتھ بائیں طرف پیٹھ کے اوپر پھیرا تو اس سے کوئلہ کی طرح سیاہ ذریت نکالی۔

یہی وہ انسان ہے جو اپنے رب خالق عزّ اسمہٗ کی صورت (جو اس کی شان کے لائق ہے) اسے پیدا ہُوا فیض وقبول کے پانی سے جو فاعلیۃ و قابلیۃ کے دونوں ہاتھوں سے گوندھا گیا، جس کا اشارہ

حدیث قدسی شریف میں ہے : (اللہ تعالیٰ نے فرمایا)

خمرت طینۃ اٰدم بیدی اربعین صباحًا۔	میں نے آدم (علیہ السلام) کا گارا چالیس دنوں تک اپنے ہاتھ (قدرت) سے گوندھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ (بیشک اللہ تعالیٰ) ضمیر خالق کی طرف لوٹتی ہے اس کا قول خالق دلالت کرتا ہے اس پر کہ انسان ابتداءً مذکور شے سے پیدا کیا گیا ہے عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ (اس کی موت کے بعد اس کے اعادہ پر قادر رہے) بین القدرۃ ہے کہ اس کے متعلق عجز کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور عامل یعنی لقادر پر جار و مجرور کی تقدیم اس کے اہتمام کی وجہ سے ہے اسی حیثیت سے کہ خصوصیت سے اسی میں گفتگو ہے اور وہ اس کے منافی نہیں کہ وہ اس کے سوا اور چیزوں پر قادر نہیں۔

ف : بعض نے کہا کہ انسان کو پیدا کیا اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اور اسے رزق سے نوازا اپنے کرم کے اظہار کے لیے، اور اسے موت دے گا جبروت کے اظہار کے لیے، پھر اسے زندہ کرے گا ثواب و عقاب کے اظہار کے لیے۔

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہو گی) رجعہ کی ظرف ہے اور اجنبی کا فاصل ہونا اسے مضر نہیں اس لیے کہ ظرف میں توسع ہوتا ہے۔

حلِ لغات السرائر، سریرۃ کی جمع بمعنی السر یعنی وہ شے جو چھپائی اور مخفی رکھی جائے یعنی وہ امور جو معلوم اور راسخ لیکن چھپے ہوئے ہیں قلوب میں عقاید دنیات وغیرہا سے ایسے ہی اعمال میں سے قیامت میں ان کا امتیاز ہو گا اچھے ہیں یا بُرے، یعنی اللہ تعالیٰ ضمائر (قلوب) کے مخفیات (پوشیدہ امور) اور مخفی اعمال کہ طیب و خبیث کا امتیاز ہو۔

گر پردہ ز روے کار ما بردارند
آن کیست کہ رسواے دو عالم نشود

ترجمہ : اگر پردہ ہمارے اعمال سے اٹھایا جائے تو وہ کون ہے جو دونوں عالم میں رُسوا نہ ہو۔

الابلاء بمعنی الابتلاء والاختبار (آزمائش، جانچ) اس کا اطلاق کشف و تمیز پر بھی ہوتا ہے اسم السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اختبار (جانچ) تعریف و تمیز کے لیے ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو امر و نہی سے آزمانا اس علم سے ہے جو اس نے انہیں ازل سے جانا۔

ف : بعض نے کہا سرائر سے فرائض جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، غسل از جنابت مراد ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان اسرار و رموز ہیں کیونکہ اگر بندہ کہے کہ یہ میں نے کیا حالانکہ کیا نہ ہو تب بھی ہم تو سمجھیں گے کہ ممکن ہے اس نے کیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی جانے اور اس کا بندہ۔ ہاں یہ اسرار (پوشیدہ امور) کی صحت قیامت میں ظاہر ہو گی۔

ف : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت میں ہر راز ظاہر کرے گا تو بعض بندوں کے لیے زینت ہو گا اور بعض کے لیے عیب، یعنی جس نے امانات الٰہیہ ادا کی ہوں گی اس کا چہرہ چمکدار ہو گا اور جس نے ضائع کی ہوں گی اس کا چہرہ غبار آلود ہو گا۔

فَمَا لَهٗ (تو آدمی کے پاس نہ ہو گا) ہٗ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے اور ما نافیہ ہے **مِنْ قُوَّةٍ** زور اس کے نفس میں کہ اپنے نفس سے وہ عذاب دفع کر سکے جو اس پر نازل ہو گا **وَّلَا نَاصِرٍ** اور کوئی مددگار خارج سے جو اس کی مدد کر سکے کیونکہ اس دن ہر ایک اپنے عمل میں گروی ہو گا اور جو اس پر گزرا خیر یا شر اس کی جزاء و سزا میں مشغول ہو گا۔

ف : قوت منفیہ وہ قوت ہے جو اس کے اندر ذاتی طور پر رکھی گئی نہ کہ مطلقاً ورنہ عطف کا کوئی فائدہ نہ ہو گا اس لیے جو دوسرے سے فائدہ اٹھایا جا سکے وہ بھی قوت ہوتی ہے پس جب اس کی نفی ہو چکی تو پھر عطف کا کیا فائدہ۔

ف : قوۃ عبارت ہے انسان کے اندر رکھی ہوئی اس کے جسم کی طاقت سے، اور اس کی وہ طاقت جو ضعف (کمزوری) کی نقیض ہے التعریفات میں ہے قوّۃ حیوان کی وہ طاقت جو افعال شاقہ پر رکھتا ہے۔

حلِ لغات نصر المظلوم بمعنی اعانہ (اس کی مدد کی) نصرہ منہ نجاہ و خلصہ (اسے نجات دی اور اسے چھٹکارا دیا)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے اس قوۃ کی طرف جو بحسب نیۃ الباطن و عمل الظاہر ہے، وہ نیت خالص جو عمل سے خالی ہو کبھی نیت والے کو فائدہ دیتی ہے لیکن جب ساتھ عمل بھی ہو تو سونے پر سہاگہ۔

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (آسمان کی قسم جس سے مینہ اترتا ہے)

حلِ لغات : ذات مؤنث ہے ذو کی، بمعنی صاحب۔ الرجع (مینہ) اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ عرب کا خیال تھا کہ بادل زمین کے دریاؤں سے پانی لے جاتا ہے پھر اسے زمین کی طرف لوٹاتا ہے۔ یا وہ اس سے نیک فالی کرتے تاکہ بارش لے کر لوٹے، اسی لیے اسے

اَوَّابٌ بھی کہتے ہیں اسی نیک فالی پر (سیٹوب) تاکہ لوٹے۔ اس معنی پر رجع مصدر لازم ہے بمعنی رجوع نہ کہ متعدی سے۔ ایسے ہی بعض علماء نے فرمایا۔ یا اس لیے کہ وہ اسے وقتاً فوقتاً لوٹاتا ہے اس کے ایجاد و احداث کے بعد۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رجع مینہ کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لوٹاتی ہے وہ پانی جو اس نے پانی سے حاصل کیا۔

کشف الاسرار میں ہے کہ وہ ہر سال لوٹتا ہے اور بار بار لوٹتا ہے۔

عبدالقادر جرجانی نے کتاب الاعجاز میں لکھا کہ آسمان کو ذات الرجع اس لیے کہا کہ سورج اور چاند غائب ہو کر طلوع کرتے ہیں اور بعض ستارے لوٹتے ہیں۔

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (اور زمین کی جو اس سے کھلتی ہے) وہ شے جو زمین سے ظاہر ہوتی ہے جیسے انگوری، اس لیے کہ نشور کے لیے حکایت کی گئی ہے یعنی زمین کا پھٹنا اور نبات کا ظاہر ہونا عیون کے اظہار کے لیے، بہرحال صدع سے مراد نبات الارض ہے اس لیے کہ وہ زمین چیر کر نکلتی ہے اور اس سے زمین کھلتی ہے۔

حلِ لغات

لغت میں الصدع بمعنی الشق (پھٹنا) ہے۔ المفردات میں ہے کہ اجسام صلبہ (سخت) کا پھٹنا صدع ہے جیسے شیشہ، لوہا، ان کی طرح دیگر اشیاء۔

ف: آیت میں آسمان مینہ والا، جیسے باپ اور زمین کھلنے والی جیسے ماں اور وہ جو ان سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے اولاد، کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً آسمان کی یاد فرمائی اسے صفت سے خالی کر کے دوبارہ اسے مقیّد کر کے کہ وہ مینہ والا ہے ایسے ہی زمین کھلنے والی ؛ اشارہ فرمایا اپنی منت کا انسان پر کہ اس کے لیے کیسی منافع والی چیزیں بنائیں اور یہ دلیل ہے ان میں اس کے علم تام و قدرتِ کاملہ پر۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں آسمانِ روح کی طرف اشارہ ہے کہ بارش والا ہے نشأۃ ثانیہ میں اور ارضِ بدن کی طرف کہ پھٹنے سے کھلنے والی ہے روح سے اس کے نکلنے کے وقت یا اس کے نکلنے کے وقت یا اس کا کھلنا ہے اس کے اتصال کے بعد۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّهٗ (بے شک وہ) قرآن، جو منجملہ اس کے یہ آیات تلاوت کردہ جو مبدائے حال انسان اور اس کے معاد پر ناطق ہیں لَقَوْلٌ ضرور بات ہے (کلام کیلئے جو گفتگو والی ہے اس لیے قول بمعنی مقول بکثرتِ استعمال ہوتا ہے فَصْلٌ (فیصلہ کی) حق و باطل

کے درمیان فیصلہ کن ہے اور انتہائی بات کمال کے ساتھ، گویا وہ نفس فیصلہ ہی ہے جیسے اسے فرقان کہا جاتا ہے بمعنی فارق ۔ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (اور وہ کوئی ہنسی کی بات نہیں)

حلِ لغات الھزل بمعنی لعب ۔ اور فتح الرحمٰن میں ہے وہ جو مستعمل غیر موضوع لہ میں لغیر مناسبت کے جِدّ کی نقیض، یعنی وُہ بات جس کی حقیقت کا معنی قصد کر کے بیان کی جائے ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ قرآن میں ہنسی مذاق کا شائبہ تک نہیں سارے کا سارا جِدّ ہے ہنسی نہیں، اس کا حق یہ ہے کہ اس سے گمراہ ہدایت پائیں اور سرکش گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں ۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کھیل اور باطل میں ہنسی نہیں ۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ جو اس سے ہنسی کرتا ہے یا مزاح کے طور اسے سامنے لاتا ہے کافر ہو جائے گا ۔

مسئلہ : ہدیۃ المھدیین میں ہے جو کوئی قرآن کا انکار کرے یا اس سے مسخری کرے یا عیب لگانے کافر ہو جائے گا ۔

مسئلہ : اگر کوئی کہے الم نشرح سا کا گریبان چاک کر دیا ۔ یا کہا قل ھو اللہ کا چمڑا ادھیڑا ۔ یا یہ کہ تو انا اعطینٰک الکوثر سے بھی چھوٹا ہے ۔ یا کسی کو کہا گیا کہ تو قرآن کیوں نہیں پڑھتا وہ جواب میں کہے میں قرآن سے سیر ہو گیا ۔ یہ اور اس طرح کے دیگر کلمات وامثال کفر ہیں ۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ ایسی باتوں سے احتراز و اجتناب کرے ۔

اِنَّهُمْ (بیشک وہ) اہلِ مکّہ اور معاندینِ قریش يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا (اپنا سا داؤں چلتے ہیں) قرآن کے امور کے ابطال اور اس کے نور بجھانے میں یعنی مکر و فریب کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم اور قرآن شریف کے بارے میں اپنی قدرت و طاقت کے مطابق وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا (اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہُوں) ان کا مقابلہ کرتا ہُوں تدبیرِ مضبوط سے کہ جس کا رد ممکن نہیں اس حیثیت سے کہ میں انہیں ایسی مہلت دیتا ہُوں جسے وُہ نہیں جانتے مخلوق عاجز ضعیف کا مکر قدیم قادر قوی (رب تعالےٰ) کی تدبیر کا کیا مقابلہ کرے گا ۔ دنیا میں تلوار سے انتقام اور آخرت میں عذاب نار کو استدراج کہنا مشاکلۃ سے ہے کہ ان کے عمل و کسب کے مقابلہ میں واقع ہُوا کر وُہ ان کی جزاء ہے ۔ ورنہ کید بمعنی مکر و حیلہ سازی ہے اور اس کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا حقیقی معنیٰ مراد نہ لے کر منسوب کرنا جائز ہے اور شے کی جزاء اسی اسم سے علیٰ سبیل المشاکلۃ (عرب وغیرہ میں) بکثرت شائع ذائع ہے فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ (تو تم کافروں کو ڈھیل دو) ان سے انتقام کے درپے نہ ہو اور نہ ہی ان پر ہلاکت کی دُعا مانگو اور نہ ہی

ان کی ہلاکت میں جلدی کرو اَمْہِلْهُمْ (انھیں مہلت دو)

حلِ لغات یہ مهل سے بدل ہے، وہ دونوں یعنی تمہیل و امہال لغاتِ عرب میں مستعمل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و مهلهم قلیلا (اور انہیں تھوڑی سی مہلت دو)

حکایت حضرت ہمام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام سے مروی ہے فرمایا کہ جب مصحف لکھا گیا تو تین آیات پر شک گزرا انہیں بکری کی ران کی ہڈی پر لکھ کر مجھے حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا گیا۔ میں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی لکھی ہوئی آیات پیش کیں انہوں نے پڑھیں تو اس میں لکھا تھا:

(۱) لاتبدیل للخلق۔

آپ (ابی بن کعب) نے لکھا: لا تبدیل لخلق اللہ۔

(۲) اور لکھا تھا لَم یَتَسَنّ۔

آپ نے لکھا: لم یَتَسَنَّہْ۔

(۳) اور لکھا تھا فأمهل الکافرین۔

آپ نے الف مٹا کر لکھا: فمهل الکافرین۔

اسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ نے بھی پڑھ کر تصدیق فرمائی، اسے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر (قرآن کمیٹی کے) ممبران کے ہاں لے گیا تب انہوں نے اسی طرح مصحف میں درج فرمایا۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے وہ اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ اس نے اسے حفاظ القرآن کے سینوں میں محفوظ رکھا ہے[1]۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشکلات کے وقت اہل الحل (حل المشکلات حضرات) کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

رُوَیْدًا (تھوڑی سی) مہلت۔

حلِ لغات: کہا جاتا ہے اورد، یرود بمعنی نرمی کی، دیر کی، اسی سے ہے بنی رُوید (المفردات)

---

[1] اس میں شیعہ و روافض کا رَدّ ہے کہ ان کا گمان ہے کہ قرآنِ مجید میں (معاذ اللہ) تبدیلی ہوئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مرضی سے اسے جمع کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "شیعہ اور قرآن"۔ اویسی غفرلہٗ

الارشاد والتفسیر میں ہے کہ وہ دراصل رودد (بالضم) کی تصغیر ہے بمعنی المھل (مہلت) یا ارواد مصدر ہے اور رد کا بمعنی ترخیم (دُم بریدہ کرنا) وہ یا مصدر مؤکد ہے عامل کے معنیٰ کا، یا نعت ہے مصدر محذوف کی یعنی امھلھم امہالا رویدا بمعنی قریب یا قلیل لیسیر (معمولی) اس لیے کہ ہر آنے والا زمانہ قریب ہے جیسے کہا جاتا ہے: گرچہ قیامت دیر آید و لے می آید۔ (اگرچہ قیامت دیر سے آئیگی لیکن آئیگی ضرور)

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی ہے رمز و اشارہ سے کہ قیامت میں ان سے مکمل طور بدلہ لیا جائے گا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس آیت کے نزول اور واقعہ بدر میں تھوڑا سا وقفہ ہے۔

حکایت ہارون الرشید کے ہاں ابن السماک تشریف لے گئے ہارون الرشید نے آپ سے نصیحت چاہی، اس وقت وہ چٹائی پر بیٹھا تھا۔ حضرت ابن السماک نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین تیری تواضع تیرے شرف میں تیرے شرف سے افضل ہے۔ ہارون الرشید نے کہا: ایسا بہتر جواب میں نے کسی سے نہیں سُنا۔ حضرت ابن السماک نے فرمایا: ہاں امیرالمومنین سُن لیں کہ جسے مال وجمال اور شاہی سلطنت اور شرافت نصیب ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے شرف میں تواضع کرے اور جمال میں عفت (پاکدامنی) کرے اور اپنے مال سے راہِ خدا میں دے اور اپنی سلطنت میں عدل و انصاف کرے تو اُسے مخلصین کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔ ہارون الرشید نے کاغذ منگوا کر اسے لکھ لیا اور عرض کی، اور فرمائیے۔ فرمایا، اے امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے مہلت دی تو گویا اس نے مہلت دے دی اور عیب چھپائے تو گویا اس نے بخش دیا پھر کہا اے امیرالمومنین! یُوں سمجھ لو کہ گویا ساری دنیا تیرے آگے ہے اسی طرح کی اور دنیا تیرے لیے ہو اور مانا کہ مشرق و مغرب تیرے قبضے میں آجائے لیکن ملک الموت تشریف لائیں گے تو بتائیے تیرے سامنے (آگے) کیا ہوگا (کچھ نہ ہوگا خالی ہاتھ دنیا سے جاؤ گے) عرض کی: اور فرمائیے۔ فرمایا، آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا (تو بھی چکھے گا) عرض کی: اور فرمائیے۔ فرمایا (مرنے کے بعد) صرف دو مقام ہیں جنت اور دوزخ (اب سوچ لے کہ تُو کس مقام کے لائق ہے) یہ سُن کر ہارون الرشید پر غشی طاری ہوگئی اور اتنا کہا حسبی (مجھے اتنا کافی ہے) حضرت ابن السماک نے فرمایا: اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ مر جائے، جب ہارون الرشید نے ہوش سنبھالا تو اسے حضرت (ابن السماک کا مقولہ سنایا تو ہارون الرشید نے ابن السماک سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کہا، فرمایا: اے امیرالمومنین! تیرے لیے یہ اعزاز کچھ کم تھا اگر تو اس وقت مر جاتا تو لوگ کہتے کہ امیرالمومنین خوفِ خداوندی سے مرگیا۔ ہارون الرشید نے فرمایا: آپ نے خوب فرمایا اس پر عزت و احترام سے

آپ کو روانہ کیا۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

بمہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو
ترا کہ گفت ایں زال ترک دستان کرد

ترجمہ : وہ مہلت جو تجھے دور زمانہ نے دی راہِ حق سے نہ ہٹ۔ تجھے کس نے کہا کہ اس بوڑھی (دنیا) نے مکر کرنا چھوڑ دیا ہے۔

سبق : اسے مبارک ہو جس کے ارادے کم اور عمر لمبی اور اعمال صالحہ کثیر ہوں۔
ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دھوکا میں آنے والوں سے نہ بنائے۔

فراغت صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ سورۃ الطلاق کی تفسیر سے چمکنے والے ستاروں کے خالق کی مدد سے اتوار کے دن ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہُوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر سورۃ طارق کے ترجمہ سے ۱۲ رجب المکرم بروز سوموار ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء فراغت پائی (الحمد للہ علیٰ ذٰلک)۔

سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی

رُکُوْعُھَا ۱	(۸۷) سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ (۸)	اٰیَاتُھَا ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ○ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ○ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ○ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ○ فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحْوٰی ○ سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی ○ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَمَا یَخْفٰی ○ وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی ○ فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی ○ سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ○ وَیَتَجَنَّبُھَا الْاَشْقَی ○ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ○ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ○ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ○ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی ○ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے جس نے بنا کر ٹھیک کیا اور جس نے اندازہ پر رکھ کر راہ دی اور جس نے چارہ نکالا پھر اُسے خشک سیاہ کر دیا اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے مگر جو اللہ چاہے بیشک وُہ جانتا ہے ہر کُھلے اور چُھپے کو اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کر دیں گے تو تم نصیحت فرماؤ اگر نصیحت کام دے عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دُور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا پھر نہ اس میں مرے نہ جیے بیشک مراد کو پہنچا جو سُتھرا ہُوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو

اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی بیشک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور موسٰی کے صحیفوں میں۔

سورۃ الاعلیٰ جمہور کے نزدیک مکیہ ہے اور اس کی انیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے)

تفسیر عالمانہ

حلِ لغات: التسبیح بمعنی التنزیہ، اور اللہ کا اسم ہے اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے پیشِ نظر اس کے سوا کسی دوسرے پر اس کا اطلاق جائز نہیں یا اس کی صفات سلبیہ کے اعتبار سے اس کی صفت ہے قدوس کی طرح یا صفات ثبوتیہ کے اعتبار سے علیم کی طرح یا باعتبار اس کے افعال کے ایک فعل ہے خالق کی طرح لیکن اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات بعض علماء کے نزدیک توقیفیہ ہیں اس کی تحقیق گزر چکی ہے الاعلیٰ رب کی صفت ہے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسم کی صفت ہو لیکن پہلا زیادہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے لیے علواً کا یہ مطلب ہے کہ وہ بلند ہے اس سے کہ اسے محیط ہو سکے واصفین کا وصف، بلکہ عارفین کا علم بھی اسے محیط نہیں ہو سکتا۔ اور اعلویۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق زیادہ علو والا ہے۔

ف: اس کے لیے علو اور کبر کا معنی یہ نہیں کہ اس کی کوئی جہت ہے یا کبر جسمانی لحاظ سے ہے کیونکہ وہ ایسے اوصاف سے بلند و بالا ہے، بلکہ اس کے علو کا یہ مطلب ہے کہ وہ نعوتِ جلال و کبریائی میں بلندی کے لائق ہے۔ جس نے اس کی بلندی و کبریائی کو جانا وہ اس کے لیے تواضع و تذلل کرتا ہے جیسے اس صالحین بندوں کا طریقہ ہے۔

ف: اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کا اسم منزّہ ہے اس میں الحاد اور ٹیڑھی تاویلات سے، مثلاً اس کیلئے علو فی المکان کا قول کرے[1] اس کے علو فی المکان کا معنیٰ نہ کرے اور استواء سے استقرار کا معنی بنائے

---

[1] جیسے ابن تیمیہ اور اس کے معتقدین نجدی وہابی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور پاؤں لٹکاتا ہے تو کرسی چرچر کرتی ہے (ترجمۂ قرآن وحید الزمان تحت آیۃ الکرسی) اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا نہ ماننا بدعت ہے (ایضاح الحق الصریح) ہند و پاک میں اسی موضوع پر اہلسنت اور دیوبندیوں کے کئی رسائل و کتب شائع ہوئے اور نجدی اور ابن تیمیہ کے متعلق تو پہلے ہی مشہور ہے۔ اویسی غفرلہٗ

نہ کہ استیلاء (جیسے ابن تیمیہ اور اس کے ہم نواؤں کے متعلق حاشیہ پر فقیر اویسی غفرلہ نے عرض کر دیا ہے) ایسے ہی اس کے اطلاق میں کہ معمولی سا شائبہ بھی اس کے لیے تشارک (مشارکۃ) کا نہ ہو، جیسے کا فروں مشرکوں کا طریقہ تھا کہ وہ صنم و وثن (بُت) کو رب و الٰہ کہا کرتے، ایسے ہی بعض اہلِ عرب مسیلمۃ الکذاب کو "رحمان الیمامہ" کہتے، ایسے ہی اس کے ذکر کی تنزیہ کہ اسے علی طریق الاعظام و الاجلال یاد کیا جائے اسی میں داخل ہے کہ انگڑائی کے وقت اس کا نام لیا جائے یا عین قضائے حاجت کے وقت ایسے ہی غفلت میں ایسے ہی اس کے معنیٰ اور حقیقت کو سمجھے بغیر ایسے ہی اس کا نام قسم میں بکثرت لینا کہ اس کے اجلال و اکرام کا خیال تک ہو۔

ف : جریر نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ارفع صوتك بذکرہ (اس کا ذکر کر بلند آواز سے) یعنی اس کے اسم کا ذکر، اس لیے کہ مدلول کا ذکر اس کے اسم کی دلالت سے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اسم آیت میں زائد نہیں۔

ف : بعض نے کہا کہ اسم اور مسمّٰی یہاں پر ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی تنزیہ کہ وہ وہم و خیال میں آسکے۔

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لما نزلت فسبح باسم ربك العظیم قال علیہ السلام اجعلوھا فی رکوعکم فلما نزل سبح اسم ربك الاعلیٰ قال اجعلوھا فی سجودکم وکانوا یقولون فی الرکوع اللھم لك رکعت وفی السجود اللھم لك سجدت۔

جب فسبح باسم ربك العظیم نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اسے رکوع میں پڑھا کرو اور جب سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اسے سجدہ میں پڑھا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رکوع میں پڑھا کرتے تھے اللھم لك رکعت (اے اللہ! ہم نے تیرے لیے رکوع کیا) اور سجدہ میں کہا کرتے اللھم لك سجدت (اے اللہ! ہم نے تیرے لیے سجدہ کیا)

ف : حدیث شریف (مذکورہ بالا) سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ اسم یہاں پر زائد ہے یہ سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ علاوہ ازیں امر کی تعمیل بھی یوں ہوا کرتی ہے کہ کہا جاتا ہے سبحان ربی

العظیم، یعنی اس میں لفظ اسم نہیں کہا جاتا، ورنہ قرآن مجید میں تو فسبح باسم ربک العظیم ہے اسی لیے حضرت علی و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے سبحان ربی الاعلی الذی الخ پڑھا اُس سے کہ سبح، تسبیح کا امر ہے تو ضروری تھا کہ کہا جاتا تسبیح ربی الاعلیٰ، ایسے ہی تسبیح ربی العظیم لیکن کہا جاتا ہے سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ۔ علاوہ ازیں آیت سبحان ربک العزۃ الخ میں اسم نہیں اس کا معنیٰ ہے اپنے رب کی عزت کی تنزیہ کرو۔ اس کی تعمیل سبحان ربنا رب العزۃ۔ کہنے سے ہو جاتی ہے اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ ہمارے رب کی تنزیہ جو ہمارا رب بڑی عزت والا ہے (اس میں لفظ اسم نہیں) ایسے ہی جملہ مامور بہا مواقع کا قیاس کرو۔

نکتہ سبحان ربی العظیم کی تخصیص رکوع میں اور سبحان ربی الاعلیٰ سجود میں اس لئے ہے کہ اس کا مرتبۂ حیوان کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا مرتبۂ نبات و جماد کی طرف تو ضروری ہوا تنزیہ میں بھی ترقی ہو۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی ایسے ہی آپ کے صحابہ کی، بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ اسی ترتیب کو نماز میں ملحوظ رکھا گیا۔

شرح الحدیث حضرت شیخ صدر الدین القنوی قدس سرہٗ نے اس حدیث شریف کی شرح میں لکھا کہ رفعۃ و ارتفاع استعلاء ہے اور یہ تکبر کی علامت ہے اگر ظاہری استعلاء ہے تو بھی تکبر کی ایک صورت ہے اگر باطنی طور استعلاء ہے تو حقیقی تکبر ہے اور کبریائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اس تمہید کے بعد اب اوپر کو چڑھنے کی صورت بھی ایک قسم کا استعلاء ہے تو تکبر کے مشابہ اور ظاہری طور اس کا وجود ہے اسی لیے اس وقت اللہ اکبر کہنا مسنون ٹھہرا یعنی اللہ تعالیٰ ہی اکبر اور اعلیٰ ہے اس سے کہ اس کے ساتھ کوئی کبریائی میں شریک ہو اور اوپر کو چڑھنا بظاہر اشتراک کا وہم پیدا کرتا ہے۔ اور نیچے اُترتے وقت تسبیح بھی اسی راز پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت بندے کے ساتھ ہے جیساکہ فرمایا:

وھو معکم اینما کنتم (جہاں تم ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے)

جب ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے ہم جہاں بھی ہیں تو لا محالہ ہمارے نیچے اترنے کے وقت بھی ساتھ ہے لیکن نیچے کو ہونے سے وہ منزہ و مقدس ہے کیونکہ وہ سبحان ہے تحت اس کی شان نہیں بلکہ فوق ہے لیکن فوق از جہت نہیں کیونکہ جہات کی نسبتوں سے وہ پاک ہے بلکہ ہر قید سے منزہ ہے

بلکہ وہ خود جہات کو محیط ہے اسی لیے پڑھنے اترنے کے وقت اس کی تکبیر و تسبیح چاہئے (تاکہ اس کی آقائی اور بندے کی بندگی کی طرف اشارہ ہو)

سُبحان ربیّ الاعلیٰ سب سے پہلے کس نے کہا

سب سے پہلے سبحان ربی الاعلیٰ میکائیل علیہ السلام نے کہا اس لیے کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت آئی تو عرض کی: اے اللہ! مجھے ایسی قوت دے کہ میں تیری عظمت و سلطنت کو دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمان والوں کی قوت اس اکیلے کو دے دی تو پانچ ہزار سال اڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے پر نورِ عرش سے جل گئے۔ پھر قوت کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے دگنی قوت عطا فرمائی تو پھر اُڑنا شروع کر دیا، دس ہزار سال اُڑتے رہے اس پر اُن کے پَر جل گئے یہاں تک کہ چُوزہ نما ہو گئے وہاں سے دیکھا تو حجاب اور عرش کو اسی حال میں دیکھا جیسے ابتداء میں دیکھا تھا یہ کیفیت دیکھ کر سر سجدہ میں رکھ دیا اور کہا سبحان ربی الاعلیٰ۔ اس کے بعد قوت کا سوال کیا کہ مجھے اپنے مکان اور پہلی حالت میں لوٹا دے (ذکرہ ابو اللیث رحمہ اللہ فی تفسیرہ)۔

سُبحان ربیّ الاعلیٰ کے ثواب کا بیان

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا: اے جبریل (علیہ السلام)! مجھے سبحان ربی الاعلیٰ کے ثواب کی خبر دیجئے۔ یعنی نماز اور غیر نماز میں اس کے پڑھنے کا کتنا ثواب ہے؟ عرض کی: اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم)! جو مرد یا عورت اسے سجدے یا غیر سجدے میں کہے گا اس کا ترازو عرش و کرسی اور دنیا کے پہاڑوں سے زیادہ بوجھل ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ سچ کہتا ہے میں اعلیٰ اور ہر شے سے بلند و بالا ہوں اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا (داخلے کا مستحق بنا دیا) جب وہ شخص مرے گا تو میکائیل علیہ السلام اس کی زیارت کے لیے روزانہ تشریف لایا کریں گے، جب قیامت کا دن ہوگا اسے اپنے پروں پر بٹھا کر اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لائیں گے اور عرض کریں گے اے میرے رب تعالیٰ! اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میکائیل (علیہ السلام)! میں نے تیری شفاعت قبول کی اسے بہشت میں لے جا۔ (ذکرہ ابن الشیخ فی حواشیہ)

حدیث شریف میں ہے:

سبحان اللہ، والحمد للہ یملآن   سبحان اللہ والحمد للہ آسمانوں

مابین السمٰوٰت والارض ۔	اور زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں ۔

یعنی یہ دونوں کلمے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ وفعلیہ جن کے آثار آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں کے کمال ثنا و تعریف پر مشتمل ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا اسم اعلیٰ و اعظم اس کی ذات مع جمیع الصفات ہے یعنی اس کی ذات کی تنزیہ ہے ساتھ تجرد کے از ماسوائے حق اور قطع نظر از غیر کے تاکہ ان پر تمام کمالات حقانیہ ظاہر ہوں اور یہ اس کی تسبیح خاص ہے مقامِ فنا میں ۔ کیونکہ استعداد تام جمیع صفاتِ الٰہیہ کے قابل ہے اس کی استعداد صرف اسی کے لئے ہے تر ذاتِ الٰہی وہی اسم اعلیٰ ہے اس کے کمال تک پہنچنے کے وقت ۔

ف : ہر شے کی خاص تسبیح ہے جس سے وُہ اسمائے ربانی میں سے کسی اسم خاص کی تسبیح کرتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی (جس نے بنا کر ٹھیک کیا) یہ رب کی دوسری صفت بطریق اوّل از منصوب علی المدح علی الثانی ہے تاکہ لازم نہ آئے فاصلہ درمیان موصوف وصفت کے اس کے غیر کا ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اس نے پیدا کیا ہر شے کو اور اسے ٹھیک کیا بایں طور کہ اس کے لیے وہ بنایا جس سے اسے اس کا کمال حاصل ہوگا اور اس کی معاش درست ہو ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان ! اللہ تعالیٰ نے تیرا ظاہر بنا کر تیرے جسم کی عمارت ٹھیک کی ایسے طریق سے جسے وہ قبول کرے اس کے مزاج خاص کے ساتھ روح اتم کو جو جمیع کمالات کے لیے مستعد ہے ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کو پیدا کیا بحسب الوجود پھر اسے ٹھیک بنایا کہ جس سے فیض الٰہی پہنچے برابر طور بحسب اس کی استعداد فطری کے ۔ بعض نے کہا مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کی خلقت میں درستی فرمائی اور ان میں سے مخصوص لوگوں کو ہدایت سے ممتاز فرمایا ۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْ قَدَّرَ (اور جس نے اندازہ پر رکھا) اس کا عطف موصول اول پر ہے یعنی تمام اشیاء کی اجناس وانواع وافراد اور مقادیر وصفات وافعال وآجال کا اندازہ رکھا جیسا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ان اللہ قدر مقادیر الخلق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنۃ ۔	بیشک اللہ تعالیٰ نے خلق کی مقادیر آسمانوں اور زمین کی پیدا سے پچاس ہزار سال پہلے اندازہ کر رکھا تھا ۔

یعنی ایسے ہی ہر نوع کے اشخاص کو مقدار معلوم پر اور ایسے ہی ہر شخص کی مقدار اس کے جثہ و اوضاع اور جمیع صفات میں جیسے حُسن و قبح اور سعادۃ و شقاوۃ اور ہدایۃ و ضلالت اور الوان و اشکال اور طعوم و روائح (خوشبوئیں) اور ارزاق و آجال وغیرہ وغیرہ سب مقدار معلوم پر مقدر فرمائے، جیسا کہ فرمایا:

وان من شیئ الا عندنا خزائنہ و — ہر شئے کے خزانے ہمارے پاس ہیں معلوم ہیں
ما ننزلہ الا بقدر معلوم۔ — اور اسے قدر معلوم پر ہی نازل کرتے ہیں۔

فَهَدٰی راہ دی یعنی ہر ایک کو اس طرف متوجہ فرمایا جو اس سے صادر اور اس کے طبعاً و اختیاراً لائق ہو اور آسان فرمایا جو اس کے لیے پیدا فرمایا ساتھ پیدا فرمانے میلان اور الہامات اور دلائل کھڑے کرکے اور آیات نازل کرکے۔ اگر تم نباتات و حیوانات کے احوال کا تجسس و تتبع کرو۔ تو تم ان کے حالات پاؤ گے جن میں عقل دنگ اور حیران رہ جاتی ہے۔

حکایات عجائبات المخلوقات

(۱) سانپ کی دانشمندی سانپ جب ایک ہزار سال کا ہو جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے آ... اللہ تعالیٰ القا کرتا ہے کہ آنکھوں پر سبز دھانے کے پتے پھیرے بسا اوقات اس کئے ہزار سال گزارنے کے بعد آنکھیں جنگل میں ہی اندھی ہوتی ہیں جہاں آبادی سرسبز علاقہ ہے اس کے درمیان بڑی دُور کی مسافت ہوتی ہے لیکن ہمت نہیں ہارتا وہ اتنی طویل مسافت کو طے کرتا ہے باوجودیکہ اندھا ہے لیکن باغات کی تلاش کر ہی لیتا ہے یہاں تک کہ دھانے کے پودے تک پہنچ کر اس کے پتے آنکھوں پر پھیرتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ بینا ہو جاتا ہے (اور اسی بینائی سے واپس جاتا ہے)۔

(۲) مگرمچھ کی کارروائی مگرمچھ کی دُبر نہیں ہوتی جو کچھ کھاتا ہے اس کے فضلات پھر منہ سے ہی نکالتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ روزانہ کی غذا بنائی ہے جب مگرمچھ اس پرندے کو دیکھتا ہے تو منہ کھول دیتا ہے اور وہ پرندہ اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے اور مگرمچھ اُسے کھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پرندے کی چونچ کے اوپر اور نیچے دو سینگ بنا دئے تاکہ جب تک پرندہ مکمل طور پر اُس کے اندر نہ چلا جائے مگرمچھ کا منہ بند نہ ہو۔

(۳) کچھوا مصر اور سندھ میں مگرمچھ کچھوا کی طرح موٹا جانور ہے وہ مصر کے دریائے نیل اور سندھ کے دریائے مہران میں ہوتا ہے (القاموس) وہ کچھوا جانوروں اور آدمیوں پر جھپٹتا ہے اس کا طول بیس ہاتھ ہوتا ہے وہ جنگل میں انڈے دیتا ہے

ان میں جو دریا میں واقع ہو تو مگرمچھ بنتا ہے کچھ بچ جائے تو اس سے سقنقور ا (ریت کی مچھلی ۔ المنجد) بنتی ہے۔

(۴) ریت کی مچھلی شاہانِ ہند کا تحفہ سقنقور ا (ریگ ماہی، ریت کی مچھلی) یہ ایک جانور ہے جو مصر میں ہوتا ہے چھپکلی کی صورت میں۔ لیکن یہ وہ نفیس ترین جانور ہے جسے شاہانِ ہند کی طرف تحفہ کے طور پر بھیجا جاتا ہے وہ اسے سونے کی چھُری سے ذبح کر کے اسے نمک مصری سے پُر کر کے اپنے ملک میں لاتے ہیں اس سے ایک مثقال کی مقدار انڈے یا گوشت یا کھانے پر رکھیں تو بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔

(۵) دو ذکر اور دو رحم والے جانور ریگ ماہی اور گوہ اور کچھوے نر کے دو ذکر اور مادہ کے دو رحم ہوتے ہیں۔

(۶) ریگستانی پرندہ بھٹ تیتر قطا ریگستانی پرندہ بھٹ تیتر ہے (المنجد) یہ ایک ایسا پرندہ ہے جو اپنے بچوں کو چھوڑ کر دس دن کی مسافت پانی کی تلاش میں نکلتا ہے کبھی اس سے زائد بھی۔ پانی پر طلوع الفجر تا طلوع الشمس گزار کر وطن واپس آتا ہے وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے بچے ہوتے ہیں۔ آتے جاتے راستہ نہیں بھولتا۔

(۷) اُونٹ اور گدھے کی سمجھداری اُونٹ اور گدھا اندھیری رات میں جس راستہ سے ایک بار گزر جائیں اُسے کبھی نہیں بھولتے۔

(۸) ریچھ کی دانائی مادہ ریچھ جب بچہ جنتی ہے تو اسے دو دن ہوا میں لیے کھڑی رہتی ہے چیونٹی کے خوف سے، کیونکہ جب وہ بچہ جنتی ہے تو وہ گوشت کے ایک ٹکڑے کی طرح ہوتا ہے اعضاء میں امتیاز نہیں ہوتا پھر آہستہ آہستہ ظاہر ہوتے ہیں۔

(۹) بچھو اور چوہے کا قصہ بچھو اور چوہا ایک شیشی میں جمع ہو گئے، چوہے نے جلدی سے بچھو کی سونڈ (جس میں زہر ہوتا ہے) کاٹ لی۔ اس کارروائی سے چوہا بچھو کی ایذا رسانی سے بچ گیا۔

(۱۰) بندر اور چوہا بندر ایک چوہے کے پیچھے اسے کھانے کے لیے بھاگا، چوہا درخت پر چڑھ گیا، بندر بھی درخت پر چڑھ گیا۔ چوہے نے ایک ٹہنی پر پناہ لے لی۔ لیکن بندر نے ٹہنی کو بھی نہ چھوڑا۔ چوہے نے دیکھا کہ اب بھاگنے کی کوئی راہ نہیں رہی تو اس نے ایک پتے پر پناہ لے لی، یعنی اس کے ایک حصہ کو چیر کر اس پر لٹک گیا۔ بندر نے چیخ ماری تاکہ اس کی مادہ (بندریا) وہاں پہنچ جائے۔ چنانچہ بندریا درخت کے نیچے آگئی تو بندر نے اس پتے کو کاٹا جس پر

چُوہا لٹکا ہوا تھا۔ جب چوہا نیچے گرا تو بندریا نے فوراً اچک لیا۔

(۱۱) چُوہے کی کارستانی چُوہا گھی کے مٹکے میں اپنی دُم ڈال کر گھی سے تر کر لیتا ہے پھر اسے چاٹتا ہے (اس میں منہ نہیں ڈالتا کہ کہیں پیچھے سے پکڑا نہ جائے)

(۱۲) لومڑی کی دانائی لومڑی کی کھال پر جب مچھر اور پسو جمع ہو جائیں تو منہ میں کسی جانور کا چمڑا لے کر پانی میں ڈبوتی ہے جب مچھر اور پسو اس چمڑے پر جمع ہو جاتے ہیں تو اسے پانی میں ڈال دیتی ہے تاکہ سب مر جائیں، پھر آرام چلی جاتی ہے۔

(۱۳) مکڑی کا تانا جس طرح مکڑی گھر بناتی ہے اس طرح بڑے سے بڑا کاریگر بھی نہیں بنا سکتا بلکہ کاریگر تو پرکار اور مسطرے سے مکان تیار کرتا ہے اور مکڑی ایسے اوزار کی بھی محتاج نہیں۔

(۱۴) شہد کی مکھی کا کمال شہد کی مکھی آلات کے بغیر ایسا مکان تیار کرتی ہے جس سے انسان کی عقل و فکر دنگ رہ جاتی ہے۔

(۱۵) چیونٹی کی عقلمندی چیونٹی کتنی محنت کرتی ہے ذخیرہ اندوزی میں۔ جب دیکھتی ہے کہ اس کے ذخیرے کے اردگرد نمی کا اثر ہے تو دانوں کو توڑ کر نصف نصف کر لیتی ہے تاکہ پانی کی نمی سے دانہ پھوٹ کر انگوری نہ بن جائے (کیونکہ علم زراعت کا قانون ہے کہ جب دانے پر پانی کی نمی کا اثر پڑے تو دانہ پھوٹ کر انگوری بن جاتا ہے) اگر کسی دانے پر پانی کا اثر پہنچ بھی جائے تو اسے دھوپ میں سکھا کر خشک کر لیتی ہے (یہ بھی علم زراعت کا قانون ہے کہ جن دانوں پر دُھوپ پڑتی ہے وہ نہیں پھوٹتے، اس لیے جب دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے تو اسے چھپایا جاتا ہے تاکہ اس پر دُھوپ نہ پڑے اور پھوٹ کر انگوری بن جائے)

غوّاص پرندہ کوّے کا اُستاد نکلا ایک شخص نے کہا کہ میں نے غوّاص (پرندہ) کو دیکھا کہ اس نے مچھلی کا شکار کیا لیکن کوّے نے اس سے چھین لی۔ پھر اس نے دوبارہ پانی میں غوطہ لگا کر اور مچھلی پکڑی تو وہ بھی کوّے نے اُچک لی۔ تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی ہُوا۔ غواص نے جب دیکھا کہ کوّا مچھلی کھانے میں مصروف ہے تو غواص کوّے کو ٹانگ سے پکڑ کر دریا میں لے گیا اور غوطہ لگا کر پانی کی تہ میں چلا گیا یہاں تک کہ کوّا مر گیا، تب غواص باہر نکلا۔

(۱۶) دُودھ میں پانی ملانے والے کو تنبیہ حدیث شریف میں ہے کہ "دودھ میں پانی نہ ملاؤ"۔ گزشتہ زمانے میں ایک شخص تھا جو دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا، اس نے ایک بندر خریدا اور اسے دریا کے سفر میں کشتی پر بٹھایا، جب پانی کی موجوں تک پہنچا تو اس کی ہمیانی بندر کے ہاتھ لگ گئی، اٹھا کر کشتی کے بادبان پر جا بیٹھا اس نے ہمیانی کھول جسے مالک دیکھ رہا تھا کہ نہ معلوم یہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس نے ہمیانی سے ایک دینار دریا میں پھینکا ایک کشتی میں۔ اسی طرح ایک ایک کر کے گراتا رہا۔ (کشتی والا اس کا مالک اٹھا لیتا) اسی طرح تمام دینار نصف نصف کر دئے۔

سبق: دُودھ والے کو سبق ملا کہ پانی دُودھ میں ڈالتا تھا تو پانی کا حصہ پانی میں اور اصل دودھ کا حصہ اسے ملا۔ (لیکن ہمارے دور کے دودھ فروشوں کو کب سبق ملے گا، قبر میں یا حشر میں جب دودھ میں پانی ملانے کی سزا کے طور پر اسے جہنم میں انگاروں میں جلایا جائے گا اس وقت رو کر کہے گا کہ دودھ میں پانی ملایا تھا کنبہ پروری کے لیے لیکن اب سزا بھگت رہا ہوں اکیلا۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

(۱۷) کتّے کی وفاداری عجائبات المخلوقات (نام کتاب) میں ہے کہ اصفہان میں کسی نے ایک شخص کو قتل کر کے ایک گڑھے میں دبا دیا۔ مقتول کا کتّا دیکھ رہا تھا۔ اب وہ روز گڑھے سے مٹی ہٹاتا جب قاتل کو دیکھتا تو اُسے بھونکتا۔ جب کُتّے کی یہ کارروائی عوام نے دیکھی تو سمجھے اس گڑھے میں کچھ ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے کدال لے کر گڑھے کو کھودا تو مقتول کی لاش مل گئی (جبکہ اس سے پہلے مقتول کا سراغ نہیں مل رہا تھا اور نہ ہی قاتل کا علم ہو رہا تھا) کتّے کو اس شخص کے بھونکنے پر اسے گرفتار کیا گیا اس سے قتل کے متعلق پُوچھا گیا تو اس نے قتل کا اور اسے گڑھے میں چھپانے کا اقرار کر لیا۔ اس کے قصاص میں اُسے قتل کیا گیا۔

(۱۸) کھجور کے عشق کی داستان کھجور کا عجیب وغریب معاملہ ہے کہ اسے بھی عشق عارض ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے جس کھجور سے اسے عشق ہوتا ہے وہ کھجور اس کھجور کی طرف جھکی ہوتی ہے۔ عشق کے بعد اس کا پھل کم ہو جاتا ہے اور خشک ہو جاتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اسے اور اس کی معشوق کھجور کو ایک رسّی سے اکٹھا باندھ دیا جائے یا معشوق کھجور کی ایک شاخ عاشق کھجور پر لٹکائی جائے یا معشوق کا گابھہ نکال کر اس میں رکھا جائے۔

ف: اس جیسی ان گنت حکایات اور بے شمار عجائبات ہیں جو تحریر و تقریر کے احاطہ سے خارج ہیں۔

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی (اور جس نے چارا نکالا) اپنی قدرت کے کمال سے نرم اور تر و تازہ چارا جسے جانور کھائیں رنگ برنگ سبز زرد سرخ سفید۔

حلِ لغات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ المرعٰی چارہ سبز۔ الصحاح (لغت کی کتاب) میں ہے کہ الرعی بالکسر چارا، اور بالفتح مصدر۔ المرعٰی الرعی مصدر ہیں۔

فَجَعَلَہٗ (پھر اسے کیا) اس کے بعد غُثَآءً خشک۔

حلِ لغات غثاء (خشک) بمعنی دریبا بروزن امیر خشک ہونا پودوں کا یا درختوں کا یا سبزیوں کا۔ الجوہری نے فرمایا: الغثاء (بالضم والمد) جسے سیلاب بہا کر لے جائے، تنکے وغیرہ القماش شے کا ادھر ادھر سے جمع ہونا اور یہی جمع شدہ شے تنکے ہیں جو زمین پر اشیاء کے ٹکڑے وغیرہ بکھرے پڑے ہوتے ہیں، اسی لیے نکمے اور بیکار (رذیل) لوگوں کو قماش کہا جاتا ہے۔

اَحْوٰی سیاہ۔ از حوۃ بمعنی سیاہی، یہ وہ اس لیے کہ گھاس جب خشک ہوتا ہے خواہ سورج کی حرارت کے اثر سے خواہ برودۃ ہوا سے، فاء التعقیبیہ ہے اشارہ ہے قصر مدۃ الخضرۃ کے اور رمز قصر مدۃ العمر اور سرعۃ زوال اور اس کی نعمتوں کے یعنی محققین اس آیت سے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی چراگاہ کے چرنے والوں کے لیے اگرچہ یہ دنیا اولاً تازہ اور سیراب اور سرسبز اور خوش نظر آتی ہے پھر چند روز کے بعد حوادث کے خزاں کے جھونکوں سے سیاہ اور ویران سی ہو جاتی ہے ؎

اگرچہ خرم و تازہ است گلبن دنیا ولے بنکبت باد خزاں نمی ارزد
بگردہ خوری و قرص قمر زجائے مرو کہ خوان چرخ بیکتائے تاں نمی ارزد

ترجمہ: اگرچہ دنیا کا باغ خرم و تازہ ہے لیکن انجام یہ ہے کہ وہ باد خزاں سے بھی کم قیمت ہے اگرچہ سورج و چاند کو تُو نے قبضے میں لے لیا تو کیا ہوا (اس سے مغرور نہ ہو) اس لیے کہ چرخ کے دسترخوان کے بالمقابل یہ ایک ذرّے کی قیمت بھی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ حیاۃِ دنیا کی زینت اور اس کے منافع اور ماکل و مشارب۔ کیونکہ وہ نفس حیوانیہ اور بہائم قوٰی کی چراگاہ اور اسے اللہ تعالیٰ نے سریع الفناء والزوال بنایا ہے بھُوسے اور پُرانے سیاہ گھاس اور تنکے کی طرح اس لیے لازم ہے کہ اس کی طرف توجہ ہی نہ ہو اور نہ اس میں مشغولی ہو کیونکہ وہ تسبیح خاص سے مانع ہے یعنی ذاتِ الٰہی کی علائق سے تنزیہ و تجرید علاوہ ازیں اس سے وہ کمال جو ہر ایک کے لیے مقدّر ہے سے حجاب حائل ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے) یہ اس ہدایتِ خاص کا بیان ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص ہے بعد اس ہدایت کے بیان کے جو عام اور تمام مخلوقات کے لیے تھی اور یہ ہدایت حصولِ وحی اور حفظ القرآن جو جملہ عالمین کی ہدایت اور توفیق ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے المفردات میں فرمایا کہ اس میں خبر اور ضمانت ہے اللہ تعالیٰ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا کرم فرمائے گا کہ آپ جو کچھ حق سے سنیں کبھی نہ بھولیں۔ اور سین تاکید کا ہے اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے یا کی جائے گی اس کے متعلق آپ کو اللہ تعالیٰ کے خود پڑھانے کا وعدہ کریمہ ہے ضمناً اور دائمی وحی کا بھی۔ اقرأ از قرأۃ ہے کہا جاتا ہے قرأ القرآن فهو قارئ و أقرأه غيره فهو مقرئ یعنی وہ اسے پڑھایا یعنی اسے اس کا علم دیا۔

تاج المصادر میں ہے کہ الاقراء بمعنی قرآن پڑھانا اور اسے کان تک پہنچانا، اسی سے ہے سنقرئك الخ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم آپ کو وُہ پڑھاتے ہیں جو ابھی آپ کو وحی کی گئی یا وہ جو آپ پر آئندہ وحی کی جائے گی جبریل علیہ السلام کی زبان کے واسطہ سے پھر بوجہ قوت حفظ و اتقان سے آپ نہ بھولیں گے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ ہم جمع کر دیں گے قرآن کے حفظ کو آپ کے قلب اقدس اور اس کی قرأۃ آپ کی زبان پاک پر یہاں تک کہ آپ کبھی نہ بھولیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ان علینا جمعه و قرآنه (بیشک ہم پر اس کا جمع کرنا اور پڑھنا)

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (مگر وُہ جو اللہ تعالیٰ چاہے) استثناء مفرغ ہے از اعم المفاعیل یعنی آپ جو کچھ پڑھیں گے اس کی کوئی شے نہ بھولیں گے مگر وُہ جو اللہ تعالیٰ اس کا بھلانا خود چاہے گا کہ اس کی تلاوت منسوخ کر دے گا کیونکہ نسخ بھی انساء (بھلانا) کی ایک قسم ہے اور اس کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے گویا منسوخ کو صحیفوں اور دلوں سے مٹا دیا گیا۔ اس تقریر پر یہاں نسیان سے نسیان کلی مراد ہے جو دائمی ہو کہ اس کے بعد اس کا یاد ہونا ختم ہو جائے۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں نسیان سے وہی متعارف معنیٰ مراد ہو جو بھولنے کے بعد پھر وہ شے یاد آجاتی ہے یعنی نسیان فی الجملہ قلیل ہو یا کثیر۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ نہ بھولیں گے مگر جب نسیان کو چاہے، پھر وہ بھولی ہوئی بات ہمیشہ بھولی ہوئی نہ رہے گی بلکہ بعد میں یاد آجائے گی جیسا کہ اس مقام سے مفہوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف ۱ اس معنی کی تائید ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ نماز میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت چھوڑ گئے، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ شاید منسوخ ہوگئی۔ آپ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا میں بھول گیا تھا (منسوخ نہیں ہوئی)

حدیث شریف ۲ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رات کو قرآن پاک پڑھا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھے ایک آیت دلادی جسے میں بھول گیا تھا۔

دُعاءِ ختم القرآن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختمِ قرآن کے وقت یہ دعاء پڑھتے تھے:

اللھم أنس وحشتی فی قبری اللھم ارحمنی بالقرأن العظیم ٥ واجعله لی اماما ونورا وھدًی ورحمة ٥ اللھم ذکرنی منه مانسیت وعلمنی منه ماجھلت وارزقنی تلاوته اٰناء الّیل واٰناء النھار واجعله لی حجة یا رب العالمین ٥	اے اللہ! میری قبر کی وحشت کا مانوس بنا۔ اے اللہ! قرآن عظیم کے طفیل مجھ پر رحم فرما اور اسے امام اور نور بنا اور ہدایت ورحمۃ اے اللہ! مجھے یاد دلا میں بھول گیا اور مجھے علم دے جس سے میں بے خبر ہو۔ اور اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما رات اور دن کی گھڑیوں میں اور اے رب العالمین اسے میرے لیے حجت بنا۔

حدیثِ نسیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما أنا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فاذکرونی۔	میں بشر ہوں میں بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلاؤ۔

ف: اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا:

واذکر ربك اذا نسیت۔ (یاد کرو اپنے رب تعالیٰ کو)

مسئلہ: یہ دلائل واضح کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نسیان طاری ہوجاتا تھا۔

ف مفسرین کرام نے فرمایا کہ آیت میں جس نسیان کا استثناء ہے وہ اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھولیں۔ (خازن) اویسی غفرلہٗ

ازالۂ وہم (ایسی دلیلیں دیکھ کر دیوبندی وہابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا مسئلہ لکھ کر یوں ازالہ فرمایا:)

وان لم یکن سھوہ ونسیانہ من قبیل سھوالامۃ ونسیانھم فانہ اھل الحضور الدائم۔

اگرچہ آپ کا سہو و نسیان امت کے سہو و نسیان کے قبیل سے نہ تھا کیونکہ آپ دائم حضوری تھے۔

(ص ۳۰۶)

معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان یقرأ من الکتاب وان کان لایکتب وفیہ معجزۃ لہ علیہ السلام فانہ کان أمیا وقد جعلہ اللہ قارئا ثم انہ کان یقرأ من الحفظ ومن الصحیفۃ ایضا من غیر تعلم الخط وکان منبع الکمالات کلھا حتی انہ علم الکتاب الخط وقوانینہ واصحاب الحرف دقائق حرفھم۔ (ص ۳۰۷)

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کتاب سے پڑھتے تھے اگرچہ لکھتے نہ تھے یہ آپ کا معجزہ تھا کیونکہ آپ اُمّی تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے پڑھنے والا بنایا تھا پھر آپ حفظ اور صحیفہ سے بھی پڑھتے، خط سیکھے بغیر آپ کل کمالات کے سرچشمہ تھے یہاں تک کہ آپ نے کتاب اور خط اور اس کے قوانین اور تمام حرفتیں اور ان حرفتوں کے دقائق کو بھی جان لیا۔[1]

---

[1] **ردِ وہابیہ و دیوبند اور مودودیہ** ہمارے دور میں نجدی وہابی اور اس کی تمام شاخیں منکر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ ان کا کمالاتِ مصطفیٰ سے حسبِ عادت انکار ہے ورنہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں آپ کے معجزے ہیں اور معجزات کا منکر ملحد و بے دین ہوتا ہے جیسے نیچری، چکڑالوی اور تمام فلاسفہ۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ یہ دونوں معجزات میں شامل ہیں اور سابقین علماءِ کرام معجزات میں لکھتے چلے آئے جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہے۔ اویسی غفرلہٗ

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (بیشک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو) ما قبل کی تعلیل ہے
ما موصولہ ہے اور یہ تمام کھلے اور چھپے کو شامل ہے از قبیل قول وعمل ہو اور اخفار اور اخفار وہ ہے جو ضمائر میں
نیات وغیرہ چھپی ہوئی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو ظاہر ہے اور وہ جو چھپا ہے منجملہ اس کے وہ ہے جو
آپ کی طرف وحی کی گئی ہے پس تمہیں بھلائے جس کا بھلانا وہ چاہے اور محفوظ رکھے جس کا باقی رکھنا چاہے کیونکہ
دونوں میں تمہارے دین کے مصالح ہیں وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى (اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کر دینگے).
اس کا عطف نقرئک پر ہے۔

حلِ لغات الیسرٰی بروزن فعلی از یسر بمعنی سہولت (آسانی) کہا جاتا ہے یسرت کذا
سہلت وھیأت (میں نے آسانی کا سامان تیار کیا) یسرك توفیق کے معنی کو متضمن ہے
اسی لیے بغیر لام کے متعدی ہے ورنہ عبارت معتادہ یوں ہوتی جعل الفعل الفلانی میسرا لفلان (اس
نے فلاں کام فلاں کے لیے آسان کیا) کہا جاتا ہے جعل فلان میسراً للفعل الفلانی ۔ جیسا کہ آیت
میں ہے نیسرك للیسرٰی کہا گیا نہ کہ نیسر الیسری لك۔

نکتہ : نون عظمۃ (جمع متکلم) سے عظمۃ معطی کی دلیل ہے اس کی عظیم عطا پر ۔

سوال : الارشاد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یُسری کی تیسیر کا کیا معنیٰ جبکہ
تیسیر تو امور کے لیے ہوتی ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے ویسّرلی امری (میرے لیے میرا معاملہ آسان
فرما) خلاصہ یہ کہ تیسیر کی تعلیق بالامور المسخرہ فاعل کے لیے ہوتی ہے یہاں مفعول کے لیے۔

جواب : تا کہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یُسری پر قدرت و اختیار دیا گیا کہ اس
میں جس طرح چاہیں تصرف کریں یہاں تک کہ وہ یُسری آپ کے لیے ملکہ راسخہ کی طرح ہے گویا آپ کا وہ جبلی امر
ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ۔ عمل کرو پس ہر انسان اس پر آسانی
دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا ہم آپ کو ہمیشہ ایسے آسان طریقہ کی توفیق دیتے ہیں جو ابوابِ دین میں علماً و تعلیماً و
اہتداءً وہدایۃً آپ کے لیے آسان سے آسان تر ہے اس میں طریقہ وحی حاصل کرنے اور احاطہ اس کا جو اس
میں احکام شریعت اور وہ نور معین الٰہیہ داخل ہیں جو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس
سے متعلق ہیں جیسے آنے والے جملہ کی فاء سے ظاہر ہوتا ہے فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (تو
تم نصیحت فرماؤ اگر نصیحت کام دے) یعنی لوگوں کو اس کے موافق جو ہم نے آپ کے لیے آسان کیا ہے اس سے

جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور انہیں ہدایت دیں ان احکام شرعیہ کی جیسے آپ کرتے ہیں اگر انہیں تذکیر و نصیحت اور وعظ فائدہ دے۔

ف : تذکیر کو نفع الذکری سے مقید کرنا اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہت زیادہ وعظ و نصیحت فرماتے یہاں تک کہ اپنی تمام جد وجہد اس پر صرف کر دیتے اس حرص میں کفار مسلمان ہو جائیں لیکن اس سے بعض کفار کے کفر و عناد میں اضافہ ہو جاتا اسی لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وعظ و نصیحت اسے فرمائیں جس سے نفع کی امید ہو یعنی جسے نصیحت کی جائے اس سے کُلی یا جُزوی طور پر اسے فائدہ کی امید ہو تو نصیحت کرو ورنہ خود کو تکالیف اور مشقت میں ڈالو بالخصوص اس کے بارے میں جو کفر و سرکشی اور لذات میں بڑھتا ہے کہ جس کے دل پر مُہر لگ چکی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے، فذکر بالقراٰن من یخاف وعید (قرآن کے ساتھ اسے نصیحت کیجئے جو میرے وعید سے ڈرتا ہے) حرف شک راجع بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف۔

قاعدہ کشف الاسرار میں ہے کہ حرف ان عربیۃ میں مثبتہ ہے نہ کہ شرطیہ۔ اس معنی پر یہ قد سے بدل ہے یہ اس آیت کی طرح ہو جائے گا جیسے فرمایا:

فذکر فان الذکری تنفع المؤمنین۔ نصیحت کیجئے اس لیے کہ اہلِ ایمان کو نصیحت نفع مند ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معلوم تھا کہ نصیحت ضرور نفع دے گی کہ یا کفر کا ترک ہو گا یا ترکِ معصیت ہو گی یا طاعت میں کثرت کی خواہش پیدا ہو گی۔ اس معنی پر الٹا نصیحت کی ترغیب اور تنبیہ ہو گی کہ نصیحت ضرور نفع دیتی ہے سوائے اس کے کہ جس کے دل پر مہر لگ چکی یا قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتا کیونکہ نفع مشروط بہ شرط استعداد ہے ؎

زمین شورہ سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مگردان

ترجمہ : زمین شور سے سنبل پیدا نہ ہو گی اس میں عمل کا بیج ضائع نہ کر۔

ف : خلاصہ یہ کہ تذکیر (نصیحت) خاص اس سے جو اس سے نفع اٹھائے اور یہ انجام کے اعتبار سے ہے ورنہ ابتداء تو عام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذمہ صرف اور صرف احکام کی تبلیغ ہے ؎

من آنچہ شرط بلاغست با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ترجمہ : وہ جو شرط تبلیغ کی تھی میں نے تجھے کر دی تو سخن سے نصیحت حاصل کر یا ملال کر۔

ربط : حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان نفعت الذکریٰ میں اجمال تھا اب اس کی تفصیل شروع ہے سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشٰى (عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے) یعنی جس کی شان ہے خدا تعالیٰ سے ڈرنا یا اس کے حق میں جو اللہ تعالیٰ سے کچھ تو ڈرتا ہے آپ کی نصیحت سے بڑھے گا اور جس بارے میں نصیحت کی گئی ہے اس میں غور و فکر کر کے حقیقت سے واقف ہو کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا۔

نصیحت پذیر لوگوں کی اقسام

تفسیر کبیر میں ہے کہ امر معاد (آخرت) میں لوگ تین قسم ہیں :

(۱) جسے اس کے متعلق یقین ہے ۔

(۲) اس کے وجود کا تو قائل ہے لیکن اسے مکمل یقین نہیں، نہ نفی میں نہ اثبات میں ۔

(۳) اس کا مکمل طور منکر ہے ۔

پہلے دو قسم نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیسرا محروم رہتا ہے ۔

وَيَتَجَنَّبُهَا (اور اس سے دور رہے گا) نصیحت سے اور سماع قبول کے طور نہ سنے گا الْاَشْقَى (بڑا بدبخت) کافروں میں سے شقاوت میں زاید، کیونکہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں بہت زیادہ خبط ہے جیسے ولید بن مغیرہ و ابوجہل اور ان جیسے اور ۔ یا اشقیٰ سے مطلق کافر مراد ہے اس لیے کہ وہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے ۔

ف : بعض نے کہا کہ من یخشیٰ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اشقیٰ سے ایک منافق مراد ہے ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری اور منافق کی منافقت

مروی ہے کہ ایک منافق کی کھجور ایک انصاری کے گھر کی طرف مائل تھی اس کا ثمر انصاری کے گھر میں گرتا تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کہ یہ کھجور انصاری کو بطور عطیہ دے دے اس کے عوض میں تجھے بہشت کی کھجور دے دوں گا (اس سے قبل منافقت معلوم نہ تھی اب ظاہر ہوئی) چنانچہ کہنے لگا کہ نقد کو ادھار پہ بیچوں، میں ایسا نہیں کر سکتا ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک باغ اس انصاری کو دے دیا ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(تکملہ) عجوز موسیٰ علیہ السلام کا قصّہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی کام کر دیا آپ نے اسے فرمایا مدینہ طیبہ آنا (تجھے انعام سے نوازا جائیگا) وہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، اسّی (۸۰) بھیڑیں چاہئیں یا تیرے لئے دعا مانگوں تجھے اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بہشت میں جگہ دے۔ عرض کی، مجھے اسّی (۸۰) بھیڑیں چاہئیں۔ آپ نے فرمایا: دے دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ تجھ سے تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی بڑھیا زیادہ سمجھدار نکلی، وُہ یُوں کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے جسم اطہر (مزار) کی جگہ بتائی تو اسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے لیے دُعا کروں کہ میرے ساتھ بہشت میں تیری جگہ ہو یا سو بکریاں چاہئیں۔ عرض کی: مجھے بہشت چاہیئے ؎

(۱) ہر کہ بلند مرعطا را صد عوض — زود در باز دعطا و ازین غرض

(۲) آرزوئے گُل بود گل خوارہ را — گلشکر نگوارد آن بیچارہ را

ترجمہ: (۱) جو عطا کے عوض سو عوض طلب کرتا ہے جلد تر ہو گا کہ اس غرض کا دروازہ کھلے گا۔

(۲) گُل کی آرزُو گُل کے چاہنے والے کو ہوتی ہے بیچارے بخیر کو گلقند اچھی نہیں لگتی۔

الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰى (جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا) طبقات النار کے نچلے طبقہ میں داخل ہو گا کیونکہ وہ بہ نسبت دیگر طبقات زیادہ تیز ہے اور وہ آل فرعون اور منافقین اور مائدۂ عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین کی جگہ ہے اور نار صُغریٰ جو نار کا اوپر والا طبقہ ہے اس میں اُمت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گنہ گار رہوں گے۔

حلِ لغات کُبریٰ اسم تفضیل ہے کیونکہ اکبر کی تانیث ہے اور مفضل وہ جو دوزخ کے طبقات میں سب سے نیچے ہے اور وہ کفار کا حصّہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔ — بیشک منافقین آگ کے درک اسفل میں ہوں گے۔

اور مفضل علیہ وہ طبقہ ہے جو جہنّم کے دوسرے طبقات سے سب سے اُوپر ہے اس لیے کہ جہنم کی آگ جلانے والی کی کئی قسمیں اور درکات ہیں ایک دوسرے میں مرتبہ میں بڑے اور چھوٹے ہیں جیسے دنیا میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ ہیں تو ایسے ہی کفار میں زیادہ بدبخت نیران کے سب سے بڑے درجے میں ہوں گے۔

ف: بعض نے کہا کہ کبریٰ نارِ جہنّم اور نارِ صغریٰ نارِ دنیا ہے یعنی نار الآخرۃ مفضل اور نارِ دنیا مفضل علیہ ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نارکم ھذہ جزء من سبعین جزأ من نار جھنم وقد غمست فی ماء البحر مرتین لیدنی منھا وینتفع بھا ولولا ذلک مادنوتم منھا۔	تمہاری آگ نارِ جہنم کا سترواں حصّہ ہے اسے دریا کے پانی میں دو بار ڈبو دیا گیا تاکہ اس کے قریب جایا جا سکے اور نفع اٹھایا جا سکے اگر اسے ڈبویا نہ جاتا تو تم اس کے قریب نہ جا سکتے۔

ف: کہا گیا ہے کہ نارِ دُنیا نارِ آخرت سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتی ہے کہ اسے پھر اس میں نہ لوٹایا جائے۔

ف: فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نارِ کُبریٰ سے وہ عذابِ اکبر مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر۔	تو اسے اللہ تعالیٰ عذابِ اکبر میں مبتلا کرے گا۔

اور عذابِ اکبر عذابِ آخرت ہی ہے اور عذابِ اصغر وہ عذابِ دنیا اور عذابِ برزخ ہے کیونکہ یہ بہ نسبت عذابِ آخرت کے اصغر ہیں۔

بدبختوں کے علامات

بعض دانشوروں نے فرمایا کہ شقاوت کے چند علامات ہیں:

(۱) بکثرت اکل (۲) بکثرت شرب

(۳) بکثرت نوم (۴) گناہ پر اصرار

(۵) قساوتِ قلب (۶) کثرت گناہ

(۷) رب تعالیٰ کو بھول جانا

(۸) بادشاہ سرکش کے سامنے ہر وقت خوشامد و چاپلوسی میں رہنا۔ یہی سب سے زیادہ بدبخت ہے جو بڑی نار میں داخل ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نار دو ہیں:

(۱) نارِ حجاب الدنیا یعنی شہوات و لذات میں مشغول رہنا، یہ نارِ صغریٰ ہے۔

(۱۱) نارِ حجاب الاٰخرۃ یعنی خذلان و خسران اور طرد و ہجران میں مبتلا ہونا جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

ومن کان فی ھذہ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی واضل سبیلا ۔	اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور یہ راستہ حقیقی سے بہت زیادہ گمراہ ہے ۔

کیونکہ اس سے استعداد فوت ہوچکی ہے ۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نار کبریٰ یہی نار حجاب ہے رب تعالیٰ سے شرک کرکے اور غیر سے تعلق جوڑنے سے اور نار القہر ہے مقام صفات میں اور نار الغضب والسخط ہے مقام افعال میں اور نار جہنم الآثار ہے موقف اربعہ میں، یعنی :

۱ ۔ موقف الملک

۲ ۔ موقف الملکوت

۳ ۔ موقف الجبروت

۴ ۔ حضرۃ اللاھوت ہمیشہ ہمیشہ تک اور اس سے بڑھ کر اور کوئی نار نہیں ۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا (پھر اس میں نہ مرے) کہ راحت پائے وَلَا یَحْیٰی (اور نہ جئے) ایسی زندگی کہ اسے نفع دے جیسے کوئی سخت بلاء میں مبتلا ہو جائے تو اسے کہتے ہیں نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے ۔ ثمّ تراخی مراتب شدۃ کے لیے ہے اس لیے کہ تردد درمیان موت وحیات کے زیادہ خطرناک ہے دوزخ میں داخل ہونے سے ۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نہ مرے گا کہ قطعیۃ کے عذاب سے راحت پائے اور نہ جئے گا کہ روح وصال تک پہنچ سکے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے نہ اس کا نفس مرے گا تاکہ عقوبات حجاب واحتجاب سے راحت پاسکے اور نہ اس کا قلب زندہ ہوسکے حیاتِ ایمان سے اس لیے کہ نہ وہ دار الجزاء میں ہے نہ دار التکلیف میں ہے ۔

اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : نہ مرے گا انعدام کے امتناع کی وجہ سے اور نہ زندہ ہوگا حقیقت سے اس لیے کہ وہ روحانی طور پر ہلاک ہوچکا ہے یعنی وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ اس وقت موت کی آرزو کرے گا جب وہ ہلاک ہوگا اور جل جائے گا تو پھر اسے حیاۃ بچائے گی تاکہ عذاب میں مبتلا ہو اس طرح اس کے لیے ہوتا رہے گا ۔ ایسا شخص نہ مطلقاً مردہ ہوگا نہ مطلقاً زندہ ۔

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ مریگا تو اس لیے نہیں کہ موت کو تو ذبح کیا جا چکا

ہوگا، اس لیے اسے موت کہاں سے، اور نہ زندہ ہوگا کیونکہ مغموم انسان میت کی مانند ہوتا ہے وہ ہمیشہ روحانی عذاب میں ہوتا ہے، اسی طرح اسے ایسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا رہے گا جیسے جسمانی عذاب میں ہمیشہ مبتلا ہوگا۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ اس کی حیات موت سے نہیں ہوگی اور نہ ہی موت سوائے رؤیت حق تعالیٰ کی محرومی ہی ہوگی اس لیے کہ اس موت کے بغیر کوئی دوسری موت مرا تو وہ زندہ نہ ہوگا اور جو حیات کے بغیر زندہ ہے تو اس کی حیاۃ حیوانی ہے نہ کہ حیاۃ انسانی۔

تفسیر عالمانہ قَدْ اَفْلَحَ (بیشک مراد کو پہنچا) یعنی تکالیف سے نجات پاگیا اور کامیاب ہوا اس سے جو اس کی امید ہے مَنْ تَزَكّٰى (وہ جو پاک ہوا) یعنی پاک ہوا کفر و معاصی سے، ذکریٰ سے نصیحت و وعظ حاصل کرنے یا زیادہ تقویٰ و خشیت الٰہی سے۔

حل لغات الزکاء، النماء (بڑھنا) لفظ قد اس لیے ہے کہ برے حال (جو ذکریٰ کے ذریعہ آخرت کے خوف سے بچنے کی خبر دینا) سے اجتناب کرتا ہے کہ جس نے نصیحت حاصل کی اس کے حسنِ حال کے متعلق سامع امید کرتا ہے اس کے لیے لفظ قد لایا گیا۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی) اور اپنے رب کا نام (دل اور زبان سے) لے کر نماز پڑھی۔ پانچ نمازیں قائم کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقم الصلوٰۃ لذکری۔ (اور میری نماز میرے ذکر کے لیے قائم کیجئے)

مسئلہ: آیت میں ذکر سے تکبیرِ افتتاح مراد ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ نماز کا جزو نہیں ہے کیونکہ نماز کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ افتتاح نماز کا اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے جائز ہے کیونکہ حنفیوں کے نزدیک ضروری ہے کہ کہا جائے اللہ اکبر، ذکر سے عام ہے جو بھی ہو (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تزکیٰ سے صدقۂ فطر دینا اور رب کا نام لینے سے عیدگاہ کے راستہ میں تکبیریں کہنا اور نماز سے نمازِ عید مراد ہے۔ تفسیر مدارک و احمدی)

ف: امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اعمال کے تین مراتب ہیں،

(۱) قلب سے عقایدِ فاسدہ کا ازالہ یہی تزکیٰ سے مراد ہے۔

(۲) اللہ کی ذات وصفات و افعال کی معرفت کا استحضار، ذکر سے یہی مراد ہے کیونکہ ذکر قلبی معرفت کے بغیر نہیں ہوتا۔

(۳) طاعت و خدمت میں مشغول رہنا، الصلوٰۃ سے یہی مراد ہے اس لیے کہ نماز تواضع و خشوع

کا نام ہے اس لیے کہ جو اپنے قلب کو معرفتِ جلالِ الٰہی سے چھپاتا ہے اس پر لازم ہے کہ جوارح و اعضاء پر خضوع و خشوع کے اثرات ظاہر کرے ۔

اعضاء کی تخلیق کی غرض و غایت بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چہرہ سجدہ کے لیے، آنکھ عبرت کے لیے، بدن عبادت خدمت کے لیے، قلب معرفت کے لیے سِرّ عشق و محبت (الٰہی) کے لیے بنائے ہیں پس اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کو یاد کرو کہ اس نے تمہاری زبانیں شہادت کے لیے اور قلوب معرفت کے لیے اور ابدان عبادت کے لیے مزین فرمائے ۔

حدیث قدسی شریف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت فرمائی کہ میری نمازیوں کے ساتھ تین شرطیں ہیں :

(۱) آسمان کے عنان سے اس کی چوٹی سر پر رحمت کی بارش کا نزول جب تک نماز میں ہے ۔

(۲) اسے ملائکہ اپنے پروں سے گھیرلیں ۔

(۳) میں خود اس سے گفتگو کروں کہ جب کہے یارب ۔ میں کہوں لبیک

ف : اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر نمازی کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس سے گفتگو کر رہا ہے تو وہ کسی طرف توجہ ہی نہ کرے ۔

مسئلہ : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تزکّی سے مراد صدقۂ فطر ہے جو نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے ادا کیا جائے اور ذکر سے وہ تکبیر مراد ہے جو نماز ادا کرنے کے لیے جاتے (اور واپس ہوتے ہوئے) کہتا ہے اور صلوٰۃ سے مراد نمازِ عید ہے جو امام کے ساتھ ادا کرتا ہے ۔

ازالۂ وہم یہ سورۃ مکیّہ ہے بالاجماع ، اور مکہ معظمہ میں عید کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی صدقۂ فطر کا حکم ، لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے دوست فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا ہو گا کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل والے کی تعریف فرمائی ہے ۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ احکام کے نزول سے پہلے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دیتا تھا کہ ایسے ہو گا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ سے سُن کر ایسے کہا ہو تو ہو سکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو مخالفاتِ شرعیہ سے پاک کرنے اور قلب کو حُبِّ دنیا سے نہ صرف پاک کرنے بلکہ اسے ملاحظہ غیر سے پاک کرنے اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بقدرِ استعداد متوجہ کرنے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو وسعت سے

بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (بلکہ تم حیاتِ دنیا کو پسند کرتے ہو) مقدر سے اعراض ہے جس کی طرف کلام چلا گیا ہے گویا ایسی شے کے (جو فلاح تک پہنچائے) بیان کے بعد فرمایا تم یہ نہیں کرتے بلکہ تم لذاتِ عاجلہ فانیہ کو پسند کرتے ہو اور ان کی تحصیل کے لیے کوشاں ہو اور یہ خطاب کفار کو ہے تو اس سے مراد ان کی ایثارِ دنیا سے خوشنودی اور اطمینان اور اعراض از آخرت بالکلیہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان الذین لا یرجون لقاءنا ورضوا	اور وہ جو ہمارے دیدار کی امید نہیں رکھتے
بالحیٰوۃ الدنیا واطمأنوا بہا الآیۃ	اور حیٰوۃِ دنیا سے خوش اور اس سے مطمئن ہیں۔

یا عام خطاب ہے تو پھر ایثار سے مراد بھی اعم ہے اس سے جو مذکور ہوا اور ہر اس امر سے کہ جس سے کوئی بھی خالی نہیں اکثر لوگ ایسے ہیں جو سعی اور ترتیب مبادی میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اول معنی پر التفات توبیخ تشدید کے لیے ہے دوسرے معنیٰ پر کافروں کے حق میں، اور تشدید عقاب ہے مسلمانوں کے لیے۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ کافر تو حیاتِ دنیا کو کفر کی حیثیت سے ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ آخرت ہے ہی نہیں اور مؤمن اسے بحیثیت معصیت اور غلبۂ نفس سے ترجیح دیتا ہے، ہاں جسے اللہ تعالیٰ بچائے (جیسے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام)

ف: عین المعانی میں ہے کہ یہ خطاب تمام امت کو ہے اس لیے کہ ہر کس حُبّ دنیا کو ترجیح دیتا ہے یا اس میں رغبت سے یا اس میں آخرت کے ثواب کے ذخیرہ جمع کرنے میں۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کے متعلق سب سے پہلے یہی فتویٰ جاری کیا کہ اس کے حلال کا حساب ہوگا اور اس کے حرام سے عذاب، اور آپ نے دنیا اور اہلِ دنیا کو ملعون فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیہا	دنیا ملعونہ ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ
الا ذکر اللہ۔	بھی ملعون ہے سوائے ذکرِ الٰہی کے۔

ف

(۱) اگر دینت ہمی باید ز دنیا دار پے بگسل

ورت دنیا ہمی باید بدہ دین و ببر دنیا

(۲) وراز دوزخ ہمی ترسی بمالے پس مشو غرہ
که اینجا صورتش مالست و آنجا شکلش اژدہا

(۳) چہ مانی بہر مردارے چو زاغاں اندریں پستی
قفص بشکن چو طاؤساں یکے بر پر بزیں بالا

ترجمہ: (۱) اگر دین چاہئے تو دنیا دار سے ہاتھ دھو، اگر تجھے دنیا چاہیے تو دین دے دنیا لے۔
(۲) اگر دوزخ کا ڈر ہے تو دنیا سے دھوکا نہ کھا کیونکہ یہاں تو دنیا کی صورت مال کی سی ہے اور وہاں یعنی آخرت میں اژدہا کی شکل کی ہوگی۔
(۳) کوّوں کی طرح مردار (دنیا) پر کیوں لٹو ہے، پنجرہ توڑ مور کی طرح ایک پر زمین سے آسمان تک پھیلا دے۔

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے) یہ توثرون کے فاعل سے حال ہے توبیخ وعتاب کا مؤکد ہے یعنی تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت فی نفسہا بہتر ہے اس لئے کہ اس کی نعمتیں انتہائی لذیذ اور خرابی کے شائبہ سے خالص ہیں اور ہمیشہ ہیں ان کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں دنیوی نعمتوں کے تکدر و تنغص کے ذکر کے درپے نہیں ہوئے اور نہ ہی یہ بتایا کہ یہ نہایت قلیل اور ختم ہونے والی ہیں اس لیے کہ ان باتوں میں دنیوی نعمتیں ظاہر ہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر الاشیاء بہ نسبت ان کے حقائق کے ایسے ہیں جیسے چھلکا مغز پر۔ اور ظاہر ہے کہ مغز چھلکے سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اس لئے کہ مغز (دانہ وغیرہ) زمانہ دراز تک باقی اور محفوظ رکھا جاتا ہے بخلاف چھلکے کے کہ وہ مغز سے اتار کر عموماً ضائع کر دیا جاتا ہے یا آگ میں جھونکا جاتا ہے یا کوڑے کرکٹ پر پھینک دیا جاتا ہے پھر وہ ایک دو روز میں گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ تو جو چھلکے کے عاشق ہیں وہ امور ظاہر خسیسہ اور دنیہ فانیہ کو امور باطنہ معنویہ شریفہ عزیزہ باقیہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لیے کہ ایسے لوگ آخرت سے محجوب ہیں اور مغز والے آخرت کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ (اللہ کی ذات) آخر کو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل اللہ ثم ذرہم (اللہ کے سوا سب کو چھوڑیئے)

بعض نے کہا قد افلح من تزکّی کامیاب ہے جو گناہوں سے تائب ہوا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا یعنی جب اذان سُنی تو نماز کی طرف اُٹھ کھڑا ہوا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تارک الصلوٰۃ کی مذمت فرمائی کہ ایسے لوگ حیاۃ دنیا کو پسند کرتے ہیں یعنی دنیوی کاموں کو آخرت کے امور پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت کے امور بہتر اور باقی

رہنے والے ہیں بخلاف امورِ دنیا کے اور اس میں مشغول ہونے اور اس کی زینت کے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ هٰذَا (بیشک یہ) اس طرف اشارہ ہے جو مذکور ہوا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی البتہ وُہ پہلے صحیفوں میں ہے۔

حل لغات صُحُف صحیفة کی جمع ہے یعنی کتاب۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیفة وہ جو ہر شے سے مبسوط ہو، جیسے صحیفة الوجہ۔ اور صحیفة وُہ شے جس میں لکھا جائے مصحف جو جامع ہو تمام صحیفوں کا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ ثابت ان میں یعنی نفس کو پاک کرنا ان امور سے جو اس کے لائق نہیں اور معارف سے روح کی اور عبادت سے جوارح کی تکمیل اور اس میں ہے زجر از التفات الی الدنیا اور آخرت اور ثوابِ الٰہی کی ترغیب کر دارِ آخرت میں کیا کرامات نصیب ہوں گی اور یہ کہ پچھلی اُمتوں کے اختلاف الشرائع کو اختلاف نہیں کہا جا سکتا صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (ابراہیم و موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفے) یعنی ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہما السلام کے صحیفے۔ یہ بدل ہے از الصحف الاولیٰ۔

صحیفوں کی تعداد مروی ہے کہ کل ایک سو چار کتابیں تھیں۔ آدم علیہ السلام پر دس صحیفے اترے ایک صحیفہ صرف حروفِ تہجی پر مشتمل تھا، اور شیث علیہ السلام پر پچاس، ادریس علیہ السلام پر تیس اور ابراہیم علیہ السلام پر دس، اور توراۃ و انجیل و زبور و فرقان۔

صحیفۂ ابراہیم علیہ السلام عاقل کو لائق ہے کہ وُہ عقل سے مغلوب نہ ہو اور اپنی زبان کی نگرانی کرے زمانے کا عارف اپنی شان کی طرف متوجہ ہو نیز یہ بھی تھا کہ صفت تجرید سے موصوف ہو کر ما سوی اللہ سے نکلنا، جیسے فرمایا،

انی بریٔ مما تشرکون (بیشک میں اس سے بیزار ہوں جس کے ساتھ تم شرک کرتے ہو)

اور متوجہ الی اللہ ہو۔ جیسے فرمایا،

انی وجّھت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض۔ بے شک میں نے اپنا چہرہ پھیرا اس ذات کے لیے جس نے آسمان و زمین پیدا کیا۔

صحیفۂ موسیٰ علیہ السلام کا مضمون موسیٰ علیہ السلام کے صحیفہ میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابنِ آدم! اپنے لیے نیک عمل کر نزولِ موت سے پہلے، اور تجھے مہلت دھوکا نہ دے اس لیے اس آثار میں تیرا سفر ہے اور تجھے توبہ سے زندگی اور طولِ امل غافل نہ کر دیں، اس تاخیر پر تو ندامت اٹھائے گا جب تجھے ندامت فائدہ نہ دے گی۔ اے ابنِ آدم!

اگر تُو نے میرا حق نہ دیا اپنے اس مال سے جو میں نے تجھے دیا ہے تُو نے اسے فقرائے سے روک لیا تو میں تجھ پر جبّار مسلّط کروں گا جو تجھ سے میرے حقوق چھین لے گا۔ اس پر میری طرف سے تجھے کوئی ثواب نہ ہوگا نیز یہ بھی ہے کہ اس کے جمال کے شوق میں سرعت ہو تعریف الصفات کے وقوف مقامات پر ندامت ہو، جیسے فرمایا :

انی تبت الیک و انا اول المؤمنین۔ بیشک میں نے تیری طرف توبہ کی، اور مؤمنین میں سے پہلا مومن ہُوں۔

مسئلہ : تیسیر میں ہے کہ اس سے معلوم ہُوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز میں قرأۃ بالفارسیہ جائز ہے (یہ قول مرجوح ہے اس پر فتویٰ نہیں) یعنی جس زبان میں قرأۃ ہو جائز ہے کیونکہ قرآن کا مضمون صحیفوں میں تھا اور اسی لیے فرمایا :

لفی زبر الاولین (بیشک وہ پہلے صحیفوں میں ہے)

اور اس میں شک نہیں کہ پہلے صحیفوں میں یہ قرآنی مضمون اسی نظم (عربی) میں نہ تھا اور نہ ہی یہ لغت، تھی لیکن تھا وہ قرآن، اور دار و مدار معانی پر ہے اور الفاظ ان کے ظروف و قوالب ہیں۔ اس میں تائید ہے اس کی جو حدیث بالمعنیٰ نقل کرتا ہے۔

حدیث شریف اُمّ المؤمنین عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وتروں کی پہلی دو رکعتوں میں سبحٖ اسم ربك الاعلیٰ اور قل یاَیها الکافرون اور پچھلی رکعت میں قل هو الله احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

اسی پر امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا عمل تھا اور امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا عمل نہ تھا البتہ ان کے نزدیک وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھنا مستحب ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ تفسیر سورۃ الاعلیٰ سے سوموار کے دن ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بفضلہٖ تعالیٰ اور ببرکۃ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۵ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ بروز بدھ فراغت پائی۔ (الحمد للہ علی ذلک)

سُورَةُ الغَاشِيَة

اٰیاتها ٢٦	(٨٨) سورة الغاشية مكية (٦٨)	رکوعها ١

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ‏ ۝ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَٮِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ لا عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ لا تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ لا تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ‏ ۝ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۝ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ‏ ۝ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَٮِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لا لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ لا فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ لا لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً ؕ‏ ۝ فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ ۝ م فِيۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ۝ لا وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ ۝ لا وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ۝ لا وَّزَرَابِىُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ؕ‏ ۝ اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ۝ وقفة وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ ۝ وقفة وَاِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ ۝ وقفة وَاِلَى الۡاَرۡضِ كَيۡفَ سُطِحَتۡ ۝ وقفة فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ؕ‏ ۝ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَۜيۡطِرٍ ۝ لا اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ لا فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الۡعَذَابَ الۡاَكۡبَرَ ؕ‏ ۝ اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ۝ لا ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ۝ ع

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

بیشک تمہارے پاس اس مصیبت کی خبر آئی جو چھا جائے گی، کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے کام کریں مشقت جھیلیں، جائیں بھڑکتی آگ میں، نہایت جلتے چشمہ کا پانی پلائے جائیں، ان کے لیے کچھ کھانا نہیں مگر آگ کے کانٹے کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں، کتنے ہی منہ اس دن چین میں ہیں اپنی کوشش پر راضی بلند باغ میں کہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے

اس میں رواں چشمہ ہے اس میں بلند تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور برابر بچھے ہوئے قالین اور پھیلی ہوئی چاندنیاں تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا اور آسمان کو کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑوں کو کیسے قائم کیے گئے اور زمین کو کیسے بچھائی گئی تو تم نصیحت سناؤ تو یہی نصیحت سنانے والے ہو تم کچھ ان پر کڑوڑا نہیں ہاں جو منہ پھیرے اور کفر کرے تو اسے اللہ بڑا عذاب دے گا بیشک ہماری ہی طرف ان کا پھرنا ہے پھر بیشک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے۔

سورۃ الغاشیہ مکیہ اور اس کی چھبیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (بیشک تمہارے پاس مصیبت چھا جانے والی خبر آئی) امام النحو قطرب نے کہا اس کا معنی ہے بیشک تمہارے پاس اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! چھا جانے والی خبر آئی۔ حضرت مولانا ابو السعود نے الارشاد میں لکھا کہ یہ معنی نہیں بلکہ یہ ھل استفہامیہ ہے اس سے تعجب مراد ہے اس سے جو اس میں ہے، اور اس کے سننے کا شوق دلانا ہے اور آگاہ کرنا ہے کہ یہ ان عجیب خبروں میں جن کا حق یہ ہے کہ ان کو راوی نقل کریں اور اس کے حاصل کرنے میں محفوظ کرنے والے ہر شہری اور دیہاتی حاصل کرے۔

حل لغات

الغاشیۃ وہ دہشت ناک خبر جو سخت ہو جو اپنے شدائد سے لوگوں کو چھپالے اور اپنی ہولناکیوں سے گھیر لے۔ اس سے قیامت مراد ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دن جس دن ان پر عذاب چھا جائیگا اوپر سے نیچے۔ اور فرمایا؛ وہ دن جس کا شر پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے؛ غشیۃ یغشاہ یعنی غطاہ وکل ما احاط بالشئ من جمیع جہاتہ فھو غاش لہ ہر وہ جو شے کو جملہ جہات سے گھیر لے اور وہ اس پر چھا جانے والا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے) جملہ مستانفہ اس سوال سے جو استفہام تشویقی سے اٹھا گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کہا گیا کہ کون سی خبر آئی اور وہ ہے کیا، جواب ملا وجوہ یومئذ مابعد اخبار ثلاثہ کی ظرف ہے یعنی اس دن کہ وہ دہشت خبر لوگوں پر چھا جائے گی اس لیے کہ خشوع وخضوع اور تطامن و تواضع سب کا ایک ہی معنیٰ ہے اور سب سے کنایہ ہے اس کیفیت سے جو انسان کو ذلت ورسوائی اور خواری طاری ہوتی ہے اس معنیٰ پر وجوہ مبتدا ہے اس کا کوئی حرج نہیں کہ یہ نکرہ ہے اس لیے کہ موقع التنویع میں ہے اور

خاشعة اس کی خبر ہے۔

اور ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا نکرہ ہونا بحذف المضاف ہے یعنی اصحاب الوجوہ ، اور خشوع و ذلت کے ذکر سے اصحاب کے حذف کا قرینہ بن گیا کیونکہ یہ وجوہ میں ہی ظاہر ہوتے ہیں تو اصحاب کے بغیر وجوہ کیسے ، اس معنی پر مضاف الیہ مضاف کے قائم ہو کر مبتدا ہو گیا اور ہم نے خشوع و ذلت کو چہرہ میں ظاہر ہونا اس لیے کہا کہ تکبر کا ظہور سر اور دماغ میں ہوتا ہے ، اور اصحاب الوجوہ سے کفار مراد ہیں جیسا کہ اس کے مابعد کے اوصاف بتاتے ہیں۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (کام کریں مشقت جھیلیں) وُہ وجوہ کی دوسری دو خبریں ہیں اس لیے کہ ان سے بھی مراد وہی اصحاب الوجوہ ہیں جس کا ابھی اشارہ کیا گیا۔

حلِ لغات النصب بمعنی التعب (تھکان) الناصبۃ التعبۃ تھکنے والی ۔ کہا جاتا ہے نصب نصباً بمعنی تھکنا از علم ، اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام کرتے تھک جائے۔

اس آیت کا معنی یہ ہُوا کہ وُہ چہرے والے اعمال شاقہ (سخت) کرکے تھک جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے سے (دنیا میں) کتراتے تھے اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے اعمال شاقہ میں مبتلا کرنا ہے یعنی لوہے کے زنجیر کھینچنے اور بوجھل لوہے کے طوق گلے میں ڈال کر چلانا ، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا	بیڑی لوہے کی کہ جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہوگی
والخوض فی النار خوض الابل فی الوحل ۔	اور آگ میں اونٹ کی طرح غوطے لگائیں گے ۔

ف: جیسے وُہ رقیق گارے میں غوطہ لگاتا ہے اور آگ کے اُونچے ٹیلوں پر چڑھنا اور گہرے گڑھوں میں اترنا۔

مسئلہ : ظاہری خشوع اور ابدان کو قیام عبادت میں کھڑا کرنا کسی کام کا نہیں ، نہ ہی وہ اللہ کے قریب کرتے ہیں بلکہ سعادت ازلی اور باطنی (سر) کا خوف خشیۃ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے اللہ تعالیٰ کے قریب کرتا ہے اور وہی اپنے عامل کو جمیع مخالفت شرعیہ سے روکتا ہے ۔

بد مذہبی کا رد رہبانیۃ اور فلاسفہ اور ان جیسے دیگر اہلِ کفر و البدعۃ و اہلِ ضلال بہت بڑی کوفت اٹھاتے اور نفسوں کو مشقتوں میں ڈالتے ہیں اور حد سے زیادہ کوشش کرتے ہیں لیکن بے سُود ۔

تَصْلٰی نَارًا حَامِيَةً (داخل ہوں گے بھڑکتی آگ میں) اس کا درد چکھیں گے ۔

حامیۃ انتہائی گرم آگ ۔ وہ تین ہزار سال بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی ۔ اب وہ سیاہ آگ ہے یہ وجوہ کی دیگر خبر ہے ۔

حل لغات قاموس میں ہے کہ حمی الشمس والنار حمیا و حمیا و حموا موٹے اور آگ کی سخت گرمی بڑھی ۔

السجاوندی نے فرمایا کہ حامیۃ بمعنی ہمیشہ گرمی والی، ورنہ نار ہوتی ہی گرم ہے ۔

تُسۡقٰى (پلائے جائیں گے) مدت دراز کے بعد وہ کبھی سخت زاری اور فریاد کے بعد پیاس اور نہایت جلن سے پانی مانگیں گے انہیں اللہ تعالیٰ یا ملائکہ پانی پلائیں گے مِنۡ عَيۡنٍ (چشمے سے ، پانی کا ، اٰنِيَةٍ (جلتا ہوا) نہایت درجہ کا گرم ۔ انیٰ بمعنی الحر (گرمی) آگ میں گرم ہونے کی وجہ سے جو ان کے چہروں کے چمڑے ادھیڑ لے گا ، جب پئیں گے تو ان کی آنتیں کاٹ دے گا ، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، بین حمیم آن (درمیان گرم پانی کے) ۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں ، انی الحمیم انتہٰی حرہ اس کی گرمی انتہا کو پہنچی فھو آن وہ گرمی میں انتہا ء کو پہنچنے والا ہے بلغ ھذا انا یہ اپنی گرمی میں انتہا ء کو پہنچا ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ نار طبعیہ اور عین الجہل المرکب وہی ان لوگوں کا گھاٹ ہے اور اعتقاد فاسد موذی بھی ۔

تفسیر عالمانہ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ (ان کے لیے کچھ کھانا نہیں مگر آگ کے کانٹے) کفار کے پینے کی چیز کے بیان کے بعد ان کے جہنم میں طعام کا بیان ہے اور عقلاء کی ضمیر لائی گئی تاکہ اشارہ ہو کہ وجوہ سے ان کے اصحاب مراد ہیں اور افعال کا اسناد وجوہ کی طرف اس لیے ہے کہ وہی مظہر ہیں ان میں وہ ظاہر ہوتا ہے جو ان کے باطن میں ہے ورنہ بہت سے مواقع پر ان کی ذوات سے بھی کنایہ کیا گیا ہے ۔

حل لغات ضریع خشک کانٹا الشبرق وہ کانٹا جسے اونٹ چرتے ہیں جب تک تر ہو جب خشک ہو جاتا ہے تو اسے باہر پھینک دیتے ہیں ، نہایت زہریلا اور قاتل ہوتا ہے ۔

اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس شوک (کانٹا) کو ضریع اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جسم کو کمزور اور دبلا خستہ بناتا ہے ، کہا جاتا ہے ، ضرع الرجل ضراعۃ ضعف و ذل فلاں شخص دبلا خستہ اور کمزور ہو گیا ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ ضریع کوئی شے ہے جہنم میں کانٹے کے مشابہ ہے وہ مصبر سے زیادہ کڑوی اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہے اور یہ بعض دوزخیوں کی خوراک ہوگا اور زقوم وغسلین دوسروں کی، یہ بحسب جرائم ہوگا۔ اور اس آیت اور آیت الحاقہ ولاطعام الا من غسلین اور نہ ہوگا ان کا طعام مگر غسلین (پیپ) کا تعارض اُٹھ گیا۔

ف : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ غسلین جب اہل نار کے ابدان سے جدا ہو تو وہ ضریع کی شکل وہیئت میں ہو جائے اور کفار کا طعام وہی غسلین ہو جس کا اب ضریع نام ہے۔

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہی تینوں ضریع، غسلین، زقوم) ایک ہی شخص کی غذا بنائے گا بوجہ اس کے مختلف جرائم ومعاصی کے اس لیے کہ ہر عمل کا اپنا اثر ہے جو دوسرے سے مختلف ہے اور وہ اسی سے مخصوص ہے اور جزاء تمہیں ہے اسی لیے یہ حصر صحیح ہے۔

علم بے عمل اور غیر نافع

اس کی تحقیق یہ ہے کہ ضریع شبہ اور علوم غیر منتفع بہ اور موذی (علم) کی طرف اشارہ ہے جیسے مغالطات وخلافیات وسفسطہ (فلسفہ غیر اسلامی) اور وہ جو ان جیسے علوم وفنون ہیں جیسے حضرت قاشانی نے فرمایا) اور غسلین شہوات طبعیہ کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہ وہ ابدان سے بہہ کر نکلے گا اس لیے کہ ہر شہوت کا اپنا ایک قسم کا نچوڑ اور پسینہ ہوگا اور قاعدہ ہے کہ برتن سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو اس میں ہے۔

انبیاء واولیاء کے اعداء وگستاخ کا بُرا حال

زقوم اشارہ ہے اعدائے اسلام کے اس غور وخوض میں جو وہ انبیاء علیہم السلام واولیاء علیہم الرحمۃ والغفران کے بارے میں کرتے ہیں اور ان کے طعن وتشنیع میں لگے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا کیا دین وطریقہ ہے اور ان کا مذاق اڑاتے اور مزے لے لے کر بکواس کرتے ہیں، اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا:

واذا انقلبوا الیٰ اھلھم فکھین۔ اور جب وہ اپنے اہل کی طرف لوٹتے ہیں تو ان (انبیاء واولیاء) پر ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں۔

یعنی اس سے متلذذ ہوتے ہیں جو ٹھٹھا مخول اور ان کی طرف اشارے کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور الزقمۃ بمعنی طاعون بھی ہے اور اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ ممکن ہے کہ یہ ترتیب بہ نسبت ایک شخص کے ہو مثلاً زقوم اس کی مہمانی اور ضریع اس کی غذا اور غسلین اس کا بینا گرم پانی کی طرح (واللہ

تعالیٰ اعلم)

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ (نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں) اس کا کام ہی نہیں موٹا کرنا اور بھوک مٹانا جیسے دنیوی طعام کا ہوتا تھا بلکہ وہ تو ایسی شے ہے کہ الٹا اس سے وہ اس کے کھانے کے لیے مجبور ہو جائیں گے نہ یہ کہ وہ ان کی ضرورت کو پورا کرے اور نہ یہ کہ اس کے کھانے سے اس میں سیر ہونا ہو یا موٹا ہونا ان دونوں باتوں کے لیے وہ انہیں کوئی کام نہ دے گا۔ بہرحال نہ یہ اس کے لیے مستعد ہوں گے اور نہ یہ طعام ان کے لیے کھانے کے لیے ہوگا۔

تحقیقی مقالہ کفار کی بھوک و پیاس اس معہود طریق پر نہ ہوگی جو اس دنیا میں معروف ہے کہ وہ ایک حالت ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے جب طبیعت اس بدل کی داعی ہوتی ہے جو بدن میں حلول کرے اسے شوق ہوتا ہے مطعوم و مشروب کا کہ جس سے وہ کھانے پینے کے وقت لذت پائے اور ان کے معدہ میں استقرار کے بعد وہ ان کے غیر سے مستغنی ہو جائے پھر ان دونوں سے قوت حاصل ہو اور ان کے ہضم ہونے کے بعد موٹاپن جسم کا ہو لیکن آخرت میں بھوک و پیاس کا دوسرا طریقہ ہوگا وہ یوں کہ جب آگ ان کی آنتوں میں جوش مارے انھیں اس طرف کا اضطرار ہو کہ کوئی کثیف شے پیٹ میں داخل ہو تاکہ آنتیں بھر جائیں اور جو ان میں آگ کے شعلے ہیں وہ نکل جائیں یہاں یہ تصور کہ کھانے پینے کے بعد انہیں کسی مطعوم کا شوق ہو یا کھانے کے وقت انہیں کسی قسم کی لذت حاصل ہو یا کھانے کے بعد انہیں غیر سے استغناء ہوگا یا قوت حاصل ہوگی یہ دور از قیاس ہے، ایسے ہی ان کی پیاس کا حال ہے کہ ضریع (کانٹا) کھانے کے بعد ان کے پیٹ میں ایک شعلہ اٹھے گا اور اضطرار پیدا ہوگا کہ کوئی پانی جیسی شے ہو جو آگ کے جوش کو بجھائے نہ یہ کہ اس سے انہیں کسی قسم کی لذت حاصل ہوگی یا کچھ قوت میں اضافہ ہوگا یہی معنیٰ ہے اس روایت کا کہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسی بھوک مسلط کرے گا جو انہیں ضریع (کانٹا) کھانے پر مجبور کر دے گی جب وہ اسے کھائیں گے تو ان پر پیاس کا غلبہ ہوگا جو اسے گرم پانی پینے پر مجبور کر دے گا پانی گرم ان کے چہروں کے چمڑے ادھیڑ دے گا اور آنتیں کاٹ دے گا اور جُوع کی تنکیر تحقیر کے لیے ہے یعنی ان کی بھوک کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا اور اغناء کی تاخیر فواصل کی رعایت اور اس کو سبب بنانا ہے دونوں امروں کی نفی کا اس لیے کہ اگر اسے مقدم کیا جاتا تو نفی الاسمان (موٹا ہونا) کی محتاجی نہ ہوتی کیونکہ اغناء عن الجوع کی نفی اسمان کی نفی کو مستلزم ہے بخلاف برعکس کے، اسی لیے نفی کی تاکید کو مقرر لایا گیا ہے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (کتنے ہی منہ اس دن چین میں ہیں) رونق و حسن و ضیاء والے چودھویں رات جیسے۔

حل لغات: ناعمة نعم الشئ (بالضم) نعومة (بمعنی وہ شے نرم و نازک ہو گئی) سے ہے۔ ناعمة بمعنی متنعمة ہو تو بھی جائز ہے یعنی وہ چہرے جسمانیہ و روحانیہ نعمتوں سے سرشار رہوں گے ان سے اہلِ ایمان مراد ہیں اور نعمۃ سے نعمت حقیقی مراد ہے اور ما قبل پر عطف اس لیے نہیں تاکہ آگاہی ہو کہ ان دونوں جماعتوں میں کمال درجہ کا تباین ہے اور اہلِ نار کی تقدیم اس لیے کہ غاشیة کی ہولناکی اس طرح سے زیادہ موثر اور معلوم ہو کہ اس کی خبر بہت بڑی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ دیدار کی نعمت وہ جو لطافت و نوریت کا ثمرہ ہے اور وہ تجرد کا نتیجہ ہے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة۔	بعض چہرے اس دن با رونق اور اپنے رب تعالی کے دیدار سے سرشار ہونگے۔

کیونکہ رب تعالی کے دیدار سے تو رونق نصیب ہو گی۔

تفسیر عالمانہ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ (اپنی کوشش پر راضی ہوں گے) ان اعمال صالحہ سے جو دنیا میں کیے چونکہ معمول عامل ضعیف پر تقدیم ہو گئی ہے اسی لیے اس کے عمل کی تقویۃ کے لیے لام لائی گئی اور لام راضیة سے متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ لام تعلیل کی ہو یعنی اپنی اس سعی کی وجہ سے جو طاعتِ الٰہی میں کی راضی ہوں گے اس کی جزاء و ثواب پر۔

مسئلہ صوفیانہ اس میں ریاضات و مجاہدات و خلوات (صوفیانہ) داخل ہیں۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (بلند باغ میں) جو جنت میں اُونچی جگہ پر ہیں اس لیے کہ جنات آسمانوں سے اُوپر ہیں جیسے دوزخ کے طبقات ساتوں زمینوں کے نیچے ہیں نیز جنت کے بعض درجات بعض دوسروں سے اتنے بلند ہیں جیسے آسمانوں اور زمین کے درمیان خلاء ہے اس معنی پر علو سے علو فی المکان مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان المتحابین فی اللہ فی غرف ینظر الیهم اهل الجنة کما ینظر اهل الدنیا الی کواکب السماء۔	آپس میں محبت کرنے والے دو بندگانِ خدا ایسے بالاخانوں میں ہوں گے جنھیں اہلِ جنت اتنی بلندی میں دیکھیں گے جیسے اہلِ دنیا آسمان کے ستاروں کو بلند و بالا دیکھتے ہیں۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ عالیۃ بمعنی بلند قدر ہو اس معنی پر علو فی القدر والشرف مراد ہوگا ان میں جو نعمتیں ہیں ان کے کمال کی وجہ سے ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں مقامات عالیہ معنویہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ مقامات اہل وجاہت والشرف المعنوی کے ہیں وہاں صرف آرزو اور دعوی کرنیوالے نہیں پہنچ سکتے ۔

تفسیر عالمانہ لَا تَسْمَعُ (تو نہ سنے گا) اے مخاطب یہ خطاب عام ہے ہر اس کے لیے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے یا وجوہ نہ سنیں گے اس معنی پر تا رتانیث کی ہوگی نہ کہ خطاب کی فِيهَا (ان میں) جنت عالیہ میں لَاغِيَةً (کوئی بیہودہ بات ہے) وہ بات جس کا کوئی اعتبار نہ ہو ۔

حلِ لغات لاغیۃ مصدر ہے عافیۃ کی طرح یعنی کلمہ ذات لغو اس میں نسبت کا معنیٰ ہے یا کلمہ لغو والا اس معنی پر یہ اسم فاعل صفت ہے موصوف محذوف کی جو نفس ہے ۔

ف : اس لیے کہ اہل جنت کی ہر بات از کار وحکم ہوں گی اس لیے کہ وہاں ہر مومن مرتبۂ روح وقلب کو پہنچ جائیگا اس کے نفس وطبیعت کو جہنم میں پھینک دیا جائیگا اور رُوح وقلب کی شان ذکر ہی ہے جیسے نفس طبیعت کی شان لغو (بیہودہ بات) ہے ، جیسے جنت صوریہ میں لغو نہیں ہوگی ایسے ہی دنیا میں جنت معنویہ میں بھی لغو نہیں ہوتی کیونکہ ایسے حضرات ہر وقت ذکر اور خطاب حق کے سماع میں مستغرق ہوتے ہیں اسی لیے ان کی مجالس میں ہر وقت معارف ربانیہ وحکم ربانیہ کی قیل وقال سُنی جاتی ہے (بخلاف دنیا دار پیروں کے کہ ان کی مجالس میں دنیا کی باتیں اور لغویات کی بھرمار ہوتی ہے ، ایسے پیروں سے دُور رہنا ہی بہتر ہے ۔ اویسی غفرلہٗ)

حدیث شریف میں ہے ،

اہل جنت کھائیں پئیں گے لیکن نہ تھوکیں گے نہ پیشاب کرینگے نہ قضاء حاجت کی ضرورت ہوگی اور نہ کھنکاریں گے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی : تو پھر جو کھائیں پئیں گے اس کا کیا حال ہوگا ؟ فرمایا : وہ پسینہ بن کر نکل جائے گا اور پسینے کی خوشبو عطر و مشک جیسی ہوگی نفوس میں تسبیح و تہلیل القاء کئے جائیں گے جیسے دُنیا میں نفس کے تصورات و خیالات ہوں گے ۔

ف : دنیا اور اہلِ دنیا لغو اور بیہودہ باتوں سے خالی نہیں ہوتے اس لیے حضور علیہ السلام نے اہل دنیا کی مجالس میں بیٹھنے سے روکا ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

من جلس مجلسا فکثر فیه لغطه ۔ جو ایسی مجلس میں بیٹھا اس کے لغویات میں اضافہ ہوگا ۔

ف : لغط بمعنی ردی قبیح بات اور ضحکہ و اصوات (آوازیں) مختلفہ جن کے معانی و مفہوم نہ ہوں ۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا :

ایسی مجلس سے اُٹھنے سے پہلے پڑھ لے :

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك ۔ تیری پاکی اے اللہ تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں ۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اُٹھنے سے پہلے اس کی بخشش ہو جائیگی ۔

یعنی بشرطیکہ اس میں کسی قسم کا حق متعلق نہ ہو یعنی غیبت ۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (اس میں چشمہ جاری ہے ۔ تنوین تکثیر کا ہے یعنی کثیر چشمے، ان کے پانی ہمیشہ جاری رہیں گے وہاں پہنچیں گے جہاں بہشتی چاہے گا، اور یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھے ہوں گے، جو ان سے کچھ پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور اس کے دل سے غل و غش اور حسد و عداوت اور بغض دُھل جائیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں عیون الذوق والکشف والوجدان والتوحید کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے شفاء وصحت و بقاء حاصل ہوتی ہے اہل قلوب و اصحاب ارواح کو ۔

تفسیر عالمانہ فِيهَا سُرُرٌ (اس میں تخت ہیں، اس پر بیٹھیں گے سرر، سریر کی جمع ہے وہ مشہور ہے یعنی وہاں تخت ہیں بھر ان پر تخت، ہر تخت پر ستر بستر اور ہر بستر پر ماہ انور جیسی حور ہوگی مَّرْفُوعَةٌ (بلند، رفیعة السمک یعنی بلندی والے ہوا میں لمبے ستونوں پر اس لیے کہ سمک وہ درازی ہے جو شے کے اسفل سے شروع ہو کر بلندی کی طرف چلی جائے اس سے اوپر کی طرف ہوا میں سخت بلندی جسے مؤمن جب اس پر بیٹھے گا تو وہ تمام نعمتیں دیکھے گا جو اسے اس کے رب تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوں گی یعنی بڑی بڑی نعمتیں اور عظیم شاہی جو اسے عطا ہو گی ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی اونچائی آسمان و زمین

کے درمیانی خلا کے برابر ہوگی اور وہ پانچ سو سال ہے۔

اعجوبہ جب ولی اللہ (اہلسنّت) اس تخت پر بیٹھنا چاہے گا تو وہ نیچے ہو جائے گا اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے گا تو وہ آرام سے اُوپر ہو جائے گا (جیسے دورِ حاضرہ میں لفٹ سسٹم ہے)

ف : یہ بھی ہے کہ اس سے رفیع المقدار مراد ہو کہ اسے از جمیع جہات حسن و کمال ہوگا ان کی ذوات میں اور صفات میں۔ دراصل وہ ستاری تخت ہے جس پر زبرجد و جواہر ہوں۔

ف : حضرت خراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ تخت بلند ہیں اعراض و اکوان کی نظروں سے۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ان اسماءِ الٰہیہ کے مراتب کی طرف جن پر اہلِ سلوک انصاف و تخلق کے ذریعے پہنچے اس لیے کہ وہ مراتب جسمانیات سے بلند قدر ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَّاَكْوَابٌ (اور کوزے) ان میں شراباً طہوراً پئیں گے۔

حل لغات : کوب کی جمع (بالضم) وہ برتن جس کا دستہ وغیرہ نہ ہو اور وہ مدوّر ہوتا ہے، اس کی ہر طرف سے پانی پیا جا سکتا ہے بخلاف ابریق کے، اور وہ اب بھی بلادِ عرب میں مستعمل ہے اسی لیے اس سے شوق دلایا گیا۔

مَّوْضُوْعَةٌ (چنے ہوئے) ان کے سامنے ہر وقت حاضر چاہے اس کی ضرورت نہ بھی ہو کہ خود طلب کریں، یہ اس کے منافی نہیں کہ بعض کوزے خدام (غلمان) کے پاس ہوں گے جیسے (سورۃ) ہل اتیٰ میں گزرا۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں خمور المحبت کے ظروف (برتن) اور جو ان میں ہے وہ ان کے حال میں ثبات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیرِ عالمانہ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ اور قالین (گدیلے وغیرہ) برابر، برابر جیسے امراء کے بنگلوں اور کوٹھیوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ مومن جہاں چاہے گا وہاں بچھالے گا، تکیے بھی جن پر سہارا کر کے بیٹھے اور اس کے سامنے حسین و جمیل غلام یاقوت و مرجان کی طرح ہر وقت خدمت کے لیے حاضر رہیں گے۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں تجرید و تفرید اور جمع و توحید کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جہاں چاہیں بیٹھیں اور ان کی طرف استناد کریں۔

تفسیرِ عالمانہ وَّزَرَابِيُّ (اور چاندنیاں) قیمتی چاندنیاں۔

حل لغات : زرابی کی جمع ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے

فرمایا: وہ ایک قسم کا کپڑا چادر (چاندنی) ایک جگہ کی طرف منسوب ہے جو تشبیہ و استعارہ کے طور پہ استعمال کیا گیا ہے۔

مَبْثُوْثَۃٌ (پھیلی ہوئی) تختوں پر زینت کے طور (جیسے پلنگ پوش وغیرہ)

تفسیر صوفیانہ

اس میں ان کی ارواح کے انبساط اور حدود کے انشراح اور قلوب کے انفتاح کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بساط قدس، وانس میں ہے اور اشارہ ہے مقامات تجلیات افعال کی طرف وہ جو مقامات صفات کے تحت ہیں جیسے توکل رضا کے تحت ہے۔ مبثوثۃ بمعنی ان کے نیچے بچھے ہوئے ہیں المبث افضل شے کو بکھیرنا اور جدا جدا کرنا جیسے ہوا مٹی کو بکھیرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا بنایا گیا)[1] ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے اور فاء عطف کی اس کا عطف مقدر پر ہے جیسے مقام کا تقاضا ہے۔

اِبل (اونٹ) کی تحقیق

اِبل (بکسرتین) وتسکین والباء (بمعنی اونٹ) واحد، اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے حالانکہ صیغہ جمع نہیں اور نہ ہی اسم جمع ہے بلکہ اس کی جمع آبال ہے (القاموس)

بعض نے کہا اسم جمع ہے اس کا واحد اس کے لفظ سے نہیں اس کا واحد بعیر و ناقہ و جمل آتا ہے۔

---

[1] حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سورۃ میں جنت کی نعمتوں کا ذکر سن کر کفار نے تعجب کیا اور جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے عجائب صنعت میں نظر کرنے کی آیت فرماتا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ جس قادر حکیم نے دنیا میں ایسی عجیب و غریب چیزیں پیدا کی ہیں اس کی قدرت سے جنتی نعمتوں کا پیدا فرمانا کس طرح قابلِ توجہ و لائق انکار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے افلا ینظرون الی الابل۔ فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے کہ اس میں ان منکرین اسلام کا رد ہے جنہوں نے کہا کہ جب اتنا بلند و بالا تخت ہوں گے وہاں بہشتی کیسے پہنچ سکیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی مثال اونٹ کی قائم فرمائی کہ یہ کتنا لمبا جانور ہے لیکن اس پر بچے بھی سوار نظر آتے ہیں تو جیسے یہ اونٹ اپنی سواری کے لیے جھک جاتا ہے اور سوار کر اطمینان اور آرام اٹھا کر چلتا ہے تو یونہی بہشت کے تختوں کو نیچا اونچا کرنا بھی اسی قادر کا کام ہے جس نے اونٹ کو بیٹھنے اٹھنے کا طریقہ بتایا یہ اس وقت تھا جب لفٹ سسٹم نہ تھا لیکن اب کوئی انکار کرے تو اسے سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اویسی غفرلہٗ

اور کلمۂ کیف مابعد سے منصوب اور ینظرون کے متعلق ہے اور جملہ محلاً مجرور اور الا بل سے بدل الاشتمال ہے۔ معنیٰ یہ ہے کیا انہیں بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنا) سے اور اس کے احکام سے انکار ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں کیا اونٹ کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے جو کہ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے ہے بلکہ اسے اپنے کاروبار میں ہر وقت عمل میں لاتے ہیں یہ کیسے عجیب وغریب پیدا کیا گیا ہے جو دوسرے حیوانات سے (عظم جثہ اور شدۃ قوت اور عجب ہیئت اور لائق ہے) اس کی تخلیق مختلف ہے اور پھر اس سے سخت سے سخت کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً بڑے بڑے بوجھ اٹھا کر زمین پر چلتا ہے اور ایسے بڑے بوجھ کھینچ بھی سکتا ہے (جیسے آج کل ریڑھے پر کئی من بوجھ لاد کر اونٹ کو گدھے کی طرح جوتتے ہیں، ایسے ہی اونٹ رابٹ چلا رہے ہیں۔ ہل چلاتے ہیں، کھیتی باڑی کا کام اور سامان کھینچنے کا کام کرتے ہیں) اور بہت بڑے بوجھ اٹھا کر دور دور تک پہنچاتا ہے اور بھوک اور پیاس پر صبر کرتا ہے دس دس دن تک بھوک وپیاس پر صبر کر سکتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، تھوڑے چارہ اور پانی پر اکتفا کرتا ہے کھانے کی جو شے مل جاتی ہے مثلاً کانٹے دار چارہ اور درخت کے پتے شاخیں وغیرہ کھا جاتا ہے جو دوسرے حیوانات نہیں کھا سکتے یہ کھا جاتا ہے اور حرکت وسکون، بیٹھنے اُٹھنے میں انسان کا ایسا فرمانبردار ہے کہ انسان جیسے چاہے حکم کرے سرِمُو انکار نہیں کرتا قطار میں لگادو چل پڑے گا بچے نکیل پکڑلیں جیسے چاہیں کریں سرِتسلیم خم کر دیتا ہے پیچھے کی طرف پیشاب کرتا ہے اپنے قائد (کھینچنے والے) کے ادب سے کہ وہ آگے ہے مبادا اس پر پیشاب کا کوئی چھینٹا پڑ جائے اور وہ بے ادب ہو جائے۔ اس کی گردن اس کے لیے سیڑھی کا کام دیتی ہے۔

اُونٹ میں عشق کا مادہ

اُونٹ میں عشق ومستی کا مادہ بھی ہے کبھی اس سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ کھانا پینا ایک عرصہ تک بند کر دیتا ہے خوش آوازی اور حُدا خوانی پر مست ہو جاتا ہے اس کمال تاثر پر صبر کرتا ہے اور ایسا تیز دوڑتا ہے کہ جان کی پرواہ تک نہیں کرتا بلکہ ہلاکت کے گھاٹ اتر پڑتا ہے اور عشق ومستی میں اور دُوسرے کے دُکھ درد پر آنسو بھی بہاتا ہے۔ حضرت پیر رومی قدس سرہٗ نے فرمایا:

بر خوان افلا ینظر تا قدرت ما بینی	یکرہ بشتر بنگر تا صنع خدا بینی
در خار خوری قانع در بار بری راضی	این وصف اگر جوئی در اہل صفا بینی

ترجمہ: (۱) افلا ینظر پڑھ کر میری قدرت دیکھ۔ ایک بار اونٹ کو دیکھ کر صنعت خدا دیکھ۔
(۲) وہ کانٹے کھا کر بوجھ اٹھانے پر راضی ہے ویسا وصف تجھ میں ہو تو خود کو اہل صفا میں دیکھے گے۔

ہاتھی کا ذکر کیوں نہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ اونٹ سے جثہ میں بڑا ہے اس لیے کہ ہاتھی عرب میں ہوتا ہی نہیں، نہ ہی وہ اسے جانتے ہیں اور نہ ہی وہ اتنا بوجھ عادتاً اٹھاتا ہے، نہ ہی اس سے دودھ دوہا جاتا ہے اور اس کے ضرر سے امن بھی نہیں بخلاف اونٹ کے کہ جو کچھ حیوان سے مطلوب ہے وہ اس سے حاصل ہے مثلاً نسل، حمل (باربرداری) دودھ، گوشت اور سواری بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔

ف : بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی نعمتوں اور اونچی اور بہترین منازل کا ذکر فرمایا ایسے ہی اس کے اونچے محلات اتنے بڑے بڑے کہ کفار و مشرکین نے کہا کہ اتنی بلند چھتوں والے مکانات پر یہ چھوٹے قدوالے کیسے چڑھ سکیں گے اور حضرت بلال و خباب رضی اللہ عنہما جیسے غریب مسکین لوگوں کی حالت پر ٹھٹھا مخول کرتے کہ اتنے اُونچے مکانات پر چڑھنے کے لیے مدت چاہیئے ایسے ہی اُترنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رَد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اونٹ کو دیکھو کتنا اونچا ہے لیکن اس پر بچے بھی سوار ہو جاتے ہیں پھر دیکھو اس پر کیسی پھرتی سے چڑھ جاتے ہیں اور کیسی پھرتی سے نیچے اترتے ہیں تو پھر بہشت کے اُونچے محلات سے تمہیں تعجب کیوں ؟

وَاِلَی السَّمَآءِ اور یہ آسمان جسے تم رات دن ہر لمحہ دیکھتے ہو **کَیْفَ رُفِعَتْ** کیسے اونچا کیا گیا جس کی اونچائی بہت دُور دراز ہے اور بغیر ستون اور بغیر سہارا کے کہ جس میں فہم و ادراک عاجز ہے **وَاِلَی الْجِبَالِ** اور پہاڑوں کو کہ جن کے کناروں پر آتے جاتے اُترتے ہیں اور ان کے پانیوں اور درختوں سے نفع اٹھاتے ہیں **کَیْفَ نُصِبَتْ** کیسے کھڑے کئے گئے ہیں مضبوط طریق سے کہ نہ جھکتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹتے ہیں۔ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کیسے زمین پر میخ کی طرح کھڑے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں عالمِ مثال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ پہاڑوں کی طرح آسمان روحانیات اور ارض جسمانیات کے درمیان واسطہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ **وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ** (اور زمین کو کہ وہ کیسے بچھائی گئی ہے) کہ جس پر وُہ چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں کہ وُہ پانی پر کیسے بچھائی گئی ہے جیسا کہ اس پر خلائق کے امور کا تقاضا ہے۔

سوال ، سطحت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کرہ (گیند کی شکل نہیں حالانکہ سب متفق ہیں کہ زمین کروی الشکل (گیند کی شکل) ہے۔

جواب (۱) کرہ (گیند کی طرح) جب بڑا ہو تو اس کا ہر ٹکڑا مسطح کی طرح ہوتا ہے اسی لیے اس پر

بسط (بچھانا) کا اطلاق جائز ہے۔

(۲) کرہ کرہ میں فرق ہے جیسے کبوتر اور شترمرغ کے انڈے میں فرق ظاہر ہے۔

ف : اب معنی یہ ہوا کہ تدبر و عبرت سے نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ کی ایسی پیدا کردہ اشیاء کو جو بعث و نشور کے حق ہونے کی شہادت دیتی ہیں اور اس میں انتباہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفاتِ کمالیہ سے موصوف ہے جیسے قدرت و قوۃ و حکمت اور وہ صفات نقص سے منزہ ہے جیسے عجز و ضعف و جہل سے ان سے عبرت پکڑ کر ان گندے عقائد سے باز آجائیں یعنی انکار و نفور سے اور آپ کا انذار و ڈرانا، وعظ و پند سن کر لقائے الٰہی کے لیے تیار رہوں اس پر ایمان لاکر اور طاعت کر کے۔

ف : تبیان میں ہے کہ چونکہ مخاطب اہلِ عرب ہیں اور ان کے اکثر بادیہ نشین تھے اور ان کا مال مویشی اونٹ تھے اور وہ ہر طرف دیکھنے کے عادی تھے لیکن آسمان و زمین اور پہاڑوں کو غور و فکر کی نگاہ سے نہ دیکھتے۔ اسی لیے انہیں دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے یعنی اونٹوں کے دیکھنے کے ساتھ ساتھ آسمان و زمین کو عبرت کی نگاہ کے ساتھ دیکھنے میں ملایا گیا کہ آیت کا نزول استدلال کے طریق سے ہے اور وہ ان اشیاء سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ملابست رکھتے تھے اسی لیے ان سب کو جمع کر کے بیان کیا گیا۔

نکتہ از امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہاں اونٹ کے ذکر میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ اس مقام کے لائق اسی کا ذکر موزوں تھا اس لیے کہ آسمان سایہ دار اور زمین بوجھ اٹھانے والی اور پہاڑ ثقیل ہیں اور یہ تینوں باتیں اونٹ میں موجود ہیں کہ یہ زمین کی طرح فرش اور بوجھ اٹھاتا ہے اور آسمان کے بادل صاف پانی اٹھاتے ہیں، اور وہ اونٹ بوجھ اُٹھانے میں مشہور ہے اور زمین اور پہاڑ بلکہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے امر سے مسخر ہے اور اونٹ اپنے مالک کے پابندِ حکم میں ضرب المثل ہے۔

ف : امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اونٹ کا ذکر پہلے ہے اگر مؤخر ہوتا تب بھی مقصد میں کمی نہ آتی۔

مسئلہ : امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کی حکمت تقدیم و تاخیر در پے ہونے کا خاص شرعی فائدہ کوئی نہیں۔

سوال : اگر اونٹ کا ذکر الارض (زمین) کے ساتھ ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ یہ زمین کی کشتی ہے۔

جواب : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اگرچہ بظاہر سوال والی بات بھی درست ہے لیکن یہاں اسے مناسبت بوجہ بلندی کے ہے اسی کی ترقی سے آسمان کی بلندی کا پتا چلے گا

اور یہاں یہی مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس مقام پہ یہاں لمبی چوڑی تقریر ہے جسے میں نے اپنی تصنیف "الواردات الحقیہ" میں درج کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِبل (اونٹ) میں نفوس کی طرف اشارہ اشارہ فرمایا ہے کہ وہ موٹے اور جسیم ہیں اونٹ کی طرح۔ اور آیت میں نفوس کی طرف اشارہ کی ابتدا اس لیے کی کہ وہ اصل ہیں بمنزلہ امّ (ماں) کے اور اگرچہ صورۃً مؤخر ہے جیسے بی بی حوا بہ نسبت آدم (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) کے کہ ان سے بی بی حوا مؤخر لیکن اولاد کے لحاظ سے مقدم ہے اور آسمان میں ارواح کی طرف اونچے اور بمنزلہ اَب (باپ) کے ہیں اسی لیے اِبل کے ساتھ انہی کا ذکر فرمایا اور جبال میں قلوب کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ وہ لنگروں سے زیادہ سخت ہیں اور یہ رُوح و نفس کے بعد پیدا کئے گئے جیسے پہاڑ آسماں و زمین کے بعد پیدا ہوئے تو یہ رُوح و نفس کے لیے بمنزلہ اولاد کے ہیں اسی لیے ان کا ذکر ان دونوں کے بعد ہوا۔

پہاڑ کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر

اسی لیے پہاڑ کو خواب میں دیکھنا اولیاء اہلِ قلوب کی زیارت کی بشارت ہے کیونکہ اولیاء اللہ زمین کی حقیقی اوتاد (میخیں) اور عمد (ستون) معنوی ہیں جیسے جبال زمین صوری اوتاد (میخیں) ہیں۔ اس کے قول خلقت کی بجائے نصبت میں اشارہ ہے کہ قلوب درحقیقت امر ملکوتی ہیں اگرچہ بظاہر ابوین سے اولاد کی طرح ظاہر ہوئیں اور ارض میں اجساد سافلہ کی طرف اشارہ ہے اور مرتبہ میں مؤخر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارض بشریہ و جسدانیہ بچھائی تاکہ وہ نفوس کی قرارگاہ ہو اور نفوس کو پیدا کیا تاکہ قلوب کی قیام گاہ ہوں اور قلوب کو پیدا فرمایا تاکہ رُوح بلکہ سر بلکہ اخفی کا عرش (تخت) ہو۔

سبق: آیۃ میں کیسی بہترین ترتیب اور حسین مناسبت ہے ایسے ہی جیسے کاتب و قلم و قرطاس اور دوات کے مابین ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

تفسیر عالمانہ

فَذَكِّرْ (پس نصیحت فرمائیے) فاء امر بالتذکیر کی ترتیب کے لیے ہے اس مضمون میں جو ان کے انکار سابق کی خبر دیتا ہے کہ یہ ان امور کو دیکھتے ہی نہیں تو مانیں گے کیا لیکن آپ صرف تذکیر (نصیحت) پر قناعت کیجئے اور اس پر مزید جد و جہد نہ فرمائیے اور نہ ہی فکر کیجئے کہ یہ کیوں نہیں دیکھتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ بیشک تم نصیحت حاصل کرنے والے ہو، اسی امر پہ محدود کرنا ہے جس کا حکم فرمایا گیا یعنی آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ تک ہے باقی ہدایت (کی تخلیق اور) توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (تم ان پر کچھ کڑوڑا نہیں) فلہذا آپ انہیں اپنے ارادہ پر مجبور نہ کریں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

وما انت علیھم بجبار ۔ (اور تم ان کو مجبور نہ کریں)

قاعدۂ تجوید اکثر قرّاء (مجودین) نے بمصیطر بالصاد یعنی سین کو صاد سے تبدیل کرے طاء کی مناسبت سے جو اس کے بعد ہے اور سین کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اصل کا اعتبار کرکے اور اشمام سے بھی یعنی صاد کی آواز کو زاء کے ساتھ ملاکر کہ دونوں آپس میں مل جائیں تو ان سے ایسی آواز نکلے جو صاد ہو نہ زاء ، ایک حرف کی آواز کو دوسرے کی آواز سے ملاکر پڑھنا قرّاء کے نزدیک اشمام ہے ۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے سطر یسطر سطراً فلان علی کذا فلان الیسی شے پر لکھا اور المسیطر والمصیطر بمعنی کسی پر مسلّط تاکہ اس پر غلبہ پالے اور اس کے موال کی نگرانی کرے اور اس کا عمل لکھے ۔ یا کہا جاتا ہے تسلّط علیہ کسی شے پر سطر کی طرح قائم ہوا ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ان پر قائم وحافظ نہیں ہو یہاں پر مسیطر کو قائم کے معنی میں لینا اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

افمن ھو قائم علیھا علیٰ کل نفس بما کسبت ۔	تو کیا وہ قائم ہے اس پر جو ہر نفس نے عمل کیا ۔

اور حفیظ کا معنیٰ بھی فرمایا :

وما انت علیھم بحفیظ (اور تم اس پر محافظ نہیں ہو)

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى (ہاں جو منہ پھیرے) حق سے یا داعی الیہ سے نصیحت کے بعد وَكَفَرَ (اور کفر کرے) کفر پر ثابت رہے یا اسے ظاہر کرے ۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ ہاں وُہ جو ایمان سے منہ پھیرے اور قرآن یا نعمت سے کفر کرے ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہاں وہ جو حق سے منہ پھیرے دنیا کی طرف متوجہ ہو اور کفر کرے حق کو خلق سے چھپائے یہ استثنار منقطع اور من موصولہ ہے نہ کہ شرطیہ جیسا کہ فاء اور فعل کا مرفوع ہونا بتاتا ہے یعنی لیکن جس نے منہ پھیرا اور کفر کیا تو ملک و سلطنت اور قہر اللہ تعالیٰ کا ہے وہی ان پر محافظ ہے ، یہاں استثنار متصل نہیں ہو سکتا جیسے عندی ما شان الا درھما (میرے پاس دو سو نہیں مگر ایک درہم ہے)

تفسیر عالمانہ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (تو اسے اللہ تعالیٰ بڑا عذاب دے گا) یعنی جہنم کا عذاب جس کی گرمی سخت اور گہرائی بعید اور اس کے چابک لوہے کے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ اکبر عذاب جہنم کا عذاب اور اصغر وہ جو دنیا میں عذاب دیے گئے، جیسے بھوک (قحط میں مبتلا ہوئے) قید (بدر وغیرہ میں اور قتل (ایضاً) اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو امام راغب نے یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ (اس دن ہم ان کی بڑی گرفت کریں گے) میں بیان فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کو قیامت کے عذاب سے پہلے جو عذاب پہنچے اور قبور میں عذاب میں مبتلا ہوئے وہ تمام چھوٹے عذاب تھے (بڑا عذاب یہی ہے جو آخرت میں ہوگا) نیز آیت سے بھی کہ فرمایا ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر (اور ہم انہیں عذاب اکبر سے پہلے کم درجہ کا عذاب دیں گے) عذاب ادنیٰ سے چھوٹا عذاب ہے یعنی دنیوی نہ کہ برزخی کیونکہ اس کے بعد فرمایا لعلھم یرجعون (تاکہ لوٹ آئیں) رجوع دنیا میں ہی معتبر ہو سکتا ہے برزخ رجوع کہاں ایسے ہی مابعد الموت کے رجوع کدھر ثابت ہوا کہ عذاب اکبر سے اخروی عذاب مراد ہے اس کی تائید یصلی النار الکبریٰ (بڑی آگ میں داخل ہوگا) سے بھی ہوتی ہے جیسے گزرا۔

تفسیر صوفیانہ عذاب اکبر وہ عذاب ہے جو دنیا میں حجابات کے عذاب میں ہے اور آخرت میں نارِ ہجران (یعنی مفارقت اور جدائی از محبوب حقیقی)

تفسیر عالمانہ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ (بیشک ہماری ہی طرف پھرنا ہے) عذاب اکبر دینے کی تعذیب کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے آب یئوب اوباً بمعنی رجع (لوٹا) یعنی ان کا رجوع موت و بعث سے ہماری طرف ہے نہ کہ ہمارے غیر کی طرف نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الا الی اللہ تصیر الامور۔ خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف امور لوٹتے ہیں۔

اور فرمایا:

والیہ یرجع الامر کلہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف کُل امور لوٹائے جائیں گے۔

خبر کی تقدیم تخصیص و مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ اس سے یہ معنی ثابت ہوتا ہے کہ کہا جائے:

ان ایابھم لیس الا الی الجبار المقتدر علی الانتقام۔ ان کا رجوع نہیں مگر جبار کی طرف جو ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

جیسے ان کا مبدار و صدور اللہ تعالیٰ سے تھا۔

ف : اس میں تخویف شدید ہے کہ عبد بے فرمان اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کا رجوع اپنے تک غضب والے کی طرف ہو جو وہ سخت سزا اور عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے بہت زیادہ سخت پریشان کن ہوتا ہے۔

ف : جملے کی ضمیر اس میں اور ما بعد میں اس لیے ہے کہ من معناً جمع اور لفظاً مفرد ہے جیسے بارہا گزرا۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (پھر بیشک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے) محشر میں ہمارے غیر کی طرف ہم ہی اس سے چھوٹے سے چھوٹے عمل کا حساب لیں گے نیات و اعمال کا۔

ف : ثمّ رتبہ کے اعتبار سے تراخی کے لیے ہے نہ کہ زمانہ کے لحاظ سے یعنی ترتیب زمانی جو ان کے آنے اور حساب کی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری اور حساب لینے میں، کیونکہ وہ دونوں امر مستمر ہیں۔

ف : حضرت ابوبکر طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری طرف آنا ہمارے فضل میں پھر ہمارا حساب لینا ہوگا عدل سے' اور حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وعید کے بعد کیسے فضل فرمایا کہ اپنی ذات کی طرف رجوع کی نوید سنائی اور ان کے حساب کا خود ہی کفیل بنا اسی لیے بندوں کو لائق ہے کہ ان دونوں فضلوں کی امید پر ہی بہتر عیش حاصل کریں دونوں جہانوں میں اور ان دونوں خطابوں (حکموں) پر جتنا فخر کریں تھوڑا ہے۔

صوفیانہ نکتہ فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جو حضرت بقلی قدس سرہٗ نے فرمایا یہ وہ ذوق ہے جو مکاشفین حضرات کو نصیب ہوا ہے لیکن اس سے عوام کو دھوکا نہ ہو کہ وہ بھی اسی گھمنڈ میں آکر خوفِ خدا ترک کر دیں۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنا محاسبہ اس سے قبل خود کرو جب تمہارا محاسبہ ہو اور اپنے اعمال کا وزن خود کرو اس سے قبل کہ تمہارے اعمال کا وزن ہو اللہ تعالیٰ کی حاضری کےلئے مزیّن ہو جاؤ کہ اس دن اس کے ہاں پیش ہو گے تم سے کوئی پوشیدہ نہ رہے گی۔

ف : قیامت میں ان لوگوں کا حساب ہلکا ہوگا جنہوں نے دنیا میں اپنا محاسبہ خود کیا ہوگا اور آخرت میں ان لوگوں کے اوزان بوجھل ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنے اعمال کا وزن کر لیا ہوگا۔

محاسبۂ نفس کیا ہے محاسبۂ نفس یہ ہے کہ نفس کو ورع سے مزین کرے اور اعمال کے وزن کا مطلب یہ ہے کہ عین الیقین کے مشاہدہ سے نفس کو آراستہ کرے اور بارگاہِ الٰہی کی حاضری کے لیے مزیّن ہونا یہ ہے اپنے مالک اکبر کے خوف

میں رہے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اما بعد انسان کو وہ چیز خوش کرے گی کہ جس کے حصول کے لیے جد وجہد کی کہ اس سے چوک نہ جاے اور غم میں ڈالے گی وہ چیز کہ اس سے فوت ہونے والی نہ تھی لیکن غفلت سے اسے ترک کیا اور جو تمہیں دنیا ابھی حاصل ہوا اس سے خوش نہ ہو جاؤ اور جو نہ ملا اس کے لیے غم نہ کھاؤ وہاں سرور ہو اس سے جو نیکی تم نے آگے بھیجی، اس پر افسوس ہو جو چھوڑ کر جاؤ گے۔ تیرا مشغلہ صرف آخرت ہو اور خیالات صرف ما بعد الموت کے ساتھ منسلک ہوں۔

حدیث شریف میں ہے،

ثلاث من کن فیہ استکمل ایمانہ	تین ایسے ہیں جن کے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے،
لایخاف فی اللہ لومۃ لائم ولا	(۱) کسی ملامت گر کی ملامت سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں خوف نہیں کرتا۔
یرائی بشیٔ من عملہ واذ عرض لہ	(۲) اپنے عمل میں ریاء نہیں کرتا۔
أمران احدھما للدنیا ولآخر للآخرۃ آثر الآخرۃ علی الدنیا۔	(۳) جس کے سامنے دنیا وآخرت کے امور آتے ہیں تو وہ دنیا کے امور پر آخرت کے امور کو ترجیح دیتا ہے۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھ پر سوائے اس آیت کے اور کچھ نہ اترتا تو یہی آیت کافی تھی پھر آپ نے سورۂ کہف کا آخری پڑھا کہ فمن کان یرجو لقاء ربہ الخ

یہی فصل الخطاب یہی اولی الالباب کے لیے بلاغ ہے عمل صالح یہی ہے کہ عبادت میں اخلاص ہو اور خلق کے ساتھ شرک کی نفی وہ یقین کرنا خالق کی توحید کے ساتھ وہ عمل جو خالص اللہ کے لیے اور اس کے ساتھ یعنی اس کے مشاہدۂ قرب سے ہو میں اپنے نفس کو مقارن نہ بنائے اور خواہش کو دخیل نہ ہونے دے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کی طلب میں جو اس کے ہاں ہے نہ کہ اس کے لیے جس کا حظ جلدی کا ہے تو وہ شخص مقبول ہے اور ایسا عامل مقربین میں سے ہے ان کا حساب آسان بلکہ ہوگا ہی نہیں۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ: اللہ تعالیٰ ذی العطایا الغاشیہ کی مدد سے تفسیر سورہ غاشیہ سے ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۱۱۷ھ میں فراغت پائی۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بعون اللہ تعالیٰ ۱۷ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ/ ۲۲ فروری ۱۹۸۹ء شب جمعۃ المبارک تفسیر سورۂ غاشیہ کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذٰلک)

سُوْرَۃُ الْفَجْرِ

اٰیاتہا ۳۰	(۸۹) سورۃ الفجر مکیۃ (۱۰)	رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالْفَجْرِ ○ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ○ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ○ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ○ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ○ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ○ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ○ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ○ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ○ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ○ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ○ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ○ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ○ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ○ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ○ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ○ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ○ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ○ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ○ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ○ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ○ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ○ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ○ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ○ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب چل دے کیوں

اس میں عقلمند کے لیے قسم ہُوئی کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا وہ ارم حد سے زیادہ طول والے کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا اور ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں اور فرعون کہ چومیخا کرتا جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی پھر ان میں بہت فساد پھیلایا تو ان پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا بقوت مارا بیشک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں لیکن آدمی تو جب اسے اس کا رب آزمائے کہ اس کو جاہ اور نعمت دے جب تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر آزمائے اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے خوار کیا یُوں نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کے کھلانے کی رغبت نہیں دیتے اور میراث کا مال ہپ ہپ کھاتے ہو اور مال کی نہایت محبت رکھتے ہو ہاں ہاں جب زمین ٹکرا کر پاش پاش کر دی جائے اور تمہارے رب کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار اور اس دن جہنم لائی جائے اس دن آدمی سوچے گا اور اب اسے سوچنے کا وقت کہاں کہے گا ہائے کسی طرح میں نے جیتے جی نیکی آگے بھیجی ہوتی تو اس دن اس کا سا عذاب کوئی نہیں کرتا اور اس کا سا باندھنا کوئی نہیں باندھتا اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔

سورۃ الفجر مکیہ اس کی انتیس[۲۹] یا بتیس[۳۲] آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالْفَجْرِ (اس صبح کی قسم) کشف الاسرار میں ہے کہ عرب کے تمام لوگ قسمیں کھانے کے عادی تھے، بات بات پر قسم کھا جاتے تھے، اسی لیے قرآن مجید انہی کے دستور کے مطابق نازل ہُوا۔ فجر دو ہیں :

(۱) کاذب ، وہ بھیڑیئے کی دُم کی طرح مستطیل ہے۔ اس سے کوئی حکم متعلق نہیں۔

(۲) صادق ، وہ مستطیر ہے اس سے روزہ و نماز کا حکم متعلق ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم یاد فرمائی وہی ضوء سورج کا مشرق سے طلوع کا پہلا وقت ہے جیسے صبح کی قسم یاد فرمائی۔ چنانچہ فرمایا :

والصبح اذا تنفس (قسم ہے صبح کی جب سانس نکالے)

اس لیے اس وقت رات کے وقت کا انقضاء ہوتا ہے اور صبح کی روشنی کا آغاز، اور لوگوں اور حیوانوں

اور وحوش و طیور کے طلب رزق کے انتشار کا وقت ہے اور یہ مُردوں کے قبور سے اُٹھنے اور منتشر ہونے کے ہمشکل ہے۔ اور جو غور و فکر کرے اس کے لیے اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔

فجر سے کیا مراد ہے حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) اس سے ہر صبح مراد ہے کیونکہ یہ دوستانِ خدا کی مناجات، کا وقت ہے۔

(۲) صبح عرفہ مراد ہے کیونکہ وہ شرافت والا وقت ہے کہ اس وقت حجاج عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

الحج عرفۃ (حج عرفہ ہے)

یعنی حجاج کی زاری اور وظائف و دعا اور نیاز کا وقت ہے۔

(۳) دسویں ذوالحج کی صبح، کیونکہ یہ بھی بہت بڑا دن ہے کیونکہ اس میں طواف فرض اور حلق (سر منڈوانا) اور رمی (شیطان کو کنکریاں مارنا) ہوتا ہے۔ اور مروی ہے کہ دسویں ذوالحج حج اکبر کا دن ہے۔

(۴) ایک قول محرم شریف کی پہلی تاریخ ہے کہ سال کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔

(۵) ہر جمعہ کی صبح، کیونکہ یہ غرباء و مساکین کا حج ہے۔

(۶) فجر بمعنی انفجار، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس پانی کی طرف اشارہ ہے جو طائف وغیرہ میں آپ کی انگشتانِ مبارک سے جاری ہُوا تھا۔

(۷) وہ انفجار جو ناقہ کا صخرہ سے ہُوا مراد ہے۔

(۸) مطلق ہر چشمہ وغیرہ کا انفجار۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر کا انفجار۔

(۱۰) مطلق بادل سے پانی کا انفجار۔

(۱۱) گنہ گاروں کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہنا ؎

بران از دو سر چشمہ دیدہ جوی
ور آلائشے داری از خود بشوی

ترجمہ: سر کی دونوں آنکھوں سے چشمہ اور نہر آنسوؤں کی جاری کر اگر گناہوں کی آلائش رکھتا ہے تو انہیں خود دھو ڈال۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ (اور دس راتوں کی)

(۱) یہ ذوالحج کی دس راتیں ہیں۔ عربوں کی عادت ہے کہ راتوں کا نام لے کر اہم دن مراد لیتے ہیں مثلاً:
بنی هذا البناء لیالی السامانیۃ۔ یہ عمارت سامانیوں کے دنوں تیار ہوئی۔
یہاں لیالی سے ایام مراد ہیں)

(۲) اس سے رمضان المبارک کے پچھلے دس دن راتیں مراد ہیں۔

ف : اس کی تنکیر تعظیم کی ہے کیونکہ ان دن راتوں کے مخصوص فضائل ہیں جو دوسروں میں نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم یاد فرمائی ہے عبادت کا اشتغال اعمال حج کی طرح ہے جو دس دن ذوالحج میں عبادت کی مشغولی ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے : ان دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ تر اور اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جو اضحیٰ کے ان دس دنوں کا اجر و ثواب ہے۔ عرض کی گئی : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر۔ فرمایا، ہاں، سوائے اس کے جس نے مال و جان جہاد میں قربان کر دیا اس کا ثواب اس سے بڑھ کر ہے۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ غازی جنگ کو روانہ ہو تو گھر سے ہی ارادہ کرلے کہ جنگ سے واپس نہیں آئے گا (وہیں شہید ہوگا) پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی جو چاہے کرے

ف : رمضان المبارک کی پچھلی دس راتوں کی فضیلت سے یہ پچھلم ہے کہ اس میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار سال سے بہتر ہے اور انہی دس راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کیا جاتا ہے۔

(۳) اس سے محرم کے دس دن راتیں مراد ہیں کہ انہی میں عاشورا ہے۔

(۴) اس میں نصف شعبان المعظم کے ساتھ درمیانی دس راتیں مراد ہیں کیونکہ اسی میں شب برات ہے۔

حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا ان راتوں سے یہ راتیں مراد ہیں :

(۵) وہ کہ جن دنوں میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا گیا۔

(۶) وہ رات جس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(۷) وہ رات جس دن قیامت قائم ہوگی۔

(۸) وہ رات جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف پایا۔

(۹) شب معراج مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صوفیانہ معنیٰ : حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اس فجر کی

جس دن نور روح نے مادۂ بدن پر ظہور کی ابتدار کی اس کے ساتھ اثر تعلق کے وقت ۔ اور دس راتوں سے محال جو اس عشرہ ظاہرہ و باطنہ وہ کہ جب وقت رُوح ان سے متعلق ہُوا اس لیے کہ یہی جو اس کمال کی تحصیل کے اسباب و آلات ہیں ۔

تفسیر صُوفیانہ الفجار حسنہ واحدہ از ارض قلب مومن کی قسم ہے اور عشرہ لیال سے وہ حسنات مراد ہیں جن کی طرف اشارہ ہے :

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔ جو ایک نیکی لائے اس کے لیے دس نیکیاں ان جیسی ہیں ۔

اور انہیں لیال (راتیں) اس لیے کہا گیا کہ وہ حسنة نہار عمل سے بغیر اکتساب کے مرتبۂ احدیہ حسنہ واحدہ کے غیب سے ظاہر ہُوئیں، بلکہ محض عطائے الٰہی سے عالمِ غیب سے ظاہر ہُوتیں ۔

تفسیر عالمانہ وَالشَّفْعِ (اور جفت کی) اس لیے جفت کا معنیٰ ہے شے کو اسی کے ہم مثل سے ملانا وَالْوَتْرِ (اور طاق کی) (بفتح الواو وکسرہا) یعنی ان راتوں کے جفت و طاق کی اس میں ظاہر تعمیم ہے اس لیے کہ الف لام استغراق کا ہے یعنی جملہ اشیاء کے جُفت و طاق کی قسم کیونکہ تمام اشیار یا تو جُفت ہوتی ہیں یا طاق ۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مخلوقات کل یا اس لحاظ سے کہ وہ مرکب ہیں : جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ومن کل شیٔ خلقنا زوجین ۔ اور ہر شے سے ہم نے پیدا کیے جوڑے جوڑے ۔

زوجین سے الشفع مراد ہے الوتر اللہ تعالیٰ ہے اس اعتبار سے کہ اسے ہر لحاظ سے وحدة ہے ، اور بعض کبار مشائخ نے جو فرمایا اس کا مرجع بھی یہی ہے مثلاً فرمایا کہ شفع کی قسم سے کثرت اسمائیہ اور وترت وحدت ذاتیہ حقیقیہ مراد ہے ان میں عناصر اربعہ اور افلاک تسعہ اور بروج بارہ اور سیارات سات اور نماز مغرب اور باقی تمام نمازیں اور یوم النحر اس لیے قربانی کا دن عاشر اور عرفہ کا دن تاسع ہے ان دس دنوں (ذوالحج) کا اور دو دن دسویں دن ذوالحج کے بعد اور یوم ثالث اسی کا اور آدم و حوا (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) زوجین ہیں ۔ اور بی بی مریم وزکریا اور چشمے بارہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاری کیے اور آیات تسع جو انہیں عطا ہُوئیں اور ایام عاد شفع اور اس کی راتیں وتر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

سبع لیال و ثمانیة ایام (سات راتیں اور آٹھ دن) اور وُہ مہینہ جو تیس دنوں کا کامل ہو اور

وُہ مہینہ جو انتیس دنوں کا ہو اور اعضاء وقلب اور دو ہونٹ اور زبان اور دو سجدے اور رکوع اور ابواب الجنۃ ابواب النار اور درجات الجنۃ و درکات النار وصفات الخلق جیسے علم وجہل اور قدرۃ وعجز اور ارادہ وکراہت اور حیات وموت اور عدد (گنتی) کے جفت وطاق اور ایام ولیالی اور وہ دن کہ جس کے بعد رات نہیں یعنی یوم القیامۃ، اور وُہ نبی جن کے دو نام ہیں جیسے سیدنا محمد واحمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسیح وعیسیٰ، اور یونس وذوالنون (علیہم السلام) اور وُہ نبی علیہ السلام جن کا ایک نام ہے جیسے آدم ونوح وابراہیم (علیہم السلام)، اسی طرح مسجد مکہ ومسجد مدینہ دونوں کو ملا کر کہا جاتا ہے حرمین الشریفین، یہ شفع ہیں اور مسجد اقصیٰ وتر ہے۔ اور دو جبل صفا ومروہ (شفع ہیں) اور بیت الحرام (وتر ہے) اور نفس مع الروح حالۃ الجمع میں (شفع ہے) اور وُہ دونوں حالۃ افتراق (وتر ہے)۔

فجر حضور علیہ السلام اور دس راتیں عشرہ مبشرہ ہیں

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا:

الفجر محمد علیہ السلام منہ تفجرت الانوار ولیالی عشر العشرۃ المبشرۃ بالجنۃ۔ (ص ۴۲۱)	فجر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن سے انوار پھوٹے اور لیالی عشر سے عشرہ مبشرہ بالجنۃ ہیں۔

وَالَّيْلِ (اور قسم ہے رات کی) جنس لیل مراد ہے **اِذَا يَسْرِ** (جب گزرے) یہ ایسے ہے جیسے فرمایا: والیل اذا ادبر (اور قسم رات کی جب پیٹھ پھیرے)۔

حلِ لغات السری یعنی رات کی سیر۔ کہا جاتا ہے سری یسری سری ومسری جب کوئی عام راتوں کو چلے اور سار یسیر سیرا، ذھب (گیا)۔

ف: رات کو چلنے سے مقید کرنے میں اس کی کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس میں دوسرے حیوانات کی طرح حیات ڈالتا ہے تو رات مرنے کے بعد جی اُٹھتی ہے تاکہ اسے لوگ طلب ارزاق کا سبب بنائیں جو ان کی دنیوی زندگی پر مدد دیتے ہیں اور وُہ سعادت دارین کا سبب ہے۔

سوال: لیالی عشر میں تو رات کی قسم کا ذکر ہو چکا پھر دوبارہ اس کی قسم کا کیا معنیٰ؟

جواب: یہاں لیل کے چلنے اور گزرنے کی قسم ہے اور وہاں مطلق بلا قید راتوں کی قسم ہے ان میں ایسی خصوصیت ہے جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں کرتی۔

ف: ہاں یہ بھی ہے کہ اس کا معنیٰ ہے قسم رات کی جس میں چلنے والا چلتا ہے اور گزرنے والا گزرتا ہے اور اس کا اسناد دلیل کی طرف مجاز ہے جیسے نہارہ صائم یعنی روزہ رکھنے والا دن میں، اور راے اس

قید سے اس لیے مقید کیا کہ چلنے والے کو رات شمس کی گرمی سے محفوظ کر لیتی ہے اور گرمی کا سفر انسان کے لئے تکلیف دہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بالدلجة فان الارض تطوی فی اللیل۔ — لازم پکڑو راتوں کو اس لیے کہ رات زمین کو سمیٹ لیتی ہے (سفر کے لیے، یعنی برکت ہوتی ہے)

ف: اور رات ڈاکوؤں کے شر سے محافظ ہے اس لیے کہ رات کو عموماً ڈاکو تھکان اتارنے کے لیے نیند میں ہوتے ہیں۔ یسر کی یاء حذف کی گئی محض کسرہ پر اکتفا کر کے اور مصحف مقدس نے خط مبارک میں اسی طرح ہے اور اس سے آیات کی موافقت بھی ہے اگرچہ امر کا اصل یہ ہے کہ وہ ثابت رکھی جائے کیونکہ یہ مضارع مرفوع کی لام کے بالمقابل ہے۔

ف: حضرت حفص (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

اللیل یسری فیه ولا یسری۔ — رات میں یُسر ہوتی ہے نہ کہ سیر کرتی ہے۔

لیکن چونکہ اس کے معنیٰ سے عدول کیا گیا ہے اسی لیے اس کے لفظ سے بھی عدول ہونا چاہئے کہ یاء گرا دی جائے تاکہ دلیل ہو اس کے اصل معنیٰ پر کہ سقوط الیاء بتاتی ہے کہ فعل کا اصلی معنیٰ اللیل سے منفی ہے اگرچہ فعل کا اسناد اسی کی طرف ہے کہ حیوان کی حرکت معنیٰ حرکت پر دلالت کرتی ہے حیوان میں کیونکہ ترتیب کا اختلاف خاصیت میں اختلاف کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ظلمة بدن کی طرف اشارہ ہے کہ جب چلی جائے اور تجرد روح سے زائل ہو جائے ایسے ہی اس کی قسم میں اشارہ ہے کہ لیل ہوتے مطلقہ نہار مقید میں چلے جانے کی طرف اشارہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یولج اللیل فی النهار ویولج النهار فی اللیل۔ — رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔

مقیدات کو اٹھا کر سطوات انوار مطلق سے نیز لیلة المعراج کی قسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس کو سیر کرائی اسی لیے کہ تمام راتوں سے زیادہ برگزیدہ ہے کیونکہ وہی القدر والشرف والوصال والخطاب ورؤیة الجمال کی شب ہے۔

تفسیر عالمانہ

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ (کیوں اس میں) مقسم بہا کی شان کی فخامتہ کی تقریر و تحقیق ہے کہ وہ جلیل القدر امور ہیں اور اعظام و اجلال کے لائق ہیں ارباب العقول کے نزدیک، اور تنبیہ ہے کہ ان کی قسم یاد کرنا معتد بہ امر ہے اور وہ اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ اخبار کو مؤکد کیا جائے بر طریقہ قولہ تعالیٰ وانه لقسم لو تعلمون (اور بیشک وہ بڑی قسم ہے اگر تم جانتے) یہ ایسے ہے جیسے کہ بہت بڑی حجت قائم کر کے کہتا ہے،

هل فيما ذكرته حجة (کیا میں نے جو بیان کیا ہے وہ حجت ہے؟)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو اشیاء مقسم بہا مذکور ہوئیں قَسَمٌ (قسم ہوئی) یعنی مقسم بہ ہے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ وہ مقنع و مکتفی (کافی) ہے لِّذِيْ حِجْرٍ (عقل والوں کے لیے) وہ عقل جو نورِ معرفتِ حقیقت سے منور ہے اور اسے اس لائق دیکھتا ہے کہ وہ اجلال و اعظام کے پیش نظر اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے۔ اور مراد یہ تمام مقسم بہا ایسے ہی ہیں اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے تاکہ مخاطب کو انکسار کا موقعہ نصیب ہو اور خبر دی گئی ہے کہ یہ امر ظاہر و باہر ہے یا هَلْ ان قسموں پر حل ہو گا یہ صرف عقل والوں کے لیے قسم ہے اور یہ طریقہ ان کے نزدیک مقبول اور معتد بہ ہے اور ان جیسوں کی یاد کی جا سکتی ہے اور مقسم علیہ کو ان سے مؤکد کیا جا سکتا ہے یعنی بیشک ان اشیاء کی قسم ہم نے یاد کی ہے اور یہ پسندیدہ قسم ہے عاقل کے نزدیک تاکہ وہ اعتبار کرے کہ واقعی یہ قسم محقق و مؤکد ہے۔

حلِ لغات

الحِجر بمعنی عقل، کیونکہ وہ عقل والے کو اس سے منع کرتی اور روکتی ہے ایسے امر میں گرنے سے جو اسے نقصان دے ایسی عقل کو عقل کہا جاتا ہے ایسے ہی نُھی (بالضم النون) کیونکہ وہ منع کرتا اور روکتا ہے، ایسے ہی حصاة از احصاء بمعنی ضبط۔

ف: فراء نے کہا، کہا جاتا ہے ذو حِجر وہ جو اپنے نفس پر قاہر و ضابط ہو، اور حجرٍ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ عقل قلب کے لیے ایسے ہے جیسے جسم کے لیے روح، جس قلب میں عقل نہ ہو وہ مردہ ہے جانوروں کے قلب کی طرح (بیکار) ہے اور مقسم علیہ محذوف ہے وہ ہے لیعذبن الخ اس پر خبر دیتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا) ہمزہ انکار کا اور قوۃ نفی میں ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی کی نفی سے اثبات ہوتا ہے اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا تمہیں علم یقینی نہیں جو رویۃ کے قائم مقام ہے جلاء میں۔ یعنی تُو نے جانا اللہ تعالیٰ کے اعلام سے اور متواتر خبروں سے بھی کہ کیسے عذاب کیا تیرے رب نے عاد اور ان جیسے کافروں سے اور عنقریب تمہاری قوم کے کفار

کو بھی عذاب کرے گا۔ کیونکہ یہ دونوں اس میں شریک ہیں جو کفر و معاصی کے موجبات ہیں۔

عاد کا تعارف عاد سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور ہود علیہ السلام کی قوم ہے جو اپنے دادا کے نام سے موسوم ہے جیسے بنو ہاشم حضرت ہاشم (رضی اللہ عنہ) کی وجہ سے موسوم ہیں اور بنو تمیم تمیم سے، اس معنی پر تمیم اس قبیلہ کا نام ہے جو عاد کی طرف منسوب ہے ان کے اوائل کو عادِ اولیٰ اور اواخر کو عاد اخیرہ کہا جاتا ہے۔

قاعدہ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ قرآن مجید میں ہر جگہ خبر عاد سے عادِ اولیٰ مراد ہے سوائے سورۂ احقاف کے۔

اِرَمَ عطف بیان ہے عاد سے تاکہ معلوم ہو کہ اس سے عاد اولیٰ مراد ہیں بحذف المضاف یعنی سبط ارم اور اہلِ ارم، یہ اس قول پر ہے کہ ارم ان کے شہر یا علاقہ کا نام ہے جس میں وہ آباد تھے اور ان کی آبادی عمان سے حضرموت تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ریتلے اور پتھریلے علاقے ہیں اس کی تائید قرأت بالا سے بھی ہوتی ہے جو بھی ہو اس کا غیر منصرف ہونا تعریف و تانیث سے ہے۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ الآرام وُہ قلعے جو پتھروں سے تیار کئے گئے تھے اور ارم ذات العماد میں اشارہ ہے ان کے قلعوں کی طرف جو بلند و بالا اور منقش منارہ کے طریقہ پر یا قبور کی ہیئت پر تھے اس میں بھی مضاف محذوف ہے یعنی اہل الاعلام۔

ذَاتِ الْعِمَادِ (حد سے زیادہ طول والے) صفت ہے ارم کی اور لام جنس کی ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہے عماد عمود کی ہے ان کی جمع عمد (بفتحتین) و عمد (بضمتین) و اعمدۃ آتی ہے بہت زیادہ قد والے، ان کے قدوں کو ستون سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یا خیموں اور ستونوں والے۔ اس لیے کہ وہ بدوی تھے ستونوں والے کہ جہاں گھاس ہوتی اس کی طلب میں چلے جاتے، جب گھاس وغیرہ سُوکھ جاتی گھروں کو لوٹ جاتے اور ستونوں کو کام میں لاتے جہاں ڈیرہ جماتے ستون کھڑے کرتے ان کے اوپر محلات قصور (گھر) تیار کرتے اور ان کے یہ قصور دُور سے نظر آتے تھے یا صاحب اساطین (کھمبے) تھے اس لیے کہ ان کا شہر اونچے کھمبوں کی عمارتوں والا تھا اور ارم ان کے ہی شہر کا نام ہے۔

ف: حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ارم ذات العماد وہ جیرون بن سعد بن ارم کے نام سے ہے اسی نے ہی تو یہ شہر آباد کیا سنگِ مرمر کے ستون تیار کر کے مکانات تیار کئے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ اس نے شہر میں چار لاکھ ستون اور چار لاکھ سنگِ مرمر کے رکھوا کر مکانات بنوائے۔ العماد سے وہی مراد ہے جس پر اس شہر کی تعمیر کی گئی اس کا نام جیرون تھا اسی نام سے معروف تھا اور دمشق، دمشق بن نمرود کے

کے نام سے ہے، وہ نمرود حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دشمن تھا لیکن دمشق مسلمان ہوگیا ان نے ہی شام کے ملک میں جامع ابراہیم تعمیر کی تھی۔ غالباً یہی روایت صحیح تر ہے۔ (اس میں تامل اور غور و فکر چاہئے)
الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا) یہ ارم کی دوسری صفت ہے اور ضمیر ارم کی ہے کیونکہ اس سے قبیلہ مراد ہے۔

اِرم والوں کی طاقت کا مظاہرہ

ان جیسا عظیم الاجسام اور شدید القوۃ آفاق و نواحی میں کہیں نہ تھا ان کے ایک مرد کا قد چار سو ہاتھ تھا اور ایک پتھر اٹھا کر لاتا اور ایک قبیلے پر گرا کر انہیں ہلاک کر دیتا اسی لیے ان کا دعویٰ تھا کہ ہم سے بڑھ کر بڑی قوت و طاقت والا اور کون ہوسکتا ہے (رخ جانور) ان کی نظیر رخ پرندہ سے جو چین کے جزیروں میں ہوتا ہے (المنجد میں ہے کہ وہ ایک خیالی جانور ہے۔ اویسی غفرلہٗ) جس کا ایک پَر دس ہزار ہاتھ ہے ایک بڑا پتھر پاؤں میں رکھتا ہے جو ایک بڑے گھر کے برابر ہوتا ہے وہ پتھر اوپر سے کشتی پر پھینکتا ہے۔ یا دنیا بھر کے شہروں میں ان جیسا بڑا شہر کہیں نہیں تھا۔ یہ ضمیر مؤنث اسی کی طرف راجع ہے بتاویل البلدۃ

شداد کا شہر اور امیر معاویہ کا لشکر

حضرت امیر معاویہ کے عہد میں حضرت عبداللہ بن قلابہ صحرائے عدن میں اپنے گم شدہ اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے اور اس کی تمام زیب و زینت دیکھی کہ اس کی بنیادیں مضبوط جزع یمانی سے تھیں بیشمار محلات تھے ادھر ادھر پھرا کوئی رہنے بسنے والا نہ پایا تھوڑے سے فاصلے پر دروازے کو دیکھا جواہر سے مکلل، تھوڑے سے جواہرات وہاں سے لے کر چلے آئے، یہ خبر امیر معاویہ تک پہنچی اُنھوں نے بلا کر حال دریافت کیا انہوں نے تمام قصہ سنایا تو حضرت امیر معاویہ نے کعب احبار کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسا شہر ہے جو سرخ رنگ کبود ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے یہ شہر شداد بن عاد نے بنایا تھا وہ سب عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوگئے ان میں سے کوئی باقی نہ رہا اور آپ کے زمانے میں ایک مسلمان سیرخ چشم قصیر القامت جس کے ابرو پر ایک تل ہوگا اپنے اونٹ کی تلاش میں اس شہر میں داخل ہوگا۔ پھر عبداللہ بن قلابہ کو دیکھ کر فرمایا بخدا وہ شخص یہی ہے۔

ف: (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) اس شہر کے اندر حضرت ابن قلابہ نے شہر کے ستون زبرجد و یاقوت کے دیکھے اس کی اینٹیں ایک سونے اور ایک چاندی کی تھیں، ایسے ہی اس کے فرش کا حال تھا اور اس میں بجائے سنگریزوں کے مروارید آبدار بچھائے گئے تھے ہر محل کے گرد آبِ رواں لؤلؤ و مرجان پر جاری تھا بہت بڑے درخت جن کے تنے سونے کے اور پتّے زبرجد کے

شگوفے سیم کے تھے۔ دل میں کہا:

هذه الجنة التی وعد المتقون۔ یہ وہی جنت ہے جس کے لیے متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔

ع این چہ منزل چہ بہشت ایں چہ مقامست اینجا
(یہ کیسی منزل ہے کیسی بہشت ہے کیسا مقام ہے اس جگہ)

اور کہا:

والذی بعث محمدا ما خلق اللہ مثل هذا فی الدنیا۔ اس کی قسم جس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مثل پیدا ہی نہیں کیا۔

جب جواہر موتی لے کر واپس آئے تو لوگ ان جواہرات کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ لوگوں کی زبان پر قصہ مشہور ہوا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا۔ اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

فائدہ از اویسی غفرلہ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ حضرت کعب الاحبار کے درج ہونا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبولِ خدا ہونے کی زبردست دلیل ہے ان منکرین کو سوچنا چاہیے جو ان سے دشمنی رکھتے تھے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی کو کیا علم کہ کل کیا ہوگا۔ لیکن یہاں تو حضور علیہ السلام کے ادنیٰ خدام کے لیے ثابت ہے)

زور و قوت اور طول قامت میں عاد کے بیٹوں میں سے شداد بھی ہے جس نے دنیا پر بادشاہت کی اور تمام بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے اور اس نے جنت کا ذکر سن کر براہِ سرکشی دنیا میں جنت بنانا چاہی اور اس ارادہ سے ایک شہر عظیم بنایا جس کے محل سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے اور زبرجد اور یاقوت کے ستون اس کی عمارتوں میں نصب ہوئے اور ایسے ہی فرش مکانوں اور رستوں میں بنائے گئے سنگریزوں کی جگہ آبدار موتی بچھائے گئے ہر محل کے گرد جواہرات پر نہریں جاری کی گئیں قسم قسم کے درخت حسنِ تزئین کے ساتھ لگائے گئے۔ جب یہ شہر مکمل ہوا تو شداد بادشاہ اپنے اعیانِ سلطنت کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوا جب ایک منزل فاصلہ باقی رہا تو آسمان سے ایک ہولناک آواز آئی جس سے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

شداد کی شاہی پر تبصرہ (واقعہ کے اختصار کے بعد اب اس کی تفصیل از صاحب روح البیان قدس سرہ پڑھیے) (۱)، شداد نے نوسو سال عمر پائی۔

(۲) اس شہر کی تیاری میں رُوئے زمین کے خزانے جمع کرائے۔
(۳) اس کی تیاری پر ایک سو کاریگر مقرر کئے، ہر کاریگر کے ساتھ ایک ہزار نوکر تھا۔
(۴) تین سو سال میں یہ بہشت تیار کرائی۔
(۵) شداد کے مرنے کے بعد یہ بہشت اصحابِ کہف کی طرح پوشیدہ ہوگئی۔
باقی قصہ اُوپر مذکور ہو چکا۔
سوال: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حواشی میں فرمایا کہ اس میں اعتراض ہے وہ یہ کہ قومِ عاد آندھی سے تباہ ہُوئی اور قومِ صالح چنگھاڑ سے، تو تم نے کہا شدّاد چنگھاڑ سے تباہ ہوا، یہ کیسے؟
جواب: یہاں چنگھاڑ سے آندھی مراد ہے جس کے اندر سخت آوازیں تھیں۔

شدّاد کی قبر کا کتبہ

شدّاد کے بیٹے نے ایک تختی پر ذیل کے اشعار لکھ کر اس کے سرہانے لٹکائے جو شدّاد کی اپنی زبان سے کہے ہوئے تھے جب اس کے بیٹے نے اسی راہ میں تباہ شدہ باپ کا ڈھانچہ اٹھا کر دفنایا تو لکھوایا ؎

(۱) انا شداد بن عاد صاحب الحصن العمید
واخو القوة والباساء والملك المشید

(۲) دان اهل الارض لی من خوف وعدی وعیدی
وملکت الشرق والغرب بسلطان شدید

(۳) فاتتنا صیحة تهوی من الافق البعید
فتوفتنا کزرع وسط بیداء حصید

ترجمہ: (۱) میں شداد بن عاد ہُوں مضبوط قلعوں والا قوت والا اور جنگجو اور مضبوط بادشاہ۔
(۲) اہلِ زمین کو میرا خوف معلوم ہے میرا وعدہ بھی وعید ہے اور میں مشرق و مغرب میں سلطنت شدید سے مالک ہُوا ہُوں۔
(۳) ہم پر ایک چنگھاڑ افق بعید سے آیا اور فنا کر دیا کھیتی کی طرح جنگل کے درمیان میں۔

بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے شہروں کو دیکھا

قُوتُ القلوب تصنیف عالم ربانی ابوطالب مکی قدس سرہٗ میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے عرض کیا گیا کہ آپ کبھی ارم ذات العماد میں بھی تشریف لے گئے ہیں؟ فرمایا:

میں تو اللہ کے ملک میں ایسے ہزار شہروں میں گیا ہوں جن کے بالمقابل ذات العماد ایک معمولی شہر ہے اس کے بعد آپ نے چند شہروں کے نام گنے منجملہ ان کے جابلق، جابلص بھی تھا۔

سوال: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا قول کہ میں نے جو شہر دیکھے ان کے بالمقابل ذات العماد ایک معمولی شہر ہے یہ لم یخلق مثلھا فی البلاد کے منافی ہے۔

جواب: (۱) لم یخلق ماضی ہے اور حضرت بایزید بسطامی مستقبل کے شہروں کی بات فرما رہے ہیں جو نزول القرآن کے بعد تیار ہوئے ہوں۔

(۲) مثل کی نفی ہے نہ کہ شہروں کے وجود کی اور مثل سے مراد ذات العماد کی زیب و زینت مراد ہے اور لمبائی چوڑائی وغیرہ اپنی جگہ پر حق ہے۔

(۳) اسی قوت القلوب کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ آیت کا معنیٰ ہے کہ بلاد یمن میں اس جیسا شہر نہیں کیونکہ مخاطب وہی ہیں جو ان کے بلاد کے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے او ینفوا من الارض (نفی کئے جائیں گے زمین سے) یعنی شہروں سے۔ ان جوابات سے اشکال مندفع ہو گیا (شرح البردہ لابن الشیخ)

وَثَمُوْدَ (اور قوم ثمود سے) اس کا عطف عاد پر ہے ثمود قبیلہ اپنے جد کے نام سے موسوم ہے ثمود جدیس کا بھائی تھا اور وہ دونوں عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے اور اصنام پرست تھے عاد کی طرح، اور صالح علیہ السلام کی قوم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والی ثمود اخاھم صالحا۔ اور ثمود کی طرف ہم نے صالح علیہ السلام کو بھیجا۔

الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں)

حل لغات: الجوب القطع (کاٹنا) کہا جاتا ہے جبت البلاد، اجوبھا، جوباً۔ اور فراء نے بڑھایا جبت البلاد اجیبھا جیباً جب تم ان شہروں کی سیر کرو اور ان کا سفر طے کرو۔ اور جبت القمیص میں نے قمیص کاٹا۔ اسی سے ہے الجیب (گریبان)۔ الصّخر سخت شدید پتھر۔ الواد در اصل الوادی تھا وہ جس میں پانی جاری ہو۔ اسی سے ہے وہ کھلا راستہ دو پہاڑوں کے درمیان ہو اسے بھی وادی کہتے ہیں۔ یہی مراد ہے وادیٔ القریٰ سے، جو مدینہ طیبہ کے قریب ملک شام کی جانب ہے۔

وادیٔ مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ورود مسعود سیدنا ابو نضرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اس وادیٔ ثمود سے گزرے اور آپ اشقر گھوڑے پر سوار تھے

تو فرمایا: تیز چلو تم ملعون وادی میں ہو۔

ف: آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے پتھر تراش کر پہاڑوں پر گھر بنائے ہوئے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وتنحتون الجبال بیوتا (اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے)

بعض نے کہا کہ سب سے پہلے پتھروں کو تراش کر گھر بنانے والے یہی ہیں پتھر عام اور چٹانیں اور سنگ مرمر وغیرہ، ایک ہزار سات سو شہر بنائے اور سب کے سب پتھروں کو تراش کر۔

وَفِرْعَوْنَ اور موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ساتھ کیا کیا اللہ تعالیٰ نے۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان بن ثروان ابوالعباس قبطی تھا، اسی کی طرف الاقداس العباسیہ (عباسی پیالے) منسوب ہیں فرعون اس کا لقب تھا اسے علیحدہ اس لیے ذکر کیا گیا کہ وہ تکبر اور رعونت میں بے نظیر تھا، یہاں تک کہ اس نے ربوبیت والوہیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ ذِی الْاَوْتَادِ اور فرعون کہ میخیں گاڑتا۔

حلِ لغات الوتد (بالتحریك ویکسر التاء ایضا بالفارسیة) بمعنی میخ۔ سورۃ النبا میں اس کی تحریک گزری ہے۔ فرعون اس صفت سے اس لیے موصوف ہوا کہ اس کا لشکر اور وہ خیمے جو اپنے گھروں میں لگاتے اور انہیں میخیں گاڑ کر مضبوط کرتے ان کی کثرت کی وجہ سے جیسے آج بھی ہے کہ خیمے اور طنابیں گاڑی جائیں تو ان کے لیے بکثرت میخوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ف: اور فرعون لوگوں کو میخوں سے عذاب دیتا تھا جیسا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ فرعون میخ بند سے عذاب دیتا تھا۔ یعنی چار میخوں سے عذاب کرنے والا۔

مشاطہ بنتِ فرعون کا قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرعون ذی الاوتاد اس لیے تھا کہ اس کے خزانچی خربیل کی اہلیہ ہیجل بنتِ فرعون کی ماشطہ (ہار سنگار کرنے والی) خادمہ تھی۔ فرعون کا خزانچی مومن تھا ایک سو سال سے اس نے ایمان کو چھپا رکھا تھا ایسے ہی اس کی بیوی نے ایک دن وہ فرعون کی لڑکی کا سر سنوار رہی تھی یعنی کنگھا کر رہی تھی تو کنگھا ہاتھ سے گرا تو کہا تعس من کفر باللہ تعالیٰ (وہ ہلاک ہو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کرتا ہے) فرعون کی لڑکی نے کہا: کیا میرے باپ کے سوا کوئی اور تیرا معبود ہے؟ کہا ہاں میرا اور تیرے باپ کا اور تمام آسمانوں اور زمین کا صرف ایک معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون کی بیٹی باپ کے پاس روتی ہوئی پہنچی فرعون نے بیٹی سے رونے کا سبب دریافت کیا، کہا میری ماشطہ تیرے خزانچی کی بیوی نے کہا ہے کہ تیرا اور اس کا اور آسمان و زمین کا صرف ایک معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے ماشطہ کو

بلوایا اس سے پوچھا تو اس نے کہا یہ سچ ہے۔ فرعون نے کہا: تجھ پر افسوس تو میرے ساتھ کفر کر رہی ہے جس خدا کو تو مانتی ہے اس سے کفر کر ورنہ تجھے چومیخا عذاب دوں گا۔ بی بی اپنے ایمان پر ڈٹ گئی۔ اس نے اسے چومیخا کر کے اسے باندھ کر اس پر سانپ اور بچھو چھوڑ دئیے۔ پھر کہا اپنے خدا سے کفر کر ورنہ تجھے اس عذاب میں دو ماہ تک مبتلا رکھوں گا۔ اس نے کہا مجھے کوئی پروا نہیں خواہ تو مجھے ستر ماہ تک عذاب دے میں اپنے خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑ سکتی، اس کی دو بیٹیاں تھیں بڑی بیٹی کو لا کر اس کے سامنے ذبح کرا دیا اور کہا اب بھی وقت ہے مان جا ورنہ تیری شیر خوار بچی سے بھی ایسا ہی کروں گا۔ بی بی نے کہا پروا نہیں اگر تو روئے زمین کے لوگوں کو اسی طرح میرے سامنے ذبح کرا دے تب بھی اپنے معبودِ حقیقی کو نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے اس کی شیر خوار لڑکی کو اس کے سینے پر لٹا دیا اور ذبح کرنے کا حکم دے دیا تو بی بی گھبرائی شیر خوار بچی کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دے دی اور کہا اماں مت گھبرا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے بہشت میں بہترین مکان تیار کر رکھا ہے صبر کر، ابھی تو اس میں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرامت میں پہنچ جائے گی فرعون نے بچی کو ذبح کرا دیا، بی بی تھوڑی مدت کے بعد فوت ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دی۔

بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا کی جرأتمندی

فرعون نے بنی اسرائیل کی حسین ترین بی بی سے نکاح کیا جن کا اسمِ گرامی آسیہ بنت مزاحم (رضی اللہ عنہا) تھا

بی بی آسیہ نے جب ماشطہ کا حال دیکھا کہ فرعون نے اس پر کیا ظلم و ستم ڈھایا ہے تو دل میں سوچ رہی تھیں کہ میں فرعون کے ساتھ گزر اوقات کیسے کر سکوں گی وہ کافر میں مسلمان۔ یہی تصورات دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے کہ فرعون اُن کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ بی بی نے کہا اے فرعون! تو تمام مخلوق سے شریر اور خبیث ترین ہے تو نے ایک غریب ماشطہ کو بلا وجہ بُری طرح قتل کرا دیا فرعون نے کہا معلوم ہوتا ہے تجھے بھی وہی جنون ہے جو اسے تھا۔ بی بی آسیہ نے کہا مجھے کوئی جنون نہیں مجنون (پاگل) وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے وہ جس کے ملک ہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے فرعون سُن کر آگ بگولہ ہو گیا اور بی بی آسیہ کو چار میخوں سے باندھ دیا تاکہ اسے عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی آسیہ کے لیے بہشت کا دروازہ کھول دیا تاکہ اس پر فرعون کا عذاب محسوس نہ ہو۔ اسی لیے بی بی نے کہا تھا:

رب ابن لی عندك بیتاً فی الجنة و نجنی من فرعون و عمله۔	اے اللہ! میرے لیے اپنے نزدیک جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔

اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بی بی آسیہ کی رُوح قبض کر لی اور اسے جنۃ عالیہ میں ٹھہرایا ۔ اس کا یہ قصّہ تھوڑا سا سورۃ التحریم کے آخر میں گزرا ہے وہاں دیکھئے ۔

تفسیر صوفیانہ عاد میں اشارہ ہے طبیعۃ البشریہ کی طرف اور ثمود میں قوت شہویہ کی طرف اور فرعون میں قوتِ غضبیہ کی طرف ۔ سالک پر لازم ہے ان کا تزکیہ اور ان کے آثار کا ازالہ ۔

تفسیر عالمانہ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی) یہ تین گروہوں مذکورہ کی صفت ہے اس معنیٰ پر یہ جملہ محلاً مجرور ہے اور بعض بحروں میں بائے اور بعض اس پر معطوف ہیں اور یہ بحسب اللفظ احسن ہے اس لیے کہ اس میں کوئی شے حذف نہیں کرنا پڑتی اور صاحبِ کشاف نے اسے منصوب کہا علی الطریق الذّم اعنی کو مقدر کرکے کیونکہ یہ ذم میں صریح اور مقام بھی ذم کا ہے اور یہ معنیٰ کے اعتبار سے احسن ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مذکورہ گروہوں میں ہر ایک گروہ نے اپنے شہروں میں سرکشی کی اور حد سے متجاوز ہوئے یعنی عاد نے یمن میں اور ثمود نے ارضِ شام میں اور قبط نے مصر میں جیسے نمرود نے سرکشی کی سواد میں ایسے ہی ان کے باقیوں کا قیاس کیجئے فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (پھر ان میں بہت فساد پھیلایا) کفر و معاصی سے کیونکہ فساد گناہوں کے تمام اقسام کو شامل ہے پس جو امر الٰہی اور اس کے حکم کے خلاف بندوں پر ظلم کا حکم کرتا ہے وہ مفسد اور اس حد سے متجاوز ہے جو اس کے لیے مقرر ہے ۔ اس میں شدید خوف ہے زمانہ کے حکام کے لیے فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ (تو ان پر تمہارے رب نے بقوت مارا) ۔

حلِ لغات : صب بمعنیٰ اوپر سے نیچے پانی بہانا ۔ یعنی فساد کا صدور ہوا ۔

سَوْطَ عَذَابٍ (عذاب کا کوڑا)

حلِ لغات السوط چمڑے کا بٹا ہوا کوڑا جس سے کسی کو سزا دی جائے یعنی سخت عذاب جس کی غایت کا ادراک نہیں ہو سکتا ۔ اس سے ان کو گوناگوں عذاب میں مبتلا کرنا مراد ہے وہ جو سورۃ کریمہ میں مشرحاً مذکور ہے وہ یہ کہ ریح عاد کے لیے اور صیحہ ثمود کے لیے اور غرق قبط کے لیے ۔ اس کا سَوط نام اس لیے ہے تاکہ اشارہ ہو کہ جو ان کے لیے عذاب تیار ہے وہ کوڑے کی طرح ہے جو تلوار کے ساتھ تیار رکھا ہوتا ہے ۔

نکتہ : عذاب کا سَوط سے استعارہ اس لیے ہے کہ اس سے مارنے میں تکرار اور بار بار کام لیا جاتا ہے بخلاف تلوار وغیرہ کے کہ وہ ایک بار مارنے سے کام تمام ہو جاتا ہے ۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ عرب کوڑے کی مار کو سخت عذاب سمجھتے تھے اس لیے اس کا ذکر فرمایا یعنی عرب والے کوڑے کو انتہائی عذاب سمجھتے تھے۔ ویسے وہ ہر قسم کے عذاب کو کوڑے سے تعبیر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کے اسلوب پر فرمایا ہے۔ شاعر نے کہا: ؎

الم تران اللہ اظھر دینہ

وصب علی الکفار سوط عذاب

ترجمہ : کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین غالب فرمایا اور کافروں پر کوڑے کا عذاب برسایا۔

نکتہ : اسے صب (بارش برسنا) سے تعبیر فرمایا تاکہ اس کے بکثرت اور استمرار اور پے در پے ہونے پر دلالت کرے کیونکہ صَبّ بمعنی بہنے والی شے یا جو بہنے میں اس جیسی ہو، جیسے ریت دانے کو بہانا، اور شدۃ و کثرت اور مسلسل۔

سوال : عذاب کی نسبت کوڑے کی طرف ہے حالانکہ وہ اس قبیل سے نہیں۔

جواب : اس کے نزول اور مسلسل اور پے در پے مضروب پر برسنے کی تشبیہ کی وجہ سے ہے کہ جیسے بارش وغیرہ کے قطرات بکثرت اور مسلسل پے در پے شے پر برستے ہیں ایسے ہی عذاب کے کوڑے ان مذکورہ بالا کفار پر برسائے جائیں گے۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علی ظھرھا من دابۃ و لکن یؤخرھم (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ کرے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن ان کے عذاب میں تاخیر کرتا ہے) اس آیت میں تاخیر کا بیان ہے اور آیت مذکورہ بالا میں نقد عذاب کا بیان ہے تو ان دونوں میں تطبیق کیسی ؟

جواب : (۱) تاخیر العذاب کا بیان اس عذاب کا ہے جو مکمل طور ہو اور وہ آخرت میں ہوگا اور یہ دنیا میں ہوا تو یہ اس کا ایک معمولی نمونہ ہے (حواشی ابن الشیخ)

(۲) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہی وجہ تر ہے، وہ یہ کہ آیت مؤاخذہ (جو اوپر سوال میں درج ہے) میں وہ عذاب مراد ہے جو تمام کفار کو ہو اور یہاں دنیا میں بعض کو ہوا تو کل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ بعض کو ایسا عذاب ہوا کہ ان کی جڑیں اکھاڑ کر رکھ دیں جیسے بعض قوموں کی تباہی کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تمہارے رب کی نظر سے غائب نہیں) ماقبل کی تعلیل ہے

اور آگاہ کرنا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم کے کفار کو بھی عنقریب ان کی طرف عذاب واقع ہوگا جیسے گزشتہ اقوام پر واقع ہوا جیسے آیت کے عنوان ربوبیت مع اضافۃ الی ضمیر المخاطب (علیہ السلام) سے معلوم ہوتا ہے۔

حل لغات المرصاد وہ مکان جس میں اہلِ انتظار انتظار کرتے ہیں مفعال از رصد جیسے میقات از وقت ہے، با ظرفیہ کی ہے یعنی بیشک وہ اس جگہ پر ہے جس میں مسافر (منتظرین) انتظار کرتے ہیں، اور جائز ہے کہ یہ صیغۂ مبالغہ ہو جیسے مطعان (طعنہ زن) بامہ تجرید یہ ہے یعنی اس میں تمثیل ہے اللہ تعالیٰ کے مجرمین کے انتظار کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چُوک نہیں جائیں گے اور تشبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا نگران ہے ان پر تھوڑے اور زیادہ پر جزاء وسزا دے گا اور بندوں کو اس سے کہیں بھاگنا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی جگہ بھاگ کر نکل جائیں یہ ایسے ہے جیسے کوئی نگران مسافرین کے راستہ پر بیٹھ کر ان کا انتظار کرے تاکہ معصیت کے مرتکب کو پکڑنے میں کامیاب ہو یا جیسے محصول لینے کے لیے جو نگران مقرر ہیں کہ ان سے کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا (ایسے ہی بلا تمثیل) اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اور گرفت سے کوئی بھی بچ کر نہ نکلے گا، یہاں یہ مثالیں محض مقاصد سمجھانے کے لیے دی گئی ہیں۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سب کو دیکھتا ہے سب کی سُنتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ؎

ہم نہاں داند و ہم آنچہ نہاں تر باشد
یعلم السر و اخفی صفت حضرت اوست

ترجمہ : وہ پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر کو جانتا ہے سِرّ واخفیٰ جاننا اس کی صفت ہے۔

سات چوکیاں بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے پل صراط کے راستے میں سات جگہوں پر چوکیاں لگائے کھڑے ہوں گے :

(۱) ایمان کا پوچھیں گے اگر اس میں کامیابی ہوئی یعنی نفاق وریاء نہ ہوا تو نجات پا جائیگا ورنہ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

(۲) نماز کا پوچھیں گے اگر رکوع وسجود صحیح اور صحیح اوقات میں ادا کی گئی ہیں تو نجات پا جائے گا ورنہ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

(۳) زکوٰۃ کے بارے میں سوال ہوگا۔

(۴) ماہِ صیام کے روزوں کے متعلق۔
(۵) حج و عمرہ کے بارے میں۔
(۶) وضو اور غسلِ جنابت کے بارے میں۔
(۷) والدین کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کے بارے میں۔

اگر ان سات چوکیوں سے بچ نکلا تو جنت میں جائے گا ورنہ جہنم میں۔ (پناہ بخدا)

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ (لیکن آدمی تو) ان ربك لبالمرصاد سے متصل ہے گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی نگرانی کے درپے اور ان کے اعمال کی جزا و سزا کے دینے کے انتظار میں ہے لیکن انسان کو اس کا خیال نہیں اس کا مطمحِ نظر اور فکر و تصور دنیا اور اس کی لذات میں۔

ف: سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔ اور اس آیت کا سببِ نزول بھی وہی ہے جیسے مفسرین نے فرمایا۔ اگرچہ یہ صفت عام ہے۔

اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ (جب اسے اس کا رب تعالیٰ آزمائے) اس کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے مثلاً اسے غنی بنا دے آسانیاں پیدا کرے، آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ عطا فرمائے فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ (کہ اسے جاہ و نعمت دے) یعنی اسے گرامی قدر بنا دے جاہ و اقتدار (کرسی) بخش دے اور نعمتوں سے نوازے اور اس پر معاش فراخ کرے اور اس کا ہر کام آسان بنا دے۔ فار تفسیریہ ہے اس لیے کہ اکرام وتنعیم عین الابتلار ہیں۔ فَيَقُوۡلُ تو فخراً کہتا ہے رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ میرے رب تعالیٰ نے مجھے عزت دی اس کے ساتھ جو عطا فرمایا جاہ و مال اس کے موافق جس کا وہ مستحق تھا اس کے دل میں خیال تک نہیں ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے تاکہ وہ اسے آزمائے کہ اس پر شکر کرتا ہے یا ناشکری۔ یہ خبر ہے مبتدار کی یعنی الانسان کی اور فار امّا یا شرط و ظرف کے معنی میں ہے نیت تاخیر پر گویا کہا گیا لیکن انسان کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری تکریم کی ابتلار کے وقت انعام کے ساتھ اور اس کی تقدیم اس کی آگاہی کے لیے ہے کہ یہ اکرام وتکریم بطریقِ ابتلار کے ہے تاکہ واضح ہو اس کا قول جس کی حکایت کی گئی معلوم ہوا کہ اذا محض ظرفیہ ہے اور یہ فار مانع نہیں کہ اس کا مابعد ماقبل پر عمل کرے وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ (اور اگر آزمائے) یہاں ھو مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے واما ھواذا ما ابتلٰـہ دونوں فقروں میں اما کا بعد اسم ہو تاکہ دونوں جملے برابر ہو جائیں فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ (اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مشیت پر باقتضائے حکمتِ بالغہ اس کی روزی تنگ کرے اور صرف اتنا عطا فرمائے جو اسے کفایت کرے فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ

تو (اضطراب و پریشانی میں) کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے خوار کیا فقروفاقہ سے، اور اس کے دل میں یہ تصور تک نہیں ہوتا کہ اس میں اس کی آزمائش ہے کہ وہ اس پر شکر کرتا ہے یا جزع فزع، حالانکہ یہ اس کی کوئی اہانت نہیں (بلکہ امتحان ہے) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اھانہ ففدر علیہ رزقہ (اسے خوار کیا اور اس کی روزی تنگ کی) جیسے پہلے اس کے بالمقابل کہا اکرمہ ونعمہ بلکہ اسے یاد رہنا چاہیے کہ کبھی تنگ دستی سعادتِ دارین تک پہنچاتی ہے اس تنگ دست کو جو تنگ دستی پر صبر کرتا ہے اس کا آخرت میں تنگدستی سے مکرم ہونا تو ظاہر ہے اور دنیا میں اس لیے کہ دشمن اس کی ایذار کے طمع سے باز رہیں گے اور دنیا وثروت والے (اہلِ دنیا) اسے اللہ والا سمجھ کر اس کے پاس آئیں گے اور دعا کے طالب ہوں گے ورنہ کاروبار کی وسعت کبھی ناشکری کی وجہ سے دارین کے گھاٹے تک پہنچاتی ہے یہ اس کے لیے استدراج ہے (کہ مال و دولت کے گھمنڈ میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا) ؎

اے دل اگر بدیدۂ تحقیق بنگری
درویشی اختیار کنی بر توانگری

ترجمہ: اے دل! اگر تُو تحقیق کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو درویشی کو تونگری (دولتمندی) پر ترجیح دے۔

ف: کبھی تنگدستی انسان کے تعظیم واکرام کا موجب بنتی ہے وہ اس طرح کہ نعمت (دولت) میں مشغول ہو کر منعم کی یاد سے محروم نہیں، یہی توجہ الی الحق اور سلوک الی اللہ کا وسیلہ ہے کہ کسی شے سے متعلق نہیں صرف اللہ تعالیٰ سے لَو لگائے ہُوئے ہے۔

اصحابِ صُفّہ کا حال سیدنا ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ستر (صحابہ) اصحاب صُفّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ کسی کو صرف تہ بند میسر ہے کسی کو فقط چادر۔ کسی کے پاس صرف اتنا کپڑا ہے کہ گردن میں باندھ کر نیچے اپنا ستر چھپائے ہوئے ہے، کسی کا تہبند صرف نصف پنڈلی تک ہے وہ بھی اتنا چھوٹا ہے کہ ہاتھ سے پکڑ کر چلتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ستر کُھل جائے۔

سبق: اس پر غور کرو کہ کیا یہ ان لوگوں کی اہانت ہے، حالانکہ یہ خاصانِ خدا حضرات تھے۔

ف: مومن یا مقامِ شکر میں ہے یا مقامِ صبر میں۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

الایمان نصفان نصف صبر و نصف شکر۔	ایمان دو نصف ہے ایک نصف صبر اور دوسرا نصف شکر۔

ــــ

(۱) صوفی از فقر چوں در غم شود — عین فقرش دایہ و مطعم شود

(۲) زانکہ جنّت از مکارہ رستہ است — رحم قسم عاجزِ اشکستہ است

(۳) آنکہ سرہا بشکند او از علو — رحمِ حق و خلق ناید سوئے او

ترجمہ :- (۱) صوفی جب فقر سے غمگین ہوتا ہے وہی فقر اس کا مربی اور طعام کھلانے والا ہوتا ہے۔

(۲) اس لیے کہ جنّت بھی تکالیف میں پیدا ہے رحم بھی قسم عاجز اور شکستہ ہے۔

(۳) جس کا سر اُوپر سے ٹوٹتا ہے رحم حق و خلق اس کی طرف نہیں آتا۔

تفسیر صُوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ فیقول ربی اھانن کا مطلب ہے کہ نالائق انسان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑا لیکن وہ محجوب مسکین یہ نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے رحمت و شفقت سے نوازتا ہے اس لیے کہ اسے عالمِ طبیعی سے عالم روحانی کی طرف جذبۂ رحمانیہ اور عالم نفس سے عالمِ قلب کی طرف اور عالمِ فرق سے عالم جمع کی طرف اور عالمِ فراق سے عالمِ وصال کی طرف کھینچا۔

تفسیر عالمانہ كَلَّا (یوں نہیں) زجر و توبیخ انسان کو اس کلام سے جو اس سے صادر ہوا اور اس کی دونوں کی تکذیب ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ میں نے اسے غنی کیا اس کی کرامت سے اور نہ ہی فقیر بنایا اس کی ذلت سے، بلکہ یہ محض قضاء و قدر ہے۔ یہ تعلیل بلا علل ہے۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (بلکہ تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے)

ربط : انسان کے بُرے اقوال سے انتقال کر کے اس کے بُرے افعال کے بیان کی طرف اور غیب سے خطاب کی طرف التفات ہے تاکہ آگاہی ہو کہ انسان کی گزشتہ بری عادت کا تقاضا ہے کہ اسے سامنے کر کے توبیخ کی جائے تاکہ اس کی جھڑک تشدید اور اس کی تشنیع میں تاکید ہو اور جمع کا صیغہ انسان کے معنیٰ سے ہے کیونکہ مراد جنس ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بلکہ تمہارے لیے شر کے لحاظ سے احوال سخت تر ہیں اور تمہارا مال پر لٹّو ہونا زیادہ ذلیل امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دے کر مکرم کیا لیکن اس میں جو تم پر حق لازم ہے وہ ادا نہیں کرتے یعنی یتامیٰ وغیرہ کو خوراک و پوشاک وغیرہ نہیں دیتے ہو وہ بھی بنی آدم (اور تمہارے بھائی) ہیں۔

ف : یتیم وُہ ہے جس کا باپ فوت ہو جائے جبکہ وہ ابھی نابالغ ہے اور جانوروں میں وہ جس کی ماں مر جائے۔

حدیث شریف : حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

احب البیوت الی اللہ بیت فیہ یتیم مکرم۔ — اللہ تعالیٰ کو اس گھر سے بہت محبّت ہوتی ہے جس میں یتیم کی عزّت کی جاتی ہو۔

ف

برحمت بکن آبش از دیدہ پاک
بشفقت بیفشانش از چہرہ خاک

ترجمہ : رحمت سے آنکھوں سے پانی صاف کر۔ شفقت سے اس کے چہرے سے چہرہ صاف کر۔

مسئلہ : الاشباہ میں ہے کہ یتیم سے بلا اجرت استخدام (خدمت کرانا) حرام ہے اگرچہ بھائی خدمت کرائے یا معلّم (استاد) سوائے ماں کے۔ ہاں معلّم صرف اتنا کام کرا سکتا ہے کہ اسے کہے کہ اپنے ہم سبق بُلا لائے۔ کما فی القنیہ۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ (اور رغبت نہیں دیتے ہو) ایک تا محذوف ہے در اصل تتحاضّون تھا۔

حلِ لغات : الحض، الحث (رغبت دلانا، برانگیختہ کرنا) التحریض، الحض کا ایک معنیٰ ہے اور بعض تمہارا دوسرے بعض کو برانگیختہ نہیں کرتا اور اس پر ترغیب دلاتا ہے نہ اپنے اہل کے لیے نہ دوسروں کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام کے شکر میں۔

عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (مسکین کے کھلانے کی) یعنی جنس مسکین کو کھلانے کی، جب وہ دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا خود کیا کھلائے گا۔ خلاصہ یہ ہُوا کہ تم نہ خود مسکینوں کو کھلاتے ہو نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہو۔ اس میں بخیل کو شدید مذمت ہے۔

شانِ نزول مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قدامہ بن مظعون یتیم امیّہ بن خلف کی زیر نگرانی تھا، وہ اس کے حقوق ادا نہ کرتا تھا اس پر نازل ہُوا۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ (اور میراث کا مال کھاتے ہو)

حلِ لغات : تُراث در اصل وُراث تھا، واؤ تا سے تبدیل ہُوئی۔ میراث وہ مال جو میّت سے منتقل ہو۔

اَكْلًا لَّمًّا (ہپ ہپ کر کے)

حلِ لغات : لَمّ بمعنی جمع، کہا جاتا ہے کتیبۃ ملمومۃ مجتمعۃ بمعنی ایک دوسرے پر مجتمع۔ اب

معنیٰ یہ ہُوا کہ کھانا جمع والا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی حلال و حرام کو جمع کرکے اس لیے کہ وہ بچوں اور عورتوں کو وراثت نہیں دیتے تھے ان کے حصص خود کھا جاتے تھے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ اہلِ عرب کے پاس ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی میراث (دین) تھی انہوں نے اسے اور اس کے علاوہ دوسرے اسلامی شعار کو تبدیل کر دیا، یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے مورث نے جو حلال و حرام جمع کرکے چھوڑا اب یہ جانتے ہیں کہ وہ مشتبہ مال ہے تب بھی کھا رہے ہیں۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا اور مال کی نہایت محبت رکھتے ہو بہت زیادہ حرص و طمع سے اور حقوق منع کرکے اور ان کو نفع نہ دے کر۔

حلِ لغات : جمّ الماء فی الحوض (حوض میں پانی جمع اور بہت زیادہ ہوگیا)

ف : اس سے ان کی مذمت بیان کرنا مطلوب ہے کہ وہ مالِ دنیا کے کتنے حریص ہیں بلکہ وہ ایسے نالائق ہیں کہ وہ آخرت سے بھی رُوگردان ہیں۔

فائدہ صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر انسان کی حُبِ دنیا طبعی ہے اس سے کلی طور کوئی چھٹکارا نہیں پا سکتا ہاں مگر اتقیاء (انبیاء و اولیاء)۔

مسئلہ : اشارہ ہے کہ حُبِّ دنیا میں شدّۃ نہ ہو تو مذموم نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ اعمال سیئہ نفسانیہ اور احوال قبیحہ ہوائیہ کے مال میں نہایت محبت کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **کَلَّآ** (ہاں ہاں) افعال و تروک مذکورہ سے انہیں زجر و توبیخ اور انکار ہے یعنی حرص علی الدنیا و قصر ہمت اس کی تحصیل و جمع میں حرص اچھی نہیں جب کہ وُہ حلال و حرام سے جمع کیا گیا ہے اس سے انس و پیار ترک کرنا ضروری ہے اور اس خیال میں نہیں رہنا چاہیئے کہ اس کا کوئی حساب نہ ہوگا اسے معلوم ہو کہ اس کا انجام حسرت و ندامت ہے کہ حیاتِ دنیویہ فانیہ کو حیات اخرویہ باقیہ پر ترجیح دی جائے **اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا** (جب زمین ٹکرا کر پاش پاش کر دی جائے گی) جملہ مستانفہ بطریق وعید اور زجر و توبیخ کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات : دَكٌّ (الدق) کوٹنا۔ کہا جاتا ہے دککت الشیٔ ادکہ دکًّا میں نے اسے کوٹ کر زمین کے برابر کر دیا۔ الخلیل[1] نے کہا الدّک دیوار اور پہاڑ توڑنا ودکتہ الحمّٰی دکًّا اسے بخار نے خوب جھنجھوڑا۔ اور المبرد نے کہا کہ الدّک اونچی جگہ کو دراز کرکے بچھانا یعنی کُوٹ کُوٹ کر برابر کر دینا

ف : دوسرا دکًّا پہلے کی تاکید نہیں بلکہ وُہ پہلے کا غیر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب زمین مسلسل ایک دوسری

---

[1] الخلیل، لغت کا امام ہے۔ اویسی غفرلہٗ

سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیگی اور جو اس کے اوپر ہو گا وہ سب چلا جائے گا یعنی نہ پہاڑ رہیں گے نہ عمارات (مکانات) وغیرہ جب پے در پے بار بار ہتراۓ گی اور اڑتی غبار کی طرح ہو جائیگی یہ وہ وقت ہے جب نفخ ثانی ہوگا۔

وَّجَآءَ رَبُّكَ (اور تمہارے رب کا حکم آئے) اور اس کی قدرت کی آیات اور اس کے قہر کے آثار ظاہر ہوں گے جیسے بادشاہ کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے جو ظاہر ہونے کے لائق ہے جب اس کے قہر و جلال اور دبدبہ و ہیبت کے احکام جاری ہوتے ہیں کہ اس وقت دوسروں کے سامنے ظاہر نہ ہونیوالی باتیں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔

ف: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی جاء امرہ وقضاؤہ یعنی تہویل (ہولناکی) کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مظہر جلالی قہری میں جلوہ گر ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَّالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا اور میدانِ حشر میں فرشتے آئیں گے قطار قطار در انحالیکہ صف باندھے ہوں گے یا صفوں والے ہوں گے کیونکہ اس وقت تمام آسمانوں کے فرشتے قطار قطار ہو کر اتریں گے اپنی منازل و مراتب کے اعتبار سے پھر ایسے صف بستہ ہوں گے جیسے دنیا میں انس و جن نماز کی صفیں بناتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والملك على ارجائها فهم سبعة	اور فرشتے زمین کے کناروں پر ہونگے اور
صفوف عدد السموٰت السبع۔	وہ سات صفیں ہوں گی آسمانوں کی گنتی کے برابر۔

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ (اس دن جہنم لائی جائے) یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وبرزت الجحيم (اور دوزخ ظاہر کی جائے) اس کا آنے سے اظہار مراد ہے یہاں تک کہ اس کے اپنی جگہ پر ثابت ہونے کے باوجود تمام مخلوق دیکھے گی کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گی۔ باء تعدیہ کی ہے اور جہنم نائب فاعل ہے جیء کا۔

جہنم کی ستّر باگیں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مقاتل نے فرمایا کہ جہنم کو ستر ہزار فرشتے ستر ہزار باگوں سے کھینچ کر عرش الٰہی کے بائیں جانب کھڑا کر دینگے اس سے چنگھاڑ اور سخت آوازیں ہوں گی، جو کفار کو دیکھ کر جوش و خروش کرے گی۔ اس میں سرکش کفار

ڈالے جائیں گے ورنہ تمام مجمع کو جلا دے گی اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے اور کہیں گے نفسی نفسی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے اور فرمائیں گے امتی امتی۔ دوزخ عرض کرے گی:

مالی و مالک یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) لقد حرم لحمك علیّ۔ (ص ۴۳۰)	آپ اور میں (ایک دوسرے سے دور) اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا جسد اطہر مجھ پر حرام فرمایا ہے۔

ف: اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم اپنی جگہ سے ہٹائی جائیگی کیونکہ کھینچنا اپنی جگہ سے ہٹ جانے کی دلیل ہے۔ اس کی تاویل متقدمین نے یہ بتائی ہے کہ کھینچنا مجازی معنیٰ ہے اس سے کہ اس کے ظہور کے اسباب تیار کریں گے۔

کعبہ معظمہ کا اولیاء کرام کی زیارت کے لیے جانا فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اسے مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ

فان بعض الامکنة کالکعبة تزور بعض الخواص بالایجاد والاعدام اللذین هما اسرع شئ من طرفة العین (ص ۴۳)	بعض جگہیں جیسے کعبہ بعض خواص (اولیاء) کی زیارت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اعدام سے وہ آنکھ جھپکنے سے بھی تیز تر ہیں۔

اس دلیل سے ثابت ہوا کہ دوزخ کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا بعید از قیاس و شروع نہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہو کیونکہ اس دن زمین وسیع تر ہوگی جیسے گزرا کہ اتنا وسیع کہ اس میں دوزخ بھی سما جائے گی اور تمام اہل محشر بھی، نیز اس کا آنا صورۃ مثالیہ سے ہو اور اس میں اختلاف نہیں جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کعبہ معظمہ میں بیٹھنے کے وقت سامنے بیت المقدس کو دیکھ کر کفار قریش کے سوالات کے جوابات دے جب معراج کی واپسی پر آپ سے کفار قریش نے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں

یَوْمَئِذٍ (اس دن) اذا دکت الخ سے بدل ہے اس میں عامل ہے **یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ** (آدمی سوچے گا) کہ اس سے کتنی کوتاہیاں ہوئیں تفصیل سامنے آجائے گی تمام کوتاہیوں کے آثار و احکام کا مشاہدہ کرے گا یا آنکھوں سے معائنہ کرے گا کیونکہ آخرت میں اعمال جسمانی شکل اختیار کرلیں گے تو

---

[1] کعبہ معظمہ کا اولیاء کرام کی زیارت کو جانا حق اور ثابت ہے اس میں شرعی ثبوت بے شمار ہیں فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "القول الجلی فی ان الزیارۃ الی زیارۃ الولی" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

حسنات وسیئات کی مناسبت سے شکلیں نظر آئیں گی یا یہ کہ نصیحت اور وہ ارشادات قبول کرے گا جو اس نے دنیا میں قبول نہ کئے اس وقت (آخرت میں) قبول کر کے کیے گا۔

یا لیتنا نرد ولا نکذب بآیات ربنا۔ کاش ہم دنیا میں لوٹائے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کرینگے۔

اس وقت کا نصیحت قبول کرنا ندامت کو مستلزم ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں پر نادم ہوگا اور ندامت کا نام توبہ ہے لیکن اس وقت توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ وقت توبہ کا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان یاد کرے گا وہ غلط اعتقاد جو اس نے دنیا میں اپنا رکھے تھے اور وہ اس ہیئت میں ہوجائیں گے جو ان کے فطری مقتضیات پر ہیں اس لیے کہ ظہور الباری صفۃ قہر سے اور ملائکہ صفتِ عذاب سے اس کے لیے ظاہر ہونگے جس نے اپنے ظہور کے خلاف اعتقاد رکھا ہوگا جیسے منکر نکیر اسی صورت میں نظر آئیں گے جو اس کے اعتقادیات کی صورتیں ہوں گی۔

تفسیر عالمانہ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (اور اب اسے سوچنے کا وقت کہاں) جملہ معترضہ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ وقت درحقیقت نصیحت حاصل کرنے اور سوچنے کا نہیں کیونکہ اب کوشش کو یہی وقت حائل ہے اس لیے کہ یہ کوشش کا وقت نہیں اَنّٰى خبر مقدم الذکری مبتدا مؤخر ہے اور لہٗ کا وہی متعلق ہے جو خبر کا ہے یعنی قد فات بعض نے کہا ھناك محذوف ہے اور لام نفع کی ہے یعنی وہاں اس کے لیے ذکری کا نفع کہاں۔ اس سے وہ تناقض مرتفع ہوا جو کہا گیا ہے کہ پہلے تذکر کا اثبات، اس کے بعد اس کی نفی۔

ف : اللہ تعالیٰ نے ایسے ذکری اور توبہ کی نفی فرمائی ہے جو نافع ہو جیسا کہ انّٰی لہ الذکری سے واضح ہے تو اس سے ہم نے یقین کرلیا کہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے واجب نہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے (معاذ اللہ، کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی توبہ قبول کرنا واجب ہے)

ف : الارشاد میں ہے کہ اس آیت سے دار التکلیف میں عدم وجوب قبول التوبہ عقلاً جیسے معتزلہ کا گمان ہے استدلال کی کوئی وجہ نہیں کہ نصیحت حاصل کرنا توبہ کے کسی شمار میں نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ توبہ صرف دنیا میں، جیسے اگلا قول خبر دیتا ہے:

يَقُوْلُ کہے گا يٰا ہائے اے حاضرین لَيْتَنِيْ کسی طرح (کاش کہ میں، قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (میں نے جیتے جی نیکی آگے بھیجی ہوتی) یہ یتذکر سے بدل الاشتمال یا جملہ مستانفہ ہے جو اس سوال کے

جواب میں واقع ہُوا کہ جو گزشتہ مضمون سے پیدا ہوا گویا کسی نے کہا کہ کافر تذکر کے وقت کیا کہے گا تو اس کے جواب میں کہا گیا یقول الخ کاش کہ میں نے حیاتِ دنیا میں حیات اخرویہ کی تحصیل کے لیے عمل کئے ہوتے جو کہ یہی حیات نافعہ دائمہ غیر منقطعہ ہے ایسے اعمال صالحہ جن سے آج میں نفع پاتا یا اپنی حیاۃ کے وقت میں لام بمعنی فی للتوقیت ہے یا یہ معنیٰ ہے کاش کہ میں نے اعمال آگے بھیجے ہوتے جو مجھے عذاب سے نجات دیتے اور میں بھی احیاء میں شمار ہوتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا حال ہوگا لایموت ولا یحییٰ (نہ مرے گا نہ جیئے گا) ۔

ردّ المعتزلہ اہلِ حق انسان سے بالکلیہ سلب الاختیار کے قائل نہیں اور اس تمنا میں اس کا شائبہ بھی نہیں کہ اس پر استدلال کیا جا سکے جیسے معتزلہ نے کہا کہ بندہ اپنے فعل میں مستقل طور تخلیق کا مختار ہے اس میں تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی اس اُخروی زندگی کیلئے کوئی نیک عمل آگے بھیجتا اور تو محض اللہ تعالیٰ کی قدرت پر منحصر ہے یا اللہ تعالیٰ بندے کے ارادہ کرنے پر کہ وہ اپنی قدرت کاسبہ کو عمل میں لائے تو وہ اسے پیدا کرے ورنہ بندے کا تخلیق افعال سے کیا کام ۔

سوال : کبھی فعل سے مجبور آرزو کرتا ہے کہ اگر اسے اس فعل کی قدرت ہوتی یا اس کی توفیق نصیب ہوتی تو ضرور کر گزرتا ۔

جواب : یہ بھی ایک اہم ہے کیونکہ متعدد بار انسان فعل کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کی جانب اپنی قدرت صرف کرکے خیال کرے کہ وہ فعل کی دوسری طرف سے بھی مجبور رہے تو وہ اس کا وہم و گمان ہے کیونکہ ہر ایک کو یقین ہے کہ اگر کوئی اپنی قدرت کو جس طرف بھی افعال اختیاریہ میں صرف کرے تو اسے ضرور حاصل ہو جاتا ہے ، اسی پر تو فلک التکلیف والزام حجۃ گھوم رہے ہیں ۔

فَيَوْمَئِذٍ (تو اس دن) جس دن کہ اقوال و افعال مذکورہ ہوں گے لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ (اس کا سا عذاب کوئی نہیں کرتا اور اس کا سا باندھنا کوئی نہیں باندھتا) ہٗ کا مرجع اللہ ہے اور عذاب بمعنی تعذیب ہے جیسے سلام بمعنی تسلیم ۔ ایسے ہی وثاق (بالفتح) بمعنی ایثاق (بیڑیوں سے باندھنا) وثاق بمعنی وہ شے کہ جس سے باندھا جائے ، لوہا رسّی وغیرہ ۔ ایثاق بمعنی بند کرنا سلاسل و اغلال سے اور ان میں قید کرنا ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے باندھنے کا کوئی متولی نہیں ہوگا سوائے اللہ تعالیٰ کے کیونکہ تمام حکم اسی کے ہیں اس میں وہم تک نہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور عذاب دینے والا ہو ، لیکن یہ ہے کہ اس جیسا اور کوئی عذاب دینے والا نہیں ۔

ف : غیل المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی اور عذاب نہیں دے سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں ،

اور یہ بھی جائز ہے کہ ہٗ ضمیر انسان کی طرف لوٹے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ انسان کو زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) جیسا اور کوئی عذاب نہ دے گا۔ یہ دونوں قرائیں کسائی کی ہیں اور یعقوب نے اسے بہ بنا رمفعول پڑھا ہے، اور کشاف میں ہے کہ یہ قرأت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور عن ابی عمرو کہ آخری عمر میں اسی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انسان کو عذاب کرنے جیسا اور کسی کو نہ ہوگا۔

ف : اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابلیس سے بھی انسان کو سخت تر عذاب ہو لیکن اس کا جواب یہ ہو کہ یہ بہ نسبت عاصی مومن کے ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے دارین کی سلامتی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں)

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (اے اطمینان والی جان)

ربط : جب اللہ تعالیٰ نے نفس امارہ کی شقاوت بیان فرمائی تو اب نفس مطمئنہ کی سعادت کا ذکر فرمایا۔

حل لغات : الاطمینان بمعنی اضطراب کے بعد سکون) اور نفس کو سکون اس وقت نصیب ہوتا ہے جب یقین و معرفت و شہود کی آخری منزل تک پہنچے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (خبردار ذکر الٰہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں) میں تنبیہ ہے کہ وہ عبادت الٰہی کی کثرت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب ذکر الٰہی سے دل مقامِ اطمینان تک پہنچتا ہے تو وہ شخص مقام تلوین فی التکوین میں احکامِ طبعیہ و آثار بشریہ کی طرف رجوع سے امن والا ہو جاتا ہے اس لیے فانی اپنے اوصاف کی طرف نہیں لوٹتا جو مقام ترقی میں متمکن ہو وہ مقام نفس امارہ کی طرف تنزل سے چھوٹ جاتا ہے۔

ف : التعریفات میں ہے کہ نفس مطمئنہ وہ ہے جو نورِ قلب سے منور ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ صفاتِ ذمیمہ سے خالی ہو کر اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہے۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ نفس جو میرے ذکر میں آرام گرفتہ اور میری نعمتوں پر شاکر اور میری تکلیف پر صابر تھا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے اکرام میں اس سے خود ہمکلام ہو کر فرمائیگا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا یا فرشتے کے ذریعے فرمائے گا، حساب کی تکمیل کے بعد فرمائے گا اے نفس مطمئنہ **ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ** (اپنے رب تعالیٰ کی طرف واپس ہو) اس کی طرف جس کا تجھے وعدہ دیا گیا کرامتِ قُرب کا۔ کیونکہ انسان کی منتہائے غایت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور وہ اسی اعتبار سے ہے اس سے مجسمہ (فرقہ) کا تمسک (استدلال) ساقط (بے اعتبار) ہے۔

صوفیانہ استدلال اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ روح کی تخلیق مقدم ہے۔ رجوع بمعنی عود سے ہی صوفیہ کرام رحمہم اللہ کا استدلال ہے۔

رَاضِيَةً یوں کہ تو اس سے راضی (دائمی نعمتوں کے دئے جانے پر) مَّرْضِيَّةً وہ تجھ سے راضی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي میرے خاص بندوں میں داخل ہو، میرے مخلص مخصوص بندوں کے زمرہ میں وَادْخُلِي جَنَّتِي (اور میری جنت میں آ) ان کے ساتھ، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

وادخلنی برحمتك فی عبادك الصالحين. اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالحین بندوں میں داخل فرما۔

ان کے ساتھ جنت میں اور ان کے درجات میں داخل ہو اور یہ سعادت جسمانیہ ہے۔

ف: بعض نے کہا نفس سے روح مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میرے بندوں کے ان اجسام میں داخل ہو جن سے تو جدا ہوئی اور میری دار الثواب میں داخل ہو۔ اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جس نے کہا کہ یہ خطاب قبور میں سے اُٹھنے کے وقت ہوگا۔

ف: بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ موت کے وقت ہوگا جیسا کہ مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) عنقریب یہی کلمات تمہیں موت کے وقت فرشتہ کہے گا۔

ف: حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کی رُوح قبض کرنے کا ارادہ فرمائیگا تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن ہو کر حاضر ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی۔

مومن کی موت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب بندۂ مومن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے جو اس کے لیے جنت کا تحفہ لاتے ہیں اسے کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ چل روح و ریحان کی طرف اور تجھ سے تیرا رب راضی ہے۔ تو وہ نہایت اچھی خوشبو سُونگھ کر نکلتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ناک سے خوشبو سونگھ کر محسوس کرتا ہے۔ اور آسمان کے کناروں سے فرشتے کہتے ہیں کہ زمین سے روح طیبہ اور نسمہ طیبہ آرہا ہے جس دروازے سے گزرتا ہے وہ اس کیلئے کھول دیا جاتا ہے کسی فرشتے کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اسے دعائیں دیتا ہے یہاں تک کہ اسے رب رحمٰن تعالیٰ کے ہاں پیش کرتے ہیں اور اسے ایک مقامِ مخصوص پر پہنچاتے ہیں جو کرامات کے مقامات میں سے ایک ہے وہ روح اللہ کو سجدہ کرتی ہے پھر میکائیل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ اسے نفیس ترین اہلِ ایمان میں شامل کر دے اس کے بعد اس کے لیے حکم ہوتا ہے کہ اس کی قبر وسیع تر کر دو اس کی قبر ستر ہاتھ عرض میں ستر ہاتھ طول میں وسیع ہو جاتی ہے اس کی قبر میں ریحان ڈالی جاتی ہے اگر اس کے پاس کچھ قرآن کا حصہ ہے یعنی دنیا میں

اسے حفظ کیا تو اس کا نور ہی اس کے لیے کافی ہے ورنہ اس کی قبر میں سورج جیسا نور پیدا کیا جاتا ہے اس کی مثال اس دلھن کی سی ہوتی ہے جو دولھا کے انتظار میں سوتی ہے جسے اس کا محبوب ہی آکر جگاتا ہے۔

کافر کی موت

جب کافر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا بھی بھیجا جاتا ہے جو ہر بدبودار شے سے زیادہ بدبودار اور سخت شے سے سخت تر اسے کہا جاتا ہے اے خبیث! نفس جہنم کے دردناک عذاب کی طرف چل اور تجھ پر تیرا رب تعالیٰ ناراض ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی موت کا منظر

حضرت سعید بن جبیر (تابعی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موت طائف میں واقع ہوئی اور میں بھی ان کے جنازہ کے وقت موجود تھا، دیکھا کہ ایک پرندہ آیا اور آپ کے کفن میں داخل ہوا لیکن باہر نہ نکلا پھر جب ہم نے انہیں قبر انور میں داخل کیا تو آواز آرہی تھی لیکن نظر کوئی نہیں آتا تھا وہ آواز یہی تھی یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ ارْجِعِی الخ۔

ف : اللہ یتوفی الانفس حین موتہا (نفسوں کو اللہ تعالیٰ خود فوت کرتا ہے اس کی موت کے وقت) سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خوش بختوں کی روحیں اللہ تعالیٰ خود قبض کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) بعض اہلِ اشارہ (صوفیہ کرام) نے فرمایا کہ وہ نفس جو دنیا میں مطمئن تھا اب اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر اور آخرت کے راستہ پر چل کر میرے اخروی بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت صوریہ و معنویہ میں آ ؂

اے باز ہوا گرفت باز آی دمرو
کز رشتۂ تو سری در انگشت منست

ترجمہ : اے باز خواہشات کا گرفتار لوٹ آ ادھر نہ جا کہ تیرے دھاگے کا سرا میرے قبضے میں ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اے وہ نفس کہ جس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور جو نور یقین سے منور ہے اور وہ اضطراب سے اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن ہے اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ حالت رضا میں یعنی جب تیرے لیے صفات کا کمال مکمل ہو جائے تو اس پر نہ ٹھہر بلکہ ذات کی طرف رجوع کر حال رضا میں کہ وہی مقام صفات کا کمال ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا نہیں ہوتا جب تک اللہ بندے سے راضی نہ ہو جیسے فرمایا ، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) پھر داخل ہو جا میرے ان بندوں میں جو میرے مخصوص ہیں یعنی توحید ذاتی والوں میں اور میری جنت خاص میں آ وہ ہے جنۃ اللذات۔

(۳) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع اس میں فنا پا کر منازل و مقامات طے کر کے راضی ہو نتائج السلوک الی اللہ اور سیر فی اللہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہو کر بقاء کی خلعت پہن کر داخل میرے ان بندوں میں جو میرے ہیں اور میری صفات میں بقاء والے ہیں اور میری ذات کی جنت میں آ اپنی ذات و انانیت کو فنا کر کے۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ سورۃ و الفجر کی تفسیر سے ذوالمنن و الحجر کی مدد سے مولد نبوی کے اواخر میں ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورہ و الفجر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۸ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۸۹ء شب اتوار فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)

سُوْرَةُ البَلَد

آیاتها ٢٠	(٩٠) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (٣٥)	رکوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ○ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ○ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ○ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ○ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ○ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ○ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ○ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ○ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ○ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ○ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد کی کہ تم ہو بیشک ہم نے آدمی کو مشقت میں رہتا پیدا کیا، کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہرگز اس پر کوئی قدرت نہیں پائے گا کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کردیا، کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اُسے کسی نے نہ دیکھا کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ، اور اسے دو اُبھری چیزوں کی راہ بتائی پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا، اور تو نے کیا جانا وہ گھاٹی کیا ہے، کسی بندے کی گردن چھڑانا یا بھوک کے دن کھانا دینا رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو، پھر ہو ان سے

جو ایمان لائے اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں یہ دہنی طرف والے ہیں اور جنہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا وہ بائیں طرف والے، ان پر آگ ہے کہ اس میں ڈال کر اوپر سے بند کر دی گئی۔

سورۃ البلد کی بیس آیات ہیں مکیہ یا مدنیہ ہے سوائے پہلی چار آیات کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (مجھے اس شہر کی قسم) بلد الحرام کی قسم یاد فرمائی یعنی مکہ معظمہ کی۔ لا صلہ کا کلمہ ہے اس پر دلیل ہے وہ آیت جو سورۃ التین میں البلد الامین کی قسم یاد فرمائی ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ لا قسم کی تاکید کے لیے ہے، جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

لا واللہ ما فعلت کذا الا واللہ لا فعلن کذا۔ بخدا ایسا کام میں ہرگز نہ کروں گا۔

حل لغات: البلد مکان محدود ساکنین کے اجتماع سے متاثر اور ان کا اس میں مقیم ہونا۔ اس کی جمع بلاد و بلدان آتی ہے مکہ معظمہ کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اس کی فضیلت کی وجہ سے، کیونکہ حرم امن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ اور آپ کے اب گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے جدِ امجد سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا بسیرہ ہے اور اسے مشرق و مغرب (شمال و جنوب) کا قبلہ بنایا اور بیت ہے حج کا اور عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ، اور بیت المعمور اس کے مقابل ہے۔

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ یہ مقسم بہ سے حال ہے اور انت کا خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرآن مجید میں چار ہزار نام پاک مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ہزار نام گنائے ہیں کہیں صراحۃً کہیں کنایۃً۔

حلِ لغات الحل بمعنی الحال (مقیم) از حُلُول (نزول) یعنی در انحالیکہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ تشریف فرما ہیں مکہ معظمہ میں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکہ معظمہ میں رونق افروز ہونے کی قسم یاد فرمانا آپ کی فضیلت کا اظہار ہے کہ وہ خود بھی شرافت والا ہے لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف فرما ہونے سے اسے اور چار چاند لگ گئے۔

قاعدہ کسی مکان کی شرافت (بزرگی) ذاتی نہیں ہوتی مکین کی وجہ سے ہوتی ہے، مکہ معظمہ ہو یا کوئی اور مکان۔ اس کی اگر کوئی شرافت ہو تو مکین کی وجہ سے۔ اور مزید مشرف ہو جانا۔

قدم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک جہاں پہنچے جیسے مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ وغیرہما اس مکان وجگہ کی حرمت وعظمت کی محافظت کی جائے۔[1]

ف: اسی لیے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا کہ وہ آپ کی وجہ سے طیب اطیب ہوا اور اس میں آپ اقامت پذیر ہوئے۔ اس میں اہلِ مکہ کو تعریض ہے کہ وہ اپنی جہالت سے کتنے ہیں کہ (معاذ اللہ) وہ یہاں سے اسے نکال دیتے ہیں جو اس میں مزید شرافت رکھتا ہو اور اسے ایذاء دیتے ہیں۔

اے کعبہ را ز یمن قدوم تو صد شرف ۔۔۔ وے مردہ را ز مقدم پاک تو صد صفا

بطحا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ ۔۔۔ یثرب ز خاک نو با رونق و نوا

ترجمہ: اے محبوب مدینہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی تشریف آوری سے کعبہ کو صدہا شرافتیں نصیب ہوئیں اور مُردے کو آپ کی آمد پاک سے ہزار صفائی (زندگی) ملی آپ کی طلعت نورانی سے بطحا کو فروغ ملا۔ یثرب (مدینہ کا پہلا نام) کو آپ کی خاکِ پا سے رونق وعزت ملی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں وجودِ انسانی کے مکہ شہر اور اس میں مقیم بجانبِ بائیں رسول قلب کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ **وَوَالِدٍ** تمہارے باپ کی قسم، اس کا عطف ھذا البلد پر ہے۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور تنکیر تفخیم کی ہے **وَّمَا وَلَدَ** اور اس کی اولاد کی، اور وہ جو جنا، یعنی اسماعیل علیہ السلام، کیونکہ وہی آپ کے صاحبزادہ ہیں بلاواسطہ اور حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں بواسطہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اس معنیٰ پر دو جگہوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے۔

---

[1] ترک بادشاہوں نے اس پر خوب عمل فرمایا حرمین طیبین میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ آثار و تبرکات کی خوب حفاظت کی لیکن جب سے نجدیوں نے وہاں قدم جمایا ہے تمام تبرکات کو مٹا دیا ہے۔ فقیر نے "قدم النبی" پر ایک رسالہ لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

نکتہ : مَن کی بجائے مَا فرمایا کہ اس میں تعجب کا معنیٰ ہوتا ہے، اس پر تعجب دلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو کمال بخشا ہے جیسے تعجب کے معنیٰ کو واللّٰہ اعلم بما وضعت (اللہ خوب جانتا ہے اس کو جسے جنا) میں بیان فرمایا کمال کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو بخشا۔ یا والد سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ما ولد سے آپ کی اولاد، یہی زیادہ موزوں ہے مضمون جواب کے لیے تفخیم جو کلمہ ما سے حاصل ہے اس میں تغلیب کا اعتبار ضروری ہے یہ وصف الکل بوصف البعض کے قبیل سے ہے یا اس معاملہ سے تعجب دلانے کے لیے ہے جس میں تمام شریک ہیں جیسے نطق و بیان اور صورت بدیعہ (عجیبہ) وغیرہ۔

جملہ اُمت کے باپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

(۱) بعض نے کہا کہ والد نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور ما ولد سے آپ کی اُمتِ مرحومہ مراد ہے۔

(۲) خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی فرمایا کہ:

انما انا لکم مثل الوالد أعلمکم امر دینکم۔ — میں تمہارے لیے باپ کی مانند ہوں میں تمہارے دینی معاملات خوب جانتا ہوں۔

(۳) آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا:

انا و انت ابوا هٰذه الامة۔ — میں اور تم اس اُمت کے باپ ہیں۔

(۴) اسی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:

کل سبب و نسب ینقطع یوم القیامة الاسببی و نسبی۔ — ہر سبب و نسب قیامت میں منقطع ہو جائیگا سوائے میرے سبب و نسب کے۔

ف : سبب سے دین اور نسب سے تقویٰ مراد ہے۔

(۵) خود اللہ تعالیٰ نے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اہلِ ایمان کا باپ فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا:

لہ اسے خوارج تو شاید نہ مانیں لیکن روافض سے خلافت بلافصل کی دلیل بنالیں تو اس کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں ابوّت سے تربیت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد خلافت ثلاثہ تک صحابہ کی جماعت بکثرت رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ولایت کی تربیت کا سلسلہ جاری ہوا اور اسی سلسلۂ ولایت کی تربیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ابوالامۃ ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔ — نبی علیہ السلام اہلِ ایمان کے قریب تر ہیں ان کی جانوں سے، اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔

اور بعض قرآآت میں ہے:

وھواب لھم (اور آپ ان کے باپ ہیں)

اور ظاہر ہے کہ ازواجِ مطہرات کا مائیں ہونا آپ کے باپ ہونے کو مستلزم ہے۔

(۶) قاعدہ ہے کہ جو کسی شے کی ایجاد و اصلاح یا ظہور کا سبب ہو وہ اس شے کا اب کہلاتا ہے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا من اللہ والمؤمنون من فیض نوری۔ (ج ۱۰، ص ۴۳۴) — میں اللہ سے ہوں اور مومنین میرے فیض نور سے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے امت کی قسم یاد فرمائی کہ اس کی فضیلت کی وجہ سے، اور اس کی فضیلت میں فرمایا:

وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً۔ — اور ہم نے تمہیں امتِ وسط (فضیلت والی) بنائی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ابراہیم روح کی طرف اور اسمٰعیل سِرّ کی طرف، یا رُوح (آدم) اور سِرّ (ابراہیم) کی طرف اشارہ ہے یا روح القدس جو نفوس انسانیہ کا حقیقی اَب ہے کی طرف اشارہ ہے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

انی ذاھب الی ابی وابیکم السماوی۔ — میں اپنے اَب اور تمہارے سماوی اَب کی طرف جانے والا ہوں۔

اور فرمایا:

تشبھوا بابیکم السماوی۔ — اپنے آسمانی باپ سے مشابہت اختیار کرو۔

اور ما ولد سے نفس مراد ہے جو روح القدس کا مولود ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے روح قدس اور نفس ناطقہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (بیشک ہم نے انسان کو مشقت میں رہتا پیدا کیا) جواب قسم ہے۔

حلِ لغات: کہا جاتا ہے: کبد الرجل کبدا (مرد کے جگر میں درد ہوا اور سوج گیا) جب جگر کو

کوئی صدمہ پہنچے، جیسے کہا جاتا ہے : ذکرتہ (میں نے اس کا ذکر کاٹا) اور رأیتہ (میں نے اسکا پھیپھڑا کاٹا) پھر وسعت دے کر ہر دکھ درد اور مشقت میں اس کا استعمال ہوتا ہے اسی سے مکابدۃ ہے بمعنی شدت و مشقت کا نشانہ ہونا اور مبتلا ہونا۔ فی کبد الانسان سے حال ہے بمعنی مکابد، اور حرف فی و لام متقارب ہیں ۔ جیسے کہا جاتا ہے : انما انت للعناء والنصب (تو دکھ درد اور مشقت کے لیے ہے) وانما انت فی العناء والنصب (تو دکھ درد اور مشقت میں ہے) (ایک ہی مطلب ہے) اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ فی کبد والالت کرتا ہے کہ اسے دکھ درد ایسے محیط ہے جیسے ظرف مظروف کو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بیشک ہم نے انسان کو دکھ اور درد اور مشقت میں پیدا کیا باوجودیکہ وہ ضعیف ترین مخلوق ہے اور یہ کہ ہمیشہ گوناگوں تکالیف اور مشقتوں کا نشانہ بنا رہتا ہے اس کا مبدا رحم کی ظلمت اور تنگی اور منتہیٰ موت اور اس کے مابعد کے شدائد و تکالیف، جتنا ابن آدم بلایا و مصائب و تکالیف میں گھرا رہتا ہے اتنا اور کوئی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ لفظ کبد میں تمام دنیا کے شدائد شامل ہیں انسان کی پیدائش کے وقت ناف کاٹنے سے لے کر کفن میں محبوس ہونے تک، ایسے ہی ختنہ کی تکلیف اور اس کے درد اور تکلیف، ایسے ہی معلم (استاد) کی مار اور اس کی ہیبت، اور ایسے ہی تزوج (نکاح و بیاہ) اور اولاد اور خدام اور گھریلو مشاغل، پھر بڑھاپا اور زندگی کے لمحات بڑھاپے کی منزل میں یہ جملہ مصائب و مصائب ہی ہیں اور زندگی میں کتنے مصائب و مشکلات ہوتے ہیں جن کا شمار نا ممکن ہے مثلاً دردِ سر، داڑھوں کا درد، موسم کے لحاظ سے آنکھوں کی دردوں میں مبتلا ہونا بیَن کا غم اور الم وغیرہ وغیرہ، ایسے ہی شدائد و تکالیف میں شامل ہے نعمتوں پر شکر تکالیف میں صبر ایسے ہی ادا عبادات پر مشقت اور تکلیف جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج و جہاد اس کے بعد موت کی شدت اور نکیرین کے سوالات وظلمۃ القبر پھر قبر سے اٹھنا، محاسب فرشتے کے سامنے پیش ہونا یہاں تک کہ قرارگاہ تک پہنچے بہشت یا دوزخ میں، جیسے فرمایا :

لترکبن طبقاً عن طبقٍ (ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے)

ف : امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ) نے فرمایا دنیا میں لذت کا کوئی تصور نہیں جسے لوگ لذت تصور کرتے ہیں وہ دراصل دکھ درد سے خلاصی ہے۔ مثلاً کھانے میں لذت بھوک کے درد و الم سے اور لباس پہننے میں گرمی و سردی سے چھٹکارا پانا ہے کیونکہ انسان کو یا درد و الم ہے یا اس سے چھٹکارا۔

ف : اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے اس سے جو آپ کو کفار مکہ سے تکالیف وغیرہ پہنچتی تھیں۔

---

[1] حلقوم کا نچلا حصہ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان تعین وجودی کی قید میں مقید ہے تعین و تقیید کے دکھوں میں پیدا کیا گیا ہے اور اس سے مطلق اور نور مطلق سے محرومی ہے اور یہی سب سے بڑا دکھ اور تکلیف ہے اس لیے کہ تعین کی قید کا قیدی حرمان مطلق کے عذاب میں مبتلا ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس دکھ اور تکالیف میں مبتلا فرمایا جو اسے نفس و ہوا اور مرض باطن اور فساد قلب اور غلیظ حجاب سے پہنچے گا اس لیے کہ کبد دراصل جگر کا وہ گاڑھا پن ہے جو قوتِ طبیعیہ کے مبدا میں ہے اور اس کا فساد اور فساد القلب اور اس کا حجاب اسی قوت سے ہے غلظ الکبد حجاب القلب کے گاڑھے پن (غلظ) اور مرض الجہل کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَیَحْسَبُ (کیا انسان گمان میں ہے) یہ ضمیر ان قریش مکہ کے سرداروں کی طرف راجع ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکالیف اور مشقتیں پہنچتی تھیں جیسے ولید بن مغیرہ اور اس جیسے دوسرے۔ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ (کہ ہرگز اس پر کوئی قدرت نہیں پائے گا) ان مخففہ از ثقیلہ ہے اپنے اسم و خبر سے مل کر حسبان کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یعنی انسان کا خیال ہے کہ امر اور شان یہ ہے کہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ اس سے بدلہ لے سکے اس کا یہ گمان حجاب کے غلظ (گاڑھے پن) سے اٹھ رہا ہے اور مرض قلبی سے، اور یہ اس کا خیال و گمان فاسد ہے اس لیے کہ اللہ احد (جل جلالہٗ) اس پر قادر اور غالب ہے اور انتقام لے سکتا ہے۔

یَقُوْلُ کہتا ہے وہی گمان کرنے والا رعونت اور غلط خیالی سے اَهْلَكْتُ (میں نے فنا کر دیا) خرچ کیا۔ یہ عرب کے اس محاورے سے ہے، خسرت علیہ کذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی پر خرچ کرے۔ مَالًا لُّبَدًا ڈھیروں مال۔

حلِ لغات : تلبد الشیٔ بمعنی اجتمع (جمع ہوئی) سے ہے اس سے اس کی مراد بکثرت فخر و ریاء و شہرت کے ارادہ سے خرچ کرنا ہوتی اور اہلِ جاہلیت ایسے خرچ کرنے کو مکارم (اچھی عادات) سمجھتے بلکہ اسے معالی (بلند ہمتی اور رفیع القدر) و مفاخر (قابلِ فخر امر) کہتے۔

ف : لفظ اهلاك میں درحقیقت اس کے ضائع ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ایسے خرچ کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

عبد اللہ بن جدعان کے متعلق فتویٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عبد اللہ بن جدعان دورِ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا مساکین کو کھانا کھلاتا۔ میں نے اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو فرمایا کہ اسے

کوئی نفع نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے کبھی نہ کہا :

رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین۔ اے اللہ! قیامت میں میرے گناہ بخش دینا۔

اَیَحْسَبُ (کیا انسان سمجھتا ہے) وہ احمق فخر و ناز کرنے والا اَنْ کہ بات یہ ہے کہ لَّمْ یَرَهٗٓ اَحَدٌ (اسے کسی نے نہ دیکھا) جب وہ خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے سوال نہ کرے گا اور نہ اسے سزا و جزا ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھا اور اس کی خباثت نیت کو اور اس کی اندرونی بدباطنی کو جانا اور وہ اس پر اسے سزا دے گا۔

مسئلہ : مذکورہ بالا قسم کے اخراجات اور جو فخر و مباہات سے ہو رذیل و خبیث اخراجات ہیں تو پھر انھیں جاہل کافر کیسے فضیلت دیتا۔

حدیث شریف میں ہے :

لا تزول قدما العبد یوم القیامۃ حتی یسأل عن اربع عن عمرہ فیم افناہ وعن مالہ من این کسبہ وفیم انفقہ وعن عملہ ماذا عمل وعن حبہ اُھل البیت۔

(بندے کے قدم قیامت میں نہ جم سکیں گے جب تک اس سے (مندرجہ ذیل) چار سوال نہ ہوں گے :

(۱) عمر کہاں خرچ کی ،

(۲) مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا ،

(۳) عمل کے بارے میں کہ کیسے عمل کئے (نیک یا بد)

(۴) اہلبیتِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کی یا نہ)[1]

---

[1] یہ جملہ خوارج زمانہ (وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی) کے لیے تیغِ براں ہے کہ انھیں اہلبیت کرام سے ایسے ہی بغض ہے جیسے عبدالرحمٰن ابن ملجم اور شمر وغیرہ کو تھا (الا ماشاء اللہ) اور روافض اس سے خوش تو ہوں گے لیکن وہ خوشی غلط ہے کہ کہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت غیر ضروری ہے (لاحول ولا قوۃ) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہلبیت کی تخصیص کرنا صرف خوارج کے رد میں ہے کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ اہلبیت کرام سے بغض کرنے والے پیدا ہوں گے اور وہ ان کی محبت کو شرک اور بدعت کہیں گے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلبیت کرام کی طرح صحابہ عظام کی محبت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِ (کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں)

آنکھوں کے فوائد (۱) ان سے انسان آسمان تک دیکھتا ہے یہاں تک آنکھ جھپکنے سے پہلے ان نجوم عالیہ کو دیکھتا ہے جو یہاں سے ہزاروں میل دُور ہیں۔

(۲) ان سے نفع ونقصان کا امتیاز کرتا ہے۔

(۳) ان سے چہرۂ عالم دین (اہلسنت) کی زیارت کرکے شرفیاب ہوتا ہے۔

(۴) ان سے مصحف کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

(۵) ان سے شواہد کا نظارہ کرتا ہے۔

(۶) اسئلۃ الحکم میں ہے کہ آنکھ بدن کو آفات سے بچاتی ہے۔

(۷) یہ آئینہ کی طرح روشن ہے کہ جو شے بھی اس کے بالمقابل ہو گی اس کی صورت اس میں مرتسم (منقوش) ہوجائیگی باوجودیکہ وہ دیکھنے والا حصہ نہایت چھوٹا ہے یعنی وہ محض حدقہ (پتلی) شحمہ (چربی) ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو سریع الحرکۃ (تیز رفتار) بناکر اس کے اوپر اجفان (پردے) اور اہداب (پلکیں) بالوں کی بنادیں تاکہ اسے چھپائے رکھیں، جیسے پرندوں کے پر کہ ان کے کھلنے اور بند ہونے کے وقت کھیون اور ہوام (چھوٹے چھوٹے موذی پرندے، پتنگے وغیرہ) سے محفوظ رکھیں۔

(۹) آنکھ سر میں ایک جلیل القدر عضو ہے کیونکہ وہ چراغ ہے جو منارہ پر ہوتا ہے اسے دو بنایا ایک سورج ہے تو دوسری چاند، کیونکہ یہ دونوں تعین دنیوی کی دو آنکھیں ہیں ان کے اوپر دو ابر سیاہ (اور سفید) رکھے ہیں تاکہ آنکھ کی روشنی کو نقصان نہ ہو اس لئے طبی اصول ہے کہ سیاہی میں سفیدی کو دیکھا جائے تو بینائی تیز ہوجاتی ہے۔

حکایت ذوالقرنین نے اسکندریہ (شہر) تیار کیا تو اس کا فرش سفید سنگِ مرمر کا بچھوایا بلکہ اس کی دیواریں بھی، لیکن وہاں کے مکینوں کو سیاہ لباس پہننے کا حکم تھا تاکہ سنگِ مرمر کی چمک آنکھ کی روشنی کو نقصان نہ دے۔

ف: اسی لیے راہبوں کا لباس سفید ہوتا ہے اس لیے کہ سفیدی کی طرف دیکھنا (ہر وقت) آنکھ کی بینائی کو کمزور کرتا ہے۔

سیاہ سُرمہ کا فائدہ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثمد (سیاہ سُرمہ) آنکھ میں لگانے کا حکم فرمایا ہے کہ وہ بینائی کو تیز کرتا ہے اور حدقہ اپنی جگہ پر متحرک بنایا گیا تاکہ دائیں بائیں متحرک ہوکر گردن مروڑے بغیر دیکھا جاسکے، دونوں آنکھوں کی بینائی کو عرضاً

خطِ مستقیم پر رکھا گیا ہے ان میں نہ اُونچ ہے نہ نیچ، تاکہ دیکھتے وقت دونوں برابر دیکھیں تاکہ اسے نظر آنیوالی ایک شے دو نظر نہ آئیں، دو آنکھیں رکھنے میں دلالت ہو کہ ان ظاہری آنکھوں کی طرح ایک باطنی آنکھ بھی ہے اس لیے لازم ہے کہ دونوں کی محافظت کی جائے کیونکہ دونوں آنکھوں سے دیکھنا ایک کے دیکھنے کو مکمل تر ہے۔

وَلِسَانًا (اور زبان) جس سے دل کی بات بتاتا ہے، اسی سے معاملات منعقد ہوتے اور شہادت حاصل ہوتی ہے اور طعوم کا ادراک ہوتا ہے کہ میٹھے ہیں یا کڑوے۔ اگر زبان نہ ہوتی تو انسان اشاروں کنایوں سے کام لیتا یا لکھنے سے، تو کام مشکل ہو جاتا۔

نکتہ: کان، آنکھ دو دو اور زبان ایک۔ اس لیے کہ بولنے کی بہ نسبت دیکھنا سننا انسان کا زیادہ ہوتا ہے علاوہ ازیں اس میں تنبیہ ہے کہ انسان بہت کم بولے سوائے خیر و بھلائی کے زبان نہ کھولے اور نہ ہی فضول بات کرے اس میں راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان منہ کے اندر بنائی اور ہونٹ کہ جن کے کھولے بغیر کلام نہیں ہو سکتا باہر بنائے تاکہ انسان کلام کے جواب میں ہونٹ بند کر سکے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ منہ میں کنکری رکھتے تھے تاکہ فضول کلام نہ کریں۔ (امام شعرانی قدس سرہٗ نے یہ روایت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب فرمائی ہے (تنبیہ المفسرین۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ اس میں لسانِ قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مفاوضہ قلبیہ سے بولتا ہے انسان جیسے باطنی آنکھ کو باطل کر دیتا ہے ایسے ہی تکلم باطنی قلبی استعداد کو بھی۔

تفسیر عالمانہ وَّشَفَتَيْنِ (اور دو ہونٹ) جن سے منہ کو چھپاتا ہے جب بولنے کا ارادہ کرتا ہے پھر جب بولنا، کھانا پینا اور پھونکنا چاہتا ہے تو ان سے مدد لیتا ہے۔

ف: سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہونٹ اکثر حروف کا مخرج ہے۔

ف: دُعا میں ہے:

الحمد لله الذی جعلنا ننطق بلحم و نبصر بشحم ونسمع بعظم۔	تمام تعریفیں اس کے لیے جس نے ہمیں ایسا بنایا کہ گوشت سے بولیں اور چربی سے بولیں اور ہڈیوں سے سُنیں۔

ف: ایک اور صاحب نے اسے یُوں ادا کیا ہے کہ صانع حکیم نے منہ پر ہونٹوں کا پردہ دو طرفہ ایسا لٹکایا جو ضرورت کے وقت بند ہو جاتے ہیں اور ان سے مشروب کو چُوسا جاتا ہے اور اوپر ہونٹ کو محیط بنایا تاکہ اس شے کو دور رکھے جو پینے کی شے میں ہو جیسے چھلکا اور خس وغیرہ کہ کہیں پینے کی شے کے ساتھ منہ میں

نہ جائے۔

قدسی حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

ابن آدم ان نازعك لسانك فيما حرمت عليك فقد اعنتك بطبقتين فاطبق وان نازعك بصرك الى بعض ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقتين فاطبق وان نازعك فرجك الى ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقتين فاطبق۔

اے ابن آدم! اگر تیرے ساتھ تیری زبان جھگڑے اس امر میں کہ جس سے میں نے منع فرمایا تو اسے دو ہونٹوں سے بند کر دے اگر تیرے ساتھ تیری آنکھ جھگڑے اس امر میں جو میں نے تجھ پر اس کا دیکھنا حرام کیا ہے تو میں نے تیری مدد کے لیے دو پردے عطا کیے ہیں ان سے آنکھ بند کر دے اگر تیرے ساتھ فرج جھگڑا کرے تو میں نے دو طبقوں سے تیری مدد کی ہے ان سے اسے بند کر دے۔

ف: اخبار میں ہے کہ فرج اور کان اور ہاتھ اور پاؤں امانت ہیں اور لاایمان لمن لا امانۃ لہ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندہ! میں نے تجھے دو آنکھیں پاک امانت دے رکھی ہیں تو انہیں ناپاکی میں ملوث کرتا ہے اس کے آثار کے تقدس اس سے اُٹھ جائیں اور خبیث ہوگئیں اس کے بعد کیا تو چاہتا ہے کہ تُو میرے مقدس دیدار سے سرشار ہو یہ بعید از قیاس ہے ہم پاک ہیں اور پاک کو پاک نگاہ چاہیے کیونکہ الطیبات للطیبین میرا فیصلہ ہے۔ اور تجھے دو کان عطا فرمائے تاکہ تو اس سے دو خزانے بنا سکے اور آثار وحی کے موتی اس میں محفوظ کر سکے اور کل مجھے پاک وصاف کر کے سپرد کر سکے لیکن تو نے انہیں جھوٹ کا مرکز اور اصوات خبیثہ کا رہگزر بنا دیا اور ہماری ندا تو پاک ہے سوائے پاک کان کے نہیں سُنتا آج قیامت میں پاک کان لا اور پھر ندا سُن۔ اسی طرح تجھے میں نے زبان دی تاکہ تو میرے ساتھ راز کی باتیں کر سکے خلوت میں، اور قرآن پڑھے عبادت میں اور اس پر صدق کی باتیں بولے اور میرے دوستوں سے گفتگو کرے لیکن تو نے زبان کو غیبت کا بچھونا اور روزمرہ جنگ وجدل اور خصومت کا دفتر بنا لیا آج قیامت میں تُو میرے ساتھ کس زبان سے بات کرے گا۔

(۱)	زبان آمد از بہر شکر وسپاس	بغیبت نگرداندش حق شناس
(۲)	گذرگاہ قرآن و پندست گوش	بہ بہتان وباطل شنیدن مکوش

(۳) درچشم از پے صنع باری نکوست ۔۔۔ زعیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ: (۱) زبان شکر و سپاس کے لیے ہے تُو غیبت میں اے حق شناس! صرف نہ کر۔

(۲) قرآن و نصیحت کی گزرگاہ کان ہیں تُو بہتان اور باطل سُننے کی کوشش نہ کر۔

(۳) دو آنکھیں صنعتِ باری تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے ہیں کسی کے عیب دیکھنے میں ضائع نہ کر انھیں ہمیشہ نیچی رکھ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں لسانِ قلب و لسان سر کے دو ہونٹوں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (اور ہم نے اسے دو اُبھری چیزوں کی راہ بتائی) اس کا عطف الم نجعل پر ہے کیونکہ وہ مآل کے لحاظ سے جملہ مشتبہ ہے یعنی اسے تمہارے لیے بنایا اور ہم نے ہدایت دی خیر و شر کی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هما النجدان نجد الخير و نجد الشر فلا يكن نجد الشر أحب اليكم من نجد الخير۔	نجدان سے نجد الخیر و نجد الشر مراد ہے تمہیں نجد خیر کے بجائے نجد شر سے محبت نہ ہو۔

ف: یا نجدین سے مراد پستانوں کے دُو راستے مراد ہیں کیونکہ وہ دُو راستے اُبھرے ہوئے ہیں دُودھ کیلئے اور بچے کی زندگی کے دو اسباب ہیں اور عاجز بچے ماں کے دودھ پینے پر قدرت پانے کے موجب ہیں کہ پیدا ہوتے ہی اسے ان پر قدرت دی جاتی ہے اور یہی اس کے لیے سب سے روشن نعمت ہے ؎

نہ طفل بستہ بودے ز لاف ۔۔۔ ہمی روز سے آمد بجوفت زناف

چو نافش بریدند و روزی گسست ۔۔۔ بہ پستان مادر در آویخت دست

ترجمہ: لاف (گفتگو سے) تو بند تھا جب تک تو بچہ تھا تجھے روزی بھی پیٹ میں ناف سے پہنچتی تھی جب تیری ناف کٹی تو تیری روزی ختم ہوئی، پھر تو نے پستان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

حل لغات دراصل نجد اونچے مکان کو کہا جاتا ہے۔ خیر بمنزلہ اونچے مکان کے ہے بخلاف شر کے کروہ زروۂ فطرت سے حضیض الشقاوۃ کو مستلزم ہے لیکن یہاں کا استعمال

بطریق تغلیب کے ہے یا اس لیے کہ شر قوتِ واہمہ میں مکان مرتفع کی صورت میں مصوّر ہے اسی لیے اسے ہر شے کے ترقی تک پہنچنے کے لیے نجد استعمال ہوتا ہے۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا چونکہ دلائل خیر و شر کے ہر ایک کے سامنے واضح ہو چکے ہیں اسی لیے ان دونوں کو نجدین کہا گیا بسبب ان کی وضاحت کے عقول میں اس واضح راستے کی طرح جو آنکھوں کے لیے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں نجد روح و قلب کی طرف اشارہ ہے کہ انسان نے دونوں راستوں کو غلبۂ نفس علی الروح اور غلبۂ ہوٰی علی القلب سے باطل کر دیا۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا)

حلِ لغات : الاقتحام امر شدید میں داخل ہونا اور سختی کے ساتھ اس سے گزر جانا۔ قاموس میں ہے کہ قحم فی الامر (امر میں داخل ہوا) از باب نصر۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو بغیر سوچے کسی معاملہ میں اچانک خود کو پھینک دے، العقبۃ (گھاٹی) یعنی پہاڑوں میں دشوار گزار راستہ۔ یعنی ان نعم جلیلہ کے بدلے میں اعمال صالحہ کر کے شکر نہیں کرتا اس کے دشوار گزار کے اعتبار سے چلنے کو عقبہ سے تعبیر کیا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ (اور تُو نے کیا جانا کہ وہ گھاٹی کیا ہے) اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تمہیں کس نے بتلایا کہ گھاٹی میں داخل ہونا کیا ہے اس لیے کہ اس سے نہ گھاٹی کا ظاہری معنیٰ مراد ہے اور نہ اس کا داخل ہونا لفظاً مراد ہے۔ فَكُّ رَقَبَةٍ (کسی غلام کی گردن چھڑانا)

حلِ لغات

فک بمعنی ایک شے کو دوسری شے سے چھڑا کر دونوں میں جُدائی ڈالنا، جیسے فك الحدید والغل لوہا چھڑانا اور بیڑی چھڑانا اور غلام آزاد کرنا بھی، اسی لیے کہ اسے غلامی کی زنجیر سے چھڑا کر آزاد کرنا ہے۔ الرقبۃ (گردن) عضو مخصوص کا نام ہے، پھر سارے جسم کی آزادی مراد لی جاتی ہے اور عرف میں غلاموں پر اطلاق ہوتا ہے جیسے سر، اور اظھر بول کر مرکوب (سواری) مراد لی جاتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے: فلان یربط کذا راساً وکذا ظھراً۔ اب معنی یہ ہوا کہ اقتحام العقبۃ (گھاٹی میں داخل ہونا) گردن آزاد کرنا ہے اس معنیٰ پر الفك کی تفسیر نہیں بلکہ اقتحام کی بحذف المضاف ہے اس لیے کہ عقبۃ عین ہے اور فک فعل، اور فعل کی تفسیر نہیں ہوتی، علاوہ ازیں فک الرقبۃ کبھی انسان تنہا آزاد ہوتا ہے کبھی یہ کہ مکاتب کچھ مال آزاد کرانے کے لیے دے ایسے ہی قصاص یا تاوان کی ادائیگی میں تعاون کرے یہ سب کے سب فک کو تو عام ہیں لیکن ان میں اعتاق نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بندہ خود کو عذابِ الٰہی سے آزاد کرائے کہ اعمال صالحہ میں مشغول رہے یہانتک کہ

ان کے ذریعہ سے جنت کا مستحق ہو اور دوزخ سے نجات پا جائے یہ حریۃ وسطیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ فك رقبة سے مراد یہ ہے کہ قلب کو نفس وہوا اور تعلق ما سوی اللہ سے چھڑائے۔ یہ حریۃ کبریٰ ہے اس کے بعد او اطعام الخ از قبیل تخصیص بعد التعمیم ہے اور مزید اشارہ ہے اس خاص فضل کی طرف اس حیثیت سے کہ یہ لفظ اس میں شامل نہ تھا باوجود اس کے عموم کے۔

مسئلہ : بعض فقہاء نے فرمایا کہ عتق کی صدقہ پر تقدیم اس کی افضلیت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

من فك رقبة فك الله بكل عضو منها عضوا منه من النار۔	جس نے غلام آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں اس کا عضو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

ف : امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کا کسی دوسرے کو عذاب سے بچانا اس کو مستلزم ہے کہ پہلے خود کو بچائے کیونکہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں وہ دوسرے کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے، اور فك الرقبة میں فک النفس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ ان اعمال صالحہ میں سے ہے جنہیں نفس کو عذاب سے چھڑانے میں بڑا دخل ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ (یا بھوک کے دن کھانا دینا) قحط سے بھوک میں یا مہنگائی میں۔

حلِ لغات سغب سے ہے بمعنی جاع (بھوکا ہوا)۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السغب بمعنی بھوک مع تھکان، بسا اوقات اس کا اطلاق پیاس مع تھکان پر بھی ہوتا ہے۔ اس معنی پر مسغبۃ مصدر میمی ہے ایسے ہی مقربۃ و متربۃ، اطعم کو یوم مجاعہ (بھوک کے دن) کی قید اس لیے ہے کہ اس وقت مال خرچ کرنا نفس پر گراں اور اجر کے اعتبار سے بہت بڑا ہوتا ہے۔

يَّتِيْمًا (یتیم کو) مفعول ہے اطعم کا ذَا مَقْرَبَةٍ (رشتہ دار کو) قرابت دار وہ جو نسب کو قریب ہے۔ قرب و مقربۃ ایک شے ہے۔

ف : حضرت سجاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرابت رشتہ کی ہو یا ہمسائیگی کی، یتیم کی قید اس لئے ہے کہ اس کی اور طعام کھلانے والے کی رشتہ داری نسبی ہو تاکہ اس کے اندر دو جہتیں جمع ہوں :

(۱) یتیمی کا استحقاق

(۲) رشتہ داری کا حق ۔ اسے طعام کھلانا افضل ہے بہ نسبت دوسروں کے طعام کھلانے کے، صدقہ اور صلہ رحمی پر مشتمل ہے ۔

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (یا خاک نشین مسکین کو) محتاجی کی وجہ سے ۔

حل لغات ترب (بالکسر) تربا (بفحتین) و متربا بمعنی افتقر محتاج ہوا ، جیسے لصق بالتراب من فقرہ و ضرہ فلیس فوقہ ما یسترہ ولا تحتہ ما یوطئہ ویفرشہ (گویا اس نے مٹی چاٹی فقر اور تکلیف سے ، کپڑا نہیں کہ جسم ڈھانپے ، بستر نہیں کہ بچھائے بیٹھے یا سوئے) اترب کا معنی ہے صاحبِ مال ہوگیا مٹی کی طرح صرف کثرت کی مناسبت سے یہی معنیٰ لیا گیا ، جیسے کہا جاتا ہے : اثری (صاحبِ ثروت ہوگیا) ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ،

ذا متربة الذی مأواہ المزابل ۔ ذا متربة وہ ہے جس کا ٹھکانا کوڑا کرکٹ ہو ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ، البعید التربة یعنی الغریب ۔ ذا متربة بمعنی بعید التربة (غریب الدار ، مسافر) (کما قال الکاشفی) ذا متربة وہ جو عیالدار یا قرضدار یا بیمار یا بے یار یا مسافر دُور از دیار ہو ۔

حدیث شریف میں ہے :

الساعی علی الارملة والمسکین کالساعی فی سبیل اللہ وکالقائم لایفتر و الصائم لا یفطر ۔	بیوگان اور مساکین کی خبر گیری اور مدد کرنیوالا جہاد فی سبیل اللہ میں جد و جہد کرنیوالے اور قائم اللیل نہ تھکنے والے اور صائم الدہر کی طرح ہے ۔

نکتہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ گردن آزاد کرنے اور طعام کھلانے کو خاص کرنا اس لیے کہ ان کا عمل میں لانا مشکل کام ہے ۔

نکتہ : فقیر و مساکین کو طعام کھلانے کی خصوصیت بھی اسی لیے ہے کہ یہ دونوں کام نفس کے لیے مشکل اور سخت ہیں ۔

کمینے دنیا دار کی نشانی کمینے دنیا دار کی علامت یہ ہے کہ اپنی خواہش نفسانی پر ہزاروں روپے خرچ کردے ، کوٹھیاں بنگلے تیار کرے اور ضرورت سے زیادہ ، اور اسے

کچھ پروا نہ ہو لیکن فقیر و مسکین کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اگر کوئی مانگنے آئے تو اسے ایک دو درم دینا یا ایک دو لقمے کھلانا اس کے لیے مشکل ہو جائے۔

ف : سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسکین کبھی کسی شے کا مالک ہوتا ہے ورنہ اس کے لیے بھی ذامتربۃ کی قید (مکرراً) ہوتی اور وہ تکرار ناجائز ہے لیکن اس میں بحث ہے ، وہ یہ کہ ذامتربۃ کی صفت کاشفہ ہے مسکین کے لیے ، اور اس کا فائدہ تصریح ہے از روئے محتاجی ، تاکہ واضح ہو کہ محتاج ترین کو طعام کھلانا افضل ہے اور تکرار بھی وہ ناجائز ہے جو فائدہ سے خالی ہو اور یہ اس قبیل سے نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قلب یتیم جو نفس و ہوا کے ہاتھوں مغلوب ہے اور سِرّ مسکین جو قہر النفس اور اس کے غلبہ کے تحت ذلیل ہے کی طرف اشارہ ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اقتحام العقبۃ سے یہی امور مراد لینا اور اس پر دلیل قائم کرنا کہ ماضی پر لا داخل ہے یہ کوئی شرط نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو کیونکہ یہ کبھی لم کے معنی میں بھی آتی ہے۔ اب عبارت یوں ہوئی فلم یقتحم العقبۃ الخ۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (پھر ہو ان سے جو ایمان لائے) پس آزاد کنندہ اور طعام دہندہ سے ہو جا۔ اس کا عطف منفی پر ہے نہ کہ نفی پر اور ثمّ عتق و صدقہ سے ایمان کی تراخی رتبہ و رفعۃ محل پر دلیل ہے کیونکہ جمیع اعمال صالحہ کا دار و مدار اس پر ہے ورنہ وہ تو زمانہ میں مقدم ہے جملہ طاعات پر۔ اب معنی یہ ہُوا کہ اس طریق سے انفاق پسندیدہ انفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نافع ہے ضائع ہونے والے ڈھیر سارے مال کی طرح نہیں جو ریاء و فخر کے طور ہوتا ہے اس کی مثال تو آندھی کی ہے جو قوم کی کھیتی کو پہنچ کر ضائع کر دے۔

تفسیر صوفیانہ عقبۃ میں اشارہ ہے کہ عقبۂ آخرت سے وہ تجاوز کر سکے گا جو اہلِ حق سے ہو گا۔ اور محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وہ تجاوز کرے گا جس نے پیٹ کو حرام و شبہات مال سے بچایا ہو گا اور حلال بھی محض اتنا ہی کھایا ہو گا جس سے بھوک مٹ سکے۔ اور حضرت قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقبۃ خود اپنا نفس ہے اس پر دلیل فك رقبۃ الخ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو مخلوق کی غلامی سے آزاد کر کے اسے عبادتِ الٰہی میں مشغول رکھے۔

تفسیر عالمانہ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں) اس کا عطف اٰمنوا پر ہے یعنی ایک دوسرے کو طاعتِ الٰہی پر اور معاصی سے اور مصائب پر وصیت کی وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں)

مرحمۃ رحمۃ کا مصدر ہے یعنی ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی کی یا رحمتِ الٰہی کے موجبات کی یعنی خیرات کی وصیتیں کیں بخلاف المضاف' یا مسبب کا ذکر کر کے سبب مراد لیا گیا ہے اس کے کمال فی السببیۃ پر تنبیہ کی وجہ سے۔ اس معنیٰ پر رحمۃ اعم ہے پہلے معنیٰ سے' یعنی بندوں میں ان پر شفقت جو اس کا مستحق ہے یتیمی یا فقیری یا کسی دوسری وجہ سے۔

حدیث شریف میں ہے:

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ تواصوا بالصبر میں تعظیم لامر اللہ کی طرف و تواصوا بالمرحمۃ میں شفقت علی الخلق کی طرف اور تکمیل بعد الکمال کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ایمان خود کمال ہے ایسے ہی صبر و مرحمۃ اور اعمال صالحہ اور تواصی (دوسرے کو وصیت کرنا) تکمیل الغیر کے باب سے ہے۔

مسئلہ: بعض نے فرمایا کہ طعام کھلانا بالخصوص شدید ضرورت کے وقت عفت کے افضل انواع سے اور ایمان اجل انواع حکمت سے ہے لیکن ایمان علمی یقینی ہو اس میں ثمّ اسی لیے لایا گیا ہے کہ اس کا رتبہ ارتفاع و علو میں کم ہے اس لیے کہ یہ بمنزلہ اساس کے ہے۔ اور شدائد و تکالیف و مصائب میں انواع شجاعت میں اعظم ہے اور اسے ایمان سے اس لیے مؤخر فرمایا کہ فضیلت شجاعت کا حصول یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا اور متراحم و تعاطف انواع عدالت سے افضل ہے۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِکَ (یہ) وہ لوگ جو صفاتِ جلیلہ سے موصوف ہیں اور اسم اشارہ میں دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقام کرامت میں اور بلند مراتب اور اعلیٰ درجات میں ہیں اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ (دہنی طرف والے) وہ جو نامہ ہائے اعمال دہنی جانب سے دیئے جائینگے اور انہیں جنت کی دہنی جانب سے لیجایا جائیگا یا وہ لوگ خیر و برکت اور سعادت والے ہیں اس لیے کہ صلحاء خیر و برکت والے ہوتے ہیں طاعتِ الٰہی کی وجہ سے اپنے لیے بھی اور اپنے غیروں کے لیے بھی' یا وہ دائیں ہاتھ والے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا (اور جنہوں نے ہماری آیات سے کفر کیا) وہ جو ہم نے حق پر دلائل قائم کیے کتاب و حجۃ یا قرآن سے ھُمْ (وہ) ضمیر لائی گئی تا کہ ان کی فضیلت و شرف حضور سے سقوط کی دلیل ہو اور وہ اس لائق ہیں کہ ان کی خفت و حقارت ہو۔ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ (بائیں جانب والے) وہ جو بائیں ہاتھ میں نامہ ہائے اعمال دیئے جائیں گے اور پیٹھوں کے پیچھے' اور انہیں

جہنم میں بائیں جانب سے لیجایا جائیگا یا وہ نحوست و شر و شقاوت والے ہیں کیونکہ فساق معیت کی وجہ سے اپنے لیے اور اپنے غیروں کے لیے منحوس ہیں۔

ردِ وہابیہ نجدیہ اس میں سے وسیلہ کی دلیل صاحب روح البیان قدس سرہٗ سے سنیئے)

ویجب التوسل بالصلحاء و	صلحاء سے توسل واجب ہے اور فاسقوں
الاجتناب عن الفسقاء و اصحاب	اور دنیا داروں سے اجتناب ضروری ہے۔
الید الیسری۔ (ج ۱۰، ص ۴۳۹)	

عَلَيْهِمْ (ان پر) خبر مقدم **نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ** (آگ ہے جس میں انہیں ڈال کر بند کر دی گئی) مبتدا مؤخر ہے یعنی وہ نار جس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے کوئی دروازہ نہ کھلے گا جس سے نہ کوئی شے باہر نکل سکے گی اور نہ اس میں کبھی ہوا داخل ہو سکے گی۔ مؤصدة نار کی صفت میں تنبیہ ہے کہ وہ انہیں محیط ہوگی۔ یہ اصل میں مؤصدة الابواب تھا اضافت ترک کر دی گئی تو اس پر تنوین آ گئی کیونکہ یہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے رہتی ہیں۔

حلِ لغات اوصدت الباب سے ہے معتل الفاء (مثال واوی) آصدتہ سے بھی ہو سکتا ہے بالمد من المهموز آمن کی طرح جس نے مہموز نہیں کہا اس نے اوصد سے مانا ہے اوعد کی طرح از افعال، یہ بھی ہے کہ یہ آصد ہمچوں آمن ہو ہمزہ ساکنہ واؤ سے تبدیل ہوا یعنی مؤصدة سے مُوْصدة، کیونکہ ہمزہ کا ماقبل مضموم ہو تو واؤ سے تبدیل ہو جاتا ہے تخفیفاً۔

ف: حضرت ابوبکر بن عباس عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ کے راوی یہاں پر ہمزہ کی واؤ سے تبدیلی کو مکروہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں:

لنا امام یھمز مؤصدة فاشتھی ان	ہمارے ہاں مصحف ہاں ہمزہ کے ساتھ
اسد أذنی اذا اسمعته۔	بلکہ میں تو کان بند کر لیتا ہوں جب اسے
	واؤ کے ساتھ پڑھتے سنتا ہوں۔

گویا انہوں نے اپنے شیخ سے ترکِ ہمزہ والی قرأت ہی سُنی تھی اور حفص رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمزہ سے پڑھا ہے یہ ابوبکر سے حروف کو زیادہ یاد رکھنے والے تھے جیسے قُراء نے نقل کیا اگرچہ ابوبکر حفص سے سِن میں بڑے، زیادہ مضبوط اور زیادہ ثقہ تھے عند اہلحدیث۔ (اہلحدیث سے مراد

محدثینِ کرام ہیں نہ کہ موجودہ نام نہاد اہلحدیث وہابی)

تفسیرِ صوفیانہ اس میں منا رسے حجاب وخذلان وخسران کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نفس امارہ پر بند کی گئی ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ سُورۃ البلد کی تفسیر سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ۵ ربیع الآخر ۱۱۱۷ ہجری میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سُورۃ البلد کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۰ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۸۹ء بروز ایمان افروز پیر فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ

اٰیاتہا ۱۵	(۹۱) سورۃ الشمس مکیۃ (۲۶)	رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ○ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ○ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ○ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ○ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ○ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے اور دن کی جب اسے چمکائے اور رات کی جب اسے چھپائے اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم اور زمین اور اس کے بنانے والے کی قسم اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی بیشک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا ثمود نے اپنی سرکشی سے جھٹلایا جب اس کا سب سے بدبخت اٹھ کھڑا ہوا تو ان سے اللہ کے رسول نے فرمایا اللہ کے ناقہ اور اس کی پینے کی باری سے بچو تو انہوں نے اسے جھٹلایا پھر ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں تو ان پر ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب تباہی ڈال کر وہ بستی برابر کر دی اور اس کے پیچھا کرنے کا اُسے خوف نہیں۔

سورۃ الشمس مکیہ اس کی ۱۵ یا ۱۶ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالشَّمْسِ قسم ہے سورج کی وَضُحٰهَا اور اس کی روشنی کی جب طلوع کرے اور پوری تابانی میں آجائے اور اس کی روشنی پھیل جائے۔

حلِ لغات: کہا جاتا ہے: وقت الضحی یعنی روشنی کے چمکنے کا وقت۔ الضحی و الضحوۃ الضح سے مشتق ہیں بمعنی سورج کا نور جو زمین پر پھیلے، سایہ کی نقیض۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے شمس روح اور اس کے نور کی قسم کی طرف اشارہ ہے جب وہ نفس میں پھیل جاتا ہے اور وہ روح نفس پر چمکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے اس کے غروب کے بعد اس سے روشنی لے کر، اور یہ نصف اول میں ہوتا ہے۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا تلاہ بمعنی تبعہ وہ اس کے تابع ہوا اور وہ ایسی متابعت ہے کہ ان کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی، یہ متابعت کسی جسم سے ہوتی ہے کبھی اقتدار فی الحکم میں، اس کا مصدر تلو آتا ہے، کبھی یہ قرآن کے پڑھنے اور اس کے معنی کے تدبر میں بھی استعمال ہوتا ہے اس کا مصدر تلاوۃ ہے اور اذا تلٰہا میں معنی اتباع علی السبیل الاقتدار والمرتبہ کا ہے۔

چاند سورج کا خلیفہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے اور وہ اس کے بمنزلہ خلیفہ کے ہے۔ اسی قاعدہ پر کہا جاتا ہے: جعل الشمس ضیاء و القمر نوراً (سورج کے لیے ضیاء اور چاند کے لیے نور بنایا) اسی لیے ہے کہ ضیاء نور کے مرتبہ میں آسکتا ہے۔ کیونکہ ہر ضیاء نور ہے لیکن ہر نور ضیاء نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قمر قلب کی طرف اشارہ ہے جب وہ روح کے تابع ہوتا ہے اس سے منور ہونے اور اس کی طرف متوجہ ہونے اور روشنی حاصل کرنے میں قلب نفس کے تابع نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی طرح ظلمت سے تاریک ہو جاتا۔

صاحبِ روح البیان کے پیرو مرشد کی عجیب و غریب تقریر صوفیانہ میرے شیخ روح اللہ روحہ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو شادو آباد رکھے) نے کتاب اللائحات البرقیات میں لکھا کہ سورج حقیقۃ الٰہیہ کمالیہ الکملیہ کی علامت ہے اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور چاند حقیقۃ انسانیہ کمالیہ الکملیہ کی علامت اور اس کی طرف اشارہ

کرتا ہے تو جیسے چاند جب سے پیدا ہوا ہے قیامت تک روشن اور نورِ شمس کی جلوہ گاہ ، اور اس کا رات کو ظہور ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سے اربابِ اللیل ظلماتِ لیلیہ میں راہ پاتے ہیں اپنی سیر و سلوک میں تحصیل مقاصد کے لیے ، ایسے ہی حقیقۃ الانسانیہ کمالیہ اکملیہ جب پیدا ہوئی ہے ہمیشہ تک روشن اور نورِ حقیقۃ الٰہیہ کمالیہ اکملیہ کی تجلی کی جلوہ گاہ ہے اور اس کا ظہور عالمِ کون میں ہے کہ اس سے اربابِ عالمِ کون ظلماتِ کون میں اپنے سلوک میں عالمِ امکان کی طرف اور سیر کے وقت عوالم و اطوارِ کونیہ میں نزولاً اور عروجاً عالمِ وجوب کی طرف ہدایت پاسکیں تو پھر جس طرح چاند اپنی ذات اور اپنے نور سے مکمل طور سورج کے نفس و نور میں خالی ہو جاتا ہے کہ سورج سے مقارنت و مراصلت کے وقت توجہ شمس قابض سے اور اقبال جاذب سے اس کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور نورِ شمس اور اس کے نفس میں چاند فنا پاتا ہے لیکن اس کا نفس و نور فانی نہیں ہوتا مقابلہ و مفارقہ کاملہ کے وقت جو درمیان حاصل ہے اس کے نفس کے ارسال سے اور بسط سے اس کے نور کی طرف اگرچہ بار بار اور با تکرار تا قیامت وہ باقی ہے ایسے ہی حقیقت انسانیہ کمالیہ اکملیہ اپنے نور اور تعین سے نورِ حقیقیہ الٰہیہ کمالیہ اکملیہ اور اس کے تعین میں مکمل طور ایسا فانی ہو جاتا ہے کہ اس کا اثر بالکل باقی نہیں رہتا وصلہ الٰہیہ کے وقت حاصل ہوا مرتبۂ ذاتِ احدیہ جمعیہ مطلقہ کے درمیان قبض و جذب کے ساتھ اپنے نور و تعین سے اس کے نور و تعین ازلی ابدی سرمدی کی طرف اور وہ باقی رہتا ہے اس کے نور و تعین کے ساتھ اس اعتبار سے کہ اس کا اثر بالکل فانی نہیں ہوتا فرقہ کونیہ کے وقت جو حاصل ہوا مرتبہ مظہریہ کثرتیہ فرقیہ میں جو مقید ہے بسط و ارسال سے اس کی تعین و نور کی طرف بار بار با تکرار ہمیشہ ہمیشہ تک ۔ اور بوجہ تجلی نورِ شمسی و الٰہی اور اس کے ظہور کے قمر و انسان کامل میں تدریجاً حدِ کمال تک ان کی بقاء کامل ہوتی ہے اور اس کے استتار اور اس کے احتفاء سے ان سے تدریجاً بھی حد تمام ہوتی ہے ان کی فناء اور ان کی اس وجہ پر قبض جلال الحق سبحانہٗ سے اور ان کا بقاء اسی طریق پر ہے بسط جمال الٰہی سے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ قبض و بسط کرتا رہتا ہے اپنے کمال ذاتی کے مرتبہ سے اس کے دونوں ہاتھوں جلال و کمال میں بلکہ اس کے دونوں ہاتھ قدرت کھلے ہوئے ہیں ہر ایک کو ہم دراز کرتے ہیں ان کو اور ان کو یہ رب تعالیٰ کی عطاء ہے اور تیرے رب کی عطا روکی ہوئی نہیں ۔

سوال : اذا شرطیہ نہیں کیونکہ اس کی جزا و جواب واقع نہیں ہوا نہ لفظاً نہ تقدیراً جو اس میں عمل کرے تو ظرف مطلقہ ہوگا اور ظرف کے لیے عامل چاہیئے اور وہ مشہور ہے کہ اس کا عامل اقسم مقدر ہے اور وہ انشاء ہے اور انشاء حال ہوتا ہے حالانکہ اذا استقبال کے لیے ہوتا ہے اور ان دونوں کا اجتماع کبھی نہیں ہو سکتا اس معنی پر اس کے لیے نہ ظرف ہے نہ وقت ۔

جواب : اذا ایسے مقامات پر تعلیلیہ ہوتا ہے یعنی چاند کی قسم یاد فرمائی باعتبار اس کے کہ وہ سورج

کے پیچھے آتا ہے اور دن کی اس اعتبار سے کہ وہ سورج کی روشنی ہے اور اللیل کی اس اعتبار سے کہ وہ ڈھانپتی ہے جب تم کہتے ہو اشھد لك علی ھذا حیث کنت صالحا متدینا (میں تجھے گواہ بناتا ہوں اس لیے کہ تو صالح اور دیندار ہے) یعنی اس صلاحیت و دینداری کی وجہ سے۔ بعض التفاسیر۔

ف : قاموس میں ہے کہ اذا حال کے لیے ہوتا ہے اور یہ بعض قسموں میں ہے جیسے واللیل اذا یغشیٰ والنجم اذا ھویٰ۔ اس وقت اذا بمعنی حین ہوگا، اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ وَالنَّھَارِ (اور قسم ہے دن کی) نور الشمس جو ظلمتِ لیل کو مٹا کر زمین کے سائے ختم کرتا ہے اِذَا جَلّٰھَا (جب اسے چمکائے) سورج کو کیونکہ وہ روشن ہوتا ہے دن کے پھیلنے سے اور مکمل طور روشنی کی تکمیل سے، گویا اسے دن نے روشن کیا ہے حالانکہ سورج ہی دن کو پھیلاتا ہے کیونکہ انتشار اثر کا یعنی نہار کا ایک زمانہ تک مرتفع ہونا سورج کی روشنی کی وجہ سے ہے اور سورج کی روشنی دن میں واقع ہے اسی لیے تجلیہ (فعل) کا اسناد نہار کی طرف ہے مجازاً نہارہٗ صائم کی طرح، یا معنیٰ یہ ہے کہ ظلمت کو روشنی دی یا دنیا کو یا زمین کو اگرچہ اس کا ذکر نہیں (لیکن چونکہ وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے وہ مراد ہو تو کوئی حرج نہیں)

تفسیر صوفیانہ استیلاء نور روح کے نہار اور اس کے سلطان کے قیام اور اس کے نور کے استواء کی طرف اشارہ ہے جب اس نے اسے روشن کیا اور غایۃ ظہور میں ایسے ظاہر کیا جیسے سورج کے روشن کرنے سے استواء کے وقت دن میں روشن ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّیْلِ اور رات کی قسم، اس سے زمین کا سایہ مراد ہے جو سورج اور اس کے مابین حائل ہے جو اس پر رات کی تاریکی واقع ہوتی ہے اِذَا یَغْشٰھَا (جب اسے چھپائے) سورج کو یعنی اس کی روشنی کو ڈھانپے اور اسے گم کر کے آفاق میں تاریکی پیدا کردے چونکہ سورج کا ہمارے اور زمین کے درمیان محجوب ہوجانا رات میں ہے اسی لیے گویا اسے رات نے ہی چھپایا اور غائب کیا ہے اسی لیے تغطیہ و تغشیہ (چھپانا) کا اسنا دلیل کی طرف ہے، یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ رات آفاق و زمین کو چھپاتی ہے۔

ف : یہاں ماضی کے بجائے مضارع کا اختیار اس دلالت کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ پر زمانے کا اجراء نہیں وہ اس سے منزہ و مقدس ہے اس کے نزدیک ماضی و مستقبل برابر ہیں نیز رعایۃ فواصل بھی ملحوظ تھی اسی لیے غشاھا از تغشیۃ نہیں لایا گیا کیونکہ وہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ واوات عاطفہ واو کی قسمیہ کی نائب ہیں اور وہی فعل کے قائم مقام ہیں اور وہ بار دونوں کے

قائم مقام ہوجاتی ہیں مثلاً اقسم باللہ الخ تو ان کا حق ہے کہ وہ فعل کا اور جار دونوں کا اکٹھے عمل کریں ، جیسے کہا جاتا ہے : ضرب زید عمرواً وبکر خالداً ۔ یہاں اسم مرفوع واؤ اور منصوب ہے کہ وہ اس ضرب کے قائم مقام ہے جو دونوں کا عامل ہے ۔ اس تقریر سے وہ سوال اُٹھ گیا کہ یہ واوات اگر عاطفہ ہیں تو عطف علی معمولی عاملین مختلفین لازم آتا ہے اگر واوات قسمیہ ہیں تو ایک جواب کے لیے تعداد القسم لازم آتا ہے خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ ہم نے شق اول اختیار کی ہے اس طرح سے لزوم المحذور منع ہوگیا ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ لیل نفس کی طرف جب اس کی ظلمت کو شمس نہار رُوح ڈھانپ لیتا ہے اور وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کبریٰ میں سے ایک ہے کیونکہ لیل اسم مضل کی مظہر ہے تو اس سے قسم یاد کرنا جائز ہے ۔ نہار کی قسم کی طرح اس اعتبار سے کہ وہ اسم ہادی کا مظہر ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا (اور قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے والے کی) ما بمعنی مَن ہے ، نہایت عظیم اور نہایت اونچا بنایا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ ۔

نکتہ : مَن کی بجائے ما کا اختیار وصفیۃ کے ارادہ پر تعجب پیدا کرنے کے لیے کیونکہ ما سے ذوی العقول کی صفات کا سوال ہوتا ہے گویا کہا گیا ہے :

والقادر العظیم الشان الذی بناھا ۔ قسم ہے قادر عظیم الشان کی جس نے آسمان بنایا ۔

ایسے ہی تقریر ہوگی آنے والے جملہ کی وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا (اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے پھیلایا) ہر جانب سے پانی پر، تاکہ اہلِ ارض اس پر زندگی بسر کریں ۔

حلِ لغات الطحو بمعنی البسط (بچھانا) اور طاء کو دال سے تبدیل کرنا جائز ہے یعنی طحو سے دحو ۔

نکتہ : مخلوق کا ذکر کر کے اس پر خالق کا عطف اور دونوں کی قسم ملا کر یاد کرنے میں استحقاقِ تعظیم میں استوار (برابری) مراد نہیں بلکہ اس میں ایک لطیف وجہ ہے وہ یہ کہ اس ترتیب کو معلوم کرنے سے عالم (جہان) کے صانع کے وجود اور اس کی کمال قدرت کا علم ہوگا اور عقل کو جلالِ الٰہی اور اس کی عظمت شان کے سمجھنے میں مدد ملے گی جتنی اس کے بس میں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے سورج کی قسم یاد فرمائی اور یہ بات سمجھ میں آجائیگی کہ یہ سورج جو تمام محسوسات میں عظیم تر مخلوق ہے اور ذی شرف ہے اور اس میں بے بہا منافع ہیں سمجھے گا کہ اس کا صانع کتنا عظیم ہوگا ، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے چار اوصاف بیان فرمائے :

(۱) روشن ہونا،
(۲) چاند کا اس کے تابع ہونا،
(۳) نہار کی بلندی روشن تر ہونا،
(۴) رات کے چھپانے سے چھپ جانا۔
(یہ بھی صانع کی کمال قدرت پر دلالت کرینگے)

پھر آسمان کی قسم یاد فرمائی کیونکہ یہ سورج کی سیرگاہ ہے پھر وہ اس سے بھی بڑا ہے اس سے ان کی تنبیہ ہوگی ان کی عظمت پر کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کسی کی قسم اس کی تعظیم (عظمت شان) کی دلیل ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی حرکات وضعیہ اور ان کا تغیر الاحوال اجسام ممکنہ سے ہیں اور وہ صانع کی محتاج ہیں اور وہ صانع مدبر کامل القدرۃ اور انتہائی حکمت والا ہے عقل ان کے احوال و اوصاف کی معرفت کو صانع کی کبریائی کی معرفت کا وسیلہ بنائے گا گویا ترتیب مذکور عقل کو عالم حضیضات (سفلیات) سے کھینچ کر عالم ربوبیت کے آنگن اور اس کی کبریائی صمدیہ کے صحن میں پہنچا دے گی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں سماء ارواح وارض اجساد کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اسے ٹھیک بنایا) جس نے اسے پیدا کیا اور ایسے نئے طرز سے کہ اس کے کمالات کا مستعد ہو تنکیر تفخیم کی ہے اس سے مراد نفس آدم علیہ السلام ہے یا تکثیر کی ہے، یہی زیادہ مناسب ہے جواب کے لیے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لیے آسمان وزمین ونفس کا ذکر اس لیے ہوا کہ غائب پر استدلال شاہد سے ہی ہوتا ہے اور یہاں شاہد عالم جسمانی ہے اور وہ علوی بسیط ہے جیسے آسمان یا سفلی ہے جیسے زمین، یا مرکب ہے وہ کئی قسم ہے ان سب میں اشرف ذوات الانفس ہے اور مابعد کے عطف سے ماقبل پر استدلال سے تقدیر مضاف کے عدم جواز صحیح نہیں مثلاً کہا جائے ورب الشمس وغیرہ۔

قاعدہ: اس لیے کہ قاعدہ ہے جو مقدر معطوف علیہ میں ہوگا وہی معطوف میں ہوگا تو عبارت ورب ما بناھا ورب ما طحاھا ورب ما سوّاھا تسلیم کرنی پڑے گی، اور اس کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ ہم کہہ آئے ہیں کہ ما بمعنی مَن سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر رب کا دخول ایسا

غلط معنیٰ پیدا کرے گا کہ جس کے بطلان سے انکار جہنم کا ایندھن بننا ہوگا اور نفس اور اسے ٹھیک بنانے کا معنیٰ و تفسیر آئے گی إن شاء اللہ تعالیٰ۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا (پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی) فاء اگر تسویۃ کی سببیت کے لیے تو امر ظاہر ہے اگر تعقیب کے لیے ہے تو اس سے مراد وہ ہے جس پر الہام موقوف ہے یعنی قوائے ظاہرہ و باطنہ۔

تحقیق الالہام الہام بمعنی القاء الشئ فی الروع (دل میں کسی شے کا ڈالنا) وہ دو قسم ہے:
۱۔ اللہ تعالیٰ سے،
۲۔ ملاء اعلیٰ سے۔

در اصل الہام کا معنیٰ ہے شے کا نگلنا۔

الفجور بمعنی دیانت کا چھپانا، اس کی تقویٰ پر تقدیم فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے یا اس کی نفی میں شدۃ اہتمام کی وجہ سے کیونکہ فجور کے انتفاء کا نام تقویٰ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کو فجور و تقویٰ کی سمجھ دی اور ان کا حال بتلایا حسن و قبح سے اور وہ جو ان دونوں تک پہنچائے اور یہ بھی قدرت دی کہ ان میں جس کو اختیار کرے۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ الہام صرف خیر و بھلائی میں ہوتا ہے شر میں نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فی الشر الہمنی اللہ کذا (معاذ اللہ) (برائی میں مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام کیا)

سوال: اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا فالہمہا فجورہا (اللہ تعالیٰ نے نفس کو فجور الہام کیا)

جواب: اس الہام سے مراد یہ ہے کہ فجور سے اجتناب کرے نہ کہ اس پر عمل کرے اور تقویٰ کا الہام کیا تاکہ اس پر عمل کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہمیشہ تناقض سے پاک ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ الہام کا محل نفس ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فالہمہا فجورہا و تقواھا۔ اس میں یہاں اس نے خود بتایا کہ الہام میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ہویۃ ہے نہ کوئی اور۔ لیکن نفس کو فجور کا الہام کیا تاکہ معلوم کرے کہ اس پر عمل نہیں کرنا اور تقویٰ کا الہام کیا تاکہ اس پر عمل کرے اس سے ثابت ہوا کہ فجور میں الہام اعلام (بتانا) کا ہے نہ کہ عمل کا کیونکہ اللہ تعالیٰ فحشاء کا حکم نہیں فرماتا تو جب فحشاء کا حکم نہیں تو فجور کا الہام کیسے فرمائیگا۔ اگر (معاذ اللہ) وہ فجور کا الہام بھی کرے تو پھر بندے پر اس کی حجت کیسی، بلکہ یہ الہام وہی ہے جس کا بیان وھدینٰہ النجدین (ہم نے انسان کو دو راہ بتا دئے) میں فرمایا۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی طرف خاطر المباح کو منسوب نہیں فرمایا نہ ہی الہام کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مباح نفس کے لیے ذاتی ہے کہ اس کی تخلیق کے ساتھ مباح بھی ظاہر ہوا تو مباح نفس صفات نفسیہ ہے جسے نفس صرف اپنی صفات سے ہی سمجھتا ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ خاطر المباح نفس کی نعت خاص ہے جیسے ضحک انسان کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ سب نفوس کی ایک حقیقت ہے اور وہ سب متحد ہیں، مختلف ہیں تو احوال واسمائے واردات مختلف ہونے کی وجہ سے، کیونکہ نفس مطلقہ (قطع نظر اس کے ساتھ کسی حکم کے) جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کلی کرے گا تو اس کا نام مطمئنہ ہے اور جب اس کی توجہ طبیعت کی طرف ہوگی تو اس کا نام امارہ ہے اور جب کبھی تقویٰ سے حق کی طرف متوجہ ہو تو کبھی فجور سے طبعیہ بشریہ کی طرف تو لوامہ ہے۔

حدیث شریف حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جُہَینہ یا مزینہ (قبیلہ) سے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ لوگ جو عمل کررہے ہیں اور اس میں جدوجہد کرتے ہیں یہ سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے؟ آپ نے فرمایا: لکھا جا چکا ہے۔ عرض کی: تو پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے جس منزل (بہشت یا دوزخ) کے لیے پیدا فرمایا اس کے لیے وہ اسباب تیار کرے گا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے آیت تلاوت کی۔

دعائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے:

اللھم آت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر	اے اللہ تعالیٰ! میرے نفس کو تقویٰ دے
من زکاھا انت ولیھا ومولاھا۔	اور اس کا تزکیہ فرما تو اس کا ولی ومولیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (بیشک وہ مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا) جواب قسم ہے اور لام محذوف ہے طول کلام کی وجہ سے۔ زجاج نے کہا کلام کی طوالت لام کا عوض ہے۔ اور کشاف وغیرہ نے اسے ترک کیا کیونکہ وہ حذف کو واجب کرتا ہے اور حذف مع طول واجب نہیں اس کا جواب کذبت نہیں بنایا گیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قسم یاد فرمانا وعدہ و وعید یا ظفر اور مقصد کے ادراک کو مؤکد کرتا ہے وہ دو قسم ہے:

(۱) دنیوی جیسے سعادات پر کامیابی کہ جس سے زندگی اچھی بسر ہو جیسے دولتمندی، عزت، صحت و عافیت وغیرہ سے وقت بسر ہو۔

(۲) اُخروی، وہ بقاء کہ جس میں فنا نہ ہو اور غناء کہ جس میں فقر نہ ہو اور عزت ہو جس میں ذات نہ ہو اور علم جس میں جہل نہ ہو۔ اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاعیش الا عیش الآخرۃ (نہیں عیش سوائے آخرت کے عیش کے)۔

حلِ لغات

الزکوٰۃ کا اصل معنیٰ زیادتی و نمو ہے، اسی سے زکاء الزرع ہے جب اس میں نمو کثیر حاصل ہو تو یہی کہتے ہیں، اسی سے ہے قاضی (حاکمِ وقت) کا شاہد (گواہ) کا تزکیہ، اس لیے کہ تزکیہ سے اس کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ زکوٰۃ کو اسی لیے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ اسے نکال کر انسان سمجھتا ہے کہ میں نے حقِ الٰہی فقراء کو دے دیا تو میرے مال میں خیر و برکت ہو گی۔ اور تزکیۃ النفس بھی اسی لیے کہ اس سے خیرات و برکات کی تمنا ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں نفس میں موجود ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایسا انسان ہر مطلوب پر کامیاب ہوا اور ہر مکروہ سے نجات پا گیا انمی النفس واعلاھا بالتقوٰی سے ہے یعنی تقوٰی سے نفس کو بلند و بالا اور ظاہر اور مشہور کیا اس لیے کہ اہلِ صلاح نفس کو ظاہر کرتے اور مشہور کرتے ہیں اس سے کہ ان کے تقوٰی کے انوار ملاءِ اعلیٰ کی طرف جھکیں اور خود کو مواضع الطاعات و محافل الخیرات کا پابند کریں بخلاف اہلِ فسق کے کہ وہ خود کو چھپاتے اور مواضع خفیہ میں نفوس کو دھنساتے ہیں کہ ان پر سعادت کا نشان ظاہر نہ ہو کہ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے ہاں مشہور ہوں۔

عرب کی عادت

دراصل اجواد العرب کی عادت تھی کہ وہ بلند ترین جگہوں پر اُترتے اور خوب آگ روشن کرتے رات کو آنے والے مہمانوں کے لیے، تاکہ اس طرح سے وہ زیادہ شہرت پائیں بخلاف بخیلوں اور نالائقوں کے کہ وہ پوشیدہ اور غیر معروف جگہوں پر اترتے تاکہ طلب کرنے والوں سے ان کی جگہیں مخفی ہوں اس لیے وہ خود کو چھپاتے۔ اسی لیے نیک نیکی کے لیے خود کو ظاہر کرتا اور فاجر خود کو چھپاتا ہے۔

ف: تزکیہ تطہیر کے معنیٰ میں مستعمل ہے جیسے قاموس میں ہے کہ الزکوٰۃ بمعنی صفوۃ الشیٔ (صاف ستھری شے) اور وہ زکوٰۃ کے لیے مال نکالا جاتا ہے تو اسی لیے کہ مال پاک اور ستھرا ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوا جس نے نفس کو مخالفاتِ شرعیہ سے عقلاً و خلقاً و عملاً و قولاً پاک و صاف کیا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کی ترغیب کے لیے سات قسمیں یاد فرمائیں۔

درسِ تصوف از رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کی تلاوت پر فرماتے کہ تزکیۂ نفس تزکیۂ قلب کا موجب ہے۔ جب نفس خواہشات کی ملاوٹ سے صاف ستھرا ہوجائیگا دل اسی وقت تعلق ما سوی اللہ سے صاف و شفاف ہوجائے گا ؎

تا نفس مبرا ز مناہی نشود
دل آئینۂ نور الٰہی نشود

ترجمہ : جب تک نفس مناہی سے پاک نہ ہو دل نورِ الٰہی کا آئینہ نہ ہو سکے گا۔

ازالۂ وہم

افعال العبد کا بتقدیرِ الٰہی اور اس کی تخلیق ہونا اس کے منافی نہیں کہ افعال بندے کی طرف اسناد صحیح نہیں مثلاً ضرب زید میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ضرب اللہ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اس ضرب کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے اسی لیے ضرب زید میں فعل ضرب کی نسبت زید کی طرف ہے کہ وہ کاسب ہے۔

رفع التناقض برائے معتزلہ

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نفس کے تزکیہ وطہارۃ سے انسان دنیا میں اوصاف محمودہ کا اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ہوجاتا ہے اسی لیے انسان کوشش کرتا ہے نفس کے تزکیہ وتطہیر کے لیے، پھر تزکیہ وتطہیر وغیرہ کا اسناد کبھی عبد کی طرف ہوتا ہے تو بوجہ کسب کے، جیسے قد افلح من زکّٰھا، اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف، کیونکہ وہ حقیقی فاعل (اور خالق) ہے، جیسے فرمایا : بل اللہ یزکی من یشا، (بلکہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ کرتا ہے) اور کبھی اس کا اسناد شے کی طرف ہوتا ہے کیونکہ وہ شے وسیلہ وواسطہ ہے وصول کا، جیسے فرمایا : خذ من اموالہم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم (ان سے ان کے اموال صدقہ کے طور لو جو وہ ان کی تطہیر وتزکیہ کرینگے) اور کبھی اس کا اسناد عبادت کی طرف ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس میں آلہ کی طرح ہے جیسے فرمایا : وحنانا من لدنا وزکاۃ (ہماری طرف سے شفقت اور صفائی)

تفسیر عالمانہ

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا)

حل لغات : القاموس میں ہے : خاب یخیب خیبۃ حرم وخسر وکفر ولم ینل ما طلب (محروم ہوگیا، گھاٹا پایا، کافر ہوا، مطلوب کو نہ پہنچا) دسّٰی دراصل دسّس تھا تقضّی البازی کی طرح کہ دراصل تقضّض تھا از تدسیس بمعنی اخفاء، دسّ کا مبالغہ ہے چونکہ ایک قسم کے حروف کا اجتماع ہوگیا ہے اور وہ ثقل کا موجب ہے اسی لیے آخری سین کو یاء سے تبدیل کیا گیا۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الدّس ایک طرح کے اکراہ و اجبار سے ایک شے کو دوسری شے میں داخل کرنا، دسّاھا بمعنی اس نفس کو معاصی میں داخل کیا، بیشک گھاٹا پایا جس نے اسے فجور اور اسے مشتبہات طبیعیہ میں چھپایا۔

تفسیر صوفیانہ میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نفس سے یہاں (ونفس وما سوّاھا میں) ذات اور حقیقت جمعیہ انسانیہ کمالیہ جو صورۃ الٰہیہ جمعیہ کمالیہ پر پیدا کی گئی ہے مراد ہے، جیسے وارد ہے:

خلق اللہ آدم علٰی صورتہ۔ اللہ تعالٰی نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اور اسے نفس ناطقہ اور بدن کے لیے مدبرہ کہا جاتا ہے۔ وما سوّاھا سے مراد یہ ہے کہ نفس مستویہ و قابلہ بنایا تاکہ تعینات کمال و جلال و جمال کی تجلیات کی جلوہ گاہ ہو اور اسے متوسطہ ممکنہ بنا دیا تاکہ ذات و صفات و افعال کے ظہورات کا مظہر ہو اور اسے معتدلہ صالحہ بنایا تاکہ آثار اسماء و مراتب و احوال کے مشاہدات کا مشہد ہو اسی قابلیت جامعہ مابین قبضتین یعنی جمال و جلال کی وجہ سے انسان ہر موجود سے اتم ہے فالھمھا یعنی پھر اس پر افاضہ فرمایا بوساطۃ جلال کے خدام سے فجورھا یعنی اس کے فجور کا یعنی آثار جلال جو مندرج ہیں اس کی حقیقت برزخیہ کی جمعیۃ میں اور اس کے احکام و احوال بھی یعنی عقائد و علوم و اعمال و مذاہب دیگر وہ امور جو اس میں مائل کراتے ہیں حق سے باطل کی طرف، پھر اسے اس خسران کی سزا دی جائے گی وتقواھا اور اس پر اضافہ فرمائے جمال کے کارندوں سے جمال کے آثار و احکام و امور یعنی توحید علمی رسمی جو شرک و کفر و ہوائے جلی اور تمام فساد جو مرتبہ شریعت و طریقت میں پیدا ہوتے ہیں کے منافی ہیں اور کلمۂ توحید عینی حقیقی جو شرک و کفر و ہوا خفی ایسے دیگر خرابیاں جو مرتبۂ معرفت و حقیقت وغیرہا میں ہوتی ہیں، جیسے علوم و معارف و محاسن اعمال و احوال و مکارم اخلاق و صفات سے زائل کرتی ہیں قد افلح فلاح میں داخل ہوا تمام مراتب میں صورۃً و حقیقۃً من زکّاھا جو اسے پاک کرے آثار جلال کے رذائل سے جمیع اطوار میں وقد خاب فلاح سے محروم ہوا من دسّاھا جس نے اس میں چھپائے آثار جلالیہ و صفات نفسانیہ اور اس میں چھپائے عیوب و قبائح شیطانیہ واھواء و شہوات بہیمیہ اور اعمال و اخلاق ردیہ اور اس کا اس کی اضداد سے علاج نہ کیا بلکہ اسے مرتبہ شریعت میں تقوٰی و صلاح کی تربیت سے اور مرتبۂ طریقت میں مجاہدہ و اصلاح کے تزکیہ سے بیکار رکھا بلکہ الٹا اس کا نیات و مقصود و اعمال و اقوال کی شہوات و ہوا میں اس کی موافقت کی یہاں تک کہ اس کی تمام حرکات و سکنات خواہشات نفسانی بن گئیں۔ میرے (صاحبِ روح البیان کے) شیخ کی یہ تفسیر (آیت ہذا کی) نصف جز کے قریب ہے۔ ہم نے بطریق اختصار چند جملے لکھے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ثمود (قبیلہ) نے تکذیب کی بِطَغْوٰهَا (اپنی سرکشی سے) یہ جملہ متانفہ ہے وقد خاب من دسّٰها کے مضمون کی تقریر ہے، اسی لیے کہ طغیان انواع تدسیسیہ سے عظیم تر نوع ہے۔

حل لغات

الطغوی (بالفتح) طغیان کا مصدر ہے چونکہ رؤوس الآیات اسی وزن کے ساتھ آ رہے تھے اسی لیے طغیان کی بجائے طغوٰی فرمایا (معنیٰ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں)

الکشف میں ہے کہ الطغوی الطغیان سے ہے صفت و اسم کے درمیان فرق کے لیے طغوٰی اور طغیان میں یاء ہے یعنی اسم میں یاء کو واؤ سے تبدیل کیا گیا اور صفت میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ مثلاً کہا جاتا ہے امرأة خزیا وصدیا من الخزی (بالفتح والقصر) بمعنی الاستحیاء اور از الصدی بمعنی العطش (پیاس) یعنی عورت حیاء والی اور پیاسی۔ باء سببیہ ہے۔ یعنی ثمود نے جھٹلایا بسبب طغیان کے' جیسے کہا جاتا ہے ظلمنی بجرأته علی اللّٰه (مجھ پر ظلم کیا اللّٰہ تعالیٰ پر جرأت کے سبب سے) فعل بمنزلہ فعل لازم کے ہے اور اس میں مفعول مقدر بھی نہیں یہی مشہور ہے یا در اصل کذبت ثمود نبیها صالحاً علیه السلام الخ یعنی ثمود نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا مفعول مقدر ہے کہ وہ سب کو معلوم ہے (یعنی صالح علیہ السلام)

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ جب عصیان کی شدت ہو تو وہ کفر بن جاتا ہے اور جائز ہے کہ باء تکذیب کا صلہ ہو یعنی جھٹلایا ثمود نے اُسے کہ جس سے انہیں ڈرایا گیا یعنی عذاب کو جو وہ صاحب طغوٰی اور تجاوز از حد تھا یعنی چنگھاڑ، جیسے دوسری جگہ پر فرمایا فاهلكوا بالطاغية یعنی طاغیہ سے ہلاک کیے گئے، یعنی ایسی آواز سے جو حد سے متجاوز تھی۔

تفسیر عالمانہ

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (جب اس کا سب سے زیادہ بدبخت اٹھ کھڑا ہوا) یہ کذبت یا طغوٰی سے منصوب ہے یعنی اُٹھ کھڑا ہوا ثمود کی قوم سے سب سے زیادہ بدبخت یعنی قدار بن سالف اس کے حکم کی تعمیل میں جس نے اسے اس کام کے لیے مقرر کیا اس لیے کہ انبعث بعث کے مطاوع ہو کر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: بعث فلان فانبعث له اس نے اسے کھڑا کیا تو وہ اس کے لیے کھڑا ہوا اور اس کے حکم کی تعمیل کی۔

حل لغات

کشف الاسرار میں ہے کہ انبعاث بمعنی باعث (آمر) کی طاعت میں جلدی کرنا یا جب قدار کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ لگا تاکہ اشقیاء اونٹنی کو ذبح کریں اس لیے کہ افعل التفضیل جب مضاف ہو تو واحد و متعدد کی صلاحیت رکھتا ہے اور مذکر و مؤنث کی بھی۔ پہلے

قاعدہ پر دلیل سورۃ القمر کی آیت ہے فنادوا صاحبھم فتعاطی فعقر (پس پکارا اپنے ساتھی کو تو اس کی کوچیں کاٹنے لگے) یہ دلالت کرتا ہے کہ کوچیں اٹنے والا ایک معین شخص تھا اور اس کی شقاوت دوسروں سے زیادہ تھی اگرچہ وہ شامل نہ ہوں تب بھی وہ اس شقاوت میں مشترک ہیں کیونکہ وہ اس پر راضی تھے۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ تو انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے فرمایا، ثمود کو، جب معلوم کیا کہ ان کا عزم بُرا ہے اس سے مراد صالح علیہ السلام بن عبید بن جابر بن ثمود بن عوص بن ارم ہیں۔ یہ اضافت عہد کی ہے کہ رسول کے لفظ میں انتباہ ہے کہ ثمود پر ان کی طاعت ضروری تھی اور بیان ہے ان کی انتہائی سرکشی اور حد سے تجاوز فی الطغیان کا۔ نَاقَةَ اللّٰهِ اللہ کی اونٹنی۔ تحذیر پر منصوب ہے اگرچہ ان صورتوں میں سے نہیں جہاں عامل کا حذف کرنا واجب ہے ناقۃ (اونٹنی) اضافہ تشریفی ہے، جیسے بیت اللہ (محمد نور اللہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ یعنی اونٹنی کو چھوڑو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے کمال قدرت اور میری نبوت کی دلیل ہے اس کی کوچیں نہ کاٹو۔ وَسُقْيٰهَا اور اس کے پانی پینے کو) اس کا حصہ، اسے اس کی باری سے نہ ہٹاؤ، کیونکہ اس کی باری پانی پینے کی سب کو معلوم ہے اور ان کی بھی باری مقرر تھی اور ان کے جانوروں کے لیے بھی، لیکن اس کی وجہ سے اپنے جانوروں کے لیے پانی کی وجہ سے تنگ تھے اسی لیے ارادہ کیا کہ اسے قتل کر ڈالیں فَكَذَّبُوْهُ پھر انہوں نے اسے جھٹلایا اس کی وعید میں کہ فرمایا: ولا تمسوھا بسوء فیأخذکم عذاب قریب (اُسے برائی سے نہ چھوؤ تمہیں قریب کا عذاب پکڑ لے گا) فَعَقَرُوْهَا تو اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، سب سے بڑے بدبخت نے۔ جمع کا صیغہ بوجہ ان کی رضا کے ہے کہ اُس نے جو کیا تھا خوب کیا، حالانکہ صیغہ واحد ہونا چاہیئے تھا (کیونکہ کوچیں کاٹنے والا ایک تھا یعنی قدار بن سالف)

ف : امام سہل علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کاٹنے والی ایک جماعت تھی یعنی قدار بن سالف اس کی ماں قدیرہ اس کا ایک ساتھی جس کا نام مصداع بن دہر اوابن جہم تھا جس نے اونٹنی کے قتل میں اس کی مدد کی۔

حلِ لغات : العقر بمعنی النحر (ذبح کرنا) تکذیب کی تقدیم عقر پر اس لیے کہ وہی عقر کا سبب تھا۔

قاتلِ علی رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علی اتدری من اشقی الاولین (اے علی! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اولین میں سب سے بڑا بدبخت کون تھا؟)

عرض کی: اللّٰہ ورسولہ اعلم (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہی جانتے ہیں)

فرمایا: عاقر الناقۃ (جس نے (حضرت صالح علیہ السلام) کی ناقہ کی کونچیں کاٹیں)

پھر فرمایا:

اندری من اشقی الآخرین۔ (کیا تم جانتے ہو کہ آخر میں سب سے بڑا بدبخت کون ہے)

عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب جانتے ہیں)

فرمایا: قاتلک (تمہارا قاتل)

(یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ما فی الغد ہے کہ قبل از وقت جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا)

تفسیر صوفیانہ

اس میں ناقہ روح کی طرف اشارہ ہے کہ اسے ظلماتِ نفسانیہ وشہواتِ حیوانیہ سے نفس کا قتل کرنا اس کی سب سے بڑی بدبختی ہے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بھی قاتل کی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہید کیا کہ آپ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے مظہر تھے اور مقامِ حقیقت میں آپ ہی سب سے بڑے وارث تھے (یہ جزوی فضیلت انہیں سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان سے افضل نہیں بناتی، فافہم ولاتکن من الرفضہ) اور علی الولی رضی اللہ عنہ کی طرف قصد محمد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف قصد کرنا ہے، اس سے بڑھ کر اور کوئی بدبخت نہ ہوگا جو مظہر رحمۃ کلیہ کا غضب وانتقام سے مقابلہ کرے۔

تفسیر عالمانہ

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ ان پر عذابِ کامل چھا گیا یعنی چنگھاڑ۔

حلِ لغات: یہ تکرار کے قبیل سے ہے کہا جاتا ہے، ناقۃ مدمومۃ وہ اونٹنی جسے چربی سے طلاء کیا جائے اسے ایسے گھیرا جائے کہ کوئی ایسی جگہ نہ رہ جائے کہ جس پر طلاء نہ ہو دم الشیٔ کا مطلب ہے کہ اسے کالے تیل سے لیپ دیا۔ اور کہا جاتا ہے دممت علی القبر میں نے قبر پر مکمل طور پر لیپ کر دیا۔ دال مکرر لائی گئی احاطہ میں مبالغہ کے لیے۔ دمدمۃ دمدم سے ہے، جیسے کبکبۃ از کب ہے۔

کشف الاسرار میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں دممت علی فلان۔ پھر مبالغہ کرکے بولتے ہیں دمّمت (بالتشدید) پھر اس کا اور مبالغہ کرتے ہیں کہ دمدمت یہ ترکیب غشیان الشیٔ الشیٔ (شے کو دوسری شے سے ڈھانپنا) سے ہے۔

بِذَنْۢبِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب سے جو مذکور ہوا اور تصریح ہو چکی اور اس پر فا بھی دلیل ہے کہ ان کے گناہوں پر برے انجام سے ڈرایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے تمام گناہوں سے عبرت پکڑیں۔

فَسَوّٰىهَا (پھر اسے برابر کردیا) ہا ء دمدمہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی ان سب کو ہلاک وتباہ کردیا کوئی نہ بچا، نہ چھوٹا نہ بڑا، یعنی ثمود کو زمین کے برابر کردیا۔ مروی ہے کہ جب قوم ثمود نے عذاب کے آثار دیکھے قو ارادہ کیا کہ انہیں شہید کر ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں فرمایا:

فلما جاء امرنا نجینا صالحاً والذین اٰمنوا معه برحمة منا۔ جب ہمارا امر آیا تو ہم نے صالح علیہ السلام اور اہلِ ایمان کو اپنی رحمت سے نجات دی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (اور اس کے انجام سے نہیں ڈرتا) واؤ استئنافیہ ہے یا حال کی ہے منوی سے جو سوّاها میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے برابر کیا وہ دمدمہ کی عاقبت سے خائف نہ تھا اور نہ ہی اس کی تباہی اور ثمود کی عاقبت سے، جیسے دوسرے عذاب دینے والوں کو دوسرے بادشاہوں اور امرا کا خوف ہوتا ہے اسی لیے کچھ رحم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تو جو کچھ کرتا ہے حق کرتا ہے اسے عاقبت کا کیا خوف اور اس کے انجام کا کیا خطرہ۔

ف: بعض نے اس سے قدار اور اس کے ساتھی مراد لیے ہیں کہ انہیں باوجودیکہ صالح علیہ السلام نے عذاب کی خبر دی لیکن انہیں اس کا خطرہ محسوس نہ ہوا کہ اونٹنی کے قتل کے بعد ان کا کیا انجام ہوگا اور کن مصائب اور بلاؤں اور عذاب میں وہ گھر جائیں گے۔

(صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) تفسیر سورۃ الشمس ربیع الآخر ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔
فقیر اویسی غفرلہٗ ترجمہ تفسیر سورۃ الشمس سے ۲۱ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۲۸ فروری ۱۹۸۹ء بروز منگل فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

سُوْرَةُ الَّيْل

آیاتہا ۲۱	(۹۲) سورۃ الّیل مکیۃ (۹)	رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝ اِنَّ سَعْيَكُمْ
لَشَتّٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا
مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ
مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ فَاَنْذَرْتُكُمْ
نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝
الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ
وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

اور رات کی قسم جب چھائے اور دن کی جب چمکے اور اس کی جس نے نر و مادہ بنائے بیشک تمہاری
کوشش مختلف ہے تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے
آسانی مہیا کر دیں گے اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور سب سے اچھی کو جھٹلایا تو بہت جلد
ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے اور اس کا مال اُسے کام نہ آئے گا جب ہلاکت میں پڑے گا بیشک
ہدایت فرمانا ہمارے ذمہ ہے اور بیشک آخرت اور دنیا دونوں کے ہمیں مالک ہیں تو میں تمہیں ڈراتا
ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا
اور بہت اس سے دُور رکھا جائیگا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا

اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہو گا۔

سورۃ الّیل مکیہ ہے اس کی اکیس آیات ہیں۔ بعض نے کہا یہ مکّی و مدنی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (اور رات کی قسم جب چھا جائے) اِذَا حال کے لیے ہے اس لئے کہ قسم کے بعد ہے جیسے سورۃ سابقہ میں گزرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم یاد فرمائی کہ وہ سورج کو ڈھانپتی ہے مفعول کا عدم ذکر اس سے علم کی وجہ سے ہے۔ یا نہار کو، یا ہر اس کو جو اس کی ظلمت میں چھُپ جاتا ہے۔

مسئلہ: شرع میں ما بین غروب شمس و طلوع الفجر الصادق کا نام رات ہے۔ یہاں شاید یہی مراد ہے کہ اس کے بالمقابل نہار ہے۔

شب کے فضائل کشف الاسرار میں ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتبہ و شرف حاصل ہے کہ اسے قسم کا محل بنایا، اور یہ شرف اس لیے ہے کہ دوستانِ خدا رات کو ہی مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور تمام رات شرابِ صفا پیتے رہتے ہیں اور خلعتِ رضا پہنتے ہیں اور عتاب محبوب سنتے ہیں جب سحر ہوتی ہے فرمان ہوتا ہے کہ اس قبہ فیروزی کے دروازے کھول دو اور عرش مجید کے پردوں کے دامن چھوڑ دو اس پر بارگاہِ حق کے مقرب خاموش ہو جاتے ہیں کیونکہ جبار کائنات اپنی کبریائی اور بلندی سے خطاب فرمایا کہ ہر محبوب محبوب کے ساتھ ہونا ہے میرے احبار کہاں ہیں ؎

اللیل داج والعصاۃ نیام
والعابدون لذی الجلال قیام

ترجمہ : رات آئی اور گنہگار سو گئے لیکن عابد لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں قائم ہو جاتے ہیں۔

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (اور قسم دن کی جب چمکے) ظلمۃ اللیل کے زوال پر ظاہر ہوا کہ اس سے پہلے سورج چھپا ہوا تھا فاصلتین کا اختلاف آنے جانے کی وجہ سے ہے، جیسے ہم نے سورۂ سابقہ میں بیان کیا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) اس میں اشارہ ہے غیب ہویہ مطلقہ کی قسم کی طرف جو تعینات اعتباریہ کے دن کو ڈھانپتا ہے اہلِ ذوق و شہود پر اور قسم ہے نور نہار وجودات مقیدہ کی جب جلوہ گر ہوتا ہے بسبب تعینات عقلیہ کے ساتھ نسبت کے طرف اہلِ حجاب و احتجاب کے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ظلمت نفس کی رات کی جب وہ نور روح کو چھپاتا ہے جب جلوہ گر ہوتا اور ظاہر ہوتا ہے ان دونوں کے اجتماع سے وجود قلب کا جو عرش رحمٰن ہے کیونکہ قلب کا جوہر ان دونوں کے اجتماع سے رُوح کی طرف ظاہر ہوتا ہے اس کا نام فؤاد ہے یہی معارف وحقائق حاصل کرتا ہے، اور قلب کا دوسرا رُخ نفس کی طرف ہے اس کا نام صدر (سینہ) ہے اس سے وہ پوشیدہ باتیں محفوظ کرتا ہے اور اسی میں معانی متمثل ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ (اور قسم ہے اس کی جس نے نر و مادہ پیدا کیا) ما عالم کی صفت ہے جیسے وما بناھا میں چونکہ اس میں بہت زیادہ ابہام ہے اسی لیے ایسے وصف میں استعمال ہوتا ہے جس میں قوت وکمال کا انتہائی درجہ ہو کہ کوئی بھی اس کی کُنہ تک نہ پہنچ سکے اور نہ ہی وہاں عقل کی رسائی ہو کہ اس کا ادراک کر سکے کیونکہ ممکن کا ادراک امر عام سے صادق ہے ورنہ حقیقت تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں استغراق کے لیے ہوں، یعنی قسم ہے قادر عظیم القدرۃ کی جس نے دونوں صنف نر و مادہ پیدا کیے دونوں سے توالد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس سے لعل ولعلہ خارج ہو گئے (کیونکہ ان سے توالد جانبین سے نہیں) بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی الارواح کی کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی جس میں نر و مادہ نہ ہو اگرچہ اس سے خنثیٰ کے لیے اشکال ہے لیکن وہ صرف ہمارے لیے ہے ورنہ اس کے لیے مشکل نہیں کہ اس کے ہاں وہ نر ہے یا مادہ۔

مسئلہ: اگر کوئی قسم کھائے کہ آج نہ کسی مرد سے ملوں گا نہ عورت سے، اندریں اثنا خنثیٰ مشکل کو ملا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ درحقیقت مرد ہے یا عورت ہے اگرچہ ہمارے نزدیک خنثیٰ مشکل ہے کما فی الکشاف بعض نے آیت میں الذکر والانثیٰ سے آدم وحوا علیہما السلام مراد ہیں اس وقت لام عہد کی ہوگی، جیسے فرمایا:

یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا نر و مادہ سے۔

قرأۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والذکر والانثیٰ پڑھتے تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ملک شام میں آئے تو ہمارے ہاں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا تم میں کوئی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت کے مطابق پڑھتا ہو میں نے کہا میں پڑھ سکتا ہوں، فرمایا یہ آیت کیسے ہے میں کہا والذکر والانثیٰ فرمایا بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے

سنا کرتا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ میں بھی وما خلق الذکر والانثیٰ پڑھوں لیکن میں ان کی اتباع نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ذکر روح اور انثیٰ نفس ہے ان کے اجتماع سے قلب پیدا ہوا۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ لیل نر نہار مادہ ہے، جیسے سورۃ النازعات میں گزرا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی (بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے) جواب قسم ہے مصدر بمعنی جمع ہے قاعدہ سب کو معلوم ہے کہ مصدر مضاف سے عموم ہوتا ہے اسی لیے اس کی خبر صیغۂ جمع ہے۔

حل لغات شتّٰی شتیت کی جمع ہے جیسے مرضی، مریض یعنی متفرق و مختلف۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تمہاری مساعی یعنی اعمال مختلفہ بوجہ اختلافات استعدادات ازلیہ کے ہے بعض حسن، نافع، خیر، صالح اور بعض قبیح، ضار، شر، فاسد ہوتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے :

الناس عادیان فمبتاع نفسہ فمعتقھا او بائع نفسہ فموبقھا۔

(لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں :

(۱) اپنے نفس کو خریدنے والے اور آزاد کرنے والے۔

(۲) بیچنے والے بہتر آزاد کرنے والے ہیں)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری مساعی مختلف ہیں غلبۂ نوریہ سے جانب روح کی طرف انجذاب اور توجہ الی الخیر کی وجہ سے (بعض کا) اور غلبۂ ظلمت سے جانب نفس کی طرف اور شر میں انہماک کی وجہ سے (بعض کا)۔

ف : بعض نے کہا اس آیت کا باطل یہ ہے کہ اپنی سعی کو عطیۂ حق سمجھے کہ اسی طرح ہُوا تکوین و تخلیق سے پہلے۔ جیسے فرمایا :

نحن قسمنا بینھم۔ (ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم فرمائی)

مراتب سعی سعی کے کئی مراتب ہیں سلطان سے متصلین کے مراتب کی طرح کہ اس کے کوئی ندیم ہوتے ہیں کوئی جلیس (ہم نشین) اور کوئی اصحاب الاسرار (ہمراز) ہوتے ہیں، ایسے بندگانِ خدا کا حال ہے کہ کئی نفوس سے سعی کرتے طلبِ درجات کے لیئے کوئی عقول سے طلبِ کرامات کے لیے، کوئی قلوب سے طلبِ مشاہدات کے لئے، کوئی ارواح سے طلبِ مدارات کے لیے، کوئی اسرار سے انوار الذات میں فناء و انوار الصفات میں بقاء کے لیے، کوئی ارادہ و محبت و شوق و عشق و معرفۃ سے وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى (اور وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی) ان مسائل شتّٰی کی تفصیل ہے اور ان کے احکام کا بیان ہے کہ جس نے مال کے حقوق ادا کئے اور محارم الٰہی سے رکا منجملہ ان کے منّ (احسان جتلانا) اور اذٰی (اذیت دینا) ہے وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (اور سب سے اچھی کو سچ مانا) یعنی اچھی خصلت کو اس سے ملۃ الاسلام یا ثواب اچھا مراد ہے یعنی جنت کو یا ایمان یا کلمۂ حُسنٰی یعنی کلمۂ توحید یا اچھی ملّت یعنی اسلام۔ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کر دیں گے)

حلِ لغات التیسیر بمعنی مہیا کرنا، نہ وُہ جو تعسیر کے بالمقابل ہوا اسی سے ہے، کل میسر لما خلق لہ (اسے وہ سب کچھ دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے) اب وہ ضرورت ہی نہیں کہ کہا جائے کہ عُسرٰی کی مشاکلت پر یُسرٰی لایا گیا ہے جزاء سیئۃ الخ یا فبشرھم بعذاب الیم کی طرح۔ کہا جاتا ہے:

یسر الفرس للرکوب (گھوڑا سواری کے لیے مہیا کیا)

جب اسے زین اور لگام وغیرہ سے تیار کر کے کسی کو دیا جائے۔ یُسرٰی الیسر کی تانیث ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم اسے تیار کر دیں گے اور توفیق دینگے اس اچھی خصلت کے لیے جو اُسے آسانی و راحت دے، جیسے بہشت میں داخلہ اور اس کے مبادی، یعنی ایسے اعمال صالحہ کی توفیق جو اسے بہشت میں لے جائیں۔

نکتہ خصلت کو یُسرٰی سے موصوف ... مجاز باعتبار اس کے ہے کہ وہ یُسرٰی تک پہنچاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے نفس کو طاعت سے پاک کیا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے، اور اعراض از دنیا سے اور پرہیزگاری کی عین اسی طاعت میں اسے اپنی طرف منسوب کرنے سے اور اپنے باطن کو کلمۂ حُسنٰی سے سچّا بنایا تو ہم اسے اچھی خصلت کی توفیق دیں گے یعنی اپنے حضور اور اپنے بڑے لٹکے ہُوئے پردوں تک پہنچنے کے لیے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ (اور وہ جس نے بخل کیا) اپنے مال سے اور اسے کارِ خیر میں خرچ کیا۔ البخل بمعنی وہ مال روکنا جسے روکنے کا کوئی حق نہیں اس کے بالمقابل جُود ہے وَاسْتَغْنٰى (اور بے پروا بنا) اس سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے یعنی اس میں رغبت نہ کی، گویا وہ اس سے بے پروا ہے، اسی لیے پرہیزگاری نہ کی یا بے پروا ہوا شہواتِ دنیا میں منہمک ہو کر آخرت کی نعمتوں سے اسی لیے پرہیزگاری نہ کی بہرحال بے پروائی عدم اتقاء کے پیچھے ہے

اس اتقا کے جو پہلی آیت میں ہے اس معنیٰ پر ان دونوں کے درمیان تقابل حاصل ہو گیا **وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى** (اور سب سے اچھی کو جھٹلایا) اچھی خصلت مراد ہے اس کی تفصیل پہلے گزری ہے **فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى** (تو بہت جلد ہم اس کے لیے دشواری مہیا کریں گے) وہ خصلت و عادت جو اسے دشواری و شدت تک پہنچا دے یعنی دخولِ نار اور اس کے مقدمات اس کے اپنے اختیار پر۔

نکتہ دونوں قسموں کو پہلے بیان کیا گیا حالانکہ آنے والی قسمیں ان سے مرتبہ میں بڑھ کر ہیں صرف تیسیر للیسریٰ اور تیسیر للعسریٰ کی وجہ سے تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ دونوں اپنے طور اصل اصیل ہیں کی تصدیق و تقویٰ و تکذیب و استغنار کا تتمہ نہیں۔

ف : ظاہر یہ ہے کہ سین اس جزار کی دلالت کے لیے ہے جو طاعت و معصیت میں کسی کو ملے گی اور وہ آخرت میں ہو گی کہ یہ امر متراخی منتظر (انتظار کردہ) ہے اسی لیے اس پر سین داخل ہے اور یہ تراخی کا حرف ہے تاکہ دلیل ہو کر سودا ادھار کا ہے نقد نہیں (کذا فی التفاسیر)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے طاعت و عبادت رُوحیہ و سریہ قلبیہ میں بخل کیا اور ہماری طرف متوجہ ہونے سے بے پروا ہُوا اور اس حسنیٰ کی تکذیب کی جو ہم نے اسے عطا کی سلامتیٔ اعضار و جوارح اور جاہ و مال تو بہت جلد ہم اس کے لیے دشواری مہیا کریں گے اپنے سے بُعد اور طرد و لعن اور نارِ حجاب کے دخول سے۔

تفسیر عالمانہ **وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ** (اور اس کا مال اسے کام نہ آئے گا) عذاب سے بچانے میں۔ یہاں مفعول محذوف ہے یعنی کون سی شے مال میں سے جس کے لیے بخل کرتا ہے کچھ کام نہ آئے گی ما یغنی کا مفعول اور استفہام انکار کا ہے **اِذَا تَرَدّٰى** جب ہلاک ہوگا اور مر جائے گا۔

حلِ لغات تردّی از رِدٰی بمعنی ہلاکت، مبالغہ کے لیے ہے ردیٰ ہمچوں عصا بمعنی الہلاک۔ امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ الردی بمعنی الہلاک، اور اتودی بمعنی تعرض للهلاك (ہلاک کے درپے ہونا) یا تردی بمعنی گڑھے میں گرا، یعنی قبر داخل ہوا یا جہنم کے گڑھے میں گرا۔

مسئلہ : وہ مال جس سے انسان آخرت میں بوقتِ حاجت نفع پائیگا وہ ہے جس کے حقوق ادا کئے ہونگے اور آگے بھیجا نہ وہ جس میں بخل کر کے وارثین کے لیے چھوڑا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب ہلاک ہوا ہماری مخالفت اور طبیعۃ بشریہ کی موافقت میں تو پھر ہمارے غضب و قہر سے اسے کون چھڑائے گا جب ہم بصورۃ القہر والنقمہ جلوہ گر ہوئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡهُدٰی (بیشک ہدایت فرمانا ہمارے ذمہ ہے) جملہ مستانفہ ماقبل کی تقریر کرتا ہے یعنی بیشک ہماری قضا کے بموجب جو مبنی بر حکم بالغہ ہے باعتبار اس کے کہ ہم نے مخلوق کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا تو ہم انھیں ہدایت کا راستہ اور وہ راستہ جو گمراہی تک پہنچائے بیان کریں اور یہ ہم کر چکے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ ترغیب و ترہیب سنائی ہے اس کے حال کی جو ان دونوں راہوں پر چلے۔

رد معتزلہ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا معنیٰ ہے وہ دلالت اس راہ کی جو مقصد تک پہنچائے نہ وہ دلالت جو خود مقصد تک یقیناً پہنچائے اسی لیے آیت کے ظاہر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ لفظ علیٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بہتر راہ کی راہبری واجب ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہاں علیٰ اپنے معنی پر سہی لیکن مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مقتضا اور موجب قضا کے اصول پر اس کے ذمہ کرم ہے (نہ کہ وجوب معروف)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے ذمہ کرم ہے کہ ہم تمہارے عقل کے نور و حس و ادلہ عقلیہ و سمعیہ کو جمع کرکے اور استدلال و استبصار پر قدرت دے کر اپنی طرف راہ دکھائیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَالۡاُوۡلٰی (اور بیشک دنیا و آخرت کے ہمیں مالک ہیں) دونوں میں تصرفِ کلی ہمیں ہے افعال میں، جیسے ہم چاہیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے یسریٰ کے لیے آسانی اور عسریٰ کے لیے دشواری مہیا کرنا فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی (تو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو بھڑک رہی ہے) ایک تار حذف کی گئی ہے کہ در اصل تتلظّی تھا بمعنی تتلھب بھڑک رہی ہے نار مؤنث ہے اور تلظّی اس کی صفت ہے اگر ماضی ہوتی تو تلظّت ہوتا۔ علاوہ ازیں اس وصف سے بالفعل بالاستمرار بھڑکنا مراد ہے۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ انذرتکم میں انشاء الانذار مراد ہے بعث و اشتریت کی طرح۔ یا اخبار ہے تو اس سے انذار سابق مراد ہے سورۃ المدثر کی طرح فرمایا:

ساصلیه سقر وما ادراک ما سقر	عنقریب انھیں سقر میں داخل کریںگے تمہیں کیا معلوم
لا تبقی ولا تذر لواحۃ البشر۔	سقر کیا ہے نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی اور چمڑے ادھیڑنے والی ہے۔

کیونکہ مدثر پہلی سورۃ ہے نزول کے لحاظ سے اکثر علماء کے نزدیک۔ یہ ڈرانے میں اس سے زیادہ سخت ہے کہ کہا جاتا ہے:

خافوا واتقوا ناراً تلظّٰی۔ (خوف کرو اور ڈرو اس نار سے جو بھڑک رہی ہے)

لَا یَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَی (نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت) داخل ہونا لازمی طور کہ جس کی گرمی کی سختی برداشت کرنے کی نہیں۔

حل لغات الاشقی شقاوت میں زیادہ۔ یعنی کافر۔ کیونکہ وہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے۔ کشف الاسرار میں ہے: اشقی بمعنی شقی ہے اور اہل عرب فاعل کو افعل میں استعمال کرتے ہیں، اسی سے قولِ الٰہی وانتم الاعلون (اور تم ہی بلند ہو) اور اتبعك الارذلون (اور رذیل لوگوں نے تیری تابعداری کی)

مسئلہ: فاسق کا دوزخ میں داخل ہونا لازم نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے تو) اور نہ ہی دائماً دوزخ میں رہے گا جس کی اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی (جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) یعنی حق کی تکذیب کی اور اطاعت سے منہ پھیرا۔ اور یہ صرف کافر ہی کر سکتا ہے وَسَیُجَنَّبُهَا (اور بہت اس سے دُور رکھا جائیگا) کہ اس کی آواز بھی نہ سنے سیجنّب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی یہ کام کرنیوالا دور رکھنے والا اور بعید کرنے والا وہی ہے۔ الْاَتْقَی (جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) کفر و معاصی سے بہت بچنے والا، وہ دوزخ کے قریب بھی نہ ہوگا چہ جائیکہ اس میں داخل ہو یا دائماً اس میں رہے۔

ف: وہ جو اس سے مرتبہ میں کم ہے کہ وہ کفر سے تو بچتا ہے لیکن معاصی سے نہیں یعنی مومن شقی فاسق غیر تائب، اس کے لیے ایسا دُور رکھنا نہیں بلکہ (ممکن ہے) وہ داخل ہو لیکن اس کی گرمی کی شدت کافر کی طرح نہ چکھے گا کیونکہ وہ دوزخ فوقانی (اوپر والے طبقہ) میں ہوگا اسی لیے وہ معنی مذکور کی طرح دوزخ میں نہ ہوگا اسی لیے حصر اس کے خلاف نہیں۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اتقٰی بمعنی تقی ہے اشقٰی بمعنی شقی کی طرح۔ شاعر نے کہا: ؎

تمنی رجال ان اموت وان امت
فتلك سبیل لست فیها باوحد

ترجمہ: لوگوں نے میرے مرنے کی آرزو کی، اگر مر بھی جاؤں تو یہ وہ راہ ہے کہ میں اس میں تنہا نہیں۔

ف: اوحد بمعنی واحد ہے۔

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ (جو اپنا مال دیتا ہے) خرچ کرتا ہے نیکی و حسنات کے وجوہ میں۔
یَتَزَکّٰی (کہ ستھرا ہو) یہ یؤتی سے بدل ہے صلہ کے حکم میں داخل ہے اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں
یا محلاً منصوب ہے کہ یؤتی کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ خرچ کرنے کے بعد طالب ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس کا مال
ستھرا ہو اور بڑھے اس سے اس کا ریاء و شہرت کا ارادہ نہیں، یا درانحالیکہ وہ پاک ہونے والا اور گناہوں اور
بخل کی غبار اور امساک کی گرد سے صاف ہونے والا ہے۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی
(کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے) جملہ مستانفہ مقررہ ہے اس کا کہ اس کا مال دینا محض تزکی
کی نیت پر ہے خالص رضائے الٰہی کے لیے ہے یعنی کسی کی اس پر نعمت نہیں اور نہ ہی احسان ہے جس کا بدلہ
دیا جائے کہ وہ خرچ کرنے سے بدلہ اتارنے کا ارادہ کرتا ہے اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی (صرف
اپنے رب تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے) استثناء منقطع ہے نعمۃ سے کیونکہ رضائے الٰہی کی
طلب نعمۃ کی جنس سے نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ رضائے رب کی خاطر ہے یعنی اس کی ذات اور رضا کی طلب
کے لیے وہ حقیقت میں مفعول لہ ہے اور اس نے کسی گزشتہ نعمت کا بدلہ اتارنے کے لیے مال نہیں دیا جو وہ
ادائے دین کے طور ہو اس کے تو مزید ثواب کے استحقاق میں دخل نہ ہوگا بلکہ ثواب کا مستحق وہ ہے جب اس کا
فعل اس ارادہ پر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا اور اس کی ترغیب دی ہے وہ اس کے حکم کی تعمیل اور اسے
راضی کرنے کے لیے خرچ کر رہا ہے۔

ف: الاعلیٰ بمعنی علی رفیع ہے جو تمام مخلوق سے قہر و غلبہ میں بلند (کذا قال ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وجہ کی وصف سے وہی ذات موجودہ مع
جمیع الصفات مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بحسب ہر اسم ایک وجہ ہے جس سے وہ
جلوہ گر ہوتا ہے اس کے لیے جو اسے پکارتا ہے زبان حال سے اسی اسم کے ساتھ اور اس کی عبادت کرتا ہے
اپنی استعداد پر اور الوجہ الاعلیٰ وہ ہے کہ اس کے لیے بحسب اسم اعلیٰ وجہ ہے جو جمیع اسماء کو شامل ہے
اگر اسے رب کی صفت بنایا جائے تو رب سے مراد وہی اسم ہے۔

شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (دراصل یہ سورۃ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و
کمالات پر مشتمل ہے اسی لیے فقیر اس کے متعلق صاحب روح البیان
قدس سرہٗ کے مضامین ملا کر عرض کرتا ہے۔

شانِ نزول: جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت گراں
قیمت پر خرید کر آزاد کیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا

شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو انہوں نے اتنی بڑی قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرمادیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام کے سبب خرید کر آزاد فرمایا۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا؛[1] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی خرید کر آزاد فرمایا ان کے نام یہ ہیں ؛

(۱) عامر بن فہیرہ

(۲) اُن کا بھائی

(۳) عبید

(۴) بی بی زنیرہ ہمچوں سکینہ۔ یہ مملوکہ (کنیز) رومیہ تھیں۔

(۵) ان کی بیٹی ام عمیس

(۶) بنی المؤمل کی کنیز

(۷) ان کی بیٹی نہدیہ۔

بی بی زنیرہ کی کرامت یہ بی بی ضعیف البصر تھیں۔ انہیں مشرکین نے طعنہ مارا کہ ان کی آنکھیں لات و عزّٰی نے چھین لی ہیں جب سے زنیرہ نے ان کے دین کی مخالفت کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں روشن فرمادیں۔

ف ؛ مشرکین مذکورہ حضرات کو اذیتیں پہنچاتے تاکہ اسلام سے پھر جائیں، انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اشقٰی سے ابوجہل یا امیہ بن خلف مراد ہے۔

ف ؛ کشف الاسرار میں ہے کہ یہ سورۃ دو شخصوں کے بارے میں ہے :

(۱) سب سے بڑا متقی جو صدیقوں کا امام ہے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

(۲) سب سے بڑا اشقی جو زندیقوں کا سردار ہے یعنی ابوجہل۔

ف ؛ سورۃ کے ابتداء میں لیل و نہار کی قسم یاد فرمائی ہے اس میں اشارہ ہے ایک کی ظلمت کی طرف اور دوسرے کی نورانیت کی طرف، یعنی شبِ ضلالت میں اس جیسا بڑا اور کوئی گمراہ نہ تھا وہ ہے ابوجہل

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

شقی، اور دعوت کے دن جیسا نورِ ہدایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا اس سے بڑھ کر اور کو ن ؎

(۱) سرِ روشن دلان صدیق اعظم — کہ شد اقلیم تصدیقش مسلم

(۲) زمہرش روز دین را روشنائی — بدو اہل یقین را آشنائی

ترجمہ : (۱) روشن دل حضرات کا سردار صدیق اعظم ہے کہ اس کی تصدیق کی شاہی مسلّم ہے۔

(۲) ان کی مہر محبت سے دین کو روشنی ملی اور انہی کی بدولت اہلِ یقین کو آشنائی۔

(حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ خزائن العرفان میں میں رقمطراز ہیں کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں، جن میں سے ایک حضرت صدیق اتقیٰ ہیں اور دوسرا امیہ اشقیٰ۔ امیہ بن خلف حضرت بلال کو جو اس کی ملک میں تھے دین سے منحرف کرنے کیلئے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا تھا۔ ایک روز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اُمیہ نے حضرت بلال کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے پتھر ان کے سینہ پر رکھے ہیں اور اس حال میں کلمۂ ایمان ان کی زبان پر جاری ہے۔ آپ نے امیہ سے فرمایا، اے بدنصیب! ایک خدا پرست پر یہ سختیاں۔ اس نے کہا آپ کو اس کی تکلیف ناگوار ہے تو خرید لیجئے۔ آپ نے گراں قیمت پر انھیں خرید کر آزاد کردیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی (۱)، میں بیان فرمایا گیا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوشش اور اُمیہ کی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رضائے الٰہی کے طالب ہیں امیہ حق کی دشمنی میں۔

ف : اس شانِ نزول کے مطابق صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کے مضامین ملاحظہ ہوں)[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کا ایک نمونہ

منقول ہے کہ امیہ بن خلف کے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) غلام تھے اس نے آپ کو گوناگوں عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا تاکہ آپ دینِ حق سے پھر جائیں۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں آتشِ حُبِّ ربّانی اور زیادہ شعلہ زن ہوتی ؎

آنجا کہ منتہائے کمال ارادتست
ہر چند جور بیش محبت زیادتست

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: جہاں کمالِ ارادت انتہا پر ہو وہاں جتنا ظلم ہو گا اُتنا ہی محبت میں اضافہ ہوگا۔

ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اُدھر سے گزر ہُوا دیکھا کہ گرم پتھر آپ کے سینے پر تھا لیکن آپ کی زبان پر جاری تھا، احد احد (اللہ اللہ)۔ امیہ کہتا تھا کہ اے بلال! تُو اسی حال میں مر جائیگا یا یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دامن چھوڑ دے اس سے کفر کر۔ لیکن حضرت بلال اسی دھن میں کہتے رہتے احد احد (اللہ اللہ) حضرت بلال کا یہ حال دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل پگھل گیا اور امیہ کو فرمایا: افسوس ہے تجھ پر، تُو ایسے محبوبِ خدا پر ستم ڈھا رہا ہے۔ امیہ نے کہا: اگر تیرا دل اس کا حال دیکھ کر پسیجتا ہے تو اسے خرید لے۔

بلال کو مژدۂ جانفزا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر امیہ ظلم کر رہا تھا اور حضرت بلال احد احد کہہ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُدھر سے گزر ہُوا آپ نے حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کو مژدۂ جانفزا سنایا کہ:

اللہ الاحد ینجیک (خدائے واحد تجھے نجات دے گا)

بلال کی خریداری

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی مراد سمجھ گئے، فوراً گھر پہنچے اور گھر سے ایک رطل سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ اے امیہ! بلال کو بیچے گا؟ امیہ نے کہا ہاں۔ آپ نے بلال کو خرید کر اس کے سامنے آزاد کر دیا۔ مشرکین نے کہا کہ ابوبکر نے بلال کو خرید کر اس لیے آزاد کیا ہے کہ بلال کا ان پر کوئی احسان ہو گا جس کا ابوبکر بدلہ چکا رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہُوئی۔

مہنگا بلال رَضِیَ اللہُ عَنْہُ

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو ایک چادر اور دس اواق دے کر خریدا، اور ایک اوقیہ چالیس درم کا ہوتا ہے۔ یہ اواق آپ نے ایک پتھر کے نیچے چھپا رکھے تھے۔ کفار نے کہا: اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) اگر تو اسے ایک اوقیہ قیمت بتاتا تب بھی اسے بیچنے کو تیار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کی قیمت یک صد اوقیہ بتاتے تب بھی میں اسے ضرور خریدتا۔

وہ غُلام

بعض نے کہا کہ عبداللہ بن جدعان کا غلام تھا اس نے بتوں پر ٹٹی کر دی اس کی شکایت عبداللہ کو پہنچی تو عبداللہ بن جدعان نے وہ غلام کفّار کو ہبہ کر دیا اور ساتھ سَو اُونٹ بھی بتوں پر قربان کر دئے۔ وہ کفار اس غلام کو گرم ریت پر لٹا کر عذاب دیتے تھے۔

حبشی کے بدلے رومی

ابن المسیّب کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ سے ایک غلام نسطاس (بکسر النون) کے بدلے میں خریدا جسے آپ نے دس ہزار دینار میں خریدا تھا لیکن تھا مشرک۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: تجھے بہت سا مال دوں گا اور آزادی بھی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ کو لکھا کہ بلال کی قیمت کیا ہے؟ کہا: رومی نسطاس غلام مجھے دے دو، اور یہ غلام (نسطاس) قیمتی نقد دس ہزار دینار میں بک سکتا تھا اور اس کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بہت سا مال تھا اسے فرمایا کہ مسلمان ہو جا وہ تمام مال میں تجھے دے دوں گا، اس نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل اس سے کھٹا ہو گیا۔ جب امیہ سے سنا کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے میں وہی غلام (نسطاس) مانگتا ہے اسے غنیمت سمجھ کر نسطاس امیہ کے حوالے کر دیا اور بلال کو لے کر ثوابِ اُخروی کی نیّت پر فوراً آزاد کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعائیں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اس نے اپنی صاحبزادی مجھے بیاہ دی اور مجھے دار الہجرۃ میں لے آیا اور مال دے کر بلال کو آزاد کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بلال کو "سیدنا" پکارنا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "سیدنا" کہہ کر پکارتے تھے اور فرماتے:

بلال سیّدنا ومولیٰ سیدنا (بلال ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کا غلام آزاد شدہ ہے)

سلمان فارسی کو اہلبیت ہونے کا شرف

اس کی نظیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سلمان منّا اھل البیت (سلمان ہمارے اہلبیت میں سے ہے)

سبق شرف تقویٰ پر غور کرو کہ کیسے کیسے غلاموں کو سیادت و شرافت نصیب ہو رہی ہے۔ اس میں سبق ہے کہ کوئی بھی اپنے نسب سے دھوکا نہ کھائے۔ کیونکہ یہ حد انصاف سے خارج ہے۔

نصیحتِ پدر با ابوبکر رضی اللہ عنہ سُہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے والد ماجد (ابو قحافہ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ قوت و طاقت والے غلام خریدو تاکہ وہ تمہیں فائدہ و نفع پہنچائیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ تم کمزور اور ضعیف غلام خرید کر آزاد کرو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: گزشتہ مضامین سے ثابت ہوا کہ فضیلت اس خرچ کرنے میں ہے جو رضائے الٰہی میں ہو، اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ آخرت سنور جائے، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے دنیوی مباح فائدہ مطلوب ہو۔

مسئلہ: ریاء و سمعۃ (شہرت) سے ہو وہ مباح کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وہ خسیس و قبیح تر ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من صنع الیکم معروفا فکافئوا بہ — جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اسے بدلہ دو اور کچھ نہ ہو تو اسے دُعا دو۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ بدلہ دینا مشروع و محمود ہے لیکن وہ درجۂ ابتغاء وجہ اللہ میں داخل نہیں (اگر صرف بدلہ اتارنا مطلوب ہے تو)

تفسیر عالمانہ **وَلَسَوْفَ يَرْضٰى** (اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا) مضمر قسم کا جواب ہے کہ دراصل و باللہ ولسوف یرضیٰ تھا یعنی عنقریب وہ اتقیٰ جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہے راضی ہوگا۔

ف: اس میں وعدہ کریمہ ہے جملہ ان مقاصد کا جن وہ طالب ہے کہ وہ اسے ضرور نصیب ہوں گے اکمل و اجمل وجہ سے، کیونکہ خوشی اسی سے ہی متحقق ہوگی۔

ف: بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور وُہ اللہ تعالیٰ سے جب وہ اسے جنت میں کرامت اور قُرب عطا فرمائے گا اس کے فعل و عمل کی جزاء۔

نکتہ ایسا وعدہ صرف رسل کرام علیہم السلام کے لیے نازل ہوا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمایا:

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ — عنقریب تمہیں تمہارا رب تعالیٰ وہ دے گا جس سے تم راضی ہوگے۔

یا پھر یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے نازل ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ رضا عارف کو نصیب نہیں ہوتی جب تک وہ معروف میں فنا نہ ہو جائے اور یہاں تک کہ وہ اس کی صفات سے موصوف ہو تا کہ اس کی رضا میں اس کی نعت نعتِ حق سبحانہٗ ہو۔

فقیر اویسی غفرلہٗ تفسیر الّیل کے ترجمہ سے ۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ بروز بدھ فارغ ہوا۔
(الحمد للہ علیٰ ذٰلک)

سُوْرَةُ الضُّحٰی

رکوعها ۱	(۹۳) سورۃ الضحٰی مکیّۃ (۱۱)	اٰیاتها ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ع

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بیشک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

سورۃ الضحٰی مکیہ ہے اس کی گیارہ آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

وَالضُّحٰی (چاشت کی قسم) وہ سورج کے ارتفاع اور چاشت یعنی صدر النہار کا

وقت ہے۔ الضحیٰ سے یہی مراد ہے صرف حلول ظرفیۃ کے علاقہ کی وجہ سے اس لیے کہ زمانہ ظرف ہے اس کے لیے جو وہ اس میں واقع ہے یا مضاف محذوف ہے اور وہ مجاز یا حذف اس لیے ہے تاکہ رات کے ساتھ مناسبت ہو جائے۔

بعض نے کہا کہ ان کی قسم کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے مشرف فرمایا اور جادوگر سجدہ میں گرے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وان یحشر الناس ضحیٰ (چاشت کے وقت لوگ جمع کیے جائیں گے)

گویا اسے اسی وقت کی وجہ سے شرافت اور مقسم سے مناسبت ہے کہ اس کی قسم اسی لیے یاد فرمائی گئی ہے۔

مسئلہ: چاشت کی نماز زوال سے پہلے بالاتفاق سنّت ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ دو یا چار رکعت ہے ایک سلام سے۔ اور امام مالک کے نزدیک کوئی حصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم از کم دو رکعت ہیں اس سے زائد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ رکعات ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آٹھ رکعت۔ اسی پر اکثر اصحابِ شافعی ہیں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق میں یہی صحیح ہے۔

حدیث شریف حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعات پڑھی تھیں جب آپ بی بی اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ اس سے قبل بھی پڑھا کرتے تھے۔

وَالَّیْلِ (اور رات کی) اس سے جنس لیل مراد ہے۔ ابن خالویہ نے فرمایا کہ اس کا عطف الضحیٰ پر ہے مستقل قسم نہیں کیونکہ واؤ کی جگہ پر ثمّ اور فاء واقع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے ثم اللیل اور ثم لا یکون یہ قسم نہ ہو گی اِذَا سَجٰی (جب پردہ ڈالے) جب اس کے اہل ساکن ہوں یہ مجاز ہے اسناد الفعل الی الزمان کے قبیل سے ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ٹھہرے اس کی تاریکی اور استقرار کرے اور انتہاء کو پہنچے اس سے آگے نہ بڑھے اور رات کی تاریکی کا سکون عبارت ہے عدم تغیر بالاشتداد والتنزل ہے اور وہ یہ کہ جب ظلام (تاریکی) سخت اور مکمل ہو جاتی ہے تو زمانہ مستقر ہو جاتا ہے اس کے بعد تنزل شروع ہو جاتا ہے تو اسناد سکون ظلمت کا لیل کی طرف مجازی ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے سجا البحر (دریا ٹھہر گیا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کی موجیں ٹھہر جائیں۔ اور لیلۃ ساجیۃ ساکنۃ الریح (رات ٹھہرنے والی ہے اس کی ہوا) بعض نے کہا سجٰی کا معنیٰ ہے لوگ اور ان کی آوازیں ساکن ہو گئیں۔

تفسیر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا کہ الضحیٰ سے مراد وہ وقت ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی کا شرف بخشا، اور لیل سے شبِ معراج۔

تفسیر صوفیانہ صاحب کشف الاسرار نے فرمایا کہ روز و شب سے مراد وہ کشف و حجاب ہیں جو نشانۂ نسیم لطیف اور سموم قہر اور علامت انوار جمال و جلال ہے جیسے سیدنا جنید (بغدادی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: والضحیٰ مقام شہود اور واللیل اذا سجیٰ وہ مقام الغین ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انه لیغان علیٰ قلبی۔ (بیشک میرے قلب اقدس پر ایک غین (غبار) سا آجاتا ہے)

رُخِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ و زلفِ عنبریں کی قسم ضحیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی روشنی اور لیل سے زلفِ عنبریں کی سیاہی مراد ہے ؎

والضحیٰ رمزے ز روئے ہمچو ماہِ مصطفیٰ
معنئ واللیل گیسوے سیاہِ مصطفیٰ

ترجمہ: والضحیٰ سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی طرف اور واللیل سے گیسوئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاہی کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: اللیل کی تقدیم سورۂ واللیل میں اشارہ ہے کہ رات اصل ہے اس لئے کہ دن طلوعِ شمس سے ہی آتا ہے اور اس کے غروب سے ہوا اپنی اصلیہ کی طرف آجاتی ہے اسی لیے آیت وجعل الظلمات والنور میں ظلمۃ کی تقدیم ہے اور یہاں سورہ والضحیٰ میں نہار کی تقدیم ذاتی و عارضی شرافت کی وجہ سے ہے۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ دن کا تو ایک حصہ مذکور ہوا اور رات تمام۔

جواب: یہ اگرچہ دن کا ایک حصہ ہے لیکن تمام رات کے شان کے برابر ہے جیسے حضور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام کے شان کے برابر (بلکہ افضل) ہیں۔

(۲) دن سرور و راحت کا وقت ہے اور رات وحشت و غم کا وقت۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ ہموم دنیا سرور سے زیادہ ہیں اس لیے کہ ضحیٰ ایک ساعت ہے اور لیل ساعات۔

غم اور ملال کی بارش مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو [illegible] اس کے [illegible] سیاہ بادل پیدا کیا اس سے [illegible] برسوں تک ہموم و احزان

برس ایک صدی مکمل جب سو سال کے بعد بادل چھٹ گیا پھر پکار اکہ کیا برسوں حکم ہُوا ایسی ہی ہموم و احزان تین صدیاں برس اس کے بعد دہنی جانب بادل آکر پکارا کیا برسوں جواب ملا، سرور برس لیکن صرف ایک ساعت۔ اسی وجہ سے عموماً انسان ہموم و احزان کے گھیرے میں ہے اور سرور وراحت بہت کم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ (کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا) جواب قسم ہے تودیع وداع کا مبالغہ ہے بمعنی الترك، کیونکہ جس نے الوداع کیا وہ جدا ہوا اور چھوڑ گیا یعنی تمہارے رب تعالیٰ نے تجھے چھوڑنے میں مبالغہ نہیں کیا الوداع بمعنی جُدائی کا اعلام (آگاہ کرنا)

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تودیع کا اصل الدعة ہے یعنی مسافر کے لیے دعا کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سفر کی مشکلات آسان فرمائے اور اسے دعة وخفض میں پہنچائے جیسے تسلیم سلامتی کی دعا ہے۔ اب یہ مسافر کی مشایعت (روانگی) اور چھوڑنے میں متعارف ہے۔ آیت میں اسی ترک کو تودیع سے تعبیر کیا ہے۔ اب معنی یہ

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے رب نے مسافر کو چھوڑنے طرح آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی درجۂ وحی اور مرتبۂ قُرب وکرامت سے گرایا ہے۔ اس میں استعارہ تبعیہ ہے اور لفظ رب میں اشارہ ہے کہ جیسے مُربّی مَربُوب کو نہیں چھوڑتا تو (بلاتمثیل) آپ کا رب بھی آپ کو نہ چھوڑیگا۔ وَمَا قَلٰى (اور نہ مکروہ جانا) اور آپ سے بغض کیسا (جبکہ آپ محبوب ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حلِ لغات القلی بمعنی شدة البغض۔ کہا جاتا ہے: قلا زیدا یقلوہ ای ابغضہ زید سے سخت بغض کیا از قلو بمعنی پھینکنا۔ جیسے کہتے ہیں: قلت الناقة براکبھا اونٹنی نے سوار کو گرادیا (پھینک دیا) اس معنی پر گویا مغضوب کو غاضب نے اپنے قلب سے ایسا باہر پھینک دیا کہ گویا اسے کبھی قبول نہ کرے گا۔ ایسے ہی قلاہ یقلیہ ویقلاہ بمعنی ابغضہ یعنی اس سے سخت کراہت کرکے اسے اچھی طرح چھوڑ دیا یا اسے ہجر میں پھینک دیا۔ اس کا اس کے دل میں بغض بیٹھ گیا (قاموس) جس نے اسے یائی سے بنایا تو اس نے قلیت البسر والسویق علی المقلی سے لیا (المفردات) اور شاید وما قلی عطف السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے کیونکہ اس میں تعلیل ہے اور قلاك سے کاف محذوف ہے کیونکہ کلام دلیل کافی ہے اور فواصل کی رعایت بھی ضروری ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے چند روز (دس سے بھی زیادہ ایام) وحی نہ آئی جب آپ نے مشرکین کے سوال پر اِن شاء اللہ تعالیٰ نہ کہا۔ اس کا قصہ یُوں ہے کہ مشرکین یعنی قریشِ مکہ نے یہود مدینہ کی طرف پیغام بھیجا کہ کوئی ایسی تجویز بتائیں

---

[۱] یعنی انسان کی آخری بار سُرور (خوشی) کی باری آئی اور وہ بھی ایک ساعت ۱۲

جس سے محمد عربی کو لاجواب کر سکیں ۔ یہود نے پٹی پڑھائی کہ ان سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصّے اور روح کی حقیقت کا سوال کرو اگر وہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصّے بتادیں اور روح کی حقیقت بتانے سے معذوری کا اظہار کر دیں تو یقین کرو کہ وہ نبی صادق ہیں ۔ آپ کے پاس مشرکین آئے اور یہ تینوں سوال کیے ۔ آپ نے فرمایا ؛ کل آنا ۔ آپ نے اِن شاء اللہ نہ کہا ، اس پر چند روز وحی رُک گئی ۔ مشرکین نے کہا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رب نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ان سے ناراض ہو گیا ہے ۔

شانِ نزول ۲ جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں تاخیر کی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شکوہ کیا تو بی بی نے کہہ دیا کہ آپ کو آپ کا رب چھوڑ تو نہیں گیا یا ناراض تو نہیں ہو گیا ۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آیت لائے ؛

ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ فاخبرہ بما سئل عنہ ۔	اور یہ نہ کہو کہ فلاں کام کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے ، پھر یہود کے سوالات کے جوابات عرض کر ۔

اس کی تحقیق سورۂ کہف میں گزری ہے ۔ اس کے ساتھ یہ آیت بھی لائے ؛

ما ودعك ربك وما قلٰی ۔

مشرکین کے رد میں ، اور آپ کو نویدِ مسرت سنائی کہ حبیب حبیب کو کیسے چھوڑ سکتا ہے ان کا آپس میں بغض کیسا اور کہاں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دنیا میں وحی و کرامت سے نوازتا ہے اور آخرت کے درجات و کرامات تو اس سے بزرگ تر اور عظیم تر ہیں آنے والی آیت سے معلوم ہوتا ہے ۔

شانِ نزول ۳ کُتیا کا بچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دولت کدہ میں داخل ہو کر آپ کی چارپائی کے نیچے مر گیا ، آپ پر چند روز کے لیے وحی نہ آئی ، ایک دن آپ نے اپنی خادمہ خولہ کو فرمایا کہ میرے گھر پر کیا حادثہ گزرا کہ جبریل علیہ السلام نہیں آرہے ۔ بی بی خولہ رضی اللہ عنہا نے جھاڑو دیا تو چارپائی کے نیچے کتیا کا بچہ مرا ہوا پایا اُسے جھاڑو سے باہر نکالا ۔ بی بی نے اسے دیوار سے باہر پھینک دیا ۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حیاء سے کانپنے لگے اور کاندھا مبارک تھر تھرایا اندریں اثنا آپ پر وحی کا نزول ہُوا ، اس سے آپ کی کپکپی بدستور رہی اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ؛ اے خولہ ! مجھے کمبل اُڑھا دے ۔ اس کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہی سورۃ اتاری ۔ جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے آپ نے اُن سے تاخیر کا سبب پُوچھا تو عرض کی کہ ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کُتّا یا تصویر (فوٹو وغیرہ) ہو ۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافِ اولیٰ کا صدور ہوتا تھا لیکن نہ تو آپ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے ممقوت تھے نہ مبغوض۔ ہاں وحی کی تاخیر و احتباس صرف اور صرف تربیت و ارشاد اور تعلیمِ اُمت کے لئے تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو نہیں چھوڑا کہ فیضِ نبوت و رسالت آپ کے ظاہر سے منقطع کر دیا ہو، اور نہ ہی آپ کے باطن سے فیض و ولایت ترک کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (اور بیشک پچھلی تمہارے لیے بہتر ہے) اس لیے کہ آخرت علی الاطلاق شوائب سے صاف اور باقی ہے۔ اور الاولیٰ سے مراد دنیا ہے کیونکہ وہ آخرت سے پہلے پیدا کی گئی ہے، اور مضرتوں اور نقصانوں سے بھرپور ہے اور دنیا و آخرت دونوں سے ان کی کرامات ہیں اور لام وللاٰخرۃ میں ابتداء کی ہے مضمون جملہ کی مؤکد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے نہایت کے احوال آپ کے بداہتہ (ابتداء) کے افعال سے افضل و اکمل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الیوم اکملت لکم علیکم دینکم (آج ہم نے تمہارا دین مکمل تر کر دیا) کیونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ شریعت و طریقت کے دو پروں سے آسمان سیر میں پرواز فرماتے رہے اور مقاماتِ قرب و کرامت میں ترقی فرماتے رہے، یہی حال آپ کے وارثین کاملین اولیاء (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) کا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ (اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا) لام ابتداء کی ہے اور مبتداء محذوف ہے دراصل ولانت سوف یعطیک الخ تھا اس لیے لام الابتداء صرف اور صرف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتی ہے۔ اور یہ لام قسم کی نہیں کیونکہ وہ مضارع پر نہیں داخل ہوتی جب تک مضارع میں نون مؤکدہ (ثقیلہ یا خفیفہ) نہ ہو اور مضارع کے سوف کے ساتھ لام کا اجتماع دلیل ہے کہ اعطاء لازمی امر ہے اگرچہ دیر سے سہی اور دیر میں (خیر اور) حکمت ہے اور لام ابتدا کی جب مجرد ہوتی تاکید پر دلالت کے لیے، اور سین تاخیر پر دلالت کرتا ہے ان دونوں اجتماع سے تنفیس (نفاست) ثابت ہوئی کہ عطاء کی تاخیر میں کوئی حکمت ضرور ہے اور لام اس حکم کی تاکید ہے جو زمانہ مستقبل کو مقترن ہے۔ فَتَرْضٰى (تم راضی ہو جاؤ گے) جو جو کچھ عطا کیے جاؤ گے اور اس سے آپ کا دل مطمئن ہو گا یعنی اتنا عطا ہو گا کہ پھر آپ خود کہیں گے میں اب راضی ہو گیا۔ یہ فاء کے ساتھ ما قبل پر عطف ہے آیت میں وعدہ کریمہ شامل ہے آپ کو جو اللہ تعالیٰ نے دنیا عطا فرمائی کمال نفس مبارک اور علوم اولین و

آخرین عطا فرمائے (جسے ہم اہل سنّت علمِ غیب کل اور ما کان وما یکون اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے علم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ) اور ظہور امر اور وہ فتوحات جو آپ کے زمانۂ اقدس اور زمانۂ خلفاء راشدین اور ملوک اسلامیہ میں ہوتیں اور اس ذریعہ سے دعوتِ اسلام اعلائے دین مشارق و مغارب میں ہُوا اور وُہ جو آپ کے لیے ذخیرہ کے طور کرامات و کمالات ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا چند ایک کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے وُہ یہ ہیں ؛

آخرت میں شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انعامات کا نمونہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرے لیے ایک ہزار محل تیار فرمائے جو خالص موتیوں کے ہیں اور اس کی مٹی مشک (کستوری) ہے اور ہر محل میں خدام حُوریں نعمتیں اور سامان ان کے لائق ہے۔

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی دنیوی زندگی کا نمونہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، دیکھا کہ بی بی نے اونٹ کی اُون کا کمبل اوڑھ رکھا ہے اور چکّی پیس رہی ہیں اور صاحبزادہ کو چھاتی سے لگا کر دُودھ پلا رہی ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو بہہ نکلے اور فرمایا ؛

پیاری بیٹی! آخرت سے پہلے دنیا کے کڑوے گھونٹ پی لے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے ولسوف یعطیك ربك فترضىٰ۔ عنقریب تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی قرآن فہمی سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہ کوفہ میں فرما رہے تھے کہ اے عراقیو! تمہیں لوگ کہتے ہیں کہ رحمت سے پُر امید ہونے پر آیت لا تقنطوا من رحمة الله زیادہ امید دلاتی ہے لیکن ہم اہلبیت کہتے ہیں کہ آیت ولسوف یعطیك ربك فترضىٰ زیادہ امید دلاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ کا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہُوا ؎

نماند بدوزخ کسے در گرد — کہ دارد چو تو سیدے پیشرو

عطائے شفاعت چنانش دہند — کہ امت تمامی ز دوزخ رہند

ترجمہ : دوزخ میں کوئی بھی مقید نہ ہو گا جب آپ جیسا سردار امام رکھتا ہے آپ کو شفاعت کی عطا اتنی حاصل ہو گی کہ آپ کی تمام اُمت دوزخ سے نجات پا جائے گی۔

شفاعتِ کُل

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اشفع لامتی حتی ینادی لی ارضیت یا محمد فاقول رب قد رضیت۔

میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے آواز آئے گی اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب راضی ہو میں کہوں گا میرے رب! میں راضی ہوگیا۔

رَدِ وہابی درحق ابوینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(وہابی اور بعض دیوبندی اس مسئلہ میں الجھے ہوئے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین (معاذ اللہ) کافر تھے یا دوزخی۔ فقیر نے ان کے رد میں ایک ضخیم کتاب ابوینِ مصطفےٰ لکھی ہے صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کا حوالہ بھی ملاحظہ ہو:)

قال الفهری ومما یرضیه فیه بعد اخراج کل مؤمن ان لایسوءه فی امه وابیه وان منع الاستغفار لهما واذن له فی زیارة قبرهما فی وقت دون وقت لانهما من أهل الفترة وقال سبحانه وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ومن لم یقنعه هذا الحظ المؤمن منها الوقف فیهما وان لایحکم علیهما بنار الابنص کتاب او سنة او اجماع الامة بخلاف ما ثبت فی عمه ابی طالب۔

(تفسیر فتح الرحمان)

(روح البیان ج ۱۰ ص ۴۵۵)

فہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس پر کب راضی ہوں گے کہ مومن کو تو دوزخ سے نکالیں اور والدین دوزخ میں رہیں (معاذ اللہ) ان کے استغفار سے ممانعت ان کے کفر کی دلیل نہیں کیونکہ ایک وقت میں زیارتِ قبر کی اجازت دی تو دوسرے وقت میں استغفار کی اس لیے کہ وہ اہلِ فترت سے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ رسول بھیجیں اگر کسی کو یہ دلیل بھی مطمئن نہیں کرتی تو اس کی نجات میں ہے کہ وہ اس مسئلہ میں توقف کرے کیونکہ کسی کو ناری نہ کہا جائے جب تک نص نہ ہو کتاب وسنّت یا اجماعِ اُمت بخلاف اس کے جو آپ کے چچا ابوطالب کیلیے ہے کہ اس کے لیے ناری ہونے کی نص ہے۔

منصور حلاج رحمہ اللہ سُولی پر کیوں

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ میں شہر قرطبہ میں تھا تو مجھے چند مخصوص انبیاء علیہم السلام کی زیارت نصیب ہُوئی ان میں سے میرے ساتھ حضرت ہود علیہ السلام مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ اجتماع کیسا ہے وہ منصور حلاج کے سفارشی ہیں جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کی بھُول بخشوانے آئے ہیں اس سے یہ غلطی ہوئی بلکہ بے ادبی اور گستاخی یہ کہہ دیا کہ حبیب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولسوف یعطیك ربك فترضٰی میں شفاعت کی عام اجازت دے دی تو پھر آپ کا حق تھا کہ آپ راضی نہ ہوتے جب تک تمام کافر و مؤمن بخشے نہ جاتے آپ صرف مؤمن اہلِ کبائر کی شفاعت پر راضی ہو گئے جب اس سے یہ قول صادر ہُوا تو حضور رسولِ اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصور کے پاس تشریف لائے اور فرمایا :

یا منصور أنت الذی انکرت علی فی الشفاعة فقال یا رسول اللہ قد کان ذلك قال الم تسمع انی قد حکیت عن ربی عزو جل اذا احببت عبدا کنت له سمعا و بصرا ولسانا و یدا فقال بلی یا رسول اللہ قال فاذا کنت حبیب اللہ کان هو لسانی القائل فاذا هو الشافع والمشفوع الیه وانا عدم فی وجوده فای عتاب علی یا منصور فقال یا رسول انا تائب من قولی هذا فما کفارة ذنبی قال قرب نفسك للہ قربانا قال فکیف قال اقتل نفسك بسیف شریعتی۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۶-۴۵۵)

اے منصور! تُو ہے جو مجھ پر شفاعت کا انکار کرتا ہے۔ عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی کہا ہے کہ آپ کافروں کی شفاعت بھی کرتے۔ فرمایا کیا تُو نے نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جب کسی بندے سے محبت کرتا ہُوں تو میں اس کے کان، آنکھ اور زبان ہو جاتا ہُوں اور ہاتھ بھی۔ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا، جب میں اُس کا حبیب ہوں تو میں اس کی صرف زبان ہُوں بولنے والا تو وہ ہے پھر شافع و مشفوع الیہ خود وہی ہُوا میں تو درمیان عدم ہوا تو اے منصور! مجھ پر تیری جھڑک کیسی؟ عرض کی: یا رسول اللہ! میری توبہ، اب اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے نفس قربان کر دے۔ عرض کی: کیسے؟ فرمایا: خود کو قتل کر دے میری تلوار سے۔

اس کے بعد منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ہوا سو ہوا۔ پھر ہُود علیہ السلام نے فرمایا کہ منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) جب دنیا سے رخصت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محجوب ہو گیا اور آج تک محجوب و مہجور ہے۔ یہ اجتماع اس کی سفارش کے لیے ہوا کہ حضور علیہ السلام اس کی خطا معاف فرمائیں اب سے اس کے دنیا سے رخصت ہوئے تین سو سال سے بھی زیادہ وقت گزر گیا ہے۔

جملہ موجودات کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

(ایسے عقائد و مسائل سے وہابی اور دیوبندی نہ صرف کوسوں دُور بلکہ جانی دشمن اور ایسے عقائد والے ان کے نزدیک کافر و مشرک لیکن الحمد للہ ہم اہل سنت کو ایسے عقائد و مسائل پر فخر اور ناز ہے۔ یہی عقائد نجدی تحریک سے پہلے تھے اور آج بھی انہیں نصیب ہیں جو اسلاف صالحین کو حق مانتے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ رُوح البیان جلد۱ صفحہ ۵۶۴ کی عبارت ملاحظہ ہو:)

قال بعض العارفين الحقيقة المحمدية اصل مادة كل حقيقة ظهرت ومظهرها اصل مادة كل حقيقة تكونت واليه ترجع الامر كله۔	عارفین نے فرمایا حقیقت محمدیہ ہر شے کی اصل و مادہ ہے اور ہر شے کا ظہور آپ سے ہے۔ اسی لیے ہر امر آپ کی طرف لوٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ۔

اور آپ راضی نہ ہوں گے جب تک آپ سے جو کچھ جُدا ہو گیا وہ واپس نہ آئے۔ اسی لیے جمال والے آپ کے جمال کے نزدیک اور اہلِ جلال آپ کے جلال کے نزدیک جمع ہوں گے۔

اور حضرت ابن عطا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتا ہے کہ تو کیا آپ معطی کی عطا سے راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے تو معطی چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انك لعلىٰ خلق عظيم (بیشک آپ خلقِ عظیم والے ہیں)

یعنی ہمت جلیلہ والے کہ آپ پر اکوان کی کوئی شے اثر انداز نہ ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کوئی اور شے پسند کرے گا۔

ف: بعض نے کہا کہ اس بندۂ خدا میں جو کوشش میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو تو اسے کچھ عطا کرے اور اس میں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے راضی ہو کر خود عطا کرے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا رب تجھے وجودِ حقانی عطا فرمائیگا ہدایت خلق اور ہدایت الی الخلق کے لیے بعد خالص فناء کے تم اس سے راضی ہو جاؤ گے اس اعتبار سے تم وجودِ بشری سے راضی ہوئے اور رضا صرف حالِ وجود میں ہی ہوتی ہے۔

ف: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر کریگا بالفعل وہ جو تیری قوتِ استعداد میں ہیں انواع کمالات ذاتیہ اور اصناف کراماتِ صفاتیہ و اسمائیہ۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا (کیا تجھے نہیں پایا یتیم) آپ کے والدگرامی (آپ کی پیدائش سے پہلے ہی) فوت ہو چکے تھے (اور پھر والدہ ماجدہ بھی وفات پا گئیں)

فَاٰوٰی (پھر جگہ دی) جواب ہے الم کا یا فاء عاطفہ ہے۔ یعنی ابن خالویہ نے کہا یعنی بیشک تجھے اللہ تعالیٰ نے یتیم نہیں بنایا پھر تمہارے لیے ٹھکانا بنایا جس میں آکر گزر بسر فرماتے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: اُوی فلان الی منزلہ (فلاں نے اپنی منزل میں جگہ لی) یاوِیْ اُوِیًا بروزن فعول بمعنی رجع و لجاء اور اٰویتہ انا ایواء (میں نے فلاں کو جگہ دی) ماوٰی وہ مکان جہاں انسان آکر بسرِ اوقات کرے اور رات دن اسی میں گزارے اور آئے جائے یا لم یجد از وجود بمعنی مصادفہ ہے اور یتیمًا اس کے مفعول سے حال ہے علی المجاز یعنی علم و قوعی حالی کا تعلق مصادفہ سے کیا جائے، ورنہ مصادفہ کو اللہ تعالیٰ سے کیا تعلق۔

دورِ یتیمی مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی ماں کے شکمِ اطہر میں تھے کہ والدگرامی فوت ہو گئے ابھی چھ سال کے ہوئے کہ والدہ ماجدہ چل بسیں اس وقت سے آپ کی کفالت آپ کے چچا ابوطالب نے کی۔

بعض روایات میں ہے کہ ولادت کے وقت سے آپ اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی زیرِ کفالت رہے اور والدہ ماجدہ کی پرورش میں رہے چھ سال کے تھے تو والدہ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد آپ کے دادا بھی دو سال کے بعد فوت ہو گئے اس وقت آپ کی عمر شریف آٹھ سال تھی۔ جب حضرت عبدالمطلب کا وقتِ وفات قریب ہوا تو انھوں آپ کی کفالت کی وصیت اپنے بیٹے ابوطالب کو کی اس لیے کہ حضرت عبداللہ اور ابوطالب ایک ماں سے تھے، یہی ابوطالب آپ کی کفالت کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو ابوطالب نے آپ کی مدد ایک مدت تک کی۔ ابوطالب فوت ہوئے تو کفار نے آپ کو اذیتیں پہنچائیں جو ابوطالب کی زندگی میں نہ پہنچا سکے تھے۔

حُبِ یتیمی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یتیموں سے پیار کرتے اور فرماتے :

کنت یتیما فی الصغر وغریبا فی الکبر وکان یحب الایتام و یحسن میں صغر سنی میں یتیم ہوا اور جوانی میں غریب ہوا۔

اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یتامیٰ سے پیار کرتے اور ان کی خدمت کرتے اور ان پر احسان فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے :

من ضم یتیما وکان فی نفقتہ وکفاہ مؤونتہ کان لہ حجابا من النار ومن مسح برأس یتیم کان لہ بکل شعرۃ حسنۃ۔

جس نے یتیم کو گلے لگایا اور اس کی کفالت اپنے ذمے لی تو یہ اعمال اس کے لیے جہنم سے حجاب بن جائیں گے اور جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا جہاں تک ہاتھ پھرا ہر بال کے برابر نیکی نصیب ہوگی۔

نکتہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس لیے یتیم ہو گئے تاکہ بعد کی عزت و شرافت اور غلبہ سے کوئی یہ نہ تصور کرسکے کہ آپ کو یہ مرتبہ نسب یا وراثتِ مالی یا کسی دوسرے دنیوی اسباب سے ملا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے الم یجدک یتیما یعنی تجھے یتیم دیکھا اور تجھے نبوت کے صدف اور مشکوٰۃِ ولایت میں جگہ دی ؎

بس کہ غواص قدم در تگ دریائے عدم
غوطہ زد تا بکف آورد چنیں در یتیم

ترجمہ ، غواص قدم نے دریائے عدم کی تہ میں غوطہ لگایا تاکہ آپ جیسا بے مثل موتی لائے۔
آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوہرِ بے عدیل پایا کہ آپ بکمال قابلیت از ہمہ کائنات منفرد و یگانہ تھے اور تمام ماسوی اللہ کے تعلق کے انقطاع میں بے مثال اور حضرت احدیت جمع میں متمکن بنایا۔

ف : کشاف میں ہے کہ تفاسیر کے عجائبات میں ہے کہ آپ یتیم عرب کے ان اقوال سے ہیں کہ کہا جاتا ہے : درۃ یتیمۃ (خالص موتی) اب معنی یہ ہوا کہ آپ قریش میں واحد یعنی عدیم النظیر ہیں عزت و شرافت میں پھر آپ کو ہم نے آپ کے دشمنوں میں ٹھکانا دے کر دشمنوں سے معصوم و محفوظ رکھا۔

تفسیر عالمانہ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا (اور آپ کو وارفتہ پایا اپنی محبت میں)

ضلال کے معانی : (۱) فقدان الشرائع (شریعتیں مفقود تھیں) اور وہ زمانہ ان احکام سے خالی تھا کہ ان کی طرف عقول سے راستہ نہیں ملتا جب تک کسی سے سُنا نہ جائے

جیسے فرمایا :

ماکنت تدری ما الکتٰب یعنی احکام وشرائع پر تم نے راہ نہ پایا تھا ۔

(۲) غیبوبۃ (غائب ہونا) مذکورہ بالا معنی کی طرف لوٹتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ضل بمعنی غائب ۔ جیسے شربت الاثم حتی ضل عقلی (میں نے شراب پی یہاں تک کہ میری عقل غائب ہوگئی)

(۳) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ضلال سے مراد ہے راہ سے ہٹ جانا عمداً یا سہواً تھوڑا یا زیادہ ، اس لیے اس کی نسبت انبیاء علیہم السلام بھی ہوتی ہے اور کفار کی طرف بھی اگرچہ ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ووجدک ضالاً فہدٰی یعنی اس راستہ پر نہ تھے جو نبوت کا راستہ آپ کے لیے مقدر ہو چکا تھا ۔

اور نبی موسیٰ علیہ السلام نے کہا :

فعلتہا اذا وانا من الضالین ۔ میں نے اسے کیا اس وقت میں ہوں ضالین سے ۔

اور یعقوب علیہ السلام کے لیے بیٹوں نے کہا :

انا ابانا لفی ضلال مبین ۔ بیشک ہمارا باپ ضلال مبین میں ہے ۔

اس میں تنبیہ ہے اس بارے میں کہ ان سے سہو ہوا ۔

سبق : ان معانی میں کچھ عامی معانی ہیں فلہذا انبیاء علیہم السلام بالخصوص اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ترجمہ میں کہیں گستاخی اور بے ادبی کا شکار نہ ہوجائیں ۔

فَہَدٰی تو مناہج الشرائع کی طرف راہ دکھائی کہ آپ کو وحی سے نوازا اور کتاب مبین عطا فرمائی اور وہ علوم بخشے جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھے ۔

نکتہ : اس نعمت کو دوسری نعمتوں سے اس لیے مقدم فرمایا کہ یتیمی کے بعد آپ کو سب سے پہلے یہی دور پیش آیا اور یہ آپ کے لیے تکلیف کا دور تھا یعنی عملی آزمائش تھی الحمد للہ کہ آپ اس دور میں بھی صحیح النظر رہے کہ نہ کسی بت کے سامنے جھکے اور نہ ہی فاحش امر آپ سے صادر ہوا ۔

(۴) آپ کو ضالین کے درمیان پاکر آپ کے طفیل انہیں ہدایت بخشی ۔ اس معنی پر ضال ہر قوم کی صفت ہوگی (نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) جیسے عام تراجم نے غلطی کھائی لفظی ترجمہ میں ۔ کہا جاتا ہے : رجل ضعیف اذا ضعف قومہ یعنی اس کی قوم ضعیف ہے ۔ (اسئلۃ المقحمہ)

تفسیر صوفیانہ (۵) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آپ الوہیت کے صحراء میں متحیر تھے پھر ہم نے آپ کو محو د شکر کے بعد کمال معرفۃ کی طرف راہ دکھائی، اس سے معلوم ہوا کہ ضلال بمعنی حیرت ہے، جیسے اس آیت میں ہے:

انک لفی ضلالک القدیم۔ یعنی اے یعقوب علیہ السلام آپ پرانی حیرۃ (عشق) میں ہیں۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بچپن میں مکہ کی گھاٹیوں میں غائب ہو گئے، حضرت عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) نے آپ کی بہت تلاش کی، نہ ملنے پر کعبہ معظمہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا مانگی ؎

یا رب فاردد ولدی محمدا

اردد الی واصطنع عندی یدا

ترجمہ: اے رب! میرے بیٹے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوٹا دے اور جلدی لوٹا کر میرے اوپر منّت واحسان فرما۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے ہاتھوں میں مکہ کی گھاٹیوں میں ابوجہل نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اور حضرت عبدالمطلب کے پاس لے آیا۔

دشمن سے اعانت یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ دشمن کے ہاتھوں اتنی بڑی خدمت لے لی اور آپ کو دشمن سے گزند بھی نہ پہنچا، اس کی نظیر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون دریا سے صندوق میں دیکھ کر خوش ہو کر گھر لایا، پرورش کی۔ پھر وہی موسیٰ علیہ السلام اس کے دشمن بن گئے اور حزن وملال کا موجب۔ اس کے علاوہ بھی ضالاً کے معانی ہیں [1]

تفسیر عالمانہ وَوَجَدَكَ عَائِلًا (اور آپ کو عیال دار پایا) یعنی فقیر اس معنی کی تائید مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کرتا ہے، اس میں ہے عدیماً (فقیراً)۔

حل لغات: کہا جاتا ہے: عال یعیل عیلا وعیلۃ، افتقر (فقیر ہوا)

فَاَغْنٰى (پھر غنی کر دیا) بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے، یا اس سے کہ آپ کو غنیمتیں حاصل ہوئیں یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی شخص کو سو سو اونٹ عطا

---

[1] تفصیل کے لیے فقیر کی تفسیر اویسی ملاحظہ کریں۔ اویسی غفرلہٗ

فرما دیتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے:

جعل رزقی تحت ظل رمحی ۔	اللہ تعالیٰ نے میرا رزق تیر کے سایہ کے نیچے مقرر فرما دیا۔

نکتہ: اس میں اشارہ ہے کہ اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداءً مالدار ہوتے تو لوگ کہتے کہ آپ کو عزت وعظمت اور غلبہ مال کی وجہ سے ملا ہے۔ جب بعد میں تمام اغنیاء وملوک سے بلند قدر ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ سب منجانب اللہ ہے۔

ف: بعض نے اغنیٰ کا معنیٰ قنعك و اغنیٰ قلبك کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت کی دولت بخشی اور آپ کے قلبِ اطہر کو غنی بنایا۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس الغنیٰ عن کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النفس ۔	غنار کثرتِ اسباب کا نام نہیں بلکہ نفس کے مستغنی ہونے کا نام غنار ہے۔

ف: اسی لیے امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اغنیٰ کا معنیٰ ہے آپ سے فقر النفس زائل فرمایا اور آپ کے لیے غنائے اکبر بنایا۔ حدیث شریف کے غنی النفس کا یہی معنیٰ ہے۔ بعض نے کہا کہ میانہ رَو کبھی محتاج نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر یعنی فانی از انیت و انانیت بنایا بجسب آپ کی استعداد قدیم کے پھر باقی بنایا ساتھ بقاء اپنے وجود اور اسماء وصفات کے۔

فقیر کیا ہے فقیر حقیقی ہے ماسوی اللہ سے خالی ہونا اور وجود اور اس کے توابع کو خرچ کرنا، اسی فقر پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فخر فرمایا ہے۔

ف: حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دو قسم کا غنار بخشا ہے:

(۱) اموال واسباب کی کثرت ووفرت سے نوازا اور یہی عوام ہیں اور غنار مجازی ہے۔

(۲) انھیں تصفیۂ احوال سے نوازا یہی خواص (انبیاء واولیاء) ہیں اور غنا حقیقی یہی ہے۔ اس لیے کہ مخلوق کا اپنے احوال کے تصفیہ کے لیے ایسے حضرات کے زیادہ محتاج ہیں بہ نسبت اموال کی محتاجی کے۔

نکتہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی نعمتوں سے خبر دینا آپ پر احسان جتلانے کے لیے نہیں

بلکہ تقویتِ قلب اور اطمینان کے لیے ہے کہ آپ پر کفار کا الزام بیان ہوا کہ آپ کو آپ کا رب تعالیٰ چھوڑ گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو) الیتیم منصوب اپنے مابعد کے فعل سے اور فاء سببیہ اس پر عمل سے مانع نہیں۔

فائدہ نحویہ : رضی (نحوی) نے کہا کہ مفعول بہ فعل عامل سے مقدم ہوتا ہے اگرچہ معمول فاء کے متصل اور وہ امّا کے جواب میں ہو بشرطیکہ اس کے سوا اس کا اور کوئی منصوب نہ ہو، جیسے فاما الیتیم فلا تقھر۔ اس لیے کہ محذوف شرط کے قائم مقام کسی کا ہونا ضروری ہے جو امّا کے بعد ہے۔

حلِ لغات قھر بمعنی غلبۃ و تذلیل معاً ہر دو میں مستعمل ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلا تقھر بمعنی لا تذللہ (اسے ذلیل نہ کرو) کسی اور نے کہا کہ بمعنی فلا تغلبہ علی مالہ و حقہ لضعفہ (اس پر دباؤ نہ ڈالو اس کے مال اور حق پر اس کے ضعف کی وجہ سے) ان کی قدر پہچانو کہ تم نے بھی شربتِ یتیمی کا مزہ چکھا ہوا ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ یتیموں کا مال چھین لیتے اور ان کے حقوق ظلماً کھا جاتے۔

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا بکی الیتیم وقعت دموعہ فی کف الرحمٰن فیقول من ابکی ھذا الیتیم الذی واریت والدہ تحت الثریٰ من اسکتہ ای ارضاہ فلہ الجنۃ۔

جب یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو رحمٰن کی ہتھیلی (قدرت کی ہتھیلی) پر گرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس یتیم کو کس نے رُلایا جس کے باپ کو میں نے گیلی مٹی میں چھپایا جو اسے چُپ کرائے گا یعنی خوش کرے گا اس کے لیے بہشت ہے۔

س

الا تا بگوید کہ عرش عظیم
بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم

ترجمہ : خبردار وہ فرماتا ہے کہ عرشِ عظیم لرز جاتا ہے جب یتیم روتا ہے۔

ف : حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا تحتقر فان لہ ربا ینصرہ۔

یتیم کی تحقیر نہ کرو کہ اس کا رب تعالیٰ ہے وہ اس کی مدد کرتا ہے۔

اور بعض قرأتوں میں ہے فلا تکھر (کاف معجمہ سے) یعنی اس کے سامنے تیوری نہ چڑھائیں۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اپنے یتیم نفس پر ریاضت و مجاہدہ کا دباؤ نہ ڈالو یعنی بھوک اور بیداری سے، اس لیے کہ تمہارا نفس تمہاری سواری ہے اور تمہارے اوپر تمہارے نفس کا حق ہے، جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

طٰهٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور منگتا کو نہ جھڑکو)

حلِ لغات: النھر والانتھار مغالطہ پر زجر کرنا، یعنی اسے جھڑکی نہ دو اور اس سے سخت کلامی نہ کرو بلکہ اس کا احسن طریق سے جواب دو یعنی اس پر سخت آواز سے نہ بولو اور اسے محروم نہ کرو کیونکہ تم بھی غریبی و مسکینی اور تنگدستی کی تکلیفیں اٹھا چکے ہو۔ یہ دوسرے اخیر یعنی ووجدك عائلا فاغنیٰ کے بالمقابل ہے اور فواصل کی رعایت کے لیے ہے۔

مسئلہ: یہ آیت تمام مخلوق کے لیے حکم میں برابر ہے کیونکہ دراصل ہر انسان فقیر ہے پھر جب اللہ تعالیٰ کسی پر نعمت کا نزول فرمائے تو اس پر واجب ہے کہ فقراء و مساکین کا حق پہچانے ؎

نہ خواہندۂ بر درِ دیگراں
بشکرانہ خواہندہ از در مراں

ترجمہ: تو کسی دوسرے دروازے کا بھکاری نہیں شکرِ الٰہی کے طور پر کسی کو دروازے سے نہ ہٹا۔

ملفوظاتِ اولیاء (۱) حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سائل ہمارا زادِ راہ آخرت اٹھائے رکھتے ہیں (جو ہمیں کل عطا ہوگا)

(۲) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سائل تو ہمارے لیے آخرت کا بھلا کرتا ہے وہ ہمارے دروازے پر آکر دستک دیتا ہے کہ ہے کوئی تم میں جو اپنی آخرت کے لیے کچھ بھیجے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انگور کا گچھا خرید کر کے بارگاہِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ پیش کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوگیا آپ نے وہ گچھا سائل کو عطا کر دیا۔ پھر حضرت عثمان نے خریدا اور حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا پھر وہی سائل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے پھر وہ گچھا اسے دے دیا۔ تیسری بار حضرت عثمان نے وہ گچھا خرید کر بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا تو وہ سائل پھر حاضر خدمتِ اقدس ہوگیا تو آپ نے غصہ سے نہیں بلکہ نہایت نرمی سے فرمایا: تو سائل ہے یا تاجر! اس پر یہ آیت اُتری و اما السائل فلا تنھر۔

ف : احتباسِ وحی (وحی رک جانا) کا ایک سبب یہ بھی ہے۔

ف : سوال بمعنی طلب الحاجۃ یعنی دنیا کی ضروریات میں سے کسی ضرورت کی طلب اور اس سے امورِ دینیہ میں کسی مسئلہ کی تحقیق بھی مراد ہوسکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من کتم علما یعلمہ الجم یوم القیمۃ بلجام من نار۔	جس نے علم چھپایا جس کا اسے علم ہے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام دے گا۔

ف : یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو اپنی کتب سے کسی کو استفادہ نہیں کرنے دیتا (جب خطرہ ہو کہ سرے سے کتاب ہی واپس نہ آئے گی تو گھر لے جانے کے لیے نہ دے وہاں بیٹھ کر مطالعہ کرنے کے لیے دے دے)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اپنے قلب کے سائل کو استغراق سے نہ جھڑکو، جو وہ بعض اوقات بحرِ حقیقت میں مستغرق ہوتا ہے تاکہ وہ تکالیف ریاضات و مجاہدات سے کسی وقت استراحت کرلے جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسے استغراق کے وقت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے فرماتے:

یا حمیراء کلمینی (اے حمیرا! مجھ سے بات کر)

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور اپنے رب تعالیٰ کی نعمت کا خوب چرچا کرو) تحدیثِ نعمت یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار زبان سے کرنا اور دوسروں کو یاد دلانا۔

حدیث شریف میں ہے:

التحدث بالنعم شکر۔	نعمتوں کا بیان کرنا بھی شکر ہے۔

ف : نعمۃ سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موجودہ نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور جن کا وعدہ فرمایا کہ آئندہ بھی آپ کو نعمتوں سے سرفراز فرمایا جائیگا اور سب سے بڑی نعمت

نبوت ہے۔ اہلِ ضلال کو ہدایت کی نعمت بھی اسی میں داخل ہے ایسے ہی جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور کتاب و حکمت کی تعلیم دی آپ کا شرائع و احکام کی تعلیم دینا بھی نعمتِ نبوت میں داخل ہے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر فتوحاتِ مکیہ کے مصنف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نعمت ایک بالذات محبوب شے ہے اور منعم اکثر شکرگزار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمایا کہ نعمت کی تحدیث (بیان) فرمائیں کیونکہ مخلوق محتاج ہے اور محتاج جب منعم کا شکریہ کرے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس لیے محبت کرتا ہے اسی لیے آپ نعمت کی تحدیث (بیان) کر کے مخلوق کو میرا محبوب بنائیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں۔ یہ ثالث یعنی ووجدک ضالاً الخ کے بالمقابل ہے اور اسے صرف فواصل کی رعایت کی وجہ سے مؤخر کیا ہے۔

مسئلہ : کواشی میں ہے کہ تحدیثِ نعمت کے طور از قسم طاعات کا بیان کرنا ریا۔ اور شیطان و نفس کی شرارت سے امن ہو تو بعض علماء کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک فتنہ کے خوف کی وجہ سے مکروہ ہے۔

حدیث شریف : عین المعانی میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

التحدث بالنعم شکر و ترکہ کفر۔ تحدث فی نعمت شکر اور اس کا ترک کفر (کفران) ہے۔

مسئلہ : الاشباہ میں ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی بعض کی نظروں سے چھپانا اور بعض کی نظروں میں ظاہر کرنا چاہیئے۔

ف : تحدیثِ نعمت تخلیہ (فلا تقہر) کے بعد تجلیہ ہے اور تین نکات کے مقابلہ میں اسے مکرر لایا گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

علیکم بکتمان النعم (تم پر نعمت کو چھپانا لازم ہے)

اس لیے ہر صاحبِ نعمت محسود (جس پر حسد کیا جائے) ہوتا ہے۔

ف : اشباہ میں ہے مریض (قریب المرگ) وارثوں کے خطرے سے زکوٰۃ چھپا کر ادا کرے۔

مسئلہ : اور ظالموں سے خوف کرنے والا کہ اسے کثیر المال سمجھ کر اس پر ظلم نہ کرے وہ بھی زکوٰۃ چھپا کر ادا کرے۔

فائدہ صوفیانہ : ابن عطیہ نے فرمایا کہ اپنے نفس کی فضیلت کو نہ بھول قدیماً وحدیثاً کیونکہ ظاہری نعمتوں کی تحدیث جائز ہے تو باطنی نعمتوں کا بیان کرنا از قسم کرامات و مخاطبات وغیرہ بھی جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نعمتِ نبوت کا شکر بیان کرو اپنے ظاہر نفس پر اور نعمتِ رسالت کا اپنے باطن قلب پر اور نعمتِ ولایت کا اپنے سر پر اور نعمتِ لقاء بعد الفناء کا اپنی روح پر یہی معنیٰ ہے سورۃ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ۔ (اچھی طرح سمجھ لے)

سورۃ والضحیٰ والم نشرح کے فضائل سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح دونوں بیمثال اور قیمتی موتی ہیں اس لیے ان میں حِکم اور معارف ہیں اسی لیے یہ دونوں سورتیں اور سورۃ النصر کامل اولیاء کی سورتوں میں سے ہیں۔

ف : جب سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزولِ وحی کی خوشی میں فرمایا: اللہ اکبر۔ اسی لیے اس کی تلاوت کے اختتام پر اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا سنّت ہے (کواشی)

ف : انسان العیون میں ہے: جب سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ اکبر کہا نزولِ وحی کی خوشی سے۔ اس کے بعد آپ قوم کو کُھلّم کُھلّا دعوتِ اسلام نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب واما بنعمۃ ربک نازل ہوئی تو پھر عام اور کھلم کھلا دعوت دینے لگے اس پر بھی آپ نے اللہ اکبر کہا۔ یہی سبب ہے کہ سورۃ والضحیٰ کے اختتام کے بعد سورۃ الم نشرح کے ابتداء میں اللہ اکبر کہنا چاہئے۔ ایسے ہی اس کے ختم پر ایسے ہی آخر القرآن کی ہر سورت کے اختتام پر۔

حدیث شریف : سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا: قرآن سناؤ۔ جب وہ یہ سورتیں پڑھتے تو سورۃ ختم کر کے وقف کے بعد کہتے اللہ اکبر۔

ف : بعض نے کہا کہ اللہ اکبر ہر سورۃ کے اول میں کہنا سورۃ الم نشرح سے شروع ہوتا ہے نہ کہ سورۃ والضحیٰ کے اوّل سے۔ بعض نے کہا اللہ اکبر کہنا سورۃ والضحیٰ کے آخر میں اور الم نشرح کے اول میں ہے۔ اسی طرح سورۃ قل اعوذ برب الناس کے آخر تک، اول و آخر میں تکبیر کہنا روایتین میں جمع اسی طرح آسان ہے وہ یہی ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ سورۃ کے اوّل میں اللہ اکبر کہنا دوسری روایت میں سورۃ کے اختتام پر ہے۔

مسئلہ : حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے کسی کو فرمایا کہ تُونے جب سورۃ والضحیٰ میں اللہ اکبر کہنا چھوڑ دیا ایسے ہی خارج نماز میں بھی، تو تو نے انبیاء علیہم السلام کے سنن میں ایک سنّت ترک کر دی۔

ف : ابن کثیر نے فرمایا کہ سورۃ والضحیٰ پر تکبیر کا حکم نازل نہیں ہُوا اور نہ ہی کسی ایسی روایت سے ثابت ہے کہ جس پر صحیح اسناد کا حکم لگایا جا سکے یا ضعیف کا۔

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ اہلِ مکہ کے قُرّاء و علماء سے صحیح ہے ۔

ف : ابو جعفر و ابو عمرو سے صحیح روایت مروی ہے اور باقی قرّاء سے بھی ختم قرآن کے وقت اللّٰہ اکبر کہنا سنّتِ ماثورہ ہے اور صحابہ کرام و تابعین رضی اللّٰہ عنہم سے ثابت ہے نماز میں بھی اور خارج از صلوٰۃ بھی کوئی اسے کہے نہ کہے کوئی حرج نہیں ۔

مسئلہ : سورۃ کے اول میں اختلاف ہے ۔ بعض نے کہا اس کا آغاز سورۃ والضحیٰ سے ہو ۔ بعض نے کہا اس کا آغاز سورۃ الم نشرح سے ہو ۔ پھر اس کے انتہاء میں بھی اختلاف ہے ۔ بعض نے کہا کہ سورۃ الناس کے ابتداء میں ہو بعض نے کہا انتہاء میں ہو ۔ اول الناس کے متعلق امام شافعی و احمد رحمہما اللّٰہ تعالیٰ سے مروی ہے لیکن قرأت و تلاوت کے لیے اسے حنابلہ نے مستحب نہیں کہا سوائے قرأۃ ابن کثیر کے ، اور میں اس پر آگاہ نہیں ہوا کہ نہ معلوم حضرت امام ابوحنیفہ و حضرت امام مالک رحمہما اللّٰہ نے کیا فرمایا ہے ۔

ف : تکبیر سے مراد اللہ اکبر کہنا ہے یہی بزی و قنبل کی روایت ہے اور تہلیل بھی تکبیر سے پہلے مروی ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر دونوں وجہیں صحیح جید مشہور مستعمل ہیں اور تکبیر کی صفت دو سورتوں کے درمیان ابن کثیر کی مطابق چودہ طریقے ہیں :

(۱) آخر السورۃ سے قطع اور بسم اللّٰہ سے وصل کرنے والی سورۃ کی بسم اللّٰہ سے وصل ولسوف یرضیٰ پر وقف کرکے اللہ اکبر کہہ کر بسم اللّٰہ پڑھ کر وقف کرکے پھر والضحیٰ شروع ۔

(۲) آخر سورۃ سے قطع اور بسم اللّٰہ سے وصل اور بسم اللّٰہ پر وقف پر ابتداء باوّل السورۃ یعنی ولسوف یرضیٰ پر وقف کرکے اللّٰہ اکبر کہہ کر وقف کرکے بسم اللّٰہ پڑھ کر والضحیٰ سے وصل ۔

(۳) آخر سورۃ سے وصل اور اس پر قطع اور بسم اللّٰہ کا وصل ولسوف یرضیٰ کے بعد اللّٰہ اکبر کہہ وقف کرکے بسم اللّٰہ پڑھ کر والضحیٰ سے وصل ۔

(۴) آخر سورۃ سے وصل اور اس پر قطع اور بسم اللّٰہ کا وصل اور وہ ولسوف یرضیٰ کا اللّٰہ اکبر سے وصل بسم اللّٰہ پر وقف کے بعد والضحیٰ پر وقف ۔

(۵) قطع التکبیر آخر سورۃ سے اور بسم اللّٰہ سے اور وصل بسم اللّٰہ کا اول سورۃ ولسوف یرضیٰ پر وقف کرکے اللّٰہ اکبر پر وقف پھر بسم اللّٰہ کا والضحیٰ سے وصل ۔

(۶) وصل تکبیر کا آخر سورۃ اور بسم اللّٰہ اور اول سورۃ یعنی ولسوف یرضیٰ پر پھر اللّٰہ اکبر کا وصل بسم اللّٰہ اور والضحیٰ سے ۔

(۷) تمام کا قطع یعنی اللّٰہ اکبر کا سورۃ ماضیہ سے اور بسم اللّٰہ سے اور بسم اللّٰہ کا آنے والی سورۃ سے

یعنی ولسوف یرضیٰ پر وقف کرکے اللہ اکبر کہہ کر وقف کرنا پھر بسم اللہ پڑھ کر وقف کرنا پھر والضحیٰ پر۔ یہ سات صورتیں مع التکبیر اسی طرح مع التہلیل کل چودہ ۱۴ ہوئیں۔

ف : ایک وجہ ہے وہ یہ کہ تکبیر کا وصل آخر سورۃ و بسم اللہ سے ناجائز ہے یعنی ولسوف یرضیٰ (سورۃ الیل) کے اختتام پر اللہ اکبر نہ کہے اور نہ سورۃ والضحیٰ کی بسم اللہ کے بعد بسم اللہ کا تمام سورتوں میں وصل ہے سکوت کرکے پھر ابتدا کرے والضحیٰ سے اوپر کی سورۃ بالاجماع ممتنع ہے اس لیے کہ بسم اللہ اول سورۃ میں ہوتی ہے تو پھر یہ ناجائز ہے کہ اسے سورۃ سے منقطع کرکے اس سورۃ سے ملایا جائے جو اس سے پہلے گزری ہے۔

قاعدۂ تجوید جب قاری سورۃ کے آخر کے ساتھ تکبیر ملانا چاہتا ہے تو دیکھے اگر آخری حرف ساکن ہو تو ساکنین کو کسرہ دے جیسے فحدث اللہ اکبر اور فارغب اللہ اکبر اور اگر آخر میں تنوین ہو تب بھی ساکنین کو کسرہ دے خواہ حرف منون مفتوح ہو یا مضموم یا مکسور جیسے توابا اللہ اکبر لخبیر اللہ اکبر من مسد اللہ اکبر اور اس کا آخر مفتوح ہو تو مفتوح اگر مکسور ہو تو مکسور اگر مضموم ہو تو مضموم جیسے اذ حسد اللہ اکبر والناس اللہ اکبر والابتر اللہ اکبر اگر آخر حرف ہاء کنایہ موصولہ ہو او اس کا صلہ حذف کیا جائے جیسے ربہ اللہ اکبر اور یرہ اللہ اکبر۔

ف : تمام مقامات پر اللہ کا الف حذف کردیا جائے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں (فتح الرحمٰن)

انتباہ : بعض ایسے مقامات ہیں جہاں اللہ اکبر سے سابق مضمون کو نہ ملایا جائے کیونکہ وصل سے ایہام کفر ہے اگرچہ قیاس کا تقاضا ہے کہ وصل ہو جیسے الابتر اللہ اکبر اور حسد اللہ اکبر۔

فراغتِ صاحبِ روح البیان قدس سرّہٗ سورۃ والضحیٰ کی تفسیر سے ۱۲ ربیع الآخر ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہٗ سورۃ والضحیٰ کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۳ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ/ ۲ مارچ ۱۹۸۹ء بروز جمعرات فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

سورۃ الم نشرح

ایاتہا ۸	(۹۴) سورۃ الم نشرح مکیّۃ (۱۲)	رکوعہا ۱
	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	
	اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○	
	وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ فَاِذَا	
	فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ○ ع	

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھا تار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا تو بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

سورۃ الم نشرح کی آٹھ آیات ہیں جو مکیہ ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ سورۃ مدنیہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا)

حل لغات : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الشرح بمعنی گوشت وغیرہ کشادہ کرنا جیسے : شرحت اللحم و شرحتہ (میں نے گوشت کو کشادہ کیا) اسی سے ہے شرح الصدر

یعنی نورِ الٰہی اور سکینہ اور رُوح منجانب اللہ کشادہ ہونا۔ اور کہا جاتا ہے: شرح المشکل من الکلام بسطہ (کلام مشکل کو کھولا) اور اس کے مخفی معانی کا اظہار۔

حدیث شریف میں ہے:

اذا دخل النور فی القلب انشرح۔ جب نورِ الٰہی کسی قلب میں داخل ہوتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

ف: یعنی قلب کا معاینہ اور انفساح کرتا ہے یعنی بلیات کو اٹھا سکتا ہے اور رازِ ربوبیت کی حفاظت کرتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

رب اشرح لی صدری (یا رب! میرا سینہ کشادہ فرما)

تاکہ وُہ معاندین کی سفاہت سے اور ان کی نالائقی سے تنگ نہ ہو بلکہ ان کی اذیت کو اٹھا سکے۔

نکتہ: لک کی زیادتی خبر دیتی ہے کہ شرح الصدر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے منافع و مصالح کے لیے ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے یعنی ہمارا عدم شرح منفی ہے بلکہ ہم نے آپ کا شرح صدر کیا اسے کشادہ فرمایا یہاں تک کہ حوی عالم الغیب والشھادۃ (آپ کا سینہ مبارک عالمِ غیب و شہادت دونوں کو حاوی ہے) (رُوح البیان ج ۱۰ ص ۴۶۱)

استفادہ و افادہ دونوں طرح سے انوار الملکات الروحانیہ کے اقتباس سے سینہ مبارک کو علائقِ جسمانیہ کی ملابست حائل نہیں اور نہ ہی مصالح خلق کا تعلق استغراق فی شئون الحق سے حائل ہے یعنی آپ کا سینہ مبارک کسی طریقہ سے بھی محجوب نہیں، نہ حق کے تعلق از خلق سے نہ خلق کے تعلق از حق سے، بلکہ آپ حاضراً و غائباً مابین الجمع والفرق کے جامع ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کے سینہ مبارک کا قلب نورِ نبوت سے کشادہ ہے اس لیے کہ وہ ہموم کو اٹھا سکتا ہے جو ثقلین (جن وانس) کی دعوۃ سے لاحق ہوں گے نیز اشارہ ہے سینہ مبارک کے سر کی طرف کہ وہ ضیائے رسالت سے کشادہ ہے اور کفار و اہلِ نفاق کے مکارہ کا حامل ہو سکتا ہے اور سینہ کے نور کی کشادگی کے ساتھ رشتۂ ولایت کی طرف نیز اس کے متحقق ہونے علوم لدنیہ و حکم الٰہیہ و معارف ربانیہ و حقائقِ رحمانیہ کی طرف اشارہ ہے۔

شقِ صدر مبارک حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظاہری سینہ مبارک کئی بار شق ہُوا:

(۱) آپ کی عمر مبارک پانچ یا چھ سال کی تھی اس جگہ کو نکالنے کے لیے (آپ کا سینہ مبارک شق کیا گیا) جو شیطان کی وسوسہ گاہ ہے یعنی وُہ سیاہ خون جس سے قلب معاصی کی طرف مائل

اور طاعات سے رُوگردانی کرتا ہے ۔

(۲) ابتدائِ وحی کے وقت ۔

(۳) شبِ معراج میں ۔

حدیث شریف میں ہے ، شبِ معراج مجھے تکیہ دے کر سینہ کے اوپر سے لے کر ناف تک چاک کیا اور میکائیل علیہ السلام سونے کا تھال آبِ زمزم سے بھر کر لائے جس سے سینہ مبارک کا اندرونی حصّہ اور حلق پاک کی رگیں دھوئیں اور جبرائیل علیہ السلام نے میرا دل مبارک نکال کر چیرا اور پھر اسے دھویا اور دوسرا تھال سونے کا جو حکمت اور ایمان سے پُر تھا لے آئے اُس سے میرا دل پُر کر کے اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا ۔

ایک روایت میں ہے کہ دل کو نُور کی مُہر سے مزیّن کیا ، چنانچہ اس کی لذت وراحت تا حال مجھے رگوں اور جوڑوں میں محسوس ہوتی ہے ؎

آں خزانہ اسرار بود و دستِ قضا
درش بہ بست وکلیدش بدلستانے داد

ترجمہ : وہ اسرار کے خزانہ تھے دستِ قضاء نے اس کا دروازہ بند کر کے کنجی محبوب کو دے دی ۔

ذکر کا طریقہ اسی لیے مشائخ عظّام فرماتے ہیں کہ طالب (سالک) کو ابتداءً لا الٰہ الا اللّٰہ کے ذکر کی مشغولی ضروری ہے ، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کی ابتداء سینے کے دائیں پہلو سے شروع کرے سینہ کے اعلیٰ جانب کی بائیں طرف ذکر کی ضرب لگائے تاکہ اس سے وہ لوتھڑا ٹوٹے جو شیطان کا حصّہ اور شہواتِ نفسانیہ کا منبع (سرچشمہ) ہے کافی مقدار میں یہ ضرب جاری رکھے یہاں تک کہ وہ جگہ لوتھڑا سے خالی ہو کر نور سے پُر ہو جائے ، اس کی علامت یہ ہے کہ اندر سے پتلا سیاہ خُون قے کی شکل خارج ہو کیونکہ ذکر کی گرمی اور نار سے حل ہو کر پگھلے گا یہ اولیائے کاملین کی علامت ہے اور ایسے دوامی ذکر سے انشراحِ صدر و انفتاحِ قلب ہو جاتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ (اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار دیا) گرا دیا ، ساقط کر دیا تم سے وہ تمہارا بوجھ ۔ عنك کا تعلق وضعنا سے ہے مفعول سے اس کی تقدیم تعجیل مسرت اور تشویق الی المؤخر کے لیے ہے ۔ الَّذِيٓ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ (وہ جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی) اسے نقیض پر محمول کیا گیا ہے انتقاض کی آواز ، انتقاض جو کجاوے سے سنائی دیتی ہے بوجھ کے اٹھانے

سے ، انقاض کی متداعی ہے ۔ یعنی وُہ بوجھ جس نے تمہاری پشت کو بوجھل کیا ۔

حلِ لغات تاج المصادر میں ہے انقاض بمعنی بوجھل کرنا ۔ المفردات میں ہے بمعنی توڑا یہاں تک کہ اس سے آواز نکلی ۔ القاموس میں اسے بوجھل کیا یہاں تک کہ اسے نقض یعنی دُبلا بنادیا یعنی اسے ایسا بوجھل کیا کہ اس سے آواز سُنی گئی ۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ آپ پر سخت بوجھ ڈالا کیونکہ انقاض الحمل الظھر یعنی کجاوے کے اس بوجھ کی آواز نکلنا جو اس پر ہے بوجہ ثقل حمل کے اور اس کی اس تاثیر کے کجاوے کے بعض اجزاء کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے تک پہنچاتی ہے تو اس سے آواز خارج ہوتی ہے ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوّت سے پہلے کے حال کی تمثیل اس شخص سے دی گئی جس پر سخت بوجھ ہو اور وہ اس کے زائد ہونے سے مغموم ہو یا اشارہ ہے عدم احاطہ بر تفاصیل احکام وشرائع کے اور وہ غم اور افسوس جو قوم کے معاندین کے اسلام نہ لانے سے لاحق ہُوا ۔ اور وضع سے مغفرت مراد ہے ، جیسے دوسری جگہ پر فرمایا :

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تأخر ۔ تاکہ بخشے وہ گناہ جو پہلے ہوئے اور جو بعد کو ہوں گے ۔

ایسے ہی تعلیم شرائع کے بوجھ ، اور یہ آپ کے عذر کے لیے تمہید ہے باوجودیکہ آپ نے تبلیغِ احکام میں بہت زیادہ زور لگایا اور تکالیف برداشت کیں ۔

عصمتِ نبوّت اس آیت سے کنایہ کیا گیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذنوب سے عصمت اور ادناس سے تطہیر سے ۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کسی سے کہے : میں نے تجھ سے ملاقات کی مشقت اُٹھائی ۔ یہ اس کے لیے ہے جس سے ملاقات ہرگز صادر نہ ہو ، اس سے ملاقات کی نفی میں مبالغہ ہے ۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا) عنوانِ نبوّت اور اس کے احکام سے کہ آپ کے اسم کو اپنے نام سے ملایا کلمۂ شہادت واذان واقامۃ میں ، اسی کے بارے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

اغر علیہ للنبوۃ خاتم	من اللہ مشھور یلوح ویشھد
وضم الالہ اسم النبی الی اسمہ	اذا قال فی الخمس المؤذن اشھد

ترجمہ ، آپ پر نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُہرِ نبوت چمکی اور چمکتی تھی اور گواہی دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے نام سے ملایا جب مؤذن پانچ وقت کہتا ہے اشھد الخ ۔

اور آپ کی طاعت کو اپنی طاعت کہا اور خود اور فرشتے آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اور اس کا اہلِ ایمان کو حکم فرمایا

اور آپ کا نام رکھا رسول اللہ و نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور دیگر مشرف القاب بخشے۔

ملفوظ ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رفعتِ ذکر میں اشارہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ہمم کی پرواز حوالیٔ عرش تک تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواز اس سے آگے ہے ؎

سیمرغ فہم ہیچکس از انبیاء نرفت	آنجا کہ تو ببال کرامت پریدۂ
ہریک بقدر خویش بجائے رسیدہ اند	آنجا کہ جائے نیست بجائے رسیدۂ

ترجمہ: کسی پیغمبر کا سیمرغ فہم اس جگہ نہیں پہنچا جس جگہ پر تُو نے کرامت کے پر پھیلائے ہر نبی اپنی قدر پر اپنی جگہ پہنچا لیکن جہاں کسی کی جگہ نہیں آپ وہاں پہنچے (یعنی لامکاں پر)

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے) ماقبل کی تقریر اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ وعدۂ کریمہ ہے کہ آپ کے لیے ہر دشواری کے ساتھ آسانی ہے اسی طرح اہلِ ایمان کے ساتھ لام استغراق کی ہے۔

سوال: زمخشری نے کہا کہ فان مع العسر یسرا کا ماقبل سے کیا تعلق ہے؟

جواب: مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو فقر و تنگ دستی پر عار دلاتے یہاں تک کہ وہم گزرا کہ شاید بعض لوگ اس فقر و تنگدستی سے اسلام سے پھر جائیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بڑی بڑی نعمتیں یاد دلا کر پھر فرمایا، ان مع العسر یسرا۔ گویا فرمایا کہ ہم نے پہلے بھی تمہیں بڑی نعمتوں سے نوازا اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و لطف پر بھروسا کرو کیونکہ دشواری کے ساتھ بہت سی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

نکتہ: لفظ مع میں اشارہ ہے کہ دشواری کے ساتھ آسانی کے آنے میں کوئی بڑی مدت نہیں بلکہ گویا دُکھ کے ساتھ ہی سُکھ چلا آرہا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ لفظ مع مصاحبت کا حرف ہے اور دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں بلکہ ایک دوسری کے بعد آتی ہیں ؎

ان مع العسر چو پسرش قفاست
شاد بر آنم کہ کلامِ خداست

ترجمہ: العسر کے ساتھ یسر بچے کی مانند ہے جو باپ کے پیچھے ہو میں اس پر خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (اور یہ وعدہ سچا ہے)

ف: بعض نے کہا کہ یہ عوام کے لیے ہے ورنہ خواص کے لیے معیت اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے، جیسے کہا گیا ہے ؎

برجانم از تو ہرچہ رسد جائے منت است
گر ناوک جفا ست و گر خنجر ستم

ترجمہ : میری جان پر تجھ سے جو کچھ پہنچے میرے ہاں اس کی جگہ ہے اگرچہ وہ جفا کا تیر ہو یا ستم کا خنجر۔

نکتہ از شیخ اکبر قدس سرہٗ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ معیت امتزاجی ہے اقترانی نہیں اور نہ ہی تعاقب کی ہے اسی لیے اسے مکرراً فرمایا، کیونکہ اگر عُسر میں یُسر کا وجود نہ ہو تو وہ باقی نہ رہے اس لیے کہ وُہ ہلاک ہو گا تو پھر کیا رہے گا اسی طرح ہر عُسر میں یُسر ہے اسی لیے اشیاء اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں پھر ہر دشواری کا رجوع آسانی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقد سبقت الرحمۃ الغضب میری رحمت غالب ہے غضب پر۔ یہ دشواری بھی اس کی عنایت اور مہربانی ہے کیونکہ کبھی ایسی دشواریاں مصقلہ بن جاتی ہیں بلکہ اکابر مشائخ تو دشواریوں یعنی دکھ درد اور تکالیف و مشقات کو قلوب کا جلاء سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان سے استعداد میں وسعت ہوتی ہے حضرت الٰہیہ کی تجلیات کی عُسر کے بعد زیادہ سے زیادہ حاصل ہوتی ہیں ایسے ہی ملامتوں سے وافر حصہ نصیب ہوتا ہے بہ نسبت غیر ملائم کے۔

حدیث شریف : حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل۔ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ مصائب کا نشانہ انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں پھر اولیاء۔ اسی طرح ان کے ہم مثل وغیرہ۔

ف : اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ادعونی استجب لکم (مجھ سے دُعا مانگو تمہاری دعا قبول کروں گا)

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یحب الملحین فی الدعا۔ بیشک اللہ تعالیٰ دُعا میں عاجزی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

لطیفہ : العسر معرفہ اور یسر نکرہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا دار العسرۃ ہے۔ عُسر تو سامع کو معلوم و معہود ہے لیکن یُسر ان سے مجہول (غیر معلوم) ہے۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے) تکرار تاکید ہے یا وعدہ مستانفہ ہے کہ ایک دُکھ دوسری آسانی کے ساتھ مقترن ہے جیسے آخرت کا ثواب مثلاً جیسے تم

تم کہتے ہو کہ روزے دار کو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری رب تعالیٰ کے دیدار کے وقت۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لن یغلب عسر یسرین۔ (ایک عُسر دو یُسروں پر غالب نہیں ہو سکتا)

یعنی دنیا کا ایک عُسر دنیا و آخرت (دو یُسروں) پر غلبہ نہیں پا سکتا۔

قاعدہ: جب معرفہ مکرر ہو تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے خواہ معہود ہو یا اسم جنس اور نکرہ میں ایسے نہیں بلکہ اس میں احتمال ہے کہ دوسرا پہلے کی مراد کے مغایر ہو (یا موافق)

ف: حضرت ابن الملک نے فرمایا کہ جب معرفہ کا اعادہ ہو تو وہ پہلے کا عین ہوتا ہے جیسے آیت فان مع العسر الخ میں العسرین۔

یہی معنی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول لن یغلب عسر یسرین (ایک عُسر دو یُسروں پر غلبہ نہیں پا سکتا) کا۔

قاعدہ ٹوٹ گیا فخر الاسلام نے فرمایا کہ آیت کو اس قاعدہ کی نظیر بنانا صحیح نہیں اس لیے کہ اس سے اس معنی کا احتمال ضروری نہیں جیسے ہم کہتے ہیں ان مع الفارس رمحا ان مع الفارس رمحا (بیشک سوار کے ساتھ تیر ہے بیشک سوار کے ساتھ تیر ہے) کیونکہ اس میں تاکید محض ہے۔

سوال: یہ احتمال بجا ہے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یُسرین سے تفخیم مراد لی ہے جو دارین کی یُسر کو شامل ہے جو کہ وہ درحقیقت دو یُسر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ بیشک عُسر کے مجاہدہ کے مشاہدہ کا یُسر ہے اور انفصال کے عُسر کے ساتھ اتصال کا یُسر ہے اور قبض کے عُسر کے ساتھ بسط کا یُسر ہے اور عُسر ایک ہے یعنی حجاب اور یُسر دو ہیں:

(۱) کشف الحجاب

(۲) رفع العتاب

تفسیر عالمانہ **فَاِذَا فَرَغْتَ** (اور جب تم فراغت پاؤ) تبلیغ سے اور دنیوی مہمات کے مصالح سے **فَانْصَبْ** (تو جدوجہد کرو)

حلِ لغات: نصب (محرکۃ) بمعنی تعب یعنی عبادت میں جدوجہد کرو اور سعی کرو شکر میں ان ان نعمتوں پر جو ہم نے آپ کو پہلے عطا کیں اور جن کا وعدہ آنے والے ادوار میں ہے۔

ف : اس طرح سے ماقبل کے ساتھ آیت کا رابطہ ہوگیا اور جائز ہے کہ اس کا معنیٰ ہو کہ جب تم وہاں کے حصول سے فارغ ہو تو پھر اس کی تبلیغ میں کوشش کرو۔

ف : حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تم تندرست ہو تو اپنی فراغت کو عبادت میں صرف کرو۔

حکایت حضرت شریح رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کو دیکھا کہ وہ کشتی لڑ رہے ہیں لیکن ایک فارغ بیٹھا تھا آپ نے اس فارغ آدمی کو فرمایا کہ تجھے فارغ بیٹھنے کا حکم نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذا فرغت فانصب (جب تم فارغ ہو تو جد وجہد کرو)

ف : آدمی کا کسی کام دینی یا دنیوی سے فارغ رہنا یا فضول کام میں مصروف ہونا سفاہت (بیوقوفی) اور کم عقلی کی دلیل ہے بلکہ ایسے آدمی پر غفلت آسانی سے غلبہ پالیتی ہے۔

ملفوظِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے سخت ناگوار ہے کہ کوئی نکمّا رہے کہ نہ دنیا کا کام کرے نہ دین کا نہ آخرت کے لیے کچھ کمائے۔

سبق : انسان پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ مشروع (جائز) کام میں مصروف رہے جب ایک کام کرلے دوسرے کام میں لگ جائے۔

ف : حضرت قتادہ وضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تم نماز سے فراغت پاؤ تو دعا میں محنت کرو (یہی ترجمہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا ہے)

تفسیر صوفیانہ حضرت ابو مدین مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جب تم مشاہدۂ اکوان سے فارغ ہو تو دل کو مشاہدۂ جمالِ رحمٰن کے لیے تیار کرو۔

رافضی و ناصبی کا رَد کشّاف میں ہے کہ روافض کی بدعات میں ایک یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کے فانصب کی صاد کو مکسور پڑھ کر استدلال کیا ہے کہ فاصب علیا للامامۃ (حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو امامت کے لیے مقرر کرو)

لطیفہ اگر یہ استدلال روافض کا مان لیا جائے تو پھر نواصب بھی استدلال کر سکتے ہیں کہ فانصب (بکسر الصاد) کے بعد مقدر ہو فانصب علیا للعداوۃ والبغض (علی کو عداوت و بغض کا نشانہ بناؤ) (معاذ اللہ)

تبصرہ اویسی غفرلہٗ (اس طرح کے روافض و نواصب و خوارج کے استدلالات عجیب و غریب ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک عجائب خانہ تیار ہو سکتا ہے)

تفسیر عالمانہ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ (اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو)

حلِ لغات : رغبۃ دراصل شے کی وسعت کو کہتے ہیں پھر اس سے وسعت فی الارادہ کو کہا جاتا ہے جب کہا جائے رغب فیہ والیہ اس میں اس کی حرص سمجھی جائے گی، جب کہا رغب عنہ اس میں اس کا ارادہ نہیں، اور وہ اس سے بے نیاز ہے۔

القاموس میں ہے رغب فیہ بحو سمع رغبا مضموم بھی آتا ہے رغبۃ جب اسے اس کا ارادہ ہو عنہ حصر ہو تو اس کا اس لیے ارادہ نہیں رغبا (محرکۃ) بمعنی ابتہل یعنی عاجزی کی یا ضراعۃ (زاری) اور مسئلہ (سوال)۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اس سے سوال کی رغبت کر دوسرے کسی سے سوال نہ کر کیونکہ وہ قادر ہے تمہارے مطلب پُورا کرنے میں نہ کہ کوئی اور، تمہاری ہر بات اس کی بارگاہ میں مقبول اور تمہاری تمام دعائیں مستجاب ؎

چو مقصود کون و مکان جود تست
خدا میدہد آنچہ مقصود تست

ترجمہ : جب کون و مکان تیرا جود ہے تجھے خدا تعالیٰ دے گا جو تیرا مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر سے ہے کہ الم نشرح لك صدرك (کیا ہم نے تیرا سینہ کشادہ نہیں کیا) تیری انیّت کے پردے اٹھا کر اور حجاب دوئی علیحدہ کر کے اپنی احدیت کی حقیقت اور اپنی صمدیت کی وجہ سے ووضعنا عنك اور تمہارے وجود کے ذنب کا بوجھ ہٹایا کہ جس نے تیرے فواد کی کمر توڑ دی یعنی تیرے وجود صوری ظلّی کی فنا پر اپنے وجود حقیقی عینی کے بقائے سے تمہیں آگاہ کرتے ہیں۔ ورفعنا لك ذکرك اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا تیری اپنی فناء میں اور میری بقاء اپنی بقاء میں طرف مرتفع خطاب کے جو تمہارے شان میں وارد ہے کہ ہم نے کہا الی ربك المنتہٰی تمام ارباب اسماء الٰہیہ کے منتہٰی کی طرف ایسے ہی تمام مربوبین حقائق کونیہ کے منتہی کی طرف اسی رفعت کی وجہ سے آپ سیّد الکل (علی الاطلاق) ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اسی لیے اب قضاء پر راضی ہو اور ہر بلا پر صبر اور ہر نعمت پر شکر کرو اس لیے کہ بلاؤں میں مبتلا کرنے کے اس عُسر کے ساتھ جو تمہارے اضطراب تک پہنچانے کے ساتھ عطاہائے نعم کے بھرپور کر دینے کا یُسر ہے جو تمہارے روح کو اطمینان تک پہنچائے گا اسی لیے ہر دُکھ کے ساتھ سُکھ لازم ہے ایسے ہی ہمارا ہر بندے کے ساتھ طریقہ جاری ہے اور ہمارے طریقے میں تبدیلی نہیں کہ عُسر تو بالکل اُٹھ جائے اور یُسر ہی یُسر ہو یا اس کے برعکس اسی لیے لازم ہے کہ یُسر

سرور کی طرف توجہ ہی نہ کرو کیونکہ وہ نورانی حجاب ہے اور نہ ہی مُنسر کی طرف توجہ کرو اس لیے کہ وہ ظلمانی حجاب ہے فاذا فرغت پھر سبب ہر وقت حاضر ہیں حق وارد کے ادا کرنے سے فانصب تو ہر وقت قابل اعطائے وارد کے منصب میں جدوجہد کیجئے۔ جب آجائے یعنی اسے دوبارہ کیجئے جیسے پہلے کیا ہے اسی پر مداومت کیجئے یہاں تک کہ یقین آجائے والیٰ ربك اور رب کے جلال وجمال کی طرف فارغب رغبت کیجئے نہ کسی اور کی طرف امور ہو یا احکام واردہ کسی وقت بھی کیونکہ غیر رب کی طرف رغبت اور التفات حجاب از رب تعالیٰ ہے اور قُرب سے بُعد کی طرف سقوط ہے اور تمہارا مقام غیر کے قرب وانس وحضور کی گنجائش نہیں رکھتا۔

طاؤس وعمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہ دونوں حضرات فرماتے تھے کہ سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح ایک سورت ہے اسی لیے وہ ایک رکعت میں ان دونوں کا پڑھنا جائز فرماتے اور خود بھی ایسے ہی پڑھ لیا کرتے تھے ان کے درمیان بسم اللہ شریف نہیں لاتے ان کی دلیل یہ ہے کہ سورۃ الم نشرح سورۃ والضحیٰ کے الم یجدك الخ کے مشابہ ہے۔

قول مذکور کا رد

ان کی یہ رائے صحیح نہیں سورۃ والضحیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفار سے اذیتوں کے غم والم کا بیان ہے اور سورۃ الم نشرح میں آپ کی محنت اور تنگی اور انشراح صدر وتطییب القلوب کا بیان ہے تو پھر وہ دونوں ایک کیسے ہو سکتی ہیں۔

عطیۂ معراج

شبِ معراج ندا آئی کہ اے حبیب! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جو چاہو مانگو۔ عرض کی: یا اللہ! ہر پیغمبر کو مرتبہ ملا مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو خُلت، موسیٰ علیہ السلام کو بلا واسطہ ہمکلامی، ادریس علیہ السلام کو رفعتِ مکان عطا فرمایا اور داؤد علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا اور اس کی خطا معاف فرمائی اور سلیمان علیہ السلام کو وہ ملک بخشا کہ ان کے بعد کسی کو نہ ملا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ماں کے پیٹ میں توراۃ وانجیل کا علم بخشا اور مردے زندہ کرنا اور اکمہ وابرص کو شفا بخشنا ان کے لیے آسان فرمایا۔ ندا آئی اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اگر ابراہیم علیہ السلام کو خلت ملی تو آپ کو محبت، موسیٰ (علیہ السلام) سے بلا واسطہ کلام کیا لیکن انہوں نے کلام کرنے کو دیکھا نہیں تھا آپ کے ساتھ بلا واسطہ گفتگو بھی ہوئی اور پردہ بھی ہٹا دیا اگر ادریس علیہ السلام کو آسمان تک پہنچایا تو آپ کو آسمانوں کے اوپر پھر قاب قوسین او ادنیٰ تک رسائی ہوئی۔ اگر داؤد علیہ السلام کو عظیم ملک دیا اور ان کی خطا معاف ہوئی تو آپ کو ملک قناعت بخشا اور آپ کی شفاعت سے امت کے تمام گناہ بخشوں گا۔ اگر سلیمان علیہ السلام کو مملکت دی تو آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا اور سورۂ بقرہ کا خاتمہ کہ کسی پیغمبر کو (سوائے آپ کے) نہیں دیا اور سورۂ بقرہ کی آخری دعائیں آپ کے لیے قبول کیں اور آپ کو کوثر عطا کیا۔ اور تین خصلتیں آپ میں ایسی ہیں کہ کسی اہلِ زمین میں نہیں،

(۱) الم نشرح لک صدرک (۲) ووضعنا عنک وزرک
(۳) ورفعنا لک ذکرک

اور آپ کو ہم نے آٹھ سہم (حصّے) دئے:

(۱) اسلام (۲) ہجرت (۳) جہاد (۴) صلوٰۃ (۵) صدقہ
(۶) صوم رمضان (۷) امر بالمعروف (۸) نہی عن المنکر

اور آپ کو تمام لوگوں کا بشیر و نذیر بنا کر بھیجا آپ کو فاتح و خاتم بنا کر بھیجا۔

سورۃ کے مدنیہ ہونے کی دلیل یہ دلیل بتاتی ہے کہ یہ سورۃ مدنیہ ہے۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ سے چند مسائل کا سوال کیا لیکن بعد میں خیال آیا کہ میں سوال نہ کرتا تو اچھا تھا وہ یہ میں نے کہا اتخذت الخ (وہی مضمون جو عطیۂ معراج کے عنوان سے بیان کیا ہے) اور ظاہر ہے کہ میں یہ سوال آپکا اپنی جانب سے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا سَلْ (سوال کیجئے) تعط (دئے جاؤ گے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

فضیلتِ الم نشرح حدیث شریف میں ہے، جس نے سورۃ الم نشرح پڑھی تو گویا وہ میرے پاس آیا در انحالیکہ میں مغموم تھا تو اس نے میرا غم دُور کیا۔

تفسیر سورۃ الم نشرح اللہ تعالیٰ کی مدد سے ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ بفضلہٖ تعالیٰ تفسیر سورۃ الم نشرح کے ترجمے سے ۲۴ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۳ مارچ ۱۹۸۹ء بروز جمعۃ المبارک فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

سُورۃ التّین

آیاتہا ۸	(۹۵) سُورۃ التین مکیّۃ (۲۸)	رکوعہا ۱
	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝	
	وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۝ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۝ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۝ لَقَدۡ خَلَقۡنَا	
	الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۝ اِلَّا الَّذِیۡنَ	
	اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعۡدُ	
	بِالدِّیۡنِ ۝ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ ۝	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا
انجیر کی قسم اور زیتون اور طور سینا اور اس امان والے شہر کی بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا پھر اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ انھیں بے حد ثواب ہے تو اب کیا چیز تجھے انصاف کے جھٹلانے پر باعث ہے کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں۔

سورۃ التین کی آٹھ آیات ہیں اور یہ مکیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ (انجیر اور زیتون کی قسم) یہ دونوں کھائے جاتے ہیں۔

انجیر کے خواص

انجیر نہایت عمدہ میوہ ہے جس میں فضلہ نہیں ہوتا سریع الہضم کثیر النفع ملیّن محلل بلغم دافع ریگ مفتح سدہ جگر و طحال، بدن کو

فربہ کرنے والا۔

ان دونوں پھلوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں بڑے خواص ہیں انجیر کے خواص مذکور ہوئے زیتون کے خواص آگے چل کر عرض کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

حکایت و دیگر خواص

سیدنا ابوذر (غفاری) رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں انجیر کا ایک گچھا بھیجا آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ اس میں سے کچھ کھاؤ کیونکہ اگر کوئی میوہ بہشت سے اترا ہے تو وہ یہی ہے، کیونکہ،

(۱) یہ بواسیر ختم کرتا ہے۔

(۲) یہ نقرس کو نفع دیتا ہے۔

(۳) حضرت علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، انجیر منہ کی نکہت دور کرتا ہے۔

(۴) بالوں کو بڑھاتا ہے۔

(۵) فالج سے امان بخشتا ہے۔

انجیر کے پتے لباسِ آدم علیہ السلام

امام (فخر الدین رازی قدس سرہٗ) نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے خلافِ اولیٰ سرزد ہوا تو آپ سے کپڑے واپس لے گئے۔ آپ انجیر کے پتے جسم سے لپیٹ کر زمین پر اترے۔ اپنا لباس انجیر کے پتے دیکھ کر متوحش ہوئے۔ آپ کے گرد ظبیاء ہرنی نے طواف کیا آپ اس سے مانوس ہوئے اسے کچھ پتے کھلائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پتوں کی برکت سے ظبیاء ہرنی کو ظاہری طور پر حسن اور باطنی طور ملاحت عطا کی اور اس کے خون کو مشک سے تبدیل کر دیا گیا۔ جب وہ ہرنی واپس اپنے مسکن میں پہنچی دوسری ہرنیاں اس کے جمال کو دیکھ کر متعجب ہوئیں۔ تو دوسرے دن ایک اور ہرنی آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اُسے بھی تھوڑا سا انجیر کا پتہ کھلایا تو اس کے ظاہری حسن کو جمال تو مل گیا لیکن خون مشک نہ ہوا۔

نکتہ: اس کی وجہ یہ ہوئی کہ پہلی صرف اور خالص آدم علیہ السلام کی خدمت میں ان کے اعزاز و اکرام کے پیشِ نظر حاضر ہوئی لیکن دوسری کے دل میں ایک لالچ اور طمع تھی۔ اسی حرص و طمع کی بنا پر اسے وہ مرتبہ نہ ملا جو پہلی کو ملا۔

تعظیم و ادبِ نبی (علیہ السلام) کی برکات

سوال: کیا وجہ ہے کہ دوسرے درختوں میں پہلے غلاف پھر پھل ظاہر ہوتا ہے بخلاف انجیر کے

کہ اس میں پھل ہی پھل ظاہر ہوتا ہے اس پر غلاف ہوتا ہی نہیں۔

جواب: چونکہ اس نے آدم علیہ السّلام کو پتّے پیش کئے تھے (تن ڈھانپنے کے لیے) اس لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا تُو نے میرے نبی کی تعظیم کی اس لیے تجھ میں پہلے ہی سے معنیٰ (پھل) پیدا ہوگا تجھے معنیٰ (پھل) کے لیے دعوٰی (غلاف) کی ضرورت ہی نہیں بخلاف دوسروں کے کہ وہ معنیٰ (پھل) سے پہلے دعوی (غلاف) پیش کریں گے (اسئلۃ الحکم)

مچھّر و مکھی بھگانے کی دوا خریدۃ العجائب میں ہے کہ جب انجیر کی لکڑی جلاکر اس کی راکھ باغات میں چھڑکی جائے تو باغات کے کیڑے مکوڑے مرجاتے ہیں اور انجیر کی لکڑی کا دُھواں مکھیوں اور مچھّروں کو بھگاتا ہے۔ (اسئلۃ الحکم)

زیتون کے خواص یہ میوہ اور سالن اور دوا ہے (اس سے تینوں کام لیے جاتے ہیں) اس کے مزید خواص نہ بھی ہوں تب بھی اس کی بزرگی و شرافت کے لیے یہی کافی تھا، تاہم اس کا تیل کثیر المنافع ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ وہاں سے حاصل ہوتا ہے جہاں تیل میسر نہیں آتا، جیسے پہاڑی علاقے۔ یہ برکت والا درخت ہے، شجرۃ مبارکہ کے نام سے اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

مسواکِ انبیاء حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ زیتون کے ایک درخت کے پاس سے گزرے تو اس سے لکڑی کاٹ کر مسواک کی اور فرمایا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا، فرمایا:

سواك الزيتون هو سواكي و سواك الانبياء۔	زیتون میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام (علیہم السلام) کی مسواک ہے۔

اعجوبہ زیتون کے درخت کی عمر تین ہزار سال ہوتی ہے۔ اس کے (مزید) خواص یہ ہیں:

(۱) کھجور کی طرح عرصۂ دراز تک پانی نہ ملنے پر صبر کرتا ہے۔

(۲) جنبی اس کا پھل توڑے تو پھل فاسد ہوجاتا ہے بلکہ اپنا بوجھ زمین پر پھینک دیتا ہے، اس کے پتّے جھڑجاتے ہیں۔ بہتر ہے اسے ڈھیلوں میں بویا جائے کثرتِ غبار کی وجہ سے، اور اصول ہے کہ اس پر جتنا زیادہ غبار چڑھے گا اس کی دسومت (لیس) اور پختگی بڑھے گی۔

مُفت کا توتیا زیتون کے پتّوں کو جلا کر راکھ سُرمہ کی طرح آنکھوں میں لگائی جائے تو توتیا کا کام دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ زیتون کو لازم پکڑو کیونکہ وہ صفراء کو کھولتا اور بلغم ہٹاتا اور اعصاب کو مضبوط کرتا ہے اور غشی کو روکتا اور حلق کو صاف کرتا اور جی کو خوش کرتا اور غم کو دفع کرتا ہے۔

خواب کی تعبیر خواب میں انجیر دیکھنا خیر کا مال ملے گا جو اسے خواب میں دیکھے اسے باوسعت مال و دولت ملے گی، جو اسے خواب میں کھائے اسے اللہ تعالیٰ اولاد عطا کرے گا جو زیتون کے پتے حاصل کرے وہ عروۃ وثقی (مضبوط رسی) کو مضبوط تھامے گا۔ (کذا قال الامام (فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ)

حکایت حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کو مریض نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا مجھے کسی نے کہا کل اللاءین تشفی (لائین کھا شفاء پا جائے گا) پھر کہا زیتون کہا کہ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔

ف: طبری نے فرمایا کہ تین سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر دمشق آباد ہے جسے صالحیہ کہا جاتا ہے اور اسے جبلِ قاسیون بھی کہتے ہیں۔ نہ یتون جو بیت المقدس کے شرقی جانب کا زیتا نامی پہاڑ ہے۔ وہ اس لیے کہ انجیر دمشق میں زیادہ پیدا ہوتا ہے اور زیتون ایلیاء میں۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ (طورِ سینا کی قسم) وہ پہاڑ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا

ف: الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی پہاڑ نہیں لیکن اسے طور کہا جاتا ہے جس پر درخت اور پھل ہوں ورنہ اسے جبل کہا جاتا ہے۔ سینین وسینا دونوں اسی جگہ کا علم ہیں اسی لیے وہ ان دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

حلِ لغات سریانی میں سینین کا مطلب ہے درختوں والا۔ اور لغتِ حبشیہ میں حسن مبارک۔ اور نون آیات کا تاج ہے کہ آیات کے آخر میں عموماً آتا ہے، جیسے سورۃ صافات میں ہے سلامٌ علی الیاسین، حالانکہ الیاسین سے حضرت الیاس علیہ السلام مراد ہیں۔ اسی تاج آیات کے طریقہ پر کہا گیا سینین۔

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (اس امن والے شہر کی قسم)

حلِ لغات امین بمعنی آمن (امن والا)۔ کہا جاتا ہے امن الرجل (بضم المیم) امانۃ فھو امین اس سے مکہ مشرفہ (مکرمہ) مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مزید شرف سے نوازے (آمین)

مکہ امین کیوں (۱) اس لیے کہ جاہلیت کے دور اور اسلام کے دور میں بھی جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آجاتا ہے قتل و قید سے بچ جاتا ہے جیسے امین اپنے پاس رکھی ہوئی امانت کی حفاظت کرتا ہے۔

(۲) جائز ہے کہ امین بمعنیٰ مامون، فعیلا بمعنیٰ مفعول، فیہ کو محذوف کیا گیا از آمِنَہٗ۔ اس لئے کہ یہ غوائل و عاہات سے مامون ہے جیسے قرآن مجید، اس کی صفت بیان کی گئی حرما امنا (امن والا حرم)

حدیث شریف میں ہے:

من مات فی احد الحرمین بعث یوم القیامۃ آمنا۔

وہ جو حرمین (حرم مکہ و معظمہ و حرم مدینہ طیبہ) میں سے ایک میں مرا وہ قیامت میں باامن اٹھایا جائے گا۔

مکینوں کے طفیل ان اشیار کی قسم کا معنیٰ ان مقامات کی شرافت اور بزرگی کا اظہار مطلوب ہے اور ان خیر و برکات کو ظاہر کرنا ہے کہ اس میں انبیار و صالحین (علیٰ نبینا و علیہم السلام) مکین رہے۔ مثلاً انجیر کا منبت (اُگنے کی جگہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ اور پرورش کی جگہ ہے۔ اور طور وہ جگہ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے خطاب و ہمکلامی کا شرف نصیب ہوا اور مکہ معظمہ میں وہ گھر ہے جو عالمین کی ہدایت کا سرچشمہ اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت گاہ اور بعثت کی جگہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۱) بحر الحقائق میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے شجرۂ تینیہ قلبیہ کی طرف جو ثمرۂ علوم دینیہ کا سرچشمہ ہے اور زیتون کی قسم میں شجرۂ سریہ کی طرف اشارہ ہے مصباح قلب کو روشنی بخشنے والا ہے اور طورِ سینا میں روحِ معلّیٰ کی طرف اشارہ ہے جو تجلّیِ الٰہی سے مجلّی ہے اور بلد امین میں خفی کی طرف اشارہ ہے جو کہ محلِ امن و امان ہے ان ہجوم آفات و تعلقات اکوان۔

(۲) فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ تین (انجیر) میں ان علوم حقیقت کی طرف اشارہ ہے جن کا محل سرِ انسانی ہے کیونکہ وہ لذّت محض ہے اسی لیے اسے مقدم کیا گیا کیونکہ وہی مطلب اعلیٰ ہے کیونکہ اسے ذاتِ الٰہی اور اس کی صفات و افعال سے تعلق ہے اور پھر جیسے شجرۂ انجیر کی عمر بہ نسبت عمر زیتون کے تھوڑی ہے ایسے ہی اہلِ حقیقت کی عمر تھوڑی ہوتی ہے اس لیے کہ دارِ فانیہ میں حصول مقصود کے بعد بقار کا کوئی معنیٰ نہیں اور انسان کا مقصدِ اصلی حیاتِ باقیہ ہے ہاں اگر اسے

لوگوں کی رہبری کے لیے ایک اور مدّت تک دنیا میں زندہ رکھا جائے، ایسے ہی زیتون میں علومِ شریعت کی طرف اشارہ ہے جس کا محل نفسِ انسانی ہے اور نعمت محض نہیں کیونکہ اس میں نفس اور قالب جسم کو تکلیف میں ڈالنا ہوتا ہے۔ اور طورِ سینا میں رُوح کی طرف اشارہ ہے جو کہ معارفِ الٰہیہ کا محل اور مناجات کا مقام ہے۔ اور البلد الامین میں مکّہ وجود کی طرف اشارہ ہے جو بیت القلب پر مشتمل ہے کیونکہ وہ اس کے اہل کو ہے شیاطین کے اُچک لینے اور اخناس کے وساوس کے دخول سے امن دیتا ہے، اور اعمال قالبیہ کی طرف اشارہ ہے جو حواس و اعضائے سے حاصل ہیں اور قالب قلب اور قلب روح سے اور روح سر سے شرافت و بزرگی حاصل کرتا ہے اسی لیے سب کے سب قسم یاد کرنے کے لائق ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (بیشک انسان (کی جنس) کو ہم نے اچھی صورت میں پیدا کیا)

حلِ لغات

کہا جاتا ہے قام بمعنی انتصب (کھڑا ہوا) وقام الامر بمعنی اعتدل (معتدل ہوا) استقام کی طرح وقومته عدلته (اسے میں نے سیدھا کیا) کما فی القاموس التقویم بمعنی شے کا ایسے ہونا جیسے تالیف (ترکیب و تعدیل) ہو اسے ہونا چاہیئے۔

ف: حضرت یحییٰ بن اکثم قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ اچھی صورت سے کیا ہے۔

حکایت

قاضی مذکور (مرحوم و مغفور) کے زمانہ کے بادشاہ (غالباً ہارون الرشید) نے قسم کھائی کہ تو چاند سے حسین تر نہ ہو تو مطلقہ ہے یہ چاندنی رات میں خلوت میں بیٹھے اپنی زوجہ سے کہہ دیا صبح کو تمام علماء نے اس کے حانث ہونے کا فتوٰی دیا سوائے قاضی مذکور (مرحوم و مغفور) کے کہ آپ نے فرمایا بادشاہ حانث نہ ہوا لوگوں نے کہا کہ آپ نے جملہ شیوخ سے اختلاف کیوں کیا؟! فرمایا کہ فتوٰی اس کا قابلِ قبول ہے جو سب سے بڑا عالم ہو اور اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اس آیت میں تصریح ہے کہ انسان تمام اشیاء سے حسین تر ہے اس سے بڑھ کر حسین اور کوئی نہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

المفردات میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حیوانات میں انسان ایک مخصوص مخلوق ہے عقل و فہم اور قد و قامت کے سیدھے ہونے میں یہ دلیل ہے کہ وہ عالمِ دنیا کے تمام پر غالب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انسان احسن ہے اس کا جو اسے صورۃً و معنیً تقویم و تعدیل نصیب ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مستوی القامۃ اور رعنا سب الاعضاء اور احسن الشکل بنایا۔ چنانچہ فرمایا:

وصوّرکم فاحسن صورکم۔

(تمہاری صورت بنائی اور حسین صورت بنائی)

ایسے اس کی تخلیق کو صفاتِ الٰہیہ سے موصوف فرمایا جیسے حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، کلام جو یہی صورۃ حقیقیہ الٰہیہ ہے جس کا اشارہ حدیث شریف میں ہے:

خلق اللہ اٰدم علیٰ صورتہ۔

(اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا)

اسی معنیٰ پہ گھومتا ہے:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

(جس نے خود کو پہچانا اس نے اپنے ربّ کو پہچانا)

خلاصہ یہ کہ الانسان مظہر الجلال والجمال والکمال (انسان جلال و جمال و کمالِ الٰہی کا مظہر ہے)

تفسیر عالمانہ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (پھر ہم نے اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا) یعنی اہل نار کی طرف جو وہ ہر قبیح سے قبیح تر اور تمام نیچے سے نیچے ہیں کیونکہ اس موجب پر نہیں اُترے جن صفات پر انہیں پیدا کیا گیا کیونکہ اگر وہ اس موجب پر عمل کرتے تو وہ اعلیٰ علیین میں ہوتے

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی احسن تقویم صورت کے بجائے صورۃً و معناً قبیح ترین تقویم بیان فرمائی ہے اس لیے کہ ظاہر کا مسخ دراصل باطن کا مسخ ہے سافلین سے گناہگار مومن مراد ہیں اور افعل التفضیل یہاں متعدد متفاوت کو شامل ہے اور اسفل سافلین مفعول سے حال ہے یعنی رددنٰہ کے مفعول سے یا مکان محذوف کی صفت ہے یعنی رددنٰہ الیٰ مکان ھو اسفل الخ پہلا زیادہ ظاہر ہے لیکن یہ بعض افرادِ انسانیہ کے مناسب ہے کہ وہ بحرِ شہوات حیوانیہ بہیمیہ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ظلمات لذات جسمانیہ شیطانیہ و سبعیہ میں منہمک ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اعتبار باطنی صورت کا ہے نہ کہ ظاہری کا۔ اسی لیے شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

رہ راست باید نہ بالائے راست

کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: راہِ راست چاہیے نہ کہ سیدھا قد، اس لیے کہ کافر بھی ظاہری صورت کے لحاظ سے ہمارے جیسا ہے۔

بہت سے لوگ بظاہر حسین چہرے اور اچھی شکل والے ہیں لیکن باطن میں وہ قبیح تر ہیأت میں ہیں اسی لئے قیامت میں لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے اس وقت ان کی باطنی صورتیں ان کی ظاہری صورتوں میں ظاہر

ہوں گی اور اپنے اعمال کی وجہ سے متنوع صورتیں ہوں گی۔

بعض نے کہا کہ ہم نے ارذل العمر کی طرف لوٹایا یعنی جوانی سے بڑھاپے کی طرف اور قوت سے ضعف کی طرف یعنی بڑھاپے کی طرف جبکہ بدن ضعیف اعضاء ناکارہ فعل ناقص، پشت خم، بال سفید ہوجاتے ہیں، جلدیں جھریاں پڑجاتی ہیں اپنی ضروریات انجام دینے میں مجبور ہوجاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق۔

یعنی ہم نے اسے خلق میں گھٹایا کہ اس کی پشت کمان ہوگئی حالانکہ اس سے پہلے سرو قد تھا اور بال سفید ہوگئے حالانکہ اس سے قبل سیاہ تھے۔ بلکہ اس کی ہر شے میں تبدیلی آگئی۔

(یا یہ معنیٰ ہیں کہ جب اس نے اچھی شکل وصورت کی شکر گزاری نہ کی اور نافرمانی پر جما رہا اور ایمان نہ لایا تو جہنم کے اسفل ترین درکات کو ہم نے اس کا ٹھکانہ کر دیا۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

ے

(۱)	دو رستہ درم در دہن داشت جاے	چو دیواری از خشت سیمیں بپاے
(۲)	کنونم نگہ کن بوقت سخن	بیفتادہ یک یک چو سور کہن
(۳)	مرا ہمچنیں جعد شبرنگ بود	قبا بردر بر از نازکی تنگ بود
(۴)	دریں غایتم رشد باید کفن	کہ مویم چو پنبہ است و دو کم بدن

ترجمہ: (۱) دونوں طرف سے میرے منہ میں جگہ رکھتے تھے چاندی کی دیوار کی طرح محکم اور مضبوط۔

(۲) اب نگاہ کن کے بولنے کے وقت ایک ایک ہوکر پرانی دیوار کی طرح گر گئے ہیں۔

(۳) ایسے ہی میری سیاہ زلفیں تھیں نزاکت سے میرے جسم پر قبا تنگ تھی۔

(۴) اس دور میں مجھے کفن سینا چاہئے اس لیے کہ میرے بال پنبہ کی طرح اور میرا جسم نہایت کمزور ہوگیا ہے۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ سافلین میں لام جنس داخل نہیں ہوئی جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ہے اس لیے کہ اس سے وہ اسفل مراد ہیں جو اہلِ حرفت ہیں نہ کہ اس کے جملہ اہلِ زمان۔

کشف الاسرار میں ہے السافلون بمعنی ضعفاء از مرضٰی اور لنگڑے لنجے اور بچے اس لیے کہ شیخ کبیر (بہت بوڑھا) ان سے بھی کمزور ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے) ایمان صادق اور عمل صالح وُہ جس کا مامور اور جس پر اس کا اجر مرتب ہوتا ہے یہ استثنار متصل ہے ثم رددناہ کی ضمیر سے، کیونکہ وہ جمع کے معنیٰ میں ہے اور دوسرے معنیٰ پر استثنار منقطع ہے یعنی لیکن وہ لوگ جو صالح تھے اور بوڑھے ہو گئے۔

ف: حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تو غرانٹ ہوگیا ورنہ اس کی عقل چلی گئی، یہ اس کے لیے ہے جو عالم باعمل ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

طوبیٰ لمن طال عمرہ وحسن عملہ۔	اسے مبارک ہو جس کی عمر طویل ہو اور عمل نیک ہوں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

من قرأ القراٰن لم یرد الی ارذل العمر۔	جو قرآن پڑھتا ہے وہ ارذل العمر کی وعید میں نہیں۔

فَلَهُمْ اَجْرٌ (ان کے لیے اجر ہے) دار الکرامۃ میں کیونکہ وہی اس کا ٹھکانا ہے اور فار کا دخول اس لیے ہے کہ لکن شرط کے معنی کو متضمن ہے پہلی تقریر پر فار تعلیل کی ہے یعنی ان کی صورتیں دوزخ میں تبدیل نہ ہوں گی اس لیے کہ وہ جنّت کا ثواب دیے جائیں گے **غَیْرُ مَمْنُوْنٍ** (بے شمار) غیر منقطع ان کی طاعت اور بڑھاپے پر اور مشقتوں اور قیام بالعبادۃ کے صبر پر باوجودیکہ ان کے لیے یہ امر مشکل تھا۔

حدیث شریف ا: تیسیر (تفسیر) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ان العبد اذا مرض او سافر کتب لہ مثل ما کان یعمل صحیحا مقیما۔	بندہ جب مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لیے وہ عبادات و طاعات اسی طرح لکھے جائیں گے جو بحالتِ تندرستی اور حالتِ حضر میں ادا کرتا تھا۔

ایسے ہی بڑھاپے کے متعلق بھی روایت ہے۔

حدیث شریف ۲: تفسیر ابی اللیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أنہ قال ان المؤمن اذا مات صعد فی الملکان الی السماء فیقولان ان	مومن جب فوت ہوتا ہے تو دو فرشتے (کراماً کاتبین) آسمان پر جاکر عرض کرتے ہیں

عبدك فلانا قد مات فأئذن لنا حتی حتی نعبدك علی السماء فيقول الله ان سمواتی مملوءة بملائكتی ولكن اذهبا الی قبره واكتبا حسناته الی یوم القیمة۔

تیرا فلاں بندہ مرگیا ہے اب ہمیں اجازت ہو کہ ہم بھی آسمان پر تیری عبادت کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آسمان پہلے ہی ملائکہ سے پر ہے ہاں تم میرے بندے کی قبر پر چلے جاؤ اور اپنی عبادت کا ثواب اس بندے کے عملنامے میں لکھتے جاؤ، تا قیامت تمہارا یہی کام ہے۔

اور غیر ممنون یہ بھی اس کا معنی ہو سکتا ہے جیسے سورۃ الانشقاق کے آخر میں گزرا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ (کیا چیز تجھے انصاف کے جھٹلانے پر باعث ہے بعد مبنی علی الضم ہے مضاف الیہ محذوف منوی ہے اور استفہام تعجب کا ہے یعنی کون سی شے سے تجھے جھٹلاتے ہیں اے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم از روئے دلالت یا نطق ساتھ جزاء کے ان دلائل ناطقہ کے ظہور کے بعد یعنی آپ کو کذب کی طرف منسوب کرتے ہیں صرف اسی لیے کہ آپ ان کے لیے جزاء کا اثبات کرتے ہیں اور بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنا) کی خبر دیتے ہیں اس سے مراد وہ آلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کمال پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ جو ذات انسان صحیح سالم ایک گندی بوند سے پیدا کر سکتی ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو احسن تقویم پر بنا سکتی ہے اور اسے مراتب زیادۃ میں داخل کر کے باکمال اور استواء (جوانی کے ادوار) تک پہنچا سکتی ہے پھر اسے پھیر کر ارذل العمر کی طرف لا سکتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ وہ بعث وجزاء پر بھی قادر ہے۔

یا یہ معنیٰ ہے کہ اے انسان! تجھے کون سی شے نے کاذب بنایا کہ بسبب روز جزاء اور اس کے انکار پر بعد اس دلیل کے یعنی تو جھوٹا ہے اس لیے کہ جو جزاء کی تکذیب کرے وہ جھوٹا ہوتا ہے اس لیے کہ حق کا مکذب جھوٹا ہی ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کر کے اسے بشراً سویا (ٹھیک ٹھیک انسان) بنایا اور اسے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرا کبھی باکمال کبھی نقصان میں یعنی کبھی جوانی کبھی بڑھاپا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی واضح دلیل ہے کہ اس طرح کر سکتا ہے تو وہ بعث وجزاء پر بھی قدرت رکھتا ہے تو پھر اس قطعی دلیل کے باوجود تمہیں کون سی مجبوری ہے کہ تو اے انسان! تکذیب کر کے جھوٹا بن رہا ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ (کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں صنعت و تدبیر کے لحاظ سے یہاں تک کہ تمہیں وہم ہو رہا ہے کہ نہ اعادہ ہے نہ جزاء۔ کیا یہ تمام مضبوط سے مضبوط امور سے نہیں کیونکہ حاکم وہی ہے جس کے امور مضبوط ہوں۔ اور لازم ہے کہ وہ تام القدرۃ، کامل العلم ہو، اور

جس کے لیے احکم الحاکمین ہونا مانتے ہو تو اس کے لیے مان لو کہ وہ اعادہ اور جزا پر بھی قادر ہے ۔

ف : یا یہ معنیٰ ہے کہ اقضی القاضین ہے یعنی وہ تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کریگا جو حق و عدل کی تکذیب کرتا ہے ۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے : حکم بینھم بمعنی قضی بینھم ان کا فیصلہ کیا ۔

مسئلہ : آیت مکذبین کے لیے وعید ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے اسی طرح کا فیصلہ کرے گا جس کے وہ اہل ہوں گے ۔

ف : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب یہ سورۃ (التین) ختم فرماتے تو پڑھتے : بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاھدین (ہاں میں اس پر شاہدوں میں سے ہوں)

مسئلہ : یہ نماز سے باہر پڑھنا چاہیئے جیسا کہ عین المعانی میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کا حکم فرماتے تھے ۔ فرمایا : جس نے الیس اللہ باحکم الحکمین پڑھنے کے بعد بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاھدین پڑھا اور جس نے یہ سورۃ پڑھی اللہ تعالیٰ عافیت و یقین کی دو خصلتیں اسے عطا کرے گا جب تک وہ دنیا میں ہے اور اس کو جتنے لوگ پڑھیں گے ان کے برابر اسے اجر و ثواب ملے گا ۔

بعون اللہ المعین سورۃ التین کی تفسیر ختم ہوئی ۔

فقیر اویسی غفرلہٗ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۲۵ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ/ ۴ مارچ ۱۹۸۹ء بروز ہفتہ تفسیر سورۃ التین کے ترجمہ سے فارغ ہوا ۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)

سُورۃ العلق

اٰیاتہا ۹ (۹۶) سورۃ العلق مکیّۃ (۱) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَيَطْغٰۤی ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۝ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ۝ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ
يَنْهٰی ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۝
اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰی ۝ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬
لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ
الزَّبَانِيَةَ ۝ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ السجدۃ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا
پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا پڑھو اور تمہارا
رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا ہاں ہاں بیشک
آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا بیشک تمہارے رب ہی کی طرف پھرنا ہے ،
بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھو تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیزگاری
بتاتا تو کیا خوب تھا بھلا دیکھو اگر جھٹلایا اور منہ پھیرا تو کیا حال ہوگا کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے ہاں ہاں
اگر باز نہ آیا تو ضرور ہم پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے کیسی پیشانی جھوٹی خطاکار اب پکارے
اپنی مجلس کو ابھی ہم سپاہیوں کو بلاتے ہیں ہاں ہاں اس کی نہ سنو اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

سورۃ العلق ۱۸یا ۱۹ آیات مکیہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیرِ عالمانہ

اِقْرَأْ (پڑھو) اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ جو آپ کو وحی کی جاتی ہے اس لیے کہ امر بالقرأۃ یقیناً مقروء کا مقتضی ہے اس کی تعیین نہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اس کے متصل ہے اسی کا پڑھنا واجب ہے خواہ یہ پہلی سورۃ ہے باعتبار نزول کے یا نہ اس تقریر پر تکلیف مالایطاق لازم نہیں آتا خواہ امر بالقرأۃ فی الفور ہو یا دیر سے۔

ف : زیادہ قریب یہ ہے کہ مالم یعلم تک سب سے پہلے یہی سورۃ نازل ہوئی ہے اسی پر احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں ہاں اختلاف تمام سورۃ کے بارے میں ہے۔

ابتداء الوحی کا بیان

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت (کے ظہور) کا آغاز ہوا کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر شرافت وکرامت اور آپ کی اُمت پر رحمت کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے آپ کو رؤیا صالحہ سے نوازا گیا جو کچھ واردات ہوتے بذریعہ رؤیا ہوتے پو پھٹنے کی طرح یعنی اس کی روشنی اور چمک کی مانند یعنی اس رؤیا کی حقیقت میں ایسے شک نہیں ہوسکتا جیسے صبح صادق کی روشنی میں شک نہیں ہوسکتا۔

نکتہ : ابتداء رؤیا صالحہ سے اس لیے ہوئی کہ اچانک فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) کے وحی لانے پر شاید قوتِ بشریہ اس کی متحمل نہ ہوسکے اگرچہ اصلی صورۃ میں بھی نہ آتے، ایسے ہی اس کی آواز، اور نہ ہی اس خبر کا متحمل ہوسکے جو غیب سے سنی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رؤیا صالحہ مانوس کرنے کے لیے تھا۔ اس رؤیا صالحہ کی مدّت چھ ماہ تھی۔ یہی حمل (پیٹ میں بچہ رہنے) کی ادنیٰ مدّت ہے۔ اس کے بعد فرشتہ کی (وحی لانے کیلئے) حاضری کا دَور شروع ہوا۔ اسی رؤیا صالحہ سے عبور کرکے عالمِ مثال تک پہنچنا ہوتا ہے۔

ف : صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رؤیا صالحہ کی تعبیر کی ضرورت نفسِ امّارہ اور نفسِ لوّامہ کو ہوتی ہے جب سالک نفس ملہمہ تک پہنچتا ہے تو اسے تعبیر کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فالھمھا فجورھا وتقواھا۔ تو الہام کیا اسے اس کا فجور وتقویٰ۔

اس لیے کہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملہَم (الہام کیا ہوا) ہوتا ہے۔ ولی اللہ کا مرتبۂ الہام ایسے ہے جیسے نبی علیہ السلام کے لیے وحی کا مرتبہ کہ ان کے ہاں فرشتہ آتا ہے ایسے ہی ولی اللہ کے لیے بھی۔

نکتہ : چونکہ رؤیا کی مدت حمل کی مدت کے مطابق تھی اس لیے وحی کا آغاز بھی آپ کی ولادت (ظاہری) کے مطابق ربیع الاول شریف میں ہوا اس کے بعد پھر بیداری میں رمضان المبارک وحی نازل ہوئی۔

ندائے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس مدت میں خلوت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے تھے کوئی پکارنے والا پکارتا، یا محمد، یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اندریں اثنا بیداری میں آپ نور دیکھتے تھے اس سے آپ کا خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ آواز دینے والا کوئی جن ہو یا کوئی جن کا تابع۔ جیسے کاہنوں کو ندا دی جاتی تھی۔ آپ اس وقت جبلِ حراء پر ہوتے تھے۔

حراء کا ادب

حراء (مکہ معظمہ میں) وہ پہاڑ ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کرتا تھا: الیّ یا رسول اللہ (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری طرف آئیے) یہ اس نے اس وقت عرض کی جب آپ نے پہلے کوہِ ثبیر پر جا کر عبادت کا پروگرام بنایا اور آپ اس کے اوپر تشریف لے جا چکے تھے اس نے عرض کی:

اھبط عنی یا رسول اللہ فانی اخاف	اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
ان تقتل علیٰ ظھری۔	مجھ سے اُتر جائیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو میری پیٹھ پر شہید نہ کر دیا جائے۔

غذائے محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین یا سات راتیں یا مہینہ وہاں گزارتے تھے یا زیادہ۔ اس عرصے کے آپ اپنی غذا کیلئے ستّو اور زیتون ساتھ لے جاتے تھے۔

سب سے پہلا عابد قریشی غارِ حراء میں

قریش میں سے غارِ حراء میں سب سے پہلے عبادت آپ کے جدامجد حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے کی۔ اس کے بعد آپ کی اتباع میں دیگر حضرات بھی عبادت کرتے تھے ان میں ابوامیہ بن مغیرہ اور ورقہ بن نوفل وغیرہ بھی شامل ہیں۔

ورقہ بن نوفل کا تعارف

ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن عمِ خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ آپ کا کتابوں کا کافی مطالعہ تھا اور عبرانی میں کتاب لکھی تھی۔ آپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے، آخری عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے۔

رمضان المبارک کی وحی کا منظر

جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی سترہ رمضان کی شب کو غارِ حراء میں آپ کے پاس ایک فرشتہ حاضر ہوا، جیسا کہ امام صرصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

وانت علیہ اربعون فاشرقت	شمس النبوۃ منہ فی رمضان

ترجمہ: آپ چالیس سال کے ہوئے تو نبوت کا سورج چمکا غارِ حراء سے رمضان المبارک میں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بروز سوموار سحر کے وقت فرشتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اقرأ (پڑھو)۔ آپ نے فرمایا: ما انا بقارئ (میں پڑھنے والا نہیں)۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے بھینچا پھر چھوڑ دیا، اس طرح تین بار ہوا، اس کے بعد کہا: اقرأ ما لم یعلم۔

لطیفہ اسی سے استدلال کیا ہے قاضی شریح تابعی رضی اللہ عنہ نے، فرمایا: استاد شاگرد کو تین بار سے زیادہ سزا نہ دے۔

غارِ حراء سے باہر کی آواز یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار سے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ آپ کو غار کی ایک جانب سے آواز آئی:

یا محمد انت رسول الله و انا جبریل۔ — اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔

آپ غارِ حرا سے گھر تشریف لائے تو آپ کا کاندھا مبارک کانپ رہا تھا۔ آپ نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مکمل حال سُنایا۔ بی بی نے عرض کی، اے میرے چچا کے صاحبزادے! آپ کو مبارک ہو، اس پر آپ ثابت قدم رہیں، مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔ اس کے بعد بی بی آپ کو حضرت ورقہ کے ہاں لے گئیں اور مذکورہ بالا حال سنایا، ورقہ نے کہا: ؎

(۱) فان یك حقا یا خدیجه فاعلمی — حدیثك ایانا فاحمد مرسل

(۲) وجبریل یأتیه ومیکال معهما — من الله وحی یشرح الصدر منزل

(۳) یفوز به من فاز عز الدینه — ویشقی به الغاوی الشقی مضلل

(۴) فریقان منهم فرقة فی جنانه — واخری باغلال الجحیم تغلل

ترجمہ: (۱) اگر یہی بات حق ہے تو اے خدیجہ! جان لے کہ احمد اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

(۲) ان کے ہاں جبریل مع میکائیل آتا ہے اللہ تعالیٰ سے وحی لے کر، شرح الصدر آپ کی منزل ہے۔

(۳) وہ کامیاب ہے جسے دین کی دولت ملی، وہ بدبخت ہے جو گمراہ ہوا۔

(۴) ان کے دو گروہ ہوں گے ایک جنت میں داخل ہوگا اور دوسرا دوزخ کی زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔

فترۃ الوحی ایک عرصہ تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو نہ دیکھا، دیر اس لیے ہوئی کہ پہلی بار جو بشریت پر ملکیت کا اثر ہُوا وہ زائل ہو جائے اور پھر اس کے لوٹنے کے شوق میں اضافہ ہو اور فترۃ الوحی اقرا اور یاایہا المدثر کی درمیانی مدت کو کہا جاتا ہے۔

ورقہ مومن اور ان کا مزار حضرت ورقہ (رضی اللہ عنہ) اسی فترۃ الوحی کی مدت میں فوت ہوئے، اور الحجون (جگہ کا نام ہے) میں مدفون ہوئے۔ آپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور دعوتِ اسلام سے پہلے آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی (اسی لیے ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے) دعوت سے مراد رسالت کا اظہار، اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لقد رأیتہ فی الجنۃ وعلیہ ثیاب الحریر۔	میں نے انہیں بہشت میں دیکھا کہ آپ ریشمی لباس میں ملبوس ہیں۔

اس کے بعد سورۃ یاایہا المدثر فانذر نازل ہُوئی۔

ف: اس سے نبوت و رسالت کا فرق ظاہر ہوگیا۔

مسئلہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہُوا کہ طلب مرید کو ہوتی ہے اور مراد (مرشد) مطلوب ہوتا ہے۔ یہ بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا گیا اقرأ۔ تو آپ کو آپ کی طلب کے بغیر امر پیش آیا۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا گیا الم نشرح لك صدرك الخ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کے قول رب اشرح لی صدری الخ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے الم نشرح میں فرق ہے۔ (ایسے ہی یہاں امر ہذا کو بلا طلب سمجھئے)

بِاسْمِ رَبِّكَ (اپنے رب کے نام سے) یہ مضمر سے متعلق ہے اور وہ فاعل کی ضمیر سے حال ہے اصل عبارت ہے و اقرأ متلبساً باسم اللہ یعنی اللہ کے نام سے متلبس ہو کر پڑھئے، اور اس کے نام سے ابتدا کیجئے تاکہ اللہ کا نام مقروء کے جملہ اجزاء کے ساتھ متحقق ہو یعنی کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اس کے بعد اقرأ (پڑھو)۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورۃ بسم اللہ کے بغیر نازل ہوئی۔ اس کی امام بخاری رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ کے نام سے قرأۃ کے آغاز میں اس لیے حکم ہوا کہ اللہ کے نام سے قرأۃ میں قوت اور اپنے مولیٰ سے انس نصیب ہوگا کیونکہ اس سے انس کا تقاضا ہے کہ مسمّٰی سے انس ہو اور زبان کا ذکر جنان کے ذکر پر اثر انداز ہوتا ہے ۔

ف : بار باسم ربك الخ میں اللہ کے اسم برّ کی بار سے ہے جس سے اہلِ ایمان پر دارین کی انواع الکرامات ہوتی ہے اور سین سمیعا لدعاء الخلق جمیعا کی طرف اشارہ ہے اور میم میں اشارہ ہے العرش الی تحت الثریٰ ملکه وملکه (اس کا ملک و ملک عرش سے تحت الثریٰ تک ہے) کی طرف ۔

ف : الکواشی میں ہے کہ بار اقرأ باسم ربك میں اشارہ ہے کہ اللہ کا اسم لازم اور اس کے ساتھ تکرار کے ساتھ آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے : اخذت بالخطام (میں نے لگام کو پکڑا) اس میں لزوم و تکرار ثابت ہوتا ہے اور اگر بار نہ ہو اور کہا جائے اخذت الخطام تو یہ معنیٰ ثابت نہ ہوگا ۔

بسم اللہ کی برکت

(۱) شمس المعارف میں ہے کہ سب سے پہلی جو آیت زمین پر نازل ہوئی وہ یہی بسم اللہ شریف ہے یعنی آدم علیہ السلام پر، پھر آدم علیہ السلام نے فرمایا ابھی مجھے معلوم ہوا کہ میری اولاد کو دوزخ کا عذاب نہ ہوگا جب تک ان پر بسم اللہ کا نزول ہوتا رہے گا ۔ یہ بسم اللہ ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئی جب آپ منجنیق میں بیٹھے تھے اس کی برکت سے آپ کو آگ سے نجات ملی ۔ اس کے بعد بسم اللہ موسیٰ علیہ السلام پہ نازل ہوئی اس کی برکت سے فرعون اور اس کا لشکر مقہور ہوا ۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام پر نازل ہوئی تو ملائکہ نے کہا اب بخدا تمہارا ملک مکمل ہو گیا کیونکہ یہ آیت رحمت و امان ہے رسل اور ان کی امتوں کے لیے ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سورۂ نمل کی یہ آیت انه من سلیمان و انه بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی تو اس کی برکت سے آپ کو فتح عظیم نصیب ہوئی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اسے سورتوں کے اوائل میں لکھا جائے اور دفاتر کے ابتدار اور رسائل (خطوط) وغیرہ کے ابتدار میں لکھا جائے ۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

(۲) اللہ تعالیٰ نے قسم بیان فرمائی کہ جس بندے نے بسم اللہ پڑھی اُسے برکت ہی برکت نصیب ہوگی اور قائل (پڑھنے والے) کے لیے بسم اللہ شریف نارِ دوزخ سے حجاب ہوگی ۔

(۳) بسم اللہ شریف کے ۱۹ حروف ہیں یہ ۱۹ زبانیہ (دوزخ کے فرشتوں) سے نجات دلائینگے ۔

(۴) خبر نبوی میں ہے کہ سات آسمان اور سات زمینیں اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور دوسرے پلڑے میں بسم اللہ شریف رکھی جائے تو بسم اللہ شریف کا پلڑا بھاری ہوگا ۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ (جس نے پیدا کیا) یہ رب تعالیٰ کی صفت انسان پر ان پہلی نعمتوں کی

تذکیر ہے جو اللہ تعالیٰ سے عطا ہوتی ہیں اور تنبیہ ہے کہ جو انسان کی حیات اور اس کے توابع اور دیگر کمالات کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ کمالات علمیہ ہوں یا عملیہ، ایسے مادہ سے کہ جس میں حیات کی بُو بھی نہ تھی چہ جائیکہ دوسرے کمالات تو وہ حی عالم متکلم کی تعلیم قرأۃ بھی قادر ہے یعنی اسی کو تخلیق اور اس کے علوم اسی کو لائق ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں اس تقدیر پر خلق فعل لازم کے قائم مقام ہے اور اسی سے ہی مقصد تمام ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہی ہے کہ مخصوص مخلوق کو پیدا کیا یا ہر شے کو تو یہاں مفعول محذوف ہو تاکہ تعمیم کی دلیل ہو۔

نکتہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ رب کی تذکیر اس لیے لائی گئی کہ عرب جاہلیت میں اپنے بُتوں کو ارباب کہتے تھے۔ اس سے ان کی شرکت للاصنام کی جڑ کٹ جائے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ (انسان کو پیدا کیا) انسان کی تخلیق کا ذکر اولاً تمام حیوانات سے اسے نمایاں کرنے کے لیے کہ اس میں کیسے کیسے عجائبات ہیں اور باری تعالیٰ کی صنعت و تدبیر کا عجیب وغریب نمونہ ہے رب کی تخلیق کی تخصیص صرف اسی سے ہے تاکہ اس کی شان کی تفخیم اور دوسرے حیوانات سے اس کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہو کہ یہ وُہ ہے جس پر قرآن کا نزول ہُوا اور صرف یہی اس کی تلاوت پر مامور ہے نیز یہ بھی ہے کہ پہلی بار اس کی تخلیق ابہام کے طور تھی اب تفسیر کے طور، تاکہ اس کی فطرۃ کی تفخیم شان ہو۔

مِنْ عَلَقٍ (پھٹک سے)

حلِ لغات علق علقۃ کی جمع ہے جیسے ثمرۃ کی ثمر۔ یہ منجمد خُون ہے۔ جو خون بہے اسے مسفوح کہا جاتا ہے۔ یعنی علق جامد خُون۔

ف : اس کا گزشتہ بیان سے تعلق ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کا بیان اور انسان کی پہلی حالت کا اظہار پھر آخری حالت کا کہ ان دونوں میں کتنا واضح تباین ہے۔

نکتہ علق جمع کہا حالانکہ علقۃ کہنا چاہیے تھا اس میں اشارہ ہے کہ انسان معنیً جمع میں ہے اس لیے کہ اس میں الف لام استغراق کا ہے فواصل کی رعایت کے لیے، نیز صرف اس کے ذکر میں ایک راز ہے حالانکہ اس کے اور اطوار فطرت انسانیہ بھی تھے وہ راز یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اس نے ایک بُوند اور مٹی کے ڈھیلے سے کیسا بہترین (انسان) بنایا ہے حالاں کہ پانی کے قطرے اور مٹی کو کسی طرح سے بھی انسان سے نسبت نہیں۔

نکتہ چونکہ انسان کی تخلیق انسان پر نعمتوں میں سے پہلی نعمت اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے دلائل کمالِ قدرت وکمالِ علم وکمالِ حکمت کی مضبوط دلیل ہے اسی لیے اللہ نے پہلے اپنی یہی

صفت بنائی تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے شہادت قائم کرسکیں کہ وہ قادر آپ کو قرأۃ کی تعلیم پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

نکتہ حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمتوں کا مالک ہے اس نے جب چاہا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے پیغامات برائے مشرکین سے نوازے تو پہلے اپنی قدرتوں کا بیان فرمایا تاکہ وہ اس کے اعتراف پر مجبور ہو جائیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے آپ انہیں یہ بتائیں کہ جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس نے تمہیں علقہ سے پیدا فرمایا وغیرہ وغیرہ تاکہ انہیں انکار کی گنجائش نہ ہو کیونکہ وہ اپنی تخلیق کا اعتراف کریں گے تو پھر سوال ہوگا ان کا فاعل کون ہے اور وہ اسے بتوں کی طرف منسوب نہیں کرسکتے تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ بت ان کے ہاتھ سے تراشیدہ ہیں لامحالہ کہیں گے کہ ان کا خالق کوئی اور ہے جس نے انہیں اس تدریج سے تیار فرمایا اور وہ خالق اللہ تعالیٰ ہے وہی ایسی مدح و ثنا کا مستحق ہے نہ کہ اُن کے بُت۔ پھر مجبور ہو جائیں گے کہ الٰہیت خالقیت پر موقوف ہے کیونکہ جو کسی شے کو پیدا نہیں کرسکتا وہ الٰہیت کا مستحق کیونکر ہوسکتا ہے اور اس کی عبادت کیسی!

اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابتداءً فرمایا جاتا کہ اقرأ باسم ربك الذی لا شریك لہ ممکن ہے وہ اس کا انکار کر دیتے، اسی لیے اقرأ باسم ربك کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اس تعلق کو بیان فرمایا جو مشرکوں کو اعتراف پر مجبور کر دے۔

حکایت امام زفر کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بصرہ کو اپنے مذہب کی تحقیق کے اظہار کے لیے بھیجا، جب وہ بصرہ میں پہنچے اور کہا کہ امام ابوحنیفہ نے ایسے ایسے فرمایا ہے، تو انہوں نے انکار کر دیا اور کچھ توجہ نہ دی۔ امام زفر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس آ گئے اور صورتِ حال عرض کر دی۔ آپ نے فرمایا تجھے طریقۂ تبلیغ معلوم نہ تھا اب جاؤ انہیں ان کے ائمہ کے اقوال بیان کر کے ان کا ضُعف بیان کرو اور ان کے ضعف کو وہ زائل نہیں کرسکیں گے پھر کہو کہ اس پہ ایک قول اور ہے اس پر میرے دلائل بھی سُنا دو جب ان میں میرے دلائل مستحکم ہو جائیں پھر کہو یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اور دلائل ہیں جب اہلِ بصرہ کو حضرت امام زفر نے ایسے دلائل اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول سُنایا تو وہ لوگ مان گئے اور اسے رد نہ کیا۔

اِقْرَاْ (پڑھو) یعنی وہی کرو جو اللہ تعالیٰ کا امر ہے امر بالقرأۃ کا تکرار تاکید اور آنے والے مضمون کی تمہید کے لیے ہے وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ (اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم) یہ جملہ مستانفہ ہے اسی لیے سجاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامۃ الوقف خلق پر رکھی اس میں اس عذر کا

ازالہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے اقرأ کے جواب میں فرمایا ما انا بقاری۔ کیونکہ قرأت تو اس کی شان ہے جو کتابت و قرأۃ جانتا ہو میں تو اُمّی ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا تیرے رب تعالیٰ نے تمہیں حکم فرمایا ہے کہ پڑھو اور اس کے اسم سے شروع کر کے پڑھو اور وہ اکرم ہے یعنی ہر کریم پر زائد کرم کا مالک ہے وہ بلا غرض انعام فرماتا اور مدح کا بھی طالب نہیں نہ ثواب کا اور نہ مذمت کے خطرے سے نجات کا طالب ہے۔ علاوہ ازیں ہر کریم اس سے کرم پاتا ہے پھر اس کے برابر کون ہو سکتا ہے!

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ربّك مبتدا ہے الاکرم اس کی صفت الذی مع صلہ اس کی خبر ہے۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (جس نے قلم سے لکھنا سکھایا) یعنی جو کچھ سکھایا قلم سے سکھایا نہ کہ اس کے غیر سے، تو جیسے قاری بواسطہ کتابت و قرأۃ سیکھتا ہے آپ کو آپ کا رب بغیر کتابت و قرأۃ کے سکھاتا ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ علم الخط قلم سے حاصل ہوتا ہے اور قلم وُہ ہے جس سے لکھا جائے کیونکہ وہ قلم کرتا اور علیحدہ کرتا اور کاٹتا ہے۔

ف : اس میں انسان پر علم الخط والکتابت قلم سے احسان جتلاتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے:

العلم صید والکتابۃ قیدہ۔ علم شکار ہے اور کتابت اس کی قید (جال) ہے۔

کسی نے کہا:

وما من کاتب الا سیبلیٰ ویبقی الدھر ما کتبت یداہ
فلا تکتب بکفك غیر شئ یسرك فی القیامۃ ان تراہ

ترجمہ: ہر کاتب عنقریب گل سڑ جائے گا (اکثر) اور جب تک دنیا باقی رہے گی اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا باقی رہے گا۔ اپنے ہاتھ سے وہ شے لکھ جو تو قیامت میں دیکھے تو وہ تجھے مسرور کر دے۔

ف : اگر قلم نہ ہوتا تو دین و دنیا کے امور قائم نہ ہو سکتے۔

قلم روحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کا ایمان افروز حوالہ ملاحظہ ہو:)

وفیہ اشارۃ الی القلم الاعلی الذی ھو اول موجود وھو الروح النبوی علیہ السلام فان اللّٰہ علم القلب بواسطتہ مالم یعلم من العلوم التفصیلیۃ۔

(روح البیان ج ۱۰، ص ۴۷۳)

اس میں اشارہ ہے کہ قلم اعلیٰ وہ ہے جو سب سے پہلے وجود میں آیا ہے وہ ہے روحِ نبوی علیہ السلام اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قلبِ مبارک کو اس کے واسطہ سے وہ علومِ تفصیلیہ سکھائے جن کا اسے علم نہ تھا۔

پہلا کاتب کون

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے عربی و سریانی کتاب حضرت آدم علیہ السلام نے وضع فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام نے وفات سے تین سو سال پہلے تمام کتابیں لکھیں، پہلے انھیں گارے پر لکھا پھر انھیں آگ سے پختہ کیا۔ آدم علیہ السلام نے جو کچھ کتابت کیا اسے ادریس علیہ السلام نے نکالا، یہی اصح ہے۔ اور خطِ رمل سب سے پہلے ادریس علیہ السلام نے لکھا اور فارسی میں سب سے پہلے فارس کے تیسرے بادشاہ طہورث نے لکھا۔

کاغذ کا موجد: سب سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے کاغذ تیار کیا۔

کل کائنات کا علم قلم کو

حضرت امام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اول ما خلق اللّٰہ القلم قال لہ اکتب ماھو کائن الی یوم القیٰمۃ واول ما کتب القلم انا التواب اتوب علی من تاب۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور فرمایا اُکتب (لکھ)۔ عرض کیا: کیا لکھوں؟ فرمایا: لکھ جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب سے پہلے قلم نے کہا: میں (اللہ) توّاب ہُوں جو توبہ کرے میں اس کی توبہ قبول کرتا ہوں۔

نکتہ: خلق من العلق اور تعلیم القلم میں مناسبت یہ ہے کہ انسان کا ادنیٰ مرتبہ ہے کہ وہ علقہ سے پیدا ہوا ہے اور اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ عالمِ دین ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان جتلایا کہ اس نے اسے ادنیٰ مرتبہ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا یعنی علقہ (پھٹک) سے تعلیم تعلّم تک۔

تفسیرِ صوفیانہ وہ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو اپنی صورۃ حقیقیہ پر پیدا فرمایا اسے علقہ تجلی اولیٰ حبی سے پیدا فرمایا جس کا اشارہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (میں مخفی خزانہ تھا مجھے محبت کا تقاضا ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا فرمایا) میں ہے۔ ایجادِ حبی سے محبت ذاتیہ علقہ ہوگئی اور وہ اکرم الاکرمین ہے کیونکہ جامع' اور ان جمیع اسمار کو محیط ہے جو کرم پر دلالت کرتے ہیں جیسے جواد، واہب، رزاق وغیرہ۔

تفسیرِ عالمانہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (انسان کو سکھایا جو نہ جانتا تھا) یہ بدل الاشتمال ہے از علم بالقلم۔ اور مفعول کی تعیین ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعہ اور اس کے بغیر بھی امورِ کلیہ جزئیہ جلیہ خفیہ وہ کہ اس کے دل پر نہ کھٹکا۔

سوال: جب قلم اور خط اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں اور منتوں سے ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابت (لکھائی) کیوں نہ سکھائی؟

جواب: اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھائی کرتے تو لوگ کہتے کہ آپ نے قرآن مجید پہلے لوگوں کی کتابوں سے لکھا ہے۔

شانِ مصطفیٰ (جو لوگ اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھنے اور پڑھنے کی نفی کی تہمت لگاتے ہیں ان کے لیے صاحبِ روح البیان علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ کا بیان کافی ہے ورنہ ضد بُری بلا ہے)

ومن کان القلم الاعلی یخدمه و	قلم اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوح محفوظ اس
اللوح المحفوظ مصحفه و منظره	کا مصحف و منظر تو وہ تصویرِ رسوم اور تشکیل
لا یحتاج الی تصویر الرسوم وتشکیل	العلوم کا محتاج نہیں جو آیاتِ جسمانیہ سے ہو
العلوم بآیات الجسمانیة لأن الخط	اس لیے کہ خط کہ خط ذہنی صنعت اور قوتِ
صنعة ذهنیة وقوة طبیعیة صدرت	طبیعیہ جو آلاتِ جسمانیہ کی صدر ہے سے
بالآلة الجسمانیة۔	صادر ہوا۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۴۷۴)

فضیلتِ اُمّتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں اشارہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت کی بزرگی دوسری اُمّتوں پر ہے کہ یہ روحانی لوگ ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے انجیل میں یوں صفت بیان فرمائی:

امۃ محمد اناجیلھم فی صدورھم لولم یکن رسم الخطوط لکانوا یحفظون شرائعہ علیہ السلام بقلوبھم لکمال قوتھم و ظھور استعدادتھم۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۴۷۴)

امتِ محمدیہ ان کے سینے انجیلیں ہوں گے اگر رسم الخطوط نہ ہوں تو وہ حضور علیہ السلام کے شرائع قلوب میں یاد رکھیں اپنی قوتِ کمال وظہورِ استعدادات کی وجہ سے۔

تفسیر عالمانہ كَلَّآ (ہاں ہاں) جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرکشی کرکے ناشکری کرے اسے زجر و توبیخ ہے اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا اس طرح ان کی زجر و توبیخ میں مبالغہ ہے اسی لیے اس پر وقف ہے۔ حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا، مالم یعلم پر اس لیے وقف ہے کہ کلاّ بمعنی حقّا ہے اس لیے ان کے نزدیک اس پر وقف ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى (بیشک انسان سرکشی کرتا ہے) حد سے تجاوز کرتا اور اپنے رب تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتا ہے اس میں مردوع (جسے زجر کی گئی) اور مردوع عنہ (جس سے زجر کی گئی) کا بیان ہے۔

شانِ نزول بعض کا خیال ہے کہ سورۃ کا یہ مضمون آخر تک ابوجہل کے حق میں نازل ہوا، یہی ظاہر ہے۔

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (اس پر کہ اس نے خود کو غنی سمجھ لیا) مفعول لہ ہے سرکشی اس لیے کرتا ہے کہ خود کو دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ وہ مستغنی ہے جیسے ابوجہل اور اس کے ساتھی، ایسے ہی فرعون کہ جس نے الوہیت کا دعویٰ کیا۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو شخص سیر نہیں ہوتے :

(۱) طالبِ علم (دینی، اسلامی)

(۲) طالبِ دنیا

اور یہ دونوں برابر نہیں۔ بہرحال طالب العلم تو اللہ تعالیٰ کی رضا میں بڑھتا ہے اور طالبِ دنیا طغیان (سرکشی) میں بڑھتا ہے۔

ف : یہ اس کے طغیان کی تعلیل ہے کہ وہ از خود خود کو مستغنی سمجھتا ہے یعنی اس کی سرکشی کا مدار اس کا اپنا فاسد گمان ہے۔

شانِ نزول یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی کہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کا خیال ہے کہ جو غنی ہوتا ہے وہ سرکش ہوتا ہے تو پھر

ہمارے لیے جبالِ مکّہ سونے اور چاندی کے بنا دیں ہم اُن سے کچھ حاصل کرلیں پھر ہم سرکشی کرکے اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ اس پر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تو عرض کی اگر آپ چاہیں تو ہم کردیں پھر بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم ان سے وہی کریں گے جو اصحابِ مائدہ سے کیا۔ اس لیے آپ ان پر دُعا سے باز رہے اور رحمت کی بنا پر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

ف : سورۃ کا اوّل علم کی مدح میں اور آخر مال کی مذمت میں ہے۔

ف : علم کی رغبت اور دُنیا و مال سے نفرت میں یہی آیت کافی ہے۔

دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُعا فرماتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من غنی یطغی وفقر ینسی۔ اے اللہ! میں اس غنا سے پناہ مانگتا ہوں جو سرکش بنا دے اور اس فقر سے بھی جو تیری یاد بھلائے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان خود اللہ تعالیٰ کی بعض صفات و بعض اسماء کا مظہر دیکھتا ہے تو مدعی بن بیٹھتا ہے کہ وہ بھی کچھ ہے اور گمان کرتا ہے کہ جو صفات و اسماء اس میں امانت کے طور ہیں حکمتِ بالغہ کی وجہ سے وہ ان کا مالک ہے اور اسے ملک کے طور ملی ہیں ان پر عُجب کرتا ہے اور خود کو صاحبِ کمالات سمجھتا ہے اور وہ مالکِ حقیقی سے مستغنی ہو جاتا ہے جس نے اس میں یہ صفات و اسماء امانت رکھے ہیں حالانکہ اس پر لازم تھا کہ وہ ان اسماء و صفات سے اپنے مالک و خالق پر استدلال کرتا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰى (بیشک تمہارے رب کی طرف لوٹنا ہے)

حلِ لغات : الرجعٰی مصدر ہے بمعنی الرجوع ۔ الف تانیث کا ہے یعنی اے انسان! تیرے مالک امر کی طرف تمام کا رجوع ہے موت اور موت کے بعد جی اُٹھنے سے، اس کے غیر کی طرف نہیں، نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک، اس وقت تُو اپنی سرکشی کا انجام بد دیکھے گا ؎

وآنجا ہمہ را عمل بکار آید نہ اموال

توانگری نہ بمالست نزد اہلِ کمال

کہ مال تالب گورست و بعد ازاں اعمال

ترجمہ: وہاں عمل کام آئیگا نہ مال، دولتمندی اہلِ کمال کے نزدیک مال کا نام نہیں،

کیونکہ مال قبر کے کناروں تک ہے اس کے بعد اعمال۔

اَرَاَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے) استفہام تعجیب (تعجب دلانا) کا، اور رؤیۃ سے رؤیۃ بصری (آنکھ سے دیکھنا) اور خطاب ہر آئے ہے جسے دیکھنے کی قوت حاصل ہے اور عبداً کی تنکیر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تفخیم شان کے لیے ہے اور ینہاك (خطاب) سے عدول ینہی عبداً (غائب) کی طرف دلالت کرتا ہے۔ بدبخت (ابوجہل) کا عبد مقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے مولیٰ کی خدمت (عبادت) سے روکنا مطلوب تھا اس سے بڑھ کر اور قباحت کیا ہوگی۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ عبودیت میں مخلوق میں کامل ترین عبد کو اپنے مالک کی عبادت سے روکتا ہے۔

شانِ نزول یہ آیت بھی ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کیا تھا اور قریشِ مکّہ کے سرکش لوگوں سے کہا تھا کہ اگر میں انھیں ایسا کرتا دیکھوں گا تو (معاذ اللہ) آپ کی گردن پاؤں سے کُچل ڈالوں گا اور چہرہ خاک میں ملا دُوں گا۔ پھر وہ اسی ارادۂ بد سے حضور کے نماز پڑھتے میں آیا اور حضور کے قریب پہنچتے ہی اُلٹے پاؤں بھاگا، ہاتھ آگے بڑھائے ہوئے جیسے کوئی کسی مصیبت کو روکنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے چہرہ کا رنگ اُڑ گیا اعضاء کانپنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگا: میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان ایک خندق ہے جس میں آگ بھری ہوئی ہے اور دہشتناک پرند باز و پھیلائے ہوئے ہیں سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا عضو عضو جُدا کر ڈالتے۔

ف: زمانہ جاہلیت میں ابوجہل کی کنیت ابوالحکم تھی اس لیے کہ اہلِ عرب کا گمان تھا کہ وہ بڑا عالم اور زیرکِ زمان ہے لیکن اسلام میں اس کی کنیت ابوجہل مشہور رہی۔

ف: فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی دعاءِ مبارک میں اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ:

اللھم اعزالاسلام بابی جھل او بعمر۔ اے اللہ! ابوجہل و حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے ذریعہ اسلام کو عزت دے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام قریش میں زیادہ سعید تھے جیسے ابوجہل قریش میں بدترین شقی تھا کیونکہ اشیاء اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔

ف: (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) ابوجہل کی بدبختی کی انتہا قابلِ غور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر مارے گئے تو اسے ملائکہ کرام کے پر تو نظر آ گئے لیکن پر والے (ملائکہ) نظر نہ آئے

(اور نہ ہی ان کے مرشد و آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت سمجھ میں آ سکی ۔ اویسی غفرلہٗ)

ف : جس نماز میں ابوجہل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھر مارنے آیا تھا وہ ظہر کی نماز تھی ۔

اَرَءَیْتَ (بھلا دیکھو تو) رؤیت قلبی مراد ہے ، اس کا معنیٰ ہے مجھے اس ناہی کی خبر دو ۔ یہ مفعول اول ہے اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى (اگر وہ ہدایت پر ہوتا) اس میں جو اسے اپنے مولیٰ کی عبادت سے روکتا ہے ۔ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى (یا پرہیزگاری بتاتا تو کیا خوب تھا) یعنی وہ تقویٰ کا حکم کرتا اس میں جو اپنے اعتقاد پر بتوں کی پرستش کا حکم کرتا ہے یہ مع اپنے جواب محذوف جملہ شرطیہ ہے اور الم یعلم بان اللہ یری مفعول ثانی کے قائم مقام ہے اس لیے کہ ارأیت کا مفعول ثانی جملہ استفہامیہ ہوتا ہے یا قسمیہ ۔ اس شرط کا جواب محذوف ہے بوجہ اکتفاء بجواب شرطیہ بان کے کہ جو آگے ہے کہ ان کذب وتولی یہ بالمقابل ہے شرط اول کے لئے ۔ وہ ہے ان کان علی الہدی او امر بالتقویٰ ۔ دراصل یہ آیت ناہی کے تہکم پر مبنی ہے نہ یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکا جا رہا ہے یا (معاذ اللہ) اسے بت پرستی کا حکم دیا جا رہا ہے اور نہ ہی بتوں کا ہدایت پر ہونے کا بیان ہے اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (بھلا دیکھو تو اگر جھٹلایا اور منہ پھیرا) یہ کہ وہ حق سے مکذب اور صواب سے روگردان ہے جیسے ہم کہتے ہیں (وہ اس کے برعکس کرتا ہے)

ازالۂ وہم یہ نظم امر و تکذیب و تولی شرط متردد بین الوقوع والعدم کے سلک میں نفس افعال مذکور سے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فاعل سے صادر ہوں اس لیے کہ وہ حیز التردد میں نہیں ہے بلکہ تردد باعتبار ان کے اوصاف کے ہے کہ ان کا ہونا امر بالتقویٰ اور تکذیب و تولّی ہے ۔

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى (تو کیا حال ہوگا کیا نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے) یہ شرط ثانیہ کا جواب ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے احوال پر مطلع ہے اور وہ ان کی جزا دیگا کہ اس پر جرأت کر رہا ہے جو ہمارے احکام کے خلاف ہے کہ وہ ناہی جانتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو پھر اس سے ایسے قبائح صادر ہو رہے ہیں ۔

نکتہ تکذیب و تولّی کو شرط و جزائے مستقل طور پر لائے ہیں استخبار مستانف کے ساتھ اور انہیں شرط اوّل میں عطف کے ساتھ منسلک نہیں فرمایا تاکہ آگاہی ہو کہ وہ وقوع فی نفس الامر میں مستقل ہیں اور اسی وعید کے مستحق یہ بھی ہیں جس کا جواب آئے گا اور قسم اول امر محال ہے اسی لیے اسے شرط کے حیز میں لایا گیا کیونکہ شرط کا دائرہ وسیع ہے ۔ اسی لیے پہلی شرط کو جواب سے خالی رکھ کر اسے جواب ثانی کے حوالے کیا گیا ہے بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بھلا دیکھو اسے جو عبد مقدس کو نماز سے روکتا ہے اور منہی (جس سے نہی کی گئی) علی الہدی امر بالتقویٰ ہے اور ناہی مکذب روگردان ہے

اور اس سے بڑھ کر تعجب خیز اور کون ہوگا۔

ف : بزرگوں نے فرمایا کہ ان اللہ یریٰ میں وعدہ کریمہ بھی اور وعید عظیم بھی گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ اے فاسق! توبہ کر، دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔ اور اے ریاکار! اخلاص کر، دیکھنے والا دیکھ رہا ہے، اور اے خلوت میں گناہ کا ارادہ کرنے والے! ہوش کر، دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔

حکایت ایک درویش نے گناہوں کے بعد توبہ کی اور خوب روتا تھا، لوگوں نے پوچھا اب کیوں روتے ہو تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے۔ کہا یہ مجھے معلوم ہے کہ اس نے میری خطائیں معاف کر دیں لیکن ان کا کیا بنے گا کہ جب بھی میں گناہ کرتا وہ دیکھتا تھا اس شرمساری اور خجلت کو کیسے دور کروں ؎

گیرم کہ تو از سر گنہ درگزری
زان شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم

ترجمہ : مانا کہ تو میری خطا سے درگزر فرماتا ہے لیکن اس سے شرمسار ہوں جو
تو نے دیکھا کہ میں نے کیا کیا اور آگے چل کر کیا کروں گا۔

مسئلہ : حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آیت تمام لوگوں کے لیے وعظ اور اسے تہدید ہے جو خیر و برکت اور طاعت و عبادت سے روکتا ہے۔

قاعدہ : اگرچہ یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم عام ہے کہ جو طاعتِ الٰہی سے روکتا ہے وہ اس وعید میں ابوجہل کا بھائی ہے۔

مسئلہ : اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دار مغصوبہ میں اور اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے کیونکہ اس میں منہی عنہ نماز کا غیر ہے اور وہ معصیت ہے کیونکہ عدمِ مشروعیۃ کو ایک وصف مقارن ہے اور وہ مستحق ہے کہ اس سے روکا جائے نہ یہ کہ اصل نماز سے روکا جا رہا ہے لیکن چونکہ اصل اور وصف ایسے متصل ہیں کہ ان کا آپس میں جدا ہونا مشکل ہے اسی لیے وہم ہو رہا ہے کہ اصل ذات سے روکا جا رہا ہے اسی لیے اکابر نے ایسے اشخاص کو روکنے سے احتیاط فرمائی ہے۔

حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو عید گاہ میں دیکھا کہ وہ ادائیگیِ عید سے پہلے نوافل پڑھ رہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس وقت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ عرض کی گئی تو آپ انہیں روکتے کیوں نہیں؟ فرمایا: مجھے خوف ہے کہ میں ارأیت الذی ینھٰی عبداً اذا صلّٰی کی وعید میں داخل نہ ہو جاؤں۔

ف : سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھل کر ایسے لوگوں کو نہ روکنا احتیاطاً تھی۔

ف : حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس ادبِ جمیل کو اکثر مسائل میں شامل فرمایا ہے مثلاً آپ سے حضرت ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے پُوچھا کہ کیا نمازی رکوع سے سر اٹھا کر کہہ سکتا ہے اللھم اغفرلی ۔ آپ نے فرمایا نمازی کو چاہیئے ربنا لک الحمد کہہ کر سجدے میں جائے ۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یہاں یہ ادب سکھایا کہ اللھم اغفرلی کے لیے یُوں نہ فرمایا کہ نہ کہے بلکہ اس سے سکوت فرما کر اصل حکم بتادیا (یعنی ربنا لک الحمد کہیئے)

كَلَّا (ہاں ہاں) ناہی لعین کو زجر ہے اور اسے عبادتِ الٰہی سے روکنے اور لات کی عبادت کے امر پر دھتکار ہے **لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ** (اگر باز نہ آیا) لام مضمر قسم کی موطئہ ہے کہ دراصل و اللہ لئن لم ینتہ الخ ہے یعنی بخدا اگر اپنے اس حال سے باز نہ آیا اور اس بدعملی سے نہ رکا اور نہ ہی توبہ کی اور موت سے قبل اسلام قبول نہ کیا۔

ف : دراصل ینتھی (بالیاء) تھا، کہا جاتا ہے اس کا مادہ نھی ینھٰی نھیًا ہے اس کی امر ہے فانتھی یعنی اسے روکا تو وہ رک گیا۔

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (توضرور ہم پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے) یہ دراصل لَنَسْفَعَنْ تھا (بالنون الخفیفہ) جو تاکید کے لیے ہوتا ہے اس کی نظیر لیکونًا من الصاغرین (ہوجائیگا ذلیلوں سے) ہے ۔ الف کے ساتھ لکھا گیا اس لیے کہ مصحف میں الف کے ساتھ ہے وقف کے حکم میں ہے اس لیے کہ اس نون پر وقف کیا جاتا ہے تنوین سے تشبیہ دے کر۔

حلِ لغات سفع کسی شے کو پکڑنا اور زور و شدت سے کھینچنا ۔ الناصیۃ سر کے اگلے حصہ (پیشانی) کے بال ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آخرت میں ہم اسے پیشانی سے پکڑ کر جہنم میں لے جائیں گے یعنی ہم زبانیہ (دوزخ کے نگران فرشتے) کو حکم فرمائیے تاکہ وہ اس کی پیشانی سے پکڑ کر ذلت وخواری کے ساتھ اسے جہنم میں کھینچ کر لے جائیں اور عرب اس شخص کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے جسے اس طرح سے سزا دی جاتی۔

ف : عین المعانی میں ہے کہ پیشانی سے پکڑ کر کھینچنا قہر اور اہانت کی دلیل ہے اور اس میں لام عہد پر اکتفار کیا گیا ہے اضافہ نہیں کی گئی اس لیے کہ اس سے ظاہر مراد یہ ہے کہ اس سے ناہی مذکور مراد ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا دنیا میں منہ کے بل کھینچا جانا مراد ہو کہ ابوجہل کو غزوۂ بدر میں مرنے کے بعد اسی طرح کھینچ کر لایا گیا ۔ اس میں بشارۃ (اوعلم ما فی الغد) ہے اہلِ اسلام کو کہ وہ ابوجہل کی پیشانی سے پکڑ کر

اسے منہ کے بل لٹا کر کھینچیں گے جب وُہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ چنانچہ اہلِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کو غزوۂ بدر میں قدرت دی کہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسے ہی کیا جیسے آیت میں مذکور ہے۔

ف : مروی ہے کہ جب سورۃ رحمٰن نازل ہُوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون ہے، جو یہ سورت رؤسائے قریش کو سنائے، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے عرض کی میں سُناؤں گا۔ آپ نے اسے بٹھا دیا، پھر وہی اعلان فرمایا پھر بھی اور کوئی نہ اٹھا ابن مسعود رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوگئے۔ آپ نے اسے پھر بٹھا دیا۔ تیسری بار اعلان فرمانے پر اور کوئی نہ اُٹھا ابن مسعود ہی اُٹھے۔ اس بار آپ نے اُنہی کو اجازت دے دی۔ آپ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو اس لیے اجازت نہ دیتے تھے کہ آپ ان کے ضُعفِ بدن (دُبلے پتلے) اور صغر سنی سے ڈرتے تھے (کہ کہیں قریشِ مکّہ کی سختی سے مارے نہ جائیں)۔ وہ قریش کے ہاں پہنچے جب وہ کعبہ معظمہ کے اردگرد جمع تھے۔ انہوں نے سورۂ رحمٰن پڑھنا شروع کر دی۔ ابوجہل نے اُٹھ کر اُن کو طمانچہ مار کر اُن کا کان چیر دیا اس سے وُہ خُون آلود ہوگئے۔ وُہ روتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں واپس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان کا دل رقیق ہوگیا اور سرِ مبارک جھکا کر مغموم ہوگئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے اور مسرور تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: اے جبریل! کیا یہ ہنسنے کا موقع ہے، لو دیکھو ابنِ مسعود رو رہا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: عنقریب معلوم ہو جائیگا۔ جب غزوۂ بدر میں مسلمان فتحیاب ہُوئے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اِذنِ جہاد چاہا تو آپ نے فرمایا: یہ لو تیر کمان اسے ہاتھ میں تھامو اور میدانِ بدر میں کُود پڑو، جسے دیکھو کہ میدان میں آخری سانس لے رہا ہے اس کا سر قلم کر دو، تمہیں مجاہدین کی طرح ثواب ملے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ میدانِ بدر میں مجاہدین کو دیکھتے رہے، یہاں تک کہ انھیں ابوجہل میدان میں پڑا ملا جو آخری سانس لے رہا تھا، پہلے تو اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوئے کہ مبادا اس میں طاقت باقی ہو اور وہ ان پر جھپٹ پڑے اور ان کو گزند پہنچائے۔ آزمائشی طور پر آپ نے اس کے سینے پر دُور سے تیر رکھا اور تھوڑا سا گھونپا تو یقین ہوگیا کہ یہ اب مٹ چکا ہے۔

نکتہ : یہ سنسمہ علی الخرطوم کی عملی تفسیر ہے کہ اس کے جسم پر نشان لگایا جا رہا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عجز اور کمزوری (اور بچپنے) کی وجہ سے اس کے سینہ پر نہ چڑھ سکتے تھے لیکن ہمّت کر کے چڑھ گئے۔ ابوجہل نے ذرا سی آنکھ کھول کر کہا ایک بکریاں چرانے والا چھوکرا (لڑکا) اونچے اور سخت پہاڑ (ابوجہل) پر چڑھ بیٹھا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الاسلام یعلو و لا یعلی علیہ۔ اسلام بلند ہے اور اس سے اور کوئی بلند نہیں ہو سکتا۔

ابوجہل نے کہا کہ اپنے صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرا پیغام پہنچا دے کہ موت کے وقت بھی آپ سے زیادہ مبغوض میرے لیے اور کوئی نہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا یہ کلمہ سنا تو فرمایا:

فرعونی اشد من فرعون موسیٰ فانہ قال اٰمنت وھوقد زاد عتوا۔	میرا فرعون موسیٰ (علیہ السلام) کے فرعون سے سخت تر ہے۔ کیونکہ وہ تو مرتے وقت کہہ رہا تھا آمنت (میں ایمان لایا) لیکن میرے فرعون کی سرکشی (بوقتِ موت) اس سے بڑھ گئی۔

ابوجہل نے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار دے کر کہا کہ اس سے میرا سر قلم کر دو کہ یہ زیادہ تیز اور جلد تر کاٹنے والی ہے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور کمزوری کی وجہ سے اس کا سر اٹھا نہ سکے تو اس کا کان چیر کر اس میں رسی ڈالی اور اسے کھینچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے گئے جبریل علیہ السلام موجود تھے اور ہنس رہے تھے اور عرض کی:

یا محمد اُذُنٌ باُذُن (یا محمد! کان کے بدلے کان) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(یعنی ابوجہل نے ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا کان تھپڑ مار کر چیرا تھا تو اب ابن مسعود اس کا کان چیر کر اس میں رسی پرو کر آپ کے سامنے کھینچ کر لے آئے ہیں) یہ سر کا کاٹنا اور اس کا کھینچنا مزید ہوا۔

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ دُبلے پتلے کیوں اللہ تعالیٰ حکمتوں کا مالک ہے ابنِ مسعود کو شاید اسی لیے دبلا پتلا بنایا تاکہ وہ ابوجہل کے مقطوع سر کو نہ اٹھا سکیں۔ اس کے چند وجوہ ہیں:

(۱) ابوجہل کتا تھا اور کتوں کو مرنے کے بعد کھینچ کر باہر پھینکا جاتا ہے نہ کہ اٹھا کر۔

(۲) اس کا کان اسی طرح کاٹا جائے جیسے اس نے تھپڑ مار کر حضرتِ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا کان چیرا تھا تاکہ اس سے بدلہ لیا جا سکے۔

(۳) وعید مذکور (لنسفعا بالناصیۃ) کا تحقق ہو جائے اور وہ سر کے اگلے حصے (پیشانی) کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا جائے۔

ف: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ناصیۃ سے ماتھے کے اوپر کے بال مراد ہیں، کبھی بالوں کی جگہ کو بھی ناصیہ کہا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں پر چہرہ اور سر کنایہ فرمایا ہے۔

لطیفہ: شاید ناصیۃ کی تخصیص اس لیے ہو کہ ابوجہل لعین ان بالوں کو خوب سنوارتا اور سنگارتا تھا

اور خوشبو سے معطّر کرتا تھا۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (کیسی پیشانی جھوٹی خطاکار) الناصیۃ سے بدل ہے اور معرفہ نکرہ کا بدل بنانا جائز ہے اس لیے کہ اس کے بعد اس کی صفت واقع ہے اور اسے کذب و خطائے سے موصوف کرنا مجاز ہے ورنہ یہ صفات پیشانی والے کی ہیں اور جو بلاغت اس میں ہے وہ کاذب و خاطی کہنے میں نہیں۔ گویا وہ کافر باتوں میں اس انتہا کو پہنچا ہے گویا اس کی پیشانی سے کذب ہی ٹپکتا ہے، ایسے ہی اس کے فعل کا حال ہے۔ ابوجہل کا بھی یہی حال تھا کہ وہ جھوٹ بکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول بنا کر نہیں بھیجا، اور اس قول میں بھی جھوٹا تھا کہ کہتا تھا (معاذ اللہ) محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جادوگر ہیں وغیرہ۔ ابوجہل خاطی تو تھا ہی مگر اس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذیتوں اور مشقتوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ فَلْيَدْعُ (تو اب پکارے)

لغات: یہ دعوۃ سے ہے، اس کا فاعل ابوجہل ہے۔

نَادِيَهُ (اپنی مجلس کو) اس سے اہلِ مجلس مراد ہیں کہ اس کی مدد کریں۔ نادیہ وہ مجلس ہے جہاں لوگ بیٹھیں۔ اور یہاں مضاف مقدر ہے کیونکہ نفس مجلس و مکان کو تو نہیں بلایا اور پکارا جاتا اور نہ ہی کسی جگہ کو نادی سے موسوم کیا جاتا ہے جب تک کہ اس میں اہلِ مجلس نہ ہوں اور مکّہ میں دار الندوہ اسی معنیٰ پر تھا کہ وہ اس میں جمع ہو کر ایک دوسرے سے مشورہ کرتے اور وہ آج حنفیوں کی محفل کے لیے مخصوص ہے (یہ صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ کے دور میں ہو گا آج ۱۴۰۹ھ میں نجدیوں کی دستبرد سے کچھ کا کچھ ہو گیا ہے)

شانِ نزول

جب ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے منع کیا تو حضور نے اس کو سختی سے جھڑک دیا۔ اس پر اس نے کہا کہ آپ مجھے جھڑکتے ہیں خدا کی قسم میں آپ کے مقابل نوجوان سواروں اور پیادوں سے اس جنگل کو بھر دوں گا آپ جانتے ہی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے زیادہ جتھے اور مجلس والا کوئی نہیں ہے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (ابھی ہم سپاہیوں کو بلاتے ہیں) یعنی عذاب کے فرشتوں کو جو اسے کھینچ کر جہنم میں لے جائیں گے۔ ان کا ایک فرشتہ تمہارے لاکھ کے برابر ہے (بلکہ ان سے بھی بڑھ کر)۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو دعا نادیہ لاخذ تہ الزبانیۃ عیانا۔	اگر وہ اپنے اہلِ مجلس کو نہ پکارتا تو اسے زبانیہ (دوزخ کے نگران فرشتے) کھلم کھلا پکڑ لیتے۔

ف : مصاحف عثمانیہ کا اتفاق ہے کہ سندع پر لکھنے کے وقت واؤ نہ ہو حالانکہ اس کے حذف کا کوئی موجب بھی نہیں۔ عربیّۃ کا کوئی قاعدہ اس پر (لفظاً) لاگو نہیں شاید مشاکلۃ یا تشبیہ بالا کی وجہ سے واؤ محذوف ہے کیونکہ پکارنا امر سے ہوتا ہے (اور امر کے جواب میں واؤ محذوف ہوتا ہے)۔

۳۰ آیاتِ قرآنی کا قاعدہ

ابن خالویہ نے کہا کہ تیس آیات کا اعراب میں اصل یہ ہے:

(۱) سندعوا (بالواؤ) واؤ ساکن تھی، واؤ لام کے بالمقابل ثقیل تھی اسی لئے مصحف میں گر گئی۔

(۲) یدع الانسان

(۳) یمح اللہ الباطل،

(۴) ایسے ہی واد النمل میں یاء کا حال ہے (کہ در اصل وادی النمل تھا)

(۵) ان اللہ لھاد الذین اٰمنوا (کہ در اصل ان اللہ لھادی الخ تھا) اس کی علت وہی ہے جو میں نے تمہیں ان کا قاعدہ بتایا کہ مصحف میں اسی طرح ہے اور یاء لام کے بالمقابل ثقیل ہے اس لیے گر گئی۔

تحقیق الزّبانیۃ

زبانیۃ دراصل کلامِ عرب میں شُرطِی بچوں صرد شُرطۃ (بالضم یعنی سپاہی) کی جمع ہے۔ بادشاہوں کا ایک گروہ اس نام سے اسی لیے موسوم ہے کہ وہ اپنی مخصوص علامات سے پہچانا جاتا ہے کما فی القاموس (اب بھی عرب میں سپاہیوں کو شُرطۃ یا عسکری کہتے ہیں اور وہ ہر ملک کے اپنے مخصوص لباس میں ہوتے ہیں جیسے ہمارے ملک پاکستان میں پہلے دور میں کچھ اور علامات تھے اب سیاہ ٹوپی سر سے چمٹی ہوئی اور ملیشیا کے کپڑے کا لباس۔ اور عربوں کی خاکی وردی۔ اویسی غفرلہٗ) شَرط (بالتحریک) علامت کو کہا جاتا ہے۔ زبانیۃ کا واحد زبینۃ ہے بچون عفریۃ اور یہ عفریۃ الدیك سے ہے بمعنی مُرغ کی گُدّی کے بال، یا ٹھونگے مارنے کے وقت سر کی جانب کھینچتا ہے کسی شے کو دفع کرنے کے لیے۔ زبن بالفتح بچوں ضرب بمعنی الدفع، اس لیے کہ زبانیۃ (فرشتے) کفار پر شدت اور گرفت کر کے دوزخ میں دھکیلیں گے یعنی عذاب کے فرشتے سپاہیوں کے نام سے اس لیے موسوم ہیں کہ وہ سپاہیوں کے مشابہ ہیں پکڑ دھکڑ اور سختی اور قہر و غضب میں۔

ف : بعض نے کہا زبانیۃ کا واحد زبنی ہے گویا وہ زبن کی طرف منسوب ہے پھر بدل کر زبانیۃ کہا گیا جیسے انسی (بکسر الہمزہ) کہ دراصل زبانی تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کی تاء یاء کا بدل ہے اس کے

حذف کے بعد رفع میں مبالغہ کے لیے ایسا کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں تجلیات قویہ جلالیۃ الحرارت کی طرف اشارہ ہے اور ابوجہل سے نفس امارہ اور اہلِ نادیہ سے اس کا لشکر یعنی خواہشات اور اس کے ظلمانی قویٰ کہ انہیں نارِ خذلان اور جہنم خسران کی طرف کھینچا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (ہاں ہاں) ناہی مذکور کو پہلی زجر کے بعد دوبارہ ہے اور یہ ماقبل سے متصل ہے اسی لیے اس پر وقف مطلق ہے لَا تُطِعْهُ (اس کی نہ سُنو) جس پر آپ ہیں اس پر مداومت کیجیے اور اس ناہی کاذب خاطی کی بات نہ سنو، ایسے ہے جیسے فرمایا:

ولا تطع المکذبین (اور مکذبین کی نہ سنو)

وَاسْجُدْ (اور سجدہ کرو) اپنے سجدہ و نماز پر مواظبت کیجیے اس میں کمی نہ کرو وَاقْتَرِبْ (ہمارے قریب ہو جاؤ) یعنی سجود سے رب تعالیٰ کا قُرب حاصل کرو۔

حدیث شریف: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اقرب ما یکون العبد من ربہ اذا سجد فاکثروا من الدعاء فی السجود۔	سجدہ کی حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوتا ہے اس لیے سجدہ میں دعا کی کثرت کیا کرو۔

ف: اس حدیث شریف میں ما مصدریہ ہے اور اقرب مبتدا، اس کی خبر محذوف ہے اور یکون تامہ ہے یعنی اقرب وجود العبد سجود کے وقت اپنے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

ف: فتوحات شریف میں اسے سجدۂ قُرب کے نام سے موسوم فرمایا۔

مسئلہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہی سجدہ کا محل ہے امام مالک علیہ الرحمۃ نے خلاف فرمایا ہے در اصل یہ ان کے اصول کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک وجوب و سنیۃ کی اصطلاح نہیں (فرض و مستحب کی اصطلاح ہے)۔

فائدہ صوفیانہ: سجود میں حجاب الریاستہ کے ازالہ کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لا کبر مع السجود (سجود کے ساتھ کبر نہیں)

ف: یعنی جو سجدہ کرتا ہے وہ کبر سے دُور اور بارگاہِ حق میں متواضعین کا شرف پاتا ہے۔

حکایت ابراہیم علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن ڈیڑھ سو مجوسیوں کو دعوتِ طعام دی۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے عرض کی : اے ابراہیم علیہ السلام! کوئی حکم؟ آپ نے فرمایا ، مجھے تم سے ایک کام ہے۔ عرض کی ، کون سا ، فرمایا : میرے رب کو صرف ایک سجدہ کرو۔ مجوسیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس شخص نے ہماری خوب خدمت کی ہے اگر ہم اس کے رب کو سجدہ کرلیں پھر اپنے معبود کی پرستش کرتے رہیں گے تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ سب کے سب سجدہ میں گر گئے۔ وہ سجدہ میں تھے تو ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کی : اے اللہ تعالیٰ! اسلام سے ان کے سینے مزیّن کردے۔ جب مجوسیوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو اسلام قبول کرلیا۔

سجدہ کے اقسام سجدہ کی کئی قسمیں ہیں :

(۱) سجدۂ صلوٰۃ

(۲) سجدۂ تلاوت

(۳) سجدۂ سہو ، اور یہ مشہور ہے۔

(۴) سجدۂ تعظیم جلالِ کبریائی حق کے لیے۔ (پیرو مرشد اور مزارات کا سجدہ حرام ہے[1]۔ اویسی غفرلہٗ)

(۵) سجدۂ تضرع الی اللہ خوف و طمع کے وقت۔

(۶) سجدۂ شکر اللہ کے لیے۔

(۷) سجدۂ مناجات۔ یہ سجدہ مستحب ہے اصح یہی ہے ، اور یہ ملائکہ سے صادر ہوا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاءِ عظام اور اولیاءِ کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام سے بھی۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سجدۂ شکر مکروہ ہے صرف زبانی شکر و حمد پر اکتفا کیا جائے اور دیگر دو اماموں نے فرمایا کہ یہ سجدہ قربت کا ہے اس پر ساجد کو ثواب ملے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سجدہ میں پڑھا :

اعوذ بعفوك من عقابك۔ (میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے) یعنی تیرے فعل کے ساتھ تیرے فعل سے۔

واعوذ بك برضاك من سخطك۔ (اور پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے)

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو امامِ اہلسنت شاہ احمد رضا رحمہ اللہ کی کتاب "الزبدۃ الزکیہ" ۱۲ اویسی غفرلہٗ

یعنی تیری صفت کے ساتھ تیری صفت سے۔

واعوذ بك منك (اور تیری پناہ مانگتا ہوں تجھ سے)

یعنی تیری ذات کے ساتھ تیری ذات سے۔

ف : اقتراب بالسجود کا یہی معنیٰ ہے۔

الحمد للہ فقیر اویسی غفرلہ، سورۃ العلق کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۶ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۵ مارچ ۱۹۸۹ء بروز اتوار فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)

سُورَةُ القدر

اٰیاتہا ۵	(۹۷) سورۃ القدر مکیۃ (۲۵)	رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ○ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَہْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ ہِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا
بیشک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا اور تم نے کیا جانا کیا شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔

سورۃ القدر کی پانچ یا چھ آیات مکیہ ہیں بعض نے کہا مدنیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)
اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ (بے شک ہم نے اسے شبِ قدر میں اتارا) نون عظمت کا ہے یا یہ ذات مع صفات و افعال پر دلالت کرتا ہے ہٗ کی ضمیر قرآن کی ہے اس لیے کہ اس کی شہرت اس کی ضمیر تام کی تصریح کے قائم مقام ہے۔ اس کی طرف ضمیر لوٹانا ایسے ہے گویا وہ جملہ اذہان میں حاضر ہے۔

سوال : ضمیر جمع (متکلم) لاکر انزال کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں ہے (حالاں کہ اس کا نزول

ملائکہ کے واسطہ سے ہوا یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعہ) وہ بھی علیٰ طریق قصر کہ فاعل معنوی کو مقدم کیا گیا ہے۔

جواب: ذکر اصل پر اکتفا کیا گیا ہے اسی لیے تابع کی ضرورت نہیں۔

ف: بعض اہل تفاسیر نے فرمایا کہ انا انزلنٰہ مبتدا یا خبر ہے بمعنی نحن انزلنٰہ۔ اس پر ان تحقیقیہ داخل کر کے اس کے ساتھ ضمیر متصل لگائی گئی ہے تخفیفاً ہے صیغۂ ماضی کا معنیٰ ہے انا حکمنا بانزلہ فی لیلۃ القدر و قضینا بہ و قدرناہ فی الازل (ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کرنے کا حکم فرمایا یہی ہمارا فیصلہ ہے اور ازل سے ہی مقدر فرمایا۔

سوال: انزال دفعی طور پر ہوا ہے قرآن یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا جس کی مدت تیئیس ۲۳ سال ہے اور یہ سورۃ منجملہ اسی کے ہے۔

جواب: آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو جبریل علیہ السلام لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے بیت العزۃ میں یکبارگی لائے اور سفرۃ (ملائکہ) نے لکھ کر پہلے آسمان میں پہنچایا جسے حسب مصالح حضرت جبریل علیہ السلام نے تھوڑا تھوڑا کر کے حضور سرورِ عالم علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اس کے نزول کا آغاز بھی اسی شب میں ہوا[1]

---

[1] نزولِ قرآن کے مختلف طریقے تھے کبھی تو مکمل سورت نازل ہو جاتی اور کبھی سورت کا کچھ حصہ، کبھی ایک آیت یا دو آیات نازل ہوتیں۔ اور روایات سے ثابت ہے کہ بیک وقت متعدد سورتوں کا نزول جاری رہتا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت سے متصل کر دو فلاں آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ سب کو ایک جگہ کیف ما اتفق جمع کر دیا جاتا۔ ان ارشاداتِ نبویہ سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ آیات کا آپس میں کوئی خاص ربط یا تعلق ضرور ہو گا اس لیے حضور فرماتے کہ فلاں آیت کے بعد اس آیت کو لکھا جائے ورنہ اگر دو آیتوں یا دو سورتوں میں کوئی خاص مناسبت اور علاقہ نہ ہوتا تو پھر حضور کے فرمان (فلاں آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو) کا کیا مقصد ہوتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی ترتیب حضور علیہ السلام کی بیان کردہ ہے اسے صحیفۂ عثمانی کہنا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رد و بدل کا وہم پیدا کرنا جہالت و سفاہت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "شیعہ اور قرآن" نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نزولِ قرآن سے پہلے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کو قرآن پاک کا علم نہ تھا ورنہ نزول کے وقت آیات کی ترتیب بنانا کیسا۔ اس کی تحقیق ہم نے تفسیر اویسی میں عرض کر دی ہے۔

سورتیں لمبی چھوٹی: بعض سورتیں بہت چھوٹی ہیں اور بعض بہت لمبی۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض

(باقی اگلے صفحہ پر)

ف ۲ اس میں اشارہ ہے کہ آسمان میں لوحِ محفوظ کے بعد سب سے بڑا اور معزز مکان بیت العزۃ ہے جیسا کہ اس میں نزولِ قرآن کی روایت سے ظاہر ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آسمانِ اول کو دوسرے آسمانوں پر فضیلت ہے اس لیے کہ وحیِ الٰہی کا مقر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سورتوں کے مضامین لمبے ہیں۔ گویا لمبی سورتوں میں چھوٹی سورتوں کے اجمال کی تفصیل ہے جس سے دو سورتوں کے درمیان ربط ظاہر ہوتا ہے اور یہی متفقہ عقیدہ ہے کہ آیات اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے یعنی جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا آپ نے اسی کے مطابق آیتوں کو مرتب کیا اور سورتوں کو اپنی جگہ لکھوا دیا۔ ظاہر ہے کہ جبریل علیہ السلام کا عرض کرنا از خود تو تھا نہیں، باری تعالیٰ کا ہی حکم تھا تو اس سے مزید توثیق ہوئی کہ یہ موجودہ قرآن منجانب اللہ ہے جیسے نازل ہوا ویسے کا ویسے ہے۔ اس سے عیسائیوں کے اعتراض کا بھی رد ہو گیا کہ قرآن مجید میں مضامین کا تکرار کیوں؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ قرآن مجید بعض مقامات پر اجمال فرماتا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل بتاتا ہے۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "تکرار الآیات" میں عرض کر دی گئی ہے۔ اس قانون پر قرآن مجید کے روابط یاد کرنا ضروری ہیں۔

قواعد الربط

ربط کے مختلف اقسام ہیں:

(۱) ربط بین السورۃ (دو سورتوں کے درمیان باہمی ربط۔

(۲) ربط بین الآیات (دو آیتوں کے درمیان ربط۔

(۳) ربط بین الجملتین (دو جملوں کے درمیان ربط۔

(۴) ہر سورۃ کی ابتداء وانتہاء میں باہمی مناسبت و ربط۔

(۵) ایک سورۃ کے خاتمہ و ابتدا میں ربط۔

ماہرِ قرآن ان قواعد کو سامنے رکھے گا تو ربط القرآن آسان ہو جائیگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ربط پر فقیر کے دو رسالے ہیں:

(۱) احسن السور فی ربط الصور

(۲) احسن الصور فی روابط الآیات والسور

مکی و مدنی سورتیں

چونکہ قرآن مجید تیئیس[۲۳] سال میں نازل ہوا اس لیے سورتوں و آیات کو ایک قاعدہ سے سمیٹا گیا ہے وہ یہ کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی سورتیں شمار ہوتی ہیں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی سورتیں کہلاتی ہیں بنا بریں سورۃ النصر جو حجۃ الوداع (باقی بر صفحہ آئندہ)

قاعدہ: بزرگانِ دین نے فرمایا کہ مکان کی بزرگی مکین کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ف: زمین و آسمان دونوں کی بزرگی مسلّم ہے ترجیح کے لیے دونوں کے وجوہ ہیں (جو یہاں بیان کرنے کے نہیں) بہرحال بیت العزۃ اشرف المقامات ہے (لیکن لوح محفوظ کے بعد) کیونکہ قرآن مجید کا مکان ہے اور قرآن مجید بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور بادشاہ منزہ ترین مقام پر اقامت پذیر ہوتا ہے (اگر خدانخواستہ وہ کہیں مٹی کے ڈھیر پر اُترتا تب بھی ہم اسے اشرف الامکنہ سمجھتے کیونکہ اس کی شرافت ذاتی نہ ہوگی بلکہ قرآن مجید کی وجہ سے ہوگی اس سے ثابت ہُوا کہ مکان کی شرافت اور بزرگی مکین کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے سورۃ البلد میں تفصیل گزری ہے)

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نکتہ

قرآن مجید کا رفتہ رفتہ نازل ہونا بھی تعظیم محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے کسی کو ہدیہ و تحفہ بھیجا جائے۔ پھر جب بار بار بھیجا جائے گا تو سمجھا جائے گا کہ جسے تحفہ بھیجا جارہا ہے وہ بھیجنے والے کی نظر میں بہت بڑا ذی قدر اور عالیجاہ ہے اگرچہ ابتدائی نزول الیٰ بیت العزۃ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ میں تسویہ (برابری) تھا لیکن تدریجاً نزول القرآن میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ممتاز کر دیا گیا۔

ف: تدریج میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے حفظ میں آسانی ہوگی اور محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ اطہر کی تثبیت بھی مطلوب تھی، جیسا کہ خود فرمایا:

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک لنثبت	اور کافروں نے کہا کہ آپ پر یکبارگی قرآن کیوں نہ نازل ہوا اسی طرح ہوا تاکہ ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بمقام منیٰ نازل ہوئی مدنی سورت کہلاتی ہے۔

ترتیبِ سُوَر میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور بعض کے نزدیک غیر توقیفی۔ مگر محققین کے ہاں جس طرح آیات کی ترتیب توقیفی ہے اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آپ کے زمانۂ خیر و برکت میں ہوئی تھی۔ حفاظ نے اُسی وقت قرآن مجید کو اس ترتیب سے یاد کیا تھا جو اب موجود ہے، اور آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کو برقرار رکھنے کے لیے جبرائیل علیہ السلام رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دَور کرتے تھے اور اخیر رمضان میں دو بار دَور کیا تاکہ ترتیب کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھا جاسکے۔

مزید قواعد و فوائدِ تفسیریہ فقیر کی کتاب "احسن البیان فی اصول تفسیر القرآن" میں ملاحظہ فرمائیے۔

اویسی غفرلہٗ

بہٖ فؤادک ۔ (پ ۱۹ ۔ س فرقان)　　　ثابت کریں تمہارے دل کو

کلامِ الٰہی دو قسم ہے

اللہ تعالیٰ کا کلام ایک تو یہی قرآن ہے، دُوسرا حدیثِ قدسی ہے کیوں کہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے جیسے قرآن لاتے ویسے ہی سنت بھی (جس کا نام حدیثِ قدسی ہے)۔

مسئلہ: اسی لیے محدثینِ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک روایۃ السنۃ بالمعنیٰ جائز ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام اسے بالمعنیٰ پیش کرتے۔

مسئلہ: قرآن مجید کی تلاوت (من حیث التلاوۃ) بالمعنیٰ جائز نہیں کیونکہ جبریل علیہ السلام قرآن مجید کے الفاظ لائے ہیں (نہ کہ معانی بخلاف حدیث قدسی کے کہ وہاں معانی لائے ہیں)

نکتہ: وجہ یہی ہے کہ قرآن کے الفاظ زبان پر لانا بھی عبادت ہے اور اعجاز بھی الفاظ سے ہے کیونکہ کسی کو یہ امکان ہی نہیں کہ قرآن مجید جیسے الفاظ لا سکے کہ وہ اس کے الفاظ کی طرح معجزہ ہوں ایسے ہی اس کے اسرار معنیٰ بھی کوئی نہیں لا سکتا کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ کے الفاظ و معانی حروفِ قرآن و معانی کے قائم مقام ہوں۔

حضرت انسان کامل (نبی اللہ) لوحِ محفوظ سے بڑھ کر ہے

لوحِ محفوظ اس تعین کا دل ہے لیکن حضرت انسان (نبی اللہ) کا قلب اس سے لطیف تر ہے کیونکہ وہ اس کا زبدہ و خلاصہ ہے وہ اس لیے کہ قرآن کو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل کیا۔

سوال: مروی ہے کہ شب نزول القرآن (از لوح محفوظ بیت العزۃ کی طرف) میں جملہ ملائکہ کرام بیہوش ہو گئے، وہ کیوں؟

جواب: انہیں معلوم تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قربِ قیامت کی علامات سے ہیں اور یہ قرآن آپ پر ہی نازل ہوگا وہ اب ہو رہا ہے تو قیامت قریب آ گئی تو ان کی بیہوشی اس کلام کی ہیبت و اجلال حضرۃ وعدہ و وعیدہ سے تھی۔

(۲) اخبار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رحمت کی بات کرتا تو فارسی زبان میں یعنی غیر عربی جیسے سریانی و عبرانی اور جب عذاب کی بات کرتا تو عربی میں، جب انہوں نے نزولِ قرآن کے وقت عربیۃ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام) سنی تو بیہوش ہو گئے اس گمان پر کہ شاید یہ بھی عذاب سے ہے۔

نزول القرآن فی شہرِ رمضان

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور وہ رمضان مبارک میں نازل ہُوا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن. ماہِ رمضان وُہ مبارک مہینہ ہے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہُوا۔

یہ بیان اول ہے لیکن ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ دن میں نازل ہوا یا رات میں، تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا انزلنٰه فی لیلة مبارکة۔ بیشک ہم نے اسے مبارک رات میں نازل کیا۔

یہ بیان ثانی ہے پھر بھی اشکال رہا کہ وُہ کون سی رات میں نازل ہوا، اس کے متعلق فرمایا:

انا انزلنٰه فی لیلة القدر۔ بیشک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

یہ تیسرا بیان اور انتہائی بیان ہے (اس کے بعد اور کوئی بیان نہیں)

لیلۃ مبارکہ یہی لیلۃ القدر ہے

(اگرچہ بعض علماء کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے شعبان کی پندرھویں شب مراد ہے لیکن صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:)

لیلۃ مبارکہ سے یہی لیلۃ القدر مراد ہے وہ لیلۃ مبارکہ جس کی صفت میں فرمایا:

فیھا یفرق کل امر حکیم۔ اس میں تقسیم کیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام۔

اور قرآن لیلۃ القدر میں نازل ہُوا، تو وہ یہی شب تھی۔ قرآن کریم لیلۃ القدر میں اس لیے نازل ہوا کہ یہ قدر والا کلام ہے۔ اسی معنی پر یہ آیت انا انزلنٰه فی لیلة القدر کے موافق ہی ہے یعنی جو قرآن کی شان کے عین مطابق ہے کہ رات بھی قدر والی اور کلام الٰہی بھی قدر والا۔

(قوت القلوب للشیخ ابی طالب مکی قدس سرہٗ)

سوال: قرآن مجید کو رات کو نازل کرنے میں کیا حکمت تھی؟

جواب: اکثر کرامات و نزول نفحات و اسرار الی السمٰوٰت رات کو ہوئے اور رات جنت میں سے ہے کیونکہ وہ محلِ استراحت ہے اور دن دوزخ سے ہے کیونکہ اس میں طلبِ معاش اور تھکان ہی ہے، دن حظ اللباس و الفراق ہے اور رات حظ الفراش و الوصال ہے۔ یہی وجہ ہے رات کی عبادت دن کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ انسان کا قلب رات کے وقت جامع تر ہوتا ہے اور مقصود بھی حضور القلب ہے۔

فائدہ صوفیانہ : بعض عرفاء نے فرمایا کہ توحید کامل دن میں اور اسم (ذات) کا رات کو کرو کہ جامع الطریقتین ہو جاؤ :

(۱) طریقہ جلوتیہ (بالجیم)

(۲) طریقہ خلوتیہ۔

اس کے بعد توحید و اسم تیرے دو پر بن جائیں گے۔

وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (اور تم نے کیا جانا کہ لیلۃ القدر کیا ہے) کونسی شے نے تمہیں جتلایا اے محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ وہ کیا ہے کہ تم اس کی کُنہ کو نہیں جانتے کیونکہ وہ بلند قدر اور مخارق کی سمجھ سے باہر ہے اسے نہیں جانتا اور نہیں جتلاتا علام الغیوب کے سوا۔ یہ وقت کی عظمت کے لیے ہے کہ اس میں قرآن نازل ہُوا۔

لیلۃ القدر کے فضائل (۱) اس شب میں جو مُردے سے سوالِ قبر مرتفع ہو جاتا ہے (یعنی اٹھ جاتا ہے) ایسے تمام بزرگ اوقات میں مرنے والے کے لیے، جیسے عید (فطر اور عید قربان)، اور اس کے فضل وکرم کا تقاضا ہے کہ ان اوقات کے گزر جانے کے بعد بھی سوالِ قبر نہ ہوگا۔

صلوٰۃ الرغائب کا ثبوت رجب کے جمعہ اُولیٰ کی شب مغرب وعشاء کے درمیان سید الانبیاء شہ دوسرا حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجلیٔ افعال سے نوازا گیا اسی لئے اس وقت میں صلوٰۃ الرغائب (رجب کے نوافل) پڑھنا مستحب ہے۔

ف : اور حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نصف شعبان میں تجلیٔ صفات نصیب ہوئی اسی لیے وتر سے پہلے اور عشاء کے فرض نماز کے درمیان نوافل پڑھنا مستحب ہے اور تجلیٔ ذات لیلۃ القدر میں نصیب ہوئی۔ اس کا بیان آئے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

ف : چونکہ اس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیلۃ القدر کے عطیہ کا وعدہ ہے اسی لیے فرمایا **لَيْلَةُ الْقَدْرِ** (شبِ قدر) اس کا قیام اور اس میں عبادت **خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ** (ہزار ماہ سے بہتر ہے) اس کے روزے اور قیام سے، یعنی لیلۃ القدر کی غیر راتوں سے ورنہ تفضیل الشیٔ علی نفسہٖ لازم آئے گا اور یہاں خیر اسم تفضیل ہے یعنی قدر کے لحاظ سے اعظم وافضل اور اجر وثواب کے لحاظ سے اعظم دیگر مدتوں سے، اور یہ مجموعی مدت تراسی ۸۳ سال چار ماہ بنتی ہے۔

(۲) حدیث شریف میں ہے :

من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا   جو اس شب قدر میں ایمان اور ثواب کی خاطر

غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر ومن صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر۔ (کشف الاسرار)

قیام کرتا ہے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اور جو ایمان سے اور ثواب کی خاطر رمضان کے روزے رکھتا ہے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

ف : خطابی نے کہا کہ احتساب سے نیت وعزیمت مراد ہے یعنی روزہ رکھے دل کی تصدیق سے (ریاء و شہرت مطلوب نہ ہو) اور ثواب کی رغبت اور دل کی خوشی سے، نہ کہ کسی کے اجبار و اکراہ سے، اور نہ ہی روزے کو بوجھ سمجھ کر، اور نہ ہی یہ کہ اتنا لمبا دن ہائے ہائے، بلکہ دنوں کی لمبائی کو غنیمت سمجھے، کیونکہ جتنے دن بڑے ہونگے اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔

ف : امام بغوی نے فرمایا کہ احتساب کا معنیٰ ہے ثواب اور رضائے الٰہی کی طلب۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے : فلان یحتسب الاخبار (فلاں اخبار طلب کرتا ہے) (ترغیب و ترہیب)

ف : قیام سے مراد صلوٰۃ التراویح ہے۔ بعض نے کہا اس سے مطلق نماز مراد ہے جو رات کے قیام کے ساتھ ہو اور غفر له ما تقدم من ذنبه سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ بعض نے اس روایت پر یہ الفاظ بڑھائے ہیں ویخفف من الکبائر (اور اس کے کبیرہ گناہوں میں تخفیف ہوگی) جب صغیرہ گناہوں سے اجتناب کی کوشش کرے۔ اور وما تأخر سے مراد یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب سے اس کی حفاظت ہوگی یا یہ کہ اس کے آیندہ کے گناہ بھی بخش دیے جائیں گے۔ (فتح القریب شرح التقریب)

مسئلہ : حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جو مغرب و عشاء کی نماز باجماعت ادا کرے اس نے لیلۃ القدر کا حصہ حاصل کیا۔ (الکواشی)

ف : لیلۃ القدر کا دن بھی خیر و برکت میں لیلۃ القدر کی طرح ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ عارفین کے لیے۔ لیلۃ القدر عابدین کے لیے ہزار ماہ سے بہتر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عبادات کے خزانے پُر ہیں اس کے ہاں قدر ہے تو فناء اور اہلِ فناء کی اور شہود اور اہلِ شہود کی۔

لیلۃ القدر کی رات کون سی ہے

لیلۃ القدر کی شب کے متعلق اختلاف ہے۔

مذہب ۱ : اکثر کی رائے ہے کہ وہ رمضان المبارک میں ہے اور وہ بھی پچھلے عشرہ میں اور طاق راتوں میں۔

حدیث شریف میں ہے:

التمسوھا فی العشر الاواخر من رمضان فاطلبوھا فی کل وتر۔	اسے رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

نکتہ: آخری عشرہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ ان دنوں روزے دار جسمانی لحاظ سے کمزور پڑ جاتا ہے اور عبادت میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اس ترغیب سے لیلۃ القدر میں عبادت میں شوق پیدا ہو جائے گا اس امید پر کہ لیلۃ القدر نصیب ہو جائے۔

نکتہ: طاق راتوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے اور وتر میں ہی جلوہ گر ہوتا ہے جیسے ذاتِ احدیۃ کا مقتضٰی ہے، اور اکثر اقوال یہی ہیں کہ شبِ قدر (لیلۃ القدر) ستائیسویں شب رمضان کو ہے کہ اس میں چند علامات ہوتی ہیں اور اخبار بھی وارد ہیں۔ چند اخبار ملاحظہ ہوں:

(i) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لیلۃ القدر (سورۃ) کے تیس کلمات ہیں۔ اور فرمایا یہی ستائیسویں شب رمضان ہے۔

(ii) نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لیلۃ القدر کے نو حروف ہیں اور وہ اس سورۃ میں تین بار مذکور ہیں مجموعہ ستائیس ہُوا۔

(iii) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے عرض کی: آقا! مہینہ کی ایک شب میں دریاؤں کے پانی میٹھے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جب وہ شب آئے تو مجھے بتانا۔ جب وہ رات آئی، تو وہ رمضان شریف کی ستائیسویں تھی۔

مذہب ۲: جس نے استدلال کیا کہ شب قدر رمضان شریف کی آخری شب ہوتی ہے تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے استدلال کیا:

ان اللہ تعالٰی فی کل لیلۃ من شہر رمضان عند الافطار یعتق الف الف عتیق من النار کلھم استوجبوا العذاب فاذا کان آخر لیلۃ من شہر رمضان اعتق اللہ فی تلک اللیلۃ بعدد من اعتق من اول الشہر الی آخرہ۔	اللہ تعالٰی رمضان کی ہر شب کو بوقتِ افطار ایک لاکھ دوزخیوں کو دوزخ سے آزاد فرماتا ہے اور وُہ دوزخی ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر عذاب واجب ہوتا ہے، جب رمضان کی آخری شب ہوتی ہے تو اس میں اتنی تعداد میں آزاد فرماتا ہے جتنی تعداد میں رمضان کی پہلی شب سے لے کر آخری تک آزاد کر چکا ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ رمضان کی پہلی رات میں ایسے خوشی ہوتی ہے جیسے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہو۔ یہ رات گویا شکر کی رات ہے، اور رمضان کی آخری رات جدائی کی رات ہے وہ ایسے ہے جیسے کسی کا بچہ فوت ہوجائے اور یہ صبر کی شب ہے، اور شکر وصبر کے درمیان جو فرق ہے وہ سب کو معلوم ہے اور شکر گزار کو زیادتی نصیب ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لئن شکرتم لازیدنکم۔ (اگر تم شکر کرو گے تو میں نعمت میں اضافہ کروں گا)

اور صابر کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ فرمایا:

ان اللہ مع الصابرین۔ (بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

ف [۱]: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا پڑھوں؟ فرمایا: پڑھو:

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔	اے اللہ! تُو معاف کرنے والا ہے اور عفو کو محبت فرماتا ہے سو مجھے معاف فرمادے۔

(۲) نیز انہی سے ہے کہ میں نے پوچھا کہ اگر میں لیلۃ القدر پاؤں تو اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ فرمایا: "اس سے عافیت کے سوا کچھ نہ مانگنا"۔ اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعائے مبارک کی طرف اشارہ ہے:

اللھم انی اسألك العفو والعافیۃ والمعافاۃ فی الدین والدنیا والآخرۃ۔	اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے عفو وعافیت اور دین ودنیا وآخرۃ میں معافاۃ (عافیۃ) مانگتا ہوں۔

نکتہ: لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے میں یہی راز ہے کہ بندگانِ خدا کو عبادت اور کثیر ثواب کی ترغیب ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ شب بیدار رہیں شاید کہ شبِ قدر نصیب ہوجائے ؎

اے خواجہ چہ گوئی ز شب قدر نشانی
ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

ترجمہ: اے خواجہ شبِ قدر کی کیا نشانی پوچھتے ہو، ہر شب شبِ قدر ہے اگر قدر جانو۔

مخفی اسرار جو اسرار و رموز مخفی رکھے گئے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) ساعۃ الاجابت جمعہ کے دن میں۔

(۲) پانچ نمازوں میں صلوٰۃِ وُسطیٰ۔

(۳) اسمار میں اسمِ اعظم

(۴) طاعات میں رضاءِ الٰہی

تاکہ سبھی طاعات میں رغبت کریں اور معاصی کے ارتکاب میں اس کے غضب سے ڈر کر تمام گناہوں سے بچیں۔

(۵) ولی اللہ عام لوگوں میں، تاکہ ہر ایک مؤمن (سُنّی) کی تعظیم کریں ؎

خورش دہ بگنجشک و کبک و حمام

کہ یک روزت افتد ہمائے بدام

ترجمہ : چڑیوں کو دانے ڈال اور مور اور کبوتر کو بھی، ایک روز تیرے جال ہُما بھی آ ہی جائے گا۔

(۶) دعاؤں میں دعائے مستجاب، تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ہر دُعا مانگتا رہے ؎

چہ ہر گوشہ تیر نیاز افگنی

امیدست کہ ناگہ کہ صیدے زنی

ترجمہ : ہر گوشہ میں تیر پھینک امید ہے کبھی شکار پر بھی لگ ہی جائیگا۔

(۷) موت کا وقت : تاکہ مکلف بندہ جمیع اوقات میں محتاط رہے۔

لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ (۱) اسے لیلۃ القدر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بندوں کی قضاء و قدر مقدر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فیھا یفرق کل امر حکیم۔ (اس میں ہر امر حکیم کا فرق لکھا جاتا ہے)

یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ملائکہ کرام کے لیے ظاہر کی جاتی ہے تاکہ وہ اسے لوحِ محفوظ میں لکھ لیں ورنہ نفس تقدیر توازلی ہے۔ اس تقریر پر قدر بمعنی تقدیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر شے کو مقدارِ مخصوص اور وجہِ مخصوص پر بنانا، جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سال کا رزق، بارش اور احیاء و اماتۃ (زندہ رکھنا اور مارنا) وغیرہ اسی رات میں آنے والے سال کے لیے مقدر فرما کر ملائکہ مدبرات الامور کے سپرد فرمایا جاتا ہے۔ ارزاق و نباتات و امطار (بارش) کا دفتر میکائیل علیہ السلام کو، اور

حروب (جنگیں) ریاح (ہوائیں) زلال (زلزلے) اور صواعق اور خسف (دھنسنا) کا دفتر جبریل علیہ السلام کو اور اعمال کا دفتر اسرافیل علیہ السلام کو، اور مصائب کا عزرائیل علیہ السلام کو سپرد کیا جاتا ہے ؎

(۱) فکم من فتی یمسی ویصبح آمنا — وقد نسجت اکفانہ وھو لا یدری

(۲) وکم من شیوخ ترتجی طول عمرھم — وقد رھقت اجسادھم ظلمۃ القبر

(۳) وکم من عروس تزینوھا لزوجھا — وقد قبضت ارواحھم لیلۃ القدر

ترجمہ : (۱) کتنے نوجوان شام وسحر امن سے گزرتے ہیں حالانکہ ان کے کفن بُنے جا چکے ہوتے ہیں لیکن انہیں خبر تک نہیں۔

(۲) کتنے بوڑھے اپنی لمبی عمروں کی امیدیں ہیں ان پر قبر کی تاریکیاں چڑھ دوڑتی ہیں۔

(۳) کتنی دُلہنیں اپنے شوہروں کے لیے سنگار کرتی ہیں حالانکہ ان کی ارواح لیلۃ القدر کی رات کو قبض ہونے کے لیے مقدر ہو چکی ہوتی ہیں ۔

میکائیل علیہ السلام ارزاق کے چیف آفیسر سیدنا میکائیل علیہ السلام کو ارزاق اور اغذیۃ المحسوسۃ کا امین بنایا گیا ہے اور اس کا بالمقابل انسان میں جگر ہے ، جگر تمام بدن میں غذا تقسیم کرتا ہے ۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کی ڈیوٹی اسرافیل علیہ السلام اشباح کو ارواح سے غذا بخشتے ہیں اس کے بالمقابل انسان میں دماغ ہے ۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا فرض حضرت جبریل علیہ السلام ارواح کو علوم ومعارف کی غذا عطا فرماتے ہیں اس کے بالمقابل انسان میں عقل ہے ۔

ف : اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق (پیدا کردہ شے) کو غذاء کی ضرورت ہے جسم کی غذا تالیف (ترکیب) اور عقل کی علوم ضروریہ اور روح قدسی کی غذا بھی یہی علوم ضروریہ ہیں ۔

(**۲**) قدر بمعنی منزلت وشرافت ، یا تو عامل کے اعتبار سے کہ وہ اس میں طاعت وعبادت کرتا ہے تو ذی قدر وشرف ہو جاتا ہے یا عتبار نفس عمل کے اس معنیٰ پر کہ اس رات میں جو طاعت واقع ہو گی وہ بڑی قدر ومنزلت اور شرافت والی ہو گی ۔

(**۳**) حضرت ابو وراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شب لیلۃ القدر کے نام سے اس لیے موسوم ہے کہ اس شب میں قدر والی کتاب قدر والے فرشتے کے ذریعہ قدر والی اُمت پر نازل ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ

نے اس سورۃ میں تین بار لیلۃ القدر شاید اسی لیے ذکر فرمایا ہے۔

(۴) حضرت الخلیل رحمہ اللہ نے فرمایا: لیلۃ القدر بمعنی تنگی کی شب، وہ اس لیے کہ اس رات زمین ملائکہ کے نزول کی وجہ سے تنگ ہو جاتی ہے، اور قدر بمعنی تنگی قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ومن قدر علیہ رزقہ۔ (اور وہ چیز جس پر رزق کی تنگی ہو)

نکتہ: خیر من الف شہر میں ہزار ماہ کی تخصیص یا تو اس لیے ہے کہ کثرتِ ثواب مراد ہے، کیونکہ اہلِ عرب کثرت کے اظہار کے لیے بہت سی اشیاء میں الف (ہزار) کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے اس کی حقیقت نہیں بلکہ کثرت مراد لیتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا ایک عابد

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا شمسون نامی، جس نے ہزار ماہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگی ہتھیار پہنے رکھے۔ اس پر اہلِ اسلام (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) متعجب ہوئے کہ ہمارے اعمال کی کیا حیثیت! اس پر اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو ایک رات عطا فرمائی جو اس غازی کی مدتِ عبادت سے بہتر ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ مذکور عابد سے مراد یہ ہے کہ ان میں جب تک ہزار ماہ عبادت نہ کرتا اس کا نام عابد نہ رکھا جاتا اور نہ ہی اسے عابدین کی فہرست میں شامل سمجھا جاتا۔ لیکن یہاں یہ ہے کہ ایک رات عبادت کرے تو اس کا نام عابد ہے (اور وہ بھی ان گزشتہ عابدین سے بہتر)۔

اُمت پر شفقت

مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلی اُمتوں کو دیکھا کہ ان کی عمریں طویل اور آپ کی امت کی عمریں چھوٹی۔ اس سے آپ کو خوف ہوا کہ میری امت کے اعمال ان امتوں کے اعمال تک نہ پہنچ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک رات عطا فرمائی جو ان امتوں کے ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے۔

ف: حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاہی کی مسافت پانچسو ماہ کی تھی اور حضرت سکندر کی شاہی کی مسافت پانچ سو سال۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو ایک رات عطا فرمائی کہ جس نے اس رات میں عبادت کی گویا اس نے وہی دونوں ملک پالئے۔

بعض بنو امیہ کا بُرا حال

جب حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور آپ کو بعض احباب کی طرف سے عتاب ہوا آپ نے فرمایا کہ (بہت پہلے کی بات ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو بعض بنو امیہ کا حال خواب میں دکھلایا کہ وہ آپ کے منبر پر بندروں کی طرح ناچ رہے ہیں اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام مغموم ہوئے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی نوید سُنائی کہ یہ آپ کے لیے اور آپ کی اولاد اور اہلبیت کے لیے ہزار ماہ سے بہتر ہے [1]

ف : یاد رہے کہ یہی بنو امیہ کی ملوکیت کی مدت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ وہ اتنی مدت لوگوں پر شاہی کریں گے۔ پھر کشف غیب ہُوا کہ اسی قدر تک شاہی کے بعد ان کا آخری بادشاہ مروان جعدی مقتول ہوا۔ (فتح الرحمٰن)

ف : (اس روایت سے لیلۃ القدر کی فضیلت ثابت ہوئی) اور اس کی فضیلت کے لیے آیت قرآنی کافی ہے اور اس کا ثبوت بھی اسی آیت سے ہے (اس کا منکر گمراہ ہے)

تردید منکرینِ لیلۃ القدر بعض لوگ کہتے ہیں اس کی فضیلت صرف اسی شب ہے جب قرآن کا نزول ہُوا بعد ازاں فضیلت منقطع ہوگئی۔ یہ جمہور کے خلاف ہے جمہور کا مذہب ہے کہ فضیلت شب قدر قیامت تک جاری وساری ہے۔ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔

مذہب ۱۳ : بعض نے کہا کہ لیلۃ القدر رمضان شریف سے مخصوص نہیں غیر رمضان میں بھی ہوسکتی ہے،

---

[1] یہ روایت جس طرح کی بھی ہے شیعہ اس سے ضرور بغلیں بجائیں گے ان کے لیے یہ روایت مفید نہیں کیونکہ ضروری نہیں کہ سُنی جو روایت نقل کرے اس سے استدلال بھی ہوسکے، کیونکہ سنّی کا مذہب ہے کہ فضائل میں ہر قسم کی روایات قابلِ قبول ہوں لیکن اس سے عقائد و احکام ثابت نہیں ہوتے اس طرح سے تمام فضائل کی روایات ہم نقل کرتے رہتے ہیں اگر جزوی طور پر چند فضائل اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم کے مخصوص ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ من کل الوجوہ صحابہ ثلاث رضی اللہ عنہم پر افضل ہوگئے کیونکہ اسلام کا مسلّم اصول ہے جسے شیعہ بھی مانتے ہیں کہ جزوی فضیلت سے کسی افضل شخص پر فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی، جیسے حضرت خضر علیہ السلام کا علم لدنّی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر افضل نہیں بنا دیتا۔ اور تیسرا قاعدہ اسلامی جسے شیعہ بھی مانتے ہیں کہ ہر ایک میں کوئی مخصوص فضیلت ہوتی ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتی جیسے انبیاء علیہ السلام کو دیکھئے کوئی خلیل اللہ، کوئی نجی اللہ، کوئی کلیم اللہ، کوئی روح اللہ علیہم السلام۔ یہ صرف اور صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا خاصہ ہے کہ آپ تمام مخلوق سے من کل الوجوہ علی الاطلاق افضل و اعلیٰ ہیں ؎

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و اعلیٰ ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

(اویسی غفرلہٗ)

یہی امام ابوحنیفہ اور حضرت شیخ اکبر قدس سرہما کا مذہب ہے اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کی طلاق یا غلام کی آزادی لیلۃ القدر سے معلق کرے تو اس کی عورت کی طلاق سال گزرنے پر ہوگی کہ نہ معلوم شب قدر کون سی شب میں ہے۔ لیکن اکثر کا مذہب ہے کہ وہ رمضان المبارک سے مخصوص ہے۔

ف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو آپ عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے اور ساری رات بیدار رہتے اور اپنے اہلبیت کو بھی بیدار کرتے۔

ف : بعض اکابر صالحین آخری عشرہ میں کسی ایک رات میں لیلۃ القدر کی نیّت پر تمام رات عبادت کرتے۔

ف : جو شخص رات کو صرف دس آیات (کسی پارہ کی) پڑھ کر سوئے نیّت یہی ہو کہ لیلۃ القدر نصیب ہو وہ لیلۃ القدر کی برکت اور اس کے ثواب سے محروم نہ ہوگا۔

مسئلہ : حضرت ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیلۃ القدر کی کم از کم دو رکعت ہیں اور زیادہ سے زیادہ ہزار رکعات، اور اوسط ایک سو رکعات، اور ان میں اوسط قرأۃ، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ انا انزلنٰہ ایک بار اور قل ھو اللہ الخ تین بار اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرے اور ہر سلام کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجے۔

ف : اس کی فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اسے اس رات کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی قدر و منزلت نصیب ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔

مسئلہ : اس کی جماعت بلا تداعی بلا کراہت جائز ہے یعنی اذان و اقامت کے بغیر جیسے فرائض میں ہوتا ہے نہ ہو اس کی بہت سے علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ شرح النقایہ وغیرہ اور المحیط میں ہے:

لا یکرہ الاقتداء فی النوافل مطلقا نحو القدر والرغائب ولیلۃ النصف من شعبان و نحو ذلک لان ما راٰہ المؤمنون حسناً فھو عند اللہ حسنٌ فلا تلتفت الیٰ قول من لامذاق لھم من الطاعنین فانھم بمنزلۃ العنین لا یعرفون ذوق المناجاۃ وحلاوۃ الطاعات و فضیلۃ الاوقات (ج ۱ ص ۴۸۳)

امام کی نوافل میں مطلقاً اقتداء جائز ہے جیسے نوافل القدر و رغائب و پندرھویں شب شعبان وغیرہ کیونکہ وہ عمل صالح جو اہلِ اسلام کے نزدیک حسن ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حسن ہے اس کی طرف توجہ نہ دیں جسے دین کا ذوق نصیب نہیں وہ نامرد آدمی کی طرح ہیں انھیں مناجات کے ذوق کا کیا پتا، اور نہ ہی وہ طاعت کی حلاوۃ سے اور فضیلۃ اوقات سے آگاہ ہیں

۵

ہر کس از جلوۂ گل فہم معانی نکند
شرح آں دفتر ننوشتہ ز بلبل بشنو

ترجمہ: جلوۂ گل کا معنیٰ ہر ایک کی سمجھ کا نہیں۔ اس دفتر کی شرح لکھنے سے باہر ہے اس کے متعلق بلبل سے پُوچھ۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا (ملائکہ اور رُوح اُترتے ہیں اس میں) جملہ مستانفہ ہے اس کا بیان ہے جو اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کا مرتبہ ہزار ماہ کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ تنزل دراصل تتنزل تھا (دو تائیں)۔

ملائکہ کے نزول کے بعد اقوال

(۱) ظاہر یہ ہے کہ ان سے کل فرشتے مراد ہیں کیونکہ مطلق ہے۔ سورۃ النبا، میں رُوح کا معنیٰ گزرا ہے۔

فرشتہ کی جسامت اور قد و قامت

(۲) بعض نے کہا کہ ایک فرشتہ ایسا ہے کہ اگر ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو ایک لقمہ کر کے منہ میں ڈالے تو ڈال سکتا ہے۔

اس آیت میں وہی مراد ہے یا وہ فرشتہ جس کا سر عرش کے نیچے اور دونوں پاؤں ساتوں زمینوں کی جڑوں میں اس کے ایک ہزار سر ہیں اور ہر سر عالمِ دنیا سے بڑا ہے اور ہر سر میں ایک ہزار چہرہ اور ہر چہرہ میں ہزار منہ ہر منہ میں ہزار زبان ہر زبان سے ہزار قسم کی تسبیح و تحمید و تمجید پڑھتا ہے ہر زبان کی بولی دوسری سے نہیں ملتی جو وہ منہ سے زبان کھولتا ہے تو تمام آسمان کے فرشتے اس ڈر سے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں کہ کہیں اس کے چہرے کے انوار انہیں جلا نہ دیں۔ ہر صبح و شام کو ان تمام مُونہوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے یہ فرشتہ لیلۃ القدر میں زمین پر اُتر کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے ان اہلِ ایمان روزہ دار مردوں عورتوں کے لیے طلوعِ فجر تک استغفار کرتا ہے۔

(۳) نزول فرمانے والے ملائکہ کا ایک مخصوص گروہ ہے جو اسی لیلۃ القدر میں ہی دیکھا جاتا ہے جیسے زاہدوں کو صرف عید کے دن دیکھا جاتا ہے۔

رُوح سے مراد کون

عیسٰی علیہ السلام، کیونکہ رُوح آپ کا اسم گرامی ہے آپ ملائکہ کرام کی موافقت میں آسمان سے زمین پر اُترتے ہیں تاکہ امتِ مصطفٰے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مطالعہ کریں۔

(۴) خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں ہے کہ رُوح سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں کہ اسی شب میں آپ کی روح اقدس خصوصیت سے زمین کی طرف نزول اجلال فرماتی ہے (یعنی متوجہ ہوتی ہے)۔

حدیث شریف میں ہے:

لأنا اکرم علی اللہ من ان یدعنی فی الارض اکثر من ثلاث وکان الثلاث عشر مرات ثلاثین لأن الحسین رضی اللہ عنہ قتل فی رأس الثلاثین سنۃ فغضب علی اهل الارض و عرج بہ علیین۔

میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم تر ہوں وہ مجھے زمین پہ تین دن تک نہ چھوڑے گا اور وہ ثلاث دس بار تھے کل تیس سال تھے اس لیے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا تیس سال کی ابتداء میں شہادت واقع ہوئی اس لیے آپ اہلِ ارض پر ناراض ہوئے تو علیین میں تشریف لے گئے۔

زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

کسی نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ امت کے فتنے نہیں دیکھ رہے؟ فرمایا:

زادھم اللہ فتنۃ قتلوا الحسین و لم یحفظونی و لم یراعوا حقی فیہ۔

خدا کرے فتنے اور زیادہ ہوں اس لیے کہ انہوں نے میرے حسین (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر ڈالا انہوں نے میرا حیا نہ کیا اور نہ میرے حقوق کی رعایت کی۔

ف: روح سے مراد جو کچھ بھی ہو زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اسی رات تمام آسمانوں کے تمام فرشتے زمین پر اترتے ہیں کیونکہ جب وُہ باقی دنوں میں اہلِ ذکر کی مجالس میں حاضر ہوتے ہیں تو پھر ایسی بلند قدر رات، تو زیادہ لائق ہے کہ اس میں تمام آسمانوں کے تمام فرشتے نازل ہوں یا آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہو کر گروہ در گروہ اترتے چڑھتے رہتے ہیں جیسے حجاج کہ کعبہ معظمہ کے طواف کے لیے کوئی جا رہے ہوتے ہیں کوئی آرہے ہوتے ہیں ایسے ہی دیگر مناسک مثلاً صفا و مروہ اور شیطانوں کو کنکریاں مارنا وغیرہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حتی مطلع الفجر فرمایا اور تنزل بھی تدریج پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے وہ سوال دفع ہوا کہ زمین تو ایک معمولی سا خطہ ہے اس پر اتنے کثیر التعداد ملائکہ کرام کیسے سما سکیں گے ایسے ہی ان کے لیے پہلے آسمان میں ان کیلئے گنجائش کا بھی یہی حال ہے۔ علاوہ ازیں یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کرام ارواح کی طرح لطیف اجسام

ہیں وہ ان ظاہری اجسام کی طرح تو نہیں کہ وہ زمین یا آسمان اول میں نہ سما سکیں اسی لیے انہیں ارواح بھی کہا جاتا ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتے بعض نے کہا لیلۃ القدر میں اترنے والے فرشتے سدرۃ المنتہیٰ والے ہیں اور اس میں اتنے کثیر التعداد فرشتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہی کو معلوم، (اور کسی کو ان کا علم نہیں، الا من شاء اللہ) اور جبریل علیہ السلام کا مقام سدرۃ المنتہیٰ کے وسط میں ہے اور یہ فرشتے گرجا گھروں اور بتکدوں میں داخل نہیں ہوتے، ایسے ہی جہاں کتے اور تصاویر (فوٹو) اور خبیث اپلید گھروں اور شرابخانوں میں اور جن گھروں میں شراب کے عادی مجرم اور قطع رحمی کرنے والے اور جُنب اور خنزیر کا گوشت کھانے والے ہوں اور خود کو زعفران سے رنگین کرنے والا وغیرہ۔

ف : تضمخ بالزعفران (زعفران سے آلودہ کرنا) تضمخ بالفارسیہ بوے خوش برخویشتن آلودن۔ اور یہ بار سے متعدی ہوتا ہے (تاج المصادر)

قاموس میں ہے: جسم کو خوشبو سے آلودہ کرنا یہاں تک کہ اس سے خوشبو کے قطرات بہہ نکلیں۔

ف : الروح کا عطف الملٰئکۃ پر ہے اور ضمیر لیلۃ القدر کی طرف راجع ہے اور جار تنزل کے متعلق ہے اور جائز ہے الروح جملہ اسمیہ محلاً منصوب حال از تنزل ہے اور ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے لیکن پہلا صحیح ہے اس لیے کہ اسے ضمیر کی محتاجی نہیں۔

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (اپنے رب کے حکم سے) تنزل کے متعلق ہے۔

ملائکہ ہمارے مشتاق ہیں اس سے ثابت ہُوا کہ ملائکہ ہمارے دیکھنے کے مشتاق اور ہماری طرف رغبت رکھتے ہیں اسی لیے ہمارے ہاں تشریف لانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ اجازت ملتے ہی ہمارے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔

سوال : ہم گنہگار بندے جس کا ملائکہ کو علم ہے تو پھر وہ ہماری طرف کیسے رغبت رکھتے اور مشتاق ہوتے ہیں۔

جواب : وہ ہمارے گناہوں کی تفصیل سے واقف نہیں۔

واہ انسان تیری شان مروی ہے کہ ملائکہ کرام لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں جب انسانوں کے گناہوں کے دفتر تک پہنچتے ہیں تو ان کے آگے پردے لٹکا دئے جاتے ہیں تاکہ انسانوں کے گناہوں پر ان کی نظر نہ پڑے اور ان کے قبائح سے انہیں واقفیت حاصل نہ ہو سکے۔

واہ کریم تیری شان سبحان اللہ! کیسا کریم ہے وُہ کہ وہ ہمارے محاسن تو ظاہر کرتا ہے لیکن قبائح چھپاتا ہے۔

محبوبانِ خدا دراصل ملائکہ کرام آسمانوں پر اہلِ زمین کی طاعات کو دیکھتے ہیں جیسے غرباء و مساکین کو طعام کھلانا اور گنہ گاروں کا بارگاہِ حق میں رونا۔ گریہ زاری سے ان کی زیارت کے لیے فرشتے بیتاب ہو جاتے ہیں۔

حدیثِ قدسی شریف میں ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے)

لاٴنین المذنبین احب الی من زجل المسبحین۔ مجھے گنہ گاروں کے رونے کی آواز تسبیح کہنے والوں کی آواز سے زیادہ پسند ہے

اسی لیے فرشتے آپس میں کہتے ہیں کہ زمین پر جا کر ان لوگوں کو دیکھیں جن کے رونے کی آواز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے ذرا ہم بھی ان کے رونے کی آواز اپنے کانوں سے سن لیں کہ ہماری تسبیح پڑھنے کی آواز سے ان کی آواز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو کیوں اور کیسے!

نکتہ دراصل رونے کی آواز کو اللہ تعالیٰ اس لیے پسند کرتا ہے کہ تسبیح پڑھنے میں تسبیح پڑھنے والوں کے کمال کا اپنا اظہار ہے اور گنہگار کے رونے میں رب العالمین کی غفاریت کا اظہار ہے سد

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گناہگارانند

ترجمہ: بہشت تو ہمارا ہی نصیب ہے اے خدا شناس جا، اس لیے کہ کرامت کے مستحق تو گنہ گار ہیں۔

مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ (ہر امر سے) یہ بھی تنزل کے متعلق ہے، یعنی اس امر کی وجہ سے جو اس سال میں مقدر ہو چکا ہے خیر و شر سے یا خیر و بھلائی کے امر کے ساتھ، یہاں من بمعنی با ر ہے جیسے یحفظون من امر اللہ ای بامر اللہ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ حفاظت کرتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ جبریل علیہ السلام بقیۂ رحمت اسی رات دار الحرب میں جا کر تقسیم فرماتے ہیں ان پر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ فلاں فلاں مسلمان ہو جائے گا اسی شب میں وہ رحمت ان پر تقسیم ہو جاتی ہے تو وہ بعد میں مسلمان ہو جاتے ہیں اور مسلمان ہو کر فوت ہوتے ہیں۔

سوال: مقدرات تو سال بھر ہوتے رہتے ہیں تو پھر فرشتے اس رات میں تمام امور مقدرات کے لیے

کیسے اترتے ہیں؟

جواب : ان کا اسی شب میں نزول تنفیذ امور کے تعیین کے لیے ہوتا ہے یعنی تمام ملائکہ کا نزول جمیع امور کے لیے ہوتا ہے تاکہ سال بھر وہ ان کا نفاذ کر سکیں ۔ یہ تقسیم العلل علی المعلولات کے قبیل سے ہے ۔

سَلٰمٌ هِیَ (وہ سلامتی ہے) تقدیم الخبر حصر کے لیے ہے جیسے تمیمی انا ای ماھی الاسلامۃ یعنی وہ نہیں سوائے سلامتی کے ، یعنی اسی شب میں نہ پیدا ہوتی ہیں شرور نہ آفات ، جیسے آندھیاں و صواعق (کڑکیں ، بجلی کا گرنا وغیرہ) وہ جملہ امور کہ جن سے خوف اور خطرہ ہو بلکہ اس رات میں سلامتی اور نفع اور خیر ہی پیدا ہوتے ہیں اس رات میں شیطان برائی نہیں پھیلا سکتا اور نہ ہی جادوگر کا جادو چل سکتا ہے ۔

ف : خود رات خیر و برکت نہیں ہو جاتی بلکہ رات خیر و برکت اور سلامتی کے لیے ظرف ہوتی ہے اور خود اسی کو خیر و برکت اس لیے کہا گیا کہ وہ اسی پر مشتمل ہے اس میں مبالغہ ہے ۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر کے علاوہ دیگر رات میں بھی خیر و برکت اور سلامتی ہوتی ہے ورنہ مبالغہ کا کیا معنیٰ ، یعنی خیر و بلاء کی تقدیر کا دونوں میں فیصلہ ہوتا ہے ۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ یہ رات اس معنیٰ پر سلامتی والی ہے کہ اس میں مسلمانوں پر السلام علیکم کہنے والے ملائکہ کثرت سے ہوتے ہیں نیز اس شب کی ایک سلامتی یہ ہے کہ اس شب کی برکت سے بندے کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں ۔

جبریل علیہ السلام ملائکہ کے جھرمٹ میں

حدیث شریف میں ہے :

ینزل جبرائیل لیلۃ القدر فی کبکبۃ من الملائکۃ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جبرائیل علیہ السلام ملائکہ کے جھرمٹ میں لیلۃ القدر میں زمین پر اُترتے ہیں ۔

یعنی ان لوگوں کو السلام علیکم جا کر کہتے اور دعائیں دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف یا نماز (نوافل) وغیرہ پڑھ رہے ہوتے ہیں ۔

حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (فجر کے طلوع کے وقت تک) یہاں مضاف مقدر ہے کیونکہ غایۃ و مغیا کا ہمجنس ہونا ضروری ہے ۔

حلِ لغات

مطلع (بفتح اللام) مصدر میمی ہے جس نے بکسر اللام پڑھا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ وقت طلوع کا اسم ہے یعنی اسم زمان ہے اور حتّٰی ، تنزل کے متعلق ہے ۔ علاوہ ازیں یہ حکم تنزل کی غایۃ ہے ان کے تنزل میں ان کے ٹھہرنے کے لیے یا ان کے نفس تنزل کے لیے ، یعنی ان کا تنزل یکے بعد دیگرے فوج در فوج ہو کر طلوعِ فجر تک منقطع نہیں ہوتا ۔

مسئلہ : بعض نے کہا لیلۃ القدر کا وقت غروبِ شمس سے لے کر طلوعِ فجر تک ہے کہ ملائکہ کرام مطیعین پر ان اوقات میں طلوعِ فجر تک سلامتی کے لیے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ، سلام کے متعلق ہے۔

علامتِ لیلۃ القدر علمائے کرام فرماتے ہیں اس شب کی علامت یہ ہے کہ وہ رات نہ گرم ہوتی ہے نہ سرد، اور اس کی صبح کو جب سورج طلوع کرتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی کیونکہ طلوعِ شمس کے وقت ملائکہ کرام آسمانوں پر چڑھتے ہیں تو سورج کی شعاع کو پھیلنے نہیں دیتے کیونکہ ملائکہ کرام کثیر التعداد میں ہوتے ہیں یا اس لیے کہ سورج اس رات میں شیطان کے دو قرنوں کے درمیان میں طلوع نہیں کرتا، جیسے بعض روایات میں ہے کہ سورج شیطان کے دو قرنوں کے درمیان طلوع کرتا ہے تو پھر شیطان اس کی شعاع بڑھانے اور اس کے طلوع میں زینت دیتا ہے تاکہ کفار (سورج پرستوں) کا دھوکا بڑھے اور اسے سجدہ کرنے والوں کی آنکھوں میں اس کا منظر بھلا لگے۔

ف : پہلے گزرا ہے کہ اس رات میں کڑوا پانی میٹھا ہو جاتا ہے اور اس رات کو جو نور دیکھا جاتا ہے وہ ملائکہ کے پروں کا نور ہوتا ہے یا جنۃ عدن کا کہ اس شب کو اس کے دروازے کھولے جاتے ہیں یا لواء الحمد کا نور یا اسرار العارفین کا نور ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اسرار کے پردے اٹھاتا ہے تاکہ مخلوق ان کی ضیاء و شعاع دیکھے۔ یہی زیادہ مناسب ہے لیلۃ القدر کی حقیقت کے لیے۔ اس لیے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ عارف کے قلب کے لیے ملکوت منکشف ہو جائیں اور قاعدہ ہے کہ جب عارف کا باطن منور ہو جاتا ہے تو ملکوت کا نور اس کے ظاہر پر منعکس ہوتا ہے۔

فضیلتِ سورۃ القدر : حدیث شریف میں ہے :

من قرأ سورۃ القدر اعطی ثواب من صام رمضان واحیی لیلۃ القدر۔	جو سورۃ القدر پڑھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ رمضان کے روزے دار اور لیلۃ القدر میں جاگنے والے کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

سورۃ القدر کی تفسیر خالق الخلق والامر کی مدد سے ۲۲ ربیع الآخر ۱۱۱۷ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ تفسیر سورۃ القدر کے ترجمہ سے ۲۷ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ کو فارغ ہوا۔

(الحمد للہ علیٰ ذلک)

سُورۃ البیّنۃ

اٰیاتہا ۸	(۹۸) سورۃ البینۃ مکیۃ (۱۰۰)	رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ○ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ○ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

کتابی کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے کو نہ تھے جب تک ان کے پاس روشن دلیل نہ آئے وہ کون وہ اللہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں اور پھوٹ نہ پڑی کتاب والوں میں مگر بعد اس کے کہ وہ روشن دلیل ان کے پاس تشریف لائے اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے ایک طرف کے ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہ سیدھا دین ہے بیشک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرکین سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے

وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں۔ بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی تمام مخلوق میں بہتر ہیں ان کا صلہ ان کے رب کے پاس بسنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

سورۃ القیامۃ اور بینۃ اور بریۃ مکیہ ہے اس کی آٹھ یا نو آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ (نہیں کافر دین اہل کتاب سے) یہود و نصاریٰ، صلہ فعل دلیل ہے اس کی کہ ان کا کفر حادث ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد پیدا ہوا وَالْمُشْرِكِیْنَ (اور مشرکین) بت پرست، من تبیینیہ ہے تبعیضیہ نہیں تاکہ لازم آئے کہ بعض مشرک کافر نہ تھے اسی لیے کافر دو قسم کے تھے:

(۱) اہل کتاب، جیسے یہود و نصاریٰ کے فرقے۔
(۲) مشرکین، یہ کسی کتاب کی طرف منسوب نہیں ہوتے تھے۔

دونوں جنسوں کو الذین کفروا میں اجمالاً بیان کرکے پھر دونوں کی تفصیل بیان فرمائی کہ وہ اہل کتاب اور مشرکین ہیں، یہ کفروا کی ضمیر سے حال ہے، یعنی وہ دونوں ہیں مُنْفَكِّیْنَ (دین چھوڑنے کو) یہ کان کی خبر ہے یعنی اس وعید سے جو اتباعِ حق اور ایمان بالرسول جو آخر زمانہ میں مبعوث ہونے کے انکار پر نہیں سنائی گئی۔ یہ وعدہ اہلِ کتاب کے لیے تو ایسا ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیونکہ

انهم کانوا یستفتحون ویقولون	بیشک وہ فتح مانگتے اور کہتے اے اللہ! ہمیں فتح و
اللهم افتح علینا وانصرنا بالنبی	نصرت دے بوسیلہ نبی جو آخر زمانہ میں مبعوث
المبعوث فی آخر الزمان ویقولون	ہوں گے، اور دشمنوں کو کہتے کہ اے مشرکو!
لاعدآئهم من المشرکین قد اظل	عنقریب وہ نبی تشریف لائیگا جو ہماری تصدیق
زمان نبی یخرج بتصدیق ماقلنا	کرے گا ہم اس سے مل کر تمہیں تباہ و برباد کرینگے
فنقتلکم معه قتل عاد وارم۔	

اور مشرکین کو بھی شک و شبہ نہ تھا کیونکہ انکے متاخرین میں یہ بات عام شائع ہوگئی تھی[۱] اہلِ کتاب سے سن کر اور مشاہدات سے ان کی صحت کا اعتقاد رکھتے تھے کیونکہ ان کے اسلاف کے قصے سن چکے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے کیسے اپنے اعداء پر غلبہ پا جاتے تھے، اس کی دلیل

---

[۱] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے۔ اویسی غفرلہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زمان مشرکین کا وہ طریقہ کار بھی ہے جو آپ کے متعلق اہل کتاب سے سوال کرتے تھے کہ یہ وہی رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن کی تشریف آوری کی تم خبریں دیتے رہے، اور تم کہتے تھے کہ ان کی صفات وعلامات تمہاری کتابوں میں مفصل مندرج ہیں لیکن افسوس کہ اہلِ کتاب (یہود) حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق دھوکہ کرکے کفار کو آپ کی صفات غلط بتاتے۔

حلِ لغات انفکاک الشئ من الشئ شے کے جڑے ہونے کے بعد اسے علیحدہ کر دینا، جیسے ہڈی کا جوڑ سے علیحدہ ہو جانا۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے وعدہ میں ایک ہیں یعنی وعدۂ مذکور دونوں آپس میں جُدا نہیں بلکہ متفق علیہ ہیں اوران کے پُورا ہونے پر پختہ عزم رکھتے ہیں۔

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (یہاں تک کہ ان کے پاس حجت اور دلیل واضح آئی) جس کے آنے کے لیے ایک مقرر وقت کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ وہ سب ایک کلمہ مجتمع تھے اور اس کے حق ہونے پر متفق تھے لیکن جب وہ تشریف لائے تو پھر اس مقرر وقت انفکاک افتراق سے بدل ڈالا اور وعدہ معہودہ کے خلاف ہو گئے۔

نکتہ : ایتان کو ماضی کے بجائے مضارع لانے میں باعتبار حال محکی کے ہے نہ کہ حکایت سے اعتبار سے، البینۃ حجت واضحہ کو کہتے ہیں۔

رَسُوْلٌ (رسول) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ البینۃ سے بدل ہے۔ لفظ رسول سے تعبیر کرنے میں آگاہ کرنا ہے کہ آپ کا امران کے ہاں ظاہر و باہر ہے اور آپ وہی موعود رسول ہیں جن کا ذکر ان کی دونوں کتابوں میں ہے **مِّنَ اللّٰهِ** (اللہ تعالیٰ سے ہیں) مضمر کے متعلق ہے یہ رسول کی صفت مؤکدہ ہے اور اس کی تنوین فخامۃ اضافیہ کے ساتھ فخامۃ ذاتیہ کا فائدہ دیتی ہے یعنی رسول بڑی شان والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ **يَتْلُوْا** (پڑھتے ہیں) دوسری صفت ہے **صُحُفًا** (صحیفے) صحیفہ کی جمع ہے۔ یہ ظرف ہے بمعنی المکتوب۔ اس کا محل اوراق ہیں **مُّطَهَّرَةً** (پاک) اور منزہ باطل سے، کیونکہ نہ اس کے آگے باطل ہے نہ پیچھے، اور اس سے منزہ ہے کہ اسے ناپاک ہاتھ لگیں۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ وہ صحیفے کذب و بہتان سے منزّہ ہیں، اور صحف کی طرف تلاوت یعنی کا غذات کی طرف نسبت کرنا مجاز ہے یا اس سے مجاز ہے جو ان میں ہے بوجہ تعلق حلول کے۔ اس سے مراد چونکہ وہ ہے جو پڑھا جائیگا یعنی قرآن تصدیق کرنے والا ہے صحف اولین کا ان کے اصول شرائع واحکام کے مطابق ہے تلاوت کیا ہوا ہے گویا وہ صحف اولین اوران کی کتابوں کا

عین ہے اسی لیے اسے صُحُف کے نام سے مجازاً تعبیر کیا گیا ہے۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کو صُحف کہنا تعظیماً ہے اس لیے کہ یہ تمام صحف کے اسرار کا جامع ہے۔

ف : عین المعانی میں ہے کہ اسے صُحُف سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا بعض دوسرے کا موضوع ہے۔

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (اس میں سیدھی باتیں لکھی ہوئی ہیں) صحف کی صفت ہے یعنی ان صحف میں وہ سیدھی باتیں لکھی ہُوئی ہیں جو حق و صواب بولتی ہیں یعنی ان میں احکام ہیں۔

المفردات میں ہے اس میں اس کے اندر کتب اللہ کے معانی کی طرف اشارہ ہے کہ تمام کتب اللہ متقدمہ کے ثمرات اسی میں جمع ہیں وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (اور پھُوٹ نہ پڑی کتاب والوں میں) اس سے جو اس میں وعدہ ہائے کریمہ تھے۔

نکتہ : پہلے تو دونوں کو جمع کر کے بیان کیا گیا اب ان دونوں (اہلِ کتاب و مشرکین) میں سے صرف اہلِ کتاب کو علیحدہ اور پہلے بیان کرنے میں اُن کے بُرے حال پر دلالت کے لیے ہے، اس لیے کہ علم کے باوجود تفرقہ ڈالا حالانکہ یہ کام جاہلوں کا تھا لیکن یہ اہلِ علم ہو کر ایسا غلط کارنامہ سرانجام دیا اسی لیے ان کا پہلے ذکر کرنا اولیٰ ہوا کیونکہ علم والے کا انکار بہ نسبت جاہل کے انکار زیادہ بُرا اور قبیح تر ہے۔

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ (مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس روشن دلیل تشریف لائے) اعم الاوقات سے استثناء مفرغ ہے یعنی اوقات میں سے کسی وقت بھی پھُوٹ نہ ڈالی مگر ان کے پاس حجۃ واضح روشن دلیل آئی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت و نبوت پر دلالت کرتی کہ یہی وُہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کا ذکرِ خیر اور تشریف لانے کا وعدہ تمہاری کتابوں میں مندرج ہے۔ اس پر ایسی روشن دلیل موجود تھی کہ اس سے انکار کی گنجائش نہ تھی وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ (اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں) جملہ حالیہ ان کے قبیح فعل کی غایت کا فائدہ دیتا ہے حالانکہ وُہ اپنی کتابوں میں مامور نہ تھے کسی امر کے بھی سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور یہ لام درحقیقت حکمت و مصلحت کی ہے یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل معلل بالغرض نہیں ہے لیکن وہ مغیا ہے حکم و مصالح سے، اور یہ لام غرض بہت بار اس حکمت میں استعمال ہوتی ہے جو اسی فعل پر مرتب ہو بحسب الوجود اسی فعل پر مرتب ہونے کی تشبیہ کی وجہ سے اور حصر علت ہے اس کی کہ وہ اپنی کتابوں میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مامور تھے یعنی ان کو (گویا) اور کوئی نہ تھا سوائے

اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے عجز دنیاز اور اس کی عظمت کا اظہار کریں، اور اپنی عبادت میں مکلّف تھے کہ اللہ تعالیٰ سے سوائے تذلّل اور عاجزی کے کسی شے کی طلب نہ کریں، جیسے جنّت کا ثواب، اور عذابِ دوزخ سے نجات۔

دلیل قدمارِ اہلسنّت یہ (قدمارِ) اہلسنت کی دلیل ہے کہ (معتزلہ کے بالمقابل) عبادت اس لیے واجب نہیں کہ وہ ثوابِ جنت تک پہنچائے اور عذابِ دوزخ سے نجات دے بلکہ اس لیے کہ بندہ سمجھے کہ میں عبد ہوں اور جس کے سامنے جھک رہا ہوں وہ میرا مولیٰ و مالک ہے، اس کا آخرت میں ثواب اور نجات از عتاب حاصل ہو یا نہ ہو اور اس نے بھی عبادت کا حکم صرف اس لئے فرمایا تاکہ بندہ ربوبیت و مالکیت کے حقوق مدّنظر رکھ کر اس کے سامنے عبودیت کا اظہار کرے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے جو ثوابِ جنّت اور نجات از عتاب و عذاب نار کے قصد سے عبادت کرتا ہے اس کا درحقیقت معبود ثواب و نجات از عتاب ہے اور (معاذ اللہ) حق تعالیٰ درمیان میں اس کے حصول کا واسطہ ہے ورنہ مقصود اصلی تو عبادت صرف اور صرف معبود حقیقی ہے یہی غایت عرفان و معرفت کی ہے۔

سبق: اے سالک! راہِ خدا میں عبادت صرف معبود حقیقی اور معرفۃ للمعروف کو لازم پکڑ، اور غیر اللہ کی طرف دھیان بھی نہ کرے

عاشقاں را شادمانی و غم اوست

دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

ترجمہ: عُشاق کی خوشی اور غم صرف وہی ہے، مزدوری اور اجرت بھی اس کی خدمت ہے اور بس۔

ف: بعض نے کہا کہ لیعبدوا کی لام زائدہ ہے جیسے ارادہ کے صلہ میں زائدہ ہوتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے:

اردت لتقوم (تیرے کھڑے ہونے کی میری مراد ہے)

تو مامور بہ ہوگا ان امور یعنی عبادت وغیرہ کی طرف جیسا کہ ظاہر ہے۔

ف: عبادت تذلّل اور عاجزی کو کہتے ہیں جیسے طریق معبد یعنی راستہ مذلّل۔ جس نے کہا عبادت بمعنی طاعت ہے اس سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ بہت سے لوگوں نے ملائکہ و مسیح علیہ السلام اور بتوں کی عبادت کی تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی اطاعت کی لیکن شریعت میں اللہ تعالیٰ کی ہر اطاعت کا نام ہے جو

بطریق تذلل اور نہایۃ فی التعظیم ہو، اس معنی پر عبادت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جو صفات ذاتیہ وفعلیہ میں یکتا ہو کیونکہ اس جیسا کوئی بھی ہے تو کیسی نہایۃ التعظیم اس کے لیے ثابت نہ ہوسکے گی جیسے ہم نے کہا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبادت میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) غایۃ التعظیم، اس لیے غیر بالغ کی نماز عبادت نہیں کیونکہ وہ غایۃ التعظیم کو نہیں جانتا اس لیے اس کا فعل غایۃ التعظیم نہ ہوگا، اور جاہل غافل اسی حکم میں ہے۔

(۲) اس فعل کا امر ہو، اسی لیے یہود کا فعل عبادت نہیں اگرچہ اس میں نہایۃ التعظیم ہے کیونکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اس کے مامور نہیں (کیونکہ وہ احکام اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دئے ہیں) جب معلوم ہوا کہ غیر بالغ کا فعل عبادت نہیں اس لیے کہ اس میں تعظیم کا فقدان ہے اور یہود کا فعل عبادت نہیں کہ اس میں امر کا فقدان ہے۔

انتباہ اس سے اے سالک خود سوچ کہ جس کا رکوع وسجود ناقص (بلکہ ہر فعل غفلت سے ہو کر ناقص) ہو تو اس کا کیا حال ہوگا کیونکہ اس میں نہ امر ہے نہ غایۃ التعظیم۔

تفسیر عالمانہ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (نرے اسی عقیدہ پر) لیعبدوا سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ اپنے نفوس از قبیل از اخلاص بنانے والے ہیں شرک والحاد سے پاکیزہ اور اغراضِ نفسانیہ وقضائے شہوات سے صاف وشفاف ہیں۔ اخلاص بمعنی شے کو صرف ایک سبب کیلئے فعل کو خالص کر کے لانا اور اس عبادت ودعا ر تاثیر فی الدعائیں اس فعل کی طرف اس کے سوا اور کوئی سبب نہ ہو، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جس عبادت میں جلب منافع ودفع مضار مطلوب ہو وہ عبادت نہیں (بلکہ سودا بازی اور تجارت ہے)

مسئلہ: نماز میں مباح فعل سے مشغول ہونا مثلاً کھنکارنا، کھانسنا وغیرہ حظوظِ نفسانیہ میں داخل ہے۔

مسئلہ: غیر کے لیے نماز میں زیادہ خشوع ریاء ہے۔

مسئلہ: زکوٰۃ والدین، اولاد، اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو دینا قربتِ الٰہی کے منافی ہے اسی لیے شرعاً ان کو زکوٰۃ دینا ممنوع ہے۔

ف: خلاصہ یہ کہ اخلاص عبودیت میں سِر کو ماسوی اللہ سے خالی کرنا ہے۔ بعض نے کہا اخلاص یہ ہے کہ تیرے عمل پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی مطلع نہ ہو اور نہ ہی اس میں تیرے نفس کو دخل ہو بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں اپنی عبادت کا اہل بنایا اور اس کی تجھے توفیق بخشی اس کا اللہ تعالےٰ سے اجر وثواب اور بدلہ طلب نہیں کرنا چاہیے۔

حُنَفَآءَ (حق کی طرف مائل) یہ دوسرا حال ہے اس قول پر جو ایک ذی الحال سے دو حال کے جواز کا قائل ہے اور جو قائل نہیں اس کے نزدیک مخلصین کی ضمیر منوی سے حال ہے یعنی مائل ہیں جمیع غلط عقائد سے اسلام کی طرف یہ اخلاص کے معنیٰ کی تاکید میں ہے کیونکہ اخلاص کا مطلب ہے اعتقاد فاسد سے روگردانی، اور سب سے بڑا غلط عقیدہ شرک ہے۔

حلِ لغات

حنفاء حنف سے ہے بمعنی المیل (مائل ہونا، جھکنا) اور پاؤں کا بدل جانا کہ اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے۔ احنف وہی دو پاؤں کی پیٹھ کے اس حصہ سے چلنے والا جو خنصر (چھوٹی انگلی) کے قریب ہے، اور حنف بمعنی الاستقامۃ بھی آتا ہے۔ حنفاء کا معنیٰ ہے سیدھا چلنے والے۔ اس معنیٰ پر مائل القدم نیک فالی پر احنف کہتے ہیں جیسے اعمیٰ (نابینا) کو بصیر اور حبشی (کالا سیاہ) کو کافور، اور طاعون کو مبارک اور مھلکۃ (ہلاکت) کو مفازہ (کامیابی) کہا جاتا ہے۔

ف: حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کو حنیف نہ کہا جائے جب تک کہ وہ حج اور ختنہ نہ کرے۔ اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے کہ آپ کی شان یہی تھی کہ آپ نے حج پڑھا اور اپنا ختنہ خود کیا۔

وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ (اور نماز قائم کریں) جو عبادات بدنیہ میں عمدہ عبادت ہے۔

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ (اور زکوٰۃ دیں) جو عباداتِ مالیہ میں اساس کا حکم رکھتی ہے۔ الارشاد میں ہے کہ اس سے مراد وہی ہے جو ان کی شریعت میں ہے تو معنی ظاہر ہے اگر مراد وہ ہے جو زکوٰۃ ہماری شریعت (اسلام) میں ہے تو ان کی کتابوں میں ان کے حکم سے مراد ہماری شریعت (اسلام) کے جمیع احکام کی اتباع ہے جو کہ یہ دونوں منجملہ ان میں سے ہیں وَذٰلِكَ (اور یہ) جو مذکور ہوا عبادۃ بالاخلاص واقامۃ الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ۔

دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (سیدھا دین ہے) یعنی ملّتِ قیّمہ، مضاف محذوف ہے تاکہ اضافۃ الشیئ الیٰ صفۃ لازم نہ آئے کیونکہ مضاف محذوف نہ ہو تو اضافۃ الشیئ الیٰ صفۃ ہے اور دین کی اضافۃ ملت کی طرف باعتبار تغایر اعتباری کے ہے جو ان کے درمیان میں ہے کیونکہ وہ شریعت جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منجانب اللہ مخلوق پہنچانے کے لیے باعتبار اس کے کہ وہ املاء اور لکھی جاتی ہے ملّۃ ہے اور باعتبار اس کے کہ اس کی اطاعت کی جاتی ہے دین ہے اور دین بمعنی اطاعت ہے، جیسے کہا جاتا ہے: دان لہ بمعنی اطاعہ (اس کی اطاعت کی) بعض نے کہا دین کی اضافت قیمۃ کی طرف اضافۃ العام الی الخاص کے قبیل سے ہے جیسے شجر الاراک (پیلو کا درخت) اس معنیٰ پر ملۃ کی تقدیر کی ضرورت نہیں اس لیے کہ قیمۃ بھی بمعنی ملّۃ ہے جس پر اُبَیّ رضی اللہ عنہ کی قرأۃ شاہد ہے انہوں نے پڑھا ہے و ذٰلک الدین القیم۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دین القیمۃ یعنی وہ دین وملّت درست اور پائندہ ہے یعنی دین کو قیّمۃ کی طرف مضاف کیا حالانکہ یہ اس کی صفت ہے لیکن یہ اضافہ جائز ہے کہ وہ دونوں مختلف ہیں لفظاً۔ اور عرب کا قاعدہ ہے کہ وہ شے کو اس کی نعت (صفت) کی طرف بارہا مضاف کرتے ہیں اور یہ قرآن مجید میں بھی بکثرت ہے جیسے ولدار الآخرۃ (کیونکہ دار آخرت ہی ہے)

اور فرمایا :

عذاب الحریق بمعنی المحرق الیمؑ کی طرح بمعنی المؤلم۔

اور کہا جاتا ہے :

دخلت مسجد الجامع ومسجد الحرام اور ادخلك اللہ جنۃ الفردوس۔

یہ بھی انہی میں سے ہے۔

القیمۃ کو مؤنث کا صیغہ لایا گیا کیونکہ آیات (اس سورۃ میں) تانیث کے ساتھ ہے اسی لیے دین کو ملّۃ کے معنیٰ میں لیا گیا (کشف الاسرار)

حل لغات : القیمۃ بمعنی المستقیمۃ ہے، وہ جس میں ٹیڑھاپن نہ ہو۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا القیمۃ بمعنی وہ امت جو قائم بالقسط ہے جس کا اشارہ کنتم خیر امۃ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض اہلِ ادیان بابِ اعمال میں مبالغہ کرتے تھے لیکن وہ اعمال کسی اصول پر نہیں بلکہ اپنی مرضی ہے جیسے جی چاہا کر لیا یہود و نصاریٰ اور مجوس اگرچہ ان اعمال پر نفوس کو سخت سے سخت مشقتوں میں مبتلا رکھتے بڑی ریاضتیں کرتے لیکن چونکہ دینِ حق کو حاصل نہ کر سکے اور خود کو اس کے عقاید کے مطابق نہ ڈھال سکے ایسے ہی بعض اسلام میں داخل ہونے کے باوجود فروع (اسلامی مسائل) سے خود کو مہمل رکھا جیسے مرجیہ (فرقہ) جن کا عقیدہ ایمان ہو تو معصیت اور گناہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کی خطا ظاہر فرمائی اور واضح فرمایا کہ علم واخلاص ضروری اور لازمی ہے اس کا ذکر مخلصین لہ الدین میں ہے اور عمل بھی لازمی امر ہے اسے یقیمو الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کے مجموعہ کا نام دینِ مستقیم ہے یہی ملتِ معتدلہ ہے اور بس۔ یہ ایسے ہے جیسے مجموعہ اعضاء کا نام بدن ہے ایسے مجموعہ عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ کا نام اسلام اور دین وملت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ (بیشک جتنے کافر ہیں اہلِ کتاب اور مشرک سب جہنم کی آگ میں ہیں)

ربط : ان کے دنیاوی حال کے ذکر کے بعد اب ان کے اُخروی حال کا بیان ہے، اور مشرکین کی تصریح

فرمائی تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حال صرف اہلِ کتاب کا ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دینِ متین کے شواہد و علامات اہلِ کتاب کے صحف میں تھے۔

نکتہ : فیہا میں اشارہ ہے کہ وہ اہلِ کتاب اور مشرکین جہنم میں یوم قیامت میں داخل ہوں گے اور جملہ اسمیہ میں اشارہ ہے اس کا مضمون متحقق ہے یا یہ کہ وہ ابھی سے ہی جہنم میں ہیں اس لیے کہ ان کے کرتوت ہی ایسے ہیں جو دوزخ میں جانے کے لیے لازم قرار دیتے ہیں یا یہ کہ ان کا کفر و معاصی نارِ جہنم کا گویا عین ہیں ان کا ظہور اس عالم دنیا میں صورۃ عرضیہ میں ہے آخرت میں یہ صورۃ عرضیہ اتار کر صورۃ حقیقیہ کھل کر آجائے گی۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے) خبر کی ضمیر مستکن سے حال ہے دار عذاب میں دونوں کے دخول کا اشتراک اس کے منافی نہیں کہ دونوں کے عذاب کی کیفیت مختلف ہوگی اس لیے کہ جہنم کے درکات اور اس کا عذاب رنگا رنگ اور گوناگوں ہے کیونکہ مشرکین تو سرے سے صانع و نبوت و قیامت کے منکر ہیں اور اہلِ کتاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے منکر ہیں اس لیے اہلِ کتاب کا کفر بہ نسبت مشرکین کے عذاب کے خفیف ہے لیکن وہ عظیم ترین جنایات میں تو شریک ہیں یعنی کفر میں اسی لیے عظیم ترین عقوبات (عذاب) میں برابر کے شریک ہیں یعنی دائمی خلود میں۔

نکتہ : چونکہ ان کا کفر اپنی رفعت کے طلب میں تھا اسی لیے وہ نیچے سے نیچی جگہ میں داخل کئے گئے کیونکہ جہنم کی نار ایک گہرے گڑھے اور تاریک اور نہایت خوفناک جگہ میں ہے۔

حل لغات : کہا جاتا ہے بئر جہنام (کنواں گہرے گڑھے والا) اس عذاب کے اشتراک سے لازم نہیں آتا کہ ان کا کفر بھی ایک نوع ہو۔

اُولٰٓئِكَ (وہی) بعید ترین مذکورین **هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ** (تمام مخلوق میں بدتر ہیں) بریۃ (جمیع مخلوق) اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ اعمال کے لحاظ سے تمام مخلوق سے بدتر ہیں وہ موافق ہے اس کے جزا اہلِ ایمان کے لیے آئے گا (خیر البریۃ) یہ تعلیل ہوگی ان کے دوزخ میں دوامی دخول کی، یا وہ شریر ترین جگہ والے ہیں اور جس کی طرف ان کا رجوع ہوگا وہ مقام بدترین ہے ان کی فظاعۃ گندے حال کی تاکید ہوگی ضمیر کا درمیان میں ہونا حصر کا فائدہ بخشتا ہے یعنی وہ شر البریہ ہیں نہ کہ ان کے غیر، کیوں نہ ہو حالانکہ وہ چوروں سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ انہوں نے کتاب آسمانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمتوں اور کمالات و صفات جلیلہ کی چوری کر لی ہے[1]

---

[1] جیسے دیوبندی اور وہابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات و اوصاف کی روایات کی چوری کرتے رہتے ہیں (اویسی غفرلہٗ)

اور یہ اہلِ کتاب ڈاکوؤں سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ یہ دینِ حق کے ڈاکو ہیں اور ذلیل جاہلوں سے بھی ذلیل تر ہیں اس لیے کہ علم کے باوجود کفرِ عنادی بن جاتا ہے اسی لیے وہ جہال کے کفر سے قبیح تر۔

عالم بداعتقاد اور بے عمل اس سے ظاہر ہوا کہ علماء سوء باقی لوگوں سے زیادہ وعید کے مستحق ہیں اگر تائب ہوں (یعنی سنی مسلمان بن جائیں اور بدعقیدگی سے توبہ کریں) تو وعید سے نکل سکتے ہیں۔

ف : بعض نے کہا آیت میں وہ کفار داخل نہیں جو پہلے گزرے ہیں جیسے فرعون اس لیے وہ تو ان کافروں سے بھی بدتر تھا۔

ف : دوسری آیات اہلِ ایمان کے ثواب پر دلالت کرتی ہیں اسی لیے اہلِ ایمان کے متقدم و متاخر کا کوئی فرق نہیں اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مومن اُمتی دوسری امم اور جملہ مخلوق سے افضل ہیں۔

ف : بعض نے بریّہ کو مخفف پڑھا از مہموز براُ سے بمعنی خلق فھو البارِی بمعنی خالق یعنی موجد و مخترع از عدم الی الوجود اور نافع و ابن ذکوان نے اصل پر پڑھا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (بیشک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے)

نکتہ : جمع کا مقابلہ جمع سے ثابت ہوا کہ ہر ایک کو جملہ صالحات کا عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ یہ معنیٰ ہے کہ ہر مکلف کو اس کی استعداد پر حظ (نصیبہ) نصیب ہے، مثلاً غنی کو دینے کا نصیب اور فقیر کو لینے کا اور صبر و قناعت کا وغیرہ وغیرہ۔

اُولٰٓئِكَ (وہی) جن کے اوصاف مذکور ہوئے انتہائی درجہ کے شرف و فضیلت یعنی ایمان و طاعت سے

هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (تمام مخلوق میں بہتر ہیں)

مسئلہ : اسی آیت سے اہلسنت قدماء نے (معتزلہ کے مقابلہ میں) استدلال کیا کہ بشر ملک سے افضل ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سے بشر ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اور البریّہ عام ہے ملک و جن کو اسی لیے حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ ھم خیر البریۃ میں کیا انسان ملائکہ سے بھی افضل ہے؟ ناراض ہو کر فرمایا:

تعادل الملائکۃ الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات۔	کیا ملائکہ اہلِ ایمان صالح عمل (اولیاء کرام) کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

س

ملائک راچہ سود از حسن طاعت	چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ : ملائکہ کو حسنِ طاعت کا کیا فائدہ، جب فیضِ عشق آدم علیہ السلام پر ہی ٹپکا۔

جَزَآؤُهُمْ (ان کا صلہ) ان کے ایمان وطاعات کے بالمقابل، یہ مبتدا ہے **عِنْدَ رَبِّهِمْ** (ان کے رب تعالیٰ کے ہاں) جزاء کی ظرف ہے **جَنّٰتُ عَدْنٍ** (بسنے کے باغ میں) یعنی جنتِ عدن کا داخلہ۔ یہ مبتدار کی خبر ہے اور عدن بمعنی اقامت و دوام ہے۔

ف : حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : عدن کے دو بطن ہیں جنہ اور اس کا وسط۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) ان کے درختوں کے نیچے، اس لیے کہ باغ آبِ رواں کے بغیر سرسبز نہیں ہوتا۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اگر جنّات سے اشجار گھنی ٹہنیوں والے مراد ہیں تو ان کے نیچے نہروں کا جاری ہونا بھی ظاہر ہے، اگر اس سے زمین کا مجموعہ مراد ہے اور وہ جو اس کے اوپر ہے تو وہ باعتبار جزء کے ظاہر ہے، جو بھی ہو انہار کا جاری ہونا کھالوں کے بغیر ہوگا۔ جنّات جمع دلیل ہے اس کی کہ ہر مکلّف کے باغات الگ الگ ہوں گے، جیسے :

ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔	اور جو اللہ تعالیٰ کی حاضری سے ڈرے اس کے دو باغات ہیں۔

دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا :

و من دونھما جنتان۔ (ان کے سوا دو اور باغ ہیں)

ان آیات میں اکیلے ایک کے لیے چار باغات کا ذکر ہے۔

نکتہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے وہ چار اجفان (اوپر نیچے پپوٹوں) سے روتا ہے ان ہر ایک کے بدلے میں علیحدہ علیحدہ باغ عطا فرمایا۔

ف : بعض نے کہا کہ (جزاؤھم تا جنّت عدن) جمع کا مقابلہ جمع سے ہے اس کا تقاضا ہے کہ فرد کا مقابلہ فرد سے ہو اس لیے ہر فرد مکلّف کو ایک ایک باغ عطا ہوگا لیکن اس کے ادنیٰ کا درجہ دنیا و مافیہا کے دس بار کے برابر ہوگا، عشر مرات مرفوع بھی مروی ہے اور اس پر ملکاً کبیراً بھی دلالت کرتا ہے (یعنی واقعی بہشتی کے باغ کی اتنی وسعت ہوگی) یا الف لام الانہار میں تعریف کا ہے، تو اس سے مراد وہ نہریں ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) پانی

(۲) دُودھ

(۳) شہد

(۴) شرابِ طہور

نکتہ الجری (جاری ہونے) کی صفت میں اشارہ ہے ان کی طاعت پر مواظبت میں مدح کی طرف، گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہاری اطاعت جب تک تم زندہ رہے دائمی رہی، جیسا کہ فرمایا: واعبد ربك حتی یأتیك الیقین (اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کر یہاں تک کہ تیرے ہاں یقین آئے) اسی لیے میرے کرم سے نہریں بھی ہمیشہ جاری رہیں گی۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) قسم قسم کی جسمانی و روحانی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے وہ حال ہے اور ذوالحال اور اس کا عامل دونوں مضمر ہیں جس پر جزاؤھم دلالت کرتا ہے۔ دراصل یوں تھا: یحزون بہا خالدین فیہا۔ اور ابدًا ظرف زمان اور خلود کی تاکید ہے، یعنی نہ وہ اس میں مریں گے نہ اس سے نکالے جائیں گے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (اللہ ان سے راضی) جملہ مستانفہ ہے اس فضل و کرم کا بیان ہے جو ان پر ہوگا بلکہ ان کے اعمال کی جزاؤں سے بڑھ کر۔ یعنی جملہ مستانفہ خبریہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ ان کے لیے اضافہ ہی اضافہ ہوگا یا مستانفہ جملہ اور دعائیہ ہے ان کے رب تعالیٰ سے، اسی لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ خبر کے بعد خبر اور حال ہے اس سے قبل قد مقدر ہے۔

نکتہ: ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ بندہ مکلف جسد و روح سے مخلوق (پیدا شدہ) ہے اور اس نے طاعتِ الٰہی میں دونوں سے سعی اور جدوجہد کی تو حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اس کی ایسی جزا بخشے جس سے دونوں جسم و روح نعمتوں سے مالا مال ہوں اسی لیے جسم کی جنت یہی جس کی وصف بیان کی گئی ہے اور روح کی جنت رب تعالیٰ کی خوشنودی ہے ع

چیست جنت روح را رضوان اکبر از خدا

ترجمہ: جنت کیا ہے روح کی، رضوانِ اکبر خدا تعالیٰ سے۔

وَرَضُوْا عَنْهُ (اور وہ اس سے راضی) کہ وہ انتہائی مقاصد تک پہنچ گئے اور ایسے مآرب کے مالک ہونے جو ان کے لیے حرفِ آخر کی طرح ہے اور ان کے لیے وہ اشیاء مباح کی گئیں جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی فرد بشر پر ان کا تصور آسکتا ہے بالخصوص وہ جو دیدارِ الٰہی سے نوازے جائیں گے وہ تو مقصد آخر ہے اور بس ۔

۵

دارند ہر کس از تو مرادی و مطلبی
مقصود ما ز دنیا و عقبیٰ لقاءے تست

ترجمہ: ہر کس تجھ سے کوئی مطلب و مراد کا خواہاں ہے ہمارا مقصدِ دنیا و عقبیٰ صرف تیرا دیدار ہے۔

ذٰلِکَ (یہ) جو مذکور ہوئی جزاء و رضوان، بعض نے کہا زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جزا ہے جس پہ ایمان وطاعت وعمل سے جزاء و رضوان مرتب ہوں گے۔ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ (اس کے لیے ہے جو اپنے رب تعالیٰ سے ڈرے) رب تعالیٰ کے عذاب سے، اور ثواب کے موجبات میں مشغول رہے۔

فضائل علماء باعمل خشیت جو علماءِ کرام کی خصوصیات سے ہے جو کہ وہ شئونِ الٰہیہ سے ڈرتے ہیں لیکن یہ بھی کمالات علمیہ وعملیہ پر موقوف ہیں پھر انہی کمالات سے ہی سعاداتِ دینی دنیوی نصیب ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ بیشک اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرتے ہیں اللہ کے بندے جو علماءِ کرام ہیں۔

نکتہ: ربوبیت کے عنوان میں اشارہ ہے اس کی مالکیت کی طرف، اور اس کی تربیت سے آگاہی ہوتی ہے کہ یہی خشیت کی علت ہے اور پھر اسی تربیت سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے بلکہ ہر وقت اس کے عذاب سے خطرہ میں رہنا لازم ہے۔

فضائل سورۃ لم یکن الخ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ میں تجھے سورۃ لم یکن الخ سناؤں۔ حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا اللہ نے میرا نام لے کر فرمایا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، رب العالمین کے سامنے تیرا نام لیا گیا۔ یہ سن کر حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

مسئلہ: یہ بھی سنّت ہے کہ قرآن مجید کسی دوسرے سے سُنا جائے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا: اے عبداللہ ابن مسعود! مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کی: میں کون ہوں آپ کو قرآن سناؤں، آپ پر تو قرآن نازل ہُوا۔ آپ نے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ میں قرآن اپنے غیر سے سنوں۔ میں نے (حسب الحکم) سورۃ النساء پڑھنا

شروع کی جب میں آیت فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا (وہ کیسا حال ہوگا جب ہم ہر امت پر اس کا شہید لائیں گے اور اے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب پر شہید بنا کر لائیں گے) تک پہنچا تو آپ نے فرمایا بس کرو۔ میں نے آپ کی طرف توجہ کی تو آپ کی چشمان مبارکہ سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا : ذکرنا ربنا (ہمارے لیے ہمارے رب کی یاد تازہ کردے) انہوں نے آپ کو قرآن سنانا شروع کیا یہاں تک کہ نماز کا وقت ہوتا تو عرض کرتے : اے امیر المؤمنین ! الصلاۃ الصلاۃ (نماز کا وقت ہوگیا) ۔ آپ فرماتے : انا فی الصلاۃ (میں نماز ہی میں ہوں)

حدیث شریف میں ہے :

من استمع آیۃ من کتاب اللہ کانت	جو شخص قرآن مجید کی صرف ایک آیت سنے تو
لہ نوراً یوم القیامۃ۔	قیامت میں اس کے لیے نور ہوگا۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ (بعض اوقات) دوسروں سے قرآن سننا سنت ہے۔

مسئلہ : کیا قرآن مجید کا سننا فرض ہے جیسے آیت " واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) کا تقاضا ہے تو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ نماز میں تو قرآن سننا (بالاتفاق) فرض ہے نماز سے باہر میں اختلاف ہے، تو عام علماء کرام کا قول ہے کہ مستحب ہے۔ شرح شرعۃ الاسلام للشیخ قورد آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

سورۃ القیمہ کی تفسیر خالقِ انسان اور قیامت قائم کرنے والے رب تعالیٰ کے فضل سے ۲۴ ربیع الآخر ۱۱۱۷ھ از اس ذات کے جو آگے پیچھے برابر دیکھتے تھے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فارغ ہوا۔

اویسی غفرلہٗ نے تفسیر سورۃ القیمہ کے ترجمہ سے یکم شعبان ۱۴۰۹ھ شبِ جمعرات فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

سُورۃ الزلزال

ایاتہا ۸	(۹۹) سورۃ الزلزال مدنیۃ (۹۳)	رکوعہا ۱
	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○	
	اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا ○ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَہَا ○ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَہَا ○ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَہَا ○ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَہَا ○ یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ ○ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ○ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ○	

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

جب زمین تھرتھرا دی جائے جیسا اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے اور آدمی کہے اسے کیا ہوا اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی اس لیے کہ تمہارے رب نے اسے حکم بھیجا اس دن لوگ اپنے رب کی طرف پھریں گے کئی راہ ہوکر تا کہ اپنا کیا دکھائے جائیں، تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اُسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر بُرائی کرے اسے دیکھے گا۔

سورۃ الزلزلہ مکیہ ہے یا مدنیہ ہے اس کی آٹھ یا نو آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا (اور جب زمین تھرتھرا دی جائے جیسا اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے) سخت متحرک ہوگی اور بار بار اور پے در پے۔ قاعدہ ہے کہ حروف کا تکرر زلل (لفظ) کے تکرر پر دلالت کرتا ہے زلزال مخصوص تھرتھرانا جو اللہ کی حکمت و مشیت کے مُوجب ہے یعنی وہ شدید تھرتھرانا جس کی انتہا پر پھر کوئی تھرتھرانا نہیں اسی معنی کی طرف اضافہ عہدیہ کا اشارہ ہے۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے زلزلہ زلزلۃ و زلزالا (مثلثہ محرکہ) کما فی القاموس۔

قاعدہ اہلِ تفاسیر فرماتے ہیں کہ زلزال (بالکسر) مصدر اور بالفتح اسم المصدر ہے وفعلال بالفتح صرف مضاعف میں ہوتا ہے جیسے صلصال وغیرہ۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے گی)

سوال : فاء ہونا چاہیے تھا کیونکہ اخراج زلزال سے متسبب ہے۔

جواب : سامع کے ذہن کی طرف تفویض کے لیے۔

سوال : ارض کا اظہار کیوں، حالانکہ یہاں ضمیر چاہیے۔

جواب : اس لیے کہ اخراج زمین کے بعض اجزاء کا کام ہے اگر ضمیر ہوتی تو کل ارض مراد ہوتی اظہار سے یہ فائدہ ہوا کہ اس سے بعض اجزاء مراد ہو سکتے ہیں۔

ف : اثقال سے زمین کے خزانے اور مُردے جو اس میں ہیں، جیسے زلزال نفخۂ اولیٰ قیامت کے علامات سے ہے ایسے ہی نفخۂ ثانیہ سے مُردگان کا اٹھنا قیامِ قیامت کا نشان ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

تقیئ الارض افلاذ کبدھا امثال الاسطوانۃ من الذھب فیجئ القاتل فیقول فی ھذا قتلت ویجئ القاطع رحمہ فیقول فی ھذا قطعت رحمی ویجیئ السارق فیقول فی ھذا قطعت یدی ثم یدعونہ فلا یأخذون منہ شیئاً۔	زمین ستونوں کے برابر اپنے جگر کے ٹکڑے سونے کے پھینکے گی قاتل اُٹھ کر کہے گا مجھے اسی بارہ میں قتل کیا گیا، قطع رحم کرنے والا آئے گا تو کہے گا میں نے فلاں معاملہ میں قطع رحمی کی چور آئے گا اور کہے گا اسی بارہ میں میرا ہاتھ کاٹا گیا، پھر اسے بلائیں گے اور اس کے ہاں کچھ نہیں پائیں گے۔

ف : حدیث شریف میں افلاذ کبدھا سے مراد وہ خزانے ہیں جو اس میں پوشیدہ پڑے ہیں، اور اس کی قے کرنے سے مراد ہے اس کا اپنے اندر کی اشیاء نکالنا اور اس کے بوجھ سے مردے انس و جن مراد ہیں جو اس میں مدفون ہیں۔

وَقَالَ الْاِنْسَانُ (اور آدمی کہے گا) ہر فرد کہے گا جب انہیں ہولناکیاں گھیر لیں گی اور انہیں حد سے زیادہ دہشت لاحق ہوگی اور کمال حیرت میں مبتلا ہوں گے۔ **مَا لَهَا** (اسے کیا ہوا) زمین کو کیا ہوگیا ہے کہ اب بہت زیادہ تھرتھرا رہی ہے اور اپنے دفینے باہر پھینک رہی ہے اور جو اس میں بوجھ ہے باہر نکال رہی ہے

ان عظیم امور کو دیکھے گا جو سخت ہولناک ہونگے اور وہ عجائبات ہوں گے جنہیں نہ کانوں نے سنا اور نہ زبان بیان کر سکتی ہے لیکن مومن (متقی) کا حال یہ ہوگا کہ وہ دن ہے جو رب رحمٰن (جل شانہٗ) نے وعدہ فرمایا اور حضرات انبیاء و رسل کرام علیٰ نبینا و علیہم السّلام سچے ہیں، لیکن کافر کہے گا ہمیں ہماری قبور سے کس نے اٹھایا يَوْمَئِذٍ (اس دن) اذا سے بدل ہے تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا وہ اپنی خبریں بتائے گی۔ ان دونوں کا عامل جواب شرط ہے یہ اس قول پر ہے جو کہتا ہے کہ اذا شرطیہ کا جواب اس کا عامل ہے اخبارھا تحدث کا مفعول ہے کیونکہ اس کے ذکر سے غرض کا کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ یہ یوم کی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے اور اسی وقت جمادات بھی بولیں گے۔

ردّ ابن الحاجب رحمہ اللہ تعالیٰ ابن الحاجب (مصنف کافیہ) نے غلط کہا ہے وہ قاعدہ کہ حدّث و انبأ و نبأ صرف ایک معمول کی طرف متعدی ہوتے ہیں جس کی بحث تفصیل سے اپنے مقام پر ہے یعنی فنِ نحو میں (فقیر اویسی غفرلہٗ کی نعم الکامی شرح شرح جامی کا مطالعہ کیجئے)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ مخلوق اپنا حال بتائے گی زبان حال سے جیسا کہ اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ زلزلہ کس لیے ہے اور اس کا بوجھ پھینکا جا رہا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کیوں گھبرائے اور سہمے ہوئے ہیں۔ لیکن جمہور کا مذہب ہے کہ وہ جمادات وغیرہ زبان قال سے بولیں گے جیسے ہم ذوا العقول بولتے ہیں انہیں اللہ تعالےٰ بولنے کی طاقت بخشے گا اسی لیے زمین کے اوپر جو نیک یا بُرے عمل ہوئے ہوں گے ان سب کی خبر دے گی یہاں تک کہ کافر آرزو کرے گا کہ کاش اسے جہنم میں پھینک دیا جائے جب وہ رسوائی دیکھے گا۔

اذان کا فائدہ حضرت عبدالرحمٰن بن صعصعہ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کی زیرتربیت تھے فرمایا: بیٹے! جب جنگل میں جاؤ تو اذان زور سے کہو کیونکہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے سنا کہ اسے جو کوئی جن و انس اور حجر و شجر سُنے گا تو وہ اس کے لیے گواہی دے گا۔

حکایت مروی ہے کہ ابو امیہ نے مسجد حرام میں فرض نماز پڑھی اور پھر ادھر اُدھر نوافل پڑھے۔ جب فارغ ہوئے تو پُوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ یہ قیامت میں میری گواہی دیں۔

ف: مبارک ہو اُسے جس کا مکان اس کے ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن اور نماز وغیرہ کی گواہی دے۔ اور افسوس ہے اس بدبخت پر جس کا مکان (جگہ) وغیرہ زنا، شراب خوری، چوری اور دیگر برائیوں کی گواہی دے۔

اللہ تعالیٰ کے سات گواہ اے انسان! تجھ پر سات گواہ ہیں:

(۱) مکان، جیسا کہ فرمایا یومئذ تحدث اخبارھا۔

(۲) زمانہ، حدیث شریف میں ہے:

ینادی کل یوم انا یوم جدید و انا علی ما تعمل فی شہید۔	ہر نیا دن اعلان کرتا ہے کہ میں نیا آیا ہوں جو عمل مجھ میں کرو گے میں اس پر گواہ ہوں گا

(۳) زبان، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم تشہد علیہم السنتہم۔ (اس دن ان پر ان کی زبانیں گواہی دیں گی)

(۴) ارکان (اعضاء)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وتکلمنا ایدیھم و ارجلھم۔	ہمارے ساتھ بولیں گے ان کے ہاتھ اور پاؤں۔

(۵) ملکان (کراماً کاتبین، دو فرشتے)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان علیکم لحافظین (اور بیشک تم پر نگران فرشتے ہیں)

(۶) دفاتر (اعمال نامے)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق۔	یہ ہماری کتاب تم پر سچ سچ بولے گی۔

(۷) رحمٰن، چنانچہ فرمایا:

اناکنا علیکم شہوداً (ہم تم پر شاہد ہیں)

سبق: اے مجرم! پھر تیرا کیا حال ہوگا جب تیرے جرم پر سات گواہ گواہی دیں گے۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی) یعنی زمین اپنی خبریں بتائے گی اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ وحی فرمائے گا یا اسے حکم فرمائیگا کہ وہ زبانِ قال سے بیان کرے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے یا یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ ایسے احوال پیدا فرمائے گا جو ایسی خبروں پر دلالت کریں گے

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ارض بدن کے زلزلہ کی طرف۔ جب اس سے روحِ انسانی نکلتی ہے تو ارض بدن روح حیوانی و قویٰ کے اضطراب کی وجہ سے تھرتھراتی ہے اور اس کے متاع کے اخراج کی طرف جن سے یہ ارض بدن ذو قدر رہے یعنی قویٰ و ارواح اور ہیأتِ اعمال اور اعتقاداتِ راسخہ فی القلوب۔ اور انسان کہے گا زمین (بدن) کو کیا ہے کہ وہ تھرتھراتی ہے اور مضطرب ہے اس کا مرض اور بیماری نہیں سوائے انحرافِ مزاج، یا اس پر اخلاط کا غلبہ ہے اس دن ارضِ بدن زبانِ حال سے اپنی خبریں بیان کرے گی کہ اس کے رب کا امر اور حکم ہے کہ وہ تھرتھرائے اور خراب ہو، اور بوجھ کا نکالنا روح کے نکلنے اور موت کے تحقق کی وجہ سے ہوگا۔

تفسیر عالمانہ یَوۡمَئِذٍ (اُس دن) کہ جس میں مذکور امور واقع ہوں گے یَصۡدُرُ النَّاسُ (پھریں گے لوگ) قبور سے اٹھ کر موقف حساب کی طرف۔ یومئذ کا منصوب ہونا یصدر کی وجہ سے ہے اور صدر ورود سے ہوتا ہے بمعنی رجوع اور ورود کے بعد لوٹنا اور آنا۔ جمہور کے نزدیک اس سے وہی لوگ مراد ہیں جو قبور میں مدفون ہیں اور صدر سے مراد لوگوں کا بعث کے لیے اٹھنا اور اس کی طرف پھرنا مراد ہے یعنی الصدر (بسکون الدال) بمعنی الرجوع و بالتحریك بمعنی اسم الرجوع، اسی سے ہے طواف الصدر' جسے دوسرے لفظوں میں طواف الوداع کہا جاتا ہے۔ اَشۡتَاتًا (کئی راہ ہوکر) نظم ونسق کے ساتھ متفرق ہوکر۔ شَت (بالفتح) بمعنی متفرق، اس کا منصوب ہونا علی الحال ہے یعنی درانحالیکہ متفرق ہوں گے کوئی ان میں سفید چہروں اور سفید کپڑوں والے نہایت امن وسکون سے ان کے آگے اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہوگا یہ ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے۔ بعض سیاہ چہرے والے ہوں گے پاؤں ننگے، جسم سے ننگے، بیڑیوں اور لوہے کے طوقوں میں جکڑے ہوئے۔ ان کے اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: یہ عدوّ اللّٰه (اللہ کا دشمن) ہے۔

جبریل علیہ السلام نے دو مُردے زندہ کئے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام بارگاہِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

یا محمد ان ربك یقرئك السلام وھو یقول مالی اراك مغموما حزینا وھو اعلم به۔

اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! تمہارا رب سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ کیوں مغموم ومحزون ہیں حالانکہ وہ تمام علوم کا مالک ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یا جبرائیل قد طال تفکری فی امر امتی یوم القیامة۔

اے جبرائیل (علیہ السلام)! میرا طویل فکر امت کے بارہ میں ہے کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی:

یا محمد فی امر اھل الکفر ام فی امر اھل الاسلام۔

اہلِ کفر کے بارے میں یا اہلِ اسلام کے بارے میں۔

آپ نے فرمایا:

یا جبرائیل لا بل فی امر اھل لا اله

اے جبرائیل! نہیں بلکہ لا الٰہ الا اللّٰہ

الا اللّٰہ ۔ کہنے والوں کے بارے میں۔

جبرائیل علیہ السلام نے حضور نبی پاک صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑا اور بنو سلمہ کے گورستان میں لے گئے اور اپنا داہنا پر ایک قبر پر مار کر فرمایا:

قُم باذن اللّٰہ (اللّٰہ تعالیٰ کے حکم سے اُٹھ کھڑا ہو)

قبر سے جو مُردہ نکلا اس کا چہرہ سفید تھا اور کہہ رہا تھا:

لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ الحمد للّٰہ رب العالمین۔ — اللّٰہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم) اللّٰہ کے رسول ہیں، تمام تعریفیں اللّٰہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

جبرائیل نے اسے (مُردے کو) فرمایا: عد (لوٹ جا)۔

پس وہ لوٹ گیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے بایاں پر ایک دوسری قبر پر مار کر فرمایا:

قم باذن اللّٰہ (اللّٰہ کے حکم سے اُٹھ کھڑا ہو)

قبر سے جو مُردہ نکلا اس کا چہرہ سیاہ، نیلی آنکھیں۔ اور کہہ رہا تھا:

واحسرتاہ واندامتاہ واُسواتاہ۔ ہائے حسرت، ہائے ندامت، ہائے برائی۔

اسے جبرائیل علیہ السلام نے کہا: واپس چلا جا۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ھکذا یبعثون یوم القیامۃ علی ماماتوا علیہ۔ — قیامت میں ایسے اٹھیں گے جس عقیدہ پہ مرے۔

لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ (تاکہ اپنا کیا دکھائے جائیں) اس کا تعلق یصدر سے ہے یعنی اعمال کی جزا خیر ہے یا شر، ورنہ نفسِ اعمال سے دیکھنے کا کیا تعلق، کیونکہ یہاں علمی رؤیت مراد نہیں، اس لیے کہ فمن یعمل الخ میں لیروا الخ کی تفصیل ہے اور یہاں بصری رؤیت مراد اس لیے ہے کہ یہ متعدی بمفعول واحد ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ان کے اعمال صالحہ کی صورتیں نورانی اور بُرے اعمال کی ظلمانی ہوں گی۔ یا رؤیت کا تعلق ان کے نامہ ہائے اعمال سے ہوگا فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا) لیروا کی تفصیل ہے۔

حل لغات: المثقال الوزن والذرۃ النملۃ الصغیرۃ چھوٹی چیونٹی کا وزن، یا وہ جو سورج کی

شعاع میں نظر آتا ہے ریت کے ذرات کی طرح۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جب تم اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اٹھاؤ، جو چیز تمہارے ہاتھ سے چمٹے وہی ذرہ ہے۔

یحییٰ بن عمار نے کہا کہ جو چار چاولوں کا اور چاول چار تلوں کا اور تل چار رائی کا اور رائی کا دانہ چھپان کے چار پتوں (قطروں) کا ہے۔

ف: ذرہ کے دیکھنے کا معنیٰ ہے کہ وہ نیکی یا برائی ذرہ کے برابر ہوگی تب بھی نظر آنے گی یعنی اس کے اجر اور ا مشاہدہ ہوگا۔

پہلا یعنی خیر، سعادت مندوں سے خاص ہے یہ اشتاتاً سے مخصص (خاص کیا ہوا) ہے۔ یعنی سعادت مند قیامت میں اپنے اعمالِ خیر جو دنیا میں کئے ان کے ذرہ برابر کو دیکھے گا۔

دوسرا یعنی شر، وہ اشقیاء سے خاص ہے یعنی اشقیاء نے دنیا میں جو برائیاں کی ہوں گی ان کے ذرہ برابر کو دیکھے گا۔

ف: کافر کی نیکیاں کفر سے ضائع ہوگئیں اور اس مؤمن کی جو کبائر سے بچتا رہا اس کی صغائر سیئات معاف ہوجائیں گی۔

سوال: بعض روایات میں آیا ہے بعض کفار کو عذاب کی تخفیف میں نیکیاں فائدہ دیں گی جیسا کہ وارد ہے کہ حاتم طائی سے اللہ تعالیٰ نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف فرمائی۔ ایسے ابو طالب وغیرہ کے حق میں وارد ہے۔

جواب: ایسے اقوال نصِ قطعی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وقدمنا الیٰ ما عملوا من عملٍ فجعلناہ هباءً منثوراً۔	اور وہ جو انہوں نے عمل کئے ہم نے ان کے آگے بھیجے پھر ہم نے انہیں اڑتی غبار کی طرح بنا دیا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبداللہ بن جدعان کے بارہ میں فرمایا: اسے کوئی نیکی فائدہ نہ دے گی۔ یہ آپ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں فرمایا کہ عبداللہ بن جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا تو کیا اسے یہ نیکیاں کام دیں گی؟ (آپ نے فرمایا: نہیں)۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابی طالب کے حق میں فرمایا:

ولولا انا کان فی الدرك الاسفل من النار۔	اگر میں نہ ہوتا (یعنی میرا سبب نہ ہوتا) تو وہ (ابو طالب) دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

جواب : یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا خاصہ ہے آپ کے واسطہ کے بغیر کوئی دوسرا ئل کسی کافر کو مفید نہیں۔

مسئلہ : کفارِ اسلام ایمان لے آئیں تو قبلِ اسلام والی نیکیاں مقبول ہیں۔

مسئلہ : بندہ نیکی کرکے دل میں جزاء کا تصور بھی نہ کرے اور نہ عدم جزاء کا، بلکہ دونوں کو ان دلائل ناطقہ کے سپرد کرے جن میں ہے کہ وہ مومن جو کبائر سے اجتناب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے صغائر معاف کرتا ہے اور اس کی نیکیاں قبول کرتا ہے۔ اور کفار کی کفر کی وجہ سے نیکیاں ضائع فرماتا ہے اور برائیوں پر عذاب فرماتا ہے۔

ف : مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر مومن و کافر کو روزِ قیامت اس کے نیک و بد اعمال دکھائے جائیں گے مومن کو اس کی نیکیاں اور بدیاں دکھا کر اللہ تعالیٰ بدیاں بخش دے گا اور نیکیوں پر ثواب عطا فرمائیگا اور کافر کی نیکیاں رُد کر دی جائیں گی کیونکہ کفر کے سبب اکارت ہو چکیں اور بدیوں پر اس کو عذاب کیا جائیگا اور کافر کو نیکیاں دکھا کر ضائع کر دی جائیں گی تاکہ اس کی حسرت میں اضافہ ہو۔

قرطبی نے فرمایا کہ کافر نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی تو وہ اس کی جزاء دنیا ہی میں دیکھ لے گا یہاں تک کہ جب دنیا سے نکلے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی اور مومن اپنی بدیوں کی سزا دنیا میں پائے گا تو آخرت میں اس کے ساتھ کوئی بدی نہ ہوگی۔

بقاعی نے فرمایا کہ کفر سے نیکیوں کا گر جانا اس کے حُزن اور غم میں اضافہ کی وجہ سے اور مومن کو سرور و راحت کے بڑھانے سے ہے۔

ف : آیت میں ترغیب ہے کہ نیکی تھوڑی سی بھی کار آمد ہے اور ترہیب کہ گناہ چھوٹا سا بھی وبال ہے۔ بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ پہلی آیت مومنین کے حق میں ہے اور پچھلی کفار کے حق میں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تاکہ وہ اعمال دکھائے جائیں جو انہوں نے دو ہاتھوں استعدادات فاعلیہ علمیہ اور قابلیت عملیہ سے کئے تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی تو صورۃ جزائیہ میں دیکھے گا کہ وہ اعمال اپنی مناسبت سے متصور ہوں گے نورانی یا ظلمانی اور وہ جو بُرے عمل کرے گا اسے دیکھے گا کہ وہ متجسد (جسم والے) ہوں گے درندوں کے اجسام میں بحسب صورۃ غضبیہ کے اور بہائم کے اجسام میں بحسب قوۃ بہیمیہ کے اور جو نہی حسنہ صورتیں مختلف انواع سے بڑھیں گی سرور اور رونق میں اضافہ ہوگا ایسے ہی جونہی صورتیں قبیحہ مختلف اقسام میں بڑھیں گی غصہ اور درد بڑھے گا۔

ف : اس میں رمز ہے کہ محض اعمال کے دیکھنے سے سزا مرتب نہ ہوگی جیسے مومن کے حق میں ہے کہ وہ دیکھے گا تو اس کی گویا جزاء کے ترتب میں داخل ہے کہ وہ اس سے خوش ہو جائیگا راحت و سرور میں اضافہ ہوگا۔

شانِ نزول (۱) تفاسیر میں ہے کہ یہ آیت نیکی کی ترغیب کے لیے نازل ہوئی یہاں تک کہ اگرچہ تھوڑی سی نیکی بھی، جیسے ایک کھجور اور انگور اور روٹی کا ٹکڑا اور اخروٹ و بادام وغیرہ اور ممکن ہے کہ وہ نیت خالص کی وجہ سے کثیر ہو جائے اور برائی میں ڈرنے کے لیے اگر تھوڑی ہو، جیسے ترازو میں ذرہ برابر خیانت اور بری نگاہ سے دیکھنا (عورت کو یا بے ریش لڑکے کو) اور برائی کے لیے ایک قدم اٹھانا اور جھوٹ بولنا، اور ممکن ہے کہ یہ جرأۃ علی اللہ کی وجہ سے کبیرہ گناہ لکھے جائیں۔

(۲) بعض لوگ ابتدائی دور میں سمجھتے کہ صغیرہ گناہ پر گرفت نہ ہوگی اور پھر معمولی سا صدقہ کرنے سے شرماتے اور خیال کرتے کہ اس پر کوئی جزا نہ ہوگی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فضائل سورۃ الزلزال

فضیلت ۱: حدیث شریف میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

اذا زلزلت تعدل ربع القرآن۔	اذا زلزلت الخ (سورۃ) چوتھائی قرآن مجید کے برابر ہے۔
(رواہ ابن شیبۃ مرفوعا)	

ف: اس (سورۃ) کی چار بار تلاوت کرنے سے پورے قرآن مجید کو پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

نکتہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنے) پر ایمان لانا چوتھائی ایمان ہے۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے:

لا یؤمن عبد حتی یؤمن باربع یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ بعثنی بالحق ویؤمن بالبعث بعد الموت و یؤمن بالقدر۔	کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے: (۱) گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ (۲) مجھے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ بھیجا ہے (۳) ایمان لائے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے (۴) ایمان لائے کہ تقدیر حق ہے۔

فضیلت ۲: بعض آثار میں ہے کہ سورۃ الزلزال نصف القرآن ہے۔

ف: اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام القرآن دو قسم ہیں:

(۱) احکام الدنیا

(۲) احکام الآخرۃ

اور یہ سُورۃ دونوں (دنیا و آخرت) کے اجمالی احکام پر مشتمل ہے ۔

حکایت مروی ہے فرزدق بن صعصعہ بن ناجیہ کا دادا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ اسے کچھ قرآن مجید سنائیں، آپ نے اسے یہی سورۃ سُنائی ۔ جب آپ نے فمن یعمل الخ پڑھا تو عرض کی ؛

حسبی حسبی (مجھے کافی ہے)

اس پر (فرزدق کا دادا) خوب شور و فغان اور آہ وزاری کرکے زمین پر گر پڑا اور خوب رویا ۔

ف : یہ آیت تمام آیات سے محکم تر ہے اسی لیے اس کا نام جامعہ ہے ۔

حکایت حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی مجھے اس کی تعلیم دو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دیا ۔ آپ نے اسے سورۃ زلزال پڑھائی ۔ جب وہ فمن یعمل الخ تک پہنچا تو کہا : حسبی (مجھے کافی ہے) آپ کو اس کا حال سنایا گیا تو آپ نے فرمایا ؛ دعه فقد فقه الرجل (اسے چھوڑ دو وہ سمجھدار انسان ہے ۔

سبق جسے یقین ہو کہ اس کا ذرہ برابر بھی حساب ہوگا وہ اس دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے ؎

(۱) حساب کار خود امروز کن کہ فرصت ہست ۔۔۔ زخیر و شر بنگر تا چہاست حاصل تو

(۲) اگر بنقد نکوئی توانگری خوش باش ۔۔۔ ورت بغیر بدی نیست وائے بر دل تو

ترجمہ : (۱) آج ہی اپنے کام کا حساب کر کہ تجھے فرصت ہے، خیر و شر کو دیکھ کہ تجھے اس سے کیا حاصل ہوگا ۔

(۲) اگر نقد نیکی ہے کہ تُو دولتمند ہے اور اس سے خوش ہو، اگر سوائے برائی کے اور کچھ نہیں تو تیرے دل پر سخت افسوس ۔

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) سورۃ الزلزال کی تفسیر ۲۸ جمادی الاول ۱۱۱۷ھ کو ختم ہوئی ۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کے ترجمہ سے ۳ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ کو فراغت پائی ۔

سُورۃ العٰدیٰت

ایاتہا ۱۱	(۱۰۰) سورۃ العٰدیٰت مکیۃ (۱۴)	رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ○ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ○ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ○ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ○ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ○ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ○ وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ○ وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ○ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ○ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ○ اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

قسم ہے ان کی جو دوڑتے ہیں سینے سے آواز نکلتی ہوئی، پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مارکر، پھر صبح ہوتے تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں پھر دشمن کے بیچ لشکر میں جاتے ہیں بیشک آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور بیشک وہ اس پر خود گواہ ہے اور بیشک وہ مال کی چاہت میں ضرور کڑا ہے تو کیا نہیں جانتا جب اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں اور کھول دی جائے گی جو سینوں میں ہے بیشک ان کے رب کو اس دن ان کی سب خبر ہے۔

سورۃ العادیات میں اختلاف ہے کہ یہ مکیہ ہے یا مدنیہ، اس کی بالاتفاق (بلاخلاف) ۱۱ آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

وَالۡعٰدِیٰتِ (قسم ہے (گھوڑوں) تیز دوڑنے والوں کی)

حلِ لغات : العادیات العادیۃ کی جمع ہے یعنی تیز دوڑنے والا از العدو

(دوڑنا) یاء واؤ سے تبدیل ہوئی ہے اس کے ماقبل کی کسرہ کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ان غازیوں کے گھوڑوں کی جو جنگ میں دشمنوں کی طرف تیزی سے دوڑتے تھے۔ ضَبْحًا (سینوں سے آواز نکلتی ہوئی) مصدر ہے منصوب بہ فعل محذوف سے حال ہے دراصل تضبح ضبحا ہے العادیات بتاویل الجماعۃ ہے۔

حلِ لغات ضَبْحٌ بمعنی دوڑنے کے وقت سانس کی آواز یعنی وہ آواز جو دوڑتے وقت گھوڑوں کے سانسوں اور پیٹوں سے سنائی دیتی ہے۔ اور یہ ہنہنانے کی آواز کی غیر ہے۔ الحمحمۃ جو دیکھ کر گھوڑے کی آواز۔ یا عادیات کی قسم ہے اس لیے کہ یہ ضبح کو مستلزم ہے گویا والضابحات ضبحًا۔ یا حال مصدر بمعنی فاعل ہے دراصل والعادیات ضابحات تھا۔

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا (پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر)

حلِ لغات الایراء (آگ نکالنا) القدح ایک قسم کی آگ۔ یعنی جب گھوڑے پتھروں پر پاؤں اور کُھر مارتے ہیں تو اس سے آگ نکلتی ہے۔ کہا جاتا ہے: قدح الزند فاوری (چقماق کو رگڑا تو اس سے آگ نکلی) وقدح فاصلا اور چقماق ایک دوسری پر ماری لیکن آگ نہ نکلی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قدح ایراء بخلاف ضُبُحٌ سے کہ وہ عدو سے متاخر ہوتا ہے کیونکہ اس کا سبب عدو ہوتا ہے اور سبب مسبب سے پہلے ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ گھوڑوں کے کُھروں سے آگ نکلتی ہے جب وہ پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں۔ پس قدح کُھر پتھر پر مارنے سے استعارہ ہے اور قدحاً کا منصوب ہونا ضبحاً کی طرح تین طرح ہے:

(۱) تقدح قدحاً

(۲) القادحات قدحاً

(۳) قادحات

فَالْمُغِيْرٰتِ (تو تاراج کرتے ہیں)

حلِ لغات اغار علی القوم غارۃً واغارۃ قوم پر لوٹ مار کے لیے گھوڑے دوڑائے۔ واغار الفرس لوٹ مار کے لیے گھوڑا سخت دوڑایا وغیرہ۔

سوال: لوٹ مار کا اسناد گھوڑوں کی طرف ہے حالانکہ یہ کام تو مجاہد کا ہے کیونکہ اس میں دشمن پر جھپٹنا اور قتل کرنا اور قیدی بنانا ہوتا ہے اور اس سے گھوڑے کا کیا کام۔

جواب: چونکہ اس کام کو عمدگی سے سرانجام دینے کا سبب گھوڑے ہیں اسی لیے اغارہ کا اسناد ان کی طرف کیا گیا۔

صُبْحًا (صبح کے وقت) نسب علی الظرفیۃ ہے یعنی صبح کے وقت میں، اور لوٹ مار میں عموماً یہی عادت ہوتی ہے کہ رات کو دشمنوں پر چڑھ دوڑتے ہیں اور لُوٹ مار صبح کے وقت ہوتی ہے کہ یہی غفلت کا وقت ہے حالانکہ اس وقت دیکھ سکیں کہ کون سی شے لُوٹنی ہے اور کونسی شے چھوڑنی ہے، اسی سے ہے ان کا قول، لوٹ کے خوف کے وقت: یا صباحاہ یعنی اے قوم! ڈرو اس شر سے جو صبح کے وقت ہماری طرف متوجہ ہوا ہے فَاَثَرْنَ بِهٖ (پھر اس وقت اُڑاتے ہیں) اس کا عطف اس فعل پر ہے جس پر اسم فاعل دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اس کا معنیٰ ہے وہ گھوڑے جو دوڑتے ہوئے پتھروں سے آگ نکالتے ہیں، پھر لوٹ مار کرتے ہوئے صبح کو (غبار) اڑاتے ہیں۔ یعنی اس وقت برانگیختہ کئے جاتے ہیں۔

حلِ لغات یہ دراصل اثورن تھا از ثور بمعنی الهیجان (برانگیختہ کرنا) واؤ الف سے تبدیل ہوا تو اثارن ہوا، پھر الف بوجہ التقاءِ ساکنین گرگیا تو اَثَرْنَ ہوا بروزن اَفَلْنَ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر فعل اغارہ کے لیے ہو اور بار سببیت یا ملابست کی ہے۔

نَقْعًا (غبار) یعنی اس وقت گرد و غبار اڑاتے ہیں۔

حلِ لغات نقع الصوت سے ہے یعنی آواز اُٹھی۔ غبار کو بھی اسی لیے غبار کہا جاتا ہے کہ وُہ زمین سے اُوپر کو اُٹھتی ہے۔ یا یہ نقع فی الماء سے ہے (غوطہ لگایا پانی میں) گویا غبار اڑانے والے نے غبار لگایا اسی لیے اس لفظ سے اسے موسوم کیا۔

نکتہ: اس کی تخصیص صبح سے اسی لیے ہے کہ لوٹ مار کے لیے غبار رات کو تو نہیں اٹھتی بلکہ صبح کو ہی اٹھتی ہے۔ اس سے آگ نکالنے کا سبب معلوم ہو گیا کہ وہ بھی عموماً دن کو تو نہیں بھڑکائی جاتی ہے بلکہ رات کو بھڑکائی جاتی ہے لیکن یہاں عام آگ کا بیان نہیں، بلکہ جنگ پہ جانے والے گھوڑوں کا بیان ہے جب وہ دن کو جنگ کے لیے پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو آگ ظاہر ہوتی ہے وُہ دن ہو یا رات (قربان قرآن کی فصاحت و بلاغت پر)

ف: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اثارالنقع اس لیے ہے کہ وہ مجاہدین لُوٹ مار کے وقت مختلف اطراف میں ہوتے دائیں بائیں آگے پیچھے، بوجہ جنگ میں کرّوفر کے اظہار کے، تو مجاہدین کے جانے کے پیچھے بڑی گرد و غبار اڑتی تھی جانے والے کی اور آنے والے کی وغیرہ۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ (پھر بیچ میں جاتے ہیں) اس وقت میں۔

حلِ لغات وسط بمعنی توسط۔ الباء ظرفیۃ ہے توسط بمعنی شے کے درمیان میں جانا۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ درمیان میں جاتے ہیں درانحالیکہ ملتبس ہوتے ہیں غبار سے اس معنیٰ پہ

بار ملابست کی ہے۔

جَمْعًا (دشمن کے لشکر میں)

حلِ لغات یہ جموع الاعداء سے ہے۔ یعنی دشمنوں کے درمیان میں گھس جاتے ہیں یہ وسطن کا مفعول بہ ہے فاآت اس دلالت کے لیے ہیں کہ ان سب کے مابعد ماقبل پر مرتب ہیں مثلاً توسط کا ترتب جمع پر اور جمع کا اثارۃ پر اور اس کا اغارۃ پر اور اس کا ایواء پر اور وہ عدو پر۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (بیشک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے) جوابِ قسم ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے کَنَدَ ابنعمۃ (نعمت کی ناشکری کی) کُنود (بالضم) ناشکری، (بالفتح) ناشکرا۔ اسی سے کِندہ (بالکسر) ہے۔ یہ لقب ہے ثور بن عُفیر کا جو یمن کے ایک قبیلہ حی سے ہے اس لیے کہ اس نے اپنے باپ کی ناشکری کی اور اپنے باپ سے علیحدہ ہو کر ماماؤں سے جا ملا۔

الکلبی نے کہا کہ کنود بزبان کندہ بمعنی عاصی، اور بلسان بنو مالک بخیل اور بلسان مضر و ربیعہ ناشکرا انسان سے اس کے بعض افراد مراد ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خصوصیت سے سخت ناشکرا ہے لربہٖ کا تعلق کنود سے ہے اس کی تقدیم تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اور رعایت فواصل بھی مطلوب ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ بنو کنانہ کے لوگوں کی طرف سریہ (لشکر) بھیجا اس پر امیرِ لشکر منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور یہ نقباء میں سے تھے ان کی ایک ماہ تک کوئی خبر نہ آئی منافقین نے کہا وہ مارے گئے۔ ان کے رد میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دی گئی کہ وہ بسلامت زندہ ہیں اور بشارۃ ہے کہ انہوں نے کفار سے کافی مالِ غنیمت پایا ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے منافقین پر تعریض ہے کہ یہ ناشکرے ہیں۔

ف: العادیات میں الف لام عہد کا ہے تو مقسم بہ ان مجاہدین کے گھوڑے ہیں، اگر جنس کا ہے تو تمام مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو جہاد میں ہوں، اور صفاتِ مذکورہ سے وہی موصوف ہیں دونوں تقدیروں پر یہ اس کا مستحق ہے کہ ان کی قسم یاد کی جائے کہ وہ ان صفات مشرفہ سے موصوف ہیں اور مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم سے براعۃ ہے جو اس سے بڑھ کر گھوڑوں کی شرافت و بزرگی اور کیا ہو سکتی ہے، گویا کہا گیا ہے کہ قسم ہے ان غازیوں کے گھوڑوں کی جن کے ایسے ایسے صفات ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے مخالفین (اسلام) منافقین کی مذمت کی ہے جو ان مجاہدین کے بارے میں کفرانِ نعمت کرتے تھے۔

سبق: اللہ تعالیٰ نے جب گھوڑوں کی شرافت کے پیشِ نظر ان کا اتنا اعزاز واکرام فرمایا ہے تو گھوڑوں والے

صحابہ کرام کی کتنی ارفع شان ہوگی (پھر ان کے اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت کا کیا کہنا کہ جن کے طفیل ان کو یہ اعزاز و اکرام نصیب ہو رہا ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

ماتحتوں پر ظلم کرنے والے کی مذمت

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الکنود هو الذی یضرب عبده ویاکل وحده ویمنع رفده (کنود وہ ہے جو اپنے عبد (ماتحت وغیرہ) کو مارے اور اکیلا کھائے اور اس سے عطیات روکے) یعنی کچھ نہ دے یعنی وہ بخیل ہے۔

حاتم طائی کے ہم زمان دو اور اعجوبۂ دوران

عرب میں تین شخص اعجوبۂ روزگار تھے:

(۱) حاتم طائی سخاوت میں مشہور تھا۔

(۲) ابو حباحب بخل میں بے نظیر تھا اس کی عادت تھی کہ اس کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی جب تمام لوگ سو جاتے تب روٹی پکاتا، لوگوں کے جاگنے سے پہلے اسے بجھا دیتا تاکہ نہ کوئی اس سے کھانا مانگے اور نہ اس کی آگ سے کوئی فائدہ اٹھائے۔

(۳) اشعب بن جبیر جو مصعب بن زبیر بن العوام کا غلام تھا پرلے درجے کا لالچی تھا۔

حکایت

(۱) مدرسہ میں ایک بچہ سبق یاد کر رہا تھا اس کے سبق میں تھا: ان ابی یدعوك (بیشک میرا باپ تجھے بلا رہا ہے) اشعب نے سمجھا اس بچے کا باپ اسے بلا رہا ہے فوراً سنتے ہی جوتا پہن کر اس کے باپ کے پاس جانے لگا تو بچے نے کہا کہ یہ جملہ میرا سبق ہے (اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا باپ تجھے بلا رہا ہے)

(۲) جب کوئی خارش کی وجہ سے گردن کو کھجلاتا تو یہ سمجھتا کہ وہ قمیص اتار کر اسے دے گا۔

(۳) جب کسی گھر سے دھواں اٹھتا دیکھتا تو کہتا یہ لوگ طعام پکا رہے ہیں مجھے بھی دیں گے۔

(۴) جب کوئی دلہن کو لے جا رہے ہوتے تو گھر کو صاف کرنے لگ جاتا کہ شاید اسے میرے لیے میرے گھر میں لائیں۔

(۵) خود کہتا کہ مجھ سے تو کتا زیادہ لالچی ہے کہ وہ روٹی کے ایک ٹکڑے کی خاطر ایک فرسخ (تین میل) کا سفر طے کرتا ہے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کنود اللہ تعالیٰ کو ملامت کرنے والا کہ مصائب تو اللہ تعالیٰ کو گن گن کر سنائے لیکن نعمتوں کو یاد تک نہ کرے۔

ف: حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا: وہ زمین جس سے خیر و بھلائی کی امید کم ہو یعنی کسی قسم کی انگوری نہ اگائے، گویا

وہ الکنود کا مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۱) حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا، کنود وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے محجوب ہو اور ان سے واقف ہو کر انہیں استعمال نہ کرے ان امور میں وہ لائق ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکے۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ناشکرا ہے نعمت وجود اور صفات و اسمائے کہ وہ اپنے مستقل طور مدعی ہے یا وہ ان کے استعمال غیر محل کا مرتکب ہے، یا بخیل ہے کہ وہ صرف اپنے لیے مخصوص سمجھتا ہے دوسری مخلوق اس کی رہبری نہیں کرتی۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ (اور بیشک وہ اس پر) انسان اپنی ناشکری پر لَشَهِيْدٌ (گواہ ہے) اسے خود کو اپنی ناشکری معلوم ہے کیونکہ اس کے اثرات اس پر بلسان حال ظاہر ہیں نہ کہ بلسان قال، یا یہ شہود ہے یعنی باوجودیکہ اسے اپنی ناشکری اور برے عمل کا علم ہے اس علم کی وجہ سے ہی وہ شدید مذمت کا مستحق ہے وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ (اور بیشک وہ مال کی محبت کے لیے) خیر سے مال مراد ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان ترك خيرا (اگر چھوڑا مال)

یعنی انسان دنیا اور اس کی طلب کو ترجیح دیتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے جنس مال کو خیر کہا ہے حالانکہ وہ کبھی خبیث بھی ہوتا ہے بلکہ حرام بھی۔

جواب: یہ عوام کی عادت کے مطابق فرمایا ہے اس لیے عوام عموماً مال کو خیر ہی سمجھتے ہیں۔ ان کی عادت کے مطابق اللہ تعالیٰ عموماً فرماتا رہتا ہے جیسے جہاد کو سوء (برائی) کہا۔ چنانچہ فرمایا:

لم يمسسهم سوء (انہیں نہ پہنچی برائی) یعنی قتال، اور قتال بری نہیں لیکن لوگ اسے سوء (بری) سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کے محاورہ و عادت پر اللہ تعالیٰ نے بھی اسے سوء کہہ دیا۔

لَشَدِيْدٌ (سخت ہے) یعنی قوی، اور اس کی طلب و تحصیل میں سر کی بازی لگاتا اور سر توڑ کوشش کرتا ہے اور اس پر مرمٹنے کو تیار رہتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کی محبت اور شکر نعمت میں کمزور اور ڈھیلا ہے۔ یہ شدید، هذا الامر وقوى له کے محاورہ سے ہے یہ اسے کہا جاتا ہے جو جو کسی کام کے لیے جان کی بازی لگا دے اور جب تک وہ کام ہو نہ جائے سر مو پیچھے نہ ہٹے، یا سخت بخیل ممسک (مکھی چوس) ہے یعنی وہ حب مال اور اس کے خرچ کرنے پر بوجھ محسوس کرتے ہوئے بخیل و ممسک ہے۔

نکتہ : پہلے انسان کو ناشکرا اور پھر اسے اس وصف قبیح سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ منافقین کے امور داعیہ میں سے ان کی منافقت کی ایک نشانی یہی حب المال بھی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ ایمان ظاہر کرتے ہیں دوسری طرف مال راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے، ادھر غنائم جمع کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

ف : حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر مال سے تجھے محبت نہیں تو اسے خرچ کرتا کہ تجھے اللہ اور عطا فرمائے اسے وارث کے لیے مت چھوڑ ورنہ اس کی حسرت تیرے اہل میں رہے گی سہ

مال ہماں بہ کہ بیاران دہی　　گر بدہی بہ کہ بخاکش نہی

زر زپے منفعت است اے حکیم　　بہر نہادن چہ سفال وچہ سیم

ترجمہ : مال وہی اچھا ہے جو دوستوں کو دیتے ہو، اگر انہیں نہیں دیتے تو بہتر ہے کہ اسے مٹی میں چھپا دو کیونکہ زر نفع اٹھانے کے لیے ہے اگر رکھنا ہی ہے تو پھر ٹھیکری اور چاندی میں کیا فرق ہے۔

اَفَلَا يَعْلَمُ (تو کیا وہ نہیں جانتا) یعنی جتنی قبائح کا اس نے ارتکاب کرنا ہے کرلے - یا یہ کہ ملاحظہ نہیں کرتا یعنی دنیا میں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا وجزا دے گا **اِذَا بُعْثِرَ** (جب اٹھایا جائیگا) یعنی قبر سے اٹھا کر نکالا جائیگا۔ اس کی تفصیل سورۃ الانفطار میں گزری ہے۔

ف : اذا کا ناصب محذوف ہے اور وہ لا یعلم کا مفعول ہے اس لیے کہ انسان سے اس وقت کا علم مراد نہیں بلکہ اس کا علم دنیا کا علم مراد ہے۔

مَا فِي الْقُبُوْرِ (وہ جو قبور میں ہے) موتیٰ میں سے۔

نکتہ : لفظ ما لانے میں اشارہ ہے کہ اُس وقت لوگ غیر ذوی العقول کے حکم میں ہیں۔

وَحُصِّلَ (اور جمع کیا جائیگا) وہ جو صحیفوں میں ہے یعنی ظاہر ہوگا ماحصل اور مجموعہ۔

حلِ لغات تحصیل دراصل ایک پوشیدہ کو نکالنا دوسرے مغمور فیہ کے ساتھ، جیسے مغز چھلکے سے اور سونا معدن کے پتھر سے اور دانۂ گندم بھوسہ سے، اور مکھن دودھ اور دہی سے اور جمع د اظہار تحصیل کے لوازم سے ہے اور جائز ہے کہ اس کا معنیٰ ہو خیر کو شر سے علیحدہ کیا جائیگا اسی لیے چھلنی کو محصل کہا جاتا ہے اس لیے کہ وُہ تحصیل یعنی صفائیِ آٹا وغیرہ کا آلہ ہے کیونکہ وہ چھان اور آٹے کو علیحدہ کرتی ہے، اسی لیے واجب، مندوب، مباح، مکروہ و محظور میں امتیاز ضروری ہے کیونکہ ان سب کا علیحدہ علیحدہ حکم ہے نماحصہ یہ کہ بعض کا بعض سے امتیاز اور ہر ایک کا ان میں سے اس کے حکم لاحق سے خاص کرنے کا نام تحصیل ہے۔

اور قاموس میں ہے کہ وہ جو حاصل ہو اس کی تمیز اور حاصل جو باقی و ثابت ہو اور جو اس کا ماسوا ہے وُہ

نہ رہے۔

مَا فِي الصُّدُوْرِ (وہ جو سینوں میں ہے) اسرارِ پوشیدہ میں سے، منجملہ ان کے وہ ہے جو منافقین کفر و معاصی دل میں چھپاتے ہیں چہ جائیکہ وہ اعمال جو ظاہراً اور کھلم کھلا کر رہے ہیں ہاں اعمال القلب کی تخصیص اس لیے ہے کہ اگر قلوب میں بواعث (اسباب) اور ارادت نہ ہو تو جوارح سے افعال صادر بھی نہ ہو ثابت ہوا کہ قلب العمل اور جوارح (اعضاء) اس کے تابع ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آثم قلبہ (اس کا دل گنہ گار ہے۔

حدیث شریف: اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یبعثون علیٰ نیاتھم (وہ اپنی نیتوں پر مبعوث ہوں گے) (یعنی اٹھائے جاؤ گے)

اِنَّ رَبَّهُمْ (بیشک ان کے رب کو) اس سے ان کے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: اب ضمیر ذوی العقول کیوں، حالانکہ انہیں پہلے لفظ ما سے تعبیر کیا گیا ہے جو غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے۔

جواب: تاکہ ان کے دو حالوں پر دلالت کرے کیونکہ وہ جب قبور میں تھے تو جمادات کی طرح تھے، گویا وہ بے عقل اور بے علم ہیں اگرچہ کان لھم نوع حیٰوۃ[1] (ان کے لیے ایک قسم کی حیات تھی) بخلاف وقت حشر کے۔

رد وہابیہ نجدیہ (کان لھم نوع حیٰوۃ سے وہابیوں نجدیوں کا رد ہو گیا کیونکہ وہ مُردے میں کسی قسم کے شعور و علم کے قائل نہیں۔ حشر کے وقت وہ بات نہ ہو گی جو انہیں قبور میں تھی بلکہ اس میں کامل حیات سے متصف ہوں گے۔ اویسی غفرلہٗ)

بِهِمْ (ان کی) یعنی ان کی ذوات وصفات و احوال اور جملہ تفاصیل کی يَوْمَئِذٍ (اس دن) جب وہ کچھ ہو گا جو اوپر مذکور ہوا، وہ جو مبعوث ہوں گے قبور سے اور حاصل ہو گا جو ان کے صدور میں ہے۔ لَخَبِيْرٌ (خبر ہے) یعنی عالم ان کے ظواہر و بواطن کا وہ علم جو جزا کا موجب اور اس کے ساتھ متصل ہے تاکہ اس کی تقیید بیوم سے ثابت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم مطلق تو ما کان و ما یکون (جو ہو گیا اور جو ہو گا) کو محیط ہے۔

ف: بھم و یومئذ خبیر کے متعلق ہے مقدم ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے اور لام اس سے مانع نہیں۔

فقیر اویسی غفرلہٗ تفسیر سورۃ العادیات کے ترجمہ سے ۲ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ شب ہفتہ فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

---

[1] روح البیان، ج ۱۰ ص ۴۹۸

سُورَةُ القَارِعَة

آیاتہا ۱۱	(۱۰۱) سورۃ القارعۃ مکیۃ (۳۰)	رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلۡقَارِعَۃُ ○ مَا الۡقَارِعَۃُ ○ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَۃُ ○ یَوۡمَ یَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ○ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ○ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ○ فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ○ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ○ فَاُمُّهٗ هَاوِیَۃٌ ○ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِیَهۡ ○ نَارٌ حَامِیَۃٌ ○

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

دل دہلا نے والی، کیا وہ دہلانے والی، اور تُو نے کیا جانا کیا ہے دہلانے والی، جس دن آدمی ہوں گے جیسے پھیلے پتنگے، اور پہاڑ ہوں گے جیسے دُھنکی اُون، تو جس کی تولیں بھاری ہُوئیں وہ تو من مانتے عیش میں ہیں، اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں وہ نیچا دکھانے والی گود میں ہے، اور تُو نے کیا جانا کیا نیچا دکھانے والی، ایک آگ شعلے مارتی۔

سورۃ القارعۃ مکیہ ہے اس کی دس یا گیارہ آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)
اَلۡقَارِعَۃُ (دل دہلانے والی)

حل لغات: القرع بمعنی ضرب شدید اور اعتماد دے کر اس سے سخت آواز حاصل ہو (ٹھوکنا)۔

اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ حوادث الدہر یہ عظیم حادثہ ٹھوکنے والا ہے جس سے دل دہل جائیں گے۔ اس سے قیامت مراد ہے جس کا مبداء نفخہ اولیٰ اور منتہیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ، اسی لیے اسے قارعۃ کہا جاتا ہے کہ وہ دہلانے والی ہے اور رگوناگوں گھبراہٹوں اور ہولناکیوں سے کان پھٹنے کو آئیں گے اور دل دہل جائیں گے اور اس وقت اجرام علویہ و سفلیہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نکلیں گے مثلاً آسمان کا انشقاق و انفطار سے شمس و نجوم کا تکویر و انکدار و انتشار سے اور ارض و جبال کا دک اور نسف سے۔ القارعۃ مبتدا اس کی خبر ہے مَا الْقَارِعَةُ (کیا ہے دل دہلانے والی) ما مبتدا اور القارعۃ خبر ہے۔ یعنی یہ کیسی عجیب شے ہے فخامۃ و فظاعۃ میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہری لانا تاکید ہے تہویل (ہولناکی) کے لیے وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ (اور تو نے کیا جانا کہ کیا ہے دل دہلانے والی) ما محلاً مرفوع مبتدا ادراك خبر یعنی تجھے کس نے خبر دی ہے کہ دل دہلانے والی کی شان کیا ہے اس کے عظم شان تک کسی کا علم و ادراک نہیں پہنچ سکتا۔

ربط چونکہ یہ جملے وعدہ کریمہ کی خبر دیتے ہیں اسی لیے ان کے پورا کرنے کا فرمایا کہ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ (اس دن ہوں گے لوگ) یعنی یہ وہ دن ہے کہ لوگ ہوں گے۔ یوم مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اس کا مفتوح ہونا فعل کی طرف اضافت کی وجہ سے ہے کیونکہ مضاف الیہ فعل مضارع ہے اور کوفیوں کے نزدیک ایسی اضافت جائز ہے یا اذکر محذوف ہونے کی وجہ سے یوم مفتوح ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمہیں کس نے بتایا کہ وہ کیا ہے۔

كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ (جیسے پھیلے پتنگے)

حل لغات فراش فراشۃ کی جمع ہے وہ پتنگے جو اڑتے ہیں اور روشنی کے ارد گرد پھیلے ہوتے ہیں اور آگ پر جل جاتے ہیں، یعنی پروانہ۔ المبثوث بمعنی متفرق، اسی سے فراشۃ القفل (تالے کا پتلا لوہا۔ المنجد) سے تشبیہ ہے کہ وہ تالے میں چھپا ہوا ہے۔ المبثوث (پراگندہ)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ انتشار اور ضعف اور ذلۃ و اضطراب میں داعی کی طرف جانے میں کثرت سے پتنگوں کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے جیسے پتنگے آگ کی طرف اڑتے ہیں۔ جریر نے کہا:

ان الفرزدق ما علمت وقومه

مثل الفراش غشين نار المصطلی

ترجمہ: فرزدق اور اس کی قوم نے وہ کام کیا جیسے پتنگے جلانے والی آگ میں اندھے ہو کر گرتے ہیں۔

ف: اس سے پتنگوں کی کثرت معلوم ہوئی اگرچہ بعض مقامات پر اس سے سعدی مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ

قول ساقط ہوگیا جو فرمایا کہ اس سے پتنگوں کی کثرت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ان کے مشبہ بہ اہلِ محشر ہیں تو جیسے وہ بکثرت ہیں تو مشبّہ یعنی پتنگے بھی بکثرت ہونے چاہئیں۔ ہاں اگر اس کی تفسیر چھوٹی ٹڈیوں سے ہو تو مناسب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا،

کانهم جراد منتشر (گویا وہ ٹڈیاں پھیلی ہوئی ہیں) جب وہ اڑنے کا ارادہ کریں۔

ردّ سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا

لغات میں فراش کی صغار الجراد (چھوٹی ٹڈیاں) تفسیر میں کہیں نہیں ہے۔

ف: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت ہذا میں مخلوق کو قبور سے اُٹھنے کے وقت پتنگوں سے تشبیہ دی ہے اور دوسری آیت میں چھوٹی ٹڈیوں سے، اور ٹڈیوں سے وجہ تشبیہ کثرت و اضطراب ہے اور فراش مبثوث سے ان کا مختلف جہات کی طرف حرکات سے کیونکہ جب وہ گھبرائیں گے تو ہر ایک اپنے دوسرے کی غیر جہت کی طرف جانے کی کوشش کرے گا جیسے پتنگے، کہ جب وہ اڑتے ہیں تو ایک جہت کو نہیں اڑتے بلکہ مختلف جہتوں کی طرف اڑتے ہیں (یا جیسے دورِ حاضرہ میں شیاطین کو کنکریاں مارتے وقت حجاج کا حال ہوتا ہے اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ

اس میں سالک فانی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شہودِ احدی میں ذلیل اور پتنگے کی طرح متفرق الوجہ ہوتا ہے اور حقیر اور ذلیل ترین کیونکہ اس کی عین وحدت میں کوئی قدر و قیمت اور وقعت نہیں ہوتی۔

تفسیر عالمانہ

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (اور پہاڑ ہوں گے جیسے دُھنکی اُون)

حلِ لغات

العهن مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی اُون۔ النفش اون، بالوں، روئی اور انگلیوں کو منتشر کرنا اور ان کے اجزاء کو علیحدہ علیحدہ کرنا انھیں باہم ملنے سے جُدا کرنا (دُھنکنا)۔

ف: حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جبال کے ریزے ریزے ہونے کے بعد اُون اور اس کے رنگا رنگ ہونے اور دُھنکی ہوئی ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے اور اون کی تخصیص جبال کے رنگا رنگ ہونے کی وجہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن الجبال جدد بیض و حمر مختلف	اور پہاڑ سفید اور سُرخ جن کے مختلف رنگ
الوانها و غرابیب سود	اور سیاہ بھجنگے ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اُس دن پہاڑ رنگا رنگ اُون جو مختلف رنگوں سے رنگی جائے اور اس کے اجزاء دُھنکے

جائیں کی طرح ہو کر ہوا میں اڑیں گے۔

ف : یہ دونوں امر نفخۂ ثانیہ کے بعد اور مخلوق کے حشر کے وقت قیامت کے آثار سے ہیں اسی دن اللہ تعالیٰ اس زمین کی غیر بنا دے گا اور اس کی ہیئت تبدیل فرما دے گا اور پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹ جائیں گے جیسا کہ مذکور ہوا کہ ان کی ہیأت ڈراؤنی ہوں گی تا کہ اہلِ محشر ان کا مشاہدہ کریں اگرچہ انہیں نفخۂ اُولیٰ کے وقت کوٹا گیا لیکن ان کا اڑنا اور زمین کا برابر ہو جانا نفخۂ ثانیہ کے بعد ہو گا۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ (تو جس کی تولیں بھاری ہوئیں)

حلِ لغات موازین موزون کی جمع ہے وہ عمل جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وزن اور قدر ہو، یا میزان کی جمع ہے، اور ثقل سے اس کا راجح ہونا مراد ہے اس لیے کہ حق راجح اور باطل خفیف ہے اور جمع تعظیم کی ہے یا اس لیے کہ ہر مکلف کے لیے ترازو ہے یا موزونات کے اختلاف کی وجہ سے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر بندے کے لیے ترازو ہے اس کی لسان اور دو پلڑے ہیں اس میں صرف بندوں کے اعمال تولے جائیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا وہ معاہدہ ظاہر کرے جو اس کے اور بندوں کے مابین تھا۔

مسئلہ : بعض نے کہا کہ اعمال کے صحیفوں کا وزن ہو گا تا کہ عدل کا اظہار ہو اور عذر کی کوئی گنجائش نہ ہو یا یہ کہ اعمال عرضیہ کو صور جوہریہ کا لباس اعمال کے مناسب پہنایا جائیگا اچھے اعمال کی اچھی صورتیں، قبیح کی قبیح شکلیں وہی صور جوہریہ ترازو میں رکھی جائیں گی جس کے اعمالنامے حسنات کے راجح ہوں گے۔

فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ (تو وہ من مانے عیش میں ہیں) یہ اسناد الی السبب کے قبیل سے ہے اس لیے کہ عیش پسندیدگی کا سبب ہے منعم عیش سے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے وہ عیش جس سے اس کا صاحب راضی ہو۔ سورۃ الحاقہ میں اس کی تفصیل گزری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جس کے اوصاف الٰہیہ و اخلاق لاہوتیہ غالب ہوں گے تو وہ ان اوصاف و اخلاق کی وجہ سے راحت و استراحت میں ہو گا۔

تفسیر عالمانہ **وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ** (اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں) سرے سے اس کی ایسی نیکیاں ہی نہ ہوں جن کا کوئی اعتبار ہو یا اس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں لوگوں کا حساب ہو گا جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی اگرچہ ایک تو وہ بہشت میں جائیگا اور جس کی برائیاں اس کی نیکیوں سے زیادہ

ہوں گی اگرچہ ایک تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ (تو وہ نیچا دکھانے والی گود میں ہے) فامّہ (اس کا ٹھکانا) ھاویۃ (جہنّم ہے) ھاویۃ دوزخ کے ناموں سے ایک ہے۔ اس نام سے اسی لئے موسوم ہے کہ اس کی گہرائی عمیق اور ٹھکانا نہایت نیچا ہے۔ مروی ہے کہ اس میں ستر سال تک اس کی گہرائی تک پہنچے گا۔ اور حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دوزخ کا درکہ جو تمام درکات سے نیچے ہے۔

ف : اسے اُم سے تعبیر کرنے کے چند وجوہ ہیں ؛

(۱) جہنم کے ٹھکانے کو دوزخی کے لیے اُم اس لیے کہا گیا کہ دوزخی اس میں ٹھکانا بنائے گا ، جیسے ماں کی گود بچّے کے لیے ہے اس میں تحکم ہے۔

(۲) دوزخ کا حصہ دوزخی کو یوُں گھیرے گا جیسے رِحم کی بچّہ دانی بچّے کو گھیرلیتی ہے۔

(۳) اُم بمعنی اصل ، اور کافر کی اصل نار ہے کہ اسی سے پیدا کیا گیا اور ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے اور یہی ظاہر معنی ہے۔

(۴) کشاف میں ہے کہ یہ ان کے قول ھوت امہ سے ہے جب کسی پر ہلاکت کی بددعا کریں تو جب وہ گرے اور ہلاک ہو تو اس کی ماں چیخنے چلاّنے اور غم میں گرتی ہے تو گویا کہا گیا کہ وہ شخص ہلاک ہوگیا۔

ف : قتادہ نے کہا کہ دوزخی دوزخ میں کھڑا ہوگا تو جہنم سے اس کا سر ٹکرائیگا ، کیونکہ دوزخ میں اسے اُلٹا گرایا جائے گا تو سب سے پہلے دوزخ میں ام الراس یعنی دماغ لگے گا ، یا وہ رقیق چمڑا جس میں دماغ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اور وہ جس کی تولیں ہلکی پڑیں اخلاقِ سیئہ اور اوصاف قبیحہ خبیثہ سے تو اس کی اصل (جس پر وہ پیدا ہوا ہے) ہاویہ ہے یعنی حجاب ازل تا ابد اور یہ آگ ہے شعلہ مارنے والی بوجہ نار جہل اور اندھاپن اور نفس کی لکڑیوں اور خواہشات کے اور شیطان و دنیا کی پھونک سے۔ اور لفظ ثقل و خفت میں اشارہ ہے سعادت مند اور شقاوت والوں کی طرف جو کہ دونوں فعل سیئہ میں مشترک ہیں اگرچہ سعادتمند کے افعال سیئہ مرجوحہ اور قلیل ہیں اور دوسرے کے راجح اور کثیر ہیں اور یہ آزمائش دار دنیا میں مرتفع نہیں ہوتی اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا ؛

یا علی اذا عملت سیئۃ فاعمل بجنبھا حسنۃ۔ اے علی ! اگر تجھ سے برائی ہوجائے تو فوراً نیکی کرلیا کرو۔

ف : حق تعالیٰ کا میزان مخلوق کی ترازو کے برعکس ہے اس لیے کہ موزونات کا اوپر ہونا ثقل اور نیچے ہونا خفت ہے (یعنی ہلکا ہونا) اس لیے کہ میزانِ الٰہی عدل پر مبنی ہے اور موزونات ثقیلہ یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ کے

نزدیک معتبر ان کی رہیں جن کی اس کے نزدیک معاملات ہیں۔ اور خفیفہ وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں اور وہ فانی و فاسد ہیں یعنی لذاتِ حسیہ اور شہوات۔ اور ھاویۃ میں اشارہ ہے کہ ہاویہ طبیعیہ جسمانیہ جن میں ان کا اہل گرتا ہے اور درحقیقت موزونات وہ استعدادات غیبیہ اور قابلیات علمیہ ازلیہ ہیں جن کے دونوں پلڑے برابر ہیں دائیں ہتھیلی کے ساتھ اور بائیں ہتھیلی کے ساتھ۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ (اور تو نے کیا جانا کہ نیچا دکھانے والی کیا ہے) ھِیَ ھاویۃ کی طرف راجع ہے۔ ہاء سکتہ واستراحت اور وقف کی ہے، اور جب قاری وصل کرے تو حذف کرے۔

ف: بعض نے کہا کہ اس کا حق یہ ہے کہ یہ درج کلام میں نہ ہوتا کہ اسے ادراج گرا نہ دے کیونکہ وہ مصحف میں باقی ہے اسی لیے اسے وصل کے ساتھ بھی ثابت رکھنا جائز رکھا گیا ہے۔

ف: حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ حمزہ و کسائی نے وصل میں ہاء کے بغیر پڑھا اور وقف کے وقت ہاء کے ساتھ، اور باقیوں نے وصل اور وقف میں ثابت رکھا، سورۃ الحاقۃ میں اس کی بحث مفصل گزری۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ وہ خارج از حدود معہودہ ہے کہ اسے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد بتایا نَارٌ حَامِيَةٌ (ایک آگ شعلہ مارنے والی) گرمی میں انتہا کو پہنچنے والی۔ کہا جاتا ہے، حمی الشمس والنار حمیا و حمیا و حموا اشتد حرھما وقد سبق یعنی سورج اور آگ کی گرمی سخت ہوگئی۔

الحمد للہ القارعۃ کی تفسیر کے ترجمہ سے فقیر اویسی غفرلہٗ ۲ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز ہفتہ فارغ ہوا۔

سُورۃ التکاثر

آیاتہا ۸	(۱۰۲) سورۃ التکاثر مکیۃ (۱۶)	رکوعہا ۱
	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○	
	اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ○ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ○ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ○ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ○ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ○ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ○	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
تمہیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے، یہاں تک کہ تم نے قبروں کا منہ دیکھا، ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے پھر ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے بیشک ضرور جہنم کو دیکھو گے پھر بیشک ضرور اسے یقینی دیکھنا دیکھو گے پھر بیشک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کی پرسش نہ ہو گی۔

سورۃ التکاثر مختلف فیہ اور اس کی آٹھ آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (تمہیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے)

حل لغات: اللھو جو انسان کو مشغول رکھے اس سے جو اس کا ارادہ و قصد ہے کہا جاتا ہے لھوت بکذا و لھوت عن کذا (میں ایسے لھو کی وجہ سے مشغول رہا) اور اس شے پر بھی اس کا

اطلاق ہوتا ہے جس سے نفع اٹھایا جائے۔ اور کہا جاتا ہے، الہٰی عن کذا (مشغول رکھا اس سے جو وہ اس کے لیے اہم امر تھا) التکاثر کثرت کی طلب اور اس پر فخر کرنا، مثلاً کہنا کہ ہم ہی اکثر ہیں یعنی تمہیں ہر دم اسی تصور نے کثرت کے غلبہ اور اس پر فخر نے مشغول رکھا اور کہتے رہے کہ ہماری قوم زیادہ ہے وغیرہ۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : لہو و عبث و تکاثر میں وقت صَرف کرنے کا نام الہاء ہے۔ جب بندہ کو لہو کی طرف پھیرا جائے تو بندہ اس کی طرف منصرف سمجھا جاتا ہے اور قانون ہے کہ جب کسی شے کی طرف کا انصراف دوسری طرف سے انحراف و اعراض ہی ہوگا اس تقریر پر الھٰکم بکذا کی تفسیر شغلکم سے اس کے اصل معنی کے مستلزم سے تفسیر کرنا ہے مگر یہ کہ یہ حقیقۃ عرفیہ ہو گی غلبہ کی وجہ سے۔

سوال : ملہٰی عنہ (جس سے اعراض کیا گیا) یعنی وہ شے جو ان کے لیے ضروری تھی امورِ دینیہ میں سے، کیوں محذوف ہے۔

جواب : تعظیم و مبالغہ کے لیے۔ تعظیم تو اس لیے کہ حذف تنکیر کی طرح ہے اسے بھی کبھی تعظیم کا ذریعہ و وسیلہ بنایا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں ابہام میں مشترک ہیں۔ اور مبالغہ اس لیے کہ محذوف کرنے سے خیال ہر ممکن اس طرف جاسکے گا جتنا اس کے امکان میں ہے تو وہ جمیع متعلقات اس میں داخل ہوں گے جو اس مقام کے لائق ہیں، مثلاً الھاکم التکاثر عن ذکر اللہ وعن الواجبات و المندوبات اور وہ جو قلب سے متعلق ہیں جیسے علم، تفکر، اعتبار یا جوارح سے، جیسے جملہ انواعِ طاعات۔

مسئلہ : التکاثر کا الف لام عہد کا ہے اور عہد مذموم وہی ہے جو کثرت طلبی امورِ دنیوی فانی میں ہو، جیسے مال و جاہ و اعوان (مددگار اور یار، آشنا، نوکر چاکر وغیرہ) اقرباء۔

مسئلہ : کثرت طلبی امورِ اخرویہ باقیہ میں ہو تو وہ ممدوح ہے جیسے علم و عمل اور اخلاق اور صحت و قوت اور غناء، وجمال اور اچھی آواز پر فخر کرنا جب تحدیثِ نعمت کے طور پر ہو۔

محمود فخر و تکاثر اسی سے ہے (ممدوح تکاثر) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سقایہ کے معاملے میں فخر کرنا کہ سقایہ میرے ہاتھ میں ہے۔

اور شیبہ کا فخر کرنا کہ بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہے۔

یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کفر کی سُونڈ (ناک) کاٹ ڈالی تو کفر کا مثلہ (ناک کٹا) ہوگیا۔ ہے۔

ف : تکاثر دو کا آپس میں مال اور گنتی (کثرتِ افراد) پر فخر کرنا، مثلاً ہر ایک دوسرے کو کہے کہ میں تجھ سے مال یا عدد میں زیادہ ہوں اور افراد کے لحاظ سے زیادہ طاقت ور ہیں لیکن یہاں عدد پر فخر مراد ہے۔

حکایت مروی ہے کہ بنی عبد مناف و بنی سہم نے ایک دوسرے پر فخر کیا اور گنتی شروع کر دی اور خود کو اسلام سے مشرف ہونے اور سعادت کی کثرت کا اظہار کرنے لگے دونوں نے کہا ہم سیادت (سرداری) میں زیادہ اور تعداد میں عظیم تر ہیں اس میں بنو عبد مناف نے بنو سہم پر برتری حاصل کر لی۔ بنو سہم نے کہا جاہلیت میں دشمنوں نے ہمیں فنا کر دیا اب مُردے اور زندے تمام گنتے ہیں۔

علامہ کاشفی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ دونوں قبیلے گورستان میں گئے اور قبریں شمار کیں کہ یہ قبر فلاں کی ہے اور یہ فلاں کی۔ اب کی بار بنو سہم بنو عبد مناف پر غلبہ پا گئے۔ اسی طریقہ سے ایک دوسرے پر فخر کرتے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم نے زندوں سے زیادہ طلبی کی **حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ** (یہاں تک کہ تم نے قبروں کا منہ دیکھا) یہاں تک کہ تم نے اپنی گنتی قبور سے پُوری کی اور تکاثر و تفاخر میں مُردوں کی طرف رجوع کیا یعنی گورستان میں آئے اور مُردوں (قبروں) کی گنتی کی، ان کے موتٰی کی طرف انتقال کو زیارۃِ قبور سے تعبیر فرمایا یعنی قبور کی زیارت کے ذکر سے ان کے ساتھ تہکّم ہے۔

نکتہ: علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زیارۃ قبور تو مشروع تھی کہ اس سے موت کی تذکیر اور حُبِّ دنیا اور کثرت میں فخر و مباہات کا ترک ہو لیکن انہوں نے اس کے برعکس کیا کہ زیارۃِ قبور کو قسوۃ قلبی اور استغراق حبِ دُنیا اور تفاخر فی الکثرۃ کا سبب بنایا۔

ف: یہ وہ خبر ہے جس میں تقریع و توبیخ ہے اور اس وجہ میں غایت مغیا کے تحت داخل ہے۔ بعض نے کہا کہ تمہیں غافل رکھا یعنی تمہیں مال و اولاد کی زیادہ طلبی نے غافل کیا یہاں تک کہ تم مرے اور قبور میں داخل ہُوئے درانحالیکہ طلبِ دنیا میں تم نے عمریں ضائع کیں اور جو تم نے مقصد کے لیے سعی کرنی تھی آخرت کے لیے اس سے تمہیں روگردان کیا اس تقریر پر زیارۃ القبور سے موت مراد ہو گی اور تکاثر سے تکاثر بالمال و الاولاد۔

حدیث شریف مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے یہ آیت سُنی گئی اور آپ اس کے بعد فرماتے تھے،

یقول ابن آدم مالی مالی و ھل لک من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت۔	ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال (اس کے جواب میں کہا جاتا ہے) تیرا وہی مال تھا جو تُو نے کھایا اور ختم کیا اور لباس پہنا اور پرانا کیا یا صدقہ دے کر ساتھ لے گئے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے اس لیے زائر واپس لوٹتا ہے نہ کہ وہاں مقیم ہو جاتا ہے۔

ف : حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ میں مقابر کو صرف زیارت ہی سمجھتا ہوں لیکن زائر وہ ہے جو یا گھر لوٹے یا بہشت میں جائے یا دوزخ میں۔

سبق : اس میں دنیا سے تحذیر اور آخرت کی ترغیب اور موت کے لیے تیاری کا سبق ہے ؎

روزے کہ اجل کند شبیخون — البتہ بیاید از جہان رفت

گر دل نبود اسیرِ دنیا — آسان رہ آن جہان توان رفت

ترجمہ : اس دن اجل حملہ کرے گا تو یہ آواز اُٹھے گی کہ فلاں اس جہاں سے گیا ، کوئی اگر دنیا کا قیدی نہ ہو تو وہ اس جہان کا راستہ آسانی سے طے کرے گا۔

كَلَّا (ہاں ہاں) رکاوٹ اس سے جسے تکاثر کا خیال ہے یعنی وہ معاملہ غلط ہے جو ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ فضیلت انسانی اور کثرتِ اعوان (یار و مددگار) اور کثرتِ قبائل اور کثرتِ اموال میں ہے اس خیال سے انہیں ہٹ جانا چاہیے اور اپنی خطا پہ متنبہ ہو جائیں اور اس میں تنبیہ ہے کہ عاقل کو لازم ہے کہ اس کا سب سے بڑا مقصد دنیا میں محصور و مقصور نہ ہو اس لیے کہ اس کا انجام و بال وحسرت ہے **سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** (جلد جان جاؤ گے) اس خطاب کو جس میں تم ہو جب تم اپنا اگلا دیکھو گے حشر کے میدان میں۔

ف : علم بھی معرفت ہے اسی لیے اس کے لیے ایک مفعول مقدر ہے وہ ہے انذار و تخویف ، تاکہ خائف ہو اور اپنی غفلت سے متنبہ ہو۔

ف : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے اردگرد لوگوں کی کثرت دھوکا نہ دے اس لیے کہ تُو اکیلا مرے گا اکیلا اُٹھے گا اکیلا حساب لیا جائے گا۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (پھر ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے) یہ تکرار ردع و انذار کے لیے تاکید ہے اور ثُمَّ کے لفظ میں دلالت ہے کہ دوسرا انذار پہلے سے ابلغ (زیادہ بلیغ) ہے کیونکہ اس میں تاکید ہے جس سے پہلا خالی ہے اس لیے کہ اس میں بعد مرتبہ کو بمنزلہ بعد زمان کے بنایا گیا ہے اور ثم کو مجرد استدراج میں استعمال کرنے کے بجائے درج الارتقاء میں استعمال کیا گیا ہے جیسے تم کسی کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہو :

اقول لك ثم اقول لك لا تفعل۔ — میں تمہیں کہتا ہوں پھر کہتا ہُوں کہ یہ کام نہ کر۔

پہلا موت کے وقت ہوگا جب اسے نزع روح کے وقت بہشت کی خوشخبری سنائی جائے گی یا دوزخ کی خبر دی جائے گی اور قبر میں جب اس سے منکر نکیر سوال کرینگے کہ تیرا رب کون ، تیرا دین کیا اور تیرا نبی (علیہ السلام) کون ہے۔ دوسرا النشور (قبور سے اٹھ کر حشر کے میدان کی طرف جانے) کے وقت جب منادی ندا دے گا فلاں ہمیشہ

ف: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ میں مقابر کو صرف زیارت ہی سمجھتا ہوں لیکن زائر وہ ہے جو یا گھر لوٹے یا بہشت میں جائے یا دوزخ میں۔

سبق: اس میں دنیا سے تحذیر اور آخرت کی ترغیب اور موت کے لیے تیاری کا سبق ہے ؎

روزے کہ اجل کند شبیخون   البتہ بیاید از جہان رفت

گر دل نبود اسیرِ دنیا   آسان رہ آن جہان توان رفت

ترجمہ: اس دن اجل حملہ کرے گا تو یہ آواز اُٹھے گی کہ فلاں اس جہاں سے گیا۔ کوئی اگر دنیا کا قیدی نہ ہو تو وہ اس جہان کا راستہ آسانی سے طے کرے گا۔

كَلَّا (ہاں ہاں) رکاوٹ اس سے جسے تکاثر کا خیال ہے یعنی وہ معاملہ غلط ہے جو ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ فضیلت انسانی اور کثرتِ اعوان (یار و مددگار) اور کثرتِ قبائل اور کثرتِ اموال میں ہے اس خیال سے انہیں ہٹ جانا چاہئے اور اپنی خطا پہ متنبہ ہوجائیں اور اس میں تنبیہ ہے کہ عاقل کو لازم ہے کہ اس کا سب سے بڑا مقصد دنیا میں محصور و مقصور نہ ہو اس لیے کہ اس کا انجام وبال و حسرت ہے **سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** (جلد جان جاؤ گے) اس خطاب کو جس میں تم ہو جب تم اپنا اگلا دیکھو گے حشر کے میدان میں۔

ف: علم بھی معرفت ہے اسی لیے اس کے لیے ایک مفعول مقدر ہے وہ ہے انذار و تخویف، تاکہ خائف ہو اور اپنی غفلت سے متنبہ ہو۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے اردگرد لوگوں کی کثرت دھوکا نہ دے اس لیے کہ تُو اکیلا مرے گا اکیلا اُٹھے گا اکیلا حساب لیا جائے گا۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (پھر ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے) یہ تکرار ردع و انذار کے لیے تاکید ہے اور ثُمَّ کے لفظ میں دلالت ہے کہ دوسرا انذار پہلے سے ابلغ (زیادہ بلیغ) ہے کیونکہ اس میں تاکید ہے جس سے پہلا خالی ہے اس لیے کہ اس میں بعد مرتبہ کو بمنزلہ بعد زمان کے بنایا گیا ہے اور ثم کو مجرد استدراج میں استعمال کرنے کے بجائے درج الارتقاء میں استعمال کیا گیا ہے جیسے تم کسی کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہو:

اقول لك ثم اقول لك لا تفعل۔   میں تمہیں کہتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ یہ کام نہ کر۔

پہلا موت کے وقت ہوگا جب اسے نزع روح کے وقت بہشت کی خوشخبری سنائی جائے گی یا دوزخ کی خبر دی جائے گی اور قبر میں جب اس سے منکر نکیر سوال کرینگے کہ تیرا رب کون، تیرا دین کیا اور تیرا نبی (علیہ السلام) کون ہے۔ دوسرا النشور (قبور سے اٹھ کر حشر کے میدان کی طرف جانے) کے وقت جب منادی ندا دے گا فلاں ہمیشہ

کے لیے شقی ہے اس کے بعد ہمیشہ تک اسے سعادت نصیب ہوگی اور جب کہا جائیگا ،

وامتازوا الیوم ایہا المجرمون ۔ آج علیحدہ ہو جاؤ اے مجرمو ۔

اس تقریر پر آیت میں تکرار لازم نہیں آیا کیونکہ دونوں میں تغایر زمانی ہے اور ان دونوں کا تعلق بھی مختلف ہے اور اسے دونوں زمانوں کے ہر ایک زمانہ میں علیحدہ قسم کا عذاب ہوگا اور ثم اپنے معنی میں ہے یعنی مُہلت (تعقیب بالتاخیر) کیونکہ موت ونشور کے دونوں زمانوں کو تباعد ہے ایسے قبور ونشور کے درمیان بھی تباعد ہے ۔

تفسیر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہمیشہ قبر کے عذاب کے متعلق شک میں رہے یہاں تک کہ یہ سورۃ نازل ہوئی الی ان قال ثم کلا سوف تعلمون یعنی عنقریب تم قبروں میں جان لوگے پھر قیامت ہیں ۔

حدیث شریف میں ہے :

یسلط علی الکافر فی قبرہ تسعة وتسعون	کافر پر قبر میں ننانوے 99 سانپ مسلط کیے جائیں گے
تنینا تهشه وتلدعه حتی تقوم	جو اسے کاٹیں گے اور ڈسیں گے حتیٰ کہ قیامت
الساعة لو ان تنینا منها نفخ فی الارض	قائم ہو، ان کا ایک سانپ اگر زمین پر پھونک
ما انبتت خضراء ۔	مارے تو زمین انگوری نہ اگائے ۔

كَلَّا (ہاں ہاں) تکرار تاکیداً تنبیہ کے لیے ہے ۔ **لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ** (اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے) لو کا جواب تہویل کے لیے محذوف ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہاں جواب محذوف ہو تو اس سے مقام کے مطابق جو ممکن احتمال تصور میں لایا جا سکے مقرر کیا جائے ۔ علم مصدر مضاف ہے اپنے مفعول کی طرف اس کا منصوب ہونا نزع الخافض کی وجہ سے یقین موصوف محذوف کی صفت ہے ۔ معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تم جانتے ہو جو تمہارے آگے ہے امر الیقین کا علم یعنی اگر تم جانتے جو تم یقین کرتے تو تم وہ کام نہ کرتے کہ جس کی وصف بیان نہ ہو سکتی اور نہ ہی اس کی کُنہ تک پہنچا جا سکتا لیکن تم گمراہ اور جاہل ہو ۔ اس تقریر یقین بمعنی متیقن بہ کو کمال یقین سے جاننا، گویا وہ عین الیقین ہے ورنہ ایک مترادف دوسرے مترادف کی طرف اضافت لازم آئے گی کیونکہ علم لغت میں بمعنی یقین ہے اور علم کو اضافۃ العام الی الخاص کیا جاتا ہے کیونکہ یقین علم سے اخص ہے اس لیے کہ علم عام ہوتا ہے ظن ویقین کو بہ اضافت بلد بغداد کی اضافت کی طرح ہوگی، اس پر ان کا قول العلم الیقین دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں آپس میں موصوف وصفت بھی ہوتے ہیں **لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ** (بیشک ضرور جہنم کو دیکھو گے) قسم مضمر کا جواب ہے اس میں وعید کی تاکید ہے

یعنی جو اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی ہے اس میں معمولی شک کی گنجائش بھی نہیں اس سے تہدید کو اور سخت کیا گیا اس کے ابہام کے بعد تفصیل میں تفخیم ہے اور یہ جائز نہیں کہ یہ لَو کا جواب ہو اس لیے کہ رؤیۃ جحیم محققۃ الوقوع ہے معلق نہیں کیونکہ اسے اگر لَو کا جواب بنایا جائے تو معنیٰ ہوگا کہ تم جحیم کو نہ دیکھو گے اس لیے کہ تم جاہل ہو اور وہ صحیح نہیں۔

ف : بعض نے کہا کہ اس کا لَو کا جواب ہونا صحیح ہے کیونکہ معنیٰ یہ ہے کہ جلد جان لو گے جزا کو، پھر فرمایا اگر تم ابھی جزا کو علم الیقین جانو تو جحیم کو دیکھو گے یعنی جحیم ہمیشہ تمہاری نظروں میں ہوگی کسی وقت میں بھی اوجھل نہ ہو۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا (پھر بیشک اسے ضرور دیکھو گے) یہ تکرار تاکید کا ہے یا پہلا دیکھنا بعید سے ہوگا اس کے بعض خواص اہوال (ہولناکیوں) کو جیسے اس کے شعلے اور دھواں وغیرہ دوسرا دیکھنا جب اس میں داخل کئے جائیں گے کیونکہ جہنم کے گڑھے میں داخل ہو کر گڑھے اور اس کے موذی حیوانات اور اس میں گرنے کا دیکھنا پہلے دیکھنے سے زیادہ روشن اور بہت کھلا ہوگا اس تقریر پر تنازع الفعلین عین الیقین میں ہوگا یا پہلے سے بھی معرفۃ اور دوسرے سے مشاہدہ و معائنہ۔ **عَيْنَ الْيَقِينِ** (یقینی دیکھنا) یعنی وہ رؤیۃ جو خود یقین ہے اس لئے کہ علم المشاہدہ للمحسوسات مراتب یقین میں سے انتہائی مرتبہ ہے اب یہ سوال اُٹھ گیا کہ اعلیٰ یقینیات اولیات ہیں تو پھر رؤیۃ کو عین یقین سے مقید کرنے سے اس رؤیۃ سے احتراز ہے جو غلط حس سے ہو۔

ف : عین الیقین کا منصوب ہونا اسی لیے ہے کہ وہ لترونہا کے مصدر کی صفت ہے اور رؤیۃ جو یقین کا سبب ہے خود اسے عین یقین بنا دینے میں مبالغہ ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (پھر بیشک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کی پرسش ہوگی) تیسیر میں ہے کہ ثم ترتیب فی الاخبار میں ہے نہ کہ وجود میں کیونکہ تجھ سے پوچھنا ہے کہ تو نے اس نعمت پر شکر کیا یا ناشکری کی۔

ف : یہ سوال موقف حساب دخولِ نار سے پہلے ہوگا، اب معنیٰ یہ ہوا کہ رؤیۃ الجحیم اور اس میں داخل ہونے کے دن تم سے ان نعمتوں سے سوال ہوگا جن سے لذت اٹھانے پر تمہیں دین اور اس کی تکالیف سے غافل کر دیا اب ان کی ناشکری پر تمہیں عذاب کیا جا رہا ہے۔

ف : یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو لذات کو پورا کرنے میں ہر وقت منہمک ہو، مثلاً ہر وقت اچھے کھانے اور اچھے لباس پہننے میں وقت گزارے اور لہو و لعب میں اوقات ضائع کرے اور اُسے نہ علم کی پروا ہو نہ عمل کی اور نہ اسے مشقات برداشت کرنا آتا ہو ورنہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نفع اٹھا کر طاعتِ الٰہی پر انہیں صرف کرتا اور شکر گزاری پر کمربستہ ہے تو وہ اس وعید شدید سے کوسوں دُور ہے۔

حدیث شریف : اسی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا جب آپ نے اور آپ کے صحابہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا، پھر فرمایا:

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا۔ — تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں کھلایا پلایا۔ (کشاف)

ف : آیت کے حکم میں کفارِ مکہ اور ان جیسے اور لوگ جو ایسے اوصاف رکھتے ہیں داخل ہیں اگرچہ وہ مومن ہوں بعض نے کہا کہ یہ آیت صرف کفار سے مخصوص ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں نعیم سے صحت وفراغت مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نعمتان مغبون فیہما کثیر من الناس — دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جاتا ہے

الصحۃ والفراغ۔ — (۱) صحت (۲) فراغت۔

ف : حدیث شریف میں ان دونوں نعمتوں کی عظیم فضیلت ہے اور جلالتِ شان کا اظہار ہے اس لیے کہ ان دونوں نعمتوں سے ہی دنیا کی مصلحتیں اور درجاتِ آخر حاصل ہوتے ہیں کیونکہ صحت قوائے ذاتیہ کے اجتماع سے خبر دیتی ہے اور فراغت اسباب خارجہ منفصلہ کے انتظام پر دلالت کرتی ہے اور مصالح دنیا وآخرت میں سے کسی مصلحت کی قدرت نہیں ملتی جب تک یہ دونوں (صحت وفراغت) نہ ہوں، باقی تمام نعمتیں ان دو نعمتوں کی توابع ولواحق ہیں۔

تندرست اور فارغ انسان سے سخت حساب

حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں سب سے سخت حساب فارغ اور تندرست انسان سے ہوگا، ان سے کہا جائیگا کہ تم نے ان دونوں نعمتوں کا کیسے شکر ادا کیا۔

ملفوظ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوائے اس جھونپڑے کے کہ جس میں بسر اوقات کی اور کپڑے کے جس نے جسم ڈھانپا اور روٹی کے ٹکڑے جن سے قوت پائی باقی ہر شئے کے ذرہ ذرہ پر سوال اور حساب ہوگا۔

ف : بعض سلف نے فرمایا: جس نے کھانے پر بسم اللہ اور فراغت پر الحمد پڑھی اس سے اس طعام کی نعمتوں سے سوال نہ ہوگا۔

ٹھنڈا پانی سبحان اللہ!

ایک شخص نے حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ سے عرض کی کہ میرا ہمسایہ ہے وہ حلوا نہیں کھاتا، وہ کہتا ہے کہ مجھ سے اس کا شکر ادا نہ ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا: تیرا ہمسایہ بڑا جاہل ہے کیونکہ ٹھنڈا پانی تمام حلووں اور میٹھی غذاؤں سے بڑھ کر نعمت ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اول ما یسأل العبد عنه من النعیم ألم نصح جسمك و نرودك من الماء البارد۔

سب سے پہلے نعمتوں سے انسان سے سوال ہوگا کیا میں نے تیرے جسم کو صحت نہ دی تھی، کیا میں نے ٹھنڈے پانی سے تیری پیاس نہ بجھائی تھی۔

پانچ نعمتیں عین المعانی میں ہے پانچ نعمتوں سے خصوصیت سے سوال ہوگا:

۱۔ پیٹ بھر کر کھانا
۲۔ ٹھنڈا پانی
۳۔ لذّتِ نوم (نیند)
۴۔ مکانات میں آرام کا قیام
۵۔ خلق از جسمانی ساخت کا اعتدال

نعمت ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابن کعب نے فرمایا کہ نعمۃ سے ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں، اس لیے کہ آپ نعمت ورحمت ہیں بدلائل ذیل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) یعرفون نعمة الله ثم ینکرونها۔ اللہ کی نعمت کو جانتے پہچانتے بھی ہیں پھر بھی انکار کرتے ہیں۔

(۲) وما ارسلناك الا رحمة للعٰلمین۔ ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر عالمین کی رحمت۔

ف: سب سے آپ کی دعوت وملّت واتباعِ سنّت سے سوال ہوگا ؎

چہ نعمتیست بزرگ از خدا کہ بر ثقلین
سپس داریٔ این نعمت است فرض العین

ترجمہ: کیسی بڑی نعمت خدا ہے ثقلین پر، اس نعمت کی شکرگزاری فرضِ عین ہے۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ نعمت دو قسم ہے:

(۱) جسمانی، اس کا شکر احکامِ شریعت کی محافظت سے۔

(۲) روحانی، اس کا شکر آدابِ طریقت کی رعایت سے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لئن شکرتم لازیدنکم (اگر شکر کروگے تو ہم تمہیں بڑھائیں گے)۔

ف : کوئی بھی عضو اور قوت ہو سب کے متعلق شکر گزاری مطلوب ہے ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا۔ — بیشک سمع و بصر اور دل ہر ایک سے سوال ہوگا۔

ہزار آیت کی ایک سورت

حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کوئی ایسا نہیں جو روزانہ ایک ہزار آیت پڑھے ۔ عرض کی گئی : وہ کیسے ؟ فرمایا : جو ایسا چاہتا ہے وہ سورۃ الہاکم التکاثر ایک بار روزانہ پڑھے (اتقان للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

نکتہ قرآن مجید کی چھ ہزار دو سو آیات ہیں ، ہزار پر زائد آیات ترک کی جائیں تو باقی چھ ہزار آیات بنتی ہیں ۔ اس طرح سے ایک ہزار آیات قرآن مجید کا چھٹا حصہ ہے اور یہ سورۃ (الہاکم التکاثر) قرآن مجید کے چھ مقاصد پر مشتمل ہے ، جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کے تین مقاصد مہمہ اور تین مقاصدِ متممہ ہیں اور تین مقاصد میں سے ایک مقصد معرفتِ آخرت ہے جس پر یہ سورۃ الہاکم التکاثر مشتمل ہے اسے اس معنیٰ پر ایک ہزار آیت سے تعبیر کرنے میں فہم زیادہ قریب ہے اور بزرگی کے لحاظ سے بڑھ کر ہے اس سے صحیح تر ہے کہ کہا جائے کہ یہ سدس القرآن ہے ۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ قاعدہ سورۃ الزلزلہ سے ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ وہ بھی احکامِ آخرت اور اس کی معرفت پر مشتمل ہے ، جیسا کہ گزرا کہ یہ سورۃ الزلزلہ نصف القرآن یا اس کا ربع ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ الف (ہزار) سے محض تکثیر مراد ہے اس لیے کہ سورۃ کا اول حصہ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے ، اور اللہ تعالیٰ سے توفیق وارشاد ہے ۔

الحمد للہ فقیر اویسی غفرلہٗ تفسیر سورۃ الہاکم التکاثر کے ترجمہ سے ۳ شعبان المعظم ۱۴۰۹ ھ بروز اتوار فارغ ہوا۔

سُورۃ العصر

اٰیاتھا ۳	(۱۰۳) سورۃ العصر مکیۃ (۱۳)	رکوعھا ۱
	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○	
	وَالۡعَصۡرِ ○ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ○ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	
	وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ○	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

اس زمانۂ محبوب کی قسم بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

سورۃ العصر کی تین آیات ہیں یہ مکیہ ہے یا مدنیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالۡعَصۡرِ (زمانۂ محبوب کی قسم)

(۱) اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ عصر کی قسم یاد فرمائی ہے اسی لیے عصر کا اکثر اطلاق اسی پر ہوتا ہے اور اس سے نمازِ عصر مراد ہوتی ہے اور یہ اس کی روشن فضیلت کی وجہ سے ہے کیوں کہ یہی صلوٰۃ الوسطیٰ ہے اس لیے کہ وہ طاق اور دوہری رکعات والی نمازوں کے درمیان ہے یعنی ظہر اور مغرب کے درمیان، اور مغرب کی نماز وتر نہاری سے تعبیر کرتے ہیں چونکہ وہ دو طرفوں کے درمیان ہے اسی لیے دو وصفوں سے موصوف اور دو حکموں سے ظاہر اور دو کمالوں سے متحقق ہوئی جیسا کہ برزخ کا حکم ہے اسی لیے اسے وہ قدر و منزلت حاصل ہوئی جو اس کی دونوں طرفوں والی نمازوں کو حاصل نہیں۔ علاوہ ازیں باقی چاروں نمازوں کے اوقات

محدود و متعین میں بخلاف عصر کے کہ اس کی حد معین نہیں (اسی لیے ائمہ کا مثل و مثلین کا اختلاف مشہور ہے) اسی لیے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ہے حدود و قیود سے، اسی لیے نماز میں تکبیر وضع کی گئی تاکہ نمازی اللہ کو منزہ ذات تصور کر کے نماز شروع کرے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ صلوٰۃ العصر کی چار رکعات میں تعینات اربعہ،

۱۔ ذاتیہ ۲۔ اسمائیہ

۳۔ صفاتیہ ۴۔ افعالیہ

مرتبۂ جمال کونی میں بالفعل ہیں، جیسے ظہر میں ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مرتبۂ جمالِ الٰہی میں بالفعل ہے اور اس میں شک نہیں کہ انسان جامع کون ہے اور عصر میں اسی طرف اشارہ ہے۔

فضائل صلوٰۃ العصر حدیث شریف میں ہے:

من فاتته صلاة العصر فكأنما وتر اهله و ماله۔ جس سے عصر کی نماز قضا کی قضا ہوئی گویا اس کا اہل اور مال تباہ ہو گیا۔

ف: یعنی نقصان، اس میں وعید ہے کہ جیسے اہل اور مال کے ضائع ہونے سے ڈرتا ہے اسے عصر کی نماز ضائع ہونے سے بھی ایسے ہی ڈر اور خطرہ ہو۔

نکتہ اس وعید میں نکتہ یہ ہے کہ عصر کی نماز کی ادائیگی میں زیادہ مشقت ہے بہ نسبت دوسری نمازوں کے، اس لئے اس وقت لوگ اپنے کاروبار تجارت اور دیگر معاملات کے سمیٹنے اور معاشی امور کو مکمل کرنے میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں، اس وقت ہوا بھی ٹھنڈی پڑ جاتی ہے بالخصوص ارضِ حجاز میں، تو اس وقت کا کاروبار نماز کے ترک وسہو کی وجہ سے خسران اور خذلان کا سبب ہے۔

حکایت ایک عورت مدینہ طیبہ کی گلیوں میں چیخ و پکار کر رہی تھی کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو پوچھا: تجھے کیا پریشانی ہے؟ عرض کی: میرا شوہر مجھ سے دور چلا گیا تو مجھ سے زنا ہو گیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا، پھر میں نے خوف سے وہ بچہ سرکہ کے بڑے مٹکے میں پھینک دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر ہم نے اس سرکہ کو بیچ ڈالا۔ کیا اتنے بڑے گناہوں کی توبہ قبول ہو گی؟ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زنا پر تجھے سنگساری ہو گی اور بچے کے قتل کی سزا جہنم ہے، اور سرکہ کے بیچنے میں تو نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا، لیکن میرا گمان ہے کہ تجھ سے عصر کی نماز فوت ہوئی (یہ تمام نحوست اسی کی وجہ سے ہے)۔

(۲) عصر سے نفس عصر کی قسم جیسے فجر کی قسم یاد فرمائی اس لیے کہ اس وقت اصل البشر حضرت آدم

علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اسی لیے اسے دوسروں پر زیادہ شرافت و بزرگی ہے۔
(۳) بعض نے کہا یہاں عشی کی قسم یاد فرمائی یعنی زوال و غروب کے درمیانی وقت کی، جیسے ضحیٰ کی قسم ہے اس لیے کہ اس وقت میں تمام دلائل قدرت ہیں۔

(۴) **نبوّتِ حبیب صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم کے زمانہ کی قسم** اللّٰہ تعالیٰ نے نبوتِ حبیب صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے کی قسم یاد فرمائی جس کا وقت گزشتہ ادوار میں سے اتنا بچ رہا جتنا غروبِ شمس سے پہلے عصر کا وقت بچ رہتا ہے یعنی بعثت مبارکہ سے لے کر آخر زمانہ تک اُمت کے اختتام تک اور وہ ایک ہزار سال ہے حضور اکرم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان استقامت امتی فلها یوم و ان لم تستقم فلها نصف یوم۔ — اگر میری اُمّت نے استقامت دکھائی تو ان کا ایک یوم ہے ورنہ آدھا۔

اور حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانۂ اقدس کی فضیلت دوسرے تمام زمانوں پر سب کو معلوم ہے کیونکہ وہ زمانہ خیر الانبیاء والمرسلین صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم اور خیر الامم و خیر الکتب الالٰہیہ کا ہے اور اس میں تمام کمالات تفصیلیہ ظاہر ہوئے۔

(۵) الدہر کی قسم یاد فرمائی ہے کیونکہ اعاجیب الامور القارۃ (قرار والے اور مارۃ (گزرنے والے) پر مشتمل ہے اور تعریض ہے کہ خسران کی دہر کی اضافت کرنا صحیح نہیں۔ اور انسان کی عام عادت ہے کہ تکالیف اور مصائب کو دہر کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور ہر شقاوۃ اور خسارہ اس پر محمول کرتا ہے اور قاعدہ ہے کہ کسی شئی کی قسم اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور جس کی طرف خسران منسوب ہو وہ عادۃً عظیم الشان نہیں ہوتا۔ اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبّوا الدهر فان الله هو الدهر۔ — دہر کو گالی نہ دو کیونکہ دہر وہی اللّٰہ تعالیٰ ہے۔

اس لیے کہ فہم عام میں وہ مشہود آیات الٰہیہ کا محل ہے رات اور دن اور شمس و قمر اور نجوم وغیرہ کی طرح ایسے ہی فہم خاص میں بھی کہ وہ (دہر) تجلیاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ کی صفات و افعال کا ظہور مظہر میں ہوتا ہے اور چونکہ العصر ان جمیع آیات کا جامع ہے جن کی اللّٰہ تعالیٰ نے قسمیں (قرآن میں) یاد فرمائیں جیسے والفجر ولیال عشر اور والشمس وضحاها اور والقمر اذا تلٰها اور واللیل اذا یغشٰی والنهار اذا تجلی اور والضحیٰ واللیل اذا سجی۔ العصر پر قسموں کو ختم فرمایا کہ یہ جمیع اقسام کا جامع ہے۔

(۶) زمانۂ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قسم (اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" نہایت عظیم الشان اور روحِ قرآن ہے، آپ نے والعصر کا ترجمہ وہی لکھا جو صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا ہے فقیر اویسی غفرلہٗ عربی عبارت مع تشریح لکھتا ہے)

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے:

اقسم اللّٰہ بکمال دوام الزمان واستمرارہ لاشتمالہ علی ولایۃ النبی علیہ السلام ونبوتہ ورسالتہ وخلافتہ لقولہ کنت نبیا و اٰدم بین الماء والطین ای بین ماء العلم وطین المعلوم ولقولہ نحن الاٰخرون السابقون ولقولہ حکایۃ عن اللّٰہ سبحانہ لولاک لما خلقت الافلاک انا من اللّٰہ والمؤمنون منّی۔

اللہ تعالیٰ نے دوامِ زمان واستمرار کی قسم یاد فرمائی کہ وہ ولایت النبی پر مشتمل ہے اور آپ کی نبوت ورسالت وخلافت پر بھی۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں نبی تھا اور آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے یعنی علم کے پانی اور معلوم کے گارے میں۔ اور فرمایا: ہم آخر میں ہیں لیکن ہیں سابق۔ اور اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا: اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک نہ بناتا۔ اور فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے ہوں اور مومن مجھ سے۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ (وہابیوں دیوبندیوں نجدیوں کی عام عادت بن گئی ہے کہ ان احادیث کو موضوع اور ضعیف کہہ کر انکار کردیتے ہیں، صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ مذکورہ بالا روایات لکھ کر بقاعدہ فنِ حدیث ان کی توثیق فرماتے ہیں کہ)

ویقوی ھذہ الاحادیث قولہ تعالیٰ وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین۔

ان احادیث کو تقویت آیت وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین سے ہوتی ہے۔

یعنی اپنے زمانہ والوں اور آنے والوں کے لیے رحمت ہیں ایسے ہی آپ سے پہلے والے، اس لیے العٰلمین معروف باللام ہے اور وہ عموم وشمول کی دلیل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْاِنْسَانَ (بیشک انسان) الف و لام جنس کا ہے یعنی استغراق کیونکہ اس کا استثناء اس کے عموم و استغراق کی دلیل ہے۔ لَفِیْ خُسْرٍ ضرور نقصان میں ہے۔

حلِ لغات الخسر و الخسران بمعنی نقصان اور راس المال کا ضائع ہو جانا جنس انسانی کے حق میں یعنی اس کے نفس اور عمر میں کیونکہ اس کی تنکیر تفخیم کی ہے یعنی وہ ایسے عظیم خسارے میں ہے جس کی کُنہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا سوائے اللہ تعالیٰ کے وہ اپنی تجارت میں اور صرفِ عمر میں سراسر نقصان میں ہے بالخصوص عمر کو مطالبِ ناپائیدار میں صَرف کرتا ہے ؎

مدہ بہ بیہودہ نقدِ عزیز عمر بدست
کہ بس زیان کنی و مر ترا ندارد ود

ترجمہ: بیہودہ دنیا کے ہاتھ میں عزیز عمر کا نقد نہ دے کہ زیان و نقصان کرے گا اور وہ کبھی تجھ سے محبت کرے گی۔

ف: گناہ ایک عظیم گھاٹا ہے کیونکہ جس کے حق میں گناہ کر رہا ہے وہ ذاتِ عظیم ہے یا اس لیے کہ گناہ ایک جلیل نعمت کے مقابلہ میں ہے اور یہ دونوں بندے میں گناہ کرنے میں ہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حق میں گناہ کرتا ہے اسی لیے وہ گناہ ایک عظیم جرم ہے۔ ممکن ہے کہ تنوین تنویع کی ہو یعنی ایک قسم کا خسارہ جسے لوگ نہیں جانتے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مگر جو ایمان لائے) اللہ تعالیٰ پر ایمان علمی یقینی اور جانتے ہیں کہ مؤثر حقیقی صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے اور وہ حجاب الدہر سے دُور ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور اچھے عمل کئے) یعنی فضائل و خیرات باقیہ کمائے اسی لیے وُہ نور استعدادی جو ان کا راس المال ہے پر نفع کمایا کہ انھیں نور کمال کا اضافہ ہُوا ایسے لوگوں کی تجارت میں کوئی گھاٹا نہیں اس لیے کہ انھوں نے فانی خسیس دے کر باقی نفیس حاصل کیا باقیات صالحات خرچ کر کے غادیات رائحات کمائے افسوس ہے اس پر جس نے بیع سے نفع نہ کمایا اور یہ ان کے نفوس کی تکمیل ہے۔

ردِّ معتزلہ و خوارج بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اس لیے کہ الا الذین اٰمنوا الخ کو ہی خُسران سے استثناء کیا ہے ان کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ غیر المستثنیٰ واقعی خسارہ میں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر کافر ہے تو وُہ دائمی طور دوزخ میں ہو گا، اگر عاصی ہے تو دوزخ میں جائے بھی تو اس میں ہمیشہ

نررہے تو یہ ممکن ہے اس کی بخشش ہو جائے لیکن درجاتِ عالیہ سے محروم رہے گا۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی) ان کے غیر کی تکمیل کا بیان ہے یعنی بعض دوسرے کو اس امر ثابت کی تلقین کرے جس سے انکار کی گنجائش نہ ہو اور دارین میں ان کے زوال کا امکان نہ ہو کیوں کہ اس کے محاسن کے آثار باقی ہیں اس لیے کہ وہ سارے کا سارا خیر ہی ہے یعنی ایمان باللہ اور اس کی کتابوں اور رسولوں کی ہر عقد و عمل میں اتباع وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی) گناہوں سے جن کا نفس مشتاق ہے جیسا کہ اس کی جبلی بشری عادت ہے اور طاعات پر جن کا نفس کو ادا کرنا شاق ہے اور ان امور پر جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔

سوال: تواصوا بالصبر تو تواصوا بالحق میں داخل ہے اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: (۱) اس کے کمال اہتمام کا اظہار ہے۔

(۲) تواصوا بالحق عبارت ہے عبادت کے اس رتبہ سے جس میں اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور تواصوا بالصبر عبارت ہے عبودیت کے اس رتبہ سے جس میں اس فعل سے راضی ہونا جو اللہ تعالیٰ نے کیا کیونکہ صبر صرف اس کا نام نہیں کہ نفس کو ان امور سے روکا جائے جن کے ترک یا فعل کا شوقین ہے بلکہ ظاہراً و باطناً خوشی و رضا سے وہ امور پا لینا جو اللہ تعالیٰ سے وارد ہوں۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے ربح (نفع) کا سبب ذکر فرمایا اور خسران کا سبب چھوڑ دیا صرف مقصود بیان کرنا ہے اور بس۔ کیونکہ مقصود وہ بیان کرنا ہے جس میں حیاتِ ابدیہ اور سعادتِ سرمدیہ سے کامیابی ہو اس سے آگاہ کرنا ہے کہ اس کے ماسوا سبب خسران و نقصان تک پہنچاتا ہے یا یہ بھی اس کا فضل و کرم ہے کہ خسارہ کی جانب میں ابہام اور دوسری جانب میں تصریح تاکہ بندے تصریح سے فائدہ اٹھائیں اور ابہام کے درپے نہ ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خسارے والوں کا نام تک نہ لیا اور ان سے اعراض برتا اور دوسروں کا ذکر صاف اور کھلے الفاظ سے فرمایا۔

جنتی چار یار مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے رب تعالیٰ نے آخر النہار کی قسم یاد فرمائی کہ ابوجہل خسارہ میں ہے مگر مومن یعنی ابوبکر اور عمل صالح والا عمر اور حق کی وصیت کرنے والا یعنی عثمان اور صبر کی تلقین کرنے والا یعنی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے منبر پر بیان فرمائی اس میں وتواصوا کا تکرار فاعل کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اور پہلی تقریر پر مفعول کے مختلف ہونے کی وجہ سے تکرار ہے یعنی بالحق و بالصبر کی وجہ سے۔

فضیلت سورۃ والعصر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر سوائے اس سورۃ والعصر کے اور قرآن نازل نہ ہوتا تب بھی یہ سورۃ کافی ہوتی۔ دوسرے اور بزرگ نے فرمایا کہ یہ سورۃ والعصر قرآن کے جمیع علوم پر مشتمل ہے تو ان کا مقصد بھی یہی ہے۔

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) سورۃ العصر کی تفسیر سے ۵ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۶ھ میں فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ والعصر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۴ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ میں فراغت پائی۔

سُورۃ الھُمَزۃ

رکوعھا ۱	(۱۰۴) سورۃ الھمزۃ مکیۃ (۳۲)	آیاتھا ۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۝ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۝ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ۝ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ۝ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ۝ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ ۝ اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ ۝ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ۝

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

خرابی ہے اس کے لیے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے جس نے مال جوڑا اور گن گن کر رکھا، کیا یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ رکھے گا، ہرگز نہیں، ضرور وہ روندنے والی میں پھینکا جائیگا، اور تُو نے کیا جانا کیا روندنے والی، اللہ کی آگ کہ بھڑک رہی ہے، وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی، بیشک وہ ان پر بند کر دی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں۔

تفسیر عالمانہ

سورۃ الھمزۃ مکیہ ہے اس کی نو آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

وَیۡلٌ (خرابی ہے) مبتدا ہے اگرچہ نکرہ ہے لیکن جائز ہے اس لیے کہ کفار پر بددعا ہے یا اس میں اتنا شدید شر ہے کہ وہ گویا معروف ہے اس کی

خبر ہے لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (اس کے لیے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے اور پیٹھ پیچھے بدی کرے)

حلِ لغات همز (توڑنا) لمز بمعنی طعن، لیکن دونوں لوگوں کی عزت کم کرنے اور ان پر طعن کے معنی میں شائع ہیں۔

القاموس میں ہے: الهامز والهمزة الغماز (چغلخور) اللمزة لوگوں کے لیے چیں بہ جبیں ہونے والا یا کسی کے منہ پر عیب کرنے والا۔ الهمزة لوگوں کے غائبانہ عیب بیان کرنے والا۔

قاعدہ: فعلة کا وزن اس کی عادت پر دلالت کرتا ہے۔ ضحكة و لعنة اسے کہا جاتا ہے جو ایسے افعال کا بکثرت اور بار بار مرتکب ہو۔ ادب الکاتب لابن قتیبہ میں ہے کہ فعلة بسکون العین مفعول کے صفات سے اور بفتح العین فاعل کے صفات سے ہے، کہا جاتا ہے: رجل هزءة (بالکسر) وہ جس سے استہزاء کیا جائے وهزأة (بالفتح) جو لوگوں کا استہزاء کرے، اسی قیاس پر لعنة (بالکسر) جس پر لعنت کی جائے لَعَنة (بالفتح) جو دوسروں پر لعنت کرے، ایسے ہی لمزة (بالکسر) و لمزة (بالفتح) کا فرق ہے وغیرہ وغیرہ۔

شانِ نزول یہ اخنس بن شریق یا ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی، دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبت کرتے تھے یا عام ہے زیادہ صحیح یہی ہے فرمایا جیسے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأۃ میں ہے (عین المعانی)

حدیث شریف میں ہے:

المؤمن كيس فطن حذر وقاف متثبت لا يعجل عالم ورع والمنافق همزة لمزة حطمة كحاطب ليل لا يدری من اين اكتسب وفيم انفق۔	مومن سمجھدار دانا چوکنا سوچ بچار والا اور ثابت قدم ہے عالم دین پرہیزگار عجلت باز نہیں، اور منافق منہ پر اور پیٹھ پیچھے عیب کرنے والا، گھڑا اٹھانے والا حاطب لیل (رات کو لکڑیاں لانے والا) نہیں جانتا کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمز و لمز دونوں رذیل اور جہل و غضب اور کبر (تکبر) سے مرکب ہیں اس لیے دونوں اذیت کے درپے رہتے ہیں اور لوگوں پر اپنی رفعت کے طالب ہیں اور دونوں لوگوں پر اپنی فضیلت چاہتے ہیں حالانکہ فی نفسہ ان میں کوئی فضیلت نہ ہو جس سے انہیں فضیلت دی جا سکے اسی لیے پھر لوگوں کی طرف عیب اور رذالت منسوب کرتے ہیں تاکہ ان کی

دوسروں پر فضیلت ظاہر ہو اور وہ نہیں سمجھتا کہ یہی خود رذالت ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں اور رذالت ہونے سے بھی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ ایسا آدمی نفس و شیطان کا فریب خوردہ اور دو صفاۃ رذیلہ قوۃ نطقیہ و غضبیہ سے موصوف ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا (جس نے مال جوڑا) یہ کُل سے بدل ہے، گویا کہا گیا ہے کہ خرابی ہے اس کے لیے جس نے مال جوڑا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو اس صفت معنوی سے کیوں موصوف فرمایا؟

جواب: یہ ہمزہ و لمزہ کے لیے سبب کے قائم مقام ہے اس اعتبار سے کہ اس نے مال جمع کر کے نفس کو عُجب میں ڈالا اور سمجھا یہ کہ مال کی جمعیت انسان کی عزت و فضیلت کا سبب ہے اسی لیے وہ غیر کو ناقص تصوّر کرتا ہے۔

سوال: اسے کُل کی نحوی وصف کیوں نہیں بنایا گیا؟

جواب: کُل نکرہ ہے اسے موصولات سے موصوف نہیں کیا جاتا۔

ف: مالًا کی تنکیر تفخیم اور اور تکثیر کی ہے وہ موافق ہے اس کے ارشادِ گرامی عدّدہ (اسے گن گن رکھا) کے یعنی اسے بار بار گن گن کر رکھا اور اس سے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا نہ کیا، یہ عدّ بمعنی گننا سے ہے، اس کی تائید احصاء سے ہوتی ہے نہ کہ عدّۃ (تیار کرنا) سے، عدّدہ بفک الادغام بھی پڑھا گیا ہے یہ فعل ماضی ہے بمعنی احصاہ و ضبط عددہ (اسے گنا اور اس کی گنتی کو مضبوط کیا) بعض نے کہا یہ عدّدہ سے بمعنی اسے تیار اور ذخیرہ کیا تاکہ حوادث و مصائب میں کام دے۔

ف: اخنس (بن شریق) مذکور کے پاس چار ہزار دینار یا دس ہزار دینار تھے (جو اس نے جمع کر رکھے تھے)۔

تفسیر صوفیانہ جَمَعَ میں اشارہ ہے قوّتِ شہوانیہ کی طرف، اور عدّدہ میں جہل کی طرف۔ اس لیے کہ جو مال نوائب (حوادثِ) زمانہ کے لیے جمع کر کے رکھتا ہے اسے کیا معلوم کہ خود یہی مال اسے نوائب (مصائب) کی طرف کھینچ کر لے جائے جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یوں تو اسے مصائب میں مبتلا کر دے کہ یہ انہیں کسی طریق سے بھی دفع نہ کر سکے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس نے اخلاق ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ کا مال جمع کیا اور اسے منازلِ آخرت اور دخول علی اللہ کے لیے تیار کیا۔

تفسیر عالمانہ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ (کیا یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ رکھے گا) مال کا اظہار (ورنہ ضمیر کافی تھی) زیادہ تقریر کے لیے ہے یعنی اسے

مضبوط بنیادوں میں پھراسے پتھروں اور پکی اینٹوں اور باغات لگانے اور نہر کھدوانے کے کام میں لگاتا ہے اس خیال میں ہے کہ وہ مرے گا نہیں اور یہ مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا اس تقریر پر حسبان اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ تمثیل پر محمول ہے۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا گمان ہے کہ اس کا مال اسے مقام خلد تک پہنچائے گا۔

نکتہ : اخلدہ فرمایا یخلدہ نہیں۔ اس لیے اس انسان سے مراد وہ انسان ہے جس کا گمان ہے کہ یہی مال خلود کو متضمن ہے اور وہ اسے موت سے امان دے گا گویا یہ وہ حکم ہے کہ اس سے تسلی کرکے فارغ ہو کر بیٹھ گیا کہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

کَلَّا (ہرگز نہیں) اس گمان باطل سے روکنا ہے یعنی ایسے نہیں جیسے مذکور انسان کا گمان ہے۔ بعض نے کہا یہ ہمز و لمز سے روکنا ہے **لَيُنْبَذَنَّ** (ضرور ضرور وہ پھینکا جائے گا) قسم مقدر کا جواب ہے اور روکنے کی علت کے بیان کے لیے جملہ مستانفہ ہے یعنی بخدا ضرور ضرور پھینکا جائیگا وہی جو گمان کرتا ہے کہ وہ نہیں پھینکا جائیگا وہ پھینکا جائیگا ان افعال مذکورہ کے سبب سے۔ بعض نے کہا کہ یہ ضمیر ہمزۃ و لمزۃ کی طرف لوٹائی جائے تو جائز ہے کیونکہ ایک قرأۃ میں لینبذان (تثنیہ) بھی ہے **فِي الْحُطَمَةِ** (روندنے والی میں) اس آگ میں جس کا کام ہے روندنا اور توڑنا ہر اس شے کو جو اس میں آئے، جیسے اس (جہنمی) کا کام تھا لوگوں کی عزت و آبروریزی اور مال جمع کرنا۔

سوال : بعض نے کہا جس نے قاعدہ بتایا کہ فعلۃ (بالفتح) بکثرت اور بار بار فعل کرنے والے کو کہتے ہیں وہ حطمۃ سے ٹوٹ گیا کیونکہ یہ وزن جہنم کے لیے آیا ہے اور حطم آگ کی عادت نہیں بلکہ طینۃ (فطرۃ) ہے۔

جواب : جہنم کا ایسا طبعی ہونا عادت کے منافی نہیں اس لیے کہ عادت بھی شے کی فطرت اور شان اور خاصیت کا نام ہے (قاموس) اور وہ عام طبعی ہو یا اس کی غیر۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ جہنم میں ان کی توڑ پھوڑ ان کے اعمال کی کامل جزا ہے کیونکہ اگر ان کی عادت ہمز و لمز تھی تو جہنم کی عادت بھی توڑ پھوڑ ہے تو فعلۃ کی صفت فعلۃ کے بالمقابل ہوگئی ایسے ہی وہ خود کو باکرامت باعزت سمجھتے تھے تو ان کی سزا پھینکنے سے مقرر کی گئی جو استحقار و استقلال کی خبر دیتی ہے ان کو حقارت سے اور قلت سے تشبیہ دے کر جبکہ وہ خود کو عزت والا سمجھتے اور بکثرت گن گن کر رکھتے یہ ایسے ہے جیسے کنکریاں لے کر ایک ایک کرکے دریا میں پھینکی جائیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں مرتبۂ فطرت سے مرتبۂ طبعیہ غالبیہ کی طرف گرنے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ (اور تونے کیا جانا کہ کیا ہے روندنے والی) اس کی ہولناکی کے حال کا بیان ہے کہ وہ ایسی نہیں کہ اسے عقول سے سمجھا جا سکے ۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ یہ اللہ تعالیٰ کی آگ ہے کہ بھڑک رہی ہے اس کے حکم و قدرت سے ، اور جسے اللہ تعالیٰ جلائے اور ہو بھی اس کے حکم سے تو پھر اسے کون بجھا سکتا ہے سوائے اس کے ۔ نار کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی تعظیم کے لیے ہے اور دلیل ہے اس کی کہ وہ دوسری آگ کی طرح نہیں ۔

حدیث شریف میں ہے :

اوقد علیہا ألف سنة حتی أحمرت	جہنم کی آگ ہزار برس دھونکی گئی یہاں تک کہ
ثم ألف سنة حتی ابیضت ثم ألف	سُرخ ہوگئی پھر ہزار برس دھونکی گئی تا آنکہ
سنة حتی اسودت فهی سوداء مظلما۔	سفید ہوگئی پھر ہزار برس دھونکی گئی حتّٰی کہ
(ترمذی)	سیاہ ہوگئی تو وہ سیاہ ہے اندھیری ۔

ف : سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

عجبا ممن یعصی اللہ علی وجه الارض	اس پر تعجب ہے جو زمین کے اوپر گناہ
والنار تسعر من تحته ۔	کرتا ہے اور آگ اُس کے نیچے سُلگ رہی ہے ۔

الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی) قلوب کے اوساط پر چڑھ کر انہیں ڈھانپ لے گی اس لیے کہ فواد قلب کے وسط میں ہے اور روح کے متصل ہے یعنی وہ آگ جو ہڈیاں توڑ کر گوشت کھا جائیگی پھر اہلِ شہوات کے پیٹوں میں داخل ہو کر ان کے سینوں تک پہنچ جائے گی اور قلوب کے اوساط پر حملہ کر کے انہیں بالکل راکھ بنا دے گی اور وُہ مٹ جائیں گے پھر از سرِ نو ان کے گوشت اور ہڈیاں پیدا فرمائیگا ۔

نکتہ فواد کی تخصیص اس لیے ہے کہ جسم میں لطیف تر یہی قلب کا درمیانہ (فواد) ہے اور معمولی سی ٹھیس لگنے سے درد محسوس کرتا ہے یا اس لیے کہ ٹیڑھے عقائد اور خبیث نیّات کا مرکز اور اعمال سیئہ کا منشا یہی جگہ ہے تو آگ کا فواد پر چھا نکنا یہی ہوا کہ جسم کے خزانہ کو جلا کر راکھ بنانا ہے اور اس کی امانتوں کے مرکز کو تباہ کرنا ہے ، اور پھر جب مرکز تباہ ہوگا تو جسم کا تباہ ہونا تو بطریق اولیٰ ہے ۔

لطیفہ صوفیانہ صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ وُہ آگ جو دل کو جلائے وہ نہایت ہی عجیب شے ہے ۔

منصور حلّاج رحمہ اللہ تعالیٰ کی آتش کی کیفیت حسین منصور حلّاج قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ نار اللہ الموقدة کو ہمارے باطن پر

ستر سال جلایا گیا، جب ہم سارے کے سارے جل گئے تو اچانک انا الحق کی بھٹی سے ایک چنگاری اڑ کر اس جلے ہوئے ڈھانچے پر پڑی، اب کوئی جلا ہوا خبر دے کہ ہمارا جلنا کتنا زیادہ ہوا ہے

اے شمع بیا تا من و تو زار بگرییم
کا حوال دلِ سوختہ ہم سوختہ داند

ترجمہ، اے شمع آ تاکہ میں اور تو خوب روئیں کیونکہ جلے ہوئے دل کے حالات کو جلا ہوا ہی جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (وہ ان پر بند کی جائے گی) وہ آگ جس کا اوپر ذکر ہوا اس کے دروازے ان پر بند کر دیئے جائیں گے تاکہ اس سے نہ نکلنے پر تاکید ہو اور انہیں یقین ہو کہ وہ اس میں ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے گئے۔

حلِ لغات یہ اوصدت الباب و اصدتہ (میں نے دروازہ بند کیا اور خوب بند کیا) سے ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ البلد میں گزری۔

فِيْ عَمَدٍ (ستونوں میں) عمود کی جمع ہے (قاموس) درانحالیکہ وہ بندھے ہوئے ہوں گے ستونوں میں مُّمَدَّدَةٍ (جو لمبے لمبے ہیں)

حلِ لغات یہ تمدیدٌ (بمعنی کھینچنا) سے ہے لمبے لمبے رسّوں میں، جن سے چوروں کو باندھا جاتا ہے جو ان کے ایک کنارے پر ڈال کر باندھا جاتا ہے القطر بمعنی جانب مقطرۃ بمعنی وہ لکڑی جو چور کے پاؤں میں ہو اور اشطار وہ لکڑی جس میں سوراخ ہوں کہ جس میں چور کے پاؤں داخل کیے جائیں تاکہ وہ بھاگنے نہ پائے۔ فی عمد، علیھم کی ضمیر مجرور سے حال ہے یا مؤصدۃ کی صفت ہے (قالہ ابوالبقاء) یعنی ہونے والے ہیں لمبے لمبے ستونوں میں کہ ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور دروازوں پر لمبے لمبے ستون ہوں گے۔ یہ چھوٹے ستونوں کی بہ نسبت زیادہ پختہ ہوتے ہیں باندھنے کے لیے کہ ان میں ہوا داخل نہیں اور نہ ان سے غم خارج ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے اخلاق و اوصاف و اعمال کے ستونوں کے مضبوط ہونے کی طرف جو ارض ذلت و خواری اور خسران میں ہیں اس لیے کہ اہلِ حجاب کی کوئی عزت نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حجاب سے ذلیل و خوار نہ کرے بیشک وہ وہاب ہے۔

بفضلہ تعالیٰ فقیر اویسی تفسیر سورۃ الھمزہ کے ترجمہ سے ۴ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز پیر فارغ ہوا۔
الحمد للہ علیٰ ذالک۔

سُورۃ الفیل

آیاتھا ۵	(۱-۵) سورۃ الفیل مکیۃ (۱۹)	رکوعھا ۱
	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○	
	اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ○ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ○	
	وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ○ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ○ فَجَعَلَہُمۡ	
	کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ○ ع	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا، کیا ان کا داؤں تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے تو انہیں کر ڈالا کھائی کھیتی کی پتی۔

سورۃ الفیل مکیہ اور اس کی پانچ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب تعالیٰ نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا) یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے ہمزہ رؤیۃ کی تقریر اور اس کے عدم کے انکار کے لیے ہے کیف فعل رؤیۃ کے متعلق اور منصوب ہے ما بعد سے اور یہاں رؤیت علمی مراد ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی تھی۔ ہاتھی والوں سے مراد ابرہہ اور اس کا لشکر ہے۔ الفیل ان کا بڑا ہاتھی جس کا نام

محمود تھا اس کی کنیت ابو العباس تھی (تفصیل آگے آئے گی) یہ سب اس کی طرف اس لیے منسوب ہوئے کہ وہ سب کے آگے تھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو (مضبوط پختہ برائے مشاہدہ ومعائنہ) علم نہیں اخبار متواترہ ومعاینہ آثار سننے سے۔

سوال : تعلیق رویۃ فعل باری تعالیٰ سے کیوں، اپنی ذات سے کیوں نہیں ؟

جواب : حادثہ کی ہولناکی کے لیے، اور خبر دینا ہے کہ اس حادثہ کی کیفیت ہولناک تھی اور وہ بیات عجیبہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور کمال علم وحکمت اور عزت بیت اللہ وشرف رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل تھیں اس لیے کہ وہ ارہاصات تھے۔

ارہاص کیا ہے ؟ ارہاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہوئے جو معجزہ کے مشابہ اور اسے مضبوط کرنے اور بطور مقدمہ ہوتا ہے، جیسے نبی علیہ السلام پر نبوت کے اظہار سے پہلے بادلوں کا سایہ کرنا اور پتھروں اور ڈھیلوں کا آپ سے گفتگو کرنا۔

حلِ لغات بعض نے کہا کہ ارہاص یعنی الترصد ہے وہ امور عجیبہ وغریبہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارکہ کے بعد ظاہر ہوئے کیونکہ وہ ارصادات نبوت کے مشاہدہ کے لیے ہوتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے ارہاص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود (پیدائش) اور اعلانِ نبوت سے پہلے ہوئے۔ بعض نے کہا ارہاصات آپ کی ولادت کے زمانہ سے تھوڑا عرصہ پہلے شروع ہوئے جیسے اصحاب الفیل کا قصہ، لیکن پہلے قول کو راجح کہا گیا ہے۔

سوال : اصحاب الفیل کا قصہ اور ولادت کا ایک سال ہونا امر اتفاقی ہے اور یہ اس سے مانع نہیں کہ وہ تعظیم کعبہ کے لیے ہو۔

جواب : کعبہ کی شرافت بھی تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہے کیا پہلے تم نے نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کی قسم یاد فرمائی تو اس کی علت وانت حلٌّ بہذا البلد (اور تم اس شہر میں مقیم ہو) بتائی۔

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ واقعہ فیل نصف محرم سنِ مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ ربیع الاول (کی ۱۲ تاریخ) کو ہوئی۔ واقعہ فیل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے درمیان پچپن (۵۵) راتوں کا فاصلہ ہے اور بحکم التواریخ یونانیہ معتمدہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے پر ۶۱۶۳ء گزرا تھا۔ اور مؤرخین کا اسی پر اعتماد ہے اور واقعہ فیل اور ہجرت مبارکہ نبویہ کے درمیان ترپن (۵۳) سال کا فاصلہ ہے۔

ف: قصہ اصحاب الفیل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے گا وہ بھی اس کے ساتھ کرے گا، جیسے کعبہ معظمہ کے بدخواہوں سے کیا۔ اس میں ان کے بدخواہوں کو تہدید ہے۔

قصہ ذونواس یہودی

ملک حمیر یعنی ذونواس نے جب اہلِ ایمان کو آگ سے جلایا جس کی تفصیل اصحاب الاخدود سورہ بروج میں گزری ہے تو ان کا ایک جوان بھاگ کر حبشہ کے پاس چلا گیا حبشہ کا بادشاہ اصحمہ بن بحر النجاشی تھا (تخفیف البار) وہ خوش قسمت بادشاہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے اس کی خبر دی۔ اس جوان اصحمہ کو ابونواس کی جنگ کے لیے ابھارا، اصحمہ نے ستر ہزار بہادر حبشہ سے یمن کی طرف جنگ کے لیے بھیجا اور ان پر ارباط کو امیرِ لشکر مقرر فرمایا، اور اس کے لشکر میں ابرہہ بن الصباح اشرم بھی تھا۔

ف: لغتِ حبشہ میں ابرہہ بمعنی سفید چہرے والا۔ اور اشرم کا معنی آئیگا (ان شاء اللہ تعالیٰ) یہ حبشی لشکر دریائی سفر کرکے یمن کے قریب ساحل پر فروکش ہوئے ارباط نے ذونواس کو شکست دی اور اسے معرکۂ جنگ میں ہی قتل کردیا یا ذونواس نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی اور یہاں ملک یمن ارباط کے سپرد کیا گیا اور عرصہ تک شاہی کی یہاں تک کہ ابرہہ کے اختلافات برپا ہوئے۔

یمن میں ابرہہ کی شاہی کا آغاز

ابرہہ لشکر کا ایک امیر تھا اس کے اختلاف سے حبشی لشکر کے دو گروہ ہوئے، ایک ارباط کے ساتھ دوسرا ابرہہ کے ساتھ۔ حتی کہ جنگ تک نوبت آگئی اور مقابلہ کا اعلان ہوگیا اور معرکۂ جنگ میں اپنی اپنی جگہوں سے چل پڑے جب دونوں گروہ جنگ کے لیے آمادہ ہوگئے تو ابرہہ نے ارباط کے پاس ایلچی بھیجا کہ خواہ مخواہ لشکریوں کو نہ مروائیں صرف تُو اور میں آمنے سامنے لڑیں، جو غالب ہوجائے شاہی اسی کی۔ ارباط نے مان لیا۔

ارباط اور ابرہہ کا تعارف

ابرہہ کی کنیت ابویکسوم تھی اور چھوٹا قد اور موٹے جسم والا تھا مذہب کا نصرانی تھا اور ارباط عظیم طویل القامت تھا اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا ابرہہ کے پیچھے اس کا غلام عتود نامی تھا جو پیچھے سے اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ ارباط نے ابرہہ کے سر پر نیزہ مارا جو ابرہہ کے ماتھے پر گرا جس نے اس کا ابرو اور ناک اور آنکھ اور دونوں لب کاٹ ڈالے، اسی لیے اسے ابرہہ الاشرم کہتے ہیں۔ پھر ابرہہ کے غلام عتود نے اس کے پیچھے سے ارباط پر حملہ کرکے قتل کردیا اس کے بعد ارباط کا تمام لشکر ابرہہ کے ساتھ ہوگیا اور تمام حبش بلا اختلاف اس کے زیرِ نگیں ہوگیا لیکن اس کارروائی کا علم شاہِ حبش کو نہ تھا جب اُسے معلوم ہُوا تو ابرہہ سے سخت ناراض ہُوا اور کہا کہ ابرہہ بہت نالائق ہے کہ جس نے میرے مقررکردہ امیر کو قتل کردیا اور خود امیر بن بیٹھا ہے اور مجھ سے اجازت بھی نہیں لی۔ قسم کھائی

کہ ابرہہ کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ جب ابرہہ کو معلوم ہوا تو اس نے سر منڈا کر ایک مشک یمنی مٹی کی بھر کر مع بے شمار ہدایا و تحائف بھیج دی اور لکھا کہ اے بادشاہ! اریاط بھی تیرا خادم تھا اور میں بھی، اور ہم دونوں آپ کے متعلق ہی لڑے ہیں اور مجھ پر تو آپ کے ہر امر کی اطاعت فرض ہے لیکن حبشہ کا معاملہ میں ہی خوب نبھا سکتا ہوں اور اس ملک کو خوب مضبوط رکھوں گا اور میری سیاست خوب چلے گی لیکن آپ کے حکم سے سر مُو نہ ہٹوں گا۔ سنا ہے آپ نے قسم کھائی ہے آپ کے غصّہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سر منڈوا دیا تاکہ میرا عجز ظاہر ہو اور یمن کی مٹی کی مشک اس لیے بھیجی ہے کہ آپ اسے اپنے قدموں کے نیچے بچھا کر قسم سے آزاد ہو جائیں، جب یہ کتاب ابرہہ (خط) پہنچی تو بادشاہ ٹھنڈا پڑ گیا اور اس سے خوش ہو گیا اور لکھا کہ یمن پر قابو ہو یہاں تک کہ میرا حکم ثانی پہنچے، اس طرح سے ابرہہ یمن کا مستقل طور پر بادشاہ بن گیا

ابرہہ کا کعبہ ڈھانے کا عزم

ابرہہ نے دیکھا کہ لوگ کعبہ معظمہ کے طواف کے لیے دور دور سے عرب (مکہ معظمہ) کو جاتے ہیں اس سے اس کی حسد کی آگ بھڑکی، اس نے صنعاء میں ایک کنیسہ (عبادت خانہ) بنوایا اور چاہتا تھا کہ حج کرنے والے بجائے مکہ مکرمہ کے یہیں آئیں اور اسی کنیسہ کا طواف کریں۔

کعبہ کی بجائے کنیسہ کی تعمیر

یہ کنیسہ (گرجا) رنگا رنگ سنگِ مرمر تھا۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ اسکے در و دیوار زر و جواہر سے مرصّع و مزیّن کرائے۔ انسان العیون میں ہے کہ اس گرجا کی نقش و نگاری میں بڑی جد و جہد کی اور اس میں بہترین قیمتی سنگِ مرمر لگایا اور پتھروں کو سونے کے جڑاؤ سے سنگارا اور اس کے اکثر پتھر بلقیس صاحبہ سلیمان علیہ السلام کے محلّات سے اٹھوائے گئے۔ اور اس میں صلیبیں سونے چاندی کی اور منابر (منبر) عاج و آبنوس کے، اس کے قلیس کا نام تجویز رکھا اس کی عمارت کے ارتفاع کی وجہ سے۔ اسی سے ہیں قلانیس (قلنسوۃ (تاج، ٹوپی وغیرہ) کی جمع ہے) کیونکہ یہ بھی سر کے اوپر (بلند) ہوتے ہیں، یہ صرف حجاج کے للچانے کے لیے تھا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ جب بادشاہ کے ہاں ابرہہ کے تحائف اور نیاز مندی کا خط پہنچا تھا تو بادشاہ نے خوش ہو کر یمن کی شاہی مستقلاً ابرہہ کو عطا کر دی۔ ابرہہ کے پاس بادشاہ کا پیغام پہنچا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ تمام ارکانِ سلطنت وزراء امراء کو جمع کر کے کہا کہ کوئی ایسی تجویز بتاؤ جس پر بادشاہ مجھ سے اور زیادہ خوش ہو جائے۔ ویسے تو وہ خود بہت بڑی عزت و جاہ کا مالک ہے لیکن میری طرف سے اس کی معافی کا شکرانہ ضروری ہے۔ سب نے کہا اہلِ عرب کا کعبہ ہے جو نہایت معظم و مقدس سمجھا جاتا ہے اہلِ عرب کی شرافت بھی اسی کی مرہونِ منت ہے کیونکہ شرقی غربی لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں حالانکہ وہ تو صرف چند پتھروں

کا ہے تم صنعاء (یمن) میں بادشاہ کے نام پر حبشی دین (آگ پرستی) کے مطابق کنیسہ تیار کرو جس کی بنیاد زر وسیم کی اور جواہر زنگار نگ سے اسے مزین ومنقش کر کے مختلف ملکوں بالخصوص عرب میں اعلان کرا دے کہ جو کوئی اس کنیسہ (صنعاء یمن) کی زیارت کو آئے گا اسے زر وسیم سے نوازا جائے گا لوگ اس لالچ وطمع پر اطراف واکناف سے اس کی زیارت کو آئیں گے اس کا طواف کریں گے اس طرح سے بادشہ کی عزت افزائی ہو گی ابرہہ نے اس پر عمل کیا، اطراف واکناف کے لوگ آنے جانے لگے اور یہ بھی انہیں ہدایا وتحائف سے نوازتا، کنیسہ کی تیاری اور لوگوں کی بھرپور آمد ورفت کے بعد ابرہہ نے بادشہ کو لکھا کہ میں نے آپ کی عزت افزائی کے لیے کنیسہ تیار کیا ہے جو بے نظیر ہے۔ اس سے میرا مطلب صرف اور صرف یہی ہے کہ عرب کے کعبہ کو چھوڑ کر لوگ حج وطواف وزیارت کے لیے اس کنیسہ کا رُخ کریں اور اس کا طواف کریں۔

کنیسۂ ابرہہ پر گندگی

عرب کے لوگوں کو یہ بات بہت شاق گزری، قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے موقع پا کر اس کنیسہ میں قضائے حاجت کی اور اس کو نجاست سے آلودہ کر دیا اس پر ابرہہ کو بہت طیش آیا اور اس نے کعبہ کو ڈھانے کی قسم کھائی اور اس ارادہ سے اپنا لشکر لے کر جس میں بہت سے ہاتھی تھے اور ان کا پیشرو ایک عظیم الجثہ کوہ پیکر ہاتھی تھا جس کا نام محمود تھا، ابرہہ نے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر اہل مکہ کے جانور قید کر لیے ان میں دو سو اونٹ عبد المطلب کے بھی تھے عبد المطلب ابرہہ کے پاس آئے تھے بہت جسیم وباشکوہ۔ ابرہہ نے ان کی تعظیم کی اور اپنے پاس بٹھایا اور مطلب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا میرا مطلب یہ ہے کہ میرے اونٹ واپس کیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ میں تو خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں اور وہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا معظم ومحترم مقام ہے تم اس کے لیے تو کچھ نہیں کہتے اپنے اونٹوں کے لیے کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا: میں اونٹوں ہی کا مالک ہوں انہی کے لیے کہتا ہوں۔ اور کعبہ کا جو مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائیگا۔ ابرہہ نے آپ کے اونٹ واپس کر دئے۔

محمود ہاتھی کا ادب

عبد المطلب نے قریش کو حال سُنایا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور چوٹیوں پر پناہ گزین ہوں۔ چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور عبد المطلب نے دروازۂ کعبہ پر پہنچ کر بارگاہِ الٰہی میں کعبہ کی حفاظت کی دعا کی اور دُعا سے فارغ ہو کر آپ اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔ ابرہہ نے صبح تڑکے اپنے لشکروں کو تیاری کا حکم دیا اور ہاتھیوں کو تیار کیا لیکن محمود ہاتھی نہ اُٹھا اور کعبہ کی طرف نہ چلا، دوسری اطراف میں چلانے سے چلتا تھا جب کعبہ کی طرف اس کا رُخ کرتے تھے بیٹھ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندان پر بھیجے جو چھوٹے چھوٹے سنگریزے گراتے تھے جن سے وہ ہلاک ہو جاتے۔

تبصرہ اویسی مع تفصیل صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ

(۱) وہ شخص جس نے کنیسہ کو غلاظت آلود کیا اس کا نام زہیر بن بدر تھا۔

(۲) اس وقت حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رئیسِ مکہ تھے۔

(۳) زہیر بن بدر مذکور نے قسم کھائی تھی کہ ابرہہ کے کنیسہ کو غلاظت آلود کرے گا اسی ارادہ پر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے اجازت چاہی اور کنیسہ میں پہنچ کر اس میں عبادت میں مصروف ہو گئے ان کا اس پر اعتماد بڑھا کہ کنیسہ کی مجاوری پر فائز کر دیا اندریں اثنا ایک دن اہلِ کنیسہ سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کنیسہ میں صرف میں تنہا عبادت کروں اس طرح سے میرا جی خوش ہوگا سب نے اس کے لیے کنیسہ خالی کر دیا اور اس کی عبادت گاہ کو خوشبو اور عطر سے معنبر و معطر کیا کہ دور تک خوشبو کی مہک سونگھی جاتی۔ رات کو زہیر نے پاخانہ کر کے کنیسہ کی در و دیوار پر لیپ کر دیا اور پھر بھاگ نکلا۔ یہ خبر اطراف واکناف میں آگ کی طرح پھیل گئی اس طرح سے لوگ کنیسہ کے طواف اور اس میں عبادت سے متنفر ہو گئے۔

(۴) ابرہہ کو خبر پہنچی، اسے طیش تو آنا ہی تھا اس نے کہا کہ وہ جوان چونکہ عربی تھا اور مکہ کا باشی بلکہ کعبہ کا مجاور۔ اب میں بھی کعبہ ڈھانے میں کسر نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ لشکر تیار کر کے کعبہ ڈھانے کو روانہ ہوا اور عزم کیا کہ کعبہ کو ملیامیٹ کر کے لوٹوں گا یہاں تک کہ اس کے بعد وہاں کوئی بھی حج کو نہ جائے گا۔ (کشف الاسرار)

(۵) ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کعبہ کے ڈھانے سے اس کا مقصد یہی تھا کہ جو بزرگی اور شرافت کعبہ معظمہ کو حاصل ہے اور مکہ شہر کو، وہی اسے اور اس کے شہر کو حاصل ہو۔

(۶) مکہ والے جوان زہیر کی تمام کارروائی شاہِ حبشہ کو لکھ کر بھیجی اور کعبہ کو ڈھانے کی اجازت چاہی۔ بادشہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ حبشہ سے بہت بڑا لشکر اور بکثرت ہاتھی بھیجے۔

(۷) شاہِ حبشہ بھی کنیسہ کی بےحرمتی سے مغموم ہوا اُسے ابرہہ نے تسلّی دلائی اور اس کے دل کو خوش کیا اور اس کے وزیر ابویکسوم نے کہا بادشاہ! غم نہ کھاؤ، اہلِ عرب کا بھی ایک کعبہ ہے جس پر انھیں فخر ہے ہم اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور اہلِ کعبہ کا خون بہا دینگے اور ان کے اموال لُوٹ لیں گے۔ اسی لیے ابرہہ لشکر لے کر کعبہ کو ڈھانے چلا۔ (کذا قال السجاوندی)

محمود ہاتھی کا تعارف

(۸) وہ ہاتھی سفید رنگ کا تھا اُسے نجاشی نے ابرہہ کی درخواست پر حبشہ سے بھیجا علم و جسم و قوت میں بے نظیر تھا، بس پہاڑ ہی تھا ؎

بھیکل قوی راست چوں کوہ قاف — چو شیرِ عرین چابک اندر مصاف

ترجمہ : قوی ہیکل سیدھا کوہ قاف جیسا، جنگ میں شیر غراں کی طرح چُست و چالاک۔

ہاتھی کے خواص

(۹) ہاتھی کی شان جنگ لڑنا ہے، اسی لیے مُلکِ چین کے ہاں ایک ہزار سفید ہاتھی تھے لیکن اس کی عجیب کیفیت ہے کہ اتنا عظیم الجثہ ہونے کے باوجود بلّی کے آگے کمزور اور اس سے ڈرتا تھا بلکہ اسے دیکھ کر گھبرا جاتا تھا۔

ابو رغال کا تعارف

(۱۰) ابرہہ کا دلیل (رہبر برائے عرب) ابو رغال تھا جس کی قبر کو عرب شیطان کی طرح کنکریاں مارتے ہیں جب سے مرا ہے (تا حال ماری جا رہی ہیں) کتاب التعریف والاعلام للامام السہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ ابو رغال راستہ میں مرگیا اور راستہ میں اس کی قبر معروف ہے جسے یمن سے (پیدل کی راہ) آنے والے حجاج دیکھتے ہیں بلکہ جب وہاں پہنچتے ہیں تو قبر پر پتھر برسائے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کی قبر ایک بہت بڑا پہاڑ نظر آتی ہے، اسی کے مطابق جریر فرزدق شاعر کے بارے میں کہتا ہے ؎

اذا مات الفرزدق فارجموہ
کما ترمون قبر ابی رغال

ترجمہ : جب فرزدق مرجائے تو اس کی قبر پر پتھر برساؤ جیسے ابو رغال کی قبر پر پتھر برساتے ہیں۔

ابو رغال کے متعلق حدیث شریف

(۱۱) قاموس میں ہے کہ ابو رغال ہجوں کتاب سنن ابی داؤد اور دلائل النبوۃ وغیرہ میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس وقت سُنا جب ہم طائف کی طرف گئے اور ابو رغال کی قبر سے گزرے تو آپ نے فرمایا: یہ ابو رغال کی قبر ہے اور یہی ثقیف (قبیلہ) کا مورثِ اعلیٰ ہے اور وہ ثمود (قوم) میں سے تھا اور وہ حرم شریف میں تھا اُسے وہاں سے ہٹایا گیا جب حرم سے نکلا تو اسے وہی عذاب پہنچا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا اور وہ اسی جگہ پر مرا اور یہیں مدفون ہوا۔ (الحدیث)

ازالۂ وہم

(۱۱) وہ جو جوہری نے کہا کہ وہ حبشیوں کا دلیل (رہبر، عرب کا راستہ دکھانے والا) تھا وہ روایت غیر جیّد ہے۔

(۱۲) ایسے ہی ابن سیدہ کا قول بھی غیر جیّد ہے جس میں کہا کہ اس کا نام عبدالشعیب ہے اور چونگی وصول کرنے والا اور بڑا ظالم تھا۔

(۱۳) ابرہہ نے حرم کے باہر پڑاؤ ڈالا اور حکم دیا کہ کعبہ کے گرد جتنے اونٹ بکریاں اور مویشی ملیں سب پکڑ کر

لے آؤ۔

(۱۴) اس کام کے لیے جسے مقرر کیا اسے الاسود کہا جاتا۔

(۱۵) حضرت عبدالمطلب کے اونٹ اگرچہ ذاتی تھے لیکن تھے وقف محتاج کے لیے۔

(۱۶) بعض نے کہا کہ ابرہہ نے مقام مغمس پہنچ کر اونٹ وغیرہ پکڑوائے تھے۔ مغمس معظم و محدث کی طرح وہ ایک جگہ ہے طائف کے راستہ پر، اسی میں ابورغال کی قبر ہے جس پر پتھر برسائے جاتے ہیں (القاموس) یہ مبنی بر شہرت ہے ورنہ ہم نے اس کے خلاف اور تحقیق لکھ دی ہے۔

(۱۷) حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ابرہہ کو تہامہ کی تہائی مال کی پیشکش کی تاکہ وہ اس ارادۂ بد سے باز آ کر واپس چلا جائے لیکن اس نے انکار کر دیا۔

(۱۸) شرح قصیدۂ بردہ للمرزوقی میں ہے کہ مغمس میں پہنچ کر ابرہہ نے حناطۃ الحمیری کو مکہ شریف بھیج کر کہا کہ مکہ کے سردار اور اس کے رئیس سے کہو کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ ہم صرف کعبہ کو ڈھانے آئے ہیں اگر تم ہمیں اس سے نہ روکو تو ہمیں تمہارے خون بہانے کی ضرورت نہیں ورنہ ہمیں جنگ سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن پھر بھی رئیسِ مکہ مجھے ایک بار ضرور ملے۔

ابرہہ کے دل پر کعبہ کا اثر

(۱۹) کشف الاسرار میں ہے کہ ابرہہ جب اس جگہ پر اترا تو کعبہ معظمہ کی ہیبت اس کے دل پر چھا گئی، جس ارادہ سے آیا تھا اس سے پشیمان ہوا، دل میں ارادہ کیا کہ اگر کوئی کعبہ معظمہ کے لیے سفارش کرے تو واپس چلا جائے۔ اسی لیے کہا کہ رئیسِ مکہ سے ملاقات ہو جائے۔

(۲۰) حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی ملاقات کے لیے چند بنو ہاشم کے ساتھ تشریف لائے۔

(۲۱) جسے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے بھیجا تھا وہ آپ سے پہلے ہی ابرہہ کے پاس پہنچ گیا اور مندرجہ ذیل رپورٹ پیش کی۔

نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چمک عبدالمطلب کی پیشانی میں

(۲۲) مرزوقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابرہہ کو حضرت عبدالمطلب کی اطلاع اس کے ایک وزیر نے دی جسے انیس سائس الفیل کہا جاتا۔ کہا اس نے جو کہا:

قد جاءك سيد قريش وصاحب	تیرے پاس سیدِ قریش اور عیرِ مکہ کا صاحب
عير مكّة الذى يطعم الناس فى	آیا ہے جو لوگوں کو گھروں میں اور وحوش کو
السهل والوحوش فى رؤوس الجبال	پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھانا کھلاتا ہے۔

حقاء ا

تیرے پاس جو آدمی آیا وہ راست گفتار سیدِ قریش ہے، وہ کریم طبع نیک رو با سیادت و با سخاوت اور با ہیبت ہے،

و آنکہ از وی نور ہمی تابد کہ منظر وی بتر سانید	اور یہ وُہ ہے کہ اس سے نور چمکتا ہے اس کا
یعنی نورِ مصطفےٰ علیہ السلام از پیشانی ئے	منظر ڈراتا ہے یعنی نورِ مصطفےٰ صلی اللہ
ہمی تافت۔ (ج ۱۰ ص ۵۱۳)	علیہ و آلہ وسلم اس کی پیشانی سے چمکتا ہے۔

سوال وہابی

(۲۳) عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی پیشانی مبارک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور کہاں، اس وقت تو آپ بی بی آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے شکمِ اطہر میں جلوہ گر تھے۔

جواب اویسی غفرلہٗ

حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی پیشانی مبارک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نورِ اقدس کئی سال جلوہ گر رہا، پیشانی میں وہی تابانی تھی اگرچہ ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منتقل ہوگئی لیکن اس کے اثرات تو باقی تھے۔ سورج ڈوب جاتا ہے لیکن اس کے نور کے اثرات کافی دیر تک باقی رہتے ہیں تو کیا شمسِ نبوت کے بارے میں کمی تھی کہ ذات کے انتقال کے بعد اس کے اثرات بھی مٹ گئے (معاذ اللہ)۔

ابرہہ سے جبراً عبد المطلب کی تعظیم کرائی گئی

(۲۴) ابرہہ نے اپنے بیٹھنے کی جگہ خوب آراستہ کی اور تخت پر براجمان تھا کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور نہ چاہتا تھا کہ انھیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے کہ کہیں حبشی نہ کہیں کہ اتنا بڑا بادشہ اپنے ساتھ رئیسِ مکّہ کو بٹھائے ہوئے ہے۔ لیکن حضرت عبد المطلب جوں ہی تشریف لائے ابرہہ تخت سے نیچے آگیا اور انہیں تخت پر بٹھا کر خود بائیں جانب بیٹھا اور آپ کی تعظیم و تکریم کی اور نہایت شان و شوکت سے بٹھایا۔ آپ کی باتیں اس پر خوب اثر انداز ہوئیں اور چاہا کہ مجھ سے (ابرہہ سے) آپ کعبہ کے متعلق سفارش کریں تو انہیں ناامید نہ کروں گا۔ ترجمان کے ذریعے گفتگو ہوئی جسے ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

حضرت عبد المطلب کی تقریر کا اضافہ

(۲۵) حضرت عبد المطلب نے یہ بھی فرمایا کہ کعبہ معظمہ کا مالک اب بھی اسی طرح حفاظت فرمائیگا جیسے پہلے اسے تُبّع اور سیف بن ذی یزن اور کسریٰ سے محفوظ رکھا اس سخن سے ابرہہ طیش میں آگیا اور کہا کہ اس کے اونٹ واپس کردو، اب میں دیکھتا ہوں مجھ سے کعبہ کو کون بچاتا ہے۔

(۲۶) جب ابرہہ کا ہاتھی ایسے بیٹھ گیا جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اونٹنی قصواء حدیبیہ کے دن بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا، حبسہا حابس الفیل (اسے ہاتھی کے روکنے والے نے روکا ہے)۔

ف: بروك الفيل کا معنی ہے ہاتھی کا زمین پر گر جانا جبکہ اس کے ہاں اللہ تعالیٰ کا حکم آیا یا اس جگہ سے چمٹ جانا جیسے اونٹ زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھتا ہے، اس لیے کہ ہاتھی اونٹ کی طرح زمین پر نہیں بیٹھتا: جیسے عبداللطیف البغدادی نے کہا۔ فیل وفیلۃ۔

نر و مادہ ہاتھی کے اعجوبے

(۲۷) قیلۃ (مادہ) کو سات سال تک حمل ٹھہرتا ہے جب مدت مکمل ہوتی ہے اور وضعِ حمل کا وقت قریب ہوتا ہے تو مادہ نہر میں کھڑی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وضعِ حمل ہوتا ہے اور یہ کھڑے کھڑے بچہ جنتی ہے اور نر اس کی اور بچے کی سانپوں سے نگرانی کرتا ہے۔

(۲۸) بعض نے کہا ہاتھی دو قسم ہے:

(i) اونٹ کی طرح نہیں بیٹھتا۔

(ii) اونٹ کی طرح بیٹھتا ہے۔

(۲۹) ابرہہ کے ہاتھی کو جب یمن یا کسی اور جہت میں چلاتے تو چل پڑتا۔

ف: ہرول ہجوں دحرج (چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال) ابرہہ نے تنگ آکر کہا کہ اسے (محمود ہاتھی کو) شراب پلاؤ تاکہ نشہ ہو تو اسے بے خبری سے کعبہ کی طرف لے چلیں گے لیکن شراب پینے کے باوجود بھی کعبہ کی طرف نہ چلتا بلکہ بیٹھ جاتا۔

(۳۰) کہتے ہیں کہ نفیل بن حبیب خثعمی نے ہاتھی کے کان پکڑ کر کہا:

ابرك محمود وارجع راشدا من	اے محمود گھٹنوں کے بل بیٹھ یا سیدھا راستہ
حيث جئت فانك في بلد الله	لے کر جہاں سے آیا ہے چلا جا کیونکہ تو اللہ تعالیٰ
الحرام۔	کے محترم شہر میں آیا ہے۔

جب ہاتھی کے کان میں یہ آواز پہنچی تو ہاتھی پیچھے ہٹ گیا حرم میں قدم نہ رکھے۔

(۳۱) یہ نفیل وہ ہے جس نے ابرہہ سے ارضِ خثعم سے جنگ کی، ارضِ خثعم ایک جبل ہے اس کے باسیوں کو خثعمیون کہا جاتا ہے، خثعم اس قبیلے کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ نفیل نے ابرہہ سے شکست کھائی اور قیدی ہو گیا ابرہہ کے پاس لایا گیا تو کہا مجھے قتل نہ کرو میں تمہیں ارضِ عرب تک لے چلوں گا اسی لیے ابرہہ نے اسے قتل نہ کیا اور وہ ابرہہ اور اس کے لشکر کو عرب لانے کے لیے لے چلا، جب طائف سے گزرے انہوں نے دیکھا کہ ابرہہ سے مقابلہ کی تاب نہیں تو وہ اس کے زیرِ فرمان ہو گئے اور آگے مکہ معظمہ تک پہنچانے کے لیے ابو رغال کو بھیجا ابو رغال ہی ابرہہ کو مغمس میں لے آیا جو مکہ معظمہ سے تین میل (طائف کی طرف) دور ہے اور ابو رغال یہیں مرا اور وہاں

اس کی قبر ہے جس پر پتھر برسائے جاتے ہیں (کما جاء فی بعض التفاسیر)

(۳۲) جب عرب کے علاقوں سے ابرہہ گزرتا اور انہیں معلوم ہوجاتا کہ یہ کعبہ کو ڈھانے جارہا ہے تو اس کے ساتھ جہاد فرض سمجھ کر جنگ کرتے اسی لیے ابرہہ کو یمن سے مکہ معظمہ تک کئی قبائل حائل ہوئے لیکن ابرہہ سب کو شکست دیتا ہوا آگے بڑھتا رہا منجملہ ان کے یہی نفیل بن حبیب بھی تھا اسے قتل نہ کیا تاکہ وہ اسے مکہ معظمہ تک پہنچا ئے۔

(۳۳) حضرت عبدالمطلب نے جو دُعا مانگی اس کے الفاظ یہ تھے:

لاھم ان المرء یحمی رحلہ فامنع	اے اللہ! ہر آدمی اپنے سامان کا محافظ ہوتا ہے
حلالك لا یغلبن صلیبھم ومحالھم	تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما اس کی صلیب
غدوا محالك۔	اور قوت تیری قوت پر غلبہ نہ پاجائے اور وہ
	کل تیرے گھر پر آئیں گے۔

شرح دعائے عبدالمطلب

وہ مذہباً نصاریٰ تھے اسی لیے صلیب کا لفظ اختیار فرمایا لاھم دراصل اللّٰھم تھا۔ عرب الف ولام حذف کرکے صرف ما بقی پر اکتفا کرتے ہیں حلال بکسر الحاء المہملہ بمعنی بیوت مجتمعہ المحال (بکسر المیم) بمعنی شدۃ وقوۃ۔ الغد دراصل آنے والے کل کے دن کو کہا جاتا ہے۔

دعائے مستجاب

حضرت عبدالمطلب ابھی دعا مانگ رہے تھے کہ دیکھا عجیب پرندے آگئے ہیں نہ وہ نجد کے ہیں نہ تہامہ کے اور نہ حجاز کے بلکہ ان کی شان بھی عجیب ہے۔

ابابیل کا تعارف

ابن الشیخ نے فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب وابومسعود ثقفی پہاڑ کے اوپر چڑھ کر ابرہہ کے لشکر کو دیکھ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سیاہ پرندے بھیجے جن کی چونچیں سُرخ اور گردنیں سبز اور لمبی یا سبز یا سفید یا ابلق یا وہ کبوتر تھے جیسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سوال ہُوا تو فرمایا وُہ پرندے کبوتر تھے جن کا ابتایا ہی کبوتر ہیں جو اب مکہ معظمہ میں ہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ یہ اشتباہ ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ابابیل کی نسل کی وہ چڑیاں ہیں جو زرازیر کے مشابہ ہیں جو حرم شریف میں باب ابراہیم پر رہتی ہیں ورنہ حرم کے کبوتر تو اس کبوتر کی نسل سے ہیں جس نے غار (ثور) پر گھونسلہ بنایا تھا۔

ف: زرازیر جمع زرزور (بضم الزاء) ایک چھوٹا سا پرندہ جو چڑیا کی قسم کا ہے اسے زرزور اسکی آواز کی وجہ سے کہتے ہیں۔

روایت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا وہ پرندے ابابیل خطاطیف (انکس کی طرح لوہے جن سے چیزیں اُچک کے لے جائیں) اور وطاویط (چمگادڑوں جیسے تھے جو دریا کے کناروں پر ہوتے ہیں ان کی ناک پرندوں جیسی اور ہتھیلیاں اور داڑھیں کتوں جیسی۔

ف : حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان جیسے پرندے نہ پہلے نہ بعد کو دیکھے گئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ مغربی عنقائے تھے۔ خبر میں ہے کہ وہ پرندے زمین و آسمان کے درمیان زندگی بسر کرتے اور بچے جنتے ہیں۔ بعض نے کہا وہ آسمانی پرندے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ شام کو وہ پرندے سمندر کی جانب سے فوج فوج آئے ہر ایک کے پاس مسور کے دانے سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تین کنکریاں تھیں۔ دو دونوں پنجوں میں اور ایک چونچ میں صبح کے وقت لے کر اُڑے۔

کنکریاں اُم ہانی کے گھر میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے وہ کنکریاں ام ہانی (رضی اللہ عنہا) کے گھر ایک سُرخ دھاری دار بوری میں دیکھیں جو ظفاری مُہرے جیسی تھیں۔

ف : ظفار بروزن قطام یمن میں ایک شہر ہے صنعاء کے قریب اس کی طرف مُہرے منسوب ہوتے ہیں اس دوران سخت آندھی چلی جس میں بہت شدّت اور تیزی تھی۔ جس پر وہ سنگریزہ چھوڑتے وہ سنگریزہ اس کے خُود کو توڑ کر سر سے نکل کر جسم کو چیر کر ہاتھی میں سے گزر کر زمین پر پہنچتا ہر سنگریزہ پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جسے ہلاک کیا جانا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وحوش وطیور کا الہام انسان کے الہام کے زیادہ قریب ہوتا ہے لیکن ان کے نفوس سادہ ہوتے ہیں علاوہ ازیں پتھروں میں اللہ تعالےٰ نے ایک خصوصی خاصیت امانت رکھی ہے اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے مطلع ہوا اور اسے حجابِ حکمت مکشوف ہوئے تو ایسی مثالوں کی لمّیت سے باخبر ہے۔

صاحبِ روح البیان کے دَور کا ایک عجیب واقعہ

ہمارے (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ کے) دَور (۱۱۱۱ھ) میں اس قسم کا واقعہ ہوا، چنانچہ ابی لوزد کے شہر پر چُوہوں نے غلبہ پا لیا اور ان کی کھیتیاں برباد کر کے پھر جنگل میں بھاگ گئے تو جیحوں کے کنارے پر تھا ہر ایک چوہے نے ایک پھل دار درخت کی لکڑی لی جو نہر کے کنارے پر ہوتا ہے ہر چوہا اسی لکڑی پر سوار ہو کر دریا عبور کر گیا اور یہ بات کسی تاویل کی محتاج نہیں، جیسے قیامت کے احوال وغیرہ کہ وہ

عجیب وغریب ہیں اگرچہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم انہیں اپنے قیاس کے مطابق تاویل کریں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کو وہ کنکری لگتی وہ چیچک میں مبتلا ہو جاتا۔

اعجوبہ

ف : خبر میں ہے کہ چیچک کی بیماری سب سے پہلے عرب میں اسی دوران پیدا ہوئی، اس سے ابرہہ کا لشکر بھاگا اور مختلف راستوں پر مرتے رہے۔

ف : بعض نے کہا جسے بھی وہ کنکری لگی وہ فوراً وہیں پر مرگیا۔ (انسان العیون)

قوم ابرہہ کے مرنے کے بعد

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابرہہ کا لشکر تو کعبہ کو ڈھانے کے لیے تیار بیٹھا تھا کافی دیر ہوئی اب تک تو وہ اپنا کام کرکے چلے گئے ہوں گے، اسی لیے پہاڑ سے اتر کر سواری پر سوار ہو کر شہر مکہ معظمہ میں پہنچے تو دیکھا کہ ابرہہ کا اکثر لشکر شہر اور اس کے اردگرد مرا پڑا ہے اور جو بچ گئے وہ بھاگ گئے اور کافی مقدار میں سونا چاندی اور زر و دولت چھوڑ گئے۔

ف : حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر اہل مکہ کو اطلاع دی اور ابرہہ کا چھوڑا ہوا سونا چاندی مال غنیمت کے طور جمع کیا۔

ف : جو صحیح و سالم ابرہہ کے ساتھ بھاگ نکلے، یمن تک گئے لیکن راستے میں گرتے پڑتے مختلف جگہوں پر سب کے سب مرگئے ایک بھی زندہ نہ رہا۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم ابرہہ کی بیک وقت جڑ کٹی تھی اور وہ ہاتھی بھی سارے کے سارے مرگئے۔

ف : بعض نے کہا سب مرگئے سوائے کندی کے، اس نے کہا ؎

اکندۃ لو رأیت و لو نریتا یجنب ربا المغمس ما القینا

حمد اللہ ان قد بث طیرا وظل سحابۃ تھمی علینا

ترجمہ : اے کندہ! اگر ہمارا حشر دیکھتا مغمس کے دامن میں جو ہمیں آفت نے گھیرا، اللہ تعالیٰ ہمیں کافی، وہ یہ کہ پرندے پھوٹ پڑے اور بادل کی طرح ہم پر کنکریاں برساتے تھے۔

ابرہہ کا انجام بد

ابرہہ یمن کی طرف بھاگا تو اسے گندی بیماری نے پکڑا تو اس کے اعضاء تھوڑے تھوڑے ہو کر گرنے لگے یہاں تک کہ صنعاء تک پہنچا تو چوزے کی طرح تھا اور نہ مرا یہاں تک کہ اس کے دل کی جانب سے سینہ پھٹا تو مرگیا۔

ابرہہ کا جانشین

ابرہہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا یکسوم جانشین ہوا۔

ابرہہ کے وزیر کا انجامِ بد

ابرہہ کا وزیر ابویکسوم بھاگا تو اس کے سر پر پرندے حلقہ باندھ کر منڈلاتے رہے یہاں تک کہ اس نے نجاشی کے پاس پہنچ کر تمام واقعہ سنایا جونہی قصہ مکمل کیا تو اس پر کنکری گری جس پر وہ فوراً بادشاہ کے سامنے گر کر مر گیا اس میں اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو دکھایا کہ ان کی موت کیسے واقع ہوئی۔

ابرہہ کا پرندہ

بعض نے کہا کہ ابابیل نے ابرہہ کا تمام لشکر مار ڈالا سوائے ابرہہ کے کہ اس کے نام کا پرندہ اس کے سر پر اڑتا رہا۔ ابرہہ مکہ کی آبادی سے نکل کر حبشہ کو بھاگا تو بھی پرندہ اس کے سر پر اونچا اڑتا رہا اسے معلوم نہ ہو سکا، بالآخر ابرہہ حبشہ کے نجاشی بادشاہ کے پاس پہنچا، نجاشی نے ازراہِ تعجب پوچھا کہ وہ پرندے کیسے تھے جنہوں نے اتنے بڑے لشکر کو مار ڈالا اچانک ابرہہ کی نگاہ اوپر کے اڑتے پرندے پر پڑی تو کہا ان میں سے ایک یہ ہے۔ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ پرندے نے سنگریزہ پھینکا تو ابرہہ نجاشی کے سامنے تباہ ہوگیا۔ اس سے نجاشی کو سخت عبرت ہوئی اور اس کے دل پر یہ بات منقش ہوگئی ؎

نوشت خامۂ تقدیر بر جریدۂ دہر
خطی کہ فاعتبروا یا اولی الابصار

ترجمہ: جریدۂ دہر پر خامۂ تقدیر نے لکھا یہ مضمون کہ اے عقل والو! عبرت حاصل کرو۔

قومِ ابرہہ کے دو اندھے مکہ معظمہ میں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ہاتھی کا ایک قائد اور دوسرا چلانے والا مکہ معظمہ میں (دونوں کو) اندھا دیکھا اور وہ چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ لوگوں سے روٹیاں مانگ کر گزارہ کرتے تھے۔

ف: اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قومِ ابرہہ سے کئی لوگ بچ بھی گئے تھے منجملہ ان کے دو یہ بھی تھے جو واپس نہ جا سکے اور مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے۔ (انسان العیون)

قومِ ابرہہ کا مالِ غنیمت قریشِ مکہ کے ہاتھ میں

حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ عبدالمطلب اور ابومسعود ثقفی لشکرِ ابرہہ کو پہاڑ کی چوٹی سے دیکھ رہے تھے کہ ان پر پرندے کنکریاں برسا رہے ہیں جب وہ سب ہلاک ہوگئے تو خاموشی چھا گئی۔ حضرت عبدالمطلب نے ثقفی کو فرمایا اب خاموشی کیوں، شاید ابرہہ کا لشکر واپس چلا گیا، نیچے اترے، لشکر میں گئے تو سب کو ہلاک پایا۔ دونوں نے بے شمار سونا چاندی جمع کر کے اپنے علیحدہ علیحدہ گڑھے کھود کر ان میں

دفن کردیا اسی لیے یہ دونوں غنی تھے۔

عثمان غنی کا غناء کیسا سبط ابن الجوزی نے لکھا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی تونگری اسی مال سے تھی کیونکہ قوم ابرہہ کی تباہی کے بعد حضرت عثمان کے والد عفان اور حضرت عبدالمطلب اور ابومسعود ثقفی تینوں سب سے پہلے لشکر کے خیموں میں پہنچے تو بہ نسبت دوسرے قریش کے انہوں نے لشکر ابرہہ کے اسباب اور سونا چاندی وغیرہ زیادہ جمع کیا اور زمین کھود کر خزانے بنا لیے اسی لیے یہ تینوں مکہ میں قریش سے زیادہ دولتمند تھے۔ عفان کے مرنے کے بعد وراثت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی۔

سوال : ابرہہ سے تو کعبہ کی حفاظت کی گئی لیکن حجاج نے فلاخن سے کعبہ پر پتھر برسائے، اس کو کچھ نہ ہوا، کیوں؟

جواب : حجاج کا پتھر برسانا کعبہ معظمہ کے ڈھانے کے ارادہ سے نہ تھا، نہ ہی اس کو خراب کرنا مطلوب تھا بلکہ وہ تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تنگ کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ اس کے قابو میں آجائیں۔

ف : اس کے باوجود بھی کہ وہ امن والا حرم ہے اسی لیے حجاج کو دنیائے عالم کا نصف عذاب دوزخ پہنچے گا (اس لیے قطع نظر ظلم کے گناہ کے اس نے کعبہ معظمہ کی بے حرمتی کی)

سوال : قرامطہ نے کعبہ معظمہ کی بےحرمتی میں کیا کمی کی، انہوں نے بھی کعبہ کی بے حرمتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

جواب : فقیر محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ کہتا ہے کہ کعبہ کی بے حرمتی پر ظالم کی مکمل جڑ کاٹ دینے کا عذاب امتِ مصطفویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے مرفوع ہے اور اس امت کو سابقہ امم سے خوارق عادات میں وافر حصہ نصیب ہے اور اس امت سے رفع العذاب کی ایک دلیل یہ ہے کہ ولی اللہ سے کعبہ افضل نہیں (لیست الکعبۃ بافضل من الانسان الکامل) جب ولی اللہ کے دشمن بلکہ قاتل سے بھی کبھی اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے (حالانکہ ولی اللہ کے دشمن سے اعلانِ جنگ کا حکم حدیث قدسی شریف میں ہے) اگرچہ کسی پر کتنا ہی شدید غضبناک ہوجائے لیکن پھر بھی مہلت دیتا ہے لیکن گرفت سے بچاتا نہیں (اگر وہ توبہ کرے) ظالموں پر خدا کی لعنت۔ (چنانچہ حجاج کا حال سب کو معلوم ہے) قرامطہ کا حال ملاحظہ ہو (تفسیر میں جواب بعد کو لکھا قرامطہ کا حال پہلے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ قارئین کی سہولت کے لیے جواب پہلے لکھ دیا اور قرامطہ اب لکھتا ہے تاکہ مضمون کا ضبط و نفس صحیح رہے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

قرامطہ کا تعارف اور مختصر احوال قرامطہ کا سردار ابو سعید تھا اور یہ گروہ ملحد تھا کو فہ میں ۲۷۰ ہجری میں ظاہر ہوئے (یہ فرقہ شیعہ شنیعہ کی

ایک شاخ ہے)

قرامطہ کے غلط مسائل

(۱) جنابت سے غسل فرض نہیں۔
(۲) شراب حلال۔
(۳) سال میں صرف دُو روزے فرض یوم نیروز و یوم مہرجان۔
(۴) اذان میں یہ الفاظ بڑھاتے تھے ان محمد بن الحنفیۃ رسول اللہ (جیسے شیعہ نے اذان میں بڑھادیا ہے ان علیاً ولی اللہ ووصی رسول اللہ الخ۔ اس کی تفصیل اور تردید فقیر کی کتاب "اذانِ شیعہ" میں دیکھئے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)
(۵) حج وعمرہ بیت المقدس میں ہے (مکہ معظمہ کے کعبہ مکرمہ کے حج کے قائل نہ تھے)

قرامطہ کے پیروکار

ان کی پیروی میں جُہال پھنسے (جیسے عموماً ہر ہر تا بو تے یا حسین کہنے والے جاہل ہوتے ہیں، بد مذاہب کے قائدین نے سب سے پہلے پھنسایا تو جُہال کو نجدی تحریک کو دیکھ لیجئے کہ جب سے اس کا آغاز ہُوا تو نجد کے بدوؤں سے ایسے ہی ہمارے دور کے جاہل پیروں اور گدی نشینوں نے بھی عموماً جاہلوں کو پھانسا ہُوا ہے یا خوشامدی اور چاپلوس ملاؤں کو۔ اللہ تعالیٰ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کو گمراہوں اور بے ایمان فرقوں سے محفوظ رکھے (آمین۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ) یا قرامطہ کے پھندے میں پھنسے تو دیہاتی لوگ۔ اس طرح کے جُہال اور دیہاتیوں سے قرامطہ نے بڑی شوکت پائی یہاں تک کہ اسی فرقہ کے گرُو (ابو سعید) اور اس کے بیٹے ابو طاہر کی نحوست سے بغداد کے لوگوں سے حج منقطع ہو گیا۔

قرامطہ کا دوسرا گروہ ابوالطاہر اور اس کا تعارف اور ظلم

محمد سعید کے بیٹے ابوالطاہر نے کوفہ میں ایک دار تیار کیا اس کا نام رکھا دار الہجرۃ۔ ابو طاہر کا فساد و غلبہ اور مسلمانوں کا قتل حد سے بڑھ گیا یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت بیٹھ گئی اور اس کے ماننے والے بھی بکثرت ہو گئے خلیفہ مقتدر باللہ (یہ خلفاءِ عباسیہ کا سولھواں خلیفہ تھا) کا لشکر بارہا ابو طاہر کے مقابلہ کے لیے آیا لیکن ہر بار یہ شکست دیتا رہا اس کے بعد مقتدر باللہ خود حج کے لیے کئی سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہوا تو یہی ابو طاہر ترویہ (۸ ذوالحج) کے دن مسجد حرام (مکہ معظمہ) میں آڑے آیا، بہت سے حجاج کو شہید کیا بلکہ جوف کعبہ میں بے شمار لوگوں کو شہید کر کے بئرِ زمزم میں پھینک دیا حجر اسود کو گُرز مار کر توڑا پھر اسے اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گیا اور کعبہ کا دروازہ اکھاڑا اور کعبہ کا غلاف اتارا، کعبہ کی چھت توڑی اور غلاف پھاڑ کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کیا

اور زمزم شریف کا قبہ ڈھا دیا۔ مکہ معظمہ میں گیارہ دن قیام کر کے واپس لوٹا اور حجرِ اسود ساتھ لے گیا اور یہ حجرِ اسود بیس سال قرامطہ کے پاس رہا۔

تبرک کا ثبوت (جب حجرِ اسود بیس سال تک قرامطہ کے پاس رہا تو مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ)

وکان الناس یضعون ایدیھم محلہ للتبرک۔ — اور لوگ اس جگہ پر تبرک کے طور پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۶۱۷)

حجرِ اسود کی قیمت: قرامطہ کو پچاس ہزار دینار حجرِ اسود کی واپسی کے لیے دئے گئے تب بھی اس نے دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ چوبیسویں خلیفہ بنو عباس مطیع لامر اللہ کے دور میں واپس لایا گیا جس کی بھاری قیمت ادا کی گئی۔ خلیفہ مذکور نے حجرِ اسود کا چاندی کا طوق بنایا جس کی مضبوطی پر تین ہزار سات سو ساڑھے نوے درہم خرچ ہوئے۔

اعجوبہ حجرِ اسود حجرِ اسود جب اکھاڑا گیا تو اس کی سیاہی صرف سر کی جانب تھی باقی سارا سفید ہی سفید تھا۔ اس کا طول ایک ہاتھ کے برابر تھا۔

کعبہ کے ایک اور گستاخ کا قصہ قرامطہ کے بعد پھر ۴۱۳ھ ہجری میں ملاحدہ کا ایک فرد تھا جس نے حجرِ اسود پر نیزے کی تین ضربیں لگائیں جن سے حجرِ اسود کے چہرہ (ظاہری حصہ) پھٹ گیا تو اس سے مُہروں جیسے ٹکڑے گرے اور ان کے توڑنے سے گندمی رنگ کے چند دانے نکلے جو زردی مائل تھے خشخاش کی طرح، بنو شیبہ نے ان ٹکڑوں (ذرّوں) کو جمع کر کے ان کو ملا کر آٹے کی طرح کیا اور حجرِ اسود کے سوراخوں کو اس خمیر سے پُر کر کے اسے طلاء کیا گیا (اس پر اعتراضات کے جوابات فقیر اویسی غفرلہٗ لکھ چکا ہے)

اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ (کیا نہیں بنایا ان کے مکر کو گمراہی) ہمزہ تقریر کا ہے۔

حلِ لغات: ضلّل کیدہ اسے ضال وضائع وغیرہ بنایا اسی طرح فرمایا:

وماکید الکافرین الا فی ضلال۔ — اور کافرین کا مکر نہیں مگر گمراہی میں۔

کہا جاتا ہے:

ضل الماء فی اللبن۔ — پانی دودھ میں گیا اور غائب ہوا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر اور حیلہ کو جو کہ انہوں نے زائرین کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کا پروگرام بنایا اور اس کے خراب کرنے کی تجویز کی تمام ملیا میٹ اور ضائع اور باطل کر دی بایں طور

کر انہیں بُری طرح ہلاک کر دیا اور ان کی ہلاکت کے بعد انہیں اسی طرح کی جزا دی کہ کعبہ کو خراب کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کنیسہ (گرجا) کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ آج اس کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفیل کو نیست و نابود کیا تو قریش کی عزت و عظمت اور ہیبت لوگوں کے دلوں میں بڑھ گئی یہاں تک کہ عوام کہتے کہ کعبہ والے اہل اللہ (اولیاء اللہ) ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور حبشہ بالکل مٹ کر رہ گیا اور وہ کنیسہ جسے ابرہہ نے زرکثیر خرچ کر کے بنایا نہ صرف خود مٹ گیا بلکہ اس کا ماحول بھی ویران و خراب ہو گیا کہ ابرہہ کے مرنے کے بعد اسے کسی نے تیار نہ کیا بلکہ اس کے اردگرد بکثرت درندوں، سانپوں اور جنات نے ڈیرا جما لیا۔ پھر جو کوئی اس کنیسہ سے کچھ لینا چاہتا تو جنات اس کے پیچھے پڑ جاتے یہاں تک کہ سفاح پہلے خلیفہ بنو عباس کے زمانے تک یہی حال رہا۔ اسے کنیسۂ ابرہہ کا حال سُنایا گیا تو اس نے اپنا عامل یمن بھیجا اس نے کنیسہ کی توڑ پھوڑ کر کے اس کی وہ اینٹیں جو سونے سے مرصع تھیں اور وہ آلات جن پر سونے کا جڑاؤ تھا سب لے لیا، یُوں اسے سونے اور دیگر سامان کا بہت بڑا ذخیرہ حاصل ہُوا۔ اس کے بعد اس کے کنیسہ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا (اور ان پر پرندے بھیجے) الم یجعل پر اس کا عطف ہے اس لیے کہ اس میں ہمزہ انکار (نفی) کا ہے جیسے گزرا۔ **اَبَابِيْلَ** طیراً کی صفت ہے یعنی پرندوں کی جماعتیں کیونکہ وہ پرندے جُھنڈ کے جھنڈ تھے اور ایک کے بعد دوسرا لشکر آ جاتا اور چار سو وہی پرندے ہی پرندے تھے۔

حلِ لغات ابابیل اباله کی جمع ہے بمعنی لکڑیوں کا بڑا گٹھا۔ اسے پرندوں کے جُھرمٹ سے تشبیہ دی گئی کہ وہ گٹھے کی لکڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ ابابیل مفرد ہے عبادید کی طرح، یعنی لوگوں کے گروہ جو ہر طرف میں جاتے ہوئے نظر آئیں۔ شماطیط بمعنی متفرق ٹکڑے۔ لیکن اس پر اعتراض ہو گا کہ ابابیل اگر مفرد ہے تو نحویوں کے نزدیک مشکل ہے کیونکہ یہ وزن غیر منصرف کے لیے ہے اور اس کا وزن مفردات میں نہیں ہے۔

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ پرندے انہیں کنکر مارتے تھے۔ طیراً کی دوسری صفت ہے۔

ف: سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یرمیھم پڑھا ہے، اس کا فاعل اللہ ہے یا اس کا فاعل طیر ہے کیونکہ یہ اسم جمع ہے اس کی تانیث باعتبار معنٰی کے ہے۔

حلِ لغات: الحجارة حجر (بالتحریک) کی جمع ہے بمعنی پتھر۔ یعنی وہ پرندے لشکر پر پتھر پھینکتے تھے۔ کہا جاتا ہے: رمی الشئ بمعنی القاه یعنی اس کے ساتھ اسے پھینکا۔

مِّنْ سِجِّيْلٍ پتھر والی گیلی مٹی بمعنی آجر (پکی اینٹ) پتھریلی زمین۔ بعض نے کہا کہ سجّیل

دُو جنسوں سے مرکب ہوتا ہے :

(۱) سنج بمعنی سنگ،

(۲) جیل بمعنی گیلی مٹّی۔

یا وہ دفتر کا علم جس میں کافروں کے عذاب کی کتابیں ہیں۔ سِجّین کا بھی یہی مطلب ہے۔ یعنی اُس دفتر کا علم ہے جس میں کفار کے عذاب کے اعمال لکھے جاتے ہیں گویا کہا گیا ہے ساتھ پتھروں کے جو جملہ عذاب میں سے ایک تھا جو مکتوب و مدوّن تھا۔ اس کا اشتقاق اسجال سے ہے بمعنی ارسال۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ (تو انہیں کر ڈالا کھائی کھیتی کی پتّی) کھیتی کے پتّوں کی طرح جس میں کھانے والی چیزیں واقع ہوجائیں وہ جسے کیڑے کھائیں اور کھیتوں کے پتّوں کو عصف سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی شان یہ ہے کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں تاکہ اسے ہوا اڑا کر لے جائے یعنی اِدھر اُدھر پھینک دے۔ انہیں (ابرہہ کے لشکر کو) اس (بھوسہ) سے تشبیہ دینا فنا اور ان کے بالکل مٹ جانے کی وجہ سے ہے یا اس اعتبار سے کہ لشکرِ ابرہہ کے جسموں میں پتھر لگنے کی وجہ سے سوراخ ہوگئے اُس کھیتی کی طرح جسے کیڑے کھا جائیں۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ کھیتی کے پتّوں کی طرح تھے کہ جس کے دانے کھائے جائیں باقی خالی بھوسہ پڑا ہو۔ یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے دراصل عبارت کعصف ماکول الحب تھی۔ انہیں اس کھیتی سے تشبیہ دی گئی جس کے دانے نکال لیے گئے ہوں ان کی ارواح کے نکل جانے اور خالی اجسام باقی رہ جانے کی وجہ سے۔ یا یہ لشکر بھوسہ کے تنکوں کی طرح ہیں جنہیں جانور کھا کر گوبر بنا کر نکال باہر پھینکتے ہیں پھر وہ گوبر خشک ہوکر اس کے اجزاء متفرق ہوجائیں ان کے جوڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو گوبر کے اجزاء سے متفرق ہونے سے تشبیہ دی گئی اس میں ان کے حال کو بھوسہ کے حال کے برابر ظاہر کرنا اور بہتر مبالغہ ہے۔ وہ اس طرح کہ انہیں بھوسہ کی طرح بنانے پر اکتفاء نہیں کیا اگرچہ یہ بھی ایک بے فائدہ شے ہے بلکہ انہیں گوبر کے حال تک پہنچادیا لیکن گوبر کہنے کے بجائے ماکول کہا ہے یا اس کے سب سے پہلے حال کی طرف اشارہ کیا ہے بطریقِ کنایہ ہے یہ حسنِ ادب کی رعایت ہے کیونکہ گوبر کا ذکر ایک قبیح تعبیر ہے جیسے عیسیٰ اور آپ کی والدہ گرامی علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے بول و براز کے ذکر کی بجائے کانا یاکلان الطعام (وہ طعام کھاتے تھے) فرمایا گیا ہے قرآن مجید میں ایسے مقامات پہ ایسے کنایات ہوتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا جس کا غیر اللہ پر اعتماد ہوا اسے اللہ تعالیٰ ضعیف ترین مخلوق سے تباہ کرتا ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اصحاب الفیل نے جب ہاتھیوں کی کثرت پر اعتماد کیا اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں قوی اور طاقت ور ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ضعیف ترین

مخلوق سے تباہ کرایا، یعنی پرندوں سے۔

لطیفہ صوفیانہ عارفین نے فرمایا کہ اگر ہاتھی نہیں بن سکتے تو کم از کم مچھر ہی بن جاؤ کہ وہ ہاتھی کا ہم صورت اور ہم شکل ہے۔ مچھر کہتا ہے کہ اگرچہ میں ہاتھی نہیں کہ اس کی طرح بوجھ اٹھاؤں ہاں ہاتھی کی شکل کا ہوں لیکن بوجھ کسی پر نہیں ڈالتا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ابرہہ نفس متمردہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ وہ غضب و حقد و حسد پر پیدا شدہ ہے ہاتھی کی خلقت میں ہے جیسے درندگی درندے میں اور تکبر شیر میں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پرندے (ارواح) بھیجے جو اذکار و اوراد کے پتھر پھینکے تو پھر انہیں کھانے والے کھا گئے اور ان کی برائیوں کی کھیتیاں اڑ گئیں اور ان کی طبیعت جسمانیہ کا قلیس باطل ہو گیا جو قوی کو اپنی طرف بلاتا تھا اور یہ دعوت شیطان کے زینت دینے سے تھی تو وہ دعوت روح کی دعوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو وہ کعبۂ قلب کی طرف بلاتی ہے اور وہ رحمٰن سے ہے ؎

(۱) ہر کہ بر شمع خدا آرد تفو — شمع کے میرد بسوزد پوز او

(۲) چون تو خفاشان بسے بینند خواب — کیں جہان ماند یتیم از آفتاب

ترجمہ: (۱) جو شمع خدا پر پھونک مارتا ہے شمع تو کیا بجھے گی اس کا اپنا منہ ہی کالا ہوگا۔

(۲) تیرے جیسے چمگادڑ بڑے خواب دیکھتے ہیں کہ یہ جہان سورج سے یتیم ہو جائیگا۔

ف: ماکول پر وقف ہے اس کے بعد اللہ اکبر کہا جائے اسے وصل نہ کیا جائے تاکہ ایہام نہ ہو۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) خمیس کے دن، جمادی الاولیٰ ۷ ۱۱۱۱ھ کو سورۃ الفیل کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ الفیل کی تفسیر کے ترجمہ سے ۶ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ میں شب بدھ کو فراغت پائی۔

سُورۃ الایلاف

اٰیاتہا ۴	(۱-۶) سورۃ الایلاف مکیّۃ (۲۹)	رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۝ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۝ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۝ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ۝

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
اس لیے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی دونوں کے کوچ میں میل دلایا تو انہیں چاہیئے اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا۔

سورۃ الایلف مکیہ ہے چار آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ (اس لیے کہ قریش کو میل دلایا) یہ فلیعبدوا کے متعلق ہے یہ زجاج کا قول ہے کلام میں جو شرط کا معنیٰ ہے اسی لیے فاء شرطیہ ہے کیونکہ معنیٰ ہے ان انعم اللہ علیہم الخ اگر ان پر اللہ تعالیٰ کا غیر محصور انعام ہے تو اگر وہ دیگر نعمتوں پر عبادت نہ کریں تو کم از کم اس بڑی نعمت پر تو عبادت کریں اس تقریر پر ایلاف فعل متعدی ہے الالف سے ہے اور وہ مبنی للمفعول اپنے اول مفعول کی طرف مضاف مفعول ثانی سے مفعول مطلق ہے

یعنی رحلۃ سے، جیسے اس سے ایلاف میں مقید کیا گیا ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے، الفت الشئ بالقصر والفتہ بالمد۔ بمعنی لزمتہ اسے لازم کیا، ودمت علیہ وما ترکتہ (اور میں نے اس پر مداومت کی اور اسے نہ چھوڑا) اس اعتبار سے دونوں الف وایلاف لازم ہے اور کہا جاتا ہے، آلفتہ (بالمد) غیری الزمتہ ایاہ (میں نے اسے لازم پکڑا) اس اعتبار سے یہ متعدی ہے۔

اور تاج المصادر میں ہے کہ ایلاف بمعنی الفت دینا اور الفت لینا۔ ایلاف وایناس کی نقیض ایحاش ہے۔

ف: بعض نے کہا یہ ماقبل فجعلھم الخ سے متعلق ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ مصحف ابوذر رضی اللہ عنہ میں بلافصل ایک سورۃ ہے اس معنی پر ایلاف بمعنی الف فعل لازم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا جو حبشہ سے آئے تھے تاکہ وہ دونوں سفروں سے مانوس ہوں اور ان دونوں کو جمع کریں اور دونوں کو لازم پکڑیں اور ان پر بلا فصل متصلاً ثابت اور قائم رہیں کہ جب ایک سے فارغ ہوں تو دوسرے کی تیاری میں لگ جائیں اس کی وجہ یہ ہوئی جب لوگوں نے ابرہہ کی تباہی کا حال سُنا تو ان پر اہل مکہ کی بہت زیادہ ہیبت چھا گئی اور ان کا زیادہ سے زیادہ عزت واحترام کرنے لگے اسی لیے ان پر کسی قوم کی جرأت نہ کرتے اور ان کی خدمات صرف دو موسموں میں سرانجام دے سکتے اور قریش سال میں دوسفر کرتے تھے، موسم سرما میں یمن کی طرف موسم گرما میں شام کی طرف قافلہ بنا کر جاتے اور تجارت کرتے اور دونوں سفروں میں امن سے آتے جاتے کیونکہ حرم اللہ والے اور بیت اللہ کے متولی سمجھے جاتے تھے اسی لیے ان کے درپے آزار کوئی بھی نہ ہوتا حالانکہ یہ لوگ دوسرے عوام کو لوٹ لیتے اور ان سے تجارتی اموال واسباب چھین لیتے۔

حضرت ہاشم کا کارنامہ قریش کی عادت تھی کہ جب ان کے کسی ایک کو افلاس وتنگدستی کا سامنا ہوتا تو وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر کسی جگہ پر خیمہ لگا لیتا اور وہیں مرجاتا۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کے دور تک قریش کا یہی حال رہا، آپ اپنی قوم کے سردار تھے اپنی قوم قریش کو جمع کرکے تقریر فرمائی کہ جو تم نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے وہ وقت دُور نہیں کہ تم آٹے میں نمک سمجھے جاؤ گے بلکہ تم جیسا دنیا میں ذلیل اور کوئی نہ ہوگا حالانکہ حرم اللہ والے اور اولاد آدم سے برگزیدہ ہو اور تمام لوگ تمہارے تابع ہیں۔ سب سے متفق ہوکر کہا آج کے بعد ہم سب آپ کے تابع ہیں آپ کی کسی قسم کی مخالفت نہ کریں گے آپ نے ہر بڑے قبیلہ کو دو سفروں کے لیے تیار کیا موسم سرما میں یمن کی طرف گرما میں شام کی

طرف اس لیے کہ یمن سخت گرم ملک ہے اور شام سخت سرد اور بالائی جانب ہے ان دونوں میں تجارت کی جائے جس تجارت کا جی چاہے جو نفع حاصل ہو دولت مند آدمی اسے فقراء کو دے آپ کے اس کارنامہ سے قریش کے لوگ سب کے سب غنی ہو گئے یہاں تک کہ اسلام کا سورج چمکا تو وہ اسی طریقہ پر تھے یہی وجہ تھی کہ عرب میں کوئی قبیلہ قریش سے زیادہ غنی اور باعزت نہ تھا اور حضرت سب سے پہلے بزرگ ہیں جو ملک شام گندم کا اناج لائے۔

قریش کا تعارف و تفصیل

قریش نضر بن کنانہ کا بیٹا ہے اور جو اس سے نسبت نہیں رکھتا وہ قریشی نہیں۔ قریش قرش کی تصغیر ہے وہ ایک بڑا دریائی جانور ہے جو کشتیوں سے کھیلتا اور الٹاتا اور ٹکر مار کر توڑ دیتا ہے اسے آگ کے ذریعے سے پکڑا جا سکتا ہے۔ اس قوم کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ وہ دوسروں کو کھا جاتا ہے کسی کا شکار ہو کر کھایا نہیں جاتا دوسروں پر غالب ہے مغلوب نہیں۔ تصغیر عظمت کی ہے گویا کہا گیا قریش عظیم۔

بعض نے کہا زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ تصغیر اپنی حقیقت پر ہے اس لیے جب قرش ایک عظیم جانور ہے کیونکہ قرش باوجود ایسے صغیر حجم کے قرش ہے تو وہ لامحالہ قریش بھی (کیونکہ تصغیر مکبّر کے بغیر کیسے) اور یہ بھی کہ قریش کو قریش کہنا اس کے صغر حجم کی وجہ سے نہیں بلکہ بوجہ وصف آکلیۃ و عدم ماکولیۃ اور بوجہ وصف غالبیۃ و عدم مغلوبیۃ کے ہے۔ اور یہ دونوں صفتیں اس جانور میں علیٰ وجہ الکمال ہیں تو اس تقریر پر لازماً ثابت ہوا کہ یہ تصغیر تعظیم کی ہی ہے

حکایت

زمخشری نے کہا کہ ہم مکہ معظمہ (کعبہ شریف) میں باب بنی شیبہ میں بیٹھے تھے کہ میں نے ایک آدمی سے قرش کی وصف سنی وہ کہہ رہا تھا وہ مدور الخلقۃ ہے جیسے ہمارے بیٹھنے کی جگہ سے کعبہ معظمہ تک اس کا کام ہے وہ بڑی کشتیوں کا تعاقب کر کے ان کو پکڑتا ہے تو اسے تعرض نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اس کے آگے مشعلیں جلائی اور اس کے چہرے کے سامنے بجلی کی طرح چمکیں تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

اس کے ہاں آگ کے سوا باقی ہر شے ہیچ ہے اسی لیے قریش کو قریش کہا جاتا ہے ؎

وقريش هي التي تسكن البحر بها سميت قريش قريشا

تاكل الغث والسمين ولا تترك فيه لذي جناحين ريشا

هكذا في البلاد حي قريش يأكلون البلاد اكلا كميشا

ولهم آخر الزمان نبي يكثر القتل فيهم والخموشا

ترجمہ: قریش وہ جانور ہے جو دریا میں زندگی بسر کرتا ہے اس لیے قریش کو قریش

کہا جاتا ہے وہ ہر معمولی اور اعلیٰ غذا کھاتا ہے لیکن دریا میں کسی پروں والے کے پرنگ نہیں چھوڑتا۔

ایسے ہی قوم قریش کا حال ہے شہروں (ملکوں) میں وہ تمام شہروں کو مکمل طور پر کھا جاتے ہیں (یعنی غلبہ پالیتے ہیں) ان میں ایک نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جو بہت زیادہ قتال فرمائیں گے اور انہیں زخمی کریں گے۔

حلِ لغات الخموش بمعنی الخدوش۔ اکلاً کمیشا (تیزی سے کھاجانا) القاموس میں ہے قرشہ ویقرشہ بمعنی اسے کاٹا اور جمع کیا ادھر ادھر سے اور بعض کو بعض سے ملایا اسی سے ہے قریش ان کے حرم شریف میں جمع ہونے کی وجہ سے۔ یا اس لیے کہ بیوع کو جمع کرکے خرید و فروخت کرتے ہیں، یا اس لیے کہ نضر بن کنانہ ایک دن اپنے کپڑے میں مجتمع ہوا (لپٹا) اس پر لوگوں نے کہا تقرش (کپڑے میں لپٹا)، یا اس لیے کہ وہی نضر بن کنانہ اپنی قوم کے پاس آیا انہوں نے کہا کأنہ جمل قریش (گویا وہ سخت اونٹ ہے)، یا اس لیے کہ قصی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو قرشی کہا جاتا، یا اس لیے کہ لوگ حجاج کو تلاش کرکے ان کی مہمانی کرتے، یا قرش کی تصغیر سے انہیں موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ وہ بحری جانور ہے جس سے تمام دریائی جانور ڈرتے ہیں۔ یا یہ قریش بن مخلد بن غالب بن فہر کی وجہ سے قریشی ہیں کہ وہ ان کے قافلہ کا سردار تھا اسی لیے کہا جاتا ہے قدمت عیر قریش (قریش کا قافلہ آیا) وخرجت عیر قریش (قریش کا قافلہ نکلا)، اسی کی نسبت سے یہ لوگ قرشی اور قریشی کہلائے۔

اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ (ان کے جاڑے اور گرمی دونوں کے کوچ میں میل دلایا)

اول ایلاف سے بدل اور رحلة مفعول بہ ہے ایلا فھم کے لیے، بالکسر بمعنی ارتحال (کوچ کرنا) بالضم بمعنی وہ جہت جس کی طرف کوچ کیا جائے۔ الرحلة کا اصل سواری پر سوار ہو کر سیر کرنا یعنی قوت والی اونٹنی پھر ہر قسم کی سیر اور کوچ میں مستعمل ہے واحد کا صیغہ ہے حالانکہ مراد دو سفر ہیں سرما و گرما۔ التباس سے امن کی وجہ سے علاوہ ازیں اسم جنس ہے اور وہ واحد و کثیر سب کے لیے ہوتا ہے۔ پہلے ایلاف کو مطلق از مفعول دوسرے مفعول سے مقید کرنے میں اس کے معاملہ میں تفخیم اور اس میں عظیم نعمت کی تذکیر ہے۔

حلِ لغات الشتاء وہ فصل جو صیف کا بالمقابل ہے۔ القاموس میں ہے الشتاء چار زمانوں کا ایک۔ سرد علاقہ کو مشتی کہا جاتا ہے۔ الصیف موسم گرما یا ربیع کے بعد کا موسم۔ القیظ بمعنی الموت الثریا سے طلوع سہیل تک کا گرم موسم۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ (تو انہیں چاہیے کہ اس کے گھر

کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں کھانا دیا) یعنی ان دونوں سفروں کے سبب سے جس پر انہوں نے قدرت پائی صرف اس واسطہ سے کہ وہ بیت اللہ کے ہمسائیگان ہیں یا اس لیے کہ ان کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے خیر و برکت کی دعا فرمائی مِّن جُوعٍ (بھوک میں) بھوک سخت سے، ان دو سفروں سے پہلے شدید بھوک میں مبتلا ہو جاتے یہاں تک کہ عمرو العلی یعنی ہاشم رضی اللہ عنہ نے انہیں دونوں سفروں پر جمع کیا (تجویز کی)۔ ابوحیان نے کہا کہ من تعلیلیہ ہے یعنی بھوک کی وجہ سے۔ اور سعدی مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بھوک طعام ہی بند کر سکتا ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ بدلیۃ کا ہے۔

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے یعنی سبب الطعام و ترزیق (روزی پہنچانے) کے۔

وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ اور انہیں ایک خوف سے امن بخشا۔ بڑا خوف کہ اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا، وہ ہے اصحاب الفیل کا خوف یا ان کے شہروں میں اچک کے لے جانے اور ڈاکوؤں سے، صاحب کشاف نے کہا کہ من و عن میں یہ فرق ہے کہ عن کا تقاضا ہے کہ وہ بھوک کا حصول جو زائل ہو گئی اطعام سے۔ اور من کا تقاضا ہے جوع کے لحوق سے منع۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے طعام کھلایا کہ انہیں بھوک لاحق نہ ہوئی اور انہیں امن دیا کہ انہیں خوف لاحق نہ ہوا یعنی من ابتدا الغایۃ کیلئے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک کے لحوق سے پہلے ہی ابتداء بھوک کے روکنے کے لیے طعام کھلایا اور قبل اس کے کہ کسی کا خوف لاحق ہو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً خوف سے انہیں امن بخشا۔

قریش کے فضائل

بی بی ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی سات خصائل سے فضیلت بیان فرمائی جو اس سے قبل کسی کو نصیب نہ ہوئیں اور نہ بعد میں کسی کو نصیب ہوں گی:

(۱) نبوت

(۲) خلافت

(۳) بیت اللہ کی حجابت

(۴) سقایہ

(۵) اصحاب الفیل پر ان کی مدد

(۶) سات سال مسلسل اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، ایک روایت میں دس سال ہے کہ اس طرح سے اس کی کسی اور نے عبادت نہیں کی۔

(۷) ان کے حق میں سورۃ لایلاف اتاری اور خود سورۃ کا نام بھی لایلاف قریش بتایا۔

ف: وہ جو کہا گیا ہے کہ سورۃ الفیل اور سورۃ قریش ایک ہے اس کی تائید اس سے بھی ہے اس مدت میں ان کے سوا کسی اور نے عبادت نہ کی۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ قریش میں نفس مشرکہ اور اس کے قوائے ظالمہ خاطئہ ساکنہ در بلد انسانی جو کہ وہ مکۂ وجود ہے کی طرف اشارہ ہے اور شتاء میں قہر و جلال کی طرف اور صیف میں لطف و جمال کی طرف اشارہ ہے یعنی قہر و جلال سے عجز و ضعف مراد ہے اس لیے کہ مقہور عاجز و ضعیف ہے اور لطف و جمال سے قدرۃ و قوۃ مراد ہے کیونکہ ملطوف بہ (جس پر لطف کیا جائے) صاحب التمکین ہے اور نفس کا عجز و ضعف اس وقت ہے جب خواہشات اس کے موافق نہ ہوں اور اس کی قوت و قدرت تب ہے جب خواہشات اس کے موافق ہوں پھر یہ نفس اور اس کی صفات عجز و ضعف کے وقت یمن المعقولات کی طرف کوچ کرتے ہیں کیونکہ وہ قلب کی جانب یمین میں ہے اور قوۃ و طاقت کے وقت مشامِ محسوسات کی طرف کیونکہ وہ قلب کی جانب یسار میں ہے اور وہ سینہ کے متصل ہے اور چلتے پھرتے ہیں معقولات و محسوسات کی نعمتوں کے درمیان میں، ان کا شکر بھی نہیں کرتے یہ کہ وجود الوجود اور رسالت رسول قلب کا اقرار کریں جیسے فلاسفہ کہ وہ معقولات میں غلو کرتے ہیں اور فراعنہ محسوسات میں منہمک ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلیعبدوا رب ھذا البیت یعنی رب بیت القلب جو کہ کعبہ حقیقی ہے کی عبادت کریں اور قلب کعبہ حقیقی اس لیے ہے وہ واردات و الہامات کا مطاف ہے اور اس کی ضروری عبادت ایک یہ ہے کہ وہ رسول الھدیٰ کی رسالت کا اقرار کرے یعنی قلب اس سے ثابت ہوا کہ یہ گھر یعنی قلب مطلقاً بہت عظمت والا اور شرافت والا گھر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو اس کی طرف مضاف فرمایا تو پھر تمہارا کیا گمان ہے جو رب تعالیٰ اتنی عظمت و جلال و ہیبت والا ہے اور رب القلب، وہ اسم جامع ہے جو جمیع اسماء و صفات کو محیط ہے اور وہی اسم اعظم ہے جس پر تمام تاثیرات عقلیہ و روحانیہ و علمیہ و غیبیہ کا دار و مدار ہے اسی لیے بندوں کو حکم ہے کہ وہ اس اسم کے ماتحت ہوں نہ کہ اسمائے جزئیہ کے ماتحت، تاکہ شرک سے بچ کر وحدۃ الوجود کے راز کا تحقق ہو اس لیے کہ اسماء جزئیہ تقیید عطا کرتے ہیں اور اسم کلی اطلاق بخشتا ہے، اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُمّ البلاد میں مبعوث ہوئے وہ بھی اسی کلیۃ جزئیۃ و جمعیۃ کی طرف اشارہ ہے یہی رب جلیل ہے مفیض معطی ہے جو ان سے علوم و فیوض کی بھوک ہٹاتا ہے اور ان سے ہی انہیں طعام کھلاتا ہے اور انہیں خوف ہلاکت از جوع سے امن بخشتا ہے کہ نفس جاہل مردے کی طرح ہے اور یہ ظاہر ہے زندہ لوگ مردے سے ڈرتے ہیں۔ اسی طرح مجھے اللہ علام سے الہام ہوا۔

فقیر اویسی غفرلہٗ سورۃ القریش کی تفسیر کے ترجمہ سے ۶ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز بدھ فارغ ہوا۔

سُورۃ الماعون

آیاتہا ۷	(۱۰۷) سورۃ الماعون مکیۃ (۱۷)	رکوعہا ۱
	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○	
	اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ○ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ○ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ○ فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ○ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ○ الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ○ وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ○	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

بھلا دیکھو تو جو دین کو جھٹلاتا ہے پھر وہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہیں دیتا تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے۔

سورۃ الماعون مکیہ ہے اس کی سات یا چھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ اَرَءَیۡتَ (بھلا دیکھو تو) اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تو نے جانا ہے الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ (جو دین کو جھٹلاتا ہے) یا جزا کو یا اسلام کو، اور اس کا یقین نہیں کرتا، اگر تو نے نہیں جانا یا اگر تمہارا جاننے کا ارادہ ہے فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ (پھر وہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے) اسے سخت زور سے دفع کرتا ہے یعنی دھکے دیتا ہے یہ شرط محذوف کا جواب ہے اور ذٰلک مبتدا اور موصول اس کی خبر ہے۔ اس سے ابوجہل مراد ہے کہ وہ یتیم کا

وصی تھا۔

ابوجہل پر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال وفضل کا اظہار

ایک دفعہ ابوجہل کے پاس وہی یتیم کپڑوں سے ننگا آیا اور ابوجہل سے سوال کیا تو اس نے دھوکا دے کر مایوس کر دیا اسے قریش کے سرداروں نے کہا کہ ابوجہل کے پاس (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو سفارش کے لیے لے جا، اس سے ان کی مراد استہزاء و مذاق تھا۔ اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سائل کو محروم نہیں کرتے اسی لیے آپ اس یتیم کے ساتھ سفارش کے لیے ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر (تعظیماً مجبوراً) کھڑا ہو گیا اور آپ کے فرمانے پر یتیم کو بہت سا مال دے دیا۔ ابوجہل کو قریش کے سرداروں نے عار دلائی کہ تو صابی ہو گیا۔ کہا بخدا نہیں میں صابی نہیں صرف بات یہ ہوئی کہ میں نے ان کے (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے) آگے پیچھے نیزے ہی نیزے دیکھے اگر میں ان کی بات نہ مانتا تو مجھ پر نیزوں سے حملہ ہو جاتا۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ الذی کا موصول عہد کا ہے اور اس سے جنس مراد ہو سکتی ہے اس معنیٰ پر وہ عام ہو گا ہر اس کو جو بھی دین کا مکذب ہو، اور جس کا یہی حال ہو کہ وہ ضعیف کو اذیت دے اور اسے سختی سے دھکے دے نفس کی درندگی کے غلبہ کی وجہ سے۔

وَلَا يَحُضُّ (اور رغبت نہیں دیتا) برانگیختہ نہیں کرتا اپنے اہل کو اور نہ ہی دیگر دنیا داروں کو **عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ** (مسکین کو کھانا دینے کی) طعام خرچ کرنا مسکین اور درویش و محتاج بلکہ مستحق سے نیکی روکتا ہے نفس بہیمیہ کے غلبہ اور حُبِّ مال اور بخل کی رذیلہ کے استحکام کی وجہ سے کیونکہ جب وہ دوسرے کو رغبت دینے کا تارک ہے تو پھر وہ خود کب کرتا ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ ترکِ رغبت اور ترکِ فعل تکذیب کی علامات سے ہے۔

نکتہ اطعام کے بجائے طعام کا اختیار اور اس کی مسکین کی طرف اضافۃ دلیل ہے کہ مساکین کے اموال میں شریک ہیں اور ان کا ان میں حق ہے اور اس کا روکنے والا مسکین کے حق کا مانع ہے اور یہ انتہائی بخل و قساوۃ قلبی اور خساستہ طبع ہے۔

سوال: بہت سے مواقع پر انسان مسکین کے کھلانے میں رغبت نہیں دیتا اور نہ ہی اسے گناہ سمجھتا ہے تو پھر اس کی کیسے مذمت کی جاتی ہے۔

جواب: جس کی مذمت کی گئی ہے وہ ہے جو آخرت کی جزاء کا قائل نہیں اس کے باوجود پھر اگر کوئی عمداً

رغبت کا ترک کرتا ہے تو وہ اس کے بخل اور نیکی ہر مسکین کی نشانی ہے اور اس کے لیے مذمت میں شبہ نہیں اور نہ ہی اس کی توبیخ مذموم ہے یہ ایسے ہے جیسے کسی دوسرے پر احسان کو روکتا ہے تو یہ بھی ایسے ہے: سہ

چون ز کردم سفلہ بود در گران   منع کند از کرم دیگران

سفلہ نخواہد دگری را بکام   خس نگذارد مگسی را بجام

ترجمہ: جب احسان و کرم سے کمینہ بارگراں ہے وہ دوسرے کو کرم کرنے سے منع کرتا ہے کمینے کی عادت ہے کہ وہ دوسرے کی مراد پوری کرنا نہیں چاہتا، خس ہی مکھی کے لیے نہیں چاہتا جام میں ہونا۔

فَوَيْلٌ (تو خرابی ہے) یہ فاء اپنے مابعد کی شرط محذوف کے ساتھ ربط کے لیے ہے گویا کہا گیا ہے اذا کان ما ذکر الخ جب ایسے ہو جو مذکور ہوا کہ اسے نہ یتیم کی پروا ہے نہ مسکین کی جو کہ تکذیب بالدین کی علامات اور مذمت و توبیخ کی علامات ہیں تو خرابی یعنی سخت عذاب ہے لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے بھولے بیٹھے ہیں)۔

مسئلہ: سہو غفلت سے خطا کا نام ہے۔[ل]

سہو کی اقسام سہو دو[۲] قسم ہے:

(۱) وہ جس کے موجبات اور اسباب بندہ کے پیدا کردہ نہ ہوں جیسے مجنون (پاگل) جو کسی کو گالی دے۔

(۲) وہ جس میں بندے کے فعل کو دخل ہو، جیسے شرابی کہ شراب پینے کے بعد اس سے کسی برائی کا صدور بلا قصد ہو۔

پہلا معاف ہے دوسرے پر گرفت ہے منجملہ ان کے ایک یہی ہے جس کی مذمت آیت ہذا میں ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ نماز کا ترک کرتے ہیں سہو سے اور اس کی طرف قلتِ التفات اور عدم مبالات سے او

[ل] اس معنی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نماز میں سہو مراد لینا کفر ہے اس لیے کہ حضور اکرم ہر غفلت اور خطا سے معصوم ہیں بلکہ اولیاء کرام بھی محفوظ ہیں لکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون کہ وہ حضور اکرم علیہ السلام کے سہو کو اپنے سہو پر قیاس کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ "این النسیان فی النبی آخر الزمان" میں دیکھئے اور صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے بیانات و تصریحات وہی ہیں جو آج کل ہمارا عقیدہ ہے الحمد للہ علی ذلک۔ اویسی غفرلہٗ

یہ منافقین یا اہلِ ایمان کے فاسقین کا کام ہے (جیسے عوام بعض خواص کی ترکِ صلوٰۃ کی عادت ہے) یہی عَن کا مطلب ہے۔

ف : اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

"الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے فی نہیں فرمایا عن فرمایا ہے"۔ کیونکہ اگر فرماتا فی صلوٰتھم تو معنی یہ ہوتا کہ انہیں سہو عارض ہوتا ہے۔

سہو کس کو سہو یا تو وسوسۂ شیطان سے ہوتا ہے یا حدیثِ نفس سے اور ایسے وسوسہ سے تو کوئی بھی مسلمان خالی نہیں اور اس سے جان چھڑانا آسان ہے۔

حدیث شریف میں ہے : اس آیت کے نازل پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ نے فرمایا :

"یہ آیت تمہارے لیے بہتر ہے اس سے کہ تمہارے ایک کو تمام دنیا جیسی کوئی اور نعمت حاصل ہوتی"۔

سوال وہابی دیوبندی عرض کیا گیا : کیا نبی علیہ السلام سے بھی سہو ہو جاتا ہے ؟
تو آپ نے فرمایا : نعم (ہاں)

جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا :

شغلونا عن صلوٰۃ العصر ۔ انہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے مشغول رکھا۔

یعنی یومِ خندق ۔ پھر فرمایا :

ملأ اللہ قلوبھم نارا ۔ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب آگ سے پُر کرے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ لیلۃ التعریس میں فجر کی نماز میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہوا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ظہر کی دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو دو رکعت پڑھی ہیں۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور مزید دو رکعتیں ساتھ ملائیں۔

(اس سے وہابی دیوبندی دلیل لاتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور سہو ہوا)

جواب اویسی غفرلہ بلسان صاحب روح البیان قدس سرہ (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا روایات سوال کے طور پر لکھ کر جواب دیا کہ :

لکن سہوہ علیہ السلام فیما ذکر	حضور کا سہو جو مذکور ہوا اس کے علاوہ
وفی غیرہ لیس کسہو سائر الخلق و	بھی وہ باقی مخلوق کی طرح نہیں آپ کی
اٰیھم مثلہ علیہ السلام وھو فی	مثل کون ہو سکتا ہے آپ ہمیشہ استغراق
الاستغراق والانجذاب دائما و	اور انجذاب میں رہتے خود فرمایا میری آنکھیں
قد قال تنام عینای ولا ینام قلبی۔	نیند میں ہوتی ہیں مگر قلب بیدار رہتا ہے۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۲۳)

تفسیر صوفیانہ اس میں شہود لطائف الصلوٰۃ کے سہو اور اس کے اسرار و علوم کی غفلت کی طرف اشارہ ہے۔

ف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساھون کے بجائے لاھون پڑھا ہے۔

سبق عقلمند پر لازم ہے کہ وہ نماز کو ضائع نہ کرے کہ یہ معراج المومنین اور از باب مناجات ہے اور نہ ہی اس میں داڑھی سے کھیلے نہ کپڑوں سے کھیلے نہ ہی زیادہ انگڑائیاں لے اور نہ ہی ادھر ادھر التفات کرے۔ ہم نے بہت سے نمازی دیکھے کہ نماز سے فراغت کے بعد انہیں پتا نہیں ہوتا کہ کتنی رکعات پڑھیں اور ان میں کیا پڑھا۔

تفسیر عالمانہ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ (وہ جو دکھاوا کرتے ہیں) لوگوں کو دکھاوا اس نیت سے کرتے ہیں کہ وہ اس کی تعریف کریں۔

سوال: اس وقت جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آتا ہے اس لیے کہ اس سے رؤیۃ بصر بہ کا کوئی تعلق نہیں۔

جواب: یہ عموم المجاز پر محمول ہے یا اراءۃ از رؤیۃ بمعنی معرفت ہے۔

ف: الکشاف میں ہے کہ اگر عمل صالح فرائض سے ہے تو حق فرائض سے ہے اس کا اعلان و تشہیر۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا غمۃ فی فرائض اللہ۔ — فرائض الٰہی کو چھپانا نہیں چاہیئے۔

کیونکہ یہ درحقیقت اعلام الاسلام وشعائر دین ہے نیز اس لیے کہ اس کا تارک مذمت و ملامت کا مستحق ہے تو اپنے سے تہمت کا ازالہ اظہار سے ضروری ہے۔ اگر نفلی طاعت ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ اسے مخفی رکھا جائے کیونکہ اس کے ترک پر کسی کی ملامت نہ ہوگی اور نہ تہمت، ہاں اگر اس کے اظہار سے یہ ارادہ ہو کہ لوگ اس کی اقتداء کریں گے تو بہتر ہے۔

مسئلہ: ریار یہ ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کی نیکی کی طرف کریں۔

ف: ریار سے بچنا نہایت ہی مشکل ہے اس لیے کہ وہ سیاہ چیونٹی کے سیاہ پتھر پر اندھیری رات بلں چلنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے ؎

کلید در دوزخست آں نماز
کہ درچشم مردم گزارے دراز

ترجمہ: دوزخ کے دروازے کی چابی وہ نماز ہے جو لوگوں کی نگاہوں میں لمبی لمبی کر کے پڑھی جائے۔

ف: ریار کار اور منافق میں فرق یہ ہے کہ منافق تو اندر میں کفر کو چھپا کر اور ایمان کو ظاہر کر کے عبادت کرتا ہے۔ اور ریار کار مومن ہے لیکن خشوع اور نیکی کے آثار بڑھا کر ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے عقیدت رکھیں اور سمجھیں کہ یہ بڑا نیک ہے' اور ریار کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت سے طلبِ دُنیا اور جاہ و مرتبہ ہو۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو اپنے اعمال واحوال کو اپنے نفس ظلمانیہ کی طرف منسوب کرے وہ ریاکار ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے)

حلِ لغات: الماعون المعن سے ہے بمعنی شئ قلیل۔ اور زکوٰۃ کو بھی ماعون کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ مال کا صرف چالیسواں حصہ ہوتا ہے اور یہ بہ نسبت کثیر کے قلیل ہے۔ اور ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الماعون حبشہ کی لغت میں بمعنی مال ہے اور برہان القرآن۔

سوال: موصول کا تکرار کیوں؟

جواب: فعل کا اسم پر عطف ممنوع ہے اور یوں نہ کہا الذین ھم یمنعون۔ کیونکہ یمنعون فعل ہے اور فعل کا فعل پر عطف حسن ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ زکوٰۃ روکتے ہیں اس کا ذکر صلوٰۃ کے بعد دلیل ہے کہ یہاں ماعون سے مراد زکوٰۃ ہو، یا وہ شے جو ایک دُوسرے سے عاریتہً لی جاتی ہے تو جیسے جزار کے عدم اعتقاد سے یتیم و مسکین سے لاپروائی مذمت و توبیخ کا موجب ہے ایسے ہی نماز میں لاپروائی جو اسلام کا ستون ہے سے لاپروائی اور ریار جو کفر کا ایک شعبہ ہے اور زکوٰۃ جو اسلام کا خزانہ ہے اور مخلوق سے بُرا معاملہ ہے جو وہ زیادہ حقدار سے رکاوٹ موجبِ ذم و توبیخ ہیں۔

ف: اسلام کے بہت سے ٹھیکیدار بلکہ بہت سے علمار بھی ان بیماریوں میں مبتلا ہیں، افسوس

صد افسوس!

ف: عاریتاً وہ لینا دینا مراد ہے جو عادۃً معروف ہے جو معمولی اشیاء سے ایک دوسرے کی مدد کی جاتی ہے جیسے لکڑیاں کاٹنے کے لیے کلہاڑی اور نمک اور لوٹا اور سوئی اور پیالہ (برتن ضرورت کے) چھلنی (آٹا وغیرہ چھاننے کے لیے)، تیشہ، چمچہ، آگ، پانی (پین، پنسل وغیرہ) بھی اسی میں داخل ہیں۔ تنور روٹی وغیرہ پکانے کے لیے یا کسی کے پاس چند لمحات (یا جتنا برداشت ہوسکے) کے لیے سامان رکھنا ایک دن یا آدھا دن (یا اس سے کم و بیش)۔

حدیث شریف اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ کیا شے ہے جس کا روکنا (منع کرنا) حلال (جائز) نہیں۔ فرمایا: پانی، آگ، نمک۔ پھر عرض کی: یہ آگ اور پانی تو عام ضرورت کی اشیاء ہیں۔ فرمایا: اے حمیرا (رضی اللہ عنہا) جس نے کسی کو ضرورت کے لیے آگ دی تو گویا اس نے وہ سارا طعام وغیرہ صدقہ کیا جو اس آگ سے پکایا گیا (دیا سلائی اسی میں شامل ہے) اور جس نے کسی کو نمک دیا تو گویا اس نے وہ سارا کھانا صدقہ کیا جو اس نمک سے نمکین بنایا گیا اور جس نے کسی کو پانی کا چلو دیا (جہاں پانی کی قلت ہے) تو گویا اس نے ایک جان کو جان بخشی۔ (کشف الاسرار)

مسئلہ: کبھی ان اشیاء کا روکنا شریعت میں ممنوع ہوتا ہے جب اس کی اشد ضرورت ہوتی ہے، اور بلا ضرورت ان کا مانگنا قبیح ہے۔ عین المعانی میں ہے کہ ایسے روکنے والے گویا کوثر (حوض) سے روکے جائیں گے۔

مسئلہ: آیت میں بخل پر زجر و توبیخ ہے اس لیے کہ یہ منافقین کی صفت ہے۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) سورۃ الماعون کی تفسیر یوم عید المومنین (جمعۃ المبارک) کو ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ بعد نماز عشاء شب جمعرات، شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ کو تفسیر الماعون کے ترجمہ سے فارغ ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

سُورۃ الکوثر

رکوع ۱	(۱۵) سورۃ الکوثر مکیۃ (۱۰۸)	آیاتہا ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ○ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ○

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
اے محبوب بیشک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

سورۃ الکوثر کی تین آیات ہیں یہ مکیۃ ہے یا مدنیہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا۔)

تفسیر عالمانہ

اِنَّآ (اے محبوب بیشک ہم نے) انّ قسم کے قائم مقام جملہ کی تاکید کرتا ہے۔
اَعۡطَیۡنٰکَ (آپ کو عطا کیں)

سوال: بصیغۂ ماضی کیوں، حالانکہ اخرویہ عطایا اور بہت سی دنیوی عطائیں آپ کو ابھی حاصل نہ ہوئی تھیں۔
جواب: وقوع کے تحقق کی بنا پر (کہ گویا وہ عطا ہو چکیں)

الۡکَوۡثَرَ (بے شمار عطا ہوئیں) حد سے زاید خیر و بھلائی یعنی ان گنت علم و عمل اور دارین کی شرافت۔

حلِ لغات: کوثر بروزن فوعل، جیسے نوفل از نفل اور جوہر از جہر۔

حکایت اعرابیہ (عورت بدویہ) سے اس کے بیٹے کے متعلق پوچھا گیا جو سفر سے واپس لوٹا بم آب ابنک
تیرا بیٹا سفر سے کیا لایا؟ جواب دیا: آب بکوثر بے شمار خیر و بھلائی لایا۔

قاموس میں ہے الکوثر بمعنی ہر شے سے کثیر۔

مفردات میں ہے کہ کبھی مرد سخی کو کوثر کہا جاتا ہے۔

اہل لغت کہتے ہیں: تکوثر الشئی یعنی کثر کثرة متناھیة وہ شے انتہائی کثرت کو پہنچی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورۃ مبارک پڑھ کر فرمایا:

اتدرون ما الکوثر انه نهر فی الجنة وعدنیه ربی فیه خیرا کثیرا احلی من العسل واشد بیاضا من اللبن وابرد من الثلج وألین من الزبد حافتاه الزبرجد وأوانیه من فضة عدد نجوم السماء لا یظمأ من شرب منه ابدا اول وارديه فقراء المهاجرین الدنسوا الثیاب الشعث الرؤس الذین لا یزوجون المنعمات ولا تفتح لهم ابواب السدد و یموت احدهم و حاجته تتلجلج فی صدره لو اقسم علی الله لابره۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۲۴)

جانتے ہو کوثر کیا ہے، فرمایا وہ جنت میں ایک نہر ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں ان گنت خیر و بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے وہ شہد سے زیادہ میٹھی اور دودھ سے زیادہ سفید اور برف سے زیادہ سفید اور مکھن سے زیادہ نرم، اس کے دونوں کنارے زبرجد کے اور اس کے برتن چاندی کے اور وہ آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں اس سے جو پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا سب سے پہلے اس میں وارد ہونے والے فقراء مہاجرین ہوں گے جن کے کپڑے میلے کچیلے اور اجڑے ہوئے اور بکھرے بالوں والے، جن کے ساتھ دولتمند عورتیں نکاح کرنے کو گوارا نہیں کرتی تھیں ان پر بند دروازے نہ کھولے جاتے تھے اور ان کا ایک جب مرجاتا تو ضرورت کی فکر ابھی سینے میں کھٹکتی رہی حالانکہ ان کی شان یہ تھی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے کر کسی کام کے لیے کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کرے (یعنی کام کر دے گا)

تفسیر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ الکوثر بمعنی الخیر الکثیر۔ آپ سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ بعض[1] لوگ تو کہتے ہیں وہ جنت کی ایک نہر ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: وہ نہر بھی تو خیر کثیر میں سے ہے۔

کوثر کی آواز اب بھی اور ہر وقت سنی جا رہی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

من اراد ان یسمع خریر الکوثر	جو کوثر (حوض) کی آواز سننا چاہے وہ
فلید خل اصبعیہ فی اذنیہ۔	کانوں میں انگلی دبائے تو وہ آواز اب
(روح البیان ۱۰ ص ۵۲۴)	بھی اپنے کانوں میں سُنتا ہے۔

حوضِ کوثر کی وجہ تسمیہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ حوضِ کوثر کو اس لیے کوثر کہتے ہیں کہ اس میں وارد ہونے والے اَن گنت ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

حوضی ما بین صنعاء الی ایلۃ۔	میرا حوض صنعاء (یمن) سے لے کر ایلہ (بیت المقدس) تک (کی مسافت میں) پھیلا ہوا ہے۔

چار یار رضی اللہ عنہم کے عاشق کو انعام، اور ان کے دشمن کا برا انجام (حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا:)

حوض کوثر کے چاروں کونوں پر میرے چار یار ہوں گے، ایک کنارے پر ابوبکر، دوسرے پر عمر، تیسرے پر عثمان، چوتھے پر علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ہوں گے جو ان میں سے کسی ایک سے بغض کرتا ہوگا اسے کوئی بھی حوضِ کوثر سے کچھ نہ پلائے گا۔

ف: حوض کوثر میدانِ حشر میں ہوگا۔

بہترین فیصلہ دربارہ کوثر: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ الکوثر میں اللہ تعالیٰ کی جملہ نعمتیں داخل ہیں

---

[1] جیسے آج کل وہابی دیوبندی اور ان کے ہمنوا فرقے یہی تاثر دیتے ہیں جس کی تردید سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر اور حبر الامہ نے فرمائی۔ اویسی غفرلہٗ

ظاہری ہوں یا باطنی، ظاہری تو خیرات الدنیا و الآخرۃ ہیں اور باطنی وہ علوم لدنیہ جو حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فیضِ الٰہی سے اپنی سعی و اکتساب کے بغیر بواسطہ قوائے ظاہرہ و باطنہ حاصل ہوئے۔

کوثر صوفی کا صاحبِ تاویلات رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوثر معرفت کثرت ہے بوحدۃ وشہود وحدۃ عین کثرت میں ہے اور کوثر وہ نہر ہے بوستانِ معرفت میں جو اس سے سیراب ہوتا ہے وہ ہمیشہ جہالت کی پیاس سے بے خوف ہو جاتا ہے اور یہ صرف اور صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے یا آپ کے طفیل آپ کے اولیاء کاملین کو نصیب ہوتا ہے

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو) لَهٗ انحر کے بعد محذوف لربك پر اکتفاء کر کے اور فاء مابعد کی ماقبل کی ترتیب کے لیے ہے یعنی وہ عطیہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخشا، نہ پہلے کسی کو عطا ہوا نہ بعد میں کسی کے نصیب۔ یہ عطیہ کسی مامور بہ کا موجب ہے (اسی لیے نماز اور قربانی کا حکم ہوا) النحر ذبح فی الحلق کی طرح ہے۔

نکتہ: قربانی پر تقدیم نماز اس ذات کے لیے جس نے یہ ایسی نعمتیں بخشیں جن کی کوئی نعمت مشابہ نہیں ہو سکتی اور وہ نماز خالص اسی ذات کے لیے ہو تاکہ ان نعمتوں کے شکر کی ادائیگی ہو، اس لیے نماز تمام اقسام کی جامع ہے۔

شکر کی قسمیں شکر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) قلب سے، وہ یہ کہ بندہ دل سے مانے کہ یہ نعمتیں صرف اسی سے عطا ہوئیں نہ کہ کسی اور سے۔

(۲) زبان سے، یہ کہ منعم کی تعریف اور مدح و ثناء کی جائے۔

(۳) اعضاء سے، یہ کہ منعم کی خدمت کی جائے اور اس کے آگے عجز و نیاز سے پیش آئے۔

اور نماز ان تمام اقسام کی جامع ہے۔

ف: قربانی کا حکم اس لئے ہے کہ وہ عرب کے بہترین اموال سے ہے یعنی اونٹ قربان کرو اللہ تعالیٰ کے لیے۔

ف: خلاصہ یہ کہ محتاجوں مسکینوں پر صدقہ کرو، ان کا خلاف کر کے جو ان کو دھکے دیتا ہے اور برتنے کی چیزیں روکتا ہے، گویا یہ سورۃ کوثر سورۃ ماعون کی بالمقابل ہے۔

مسئلہ: بعض نے کہا کہ اس سے صلوٰۃ العید مراد ہے بوجہ قربانی کی مناسبت کے، اس تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مدنیہ ہے۔

ف: حضرت عطیہ نے فرمایا کہ اس سے فجر کی باجماعت نماز مراد ہے اور نحر سے منیٰ میں قربانی

مراد ہے۔

ساٹھ قربانی کا مفت کا ثواب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کوئی شخص غریب (محتاج) ہو قربانی نہ کر سکے تو کیا کرے حالانکہ وہ بھی قربانی کا ثواب چاہتا ہے۔ فرمایا: وہ چار رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ بار سورۃ الکوثر پڑھے اس کے نامۂ اعمال میں ساٹھ قربانیوں کا ثواب لکھا جائے گا، کما فی کشف الاسرار۔

ردِ شیعہ برائے نماز میں ہاتھ باندھنا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:

النحر ھنا وضع الیدین فی الصلوٰۃ علی النحر۔ (روح البیان ۱۰ ص ۵۲۵)

یہاں پر نحر کا معنیٰ ہے نماز میں دونوں ہاتھ سینے پر رکھنا۔

رد وہابیہ نجدیہ دربارہ دعا: حضرت سلیمان التیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ارفع یدیك بالدعاء الی نحرك۔ دعا میں سینہ تک ہاتھ اٹھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اپنے سینہ کی انانیت اور انیت کو ذبح کر روحانیت کے دائیں ہاتھ کو جسمانیت کے بائیں ہاتھ پر رکھ کر جو اس سینہ پر دھرا ہو جس کی شرح الم نشرح میں گزری ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ شَانِئَكَ (بیشک جو تمہارا دشمن ہے)

حلِ لغات: کہا جاتا ہے: شناٗہ منع وسمع سے بمعنی ابغضہ (اس سے بغض کیا) شانی بمعنی مبغض۔

هُوَ ضمیر فاعلہ کا ہے الْاَبْتَرُ (وہی ہر خیر سے محروم ہے) آپ کے ساتھ بغض کرنے کی وجہ سے اس لیے کہ فعل کی نسبت مشتق کرنے ماخذ کی علیۃ کو مقید کرنا ہوتا ہے۔ البغض حب کی نقیض ہے۔ البتر (دُم کاٹنا) میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق اس پر ہونے لگا جس کی نسل میں اس کے قائم مقام کوئی نہ رہے۔ کہا جاتا ہے فلان ابتر جب اس کے پیچھے اس کا کوئی نہ ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ شخص جس کا پیچھے کوئی نہ ہو، یعنی اس کی نسل ختم ہو۔ احسن یہ ہے کہ نسل میں مرد کوئی نہ رہے۔ اور اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کا دشمن غلط بکتا ہے آپ کی اولاد آپ کی صاحبزادی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تاقیامت باقی رہے گی آپ کا شہرہ بلند ہوگا اور آپ کے فضل

فضیلت کے نشانات تا قیامت چمکتے دمکتے رہیں گے ؎

آثار اقتدار تو تا حشر متصل

خصم سیاہ روے تو بے حاصل و خجل

ترجمہ: آپ کے اقتدار کے آثار قیامت تک متصل ہوں گے، آپ کے دشمن کا منہ کالا اور بے حاصل اور بیکار ہوگا۔

اور آخرت میں تو وہ شان ہوگی جو بیان نہیں ہوسکتی۔

شانِ نزول جب سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت قاسم کا وصال ہوا تو کفار نے آپ کو ابتر یعنی منقطع النسل کہا اور یہ کہا کہ اب ان کی نسل نہیں رہی ان کے بعد اب ان کا ذکر بھی نہ رہے گا، یہ سب چرچا ختم ہو جائیگا۔ اس پر یہ سورۂ کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تکذیب کی اور ان کا بلیغ رد فرمایا اور محبوب کو تسلی دی کہ آپ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا آپ کی اولاد میں بھی برکت ہوگی اور قیامت تک پیدا ہونے والے عالم اور واعظ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے رہیں گے کیونکہ ورفعنا لك ذكرك کا مژدہ آپ ہی کے لیے ہے۔

سادات میں برکات دیکھئے کربلا میں اہلِ بیت شہید ہوئے تو صرف ایک امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے اب سارا عالم ساداتِ کرام سے پُر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل اہل ایمان کے باپ ویسے حضور ہر اہل ایمان کے روحانی باپ ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی اہل ایمان آپ کی روحانی اولاد اور قیامت تک آپ کے ذکر کی دھوم دھام رہے گی اور آپ کے ماننے والوں کو دشمنوں پر غلبہ دے گا اور جو آپ کے دین کی رعایت کرے گا اس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے گا۔

علمائے اہلسنت کو مبارکباد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علماء تا بقائے دہر موجود ہیں اگرچہ وہ بظاہر دنیا سے رخصت ہو جائیں گے لیکن ان کے نشانات انمٹ ہوں گے دلوں پر ان کی شاہی کا سکہ رائج ہوگا (جیسے اہلسنت کے اولیاء کرام کا حال کس سے مخفی ہے کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تصرف آج بھی اسلامی ممالک کے گھر گھر میں سے ہے)۔

یہ حال ہے خدمت گاروں کا یہ ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کا حال، تو پھر آقا کا حال تو اور زیادہ روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور آپ کو خاتم الانبیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) بنایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان شانئك الخ میں نفس گدھا مراد ہے جو دُم بریدہ ہے کہ نہ اس کی نسل ہے نہ اس کے مٹنے کے بعد اس کا کوئی جانشین، اس لیے کہ اعمال صالحہ و احوال صادقہ و اخلاقِ روحانیہ اور اوصاف ربانیہ اے رسول (قلب) تیری ہی اولاد اور تیری اعوان اور تیرا گروہ نہیں۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) اللہ تعالیٰ قدیر اس کی مدد فرمائے، کہتا ہے کہ مجھے صلوۃ ضحیٰ کے قیلولہ کے بعد القا ہوا کہ اب میں اشارہ ہے ہمارے اسمائے لطیفہ جمالیہ اکرامیہ کی طرف کہ اے محمد (قلب) اور رسول ہُدیٰ جو تو جمیع قویٰ کی طرف مبعوث ہے خیر و ہدیٰ کے ساتھ ہم نے تمہیں الکوثر بخشا یعنی وہ علم کثیر جو فائض ہے منبع اسم رحمٰن سے ہم نے ہی آپ اسی رحمتِ عامہ سے رحمت کی جو شامل ہے جمیع الرحمات کو اسی لیے تو مظہر ہے رحمتِ کلیہ کا جو جمیع مواطن میں ہے تو تیرے لیے علم الاحکام و علم الحقائق ہیں اسی لیے تم مسجد فناء و تسلیم میں نماز پڑھو وہی مسجد ابراہیمی ہے اپنے رب تعالیٰ کے لیے یعنی اپنے رب کے شکر اور ادامتہ شہود و البقائے حضور کے لیے جمیع حالات میں اور بدن کے اونٹ کو مذمت کے طریق اور طبیعت کے اونٹ کو عفت کے راستہ میں اور نفس کے اونٹ فتوۃ کے طریق میں ذبح کرے بیشک تیرا دشمن یعنی تیرے ساتھ بغض کرنے والے قوائے شریرہ نفسیہ و آفاقیہ میں سے وہی ابتر ہیں یعنی ان کا انجام و آخرت برباد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العلمین جڑ کٹی ظالموں کی اور تمام حمد رب العالمین کے لیے ہے یعنی اپنے اولیاء کا رب تعالیٰ کہ انھیں وصال سے نوازا جیسے دشمنوں کو جُدائی و فراق میں مبتلا کیا۔

مسئلہ : ابتر پر وقف ہو، اس کے بعد کہا جائے اللہ اکبر۔ اسے اللہ اکبر کے ساتھ متصل کر کے نہ پڑھا جائے تاکہ ایہام نہ ہو، مثلاً الابتر اللہ (توبہ توبہ)۔

بفضلہٖ تعالیٰ فقیر اویسی تفسیر سورۂ کوثر کے ترجمہ سے ۷ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز جمعرات فارغ ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

سُورۃ الکٰفرُون

اٰیاتہا ۶	(۱۰۹) سورۃ الکٰفرون مکیۃ (۱۸)	رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۝ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ۝

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

تم فرماؤ اے کافرو نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں، اور نہ میں پوجوں گا جو تم نے پوجا اور نہ تم پوجو گے جو میں پوجتا ہوں تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔

سورۃ الکافرون مکیہ ہے یا مدنیہ ہے اس کی چھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ (تم فرماؤ اے کافرو)

نکتہ: انہیں اس وصف سے پکارنے میں خبر دینا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کی شرارتوں اور اذیتوں سے محفوظ ہیں حالانکہ کفار آپ کو اپنے میں نہایت کمزور سمجھتے تھے اور اپنی عزت و شوکت کے مقابلے میں کچھ نہیں تصور کرتے تھے اس کے باوجود الٹا انہیں ذلیل و خسیس خطاب سے مخاطب کیا گیا۔

معجزہ یہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جملہ معجزات میں سے ایک ہے۔
نکتہ: انہیں صیغۂ جمع صحیح سالم سے تعبیر کرنے میں ان کی قلت یا حقارت و ذلت کی دلیل ہے یہاں مخصوص کافر ہیں جیسے ولید بن مغیرہ اور ابوجہل اور عاص بن وائل اور امیہ بن خلف اور اسود بن یغوث اور حارث بن قیس وغیرہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ مضمون السورۃ سے ظاہر ہے۔ یہ خطاب (قُل) حضور علیہ السلام کو ہے بہ نسبت قوم مخصوص کے، ورنہ سوال وارد ہوگا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ہر حال میں کفار کو یہ حکم سنائے اور شرع سے اس کا کوئی حکم وارد نہیں۔

شانِ نزول قریش کی ایک جماعت نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا تھا کہ آپ ہمارے دین کا اتباع کیجئے ہم آپ کے دین کا اتباع کریں گے ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ غیر کو شریک کروں، کہنے لگے تو آپ ہمارے کسی معبود کو ہاتھ ہی لگا دیجئے ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کرینگے۔ اس پر یہ سورۂ شریفہ نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے وہاں قریش کی وہ جماعت موجود تھی حضور نے یہ سورت انہیں پڑھ کر سنا دی تو وہ مایوس ہوگئی اور حضور کے اور حضور کے اصحاب کے درپے ایذاء ہوئے۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ان کی طرف جنہوں نے اپنی استعداد اصلی کا نورِ اصلی چھپایا نفوس کی صفات و آثارِ طبیعت کی ظلمت سے تو غیر کے ساتھ حق سے محجوب ہو گئے۔

تفسیرِ عالمانہ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو) زمانۂ مستقبل میں اس لیے کہ لا اکثر داخل نہیں ہوتا مگر اس مضارع پر جس کا زمانہ مستقبل ہو جیسے ما نہیں ہوتا مگر اس مضارع پر جس کا زمانہ حال ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ لَنْ اس لا کی تاکید کرتا ہے جس پر لا داخل ہو۔

اور خلیل (نحوی) نے کہا کہ لَنْ دراصل لا تھا اب معنی یہ ہوا کہ میں زمانۂ مستقبل میں نہیں کروں گا مستقبل میں جس کا تم مقابلہ کرتے ہو اپنے معبودوں کی عبادت کا۔

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں) یعنی جو تم سے عبادتِ الٰہی کا مطالبہ کر رہا ہوں تم مستقبل میں بھی اس کی عبادت نہ کرو گے مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کرو گے جو معتبر ہے کیونکہ اشراک (شریک بنانا) کے ساتھ عبادتِ الٰہی بیکار رہے وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (اور نہ میں پوجوں گا جو تم نے پوجا) یعنی زمانۂ ماضی میں تمہارے معبودوں کو میں نے نہیں پوجا تو پھر زمانۂ مستقبل

میں مجھ سے ان کی پرستش کی کیسے اُمید رکھ رہے ہو وَلَا أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ (اور نہ تم پوجو گے جو میں پُوجتا ہُوں) یعنی کسی وقت بھی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کر رہا ہُوں یعنی اللہ تعالیٰ کی۔ سورت میں تکرار نہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں جملے حال میں عبادت کی نفی کے لیے ہیں جیسے دو پہلے مستقبل کی نفی کے لیے ہیں۔

سوال: ماعبدت کیوں نہیں فرمایا تاکہ ماعبد تم کے موافق ہوتا۔

جواب: ان کے لیے ماضی کا صیغہ تو موزوں ہے کیونکہ وُہ پہلے بھی بُتوں کے پُجاری تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ زمانۂ ماضی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے لیکن اس وقت عبادت الٰہی سے موسوم نہ تھے اور نہ ہی اس کی عبادت میں مشہور رہتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبادت کا فرمایا ہو اور آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں عبادت کرتے ہوں جیسا کہ عبادۃ کو موصول کے صلہ بنانے کا تقاضا ہے۔ پھر آپ کا اس عبادت سے موسوم و مشہور ہونے سے لازم نہیں آتا کہ آپ بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہ کرتے ہو کیونکہ عدم موسومیۃ بالشیٔ سے عدم الشیٔ لازم نہیں ہوتا اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبل از بعثت از قبیل جری العادۃ المستمرہ القدیمہ کے تھا۔

مسئلہ: القاموس میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعثت سے پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے جو انہیں ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی وراثت سے حاصل ہوا حج اور نکاح اور بیع اور دیگر امور میں، ہاں ان کے اکثر نے توحید کو تبدیل کر ڈالا تو توحید کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کے دین پر تھے۔

نکتہ: ما اعبد میں من کے بجائے کی ترجیح سے وصف مراد ہے گویا اشارہ کیا کہ جس کی عبادت میں کرتا ہُوں وہ عظیم الشان معبود ہے کہ جس کی عظمت کی قدر و منزلت کسی کو معلوم نہیں۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ (تمہیں تمہارا دین) یہ لا اعبد ما تعبدون اور ولا انا عابد ما عبدتم کی تقریر ہے وَلِيَ (اور مجھے) بالفتح یار المتکلم دِيْنِ (میرا دین) بحذف الیاء کہ دراصل دینی تھا اور یہ ولا انتم عٰبدون ما اعبد کی تقریر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا دین ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا جو حصول میں تمہارے تک مقصور ہے اس سے تجاوز کر کے میرے حصول تک نہ آئے گا جیسے تمہارا طمع ہے فلہٰذا اپنی خام خیالیوں کو مجھ سے متعلق نہ کرو کیونکہ یہ محال ہے کیونکہ میرا دین توحید (اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک لہ ماننا) ہے جو کہ وہ مقصور ہے میرے لیے حصول سے جو تجاوز کر کے تمہیں حاصل نہ ہوگا کیونکہ تم نے اسے محال سے معلق کیا ہے اور وہ ہے میرا تمہارے معبودوں کی عبادت کرنا یا کم از کم ان کو ہاتھ لگایا یا جس کا تم میرے ساتھ وعدہ کرتے ہو وُہ بھی عین شرک ہے وُہ یہی کہ ایک سال میں تمہارے معبودوں کو پوجوں ایک سال تم میرے معبود کو پُوجو، یہ تو دونوں فریقوں کی عبادت میں ملاوٹ ہُوئی۔

ف : یہ قصر مسند کی تقدیم سے حتماً قصر الافراد ہے۔ عین المعانی وغیرہ میں ہے کہ یہ آیات آیۃ السیف سے منسوخ ہیں۔

مسئلہ : ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں دلیل ہے کہ اگر کوئی کسی قوم کی بُرائی دیکھے یا سُنے تو اس کا اپنے لیے تو انکار کرے اسے بالکل قبول نہ کرے لیکن اس سے بڑھ کر اور کچھ واجب نہیں سوائے اس کے کہ وُہ اپنے مذہب و طریقہ پر ڈٹا رہے اور انہیں ان کے مذہب و طریقہ پر چھوڑ دے۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میں نے اس سورۃ (کافرون) کا ورد کیا، محسوس ہُوا کہ گویا میں اسے جہر نماز عصر میں پڑھ رہا ہُوں اور گویا تمام کائنات کو یہ سورت سُنا رہا ہُوں۔

تفسیر صوفیانہ تم فرماؤ اے محمد (قلب) اے کافر و یعنی قوائے نفسانیہ توحید کو شرک سے اور طاعت کو معصیت سے اور وحدۃ کو کثرت سے اور وجودِ حقیقی کو وجودِ مجازی سے اور نورِ حقیقت وجوبیہ کو ظلمت حقیقت امکانیہ سے چھپانے والوں میں نہیں پُوجتا جسے تم پُوجتے ہو یعنی تمہارے بُت جنہیں ماسوی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ مامور ہوں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور طاغوت سے کفر کرنے پر اور تمام ماسوی اللہ میرے نزدیک طاغوت ہے اور وہ معبود جو خود ساختہ و مقید ہے عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ قہار ہے جس نے اپنی وحدت سے جمیع کثرات کو مقہور کیا لیکن اسے صرف اہلِ وحدۃ شہود ہی جانتے ہیں اور تم تو اہلِ کثرتِ احتجاب ہو تو تمہیں اس سے واقفیت کہاں۔ اور نہ ہی عبادت کرتا ہُوں جس کی تم کرتے ہو تلوینات و تقلبات کی کثرات اسمائیہ وصفاتیہ میں اور نہ تم عبادت کرو گے جس کی میں کرتا ہُوں تمکین و تحقیق سے ایسے تلوین سے اس لئے کہ یہ ظہور حقائق جمیع اسماء کے مقتضیات سے ہے اس میں حق سے بالکل میل و انحراف نہیں بلکہ اس میں ہر طور طریق سے بقاء مع الحق ہے تمہارے لیے تمہارا دین ہے جو کہ تم طاغوت پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہو اور یہ وہ دین ہے جس سے بیزاری واجب ہے اور میرے لیے میرا دین ہے یعنی اللہ تعالے پر ایمان لانا اور طاغوت سے کفر کرنا اور یہ وہ دین ہے جس کے احکام سے تعلق اور جس کے اخلاق سے تخلق اور جس کے حقائق سے تحقق ضروری اور لازم ہے۔

مسئلہ : قرآن کے حقائق کبھی منسوخ نہیں ہوتے بلکہ ان پر عمل کرنا قیامت تک باقی ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی سورت اس سے بڑھ کر نہیں جو شیطان پر سخت ہو اس لیے کہ اس میں توحید محض اور شرک سے بیزاری ہے جو اسے پڑھتا ہے وہ شرک سے بیزار اور اس سے سرکش شیاطین دُور بھاگتے ہیں اور وہ فزع اکبر (بڑی گھبراہٹ) سے (آخرت میں) امن میں ہوگا۔

فضائل سورۃ الکافرون یہ سورۃ ربع القرآن (چوتھائی قرآن) ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اپنے بچوں کو اس کے پڑھنے کا حکم کرو اور اسلام کو چاہیئے کہ سوتے وقت اسے پڑھیں تو انہیں کوئی ضرر رساں شے عارض نہ ہوگی۔

مسافر کو امان وسلامتی جو مسافر پانچ سورتیں پڑھ کر سفر کو جائے تو سالم وغانم (فوائد کثیرہ سمیٹ کر) آئے گا وہ پانچ سورتیں یہ ہیں:

(۱) قل یایھا الکفرون

(۲) اذاجاء نصر اللہ

(۳) قل ھو اللہ احد

(۴) قل اعوذ برب الفلق

(۵) قل اعوذ برب الناس

الحمد للہ فقیر اویسی غفرلہ، سورۃ الکافرون کی تفسیر کے ترجمے، شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز جمعرات فارغ ہوا۔

سُورۃ النّصر

اٰیاتھا ۳	(۱۱۰) سورۃ النصر مدنیۃ (۱۱۴)	رکوعھا ۱
	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	
	اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ	
	فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ	
	اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ○	

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

سورۃ النصر مدنیہ ہے اور اس کی تین آیات ہیں۔

بسم اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ (جب اللہ کی مدد آئے) اس کی اعانت اور اس کا اظہار صرف تمہارے لیے تمہارے دشمنوں پر۔

سوال : فتوح تو مسلمانوں کے ذریعہ ہوئیں پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کا کیا معنیٰ؟

جواب : سب کے افعال قلوب کے اسماء کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہ حادث ہے اور ہر حادث کا مُحدِث ضروری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے فعل کے صدور کا عبد مبدا قریب اور اول مبدا اللہ تعالیٰ ہے

اور دواعی و اسباب اور جو ان پر افعال مبنی ہیں سب کا خالق وہی ہے اور اذا کا عامل مُسَبِّحْ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو جب اللہ تعالیٰ کی مدد آئے اور قول اکثرین پر عامل کو فاء مانع نہیں یا فعل شرط ہے اور اذا اس کی طرف مضاف نہیں یہی محققین کا مذہب ہے اور اذا استقبالیہ ہے۔

ثبوت علم غیب للرسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قبل از وقت علم دینا یہ بھی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔

وَالْفَتْحُ (اور فتح) یعنی فتح مکہ۔

ف: اضافت اور لام عہد کی ہے اس سے فتح مکہ مراد ہے جس کی طرف آنکھیں اٹھی ہوئی تھیں اسی لیے اسے فتح الفتوح کہا جاتا ہے اور اسی کے لیے سورۃ کے اول میں وعدہ کریمہ ہوا[۱]۔ بعض نے اس سے جنس نصر اور مطلق فتح مراد لیا ہے۔ علاوہ ازیں فتح اضافۃ اور لام استغراق کی ہے اس لیے کہ فتح مکہ مفتاح الفتوح ہے اور اسی پر تمام فتوح کا مدار ہے جیسا کہ خود مکہ معظمہ اُم القریٰ اور سب کا امام ہے اسی لیے اس کا آنا بمنزلہ تمام فتوح کے ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کی فتح کا معاملہ اسی سے متعلق فرمایا اور نصر و فتح عنقریب اس تک پہنچنے والی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ مدد آئے گی ایک لشکر کے آنے سے جن کے ساتھ ہی نصر و فتح ہے۔

(ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع میں بمقام منیٰ نازل ہوئی؛ اس کے بعد آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی اس کے نازل ہونے کے بعد اسی روز سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا میں جلوہ گر رہے پھر آیۃ الکلالہ نازل ہوئی اس کے بعد حضور پچاس روز تشریف فرما رہے پھر آیت واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ نازل ہوئی اس کے بعد حضور اکیس روز یا سات روز تشریف فرما رہے اس صورت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد صحابہ نے سمجھ لیا تھا کہ دین کامل اور تمام ہو گیا تو اب حضور دنیا میں زیادہ دیر تشریف فرما نہ رہیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سورت سن کر اسی خیال سے روئے۔ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا چاہے دنیا میں رہے چاہے اس کی لقاء قبول فرمائے۔ اس بندہ نے لقاء الٰہی اختیار کی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ پر ہماری جانیں ہمارے مال ہمارے آباء ہماری اولادیں سب قربان۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

---

[۱] فتح مکہ کا قصہ سورۃ الفتح میں تفصیل کے ساتھ گزرا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

قاعدہ کلمہ اذا یہاں پر اس اعتبار سے ہے کہ اس کا مدخول یعنی آپ کا لوگوں کا دخول دیکھنا ختم نہیں ہوا (تاقیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا) حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس روایت پر کلمہ اذا معنیٔ استقبال سے خارج ہے اور یہ کبھی معنیٔ استقبال سے خارج بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واذا رأو تجارۃ الآیۃ اس آیت میں اذا معنیٔ استقبال سے خارج ہے۔

صوفیانہ اصطلاحات

مصطلحات میں ہے کہ فتوح وہ ہے جو بندے پر کسی امر کا انغلاق ہو نعم ظاہرہ اور باطنہ سے (جیسے ارزاق وعبادات وعلوم ومعارف ومکاشفات وغیرہ) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھل جائے۔

(۲) فتح قریب وہ ہے جو بندے کے مقامِ قلب وظہور وصفات اور اس کے کمالات سے کھل جائے نفس کی منازل طے کرنے سے اسی کی طرف اشارہ ہے نصر من اللہ وفتح قریب میں۔

(۳) فتح مبین وہ ہے جو بندے پر مقامِ ولایت وانوار الاسماء الالٰہیہ جو صفات وکمالاتِ قلب کو فنا کرنے والے ہیں کے تجلیات سے کھل جائیں اسی کی طرف اشارہ ہے انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تأخر میں۔ (یعنی صفات نفسانیہ وقلبیہ سے بخشش اسی لیے تم پر فتح مبین کھولی)

(۴) فتح مطلق وہ اعلیٰ واکمل فتوحات میں سے ہے وہ جو عبد پر کھلیں تجلیات ذات احدیہ واستغراق عین الجمع بفناء رسوم خلقیہ کلہا سے اسی طرف اشارہ ہے اذا جاء نصر اللہ والفتح۔

ف: سورۃ الفتح میں ہم نے ایک اور عبارت سے بیان کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

نصر سے مدد ملکوتی وتائید قدسی تجلیات اسماء وصفات سے مراد ہے اور فتح سے فتح مطلق مراد ہے کہ اس کے بعد اور کوئی فتح نہیں یعنی فتح باب الحضرۃ الالٰہیہ الاحدیہ اور کشف ذاتی۔

فتوحات کی اقسامِ صوفیانہ

(۱) اس میں شک نہیں کہ فتح اول وہ فتح ملکوت الافعال ہے مقام قلب میں کشف حجاب حس النفس سے اپنے افعال کو افعالِ حق میں فناء کرنے سے۔

(۲) فتح جبروت الصفات مقام روح میں حجاب خیال کے کشف سے اپنی صفات کو صفاتِ حق میں فنا کرنے سے۔

(۳) فتح لاہوت الذات مقام سر میں وہم کے حجاب کے کشف سے اپنی ذات کو حق تعالیٰ کی ذات میں فنا کرنے میں۔

ف: جسے یہ ظفر و فتح باطنی نصیب ہوگئی تو اسے باطنی و ظاہری نصر و فتح بھی نصیب ہوجائیگی کیونکہ نصر و فتح باب الرحمۃ سے ہیں نہایۃ النہایات تک پہنچنے کے بعد غصہ و غضب بالکل باقی نہیں رہتا اثر رحمت ظاہر و باطن کو مطلق محیط ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدایۃ و نہایۃ کے لحاظ سے کاملین کے احوال مختلف و متفاوت ہوتے ہیں۔

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ آیت میں نصر و فتح سے مطلق مراد ہے لیکن میں نے اہلِ تفاسیر کا اتباع کیا ہے کہ مقید کو مقدم رکھا حالانکہ یہ قول مرجوح ہے اللہ تعالیٰ اس سے تسامح فرمائے جس نے سب سے پہلے اس کا ارتکاب فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَرَاَیْتَ النَّاسَ (اور لوگوں کو تم دیکھو) آنکھوں سے یا جانو اس سے عرب لوگ مراد ہیں اور لام عہد کا ہے یا استغراق عرفی کا ہے اہلِ تفاسیر نے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے بنایا ہے اور احتمال عام ہر مومن کا بھی ہے اس تقریر سے اس کا جواب بھی بن گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو استغفار کا حکم کیوں جبکہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں بلکہ ہر تقصیر سے پاک و منزّہ۔ جواب ملا کہ یہ خطاب خاص حضور علیہ السلام کو نہیں بلکہ استغفار کا حکم آپ کے ماسوا کو ہے امر میں آپ کو داخل کرنا تغلیباً ہے۔ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوتے ہیں) ملتِ اسلام ہیں وہ ایسا دین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت سوائے اس کے اور کسی دین کی طرف نہیں فرمائی، جملہ علی تقدیر رویۃ بصریہ کا حال ہے اور علیٰ تقدیر رویۃ قلبیہ کے مفعول ثانی ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ میرے دل میں کھٹکتا ہے کہ یدخلون الخ اور والفتح کے لیے مناسب ہے کہ ان پر دین کا باب مفتوح ہونا مراد ہو۔

اَفْوَاجًا (فوج فوج) یدخلون کے فاعل سے حال ہے یعنی دین میں بہت بڑی جماعتیں داخل ہوتی ہیں جیسے اہلِ مکہ و طائف و یمن و ہوازن اور جملہ قبائلِ عرب ورنہ اس سے قبل ایک ایک دو دو ہو کر دین میں داخل ہوتے تھے۔

ف: مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہُوا تو عرب ایک دوسرے سے ملتے اور کہتے کہ اہلِ حرم پر حضور علیہ السلام نے فتح پالی تو اس کے بعد آپ سے کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کو اصحاب الفیل سے پناہ دی ایسے ہی اس سے پہلے جو بھی ان پر برائی کا ارادہ کرتا تو بھی محفوظ رہے اسی لیے فتح مکہ کے بعد لوگ دین اسلام میں فوج فوج ہو کر جنگ کے بغیر داخل ہونے لگے۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ اس سورۃ کے نزول والے سال مسلسل وفود حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے جیسے بنو اسد و بنو مرہ و بنو کلب و بنو کنانہ و بنو ہلال وغیرہ اطراف و اکناف سے

حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے۔

قاعدہ ابو عمر و ابن عبد البر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت عرب میں ایک بھی کافر نہ تھا تمام عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ یعنی غزوہ حنین کے بعد تمام لوگ کوئی اکیلا کوئی وفد کے ذریعے مسلمان ہو گئے تھے۔

ف: ابن عطیہ نے فرمایا واللہ اعلم ابن عبد البر نے یہ کیسے کہہ دیا۔ ہاں اگر اس کی مراد بت کے پجاری کافر ہیں تو بجا کہا ورنہ بنو تغلب کے نصاریٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہے۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ الناس سے اہل البحر مراد ہیں۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ایمان یمانی والحکمۃ یمانیۃ۔ ایمان یمانی اور حکمت یمانیہ ہے۔

فضیلتِ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وجدت نفس ربکم من جانب الیمن (میں رب رحمٰن کی خوشبو یمن کی جانب سے پائی) یعنی اللہ تعالیٰ کا دکھ درد سے آسانی پیدا فرمانا۔

علم غیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک دن روئے۔ آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

دخل الناس فی دین اللہ افواجاً و سیخرجون منہ افواجاً۔ لوگ گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں ایسے ہی گروہ در گروہ خارج ہوں گے۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۳۰)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (تو اپنے رب تعالیٰ کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو) التسبیح تعجب سے مجاز ہے علاقہ سببیہ سے، کیونکہ جو بھی عجیب امر دیکھتا ہے تو کہتا ہے سبحان اللہ۔

ف: ابن الشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تعجب کے وقت، جیسا کہ اذکار میں وارد ہے اور ہر عجوبے میں سبحان اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ایک ایسے امر عجیب کا مشاہدہ کرنا جو اپنی امثال سے خارج ہے اور اس کا وقوع بعید از قیاس سمجھا جاتا ہے اور اس سے نفس متاثر ہوتا ہے تو گویا وہ قدرتِ ایزدی کے لئے کمی کا تصور محسوس کرتا ہے تو اس کے دل پر کھٹکتا ہے کہ اس کی تنزیہ بولے اور کہے سبحان اللہ یعنی اللہ تعالیٰ

امرِ عجیب کی تخلیق کے عجز سے پاک ہے بلکہ وہ قدرت کاملہ کا مالک ہے اس سے بھی بڑھ کر امورِ عجیبہ پیدا کرسکتا ہے اس کی ایجاد میں کوئی کمی نہیں۔ میں (قائل) خطاکار ہوں اسی لیے کہتا ہوں سبحان اللہ، اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

نکتہ: حضرت امام سہیلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمیشہ حمد تسبیح کے ساتھ ہوتی ہے جیسے سبّح بحمد ربك، وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ وغیرہ، اس لیے کہ معرفتِ الٰہی دو قسم ہے:

۱۔ معرفتِ ذات

۲۔ معرفتِ اسماء وصفات

اور قاعدہ ہے کہ ان دونوں میں کسی ایک کو دوسری کے بغیر ثابت نہیں کیا جاسکتا اور وجود الذات کا اثبات مقتضائے عقل سے ہے اور اسماء وصفات کا اثبات مقتضائے شرع سے ہے عقل سے مسمّٰی کی معرفت حاصل ہوئی اور شرع سے اسماء کی اور عقل میں اثبات الذات کا تصور نہیں آسکتا جب تک کہ اس سے حدوث کی علامات کی نفی نہ ہو اور یہ تسبیح سے ہوتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ مقتضائے عقل مقتضائے شرع سے مقدم ہے کیونکہ شرع منقول حصول النظر والعقول کے بعد حاصل ہوئی ہے عقول نے نظر پر متنبہ کیا تب معرفت حاصل ہوئی پھر اس کا علم حاصل نہ ہوا جب تک اس کے اسماء معلوم نہ ہوئے اسی لیے تسبیح وحمد وثناء اکٹھے ہو کر آتی ہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں حکم فرمایا ہے **تو** تسبیح کو حمد کے ساتھ ملا کر۔

ف: اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ سبحان اللہ کہو درانحالیکہ تم متلبس ہو اس کی حمد کے ساتھ یعنی تعجب کر اللہ تعالیٰ کے آسان کرنے کو کہ کسی کے خیال تک نہ تھا کہ کوئی بھی اہلِ حرم پر غلبہ پا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے اس تمام امر پر حمد کیجئے، یہ مطلب روایت اُولیٰ کے مطابق ہونے میں ظاہر ہے دوسرے مطلب پر یہ حکم ہوگا کہ تسبیح وحمد پر مداومت کیجئے کہ اس نے کتنی بڑی نعمتوں سے آپ کو نوازا اس میں احداث تعجب کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ حالت فتح کو مناسب ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ اللہ کی تنزیہ بیان کرو عجز سے تاخیر ظہور فتح میں اور اس کی حمد کرو اس کی تاخیر پر اور اس کے اوصاف بیان کرو کہ امور پر اپنے وقت پر لانا اس کی حکمتیں ہیں کہ سوائے اس کے انھیں اور کوئی نہیں جانتا۔

ف: یا اسے یاد کرو تسبیح وحمد کرتے ہوئے اور اس کی عبادت وثناء میں بڑھو کہ اس نے تم پر زیادہ سے زیادہ انعامات فرمائے ہیں یا یہ کہ نماز پڑھو اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی نعمتوں پر۔ اس تقریر پر تسبیح نماز سے مجاز ہے **بعلاقہ جزئیہ** اس لیے کہ نماز تسبیح پر بھی مشتمل ہے۔

صلوٰۃ الشکر مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چاشت کے وقت کعبہ معظم کا دروازہ کھلوا کر آٹھ رکعات نوافل پڑھے ۔

ف : بعض نے کہا یہ نوافل فتح مکہ کے شکرانہ کے تھے یہ نوافل چاشت وغیرہ کے نہ تھے ۔ بعض نے کہا کہ چار رکعت تو صلوٰۃ الضحیٰ کی تھیں اور چار رکعات شکرانہ کی تھیں ۔

ف : یا اس کی تنزیہہ بیان کر اس سے جو ظالم اس کے حق میں کہتے ہیں اور حمد کر اس پر کہ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھلایا ۔

صوفیانہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کر اس کی صفات جلال سے صفات سلبیہ سے اور حمد کر اس کی صفات الاکرام سے یعنی صفات ثبوتیہ سے یعنی اس کے آثار پر یا ان کے نازل کرنے بمنزلہ اوصاف اختیاریہ کے کفایہ ذات مقدس کے لیے ان سے موصوف ہونے میں کیونکہ محمود علیہ واجب ہے کہ وہ امر اختیاری ہو ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنی ذات کو پاک کر مقامِ قلب کو جو وہ معدن النبوۃ ہے محجوب ہونے سے علاقہ بدن کے قطع کرنے اور مقامِ حق الیقین جو کہ وہ معدن الولایۃ ہے تک ترقی سے اس کی حمد کر واس کے کمالات واوصافِ تامہ کے اظہار سے تجرید کے وقت حمد فعلی سے ۔

تفسیر عالمانہ وَاسْتَغْفِرْهُ (اور اس سے بخشش چاہو) کسرِ نفسی اور اپنے اعمال کو نہایت کم اور حقوق اللہ کو عظیم سمجھنے کے لیے اور جو ترکِ اولیٰ سے کمی کے لیے اور استغفار کیجئے اپنوں کیلئے اور اہلِ ایمان کے لیے یہ سورہ محمد کے واستغفر لذنبك الخ کے مطابق ہے ۔

ف : تسبیح کی تقدیم حمد پر اور اس کی استغفار پر علی سبیل النزول ہے خالق سے خلق کی طرف اس اعتبار سے کہ لوگوں کو پہلی بار دیکھتے ہی استغفار میں مشغول نہ ہو جاؤ کیونکہ اس میں رویۃ الناس سے پہلے رویۃ اللہ ہے جیسے کہا جاتا ہے : مارأیت شیئا الا ورأیت اللہ قبلہ (میں نے کسی شے کو نہیں دیکھا مگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا)

نکتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان عارف کا آئینہ ہے اور آئینے والا پہلے مرئی (جسے دیکھنا ہے) کی طرف متوجہ ہوتا ہے مرئی کی رویت کے بعد ہی آئینہ کی طرف ملتفت ہوتا ہے ۔

نکتہ یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ تقدیم مذکور تعلیم ہے ۔ دعا کی وہ یہ کہ کسی سے اچانک سوال نہ کو ڈے بلکہ پہلے مسئول عنہ کی مدح وثنا کرے ۔

حدیث شریف ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال سے پہلے بہت زیادہ پڑھتے تھے :

سبحانك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك ۔

حدیث شریف رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن اور رات میں ایک سو بار استغفار کرتا ہوں ۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ استغفار کسی وقت بھی منقطع نہیں ہونی چاہیئے اس لیے کہ کوئی انسان غین و تلوین (گناہوں کی گرد وغبار) سے خالی نہیں ہوتا ۔

حکایت مروی ہے کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ آیت مبارک سنائی تو تمام خوش ہوئے سوائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہ وہ روئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کی کہ آپ نے تو اس سورۂ نصر سے اپنے وصال کی خبر دی ہے (میں آپ کی جدائی وفراق کے صدمہ سے رو رہا ہوں ۔

ف : النعی بمعنی موت کی خبر ۔ آپ نے فرمایا : واقعی ویسے ہی ہے جیسے آپ نے فرمایا ۔ اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مسکراتے اور مسرور نہ دیکھے گئے ۔

ف : بعض نے کہا صاحبِ حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

لقد اوتی هذا الغلام علما کثیرا ۔ یہ نوجوان علومِ کثیرہ سے نوازا گیا ہے ۔

اہلِ علم کی تعظیم اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (اگرچہ نوجوان تھے) کو اپنے بالکل قریب اور اہلِ بدر کے ساتھ بٹھاتے[1]

ف : اس سورۃ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کو سمجھنا شاید اس لیے کہ اس خوشخبری کا مطلب تھا کہ دین کی تکمیل ہوگئی جیسے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ میں ، اور ہر کمالے را زوالے مشہور قانون ہے ، جیسے ایک عربی مصرع مشہور تر ہے ، ع

توقع زوالا اذا قیل تم

(زوال کی امید کر جب کہا جائے کام مکمل ہوگیا)

---

[1] اہلِ بدر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معزز و معظم سمجھے جاتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ اگرچہ اہلِ بدر سے نہ تھے لیکن علمی مرتبہ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں معزز و معظم سمجھتے اس سے شیعہ گروہ غور کرے کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہلبیت سے کتنی پیار تھا ۔ اویسی غفرلہٗ

ف : استغفار کے امر سے تنبیہ ہے قرب اجل کی، گویا کہا گیا کہ اجل (موت) قریب ہوگئی اور کوچ نزدیک ہے اسی لیے امر الٰہی کی تیاری کر لو اور اس سے متنبہ ہو جاؤ۔

سبق عقلمند پر لازم ہے کہ جب اجل قریب ہو تو توبہ و استغفار کی کثرت کرے۔

فہم و ذکاء رفیق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مروی ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ ہماری جانیں اور مال اور آباء اور اولاد آپ پر قربان۔

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو تسلی کا پیغام حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلا کر اپنے وصال کی خبر دی۔ گویا فرمایا: ؎

نامہ رسید از آن جہان بہر مراجعت برم
عزم رجوع میکنم رخت بچرخ مے برم

ترجمہ : اس جہاں سے خط پہنچا کہ میں ادھر رجوع کروں، میرا ارادہ رجوع کا ہے عالم بالا کا سامان باندھتا ہوں۔

بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سُن کر رو پڑیں۔ آپ نے فرمایا: بیٹی! مت رو، میرے اہل میں سے تُو سب سے پہلے مجھے ملے گی۔ یہ خوشخبری سُن کر بی بی صاحبہ (رضی اللہ عنہا) ہنس پڑیں۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سورۃ کا نام سورۃ التودیع بھی ہے، اس لیے کہ اس میں دلیل ہے کہ دنیا سے الوداع کرنا ہے۔

ف : سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آپ بیمار ہو گئے ایک دن آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور خطبہ دیا اور صحابہ سے الوداع فرمائی پھر دولت کدہ میں تشریف لے گئے۔ چند دنوں کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

ف : حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورہ نصر کے مضمون سے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے وصال کو قریب سمجھا اس لیے کہ آپ کو تسبیح و توبہ کا حکم فرمایا گیا تاکہ عمل صالح پر (ہر مسلمان کا) خاتمہ ہو۔

سبق : اس میں تنبیہ ہے کہ ہر عقلمند کو (کہ وہ اپنے خاتمۂ صالح کے لیے ہر وقت تیار رہے)

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے) جب سے مکلفین کو پیدا فرمایا

تو انکی توبہ بہت زیادہ قبول کرتا ہے۔

سبق: ہر تائب مستغفر (استغفار کرنے والا) کو چاہیئے کہ توبہ کی قبولیت کی امید میں رہے۔

ازالہ وہم توبہ کا قبول کرنا صفات اضافیہ سے ہے اور ان کے حدوث میں کسی کو نزاع (جھگڑا) نہیں اسی لیے وہ اعتراض دفع ہو گیا کہ آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ زمانۂ ماضی میں توّاب (توبہ قبول کرنے والا) ہے یعنی توّاب ہے تو صرف زمانۂ ماضی میں، تو پھر یہ کیسے زمانۂ حال و مستقبل کی علت للاستغفار ہو سکتا ہے۔

ف: غفار پر تواب کی ترجیح کیوں، حالانکہ استغفر کا تقاضا ہے کہ غفاراً ہو۔ اسی لیے بعض نے کہا یہاں تب مضمر ہے استغفرہ کے بعد اس میں تنبیہ ہے کہ استغفار تب نافع ہے جب مع التوبہ و الندامۃ ہو اور پختہ ارادہ ہو کہ پھر گناہ نہ کرے گا پھر جس نے وتُب مضمر کہا ہے ممکن ہے اس نے اسے اعتیاک کے قبیل سے سمجھا ہو کہ استغفر (امر) تعلیل ہے کہ وہ غفار ہے اور تب تعلیل ہے کہ وہ توّاب ہے۔ گویا اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ تب و استغفر (پہلے توبہ کر پھر استغفار)۔

ف: برہان رشیدی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام صفات بصیغ مبالغہ مجاز ہیں اس لیے کہ یہ صیغے مبالغہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں حالانکہ ان میں مبالغہ نہیں کیونکہ مبالغہ تو یہ ہے کہ کسی میں اس صفت موجودہ سے زائد ثابت کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس سے منزّہ ہیں۔ حضرت شیخ تقی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تقریر کی تحسین فرمائی ہے۔

مبالغہ کے اقسام امام زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے البرہان میں فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ مبالغہ دو قسم ہے:

(۱) وہ اس میں مبالغہ حاصل ہو بحسب زیادۃ الفعل۔

(۲) صرف بحسب زیادۃ الفعل۔

اس میں شک نہیں کہ مفعولات کا تعدد فعل کے لیے زیادتی کا موجب نہیں کہ مفعولات کا تعدد فعل کے لیے زیادتی کا موجب نہیں کیونکہ کبھی فعل واحد جماعۃ متعددہ پر واقع ہوتا ہے۔ اسی دوسری قسم پر اللہ تعالیٰ کے صفاتِ مبالغہ کو لایا گیا ہے اس طرح سے اشکال رفع ہو گیا۔ اسی لیے بعض نے کہا کہ حکیم میں مبالغہ کا معنی ہے کہ اس میں حکمت کا تکرار بہ نسبت شرائع مختلفہ کے۔

کشّاف میں ہے کہ التوّاب میں مبالغہ ہے کہ وہ تائب کی توبہ کثرت سے قبول کرتا ہے یا اس لیے کہ وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرتا ہے یا اس لیے کہ وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرتا ہے کہ تائب کو بمنزلہ اس کے کرتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں یہ اس کے کرم کی وسعت کی دلیل ہے۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) تفسیر سورۃ النصر اس ذات کی مدد سے جس نے العصر کی قسم یاد فرمائی ہفتہ کے دن ظہر کو ختم ہوئی۔ اور فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ النصر کی تفسیر کے ترجمہ سے بروز جمعہ ۹ شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ میں فراغت پائی۔

سُورۃ المسد

ایاتہا ۵	(۱۱۱) سورۃ المسد مکیۃ (۶)	رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ۝ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ۝ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚۖ۝ وَّ امۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ۚ۝ فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۝ ؑ

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا اب دھنستا ہے لپٹ مارتی آگ میں وہ اور اس کی جورو، لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھاتی اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا۔

سورۃ المسد مکیہ ہے اور اس کی پانچ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ تَبَّتۡ (تباہ ہو جائیں)

حلِ لغات : تباب بمعنی الہلاک۔ اسی سے اہل عرب کا قول ہے اشتابۃ ام تابۃ یعنی وہ نوجوان ہے یا ہلاک ہونے والی ہے بڑھاپے اور عجز سے۔ یا تبت بمعنی حسرت ہے اس لیے کہ تباب وہ خسران ہے جو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔

یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ (ابولہب کے دونوں ہاتھ)

حل لغات: یدا، ید (ہاتھ) کا تثنیہ ہے۔ لہب و لہیب بمعنی آگ کا شعلہ جو دھوئیں سے صاف ہو، یا لہب سے آگ کی زبان اور لہیب سے اس کی گرمی مراد ہے ابو لہب میں ہا ساکن ہے وہ عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کی کنیت ہے اس کے جمال و مال کی وجہ سے (القاموس) ابو لہب کی کنیت اس کے دونوں رخساروں کے چمکنے اور شعلے (حسن) کی وجہ سے ہے ورنہ لہب اس کا کوئی بیٹا نہ تھا کہ جس سے اس کی کنیت ابو لہب ہو۔

نکتہ: تباب کو ہلاک پر ترجیح پھر اس کی اضافت یدان (ہاتھوں) کی طرف اس وجہ سے ہے۔

شانِ نزول جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وانذر عشیرتک الخ اتری تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوہِ صفا پر عرب کے لوگوں کو دعوت دی بالخصوص فرمایا اے بنو عبدالمطلب اے بنو فہر۔ پھر حضور نے ان سے اپنے صدق و امانت کی شہادتیں لینے کے بعد فرمایا:

انی لکم نذیر بین یدی عذاب شدید۔ (میں تمہیں سامنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں)

اور فرمایا:

اگر میں کہوں کہ اسی جبل کے پیچھے بڑا لشکر ہے جو تمہارے ساتھ جنگ کرے گا، مانو گے؟

سب نے کہا:

کیوں نہیں، پہلے آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔

اس پر ابو لہب نے حضور سے کہا کہ تم تباہ ہو جاؤ کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورۃ شریفہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا۔

ف: ابو لہب نے صرف وہی بکواس نہیں کی بلکہ پتھر اٹھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پھینکنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے روک لیا۔ چونکہ اس نے پتھر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تبت یدا ابی لہب فرمایا اور ان کی ہلاکت صفت کا لانا تو ظاہر ہے لیکن انہیں خسارہ کے معنی میں لینے میں اس کے غلط اعتقاد کی تردید ہے کہ اس کا خیال تھا کہ اذیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کا کوئی نفع اور فائدہ ہے، ایسے ہی پتھر پھینکنے میں۔

نکتہ عجیبہ "تاویلات ماتریدیہ میں ہے ابو لہب کثیر الاحسان تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کبھی بہت خدمت کی تھی۔ لیکن بد قسمت نکلا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ کا سخت ترین دشمن بن گیا اور کہتا تھا کہ اگر (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کوئی معاملہ ہے تو میرا بھی ان پر ید (ہاتھ) احسان ہے اگر ان کا قریش پر کوئی احسان ہے

تو بیں بھی اس سے کچھ کم نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خبر دی کہ جو کچھ تو نے احسانات کئے سب رائیگاں گئے وہ جو تیرا (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر ید (ہاتھ یعنی احسان) ہے تو وہ ان سے تیرے عناد سے ضائع ہو گیا اور وہ جو تیرا ید (ہاتھ یعنی احسان) قریش پر تھا وہ قریش کی ہلاکت سے (جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت سے نصیب ہوئی تھی) ضائع کیا۔

وَّ تَبَّ (اور تباہ ہی ہو گیا) سارے کا سارا، یہ اخبار بعد اخبار ہے اور اسے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے وقوع کے تحقق کی وجہ سے ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ پہلے سے مراد ہے اس کا تمام کا تمام ہلاک ہونا' جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں ہے:

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ۔

علاوہ ازیں ید نفس اور اس کے تمام وجود سے کنایہ ہے، اس کا معنیٰ و تبّ یعنی وہ ہلاکت واقع ہو گئی اس کی تائید قراۃ وقد تبّ سے ہوتی ہے اس لیے کہ کلمہ قد جملہ دعائیہ پر داخل نہیں ہوتا ۔ بعض نے دونوں میں اس پر ہلاکت کے لیے بددُعا ہے اور اس سے مراد اس کے استحقاق کا بیان ہے کہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر بددعا ہو کیونکہ دُعا کی حقیقت عاجز کی شان ہے۔

سوال : اسے کنیت سے کیوں یاد فرمایا حالانکہ کنیت میں اس کی تکریم ہوتی ہے۔

جواب : یہاں کنیت تکریم کے لیے نہیں بلکہ اس کی اس کنیت سے شہرت کی وجہ سے ہے یا اس کے نام لینے سے اظہارِ کراہت ہے کیونکہ اس کا نام قبیح ہے کیونکہ وہ بت کی طرف مضاف ہے یا اس میں تعریض ہے کہ وہ جہنمی ہے اس لیے کہ وہ عنقریب شعلہ والی آگ میں داخل ہو گا یعنی ابولہب باعتبار اپنے معنی اضافی کی وجہ سے صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس کے حال سے کنایہ ہو یعنی اس کا جہنمی ہونا اس لیے کہ اس کا معنیٰ باعتبار اضافت کے لہب (شعلہ آگ) کو ملابس ہے جیسے اسی کنایہ سے کسی کو ابوالخیر و ابوالحرب کہا جاتا ہے کہ وہ ملابس الخیر والحرب ہے ۔ اور لہب حقیقی بھی وہی جہنم کا شعلہ ہے یہ معنی اس کو لازم ہے کہ وہ جہنمی ہے اس میں ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہونا ہے۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ یہ کنیت مذمت کے لیے ہے اس سے وہ سوال دفع ہو گیا جس میں کہا گیا ہے کہ یہ (ابولہب، قرآن مجید میں ہونا) اس کے خلاف ہے کہ کافر و فاسق اور مبتدع کو کنیت سے نہ پکارا جائے۔ ہاں فتنہ کا خوف ہو یا وہ صرف اسی سے ہی معروف ہو کیونکہ کنیت سے ہی خاص ہے وہ مدح والی کنیت سے پکارا گیا کہ وہ دوسرے نام سے معروف نہیں۔

قاعدہ : اتقان میں ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہی ابولہب کنیت کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔

مسئلہ: اس کا نام نہ لینا اس لیے ہے کہ اس کا نام عبد العزّٰی ہے اور عزّٰی بت کا نام ہے اور وہ نام حرام ہے، اور یہ نام اس کی وضع ہے نہ کہ اس کا استعمال۔ بعض نے کہا کہ مذموم نام کا استعمال بھی حرام ہے ہاں اگر وہ اسی سے معروف ہو تو پھر جائز ہے جیسے اعمش ایسی ناقص صفات بوجہ ضرورت ان کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسی صفات سے ہی معروف تھے۔

ف: سورۂ تبّت کے نزول کے بعد ابولہب کے جہنمی ہونے میں کسی مسلمان کو شک بھی نہ تھا بخلاف دیگر کفار کے کہ ان کے لیے نام لے کر جہنمی نہ کہا گیا تو ان کے لیے ایسا یقین نہ تھا (ممکن ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں)

تعلیم ادب قل تبّت نہ فرمایا کیونکہ اس طرح سے ابولہب کے ساتھ بالمشافہ کہنا پڑتا اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چچا تھا اور چچا کو بالمشافہ گالی دینا مناسب نہیں اگرچہ چچا سو بار گالی دے، اس لیے کہ چچا کی تعظیم باپ جیسی ہے علاوہ ازیں آپ رحمۃ للعالمین بن کر مبعوث ہوئے اور آپ کا خلقِ عظیم بھی ضرب المثل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کی طرف سے جواب دیا۔

اعجوبۂ لغت و نحو ابولہب بھی پڑھا گیا ہے یعنی واؤ کے ساتھ۔ جیسے کہا جاتا ہے: علی بن ابوطالب و معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہم) حالانکہ قیاس یاء کے ساتھ ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے صرف اسی لیے کہ اسم اصل متغیر نہ ہو اور سامع پر اشکال نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ کنیت بمنزلہ علم کے ہوتی ہے اور اعلام متغیر نہیں ہوتے کسی حالت میں بھی۔

اعجوبۂ اسمائے عرب ایک شخص کے دو بیٹے تھے دونوں کا نام عبد اللہ تھا لیکن فرق یہ تھا کہ ایک کو دال مفتوح سے پکارا جاتا اور دوسرے کو دال مکسور سے۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور یہ جو کمایا) نہ بچایا اسے جب ہلاکت نازل ہوئی اور اسے بالکل کوئی نفع نہ دیا، جب ما نافیہ ہو اگر موصولہ ہو تو معنیٰ ہے کسی شے نے اسے نہ بچایا، یہ معنی انکار میں ہے اور منصوب ہے ما بعد سے مفعول بہ ہے یا مطلق ہے کہ دراصل ای اغناء اغنا یعنی نہ مال نے بچایا کہ اس سے منافع کمائے نہ وجاہت کام آئی نہ نوکر بچا سکے قارون سے بڑھ کر اور کوئی مالدار نہ تھا لیکن اسے بھی مال نے موت سے نہ بچایا نہ عذابِ الٰہی سے اور سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں گزرا لیکن آپ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ کسی نے آپ کے بارے میں کہا ؎

(۱) نہ برباد رفتی سحر گاہ و شام ‏ ‏ ‏ سریر سلیمان علیہ السلام

(۲) بآخر ندیدیکہ برباد رفت — خنک آنکہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: (۱) کیا صبح و شام تختِ سلیمانی ہوا پر نہ اڑتا تھا،

(۲) بالآخر تُو نے دیکھا کہ وہ مٹ گیا مبارک ہو اُسے جو دانش و انصاف سے دنیا سے رخصت ہوا۔

ف: یا مال سے اس کا وہ مال مراد ہے جو اسے باپ سے وراثت میں ملا اور خود کمایا، یا اس کا وہ عمل مراد ہے جو اس سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت سرزد ہوئی، یا اس کا وہ عمل مراد ہے جس کے متعلق اس کا گمان تھا کہ یہ نیک عمل اسے کام دیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ هباءً منثورا۔ — اور ہم نے اس کے اعمال کو آگے کر کے انہیں اڑتی ہوئی غبار کی طرح بنا دیا۔

بعض نے کہا اس سے اس کے مال کے منافع مراد ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ماکسب سے اس کی اولاد مراد ہے۔

ابولہب کی ڈینگیں

ابولہب نے جب پہلی آیت سُنی تو کہنے لگا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر سچ ہو تو میں اپنی جان کے لیے اپنے مال و اولاد کو فدیہ کر دُوں گا اُس آیت میں اس کا رد فرمایا گیا کہ یہ خیال غلط ہے اس وقت کوئی چیز کام آنے والی نہیں۔ چنانچہ اس کے بیٹے عتبہ کی شام کے راستہ میں شیر نے جان لے لی۔

منہ سے جو نکلی بات وہ ہو کے رہی

عتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی تھیں جب شام جانے لگا تو کہا کہ میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر انہیں سخت ستاؤں گا۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں (عتبہ) النجم اذا ھوی اور دنا فتدلّٰی کو نہیں مانتا۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھوکا اور آپ کی صاحبزادی کو طلاق دے کر آپ کے پاس واپس کر دی۔ اس پر آپ نے فرمایا:

اللھم سلّط علیہ کلباً من کلابك۔ — اے اللہ! اس پر اپنے کتّوں میں سے ایک کتّا مسلّط فرما۔

عتبہ نے گھر آ کر ابولہب کو سارا واقعہ سُنایا۔ اس کے بعد ابولہب اور اس کا وہی گستاخِ رسول بیٹا ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ ایک جگہ شب باشی کی تو وہاں ایک راہب نے اپنی عبادت گاہ سے آواز

دی لوگو! رات کو ہوشیار رہنا اس جگہ پر درندے بکثرت ہیں ۔

ابولہب کا عقیدہ ابولہب نے راہب کی آواز سُن کر کہا :

اعینونی یا معشر قریش ھذہ اللیلۃ فانی اخاف علی ابنی دعوۃ محمد ۔

اے قریش کے لوگو! میری مدد کرو ، میں اپنے بیٹے پر (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی دُعا سے ڈرتا ہوں۔

عُتبہ کو کوئی نہ بچا سکا ابولہب کی اپیل پر قریش یعنی اہلِ قافلہ نے تمام اونٹ عتبہ کے اردگرد بٹھائے اور عتبہ کو ہر طرف سے محفوظ کیا ۔ لیکن رات کو شیر آیا اور تمام اہلِ قافلہ اور اونٹوں کی قطار کو پھیرتا ہوا سب کے چہروں کو سُونگھ کر آگے چلتا گیا یہاں تک کہ عتبہ تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا ۔

ابولہب کا انجام بد غزوہ بدر کے بعد ابولہب سات راتوں کے اندر پھنسیوں کی بیماری سے مرا ۔ العدسہ پھنسیاں جو بدن پر ظاہر ہوتی ہیں مسور کی دال کے برابر ، یہ بھی طاعون کی جنس ہے اکثر کو زندہ نہیں چھوڑتی۔ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہلِ خانہ اسے ہاتھ نہ لگاتے کہ یہ وبائی بیماری ہے مبادا ہم اس میں مبتلا ہو جائیں ۔ عرب اس بیماری کو طاعون کی طرح سمجھتے تھے ۔ اسی طرح گھر میں بے یار و مددگار پڑا رہا یہاں تک کہ بدبُو پھیل گئی ۔ گھر والوں نے سوڈانیوں کو مزدوری دے کر اسے اٹھوا کر باہر گڑھے میں پھنکوا دیا جیسا کہ اس کی موت کی (اجمالی) خبر دی ۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ اس کے لیے گڑھا نہ کھودا گیا بلکہ دیوار کے ساتھ سہارا دے کر اسے بٹھا دیا پھر دیوار کے پیچھے سے پتھر پھینکے یہاں تک کہ پتھروں سے چھپا دیا ۔

ف : سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جُوں ہی اس جگہ سے گزرتیں چہرہ مبارک ڈھانپ لیتیں ۔

ازالہ وہم وُہ قبر جو آج کل (اس دور میں غالباً اب وہ قبر موجود نہیں) باب الشبیکہ کے باہر ہے اور اس جگہ پتھر مارے جاتے ہیں ابولہب کی قبر نہیں بلکہ ان دو مردوں کی ہے جنہوں نے بنو العباس کے دورِ خلافت میں کعبہ معظمہ پر گندگی پھینکی اور بھاگ گئے ۔ تلاش بسیار کے بعد اسی جگہ پر ملے

---

[1] غور کیجئے ایک بدکافر کو یقین ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے لیکن ایک بدبخت قوم کا پیشوا اسمٰعیل دہلوی کہتا ہے : محمد کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ الایمان) انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اویسی غفرلہٗ

جنہیں سُولی پر چڑھایا گیا اور آج تک ان کی قبروں پر پتھر پھینکے جا رہے ہیں۔

سَيَصْلٰى (اب دھنستا ہے) وہ عذاب جو مذکور ہوا وہ عذاب دنیا میں ہے اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ وہ داخل ہوگا **نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ** (لپٹ مارتی آگ میں) عظیم آگ جو لپیٹ مارتی ہے اور جلاتی ہے۔ اس سے جہنم کی نار مراد ہے اور یہ اس میں نص نہیں کہ وہ ایمان نہ لائے گا تاکہ اس کی تکلیف الایمان بالقرآن لازم آئے کہ وہ مکلف ہو اس کا کہ اس کے لیے کہا جائے کہ وہ ہمیشہ ایمان نہ لائے گا بلکہ وُہ جمع نقیضین کا مکلّف ہے جیسا کہ مشہور ہے کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا صرف کافروں سے مخصوص نہیں اس لیے کہ اس کا جہنم میں داخل ہونا اس کے فسق و معاصی کی وجہ سے ہو نہ کہ کفر سے اسی لیے اس جواب پہ مجبور ہو جانے کی ضرورت نہیں کہ کہا جائے کہ وُہ جملہ ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اجمالاً ایمان لانے کا مکلّف تھا نہ کہ جملہ تفصیل پر جس کا قرآن ناطق ہے کہ مثلاً ایمان لایا جائے کہ ابو لہب ہمیشہ تک ایمان نہ لائیگا۔

وَامْرَاَتُهٗ (اور اس کی جورو) اس کا سیصلٰی کی ضمیر مستکن پر عطف ہے اور یہ جائز ہے اس لیے کہ درمیان میں مفعول کا فاصلہ ہے یعنی اس کی عورت بھی اس کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوگی۔

ابولہب کی جورو کا تعارف اس کا نام اُمِّ جمیل بنت حرب بن امیہ تھا، حضرت ابو سفیان کی بہن اور حضرت معاویہ کی پھوپھی تھی اس کا نام عوراتھا۔

کانٹے بچھانے والی عورت یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں تھی کانٹے دار (کیکر وغیرہ) لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے میں بکھیر دیتی تاکہ (نعوذ باللہ) آپ کو کانٹے چبھیں یا آپ کے دامن سے چمٹیں تو آپ کو تکلیف ہو۔

کانٹے پھول گلاب یا ریشم کا گچھا اُمِّ جمیل ملعونہ کانٹے بچھاتی نہ تھکتی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وہ کانٹے (پھول یا) ریشم کی طرح نرم بنا دیتا جس پر سے آپ آرام سے گزر جاتے۔

ف: تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفّار کی اذیتوں اور تکلیفوں میں عرصہ تک سخت مبتلا رہے اور تفسیر الکاشفی میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو راستہ میں آپ کو کفار گھیر لیتے آپ انہیں فرماتے کہ ہمسائیگی کا یہی حق ہے جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو ؂

میر بجنند در رہ تو خار باہمہ
چوں گُل شگفتہ بود رُخِ گلستانِ تو

ترجمہ : ہم نے تو تیری راہ میں کانٹے بکھیرے تھے لیکن تیرا چہرہ گُلِ شگفتہ کی طرح کھلا ہوا تھا۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑیوں کا گٹھا سر پہ اٹھاتی)

حلِ لغات : الحطب وہ جو لکڑیوں کا گٹھا تیار کیا جائے (قاموس) حمالۃ الحطب کی نصب شتم وذم کے طور ہے دراصل اُذم حمالۃ الحطب تھا (میں مذمت کرتا ہوں حمالۃ الحطب کی)۔

ف : زمخشری نے کہا کہ میں اسی قرأۃ سے محبت کرتا ہوں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اچھا وسیلہ لے گیا جس نے ام جمیل کو گالی دی۔

بعض نے کہا اس کی نصب علی الحالیۃ ہے اس لیے کہ اس کی اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ قیامت میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے گی یعنی زقوم اور ضریع کی لکڑیاں۔ اور اس کے گلے میں آگ کی زنجیریں ہوں گی جیسے مجرم کو اس کے جرم کے مناسب عذاب کیا جاتا ہے۔

ف : قتادہ نے فرمایا کہ لکڑیاں چُن کر سر پہ اٹھا کر لاتی بوجہ بخل کے باوجودیکہ مالدار تھی اس کے بخل پر عار دلانے کے لیے اسے حمالۃ الحطب کہا گیا۔ اب اس کی نصب یقیناً شتم کے طور ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ لوگوں کی غیبت اور چغلخوری میں لگی رہتی اسے لکڑیوں کے گٹھے سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی وہ ان کے درمیان آگ سلگاتی اور شرا بھارتی تھی۔

ف : لکڑیاں اٹھانے سے مراد چغلی ہے اس لیے کہ وہ دو کے درمیان آتشِ عداوت بھڑکاتی ہے ؎

١	میان دو کس جنگ چوں آتش است	سخن چین بد بخت ہیزم کش است
٢	کنند این و آن خوش دگر بارہ دل	وے اندر میان کور بخت و خجل
٣	میان دو کس آتش افروختن	نہ عقلست خود درمیان سوختن

ترجمہ : (١) دو کے درمیان جنگ (جھگڑا) آگ کی طرح ہے چغلخور بدبخت لکڑیاں ڈالنے والے کی طرح ہے۔

(٢) یہ اور وہ ایک دن ایک دوسرے سے راضی خوش ہو جائیں گے اور یہ درمیان بدبختی اور رسوائی اٹھائیگا۔

(٣) دو کے درمیان آگ بھڑکانا عقلمندی نہیں بلکہ خود کو جلانا ہے۔

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسّا) خبر مقدم اور مبتداء مؤخر ہے اور جملہ حالیہ ہے۔

حلِ لغات: الجید (بالکسر) العنق (گلا، گردن) رسّی باندھنے کی جگہ یا اس کا اگلا حصہ (القاموس) المسد وہ رسّی جو باٹی جائے سخت طریق سے، لیف (چھال) کی ہو یا چمڑے وغیرہ کی۔ کہا جاتا ہے، دابۃ ممسودۃ شدیدۃ الاسر (جانور چھال کی رسّی سے سخت مضبوط باندھا ہوا ہے)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کے گلے میں وہ رسّی ہے جو چھال کی رسّیوں سے ہے اس کی عادت تھی کہ لکڑیوں کی گٹھڑی سر پر رکھ کر رسّی گلے میں باندھ دیتی جیسے لکڑیاں چننے والوں کا طریقہ ہے اس سے اس کے حال کی خساست کا اظہار ہے تاکہ اس کی تحقیر ہو اور اس کی وہ صورت بتائی گئی ہے جو لکڑیاں اٹھانے والی عورتیں چھال کی رسیوں سے لکڑیاں باندھ کر باہر سے لکڑیوں کی گٹھڑیاں لاتی ہیں تاکہ اس طرح سے اپنا غصہ اتارے اور اس کا شوہر بھی، حالانکہ وہ عزّ و شرافت گھرانے والے اور ثروت اور بزرگی کے منصب پر فائز تھے۔

گلے کی رسّی میں لٹک گئی مرۃ الھدانی فرماتے ہیں کہ اُمِ جمیل روزانہ کانٹے دار لکڑیاں چُن کر گٹھڑی لاتی اور انہیں مسلمانوں کے راستہ پر بکھیر دیتی تاکہ انھیں کانٹے چبھیں، ایک رات حسبِ دستور لکڑیاں لا رہی تھی تھک گئی تو ستانے کے لیے ایک پتھر پر بیٹھی تو ایک فرشتے نے اسے پیچھے سے کھینچ کر نیچے گرادیا، گٹھڑی کی رسّی گلے میں پھانسی کا کام کر گئی اسی طرح اس کی جان نکلی اور مرتے ہی جہنم میں پہنچی۔

ابوسفیان پر اژدہا کا حملہ اور معجزۂ رسولِ خدا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو اُمِ جمیل آگ بگولہ ہو کر اپنے بھائی ابوسفیان کے پاس پہنچی اور کہا: اے احمس (شیر، بہادر) تمہیں غیرت نہیں کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ تلوار اٹھائی اور چل دیا، لیکن فوراً واپس آگیا۔ ام جمیل نے پوچھا: میرے دشمن کا کام تمام کیا یا نہ (معاذ اللہ) ابوسفیان نے کہا: بہن! کیا تُو چاہتی ہے کہ تیرے بھائی کا سر اژدہا کا لقمہ ہو جائے۔ کہا بخدا! میں ایسا نہیں چاہتی۔ ابوسفیان نے کہا: ابھی کی بات ہے کہ میں باہر نکلا تو ایک اژدہا دیکھا جس کا منہ کھلا ہوا ہے اگر میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قریب ہوتا تو وہ اژدہا مجھے اپنا لقمہ بنالیتا۔

سبق وہ ابوسفیان جو بعد میں مسلمان ہو گیا اور صحابیت کا درجہ پایا، اور اس کی بہن کی موت کفر پر ہوئی (ع)

عجب رنگ ہیں زمانے کے)

یہ سب تقدیر ربانی کے کرشمے ہیں۔

سگِ اصحابِ کہف اور بلعم باعورا کشف الاسرار میں ہے کہ کتا رنگ کا کالا تھا اور بلعم باعورا دین کے لباس سے مزین تھا لیکن شقاوۃ وسعادۃ ازلی اپنا کام کر گئی جو دونوں کے اندر چھپی بیٹھی تھی ، کتے کی سعادت چمکی تو اس کی کھال اتار کر بلعم کو پہنائی گئی فمثلہ کمثل الکلب میں اسی طرف اشارہ ہے اور بلعم کی گدڑی (ولایت کا لباس) کتے کو پہنائی گئی ۔ قرآن مجید میں اسی کتے کے لیے ہے ثلاثۃ رابعھم کلبھم (تین اور چوتھا ان کا کتا)

مسئلہ : مسد پر وقف کیا جائے پھر کہا جائے اللّٰہ اکبر ۔ جیسے اس مسئلہ کے متعلق ہم کہہ آئے ہیں ۔

الحمد للہ فقیر اویسی غفرلہٗ سورہ المسد کی تفسیر کے ترجمہ سے ۸ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز جمعۃ المبارک فارغ ہوا ۔

سورۃ الاخلاص

آیاتہا ۴	(۱۱۲) سورۃ الاخلاص مکیۃ (۲۲)	رکوعہا ۱
	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	
	قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ○ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ ○	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

سورۃ الاخلاص مکیہ ہے یا مدنیہ ہے اس کی چار یا پانچ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے) ضمیر شان کی ہے جیسے ھو زید منطلق۔ اس کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اس کی خبر جملہ خبریہ ہے اس میں عائد کی ضرورت نہیں کیونکہ وہی جملہ عین ضمیر شان کا ہے کیونکہ معنی ہے اللہ احد اس کی شان یہ ہے یا وہ یہ کہ بیشک اللہ ایک ہے۔

ف: اسے اول میں لانے میں تنبیہ ہے مضمون کی فخامۃ کی وجہ سے، علاوہ ازیں ابہام کے بعد تفسیر مزید تقریر ہے یا ضمیر اس کے لیے ہے جس سے سوال کیا گیا ہے یعنی جس کے متعلق تمہارا سوال ہے وہ اللہ ایک ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ہمیں اپنے

معبود کی صفات بتائیے جس کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اور اس کی کوئی نسبت بھی بیان کیجئے۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی، یعنی بیان فرمائیے کہ وہ نسب سے منزہ ہے اسی لیے اس سے والدین کی نفی فرمائی اور مولودیۃ اور کفاوت کی، اس وقت ضمیر مبتدا اور اللہ اس کی خبر ہے احد اس سے بدل ہے خالص نکرہ کو معرفہ بدل بنانا جائز ہے جب اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو جیسا کہ ابو علی کا مذہب ہے اور وہی مختار ہے۔ اللہ علم ہے الہٰ حق پر ایسی دلالت کرتا ہے جو جمیع اسمائے حسنیٰ معانی کا جامع ہے۔

صوفیانہ معنیٰ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے (صوفیہ کرام کے) نزدیک ذاتِ الٰہیہ من حیث ھی ھی کا اسم ہے یعنی وہ ذات مطلقہ جب پر اول ہیں مع جمیعہا یا بعضہا کوئی ایک میں صادق آئے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول قل ھو اللہ احد۔

عبد اللہ کون عبد اللہ وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء سے متجلّی ہو اس سے بڑھ کر ارفع اور کوئی مقام نہیں اور نہ ہی شان سے بڑھ کر اعلیٰ اور کوئی ہے کیونکہ وہ اسم اعظم سے متحقق اور موصوف جمیع صفات الٰہیہ ہے اسی لیے یہ نام صرف اور صرف نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ فرمایا:

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ ۔ جب کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کا بندہ جو اسے پکارتا تھا۔

درحقیقت یہ اسم ہے بھی صرف رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ کی اتباع میں اقطاب کے لیے جو آپ کے وارث کامل ہیں اگرچہ دوسروں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم موصوف ہے بجمیعہا بحکم الواحدیۃ واحدیۃ جمیع الاسماء سے احد اسم ہے اس کا جس کا کوئی شریک نہ ہو صفات میں جیسے واحد اسم ہے اس کا جس کا کوئی شریک نہ ہو صفات میں، یعنی احد وہ ذات، واحد ہے جس میں کثرت کا اعتبار نہ ہو اللہ تعالیٰ کے لیے وہ احدیت ثابت کی گئی جو اپنے جملہ ماعدا سے غنی ہو، اور یہ من حیث العین والذات ہے بغیر اعتبار دوسرے امر کے۔ الواحد وہ ذات ہے جس میں کثرتِ صفات کا اعتبار ہو اور وہ حضرت الٰہیہ ہے اسی لیے فرمایا:

ان الٰھکم الٰہ واحد۔ (بیشک تمہارا معبود ایک ہے)

احد نہیں فرمایا اس لیے کہ واحدیت اسماء التقیید سے ہے واحدیۃ اور خلق کے درمیان ارتباط ہے من حیث الالٰہ والمألوہیۃ کے بخلاف احدیت کے کہ اس کا کسی سے ارتباط صحیح نہیں پس ان کا قول علم الالٰہی وہ علم بالحق ہے من حیث الارتباط بینہ وبین الخلق اور عالم کی انتشائے اسی سے ہے بقدر طاقت بشریہ

کیونکہ اس کے آگے طاقتِ بشریہ وفا نہیں کرسکتی ۔ یہ وہی مقام ہے جہاں کاملین ورطۂ حیرت میں پڑجاتے ہیں اور حق معرفۃ سے اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں ۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ توحید الذات فی الحقیقۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔

عبد الاحد کون عبد الاحد وہ وحید الوقت اور صاحب الزمان ہے جس کو قطبیۃ کبریٰ اور قیام بالاحدیۃ الاولیٰ نصیب ہوتی ہے ۔

عبد الواحد کون وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حضرۃ واحدیۃ تک پہنچائے اور اپنے جمیع اسمار کی احدیۃ مکشوف فرما دے پھر وہ اس کا ادراک کرے جس کا ادراک ہو سکتا ہے اور وہ کرسکتا ہے جو وہ اپنے اسما سے کرتا ہے اور اسمائے حُسنیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے ۔

سیر الی اللہ کے تین مقامات حضرت ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ ھو اللہ احد کے تین الفاظ ہیں، ہر ایک میں سائرین الی اللہ کے مقام کی طرف اشارہ ہے :

(۱) مقام اول مقربین کا مقام ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماہیات الاشیاء اور ان کے حقائق کو من حیث حیث دیکھا اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہیں مانا کیونکہ حق وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے اس کا ماسوا کا نام ممکن ہے اور ممکن وُہ ہے کہ جب اسے من حیث من حیث ہو ہو دیکھا جائے تو وہ معدوم ہو جائے اسی لیے ان حضرات نے ماسوی الحق کے کسی کو موجود دیکھا ہی نہیں اور کلمہ ھُوَ اگرچہ وہ اشارہ مطلقہ کے لیے ہے تعین المراد میں مفتقرہ (محتاج) ہے صرف سبقت ذکر باحد الوجوہ کی یا اس کے بعد کوئی شے آئے جو اس کی تفسیر کرے لیکن اس کا اشارہ حق کی طرف کرتے ہیں اس اشارہ میں اور کسی کی طرف محتاج نہیں ہوتے مگر کوئی ایسی شے موجود ہو تو اس کی مراد کو غیر سے ممتاز کر دے کیونکہ ممیز کی محتاجی اس وقت ہے جب ابہام واقع ہو جائے بایں طور کہ متعدد ہو جائیں وہ اشیاء جن میں اشارہ کی صلاحیت ہو اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مقربین اپنے عقول کی عیون سے سوائے واحد کے کسی اور شے کا مشاہدہ کرتے ہی نہیں ۔ اسی لیے حصول العرفان التام کے لیے مقربین کو یہی ھُوَ کافی ہے ۔

(۲) مقام اصحاب الیمین ، وہ مقام اول سے مرتبہ میں کم ہے اس لیے کہ وہ حق کو موجود کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں اور خلق کو بھی موجود پاتے ہیں اس معنیٰ پر موجودات میں کثرت حاصل ہوئی اسی لیے ایسے لوگوں کے لیے اشارہ میں حق کی طرف لفظ ھو کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کے لیے کوئی اور شے ضرور ہو جو حق کو خلق سے متمیز کر دے ایسے لوگ محتاج ہوتے ہیں کہ لفظ ھُوَ کے ساتھ اللہ مقترن ہو، ان کے لیے فرمایا ھو اللہ

اس لیے کہ لفظ اللہ اسم ہے موجود کے لیے جس کا ما سوا محتاج ہے اور وہ تمام ما سوا سے مستغنی ہے اسی لیے اس کی ذات کو لفظ اللہ سے متمیز کیا جاتا ہے۔

(۳) مقام اصحاب الشمال ، یہ مقام تمام مقامات سے خسیس ترین ہے وہ قائل ہیں کہ واجب الوجود ایک نہیں بلکہ بکثرت ہیں ان کے لیے لفظ احد ملایا پہلے اسماء کے ساتھ ان کے رد و ابطال کے لیے کہا قل ھو اللہ احد۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کرام کا عقیدہ صحیح ہے وہ فرماتے ہیں اس کا ذکر صرف لفظ ھُوَ سے ہو اس لیے کہ ان کو وجود میں سوائے اللہ تعالے کے غیر کا مشاہدہ ہی نہیں اللہ ان کے نزدیک اپنی ہویۃ مطلقہ ساریہ سے متعین ہے اس کے لیے تعیین (معین کرنا) کی ضرورت ہی نہیں اور ضمیر ھو عرف اسی کی طرف راجع ہے جیسے انا انزلناہ کی ضمیر ہُ قرآن کی طرف راجع ہے اس کے تعین اور حضور فی الدین کی وجہ سے (تعیین کی ضرورت نہیں) اس سے طعن کرنے والوں کا اعتراض مندفع ہوگیا کہ ضمیر ھُوَ کا کوئی مرجع متعین نہیں تو پھر ان صوفیہ کرام کے نزدیک صرف ذکر اللہ کیسے مردود ہے (ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ ھُوَ کا مرجع خود متعین ہے اسے متعین کرنے کی ضرورت نہیں) علاوہ ازیں ضمائر بھی اسماء ہیں اور تمام اسماء ذکر ہیں ان کے مظہریت (اسم کا مظہر ہونا) اور مضمریت (مضمر ہونا) میں کوئی فرق نہیں اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ھُوَ پر الف ولام کا دخول صوفیہ کرام کے نزدیک جائز ہے اور یہ صرف صوفیہ کی اصطلاح[1] میں ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اشارہ (ھُوَ) ہویۃ کی طرف ہے اور اصطلاح (صوفیہ) میں کسی کو مناقشہ (جھگڑا) نہیں۔

صوفیہ کا قُل قُل عین الجمع سے امر ہے وارد ہے مظہر التفصیل پر۔ اس میں اشارہ ہے شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ و اولو العلم کے سرّ کی طرف۔ گویا وہ کہتا ہے میں نے گواہی دی وحدۃ الھویۃ کی مقام الجمع میں تو تم بھی گواہی دو اسی وحدۃ مقام الفرق میں تاکہ احدیۃ واللااحدیۃ کا راز ظاہر ہو اور ان کے مابین جمعاً و تفصیلاً کا تطابق حاصل ہو (ایسے ہی میرے دل پر یہ

---

[1] صوفیہ کی اصطلاحات علیحدہ ہیں جو ہم ظاہر بینوں کو غلط فہمی میں ڈال دیتے ہیں بالخصوص آج کل کے جاہل دیوبندی وہابی اور ان کے دیگر ہمنوا فرقے ان اصطلاحات کی آڑ میں ہم اہلسنت کو کافر و مشرک بنا تے پھرتے ہیں حالانکہ دیوبندی فرقہ کے اکابر کی تصریحات موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی صوفی ہیں اور صوفیہ کرام کی اصطلاحات پر ایمان ہے یہاں تک کہ وحدۃ الوجود کی اصطلاح تک کو صحیح مانتے ہیں بلکہ اس اصطلاح کی حقانیت پر اکابر دیوبند کی تصنیفات بھی ہیں لیکن ان کے جاہلوں کو کون سمجھائے۔ اویسی غفرلہٗ

تحقیق ظاہر ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال)

ف: اسے قُل کے بغیر اللہ بھی پڑھا گیا ہے۔ ایسے ہی معوذتین میں بھی قُل نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ توحید ہے اور معوذتین میں تعوذ ہے اور ان دونوں کے سبب سے دُعا مانگنا اور ان کی تبلیغ کا حکم دینا مناسب ہے (سورۃ الاعلیٰ میں بقدرِ ضرورت بیان ہو چکا ہے اس میں تکرار کی ضرورت نہیں)

سوال: مصحف میں قُل ثابت کیوں رکھا گیا ہے اور تلاوت کا التزام بھی اسی پر ہے حالانکہ قاعدہ ہے کہ مامور نقل کے طریقہ سے نہیں کہ وہ مقام ائتمار (تعمیل فرمان) میں مقول کے بغیر قُل کو زبان پر لائے اس لیے کہ مامور صرف قُل سے مامور نہیں بلکہ اس میں مخاطب کی طرح دوسرے لوگ بھی اس امتحان میں داخل ہیں۔

جواب: قیامت تک بندوں پر باقی رکھنے کے لیے قُل کو ثابت رکھا گیا ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے) مبتدا رخبر ہے فعل بمعنیٰ مفعول ہے جیسے قبض بمعنی مقبوض صمد الیہ از باب نصر سے ہے بمعنیٰ قصدہ (اس کا ارادہ کیا) الصمد بمعنی السید المصمود الیہ فی الحوائج الخ (وہ آقا جس کی طرف حوائج کے وقت قصد کیا جائے، اور وہ خود بذاتہٖ مستغنی ہو اور ماسوا تمام جملہ جہات سے اس کے محتاج ہوں اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی صمد نہیں، یہ ایسے ہے جیسے ہم مثال میں کہہ سکتے ہیں کہ زید الامیر یہ قصر الجنس علی زید کا فائدہ دیتا ہے جب وہ ایسا صمد ہے تو جس سے صمدیت کی نفی ہو گی تو لازماً صرف وہی ذات الوہیت کی مستحق ہو گی۔ اس کا معرفہ ہونا اس لیے کہ وہ اس کی صمدیت کو جانتے ہیں بخلاف اس کی احدیت کے (کہ اس کو بہت کم جانتے ہیں) اور اسم جلیل (اللہ) کا تکرار میں اشعار ہے کہ وہ جو موصوف ہے اس صفت سے تو وہ استحقاق الوہیت سے علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا ابھی اشارہ گزرا ہے۔

ف: جملہ کو حرف عطف سے خالی رکھنا اس لیے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کا نتیجہ ہے اور ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ الوہیت جملہ نعوت کمالیہ کی جامع ہے پھر احدیۃ ہر وجہ سے تعدد و ترکب کے شائبہ کے لیے اور مشارکۃ فی الحقیقۃ اور اس کے خواص کے توہم سے تنزہ کی موجب ہے پھر اس کی صمدیۃ مقتضی ہے اس کے استغناء ذاتی عما سواہ اور جملہ مخلوقات اپنے وجود اور بقاء اور اپنے احوال میں اسی کے محتاج ہیں حق کی تحقیق اور ان کے ارشاد و اضح الی السنن کے لیے۔

ف: صمدیت کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لیے اس اعتبار سے ہے کہ ہم وجود و کمالات میں اس کی طرف منسوب ہیں اور وہ کمالات وجود کے منبع ہیں ورنہ وہ اپنی ذاتی احدیۃ کے اعتبار سے اس صفت سے مستغنی ہے خلاصہ یہ کہ صمدیۃ اللہ تعالیٰ میں اعتبار کثرۃ اسماء و صفات کی مقتضی ہے (بخلاف احدیۃ کے کہ وہ کثرت اسماء و

صفات کی مقتضی ہے (بخلاف احدیۃ کے کہ وہ کثرت اسماء وصفات کی مقتضی نہیں)

عبد الصمد کون

وہ ہے جو اسم صمدیۃ کا مظہر ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے دفع بلیات اور امداد الخیرات کے لیے اور اسے دفعِ عذاب اور اعطائے ثواب کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفیع بنایا جائے اللہ تعالیٰ جو ربوبیت کی نظرِ کرم عالم کی طرف فرماتا ہے تو اس کا مطمحِ نظر وہی عبد الصمد ہوتا ہے۔

صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ پر واردات

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میری باطن کی زبان پہ بلا اختیار مندرج ذیل کلمات جاری ہو گئے اور یہ اشراق کے بعد ہوا۔ وہ کلمات یہ ہیں جن کے لیے میرا جی چاہتا کہ میں انہیں پڑھوں:

ازلی ابدی احدی صمدی۔ وہ ازلی ابدی احدی صمدی ہے۔

یعنی میرا رب تو ازلی ابدی احدی صمدی ہے ازلیۃ احدیۃ کی طرف ناظر ہے جیسے ابدیۃ صمدیۃ کی طرف، یہ باعتبار تحلیل و تعقید کے ہے کیونکہ احدیۃ کا جلوہ نہیں ہوتا جب تک ازالۂ کثرات نہ ہو پس مقام غنی جو کہ غیب مطلق ہے تک پہنچنے سے کثرت زائل ہو جاتی ہے اور زوال ازلاً ہوتا ہے اور یہ تحلیل و فنا اور عبور منازل سے اور اعروج مرصد اعلیٰ و مقصد اقصیٰ عیناً و علاً ہے بہر حال صمدیۃ باعتبار اس ابدیۃ کے ہے جسے بقا کہا جاتا ہے اور یہ تعقید بعد تحلیل کی مقتضی ہے اور یہ نزول مقام العین (بالمہملہ) کی طرف سے ہے یعنی عین خارجی اور عالم شہادی کی طرف اور یہ عالم ناسوت کی سب سے نچلی منزل ہے۔ خلاصہ یہ کہ احدیت جمع اور صمدیۃ فرق ہے خلاصہ یہ کہ مقام احدیۃ یہ وہ لفظ ہے جو غیر منقسمہ ہے جس سے جملہ تراکیب واحدیۃ منبسط ہوتی ہیں اس کے تعینات میں سے پہلا مرتبہ حضرت آدم پھر بی بی حوا (علی نبینا وعلیہما السلام) اس لیے کہ حوا ابر اس ہوا کے بعد ظاہر ہوئیں جو آدم حقیقی کے تعین سے اٹھی، اسی لیے اس کی ہا ء حاء سے تبدیل ہوئی۔

خواص احد و صمد

اسم احد کی خاصیت ہے ظہور عالم قدرت اور اس کے آثار یہی وجہ ہے جو طہارت سے خلوت میں اسم احد کا ورد کرے تو اس کے لیے اس کی قوت و ضعف کے مطابق عجائب و غرائب ظاہر ہوں گے اور اسم الصمد کی خاصیت حصول الخیر والصلاح ہے جو اسے سحر کے ایک سو پچیس بار پڑھے تو اس پر صدق و صدیقیۃ کے آثار ظاہر ہوں گے۔

ف: اللمعہ میں ہے کہ اس کا ورد کرنے والا جب تک اس کے ذکر سے سرشار رہے گا وہ بھوک کا درد نہ دیکھے گا۔

مسئلہ: ایک قراۃ میں احد کو منون و مکسور کر کے اللہ الصمد سے متصل ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے

اور ابو عمرو اکثر روایات میں ھو اللہ احد پر سکوت فرماتے تھے، اور عرب کا گمان ہے کہ اس جیسی قرأۃ میں وصل نہ ہو ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اس کا وصل قرأۃ محدثہ (بدعت) ہے۔ انہی سے مروی ہے کہ میں نے اسی طرح قرأۃ پائی ہے جیسے عرب پڑھتے تھے قل ھو اللہ احد۔ اگر تم اسے آگے وصل کرو تو اسے منون پڑھو۔ انہی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میرے نزدیک مستحب ہے کہ جب آیت کا مضمون ختم ہو تو اس پر سکوت کرنا چاہیے اس لیے کہ آیت ما بعد سے منقطع ہے اور وہ اپنے معنیٰ پر اکتفا کرنے والی ہے اسی لیے یہ خود فاصلہ ہے اسی لیے اس کا نام آیۃ ہے، ہاں وقف کے وقت سب کے سب احد اور الصمد کی دال کو ساکن پڑھتے ہیں۔

ربط: اس کے بعد بعض احکام جزئیہ کی تصریح فرمائی وہ احکام سابقہ میں مندرج ہیں۔

لَمْ یَلِدْ (کسی کو نہیں جنا) ملائکہ اور حضرت مسیح علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہنے والوں کا منصوصاً رد ہے اسی لیے ماضی پر نفی وارد ہے لَنْ یَّلِدَ وَ لَا یَلِدُ نہیں فرمایا یعنی اس سے اولاد کا صدور نہیں ہوا کیونکہ وہ کسی کا ہم جنس نہیں تاکہ اس کی ہم جنس جورو ہو تاکہ بچے پیدا ہو سکیں یا یہ کہ وہ کسی کا محتاج نہیں جو اس کی مدد کرے یا اس کا جانشین ہو کیونکہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور نہ اس پر فنا ہے۔

سوال: یہاں لَمْ یَلِدْ اور بنی اسرائیل میں فرمایا لَمْ یَتَّخِذْ۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: نصاریٰ کے دو گروہ ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا ہے۔

لَمْ یَلِدْ میں انہی کا رد ہے۔

(۲) عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے (منہ بولا) بیٹا بنا رکھا ہے ان کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے، جیسے ابراہیم علیہ السلام کی شرافت پر انہیں خلیل بنایا۔

ان کے رد میں فرمایا:

لم یتخذ ولداً۔

وَلَمْ یُوْلَدْ (اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اس کی کسی سے ولادت کی نسبت نہیں کیونکہ اس پر عدم کی سبقت کی نسبت محال ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ والدیۃ و مولودیۃ کی نسبت میں مثلیت ہی ہوتی ہے کیونکہ مولود کو ضروری ہے کہ وہ والد کے مثل ہو اور ہویۃ واجبہ اور ہویات ممکنہ کو آپس میں کوئی نسبت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت البقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لم یلد ولم یولد کا مطلب یہ ہے کہ وہ حوادث کا محل نہیں اور حوادث اس کا محل ہیں اور تصریح ہے کہ وہ کسی سے پیدا

نہیں ہوا باوجودیکہ وہ اس کے مضمون کے معترف ہیں ماقبل کی تقریر سے۔ اور اس کی تحقیق بالاشارہ ہے کہ وہ دونوں لازم وملزوم ہیں کہ جو دوسرے کو جنتا ہے وہ کسی دوسرے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ جو کسی کو نہ جنے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوتا اس سے لازماً ثابت ہوا کہ اس نے کسی کو نہیں جنا تو وہ بھی کسی سے پیدا نہیں ہوا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ لم یلد کا ذکر مقدم اس لیے فرمایا کہ کفار کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

ف : تفسیر فارسی میں ہے کہ لم یلد میں یہود کا رد ہے وہ قائل تھے کہ عزیر علیہ السلام (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے ولم یولد میں نصاریٰ کا رد ہے وہ قائل تھے کہ (معاذ اللہ) عیسٰی علیہ السلام خدا (معبود) ہے۔

ف : حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ لم یلد یعنی اس کی اولاد نہیں کہ اس کی وارث ہو و لم یولد اور اس کا کوئی والد نہیں کہ یہ اس کا وارث ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی)

حل لغات : کہا جاتا ہے ھذا اکفاؤہ و کفؤہ یعنی یہ اس کی مثل ہے کافاً فلاناً ماثلہ وہ اس کا ہم مثل ہے لہٗ اس کا صلہ ہے اس پر مقدم ہے باوجودیکہ اس کا حق ہے کہ وہ مؤخر ہو اس کے مہتم ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا اس لیے مقصود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کفو کی نفی، یعنی نہ اس کا کوئی ہم کفو ہے نہ ہم مثل ہے نہ ہم شکل بلکہ تمام اکفاء (امثال) کا خالق وہی ہے۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کفو فی النکاح مراد ہو، اس سے کسی سے نکاح کی نفی مراد ہے۔

ف : اسم کان کی نفی کی تاخیر رعایت فواصل کی وجہ سے ہے۔

ربط جمل ثلاث ان تینوں جملوں کا ارتباط بالعطف یوں ہوگا کہ ان سے تینوں اقسام کی نفی مراد ہے، درحقیقت یہ ایک جملہ ہے صرف تنبیہ کی خاطر انہیں علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہویۃ احدیۃ کثرت و انقسام کو قبول نہیں کرتی اور نہ ہی وحدۃ ذاتیہ غیر کو مقارن ہے اس لیے کہ وجود مطلق کے سوا باقی سب عدم محض ہے اسی لیے اس کا کوئی ہم مثل نہیں ہو سکتا کیونکہ عدم محض وجود محض کا مثل کہاں۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں مجوس و مشرکین عرب کا رد ہے انہوں نے کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی کفو ہے۔ اور مفسرین نے فرمایا کہ اس سورۃ کی ہر ایک آیت اپنی پہلی آیت کی تفسیر ہے مثلاً کوئی کہے ھُوَ کون ہے؟ تم کہو احد۔ پھر کہے کہ احد کون ہے؟ تم کہو صمد۔ پھر وہ پوچھے صمد کون ہے؟ تم کہو لم یلد و لم یولد۔ وہ سوال کرے کہ لم یلد و لم یولد کون ہے؟ تم

کہو لم یکن لہٗ کفوا احد۔

عجائبات التفاسیر بعض نے فرمایا کہ والھین کا کاشف ھُوَ اور موحدین کا کاشف اللہ اور عارفین کا کاشف احد اور علماء کا کاشف الصمد اور عقلاء کا لم یلد یعنی لم یلد میں توحید العوام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صانع پر شواہد و دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲) بعض اکابر نے فرمایا کہ سورۂ اخلاص میں حال النزول کی طرف اشارہ ہے اور وہ مجذوب کا حال ہے کہ وہ سب سے پہلے کہے ھو اللہ احد اللہ الصمد الخ اور صعود کا حال آخر سے معتبر ہے ھو کی جانب، مثلاً پہلے کہے لم یکن لہٗ کفواً احد پھر ترقی کرتا ہُوا آخر میں کہے ھُوَ۔ لیکن سالک کو لائق نہیں کہ وہ قرآن میں صرف ھُوَ کے وجدان پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اسے لازم ہے کہ وہ قرآن فعلی کی طرف ترقی کرے پھر وہ قرآن کے ھُوَ کا مشاہدہ کرے اور ھُوَ تمام عوالم کو محیط ہے، یہی وُہ پہلا مکاشفہ ہے جو سالک کو منکشف پر ہوتا ہے اور یہ سورۃ باوجودیکہ چھوٹی ہے لیکن جمیع معارفِ الٰہیہ پر مشتمل ہے، اور اس میں ان ملحدین کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں الحاد کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

سُورۃ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔

ف: اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے مضامین عقائد و احکام و قصص پر مشتمل ہیں اور مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ علم المبدأ اور اس کی صفات سے حاصل ہوتا ہے باقی اس کے ذرائع و وسائل و اسباب ہیں۔

فضائل سورۃ اخلاص (۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی بنیاد سورۃ اخلاص پر ہے یعنی ان کی تخلیق توحیدِ الٰہی اور اس کی معرفت و صفات کے دلائل کے لیے ہے اور وہ سب کے سب اسی میں ہیں۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک آدمی کو یہ سورہ قل ھو اللہ پڑھتے ہوئے سُنا آپ نے فرمایا: وَجَبَت (واجب ہوگئی) پوچھا گیا: کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا: وجبت لہ الجنۃ (اس کے لیے جنّت واجب ہوگئی)۔

(۳) حضرت سُہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہُوا فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ فرمایا: جب گھر میں داخل ہو تو اگر کوئی گھر میں ہے تو اسے السلام علیکم کہو، اگر کوئی نہ ہو تو خود پر سلام کہو پھر قل ھو اللہ احد الخ ایک بار پڑھو۔

اس شخص نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے رزق کی فراوانی کر دی یہاں تک کہ وہ اپنے ہمسائیگان پر بھی خرچ کرنے لگا۔

وظیفہ سورۃ الاخلاص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
من قرأ قل هو الله احد بعد صلاة الفجر احدى عشرة مرة لم يلحقه ذنب يومئذ ولو اجتهد الشيطان (جو صبح کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لے اسے گناہ لاحق نہ ہوگا اگر شیطان کوشش کرے)

حدیث شریف میں ہے:

ايعجز احدكم ان يقرأ القرآن في ليلة واحدة فقيل يا رسول الله من يطيق ذلك قال ان يقرأ قل هو الله احد ثلاث مرات۔

کیا تمہارا ایک اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں پورے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ عرض کی گئی: اس کی طاقت کس کو۔ فرمایا صرف قل هو الله احد تین بار پڑھ لیا کرے۔

(۵) معاویہ کا جنازہ مدینہ میں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک میں مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تبوک میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! معاویہ بن المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا ہے حکم ہو تو میں زمین لپیٹ کر آپ کے آگے رکھ دوں اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر پَر مارے تو معاویہ بن مزنی کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھائی آپ کے پیچھے دو صفیں ملائکہ کرام کی تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتہ تھا۔ وہ لوٹ گئے تو آپ نے فرمایا اے جبریل (علیہ السلام) معاویہ بن المزنی نے یہ مرتبہ کہاں سے پایا؟ عرض کی قل هو الله احد سے محبت کی وجہ سے کہ وہ آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے اور ہر حال میں اسے پڑھتا رہتا تھا۔ (رواہ الطبرانی)

(۶) جب سورۃ الاخلاص نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتہ آیا، جب بھی وہ آسمان والوں کے پاس سے گزرتے تو وہ ان سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ کیا ہے؟ تو وہ کہتے نسبۃ الرب۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام نسبۃ الرب ہے۔ (کشف الاسرار)

اس کا نام سورۃ الاخلاص بھی ہے اس لیے کہ یہ شرک سے اخلاص اور عذاب سے خلاصی بخشتی ہے یا توحید میں خالص ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

عفو ربی وثیقتی بالاخلاص

واعتصامی بسورۃ الاخلاص

ترجمہ: میرے رب تعالیٰ کا عفو میرے چھٹکارے کا وثیقہ ہے اور میرا اعتصام سورۃ الاخلاص سے ہے۔

اس لیے کہ یہ سورۃ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ اس میں سوائے اس کے اور کسی شئے کا ذکر نہیں، نہ دنیا کا نہ آخرت کا۔

حنفی نے کہا کہ یہ اپنے پڑھنے والے شدائد آخرت اور سکرات الموت اور ظلمات القبر اور اہوال القیامۃ سے نجات بخشتی ہے۔

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اخلاص اس لیے کہ اس میں حقیقۃ احدیۃ کو شائبہ کثرت سے خالص کرنا ہے۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) سورۃ الاخلاص کی تفسیر سے پیر کے دن ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہ، تفسیر سورۃ الاخلاص کے ترجمہ سے ۹ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز ہفتہ فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

سُورۃ الفلق

آیاتہا ۵	(۱۱۳) سورۃ الفلق مکیۃ (۲۰)	رکوعہا ۱
	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○	
	قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ○ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ○ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ○ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ○ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ○	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے اس کی سب مخلوق کے شر سے اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے جب وُہ ڈوبے اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حسد والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے۔

سورۃ الفلق مدنیہ ہے اور اس کی پانچ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ (تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے)

حلِ لغات: الفلق بمعنی الصبح اس لیے کہ اس سے رات جُدا ہوتی ہے یہ باب الحذف و الایصال کے باب سے ہے فعل بمعنی مفعول ہے اور یہ اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جبکہ شے پوشیدہ اور محجوب ہو کسی دوسری شے سے پھر حجاب ساتر کو مستور سے ہٹایا جائے اور زائل کیا جائے تو اس سے مستور ظاہر ہو جائے اس کے زوال سے وہ شے منکشف ہو جائے اور وہ حجاب جو ہٹایا گیا ہے وہ مفلوق ہے اور

اوہ جو محجوب و منکشف حجاب کے ہٹنے سے ہے وہ مفلوق عنہ ہے اور وہ صبح مفلوق عنہ ہوئی اس علّت کے زوال سے جو ظلمت لیل سے محجوب تھی اسی لیے جو شے زیادہ روشن ہو اسے کہا جاتا ہے: ھو ابین من فلق الصبح (وہ صبح کے کھلنے سے زیادہ واضح ہے)

تفسیر صوفیانہ تمام خلق بھی فلق ہے اس لیے کہ تمام ممکنات یعنی اعیان ثابتہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ظلمۃ العدم کے تحت مستور و محجوب تھے اللہ تعالیٰ نے ان ظلمات کو نورِ تکوین و ایجاد سے روشن کرکے ظاہر فرمایا ان مکوّنات کو جو اس کے علم میں تھا اسی لیے وہ مکوّنات مفلوق عنہا ہوئیں

نکتہ عیاذ (پناہ مانگنا) کو اسم رب سے جو مضاف ہے خلق کی طرف وہ جو اس نور کی خبر دیتا ہے جو ظلمت کے بعد نور اور تنگی کے بعد وسعت اور بندش کے بعد کھلنا کا وعدہ کریمہ ہے کہ جو پناہ مانگنے والے کو جس سے پناہ مانگ رہا ہے سے ضرور پناہ اور اس سے نجات اور ان کی امید کو تقویت بخشی جائے گی جیسا کہ اس کے بعض نظائر کی تذکیر اور اس کی جدوجہد کی مزید ترغیب اور اس کی طرف التجا اور رب سے پناہ مانگنے سے معلوم ہوتا ہے۔

نکتہ: علمائے کرام نے فرمایا کہ طلوعِ صبح پر ثقالت خفت سے اور غم فرحت سے بدل جاتا ہے۔

جبریل و یوسف علیہما السلام کا قصہ مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں گرائے گئے تو آپ کے گھٹنوں پر چوٹ آئی جس کے درد سے ساری رات آرام نہ فرمایا، صبح سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اے یوسف (علیہ السلام) اللہ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کو شفاء ہو۔ آپ نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام! آپ دعا فرمائیں اور میں آمین کہوں۔ جبریل علیہ السلام نے دعا مانگی اور یوسف علیہ السلام نے آمین کہی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو شفاء بخشی۔ پھر یوسف علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا اب میں دعا مانگوں آپ آمین کہیں۔ یوسف علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! اس وقت جتنے درد میں مبتلا ہیں سب کے درد دور فرما دے۔

ف: تجربہ شاہد ہے کہ اول اللیل میں درد اور مرض میں مبتلا آخر شب میں آرام پاتا ہے۔

حکایت ایک صحابی رضی اللہ عنہ ملک شام سے تشریف لائے تو راستہ میں اہلِ ذمہ (ذمی کافروں) کے جھونپڑے دیکھے جن میں سے کسی قسم کے عیش و آرام کے آثار نظر نہ آتے تھے فرمایا کیا ان کے پیچھے الفلق نہیں۔ پوچھا گیا الفلق کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں ایک گھر ہے کہ جب اس کا دروازہ کھلے گا تو تمام اہلِ جہنم کی چیخیں نکل جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ مِن شَرِّ مَا خَلَقَ (اس کی تمام مخلوق کے شر سے) اس کے شر سے جو ثقلین (جن و انس) وغیرہ کی مخلوق ہے جو بھی اہلِ طبائع و صاحبانِ اختیار ہیں یعنی ان کے موذیوں میں سے انس و جن ہیں یا درندے ہیں یا موذی کیڑے مکوڑے۔ اس میں جمیع شرور و مضار (ضرر رساں اشیاء) بدنیہ ہوں یا ان کی غیر، سب شامل ہیں ضرب ہو یا قتل اور شتم، اور دانت چبانا ہو یا ڈسنا اور جادو ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور شر کی اضافت مخلوق کی طرف میں اشارہ ہے کہ یہ شر عالم خلق سے متعلق جن میں متباین (مختلف) مواد کے امتزاج کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان میں متضادہ اور ایک دوسرے کے آگے پیچھے کیفیات رکھی گئی ہیں اس لیے کہ عالمِ کون و فساد کا یہی تقاضا ہے ورنہ عالمِ آخرت وہ تو خیر محض ہے وہ شوائب شر سے بالکل منزہ ہے۔

معتزلہ کی توحید پرستی کا نمونہ چونکہ معتزلہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا خالق نہیں اسی لیے وہ شرٍّ کو منوّن پڑھتے ہیں اور ما خلق کا ما نافیہ مانتے ہیں یہ قرأۃ بالکل مردود ہے کیونکہ اس کی بنا باطل مذہب پر ہے جو قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللّٰہ خالق کل شیٔ۔ (اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے)

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ (اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے) یعنی شر کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے حالانکہ یہ ماقبل شر میں مندرج ہیں اس لیے کہ اس سے پناہ مانگنے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ کثیر الوقوع ہیں اور مستعاذ کی تعیین اس سے استعاذہ زیادہ ضروری ہے اور رات کے شر سے جو سخت اندھیریوں میں لپٹی ہوئی ہے اور شفق کے غائب ہونے کے بعد ہے اللیل۔

حلِ لغات: اللہ تعالیٰ کے قول الیٰ غسق الیل سے ہے یعنی اس کی اندھیریوں کے اجتماع تک۔

القاموس میں ہے: الغسق (محرکۃ) اول شب کی تاریکی۔ وغسق اللیل غسقاً (حرکت کے ساتھ) یعنی اس کی تاریکی سخت ہوگئی۔ غاسق اللیل بمعنی اندھیرا ڈالنے والی رات کما فی المفردات در اصل الغسق بمعنی امتلاء (پُر ہونا) کہا جاتا ہے، غسقت العین (آنکھ آنسوؤں سے پُر ہوگئی۔ دمع (آنسوؤں کا بہنا) اور غسق العین (آنکھ سے آنسوؤں کا بہنا) اور شر کی لیل کی طرف اضافت ملابست کی وجہ سے ہے کہ وہ شرارت میں حادث ہوتا ہے اور اس کی تنکیر اپنے جمیع افراد کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے تمام اجزاء کی وجہ سے۔

اِذَا وَقَبَ (جب وہ ڈوبے)

حلِ لغات: الوقب بمعنی کسی شے کا چھپنا، جیسے پتھر کا چھپنا کہ اس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ دقب بمعنی

دخل فی وقب ۔ اسی سے ہے وقبت الشمس بمعنی غابت (سورج غائب ہوگیا) وقب الظلام (تاریکی داخل ہوگئی)

اب معنی یہ ہُوا کہ جب اندھیرا ہر شے میں داخل ہوجائے اس سے مقید کیا گیا اس لیے اکثر شر اس وقت میں واقع ہوتا ہے اور اس سے بچنا سخت مشکل ہوجاتا ہے ۔ اسی لیے کہا گیا ہے :

اللیل اخفی للویل (خرابی کے لیے رات مخفی ہے)

اور کہا جاتا ہے : اعذر اللیل کیونکہ جب اندھیرا تیز ہوجاتا ہے تو اس میں شر کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے لیکن فریاد رس بہت کم ہوتے ہیں ۔

مسئلہ : اگر کوئی رات کے وقت ہتھیار اٹھا کر چلتا ہے اور کوئی اس سے ہتھیار چھین کر اس کو قتل کر دے تو قصاص نہیں ۔ اگر دن کو ایسے ہُوا تو قصاص واجب ہے اس لیے کہ دن میں فریاد رس بکثرت ہوتے ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ جنگجو لوگ رات کو آتے ہیں اور شریر جنات اور موذی درندے اور دیگر ضرر رساں کیڑے مکوڑے رات کو نکلتے ہیں ۔

حدیث شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے اول وقت میں سفر سے روکا ہے اور برتنوں کو چھپانے اور دروازوں کو بند کرنے اور مشکیزوں کے باندھنے اور بچّوں کو گھر سے باہر نہ جانے کا حکم فرمایا ہے ۔

ف : یہ صرف شر و بلا سے بچنے بچانے کی وجہ سے ہے ۔

ف : بعض نے کہا الغاسق سے القمر مراد ہے جب پُر ہوجائے اور وقوب بمعنی دخول فی الخسوف ہے اور اس کا سیاہ ہونا ۔

حدیث شریف اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شب میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر چاند کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے اس چاند کے شر سے پناہ مانگ، کیونکہ یہ غاسق (اندھیری ڈالنے والا) ہے جب وہ ڈوب جائے اور اس کا شر یہ ہے جس سے بچنا ہوتا ہے جو کہ ابدان میں سرایت کرجاتا ہے یعنی وہ آفات جو اس کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں، اور ادیان میں بھی اس کا شر سرایت کرتا ہے جیسے وُہ فتنہ جس میں اس کے پجاری اور سورج کے پجاری مبتلا ہُوئے ۔

ف : بعض نے کہا کہ غاسق سے چاند سے تعبیر کرنا اس لیے کہ چاند کا جرم (جسم) اندھیرے والا ہے اور اس کی روشنی سورج کے نُور کی مرہُونِ منت ہے اور اس کا وقوب اس کا وہ چھپنا ہے جو آخری راتوں

(۲۷، ۲۸، ۲۹ تاریخ) ہیں ہوتا ہے۔ منجمین ان تواریخ کو منحوس سمجھتے ہیں اسی لیے ان تواریخ میں جادوگر کسی کو مریض کرنے کے لیے جادو کا عمل نہیں کرتے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اسے منحوس نہ سمجھا جائے تو کم از کم چاند کے چھپ جانے کی وجہ سے یہی مراد ہو اور سبب نزول بھی اس کا مؤید ہے۔

ف: بعض نے کہا غاسق سے مراد ثریا (کہکشاں) مراد ہے اور اس کے وقوب سے اس کا سقوط مراد ہے کیونکہ جب یہ ساقط ہوتی ہے تو امراض کی کثرت ہو جاتی ہے اور طاعون اور وبا، جیسی بیماریاں انہی ایام میں پھیلتی ہیں او جب یہ ظاہر ہوتی ہے تو بیماریاں اور درد و آلام کم ہو جاتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا غاسق سے مراد وہ شر ہے جو انسان کو عارض ہوتا ہے اور وقوب سے اس کا ہجوم (غلبہ) اور یہ بھی ہے کہ غاسق سے کالا سانپ اور وقوب سے اس کا ڈسنا اور زہر پھیلانا مراد ہے۔

القاموس میں ہے کہ غاسق ذکر ہے اور وقب سے بندے کا عبادت کے لیے قیام کرنا مراد ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ایک بڑی جماعت سے منقول ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ (ان عورتوں کے شر سے جو پھونکتی ہیں) یعنی پھونک مارنے والیوں کے شر سے۔

حل لغات: النفثٰت، النفخ کے مشابہ ہے، وہ پھونک جو منتر کے وقت ماری جاتی ہے اس میں تھوک نہیں نکالی جاتی۔ اگر تھوکا بھی جائے تو اسے تفل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے نفث الراقی ینفث (بالضم و بالکسر) (منتری نے منتر پھونکا) النفّاثات (بالتشدید) اس سے فعل کا تکرار مراد ہے اور اسے کارگزاری (عادت) کے طور پر عمل رکھنا۔ النفّاثات فعل کو دفعۃً واحدۃً اور اس کا تکرار دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

فِي الْعُقَدِ (گرہوں میں)

حلِ لغات: عقدہ کی جمع ہے، وہ جو دیر[1] یا رسی یا بال پر گرہ لگائی جائے، یعنی وہ جو پھونکتا اور منتر پڑھتا ہے اس کا اصل عزیمۃ (منتر) سے ہے اسی لیے اسے منتر کہا جاتا ہے جیسے عزیمہ کو عقدہ۔ اسی سے ساحر معقد (جادوگر سحر پھینکنے والا) ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفوس یا ان جادوگر عورتوں کے شر سے جو گرہ لگاتی ہیں تاگوں میں اور ان پر پھونکتی ہیں۔

ف: اس کا حرف تعریف عہد کے لیے یا اس آگاہی کے لیے ہے کہ یہ ان کے جمیع شرور کو شامل ہے اور وہ سحر خالص اسی کا، یہ لگی ہوئی ہیں اور عورتوں کی تخصیص ایک وجہ سے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو

حضرت ابن عباس و سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اس کے پاس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنگھا مبارک کے چند دندانے تھے اس نے

---

[1] چمڑے کی باریک رسی۔

وہ یہود کو دے دیئے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کر دیا۔

حکمت کی باتیں ناخن کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں دفن کئے جائیں ایسے ہی سر اور داڑھی کے بال کل یا بعض بھی زمین میں دفنائے جائیں تاکہ ان سے فائدہ اٹھا کر کوئی کسی پر جادو نہ کر دے۔

لبید کا جادو لبید بن عاصم یہودی اور اس کی لڑکیوں نے گرہوں میں پھونکا تھا، پھر انھیں بئر اریس میں دفن کر دیا۔

ف : عین المعانی میں ہے کہ وہ بئر زریق میں دفنائے گئے تھے۔ اس کا نام ذروان بھی ہے۔ اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تھے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم چھ ماہ بیمار رہے تو حضرت جبریل علیہ السلام معوذتین (سورہ فلق و سورہ الناس) لائے۔

حلِ لغات : المعوذتین (بکسر الواوٗ) (القاموس) جبریل علیہ السلام نے جادو کی جگہ اور جس نے جادو کیا اور کیوں کیا خبر دی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا انہوں نے کنواں کھودا تو اس کنویں سے پتھر نکلا وہ پتھر اٹھایا جو کنویں کی تہ میں تھا اس کے نیچے سے کنگھا کے دندانے اور ان کے ساتھ تاگے تھے جن پر گیارہ گرہیں تھیں جن پر سوئیاں جڑی تھیں انھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے آئے۔

اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معوذتین پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی تھی اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام محسوس کرتے، یہاں تک کہ سورتوں کی آخری آیت تک حضور علیہ السلام کو کلی طور پر آرام ہو گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام پڑھتے تھے :

بسم اللہ ارقیك واللہ یشفیك من کل شیئ یؤذیك من عین وحاسد۔	اللہ تعالیٰ کے نام سے پھونکتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی آپ کو شفاء دے گا ہر اس شئے سے جو آپ کو اذیت پہنچائے۔

ردِّ وہابیہ اسی لیے کچھ پڑھ کر دم کرنا پھونکنا شرعاً جائز ہے جب وہ کلامِ الٰہی و کلامِ نبوی ہو، وہ کلام ناجائز ہے جو سریانی، عبرانی، ہندی میں ہو (جبکہ اس کا معنیٰ معلوم نہ ہو یا وہ کلمات شرکیہ ہوں) اور نہ ہی ان پر کوئی اعتقاد ہو۔

جادوگر کو معاف فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ! کیا ہم اس خبیث کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت

بخشی ہے اب میں نہیں چاہتا کہ لوگوں میں شر پھیلاؤں ۔

سیرۃ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اپنے لیے بدلہ لینے کے طور کسی پر ناراض نہ ہوئے ہاں اگر ناراض ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، تو اللہ اس پر ناراض ہو کر اس سے بدلہ لیا ۔

ف : بعض نے کہا کہ نفثٰت فی العقد سے مراد ہے لوگوں کے وہ عزائم باطل کر دینا جن سے وہ حیلہ و مکر کر کے لوگوں کو نقصان پہنچائیں یہ مستعار ہیں تھوک کے ساتھ گرہوں کو آسانی سے کھولنے سے ۔ اس تقریر پر نفاثات پر عورتوں کی جنس ہے جن کا طریقہ ہے جو اپنے شوہروں پر غلبہ پاکر ان کے نیک ارادے پھیر لیتی ہیں گوناگوں حیلوں اور مکروں سے (نہ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی دینی امور کی معاون ہیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ مردوں کے دلوں میں عورتوں کی محبت کے استقرار سے وہ عورتیں مردوں پر تصرف کرتی ہیں اور انہیں نیک آراء سے ہٹا کر اپنے برے عزائم و مقاصد کی طرف پھیر دیتی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے (تاکہ امت کو آگاہی ہو)

سحر کیا ہے ؟

معتزلہ کہتے ہیں سحر کچھ نہیں یہ ایک خیالی بات ہے (اسی لیے آج کل کے بعض بد مذاہب سحر کے منکر ہیں اور بعض سحر علی النبی کی احادیث کے بھی منکر ہیں، تفصیل آگے آئے گی اِن شاء اللہ تعالیٰ)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایک ایسی بیماری ہے جیسے انگڑائی لینے والے کے منہ سے ایک قسم کی ہوا خارج ہوتی ہے اور وہ پھونک بالمقابل (جس پر سحر انداز) پر اثر انداز ہوتی ہے ہمارے نزدیک وہ سرعۃ الحرکۃ اور لطافت الفعل ہے جس کا فہم مشکل ہے ۔

مسئلہ : بعض نے کہا طلسم کی بناء تاثیر خصائص کواکب پر ہے جیسے سورج کی تاثیر فرعون کے جادوگروں کی لاٹھیوں کے تیل میں اثر انداز ہوئی ۔

معتزلہ اور پرویزی بھائی بھائی

معتزلہ ایسے ہی پرویزی چکڑالوی یعنی منکرین قدرت سحر علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے منکر ہیں اس کا بھی انہیں انکار ہے کہ سحر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر انداز ہوتا ۔

سوال معتزلہ اور پرویز

ان احادیث کو ہم کیسے تسلیم کریں، جو قرآن مجید کی نص کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

واللہ یعصمک من الناس (اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں سے بچائے گا)

اور فرمایا:

فلا یفلح الساحر حیث اتی (اور جادوگر فلاح نہ پائے گا)

اس لیے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کا اثر مان لیں تو نبوت میں قدح لازم آئے گی نیز کفار حضور علیہ السلام کو جادوگر سمجھتے تھے اگر آپ پر جادو کا اثر مان لیا جائے تو کفار کا دعویٰ سچّا ہوجائے گا نیز وہ آپ کو مسحور یعنی مجنون کہتے تھے۔ اور آپ پر جس ہیئت سے سحر کی روایات ہیں اس سے آپ پر جنون کا شائبہ ہوتا ہے کیونکہ سحر سے عقل زائل ہوجاتی ہے اور یہ نبوت میں عیب ونقص ہے اس لیے ان روایات کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سحر دیکھ کر بہت سے لوگوں نے آپ کا دین چھوڑ دیا۔

جوابات از اہلسنّت

(۱) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو ہُوا اور آپ کے بدن مبارک میں جادو سے درد محسوس ہوتا اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور یہ بھی مخالفین مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نہ شیطان مسلط کرنا تھا نہ کوئی انسان اور نہ کوئی جن جو آپ کو ان امور میں ایذار کا موجب بنے جو نبوت اور آپ کی عقل مبارک سے متعلق ہیں، ہاں بشریت مبارکہ اور بدن اقدس کو ضرر پہنچنا من حیث الانسان والبشر حق ہے کیونکہ آپ کو من حیث البشریۃ والانسانیۃ ضرر پہنچتا تھا دوسرے بشروں اور انسانوں کی طرح، جیسے صحت ومرض اور موت اور اکل وشرب اور دفع الفضلات ایسے ہی تاثیر السحر بھی آپ کی نبوت کریمہ کو قادح نہیں، ہاں یہ تاثیر اس وقت قادح ہوتی جب اس کی تاثیر کا معاملہ نبوت کی طرف راجع ہونا اور یہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ سحر کو امورِ نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۲) واللہ یعصمك من الناس کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچاتا ان امور میں جو نبوت کی طرف راجع ہیں ورنہ بدن مبارک کو لوگوں نے تکلیف پہنچائی مثلاً غزوۂ احد میں آپ کی رباعی (دانت مبارک) کو کفار ومشرکین نے ضرر پہنچایا (حالانکہ واللہ یعصمك من الناس کی آیت مبارکہ اس واقعہ سے پہلے نازل ہوچکی تھی۔

سوال: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کی کیا حکمت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں سحر کا اثر وغلبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مکار کے مکر کو آپ کے اندر کیسے اثر ڈالنے دیا اس کے مکر وحیلہ وسحر کو باطل کیوں نہ کر دیا۔

جواب: اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور معجزات کی صحت کا اظہار مطلوب تھا، کیونکہ کافرین ومشرکین آپ کی طرف سحر وکہانت منسوب کرتے تھے اور پھر وہی سحر جس کی طرف آپ منسوب تھے تو وہ آپ میں اثر کرگیا اور ساحر کا عمل اپنا کام کرگیا یہاں تک کہ آپ پر بعض امور ملتبس ہو گئے اور گوناگوں درد جسم مبارک میں عارض

ہوا، اس کا علم حضور علیہ السلام کو نہ ہوا یعنی التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی اور سحر کا معاملہ واضح کیا اگر بقول کفار و مشرکین آپ کے معجزات و خوارق عادات بطور سحر ظاہر ہوتے تھے (معاذ اللہ) تو آپ پر سحر کا اثر معلوم ہو جاتا (ہر ماہر فن اپنے فن کو خوب جانتا ہے) بنا بریں آپ اس کے دفاع کے لیے جد و جہد فرماتے اور یہی آپ کی نبوت کے مضبوط ترین براہین و دلائل سے ہے۔

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بجائے دیگر ازواج رضی اللہ عنہن کے سب سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس لیے خبر دی کہ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ یہ جادو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہوا ہے (معاذ اللہ)

سحر کی اطلاع یحییٰ بن یعمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے چند روز رو کے گئے ایک شب کو خواب یا خواب و بیداری کے مابین دیکھا کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے ایک سر مبارک کی طرف دوسرا پاؤں اقدس کی جانب بیٹھ گیا جو سر مبارک کی جانب سے بیٹھا تھا اس نے پاؤں اقدس کی جانب والے سے پوچھا کہ آپ کو کیا شکایت ہے؟ اس نے کہا جادو سے۔ پوچھا، کس نے کیا ہے؟ کہا: لبید اعلم الیہودی نے۔ کہا سحر کا عمل کہاں ہے؟ کہا فلاں کنوئیں میں۔ پوچھا اس کا علاج؟ کہا، اس کنوئیں کا پانی نکالا جائے، اس کی تہ میں ایک پتھر ہے جب وہ مل جائے تو اسے اُلٹا دیا جائے کیونکہ اس کے نیچے پیالہ ہے اور اس کی گردن کا حصہ نیچے گاڑ دیا گیا ہے اور پیالہ میں وتر[1] ہے جس میں گیارہ گرھیں اور ان میں سوئیاں چبھوئی گئی ہیں انھیں نکلوا کر آگ لگا دیں تو آپ کو شفا ہو جائے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے جو کچھ انہوں نے کہا مکمل طور پر سمجھ لیا تھا، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے نکالنے کے لیے بھیجا۔ (اس کی تفصیل پہلے گزری ہے)

حدیث شریف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم میں کوئی تکلیف محسوس فرماتے تو قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ کر دائیں ہاتھ پر دم کر کے اسی جگہ پر ہاتھ پھیرتے جہاں تکلیف ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ہواجس نفسانیہ و خواطر شیطانیہ نفاثات ساحرات کی طرف جو عقائد القلوب الصافیۃ الطاہرہ پر سیئات عقلیہ کی خباثتیں اور شکوک وہمیہ کی تلوثتیں پھونکتے ہیں (العیاذ باللہ)

تفسیر عالمانہ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (اور حاسد کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے) حسد پر وقف ہے اس کے بعد اللہ اکبر کہا جائے اس لیے کہ وصل

---

[1] زہ یعنی چمڑے کی باریک رسی۔

ایہام سے خالی نہیں یعنی جب وہ جو اس کے سینہ سے ظاہر ہو جائے حسد سے، اور وہ عمل جو حسد کے مقتضا سے اور محسود کو قولاً و فعلاً ضرر دینے کے مقدمات کی ترتیب سے (پناہ مانگتا ہوں)۔

نکتہ : اس سے مقید کرنے میں اشارہ ہے کہ حسد کا ضرر خود حاسد کو گھیر لیتا ہے نہ کہ کسی اور کو۔

سوال : الکشاف میں ہے کہ آیت میں بعض مستعاذ منہ معرفہ ہیں بعض نکرہ، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : النفاثات کو تو معرفہ اس لیے لایا گیا کہ ہر نفاثہ (پھونکنے والی) شریرہ ہوتی ہے اور غاسق کو نکرہ اس لیے کہ ہر غاسق میں شر نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے بعض میں نہیں۔ ایسے ہی ہر حاسد نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ بعض حسد میں تو خیر و بھلائی ہوتی ہے، جیسے اچھے امور میں حصول کا قصد کرنا۔

ف : حاسد سے قابیل مراد لینا بھی جائز ہے اس لیے کہ اس نے اپنے بھائی ہابیل پر حسد کیا۔

مسئلہ : کسی دوسرے کی خیر و بھلائی دیکھ کر اس پر افسوس کرنا حسد ہے۔ اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ کسی کی زوال نعمت کی تمنا کرنا جبکہ وہ اہل نعمت اس کا مستحق ہے، کا نام حسد ہے خواہ وہ نعمت دینی ہو یا دنیوی۔

حدیث شریف ۱ میں ہے :

مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد۔

حدیث شریف ۲ میں ہے :

حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔

ف : پہلا گناہ جو آسمان پر ہوا وہ یہی حسد ہے جو ابلیس نے آدم علیہ السلام پر کیا اور انھیں بہشت سے نکالا تو خود مطرود ہو کر شیطانِ رجیم بنا اور زمین پر یہ گناہ قابیل نے اپنے بھائی کے لیے کیا کہ اسے اس حسد پر قتل کر دیا۔

ف : حضرت حسین بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں شرور کا ذکر فرما کر آخر میں حسد کا ذکر کیا تاکہ ظاہر ہو کہ یہ اخبث الطبائع ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ؎

(۱) اگر در عالم از حسد بدتر بودے — ختم ایں سورہ بداں کردے

(۲) حسد آتشی دان کہ چوں بر فروخت — حسود لعین را ہماں لحظہ سوخت

(۳) گرفتم بصورت ہمہ دین شوے — حسد کے گزارد کہ حق بین شوے

ترجمہ : (۱) اگر عالم دنیا میں حسد سے بدتر اور کوئی مرض ہوتا تو اس سورۃ کو اسی پر ختم کیا جاتا۔

(۲) حسد آگ ہے کہ جب روشن ہوئی حاسد ملعون کو اسی وقت جلا کر رکھ دیا۔

(۳) میں نے مانا کہ بظاہر اگرچہ کوئی سراپا دین ہو لیکن اسے حسد کب چھوڑتا ہے کہ تو حق بیں ہو سکے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس امارہ کے حسد کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ قلب پر گرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا نور جل جائے اور اسے تلوین میں واقع کرنے اور اس کفرانِ نعمت کی کوشش کرتا ہے جو زوال نعمت کا موجب ہے۔

فضیلت معوذتین حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات چند ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی دیکھی نہیں گئیں، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔

ف: الم تر (کیا تُو نے نہیں دیکھا) کا لفظ تعجب کے لیے ہے اس کا مابعد تعجب کے سبب کا بیان ہے وہ یہ کہ ان دونوں سورتوں کی ہر آیت تعویذ ہے جو ان دو سورتوں کے سوا کسی اور میں ایسا نہیں۔

ف: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن کا جزو ہیں اس میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا رَد ہے جو ان کی طرف منسوب ہے کہ یہ قرآن کا جُزو نہیں۔

مسئلہ: عین المعانی میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ معوذتین قرآن مجید کا جزو ہے۔

سوال: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ان کے جزو ہونے کا انکار کیوں؟

جواب: ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے صرف ان کے مصحف میں نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کے جزو ہونے کے قائل نہیں۔ یہ غلط ہے، اس لیے کہ انہوں نے مصحف میں وہ سورتیں درج کیں جن کے لیے اذہان سے بھُول جانے کا خطرہ تھا اور یہ ان دونوں سورتوں کے اذہان سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو بچہ بچہ کی زبان پر ہر وقت جاری رہتی تھیں۔

ابنِ مسعود کی قرأۃ کے جوابات (۱) مصاحفِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف طریقے مروّج تھے، مثلاً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اُمّ الکتاب و معوذتین نہ تھیں اور مصحف اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ القنوت درج تھی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف ان دونوں باتوں سے پاک تھا۔

(۲) ابن مسعود و ابی بن کعب دونوں کے مصحف منسوخ ہیں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف معمول بہ۔

(۳) وہ اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دورہ فرماتے اور وصال کے سال دو دفعہ دورہ ہوا۔

(۴) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم وصال تک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف تلاوت

فرماتے تھے اور اسی کے مطابق نماز پڑھاتے تھے۔

(۵) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ایک سو بارہ سُورتیں ہیں۔ اس کے جواب میں الفقیہ نے البستان میں فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لیے ایک سو بارہ سورتیں بتائیں کہ وہ معوذتین کو قرآن مجید سے شمار نہیں کرتے تھے اسی لیے وہ مصحف میں نہیں لکھتے تھے لیکن وہ فرماتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں کلام رب العالمین ہیں لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے دم پھونک مارتے اور انہیں تعویذ کے طور پر استعمال فرماتے انھیں اپنے اجتہاد سے اشتباہ ہوگیا کہ یہ دونوں سُورتیں کلام الٰہی تو ہیں لیکن قرآن کا جُز نہیں اسی لیے اپنے مصحف میں نہ لکھا (لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے بالمقابل ایک صحابی کا اجتہاد قابلِ قبول نہیں ہوتا)

ایک اور قول اور اس کا جواب سوال: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کُل ایک سو تیرہ سورتیں ہیں۔

جواب: انھوں نے اس لیے فرمایا کہ وہ انفال و سورۃ توبہ کو ایک سورۃ تصوّر فرماتے۔

ایک اور قول حضرت اُبَی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے کہ قرآن مجید کی کل ایک سو سولہ سورتیں ہیں۔

جواب: وہ دعائے قنوت کو دو سورتیں سمجھتے رہے،

(۱) اللّٰھم انا نستعینک سے من یفجرك تک۔

(۲) اللّٰھم ایاك نعبد تا آخر۔

یہ بھی ان کا اپنا اجتہاد تھا جسے صحابہ کرام نے قبول نہیں کیا۔

صحیح قول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں، یہی عامہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی ایک سو چودہ سُورتیں ہیں اور جملہ امصار (شہروں) کے مصاحف میں یہی ہے۔

تحقیقی قول معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں مروی ہے کہ حضرت ابو معاویہ سے وہ راوی ہیں حضرت عثمان بن واقد سے فرمایا کہ مجھے محمد بن المنکدر نے بھیج کر ان سے سوال کیا کہ کیا معوذتین کتاب اللہ سے ہیں آپ نے فرمایا: جو ان دونوں سورتوں کو کتاب اللہ سے نہیں مانتا اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی قرآن کی کسی ایک آیت کا منکر ہو سوائے معوذتین کے، وہ کافر ہے۔

مسئلہ: سفیان بن سخنان نے فرمایا کہ جو کہے معوذتین قرآن مجید سے نہیں اسے کافر نہ کہو کیونکہ ممکن ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کرتا ہو (المغرب للمطرزی)

مسئلہ: ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ معوذتین کی قرآنیۃ میں مشائخ کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اس کا منکر کافر ہے۔

صاحب روح البیان سورۃ الفلق جو قرآن کا جز ہے کی تفسیر اللہ تعالیٰ ملک منان کی مدد سے مکمل ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ الفلق کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ شب اتوار میں فراغت پائی۔

سُورَةُ النَّاس

اٰیاتها ۶	(۱۱۴) سورۃ الناس مکیۃ (۲۱)	رکوعها ۱
	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	
	قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○	

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔
تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب، سب لوگوں کا بادشاہ، سب لوگوں کا خدا، اس کے شر سے جو دل میں بُرے خطرے ڈالے اور دبک رہے وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی۔

سورۃ الناس مکیہ ہے اس کی چھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب) یعنی ان کے جملہ امور کا مالک اور ان کا مربّی ہے کہ ان کی مصلحت کے مطابق فیض پہنچاتا اور ان سے ضرر دفع فرماتا ہے۔

ف: قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ربّ الناس سے ذات مع جمیع الصفات مراد ہے کیونکہ انسان وہ مخلوق ہے جو جمیع مراتب وجود کی جامع وحاصر ہے، اسی لیے اس کا رب بھی جامع جمیع الصفات ہے جس نے

پیدا کیا اسی نے اس کمال تک پہنچایا اسی ذات کے ساتھ باعتبار اسماء جلالیہ و جمالیہ کے پناہ مانگی جا رہی ہے بعد اس کے پہلے اس کی صفات سے پناہ مانگی گئی اسی لیے یہ سورۃ پہلی معوذہ (سورۃ) سے مؤخر کی گئی کیونکہ اس میں تعوذ ہے مقامات میں اسم ہادی کے ساتھ اس سے اسے ذات کی طرف ہدایت دی۔

حدیث شریف میں ہے،

اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك	میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کے ساتھ
من عقوبتك واعوذبك منك۔	تیرے غصے سے اور تیری معافی کے ساتھ
	تیری سزا سے اور تیرے ساتھ تجھ سے۔

شرح الحدیث حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے رضائے الٰہی سے تعوذ کا اس لیے آغاز فرمایا کہ رضا صفات سے ہے اور صفات کو ذات کا قرب ہے اس کے بعد عفو کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ صفات الافعال سے ہے پھر جب یقین میں اضافہ ہوا تو صفات کو ترک کر کے کہا اعوذ منك صرف ذات پر نظر رکھ کر بعض علمائے معافات کو رضا سے پہلے ذکر کیا ہے بوجہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے کیونکہ معافات صفات الافعال اور رضا صفات الذات سے ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ جو غیر اللہ کی طرف التفات میں مبتلا ہوا سے افعال اللہ و صفاتہ تعالیٰ کے ساتھ استعاذہ کرنا چاہیے اور جو بحر توحید میں ایسا غرق ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو موجود نہیں سمجھتا تو وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کسی کے ساتھ استعاذہ کرے اور نہ کسی سے التجا، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ اس مقام سے گزر کر آگے نکل چکے تھے اسے مقام اول کہا جاتا ہے اسی لیے آپ نے کہا اعوذبك منك تیرے سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

نکتہ : فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس سورۃ میں التجار الی اللہ میں سورۃ کے ختم کرنے کی دلیل ہے اس بات پر کہ وہی اول وہی آخر ہے اسی کی طرف تمام امور کا رجوع و منتہیٰ ہے۔

ف : اس میں یوم ازل میں میثاق کے نسیان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر انسان نے اسے نہ بھلایا ہوتا تو اس کی طرف عود اور رجوع کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ تو دائماً اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوتا۔

مَلِكِ النَّاسِ (سب لوگوں کا بادشاہ) عطف بیان ہے اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تربیت دوسرے مالکوں کی طرح نہیں بلکہ وہ کامل مالک ہے اور اس کا تصرف سب کو شامل اور اس کا قبضہ سب پر ہے۔

ازالۂ وہم : وہ جو بعض لوگوں نے مالک و ملک میں فرق کیا ہے اور کہا کہ مالک کو ملک پر ترجیح ہے بایں معنیٰ

کہ وہ مالک العبد ہے اور اس میں وہ مطلق تصرف رکھتا ہے بخلاف ملک کے کہ وہ اس پر قہراً و سیاستہً مالک کہلاتا ہے
اس کے علاوہ او روہ وجوہ ہیں یہ قیاس اللہ تعالیٰ کے لیے صحیح نہیں اور نہ ہی یہ قیاس اس کے لیے جاری ہوسکتا ہے
کیونکہ یہ فرق مخلوق کے لیے ہے اور وُہ تو بجمیع وجوہ سب کا مالک ہے بلکہ اس کی جمیع نعوت واسماء اپنے مکمل ترین مفہوم
کے ساتھ اس کے لیے ماننا لازم ہیں۔

ملک کی مالک پر ترجیح احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک کو مالک پر ترجیح ہے لیکن وہ اسرار القرآن
کے مبنیات اور اس پر تنبیہات کے لیے ہے مثلاً حدیث شریف میں حضور نبی پاک
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادعیہ کریمہ میں وارد ہے کہ :

لك الحمد لا اله الا انت رب كل شئی تیرے لیے حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تُو
ومليكه۔ ہر شے کا رب اور ملیک ہے۔

اس دعا میں و مالکہ نہیں اگر اسی کو ترجیح ہوتی تو و مالکہ ہوتا۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اسماء مستقلہ کو اسماء
مضافہ پر ترجیح ہے اور ملك اسماء مستقلہ سے ہے اور مالك اسماء مضافہ سے۔ اس کی تائید یوں بھی ہوسکتی ہے کہ
اسماء مضافہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء میں نہیں جو منقول ہو کر شمار کیے گئے ہیں جیسے فالق الاصباح ، جاعل اللیل
و ذی المعارج اور ان جیسے اور نیز چوتھی وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ قیامت کبریٰ میں یا ان قیامات صغریٰ میں جو سالکین کو
وصول کے تحقق اور انتہاء سیر اور حال الانسلاخ کے بعد غلبۂ احدیۃ علی الکثرۃ کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے تو
لمن الملك اليوم لله الواحد القهار (ملک) کہتا ہے (نہ کہ مالک) اور ملک کے حاکم کو بھی ملک کہا جاتا ہے
نہ کہ مالک ، ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ ملک کو مالک پر ترجیح ہے۔

ازالۂ وہم سورۂ فاتحہ میں مالک و ملک دونوں قرأتیں جائز ہیں نہ کہ اس سورۃ میں تاکہ تکرار نہ ہو کیونکہ رب کا
ایک معنیٰ مالک بھی ہے اسی لیے فاتحہ میں بھی مالک پر ملک کو محققین نے ترجیح دی ہے۔

اِلٰهِ النَّاسِ (لوگوں کا معبود ہے) اس میں بیان ہے کہ اس کی ملکیت محض ان پر استیلاء اور ان کے
سیاسی امور کی تدبیر کے قیام اور ان کی حفاظت وحمایت کے مبادی کی ترتیب کی تولیت سے نہیں جیسے دنیوی کمزور
بادشاہوں کی ملکیت ہوتی ہے بلکہ بطریق معبودیت کے ہے جو الوہیت کے تقاضا سے ہے جیسے ان میں تصرف کلی
پر قدرت تامہ ہے اور اماتۃً بھی اور ایجاداً بھی اور اعداماً بھی۔

تفسیر صوفیانہ ملك الناس میں فناء فی اللہ کے حال کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ
کیا اور اله الناس میں بقاء باللہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ وہی معبود
مطلق ہے یعنی وہ ذات جو جمیع صفات سے موصوف ہے جب بندہ اس میں فنا پاتا ہے تو اس پر اس کا مالک

ہونا ظاہر ہو جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ مقامِ عبودیت کے لیے وجود کی طرف لوٹاتا ہے، اسی لیے اس وقت اسے وسواس (شیطان) کے شر سے پناہ مانگتی ہوتی ہے کیونکہ وسوسہ محل وجود کا مقتضی ہے اور حالِ فناء میں کوئی وجود نہیں، نہ وہاں سینہ ہے نہ وسوسہ بلکہ اگر وہاں تلوین کا ظہور ہوتا ہے تو بھی کہہ اٹھتا ہے اعوذ بك منك جو معبود بوجود عابد ہیں ہوگا تو شیطان بھی عابد میں ظاہر ہوگا جیسے وہ پہلے اپنے وجود میں موجود تھا نیز یاد رہے کہ مقامِ ربوبیت ناس سے مقید ہے اور وہ عالمِ ملکوت کے باب کے آگے والے مقام میں ہے اور اسی میں مشاہدہ ہوتا ہے اور یہی اس کی نظر کی جگہ ہے کیونکہ تین حضرات تین اسماء سے مخصوص ہیں جسے صرف تین اشخاص حاصل کر سکتے ہیں:

(۱) حضرت الرب

(۲) حضرت الملک

(۳) حضرت الالٰہ ، اس کے رجال تین ہیں :

(i) قطب

(ii و iii) وہ دو امام جو صاحبِ وقت قطب کے وزیر ہوتے ہیں۔ قطب کشف ذاتی مطلق میں منفرد ہوتا ہے، ایسے وہ وزیر قطب کے یسار کی جانب ہے وہ بابِ عالمِ شہادت پر ہے اس باب تک اس امام ثانی کی رسائی نہیں جو دائیں جانب میں ہے امام ربوبیت کی اضافت الناس کی طرف کیوں، حالانکہ وہ ملکوتیات کی معیت میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ثانی جس کا نام ملک ہے کی موت کے وقت امام الربوبیۃ کو اس کے مقام کا وارث ہونا ضروری ہے بخلاف غیر کے کہ اور کو یہ مرتبہ نہیں ملتا۔

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ رب کی اضافت الناس کی طرف کیوں، حالانکہ وہ تو جملہ عالمین کا تعلق اس کی ربوبیت و ملکوت و الوہیت سے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مستفاد منہ شر الشیطان ہے اور وہ لوگوں کی عداوت میں مشہور ہے نص کر کے فرمایا کہ میری ربوبیت و ملکوت کی اضافت میں اشارہ ہے کہ میں اپنے بندوں کو شیطان کے شر سے نجات دوں گا اور اس کے تسلط سے محفوظ رکھوں گا، جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا:

ان عبادی لیس لك علیھم سلطان۔ میرے بندوں پر اے شیطان! تیرا کوئی تسلط نہ ہوگا۔

نکتہ: مضاف الیہ کا تکرار مزید کشف اور اضافہ کے ساتھ اس کی تقریر ہے کیونکہ جسے یہ شرف نصیب نہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کے ذکر کا اعادہ تو کجا ایسے کا ذکر متروک ہونا لازمی ہے بلکہ اسے بیکار چھوڑا جائے کسی نے کیا خوب کہا: ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ هو المسك ما کررته یتضوع

ترجمہ: نعمان کا ذکر بار بار کرو کیونکہ ان کا ذکر وہ خوشبو ہے کہ جس کا جوں جوں تکرار ہوگا خوشبو بڑھتی جائے گی۔

ف: التضوع بمعنی خوشبو مہکنا۔

نکتہ: اگر الناس اللہ تعالیٰ کے ہاں اشرف نہ ہوتا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب اس کے ذکر پر ختم نہ فرماتا

تفسیر عالمانہ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ (اس کے شر سے برے خطرے ڈالے)

حلِ لغات: الوسواس بمعنی الوسوسہ ہے وہ صوتِ خفی جو محسوس نہ ہو کہ جس سے احتراز نہ کیا جاسکے۔ جیسے زلزال بمعنی زلزلہ۔ وہ مصدر (بالکسر) ہے مصدر اور اسم مصدر میں فرق یہ ہے کہ اس حدث کا صدور اگر فاعل سے اور وقوع مفعول پر ہے تو وہ مصدر رہے اگر اس میں یہ حیثیت نہ ہو تو وہ اسم مصدر رہے۔

نکتہ: چونکہ وسوسہ وُہ کلام ہے جسے موسوس بار بار کرتا اور مؤکد کرتا ہے اس کے ہاں جس کے اندر وہ وسوسہ ڈال رہا ہے تو اس کے لفظ کے تکرار کو اس کے معنیٰ کے تکرار کا بالمقابل بنایا گیا۔

ف: الوسواس سے شیطان مراد ہے کیونکہ وہ کلام خفی کہ جسے قلب سمجھتا ہے بغیر اس کے کہ اس کی آواز سُنی جاسکے سے انسان کو معصیت کی طرف بلاتا ہے اور اپنے فعل سے شیطان کو موسوم کرنا مبالغہ ہے کہ گویا وہ نفس وسوسہ ہے کہ وہ دائمی طور وسوسہ کے عمل میں لگا رہتا ہے اس کے دفعیہ کے لیے استعاذہ بتایا کہ اس سے شیطان کو دفع کرو کہ اگر وُہ وسوسہ میں اونچا ہے تو استعاذہ اس کی سرکوبی کے لیے کافی ہے۔

نکتہ: من شر وسوسۃ نہیں فرمایا تاکہ استعاذہ اس کے جملہ شرور کو عام ہو۔

نکتہ: شیطان اعظم کی سخت تر صفات اور اس کی قوی تر تاثیر اور عام فساد سے ذکر فرمایا تو استعاذہ کا ذکر بھی اللہ سے ہے جونہ کہ دوسرے بعض اسماء جیسے پہلی سورۃ میں اسی لیے کہ شیطان وُہ ہے جو رحمٰن کا بالمقابل ہے اور وہ جمعیۃ انسانیہ پر مسلط ہے اور جمیع اسماء کی صورتوں میں ظاہر ہوسکتا ہے اور ہر ایک کے متمثل ہوسکتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ اور رحمان کے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اسی لیے آپ کی صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا) اسی لیے اسم ہادی و علیم و قدیر وغیرہ کے ساتھ استعاذہ نہیں۔

فائدہ صوفیانہ رب الفلق کے ساتھ احتجاب وضلالۃ سے پناہ مانگی تو یہاں رب الناس کے ساتھ پناہ مانگی۔ اسی سے من رأنی فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل بی (جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے مجھے دیکھا اس لیے کہ شیطان میری مثل نہیں ہوسکتا) کا راز ظاہر ہوا۔

ف: ایسے ہی اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاملین کی صورتوں میں شیطان متمثل نہیں ہوسکتا

اس لیے کہ وہ ہدایت مطلقہ کے مظہر ہیں۔

مسئلہ : وسواس سے شیطان مراد ہے کیونکہ وہ معصیت کی دعوت کلام خفی سے دینا۔

القاء کی اقسام

القاء دو قسم ہے :

(۱) صحیح (۲) فاسد

صحیح الٰہی دو قسم ہے :

(۱) ربانی ، یہ علوم و معارف سے متعلق ہے۔

(۲) ملکی روحانی ، یہ طاعت اور ہر وہ عمل جس میں صلاح و خیر کا باعث ہے۔ اسے الہام بھی کہا جاتا ہے۔

اور القاء فاسد دو قسم ہے :

(۱) نفسانی وہ ہے جس میں حظ النفس ہو ، اس کا نام ہاجس ہے۔

(۲) شیطانی وہ ہے جو معصیت کی دعوت دیتا ہے اس کا نام وسواس ہے۔

وساوس شیطانی کے مراتب

آکام المرجان میں ہے کہ جس کی دعوت دیتا ہے اس کے چھ مراتب ہیں :

(۱) کفر و شرک و عداوۃ اللہ و رسولہ جب انسان پر اس میں فتح پاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ کم ہو جاتی ہے بلکہ تھکان اتارنے کے لیے اس سے آرام پاتا ہے۔ یہی وہ پہلا امر ہے جو شیطان انسان سے چاہتا ہے۔

(۲) بدعت (سیئہ) ہے ، یہی شیطان کو محبوب تر ہے ہر گناہ سے ، اس لیے کہ عام گناہ سے تو انسان توبہ کر لیتا ہے تو وہ کالعدم ہو جاتا ہے بخلاف بدعت کے کہ اس کے متعلق انسان کا یقین ہوتا ہے کہ وہ صحیح (اور شرعی عمل) ہے اسی لیے اس سے توبہ نہیں کرتا ، جب کسی مردِ خدا سے اس امر میں شیطان عاجز ہو جاتا ہے تو پھر تیسرے مرتبہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۳) کبائر (کبیرہ گناہ) علیٰ اختلاف الانواع (اس کی جتنی قسمیں ہیں کسی ایک کا انسان سے ارتکاب کراتا ہے) جب اس سے شیطان عاجز آجاتا ہے تو مرتبہ چہارم کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۴) صغائر (صغیرہ گناہ) جب زیادہ ہو جائیں تو انسان کو تباہ کر دیتے ہیں جیسے لکڑیوں میں چھوٹی چھوٹی چنگاریاں (اگرچہ وہ چنگاریاں معمولی ہیں لیکن جب آپس میں مل جاتی ہیں تو لکڑیوں کے ڈھیروں کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہیں) جب انسان اس سے عاجز آجاتا ہے تو مرتبہ پنجم کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۵) مباحات کا اشتغال جن کا نہ ثواب نہ عذاب بلکہ عقاب ہی سمجھو کہ جب مباح کی مشغولی سے اس سے ثواب ہو جائیگا۔ شیطان جب اس سے عاجز آجاتا ہے تو وہ مرتبہ سادسہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۶) بر کہ مفضول عمل میں مشغول کرکے افضل سے محروم کرے تاکہ اس سے زائد ثواب ضائع ہو جائے۔

شیطان کے اقسام

(۱) شیطان الوضوء ولہان (بفتحتین) وہ ہے جو انسان کو وضو میں زیادہ پانی خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تعوذوا باللہ من وسوسۃ الوضوء۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو وضو کے وسوسہ سے۔

(۲) خنزب وہ ہے جو نمازی کو نماز اور اس کی قرأۃ میں التباس پیدا کرتا ہے۔

وسوسہ کی اصل (جڑ) کی قسمیں

دس چیزیں وسوسہ کی اصل اور نتیجہ ہیں:

(۱) حرص، اس کا بالمقابل توکل و قناعت ہے۔

(۲) امل (آرزو وغیرہ) اسے اچانک موت ہی توڑتی ہے۔

(۳) شہوات الدنیا سے نفع پانا، اس کا بالمقابل زوال نعمت و طویل حساب ہے۔

(۴) حسد، اسے رؤیت عدل کا تصور ہی ختم کر سکتا ہے۔

(۵) بلاء اللہ تعالیٰ کی منت و احسان ہی سے مٹ سکتی ہے۔

(۶) کبر، تواضع سے ختم ہوگا۔

(۷) اہل ایمان کی حرمت (عزت و احترام) کو حقارت سے دیکھنا۔ ان کی تعظیم و احترام سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

(۸) حب دنیا اور اسے اچھی نگاہ سے دیکھنا، اسے اخلاص باللہ ختم کرے گا۔

(۹) علو و رفعۃ (اونچے مرتبہ کا خواہاں ہونا) خشوع و ذلت سے مٹے گا۔

(۱۰) منع و بخل، یہ جود و سخا سے ختم ہوگا۔

الْخَنَّاسِ (جو دل میں بڑے خطرے ڈالے)

حل لغات: یخنس سے ہے بمعنی پیتا خر یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جائے۔

حکایت: کسی ولی اللہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ وہ شیطان کو دیکھیں کہ وہ کس طرح آکر وسوسہ ڈالتا ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ہیکل (شکل انسانی) بلوری صورت میں دکھائی جس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تل ہے پرندے کے گھونسلے کی طرح، خناس (شیطان) پہلے تو جمیع جوانب سے انسان کو سونگھتا ہے اس کی صورت خنزیر جیسی ہوتی ہے اور اس کی ایک سونڈ ہے ہاتھی کی سونڈ کی طرح، پھر دونوں کاندھوں کے درمیان میں آتا ہے تو اپنی سونڈ انسان کے قلب کی طرف بڑھا کر اس میں وسوسہ ڈالتا ہے بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر

کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اسی لیے اس کا نام خناس ہے اس لیے کہ وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے جب اسے ذکرِ الٰہی کا نور قلب میں نظر آتا ہے۔

حدیث شریف اسی رازِ الٰہی کی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے کاندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے بلکہ اس کا حکم فرماتے اور اسی کی آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے وصیت (تاکید) کی تاکہ شیطان کا مادہ کمزور رہو اور اس کے اندر جانے کا راستہ تنگ ہو اس لیے کہ اس کا وسوسہ ایسے تیز دوڑتا ہے جیسے انسان کے جسم میں خون۔

نکتہ: مذکورہ بالا وجہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مُہرِ نبوت دونوں کاندھوں کے درمیان میں تھی اس میں اشارہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وسوسہ شیطانی سے معصوم ہیں۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے کہ وہ (شیطان) مسلمان ہوگیا" ختم (مُہر) الٰہی وشرح صدر سے آپ کو اللہ تعالیٰ کی تائید نصیب ہوئی اور عصمتِ کُلی کی وجہ سے آپ کا قرین مسلمان ہوا۔

ف: آدم علیہ السلام کے قرین نے ان پر وسوسہ ڈالا۔

مسئلہ: شیطان انسان کے جسم میں داخل ہوسکتا ہے اس لیے کہ وہ لطیف جسم والا ہے اگرچہ وہ دراصل نار سے پیدا شدہ ہے لیکن آگ کی طرح جلاتا نہیں اس لیے نار و ہوا کے امتزاج سے ایک خاص ترکیب اختیار کرلی انسان کی ترکیب کی طرح۔

تفسیر صوفیانہ الوسواس میں اشارہ ہے اس وسواس کی طرف جو قوتِ حسیہ وخیالیہ سے حاصل ہوتا ہے الخناس میں قوتِ وہمیہ کی طرف اشارہ ہے جو ان دونوں قوتوں سے متاخر ہے اس لیے کہ مقدمات میں یہ عقل کی موافقت کرتی ہے جب امر نتیجہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا وسوسہ اور شک ڈالنے کا معاملہ متاخر ہوجاتا ہے جیسے موتی سے خوف کرنا وہم کا حکم ہے حالانکہ یہ وہم عقل کی بھی موافقت کرتا ہے کہ میت ایک جماد ہے اور جماد سے کیا خوف، قضیہ منطقیہ کا تقاضا بھی یہی ہے جو وہم و عقل دونوں صحیح نتیجے پر پہنچیں تو وہم بھی پیچھے ہٹ جائیگا اور اس کا انکار کرے گا یعنی میت سے نہیں ڈرنا۔

تفسیر عالمانہ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں) جب وہ ذکرِ الٰہی سے غافل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ جو بھولنے والا ہے ذکرِ الٰہی کو قلب و سر و روح سے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یوم یدعوا الداع (بحذف الیاء) اس دن بُلانے والا

کہ کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی کہ جنی جس میں وسوسہ ڈالے اور وہ اسی طرح جنی میں داخل ہوتا یا اس میں اسی طرح جاری ہوتا ہو جیسے انسان میں۔

تفسیر عالمانہ

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (جن اور آدمی)

حل لغات: الجنّۃ (بالکسر) جن کی جماعت من الذی یوسوس کا بیان ہے۔

ف: وسوسہ ڈالنے والے دو قسم ہیں:

(۱) جن

(۲) انس

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شیاطین الانس والجن۔ اور جس میں وسوسہ ڈالا جائے وہ صرف ایک نوع ہے یعنی انسان۔ تو جیسے جن شیاطین وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اباطیل (غلط عقیدے اور برے اعمال) کا وسوسہ ڈالتا ہے اور وہ ناصح مشفق کی شکل میں ہوتا ہے (جیسے دور حاضرہ میں تبلیغی جماعت، بستر اٹھانے والی جماعت کا حال ہے) اگر اسے سامع جھڑکے تو پیچھے ہٹ کر وسوسہ ترک کر دیتا ہے اگر سامع اس کی بات مان جائے تو وہ اپنی کارروائی میں مبالغہ کرتا ہے (جیسے دیوبندی تبلیغی جماعت والوں کا طریقہ ہے کہ جب ان کی بات کوئی مان لیتا ہے تو پھر اسے چلّہ کی دعوت دیتے ہیں)

ف: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جو کسی دوسرے کو (باطل عقیدہ یا عمل صالح کی دعوت دے اور وہ وسوسہ کا تصور اس کے دل پر جما دے تو اس کا نام وسوسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ونعلم ما توسوس به نفسه۔ — ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسہ کرتا ہے۔

جب وہ اپنے نفس میں وسوسہ ڈال سکتا ہے تو وہ دوسرے کو بھی اس میں مبتلا کر سکتا ہے اور اشخاص کے مختلف ہونے سے وسواس کی حقیقت مختلف نہیں ہو سکتی اور یہ بھی جائز ہے کہ من کا تعلق یوسوس سے ہو تو یہ ابتداء الغایۃ کے لیے یعنی وسوسہ ڈالتا ہے از جہت جن کیونکہ وہ غیب جانتے اور نفع و ضرر پہنچاتے یا انسان کی جہت سے جیسے کاہن و منجم۔

تفسیر صوفیانہ

من الجنّۃ میں اشارہ ہے کہ قوائے باطنہ کی طرف جو وہ پوشیدہ و مستور ہیں اسی لیے جن کو جن کہا جاتا ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتے ہیں اور الناس میں قوائے ظاہرہ کی طرف، اس لیے کہ الناس، الایناس سے ہے بمعنی الظہور، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آنست نارا۔

نکتہ: یہاں ایک لطیف اشارہ جس کا بیان ضروری ہے وہ یہ کہ پہلی سورۃ میں مستعاذ بہ (جس کے ساتھ استعاذہ کیا گیا) ایک صفت ہے یعنی برب الفلق اور مستعاذ منہ (جس سے پناہ کی طلب کی گئی) کی تین آفات ہیں:

بلائے گا۔

ف : موصول محلاً مجرور وصف ہے۔

مسئلہ : الخناس پر وقف نہیں یا منصوب یا مرفوع علی النصب ہے اس وقت وقف مستحسن ہے۔

ف : پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کا ذکر فرمایا پھر اس کے وسوسہ کے محل کو، وہ ہے صدور الناس۔ یوسوس فی صدور الناس پر غور کیجئے کہ فی قلوبھم نہیں فرمایا اس لیے کہ صدر قلب کی دہلیز (دالان) اور گھر ہے اسی سے واردات داخل ہوتے ہیں یعنی سینہ میں جمع ہو کر قلب میں داخل ہوتے ہیں اسی لیے وہ بمنزلہ دالان کے ہے۔ دہلیز (بالکسر) وہ جو دروازہ سے دار تک کے درمیان کا حصہ ہے اور قلب سے ارادات و اوامر نکل کر سینہ تک پہنچتے ہیں پھر جنود پر متفرق ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شیطان قلب کے دالان اور گھر میں داخل ہو کر اس کا جو جی چاہتا ہے قلب پر ڈالتا ہے اور سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ وسوسہ قلب تک پہنچتا ہے۔

قلب کے پانچ اُمرا

بعض ارباب الحقائق نے فرمایا کہ قلب کے پانچ امراء ملکیہ ہیں انھیں حواس کہا جاتا ہے:

(۱) حاسۂ بصر

(۲) حاسۂ سمع

(۳) حاسۂ شم (سونگھنا)

(۴) حاسۂ ذوق

(۵) حاسۂ لمس

اور پانچ امر ملکوتیہ ہیں، ان کا نام ارواح ہے:

(۱) حیوانی

(۲) خیالی

(۳) فکری

(۴) عقلی

(۵) قدسی

جب امر الٰہی ان امراء میں کسی ایک امیر پر نافذ ہوتا ہے تو قلب اس ورود علی حسب الحقیقۃ کے مطابق امر الٰہی کی تعمیل میں لگ جاتا ہے اسی پر خواطر و ساوس کا قیاس کیجئے اس لیے کہ عزم انسان ان ہر ایک میں سے خارج کی طرف خارج ہوتا ہے اور حواس و قویٰ کے طرق سے اسے جاری کرتا ہے۔

ف : فی صدور الناس دلالت کرتا ہے کہ شیطان صدور الجن میں وسوسہ نہیں ڈالتا۔ آکام المرجان میں ہے

کہ کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی کہ جنی جس میں وسوسہ ڈالے اور وہ اسی طرح جنی میں داخل ہوتا یا اس میں اسی طرح جاری ہوتا ہو جیسے انسان میں۔

تفسیر عالمانہ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (جن اور آدمی)

حلِ لغات: الجنّۃ (بالکسر) جن کی جماعت من الذی یوسوس کا بیان ہے۔

ف: وسوسہ ڈالنے والے دو قسم ہیں:

(۱) جن

(۲) انس

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شیاطین الانس والجن۔ اور جس میں وسوسہ ڈالا جائے وہ صرف ایک نوع ہے یعنی انسان۔ تو جیسے جن شیاطین وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اباطیل (غلط عقیدے اور بُرے اعمال) کا وسوسہ ڈالتا ہے اور وہ ناصح مشفق کی شکل میں ہوتا ہے (جیسے دورِ حاضرہ میں تبلیغی جماعت، بستر اٹھانے والی جماعت کا حال ہے) اگر اسے سامع جھڑکے تو پیچھے ہٹ کر وسوسہ ترک کر دیتا ہے اگر سامع اس کی بات مان جائے تو وہ اپنی کارروائی میں مبالغہ کرتا ہے (جیسے دیوبندی تبلیغی جماعت والوں کا طریقہ ہے کہ جب ان کی بات کوئی مان لیتا ہے تو پھر اسے چلّہ کی دعوت دیتے ہیں)

ف: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جو کسی دوسرے کو (باطل عقیدہ یا عمل صالح کی دعوت دے اور وہ وسوسہ کا تصور اس کے دل پر جما دے تو اس کا نام وسوسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ۔ ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسہ کرتا ہے۔

جب وہ اپنے نفس میں وسوسہ ڈال سکتا ہے تو وہ دوسرے کو بھی اس میں مبتلا کر سکتا ہے اور اشخاص کے مختلف ہونے سے وسواس کی حقیقت مختلف نہیں ہو سکتی اور یہ بھی جائز ہے کہ من کا تعلق یوسوس سے ہو تو یہ ابتداء الغایۃ کے لیے یعنی وسوسہ ڈالتا ہے از جہت جن کیونکہ وہ غیب جانتے اور نفع وضرر پہنچاتے یا انسان کی جہت سے جیسے کاہن ومنجم۔

تفسیر صوفیانہ

من الجنّۃ میں اشارہ ہے کہ قوائے باطنہ کی طرف جو وہ پوشیدہ و مستور ہیں اسی لیے جن کو جن کہا جاتا ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتے ہیں اور الناس میں قوائے ظاہرہ کی طرف، اس لیے کہ الناس، الابناس سے ہے بمعنی الظہور، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آنست نارا۔

نکتہ: یہاں ایک لطیف اشارہ جس کا بیان ضروری ہے وہ یہ کہ پہلی سورۃ میں مستعاذ بہ (جس کے ساتھ استعاذہ کیا گیا) ایک صفت ہے یعنی برب الفلق اور مستعاذ منہ (جس سے پناہ کی طلب کی گئی) کی تین آفات ہیں:

(۱) غاسق

(۲) نفاثات

(۳) حاسد

اور اس سورۃ (والناس) میں مستعاذ کی تین صفات ہیں :

(۱) الرب

(۲) الملک

(۳) الالٰہ

اور مستعاذ منہ صرف ایک آفت ہے یعنی وسوسہ ، اور سب کو معلوم ہے جتنا مطلوب زیادہ اہمیت کا حامل ہو اس کی رعایت وحفاظت زیادہ کامل اور اکثر ہو تو طالب کی تمنا اس کی طلب سے پہلے بھی اکثر وافر ہوتی ہے۔ پہلی سورۃ میں مطلوب سلامۃ البدن ہے کہ وہ آفاتِ مذکورہ سے محفوظ رہے اور اس سورۃ (والناس) میں سلامۃ الدین مطلوب ہے وسوسۂ شیطان سے۔

ف : ان دونوں سورتوں کے نظم میں تنبیہ ہے کہ سلامۃ الدین از وسوسۂ شیطان اگرچہ امر واحد ہے مگر مراد کے اعتبار سے اعظم اور مطلوب کے لحاظ سے اہم ہے اور پہلی سورۃ میں آفات سے سلامۃ البدن مطلوب ہے اگرچہ وہ امور متعدد ہیں لیکن ان کا وہ مرتبہ نہیں جو سلامتیٔ دین کا مرتبہ ہے۔

ف : آکام المرجان میں ہے کہ سورۃ الناس اس شر سے استعاذہ پر مشتمل ہے جو تمام ذنوب ومعاصی کا سبب ہے اور وہ شر انسان کے اندر ہے اور انسان ہی دنیا و آخرت عقوبات کا منشا ہے اور سورۃ الفلق اس شر سے استعاذہ پر مشتمل ہے جو بندے کا اپنے نفس پر ظلم کا سبب ہے اور وہ شر خارج سے پہلا شر تکلیف میں داخل نہیں اور نہ اُن سے رُکنے کا مطالبہ ہے کیونکہ وہ بندے کے کسب میں داخل نہیں اور شر ثانی تحت التکلیف ہے اور اس کے ساتھ نہی کا تعلق ہے۔

حدیث شریف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر مبارک پر آرام کے لیے تشریف لاتے تو ہر رات کو ہی آپ کا معمول تھا کہ اپنی دونوں مبارک ہتھیلیاں آپس میں ملا کر ان پر پھونک مارتے اور پڑھتے قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس - پھر اپنے جسم مبارک پر جہاں تک ہو سکتا ہاتھ مبارک پھیرتے۔ اس کی ابتداء سر مبارک اور چہرۂ اقدس سے فرماتے اور جسم کے آگے کے حصہ پر پہلے ہاتھ پھیرتے پھر پچھلے حصہ پر۔ اس طرح تین بار ہاتھ پھیرتے۔

مسئلہ: قوت القلوب للشیخ ابی طالب المکی قدس سرہٗ میں ہے کہ انسان جب درس (یا کوئی اور قراءۃ و تلاوت وغیرہ) کا آغاز کرتے تو سب سے پہلے پڑھتے، اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم رب اعوذبك من همزات الشیاطین و اعوذبك رب ان یحضرون۔ اور چاہیے یہ بھی پڑھے قل اعوذ برب الناس و سورۃ الحمد پھر ہر سورت سے فراغت کے بعد کہے:

صدق اللہ تعالیٰ و بلّغ رسولہ صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلم اللھم انفعنا و بارك لنا فیہ الحمد للہ رب العلمین و استغفر اللہ الحي القیوم۔	اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تک پہنچایا اے اللہ! ہمیں نفع دے اور ہمارے لیے اس میں برکت نازل فرما تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں میں اللہ تعالےٰ حي القیوم سے استغفار کرتا ہوں۔

ف: اسئلہ عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) میں ہے کہ انہوں نے عرض کی، یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے خبر دو کہ قرآن مجید کی ابتدا کیسے ہو؟ اور ختم کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہو اور ختم صدق اللہ العظیم سے ہو۔

عرض کی، صدقت (یارسول اللہ) (آپ نے سچ فرمایا)

مسئلہ: خریدۃ العجائب میں ہے کہ قاری (تلاوت کرنے والے) پر واجب ہے کہ وہ ختم قرآن مجید پر اور دو کلمات پڑھے ورنہ قرآن تو والناس کے سین تک ختم ہوگیا۔

نکتہ: قرآن مجید کو بسم اللہ کی باء سے شروع کرنے اور والناس کے سین پر ختم کرنے میں "بس" کی طرف اشارہ ہے (بس یعنی کافی) یعنی تجھے کونین میں وہی کافی ہے جو ہم نے تمہیں دو حرف عطا فرمائے ہیں۔ جیسے حکیم سنائی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

از اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سین
یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس

(ترجمہ: قرآن کا اول و آخر باء و سین سے ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ رہِ دین میں تجھے قرآن مجید کافی ہے)

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) ایدہ اللہ القدیر (اللہ القدیر اس کی تائید کرے) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بائے بسم اللہ سے شروع کرنے اور والناس

کے سین پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان مراتب کونیہ کا آخری مرتبہ ہے جیسے کلام مراتب الٰہیہ سے آخری ہے وہ اس لیے کہ مراتب کونیہ کی ابتداء عقل اول اور اس کی انتہاء انسان ہے اس کا مجموعہ قرآن مجید کے حروف بھی ہیں اور مراتب الٰہیہ کا پہلا مرتبہ حیاۃ اور آخری مرتبہ کلام ہے اسی سے سب سے پہلے جو مولود سے ظاہر ہوتا ہے وہ ہے حیاۃ اور اس کا آخر میں ظاہر ہوتا ہے کلام اور یہی موضوع ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پہ پیدا فرمایا اور کلام قرآنی کا اوّل اسم الٰہی سے ہے کیونکہ وہی مبدا اول ہے اور اس کا آخر الناس ہے کیونکہ انسان ہی اللہ تعالیٰ کا مظہرِ آخر ہے اور مبتدی تعلّم میں عروج کرتا ہوا مبداء اول اور اس کے اسم عالی تک پہنچتا ہے اور منتہی (سالک) تلاوت میں نزول کرتا ہے تو یہاں تک کہ انس سافل کے ذکر اور اس کی حقیقت تک پہنچتا ہے اور جلائہ مبداء اللہ تعالیٰ ہے اور استجلائہ منتہی وہی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ اول (بلا بدایۃ) وہی ہے اور آخر (بلا نہایۃ) وہی ہے ۔

مسئلہ : ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ سورۃ والناس کے آخر تک پہنچتے تو پڑھتے الحمد للہ الیٰ آخرہ پھر سورۃ البقر کی پانچ آیات تا المفلحون پڑھتے ، اسی کا نام ہے حال المرتحل ۔

حال المرتحل کی تشریح حال بمعنی حلول کرنے والا یعنی تلاوت کرنے والا اپنی قرآت میں قرآن کے ختم تک پہنچ کر آگے مرتحل (بمعنی کوچ کرنے والا) ہے دوسرے ختم کی طرف شیطان کی ناک کاٹ کر (بدعت حسنہ) مذکورہ بالا طریقہ بدعت ہے لیکن تمام مسلمانوں کے بلاد میں مشہور رہے اور ابن کثیر کی قرآۃ معمول بہ ہے[1]۔

بدعات القرآن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید کا والناس تک پڑھنے کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے (لیکن ہے یہ بھی بدعت) اس کے سوا اور کوئی شے نہ پڑھے ۔

تین بار قل : انہی سے مروی ہے کہ یہ مستحب ہے اور اسی کو مشائخ عراق نے مستحسن فرمایا کہ سورۃ الاخلاص کو

---

[1] جس سے نہ وہابیوں کو انکار ہے نہ دیوبندیوں نہ مرزائیوں کو ، نہ دوسرے گمراہ فرقوں کو ۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ صرف اس بدعت بلکہ بہت سے بدعات پہ یہ فرقے عمل کرتے ہیں لیکن جوں ہی میلاد ، عرس ، گیارھویں اور اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا نام لو تو یہ گمراہ فرقے جَل بھُن جاتے ہیں ۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ یہ فرقے تحریکِ وہابیت کی شاخیں ہیں ۔ اس سے اہلسنت کو آگاہ ہونا ضروری ہے ۔
(اویسی غفرلہٗ)

ختم پر تین بار پڑھنا چاہیے۔ ہاں اگر اس ختم کو نمازِ فرض میں پڑھے تو پھر سورۃ اخلاص کا تکرار نہ کرے (یہ طریقہ بدعت ہے جیسے آج کل عموماً تراویح کے ختم پر اکثر لوگوں میں مروج ہے)

ختم کی مجلس میں حاضری

حدیث شریف میں ہے جو قرآن مجید کے ختم کی مجلس و محفل میں حاضر ہوتا ہے ان مغانم میں حاضری کے برابر ہے جو مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور جو اس کے آغاز میں حاضر ہو تو وہ ایسے ہے جیسے فتح فی سبیل اللہ میں حاضر ہوا۔

ختم القرآن کا فائدہ

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر ختم قرآن پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔

(۲) جب کوئی قرآن مجید ختم کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ دیتا ہے۔

(۳) جو ختم قرآن کے وقت اپنی بخشش میں شک کرتا ہے اس کے لیے بخشش ہے ہی نہیں۔

مسئلہ: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم القرآن کے وقت دعا کے استحباب پر نص فرمائی ایسے ہی اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی جماعت نے بھی۔

مسئلہ: جو جی چاہے دعا مانگے لیکن دُعا کے وقت قبلہ رُخ ہو، ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے، اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع اور اجابتِ دعا پر یقین کرنے والا ہو۔

مسئلہ: دعا میں سجع (بہ تکلف) کی کوشش نہ کرے بلکہ ہو سکے تو اس سے اجتناب کرے۔

مسئلہ: دُعا کے وقت پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے پھر حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: دُعا سے فراغت پر منہ پر دونوں ہاتھ پھیرے۔

دُعا ختم القرآن

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ ختم القرآن پر مندرجہ ذیل دعا مانگیں:

اللھم انی اسألك اخبات المخبتين	اے اللہ میں تیرے چھپ کر عبادت کرنے والوں
واخلاص الموقنين ومرافقة الابرار	کی سی عبادت کرنے کا اور یقین والوں کے
واستحقاق حقائق الايمان والغنيمة	اخلاص اور ابرار کی رفاقت اور حقائق الایمان
من كل بر والسلامة من كل اثم ووجوب	کا استحقاق اور ہر غنیمت سے حصہ اور ہر گناہ
رحمتك وعزائم مغفرتك والفوز	سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں اور میں نے

بالجنة والخلاص من النار۔ تیری رحمت کی امید کی ہے اور تیری مغفرت کے عزائم اور جنت کی کامیابی اور جہنم سے چھٹکارا کی۔

مسئلہ: شرح الجزری لابن المصنف میں ہے کہ دعا میں نہایت ہی عاجزی ضروری ہے اور دعا بہت ضروری اور اہم امور کے لیے کرے اور کلماتِ جامعہ استعمال کرے یا وہ کلمہ جو سب سے معظم ہو یا بہتر ہے کہ دعا میں جملہ امورِ آخرت اور امورِ مسلمین سے متعلق ہوں۔ ایسے ہی سلاطین کی اصلاح کی دعا بھی ہونی چاہیئے بلکہ تمام امورِ سلطنت کے اراکین کے لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں طاعات کی توفیق دے اور انہیں مخالفاتِ اسلام سے محفوظ رکھے اور ان کا تعاون علی البر والتقوی کرے اور انہیں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور انھیں اعداءِ اسلام پر غلبہ بلکہ تمام مخالفین پر فتح ونصرت بخشے۔

نبوی دعاءِ ختم القرآن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ختم قرآن پر (مندرجہ ذیل دعا) پڑھا کرتے تھے:

اللهم آنس وحشتي في قبري اللهم ارحمني بالقرآن العظيم واجعله لي اماما ونورا وهدى ورحمة اللهم ذكرني منه مانسيت وعلمني منه ماجهلت وارزقني تلاوته آناء الليل واطراف النهار واجعله حجة لي يارب العالمين۔

اے اللہ! قبر کی وحشت میں اسے میرا انوس بنا اور قرآن عظیم کے طفیل مجھ پر رحم فرما اور اسے میرا امام ونور اور ہدایت اور رحمت بنا اے اللہ مجھے یاد دلا جو کچھ میں اس سے بھولا اور جو اس سے میں بے خبر رہا مجھے اس کا علم دے اور دن رات کی گھڑیوں میں مجھے اس کی تلاوت کی توفیق دے، اور اے رب العالمین اسے میرے لیے حجت بنا۔

ایک اور دعاءِ ختم القرآن حضرت ابوالقاسم شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ ختم قرآن پر مندرجہ ذیل دعا مانگا کرتے تھے:

أللهم انا عبيدك وأبناء عبيدك وابناء امائك ماض فينا حكمك عدل فينا قضاؤك نسألك اللهم بكل اسم هو لك سميت به نفسك اوعلمته احدا من خلقك او نزلته

اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرے بندوں اور تیری کنیزوں کی اولاد ہیں ہمارے میں تیرا حکم جاری اور تیری قضاء ہمارے میں عدل سے ہے اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں ہر اسم کے واسطہ سے وہ اسم جو صرف تیرے لیے

فی شیٔ من کتابك او استأثرت به فی
علم الغیب عندك أن تجعل القرآن
ربیع قلوبنا وشفاء صدورنا وجلاء
احزاننا وهمومنا وسائقنا
وقائدنا الیك والی جناتك جنات
النعیم ودارك دار السلام
مع الذین انعمت علیهم من
النبیین والصدیقین و
الشهداء والصالحین برحمتك
یا ارحم الراحمین۔

جسے تُو نے اپنے لیے خود مقرر فرمایا ہے یا اپنی
مخلوق میں کسی کو بتایا ہے یا اپنی کسی ایک کتاب
میں اسے نازل فرمایا ہے یا اسے خاص اپنے
علمِ غیب میں پوشیدہ رکھا ہے یہ کر بنا دے
قرآن ہمارے قلوب کی بہار اور ہمارے صدور
کی شفاء اور ہمارے احزان وہموم کی جلاء
اور اسے جنّاتِ نعیم اور اپنی دار اور دار السلام
کی طرف قائد وسائق بنا دے ان حضرات
کے ساتھ جن پر تیرا انعام ہے انبیاء علیہم السلام
اور صدیقین اور شہداء وصالحین میں سے اپنی
رحمت کے ساتھ اے ارحم الراحمین۔

دعاءِ ختم تفسیر القرآن

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) اپنے رب قدیر کے حضور میں ہاتھ اٹھا کر عرض کرتا ہے:

اللهم انی اعوذ بمعافاتك من عقوبتك
واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك
منك لا احصی ثناء علیك انت
کما اثنیت علی نفسك فقد انجزت
لی ما وعدتنی انك لا تخلف المیعاد
وجعلت رؤیای حقا واحسنت
بی اذ أخرجتنی من سجن الهم
وخاطبتنی عند ذلك بقولك
سل تعط فجعلت منتهی سؤلی
رضاك وبشرتنی بقبول خدمتی
هذه حیث قلت فتقبلها ربها
بقبول حسن وکنت ادعوك باتمام

اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری معافاۃ
کے طفیل تیرے عذاب سے اور تیری رضا کے
طفیل تیرے غضب سے اور تیرے کرم سے
تجھ سے میں تیری ثناء شمار نہیں کر سکتا تو نے
اپنی ثناء جس طرح کی وہی تیرے لائق ہے اور
تو نے میرے ساتھ وعدہ پورا فرمایا جیسے تُو نے
وعدہ کیا بیشک تُو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا تُو
نے میرے خواب کو اچھا کیا اور تُو نے میرے
ساتھ احسان فرمایا جب تُو نے مجھے غم وہم سے
نکالا اور اس وقت تُو نے میرے ساتھ خطاب
کر کے فرمایا کہ مانگ تجھے دیا جائے گا میں نے
اپنے مقصد کا منتہیٰ تیری رضا کو بنایا اور تُو نے

النعمة و اكمال السنة فلم اكن بدعائك
رب شقيا فأنعم على فيما بقي
من عمري القليل باضعاف
ما عودتني به قبل هذا من انواع
آلائك و اصناف نعمائك واختم لي
بخير وهدى ونور، وبكل بر و
سعادة وسرور، وصل على
نبيك النبيه الذي هو مفتاح
الخيرات، ومصباح السائرين الى
منازل القربات في جنح الاوقات،
وعلى آله واصحابه القادة،
ومن تبعهم من السادة -

میری خدمت قبول کرنے کی بشارت سے مجھے
نوازا کہ فرمایا اسے اس کے رب تعالیٰ نے قبول
فرما لیا قبول حسن سے اور میں دعا مانگتا تھا کہ
مجھ پر اتمام نعمت و اکمال منت ہو، اے
میرے رب تعالیٰ میں تجھ سے دعا مانگنے سے
ناامید نہیں ہوں - تو مجھ پر انعام فرما جتنا میری
قلیل عمر باقی رہ گئی اس سے کئی گنا زیادہ جو
تو نے میری گزشتہ عمر میں عطا فرمایا کہ گوناگوں
نعمتوں اور قسم قسم کی ملتوں سے نوازا میرا
خاتمہ خیر وہدایت نور اور ہر بر و سعادت و سرور
پر فرمایا اور درود بھیج اپنے نبی (صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم) پر جو کہ آپ ہی مفتاح الخیرات
و سائرین الیٰ منازل القربات کا چراغ ہیں
ہر آن اور ہر گھڑی میں، اور آپ کی آل و اصحاب
پر جو کہ وہ ہمارے قائدین ہیں اور آپ کے تابعین
پر جو ہمارے سردار ہیں -

فراغت از تفسیر روح البیان

تفسیر روح البیان فی تفسیر القرآن کی تحریر ختم ہو گئی اس کے لکھنے میں تقریباً مدت الوحی (تئیس سال) گزری باوجودیکہ اندر دوران مجھے تقدیر و قضائے سے کئی مشکلات پیش آئیں اور دور دراز کے سفر طے کیے اور بہت دور کے شہروں تک پہنچایا گیا اور ملک کے طول و عرض تک جانا ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام اتمام (تکمیل تفسیر) تک پہنچا دیا اور وہ یوم الخمیس ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۷ھ اس ذات کی ہجرت سے جو آگے پیچھے برابر دیکھتے تھے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم)

قطعہ تاریخ اختتام از مصنف روح البیان قدس سرہٗ

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ خود فرماتے ہیں کہ) میں نے مندرجہ ذیل قطعہ نظم کے طور پر لکھا:

ان من من جناب ذی المنن — ختم تفسیر الکتاب المستطاب

قال فی تاریخہ حقی الفقیر — حامداً للہ قد تم الکتاب

وقلت بحساب الحروف المنقوطۃ — وقع الختم بجود الباری ۱۱۱۷

ترجمہ: (۱) بیشک جناب ذی المنن کے احسان سے کتابِ مستطاب (قرآن مجید) کی تفسیر ختم ہوئی۔

(۲) فقیر حقی (اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس کی تاریخ میں الحمد للہ کہ کتاب (تفسیر روح البیان) مکمل ہوگئی۔

(۳) میں نے حروف منقوطہ (نقطہ والے حروف) سے حساب سے کہا کہ ختم واقع ہوا باری تعالٰی کے جود (وکرم) پر۔

توضیح از اویسی غفرلہٗ (حروفِ منقوطہ "وقع الختم بجود الباری" میں یہ ہیں: ق، خ، ت، ب، ج، ب، ی۔ اور ان کا حساب مندرجہ ذیل ہے:

حرف	عدد
ق	۱۰۰
خ	۶۰۰
ت	۴۰۰
ب	۲
ج	۳
ب	۲
ی	۱۰
میزان کل	۱۱۱۷

اور یہی سن ہے تفسیر روح البیان کا)

وآخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین ۱۱۱۷۔ ان کا آخری کلمہ یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین۔

فراغت از ترجمہ تفسیر روح البیان

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ترجمہ تفسیر روح البیان ۱۰ شعبان ۱۴۰۹ھ / ۱۹ مارچ ۱۹۸۹ء بہاولپور ساڑھے چار بجے بعد دوپہر فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

آغاز و اختتام

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ / ۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو لائل پور کے جامعہ رضویہ سے علمی تکمیل کے بعد اپنے آبائی گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خان میں سلسلۂ تدریس جاری کیا اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف بھی شروع کر دی۔ شرح ایساغوجی، شرح ابواب الصرف، شرح صرف بہائی، نعم الحانی شرح جامی حصہ اول کی اشاعت کے بعد ۱۹۵۶ء میں روح البیان کے ترجمہ کا مستقل طور پر آغاز کر دیا۔ اس کے ابتدائی مضامین ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں قسط وار شائع ہوئے۔ چونکہ فقیر خود کو ترجمہ کے اہل نہ سمجھتا تھا اس لیے طوعاً و کرہاً کبھی کبھار کچھ نہ کچھ لکھ دیا لیکن مایوس بھی نہ ہوا۔ پھر محض فضلِ ربانی ہی ہے کہ دیکھتے دیکھتے تفسیر مکمل ہو گئی۔ اس میں نہ فقیر کی محنت کو دخل ہے نہ اس کی کارگزاری کو۔ بس کریم کی کریمی ہے کہ مجھ جیسے نکمے سے ہزاروں صفحات لکھوا لئے۔ مجھے خود بھی حیرانی ہے کہ یہ ہزاروں صفحات مجھ سے کیسے معرضِ وجود میں آگئے۔ یہ اس کا احسان و کرم ہے کہ جب سے یہ کام شروع ہوا درمیان میں سینکڑوں تصانیف (کتب و رسائل) تحریر ہوئے لیکن تفسیر کے کام میں رکاوٹ نہ بنے، اور یہ تفسیر گویا میری زندگی کے لمحات کی رفیق رہی۔ یہ کام زیادہ تر سفروں میں ہی ہوا، حضر میں تدریس و تعلیم و دیگر تصانیف کا کام ہوتا رہا۔ اس کی اشاعت بھی میری زندگی کا سرمایہ ہی سمجھیے کیونکہ مالی لحاظ سے فقیر صفر بٹا صفر ہے۔ یہ بھی اس کریم کا کرم ہے کہ مجھ جیسے بے مایہ روزگار سے تفسیر شائع کرا لی ورنہ اس کی اشاعت کا نہ کوئی فنڈ نہ کسی کی حصہ داری نہ کسی دوست کی حمایت، بلکہ مکتبہ کے کارندوں کی ناتجربہ کاری نقصان کے بوجھ تلے دبا دیتی، مہینوں تک اشاعت رک جاتی، سالوں تک قرضوں کی ادائیگی آگے نہ بڑھنے دیتی، لیکن بزرگوں کے ارشاد پر سے

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

ہمت نہ ہاری اور آج بفضلہٖ تعالیٰ مکمل تفسیر فیوض الرحمان (اردو ترجمہ روح البیان) اہلِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہے۔

امتنان و تشکر

فقیر اُویسی غفرلہٗ نے اگرچہ تعلیم سے فراغت کے بعد فوراً نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا لیکن فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان کی اشاعت ایک غیر امکانی صورت محسوس ہوئی کیونکہ ہزاروں صفحات کی تفسیر مہنگائی کے دور میں کس طرح اور کیسے معرض وجود میں آئے کئی سُنّی اداروں سے رابطہ کیا اہل سنت کے بڑے اہل ثروت کو دعوت دی لیکن...

قسمت آزمائی کے طور پر حامد آباد اپنے گاؤں سے سورۃ الفاتحہ شائع کی تو عوام اہلسنت نے ہاتھوں ہاتھ لی اور آگے کی اشاعت کے تقاضے شروع ہو گئے۔ (۱) اللہ میاں گلشن رقم کاتب گجرات کو خوش رکھے انہوں نے مکمل تفسیر کی کتابت کی حامی بھری چنانچہ دس پارے اشاعت اوّل انہوں نے لکھے اور نہ صرف سستے دام بلکہ اکثر کتابت مفت۔ لیکن افسوس کہ لیتھو دور کا ختم ہو کر عکسی کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اس کے بعد ان سے رابطہ ٹوٹ گیا اللہ انہیں اس تعاون کا اجر عظیم بخشے (آمین) (۲) الحاج چودھری مشتاق محمد خان صاحب بی اے لاہور نہ صرف شکریہ کے مستحق ہیں بلکہ محسن عظیم ہیں اور مجھے یہ لکھنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر وہ فقیر کے ساتھ دستِ تعاون نہ بڑھاتے تو ممکن ہے کہ تفسیر کا کام نامکمل رہ جاتا۔ اللہ اس بندۂ خدا کو دارین میں شاد رکھے کہ امراض و مشکلات اور ذہنی خلفشار کے شکار ہونے کے باوجود شب و روز تفسیر کی تصحیح و تزئین و اشاعت میں فقیر سے دو قدم آگے رہے یوں سمجھ لیجئے کہ تفسیری اُمور میں نام میرا کام ان کا۔ ان کے علاوہ فقیر کے چاروں بیٹوں (مفتی محمد صالح اُویسی، حاجی محمد عطاء الرسول اُویسی، حافظ محمد فیاض احمد اُویسی، قاری محمد ریاض احمد اُویسی) اور فقیر کے چند تلامذہ مولوی محمد قمر الدین سعیدی، مولوی غلام مرتضیٰ سعیدی، حافظ احمد بخش سعیدی، مولوی محمد بلال اُویسی، مولوی بشیر احمد سعیدی، اور چند مریدین حافظ رحیم بخش اُویسی قادری، حافظ عاشق رسول اُویسی قادری اور صوفی قادر بخش باروی ناظم مکتبہ صوفی مختار احمد اُویسی قادری کو دعائیں ہیں جنہوں نے فقیر کا ہاتھ بٹایا بلکہ صوفی محمد مختار احمد اُویسی تو تا حال پاکستان کے کونہ کونہ میں دورے کر کے اس کی اشاعت میں کوشاں ہیں نیز وہ عوام سنی برادری بھی شکریہ کی مستحق ہے جنہوں نے پارہ اوّل سے آخر تک وی پی کا بوجھ برداشت کیا اور اس کی اشاعت کا سبب بنے اور ان تلامذہ و احباب کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے تفسیر کی طباعت کے دوران ممبر بنائے۔

آخر میں عبد الحمید صاحب لاہور کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے طباعت و مجلد سازی میں تعاون کیا اور چودھری محمد شریف گل صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اکثر پارے کتابت فرمائے۔

فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور۔ پاکستان

۲ محرم ۱۴۱۲ھ بروز شنبہ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۹۱ء

فہرست تفسیر فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان پارہ ۳۰